تفسیر قرطبی مترجم

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن قرآن

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۔ پاکستان

الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ○ پاکستان
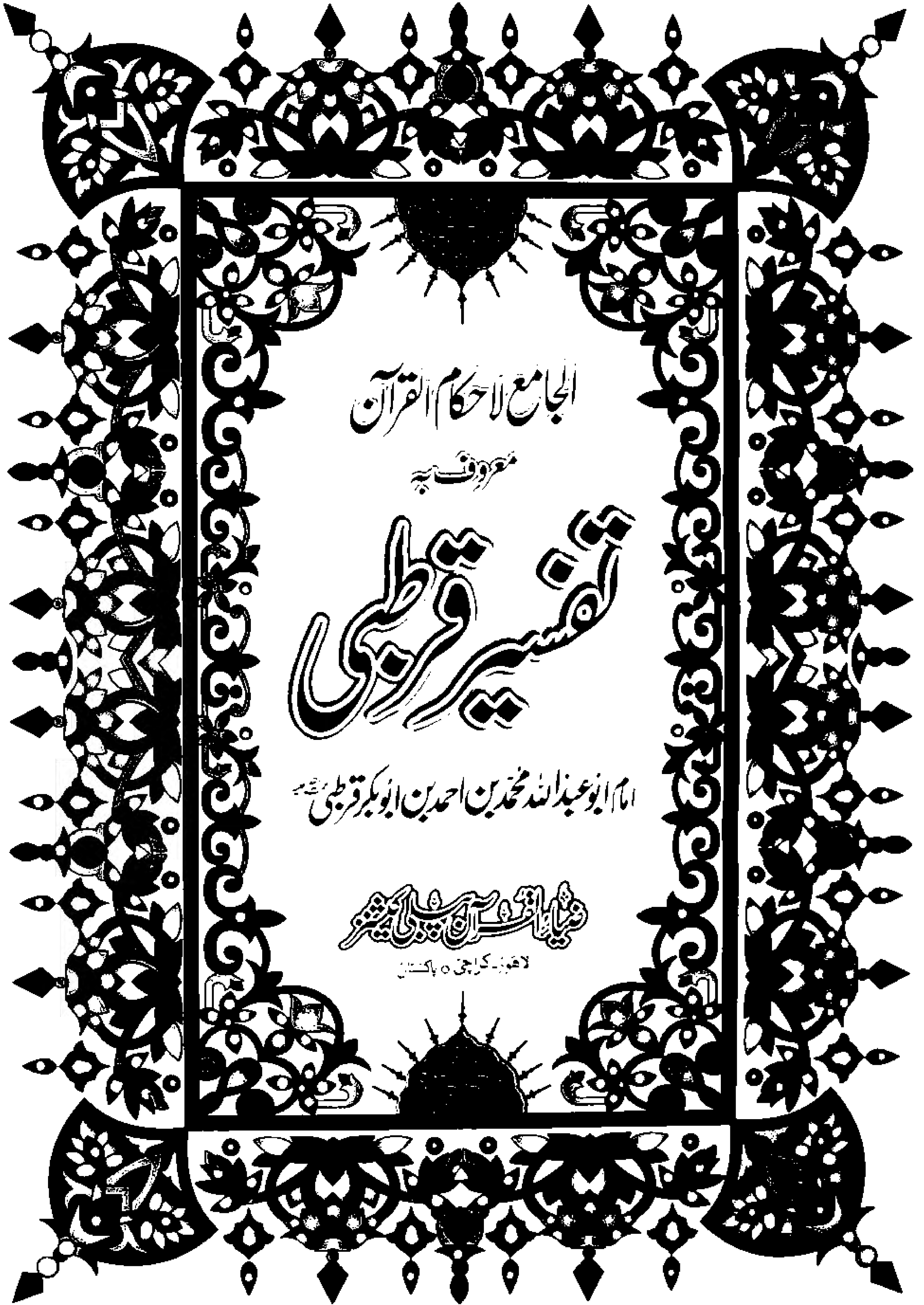
الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی جلد ہفتم

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

متن قرآن کا ترجمہ: جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مُترجمین

مولانا ملک محمد بوستان — مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی

مولانا محمد انور مگھالوی — مولانا شوکت علی چشتی

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور- کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	تفسیر قرطبی معروف بہ الجامع لاحکام القرآن (جلد ہفتم)
مفسر	امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ
متن قرآن کا ترجمہ	حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی
	مولانا محمد انور مگھالوی، مولانا شوکت علی چشتی
	من علماء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر اہتمام	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	اکتوبر 2012ء، بار اول
کمپیوٹر کوڈ	QT54

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔37221953 فیکس:۔042-37238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔37247350۔ فیکس042-37225085

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-32212011-32630411۔ فیکس:۔021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

سورۃ فاطر

سورۃ الفرقان

ایاتھا ۷۸ ۲۵ سُوْرَۃُ الْفُرْقَانِ مَکِّیَّۃٌ ۴۲ رکوعاتھا ٦

جمہور علماء کے نزدیک یہ تمام سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: اس کی تین آیات مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں وہ یہ ہیں وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ۙ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ۙ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ ضحاک نے کہا: یہ سورت مدنی ہے اور اس میں مکی آیات ہیں۔ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔

اس سورت کا مقصود قرآن کی عظمت کا بیان، کفار جو نبوت میں طعن کرتے ہیں ان کا ذکر، ان کے مقالات اور جہالتوں کا رد ہے، ان کی باتوں میں سے ایک بات یہ ہے وہ کہتے ہیں: قرآن کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گھڑا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل نہیں کیا گیا۔ نعوذ باللہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ۝ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْــًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝

"بڑی خیر (و برکت) والا ہے وہ جس نے اتارا ہے الفرقان، اپنے (محبوب) بندہ پر تا کہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضب الٰہی سے) ڈرانے والا، وہ جس کے لیے حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی اور نہیں بنایا ہے اس نے کسی کو بیٹا اور نہیں اس کا کوئی شریک سلطنت میں اور اس نے پیدا فرمایا ہے ہر چیز کو، پس اس نے مقرر کیا ہے ہر چیز کا ایک اندازہ۔ اور بنا رکھے ہیں انہوں نے خدائے برحق کو چھوڑ کر ایسے خدا جو پیدا نہیں کر سکتے کسی چیز کو اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہیں قدرت رکھتے اپنے آپ کو نقصان (سے بچانے) کی اور نہ نفع پہنچانے کی اور نہیں طاقت رکھتے کسی کو مارنے کی اور نہ زندہ کرنے کی اور نہ مرنے کے بعد جلانے کی"۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ، تَبٰرَكَ کے معنی میں اختلاف ہے۔ فراء نے کہا: عربی لغت میں تَبٰرَكَ اور تقدس ایک ہی ہیں دونوں لفظ عظمت کے لیے بولے جاتے ہیں۔ زجاج نے کہا: تبارک یہ برکت سے تفاعل کا وزن ہے۔ کہا: برکت کا معنی ہے ہر خیر والے کی جانب سے کثرت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تبارک کا معنی ہے بلند ہونا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تعالی عطاءہ، اس کی عطا زیادہ اور کثیر ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اس کا انعام دائمی ہے اور ثابت ہے۔ نحاس نے کہا: لغت اور اشتقاق میں یہ ان سب سے اولی ہے، یہ برك الشیء سے مشتق ہے، جب وہ ثابت ہو، اسی سے برك الجمل والطیر علی الماء ہے یعنی وہ ثابت رہا۔ جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے وہ غلط ہے کیونکہ تقدیس میں طہارت کا تصور ہوتا ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ تو کہا جاتا ہے تبارک اللہ، یہ نہیں کہا جاتا: اللہ متبارك، اور نہ ہی یہ کہا جاتا ہے: اللہ مبارك کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات امور توقیفی ہیں (☆) وہی اسماء وصفات ذکر کی جاسکتی ہیں جن کے بارے میں کوئی نص ہو۔ طرماح نے کہا:

تبارکتَ لا معط لشیء منعتَه　　ولیس لما اعطیتَ یا ربِّ مانعُ

''تو بڑی ہی برکتوں والا ہے جس شے کو تو روک لے وہ کوئی عطا کرنے والا نہیں اور جو تو عطا کرے اے میرے رب! اسے کوئی روکنے والا نہیں''۔

ایک اور نے کہا: تبارکتَ ما تقدِرُ یقع ولكَ الشکر، تو بڑی ہی برکتوں والا ہے تو جو اندازہ لگاتا ہے وہ واقع ہو جاتا ہے اور تیرے لیے شکر ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں مبارك ذکر کیا ہے اور ہم نے بھی اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے، اگر اس پر اجماع واقع ہو کہ یہ اسم استعمال نہ کیا جائے تو اجماع کی وجہ سے اسے تسلیم کیا جائے گا اگر اس میں اختلاف واقع ہو تو بہت سے اسماء ایسے ہیں جن کو اسم شمار کرنے میں اختلاف ہے جس طرح دھر وغیرہ۔ ہم نے وہاں اس پر متنبہ کر دیا ہے۔ الحمد للہ۔

الْفُرْقَانَ سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر نازل شدہ کتاب کا نام ہے جس طرح فرمایا: وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ (الانبیاء: 48) اس کا نام فرقان رکھنے کی دو وجہیں ہیں: (۱) اس نے حق اور باطل، مومن اور کافر میں تفریق کر دی ہے (۲) جو حلال وحرام کے احکام مشروع کیے گئے ہیں ان کی اس میں وضاحت ہے، نقاش نے اس کی وضاحت کی ہے۔ عَلٰى عَبْدِهٖ اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا، یکون کا اسم مضمر ہے جو ضمیر ہے وہ عَبْدِهٖ کی طرف لوٹ رہی ہے یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ اس سے زیادہ قریب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ضمیر الْفُرْقَانَ کی طرف لوٹے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے علی عبادہ قراءت کی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: انذر جب وہ ڈرائے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ النذیر جو ہلاکت سے خبردار کرنے والا ہو۔ جوہری نے کہا: نذیر کا معنی منذر ہے اور نذیر کا معنی انذار بھی ہے۔ العالمین سے مراد یہاں انسان اور جن ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کی طرف بھیجا گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے لیے نذیر تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ

☆ قرآن اور حدیث میں جیسے ذکر آیا ہے قیاس اور اجتہاد کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

کسی کی رسالت عام نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام طوفان کے بعد تمام انسانوں کے لیے رسول تھے کیونکہ آپ کے ذریعے مخلوق کا آغاز ہوا۔

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت کو بیان فرمایا وَ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکی بیان کی ان چیزوں سے، جو مشرکوں نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں، یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور ان چیزوں سے بھی پاکی بیان کی، جو یہودیوں نے کہا: حضرت عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالا ہے اور اس سے پاکی بیان کی، جو نصاریٰ نے کہا: حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے ماوراء ہے۔

وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ جس طرح بت پرستوں نے کہا: وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ بات اس طرح نہیں جس طرح مجوسیوں اور بت پرستوں نے کہا: شیطان اور ظالم بعض اشیاء کو پیدا کرتے ہیں۔ اور نہ ہی بات اس طرح ہے جس طرح کوئی یہ کہتا ہے: مخلوق کو ایجاد کی قدرت حاصل ہے، آیت اس سب کا رد کرتی ہے۔ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا مخلوقات میں سے جس چیز کو بھی پیدا کیا اپنی حکمت کے ساتھ اس کا اندازہ لگایا، جس کا بھی ارادہ کیا سہو اور غفلت سے پیدا نہیں کیا۔ مقادیر اللہ تعالیٰ کی مخلوقات پر قیامت اور قیامت کے بعد تک جاری ہیں وہی خالق اور مقدر ہے پس اسی کی عبادت کرو۔

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً مشرکوں نے جو کچھ کہا اس کا ذکر تعجب کے انداز میں کیا کہ انہوں نے کئی معبود بنا لیے، ساتھ ہی ساتھ اپنی وحدانیت اور قدرت پر دلیل کو ظاہر کیا۔ لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا یہ معبودان باطلہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے۔ وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ جب کہ انہیں بنایا جاتا ہے۔ جب مشرکوں نے اعتقاد کیا کہ یہ بت نفع اور نقصان پہنچاتے ہیں تو ان کو اس طرح تعبیر کیا جس طرح ذوی العقول کو تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَ لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا نہ وہ تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ نفع لا سکتے ہیں، مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائیں یا نفع پہنچائیں اور نہ ہی انہیں، جو ان کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ یہ جمادات ہیں۔

وَّ لَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَیٰوةً وَّ لَا نُشُوْرًا نہ وہ کسی کو موت دیتے ہیں اور نہ ہی کسی کو زندہ کرتے ہیں۔ نشور سے مراد موت کے بعد زندگی دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کیا تو وہ زندہ ہو گئے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

حتی یقول الناس مما رأوا　یا عجبا للمیت الناشر

یہاں تک کہ لوگوں نے جو دیکھا اس کی وجہ سے کہا تھیں: اس میت پر تعجب جو دوبارہ زندہ ہونے والا ہے۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ اِفْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۚۛ وَ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

''اور کہنے لگے کفار کہ نہیں یہ (قرآن) مگر محض بہتان جو گھڑ لیا ہے اس نے اور مدد کی ہے اس کی اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے، سو یہ (کہہ کر) انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے اور سفید جھوٹ بولا ہے۔ اور کفار نے کہا: یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے، اس شخص نے لکھوا لیا ہے انہیں، پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح و شام (تا کہ ازبر ہو جائیں) آپ فرمائیے: اتارا ہے اس کو اس (خدا) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے بارے رازوں کو، واقعی وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا مراد مشرکین قریش ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان میں سے یہ بات کرنے والا نضر بن حارث تھا اور اس طرح قرآن میں جہاں بھی اساطیر کا ذکر ہے اس کا کہنے والا بھی یہی تھا (1)۔ محمد بن اسحاق نے کہا: وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیا کرتا تھا۔ اِنْ هٰذَاۤ اسم اشارہ سے مراد قرآن حکیم ہے اِلَّاۤ اِفْكُ افْتَرٰىهُ یعنی جھوٹ ہے جو خود انہوں نے گھڑا ہے۔ وَ اَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ مراد یہودی ہیں، یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ سے مراد ابو فکیہ جو بنی حضرمی کا غلام تھا، عداس اور جبر ہے، یہ تینوں اہل کتاب تھے۔ سورۂ نحل میں ان کا ذکر گزر چکا ہے۔ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا انہوں نے ظلم کیا، ظلم سے پہلے باء حرف محذوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے فقد اتوا ظلما انہوں نے ظلم کیا۔ وَّ زُوْرًا ۝ وَ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ زجاج نے کہا: اساطیر کا واحد اسطورۃ ہے جس طرح احدوثہ کی جمع احادیث آتی ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اساطیر، یہ اسطار کی جمع ہے جس طرح اقوال کی جمع اقاویل آتی ہے۔ اكْتَتَبَهَا اسے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لکھا ہے فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ یہ اس پر پڑھا جاتا ہے۔ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا صبح و شام، یہاں تک کہ یہ یاد ہو جاتا ہے۔ تُمْلٰى اصل میں تملل ہے، ایک جنس کے دو حرف ہونے کی وجہ سے دوسرے لام کو یاء سے بدل دیا جس طرح تقضی البازی اصل میں تقضض تھا اسی طرح دوسرے افعال میں بھی ایسا ہوتا ہے۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے: اس قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے جو سر کو جانتا ہے وہ عالم الغیب ہے اسے کسی معلم کی کوئی ضرورت نہیں۔ السِّرَّ کا ذکر کیا جہر کا ذکر نہیں، کیونکہ جو ذات سر کو جانتی ہے وہ جہر کو بدرجہ اولی جانتی ہے۔ اگر قرآن اہل کتاب وغیرہ سے اخذ کیا گیا ہوتا تو ان پر زائد نہ ہوتا جب کہ یہ ایسے فنون لایا ہے جو ان سے خارج ہیں یہ ان سے ماخوذ نہیں۔ اگر یہ ان سے ماخوذ ہوتا تو مشرک بھی اس پر قادر ہوتے جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قادر ہوئے، انہوں نے اس کے ساتھ معارضہ کیوں نہ کیا تو ہر طرح سے ان کا اعتراض باطل ہو گیا۔ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا وہ اپنے اولیاء کے گناہ بخشنے والا اور ان پر رحم فرمانے والا ہے۔

وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۝ اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ

1۔ المحرر الوجیز

قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝

''اور کفار بولے: کیا ہوا ہے اس رسول کو کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں، ایسا کیوں نہ ہوا کہ اتارا جاتا اس کی طرف کوئی فرشتہ اور وہ اس کے ساتھ مل کر لوگوں کو ڈراتا یا (ایسا کیوں نہ ہوا) کہ اتارا جاتا اس کی طرف خزانہ یا (کم ازکم) اس کا ایک باغ ہی ہوتا، کھایا کرتا اس (کی آمدنی) سے، اور ان ظالموں نے (یہاں تک) کہہ دیا کہ تم پیروی نہیں کررہے ہو مگر ایک ایسے شخص کی جس پر جادو کیا گیا ہے''۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَقَالُوْا ان کے طعنوں میں سے ایک اور چیز کا ذکر کیا۔ قَالُوْا میں ضمیر قریش کے لیے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشہور ملاقات ہوئی۔ سورۂ اسراء میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ابن اسحاق نے سیرت میں اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے سردار عتبہ بن ربیعہ وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے اور عرض کیا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) اگر تو سرداری کو پسند کرتا ہے تو ہم تجھے اپنے اوپر حاکم بنادیتے ہیں، اگر تو مال سے محبت کرتا ہے تو ہم اپنے اموال میں سے آپ کے لیے مال جمع کیے دیتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا تو وہ حجت بازی کی طرف لوٹ آئے۔ انہوں نے کہا: کیا وجہ ہے تو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں ٹھہرتا ہے (1) جب کہ تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہے، انہوں نے کھانا کھانے پر عار دلائی کیونکہ انہوں نے یہ اندازہ کیا تھا کہ رسول تو فرشتہ ہوتا ہے، بازار میں چلنے پر عار دلائی جب انہوں نے کسریٰ، قیصر اور جابر بادشاہوں کو دیکھا کہ وہ تو بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں میں ان سے ملتے جلتے انہیں بعض چیزوں کا حکم دیتے اور انہیں بعض چیزوں سے منع کرتے۔ انہوں نے کہا: یہ خواہش رکھتا ہے کہ ہمارا بادشاہ بن جائے تو پھر بادشاہوں کے طریقے کی کیوں مخالفت کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ساتھ جواب دیا، اور اپنے نبی پر اسے نازل کیا: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ آپ غم نہ کریں اور غمگین نہ ہوں، یہ ایسا عیب ہے جس کی عار آپ سے دور کردی گئی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ تجارت اور طلب معاش کے لیے بازاروں میں جانا مباح ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضرورت کے لیے اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی دعوت یاد کرانے کے لیے داخل ہوتے۔ اور اپنی ذات کو قبائل پر پیش کرتے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ انہیں حق کی طرف پھیر دے۔ بخاری شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت بیان کی گئی ہے: ''نہ ترش رو اور نہ سخت دل اور نہ ہی بازار میں شور وشغب کرنے والے''۔ سورۂ اعراف میں یہ گزر چکی ہے۔ بازار کا ذکر کئی روایات میں مذکور ہے جس کا ذکر اہل صحیح نے کیا ہے۔ صحابہ کرام کی تجارت تو معروف ہے خصوصاً مہاجرین کی تجارت تو مشہور ہے جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارے مہاجر بھائیوں کو بازاروں میں خرید وفروخت مشغول رکھتی، اسے امام بخاری نے نقل کیا ہے، اس سورت میں اس مسئلہ پر مزید گفتگو ہوگی۔

1۔ المحرر الوجیز

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ، لَوْلَآ، ھلا کے معنی میں ہے، فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا یہ جواب استفہام ہے اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ یہ محل رفع میں ہے معنی ہے ھلا یلقی یعنی کیوں نہیں ان کی طرف بھیجا گیا خزانہ؟ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا یا ان کے لیے کوئی باغ کیوں نہیں جس سے وہ کھاتے یَّاْكُلُ یاء کے ساتھ ہے مدنیوں، ابوعمرو اور عاصم نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے باقی کوفہ کے قراء نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ دونوں قرائتیں اچھی ہیں جو صحیح معنی دیتی ہیں اگرچہ یاء کے ساتھ قراءت زیادہ واضح ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکیلے ذکر پہلے گزر چکا ہے تو آپ کی طرف ضمیر لوٹانا زیادہ واضح ہے۔

وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا اس کی تفسیر سورۃ الاسراء میں گزر چکی ہے۔ یہ بات کرنے والا ابن زبعری تھا جس کا ذکر ماوردی نے کیا ہے۔

اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ۞ تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۞

''ملاحظہ تو کیجئے کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں سو وہ (اس بےادبی کے باعث) گمراہ ہو گئے پس وہ راہ نہیں پا سکتے۔ بڑی خیر (وبرکت) والا ہے اللہ تعالیٰ جو اگر چاہے تو بنا دے آپ کے لیے بہتر اس سے (یعنی ایسے) باغات رواں ہوں جن کے نیچے نہریں اور بنا دے آپ کے لیے بڑے بڑے محلات''۔

اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ امثال بیان کیں تاکہ وہ آپ کو جھٹلانے تک پہنچ سکیں۔ فَضَلُّوْا وہ حق کے راستہ اور جس کا انہوں نے ارادہ کیا اس تک پہنچنے سے گمراہ ہو گئے۔ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا انہوں نے جو کچھ آپ کے متعلق کہا اس کی صحت تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں پاتے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ یہ کلام شرط و جزا ہے۔ جَعَلَ لَكَ میں ادغام نہیں کیا کیونکہ دونوں کلمے منفصل ہیں دو ہم مثل حروف کے اجتماع سے ادغام جائز ہوتا ہے۔ وَ یَجْعَلْ لَّكَ محل جزم میں ہے اس کا عطف جَعَلَ کے محل پر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو جب کہ ماقبل سے اس کو قطع کر دیا گیا ہو، اہل شام نے اسی طرح قراءت کی ہے، عاصم سے بھی اسی طرح مروی ہے وَ یَجْعَلُ لَّكَ مرفوع ہے یعنی و سیجعل لك فی الآخرۃ قصورا وہ تیرے لیے آخرت میں محلات بنا دے۔ مجاہد نے کہا: قریش پتھر کے بنے گھر کو قصر کہتے خواہ کیسا ہوتا۔ لغت میں قصر کا معنی روکنا ہے، محل کو قصر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس میں جو ہوتا ہے اس تک پہنچنے سے روک دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرب مٹی کے گھروں کو قصر کہتے اور اون اور جانوروں کے بالوں سے بنے گھر کو بیت کہتے، قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ سفیان نے حبیب بن ابی ثابت انہوں نے خیثمہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو ہم آپ کو دنیا کے خزانے اور ان کی چابیاں دے دیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی کو نہیں دیئے گئے اور نہ آپ کے بعد کسی کو دیئے جائیں گے اور یہ آخرت میں آپ کے اجر میں کوئی کمی کرنے والے نہ ہوں گے اور اگر آپ چاہیں تو ہم اسے آخرت میں آپ کے لیے جمع کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی: ''یہ آخرت میں میرے لیے جمع کر دیئے جائیں'' تو اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ (1) یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ یہ آیت جنتوں کے خازن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک لائے۔ حدیث میں ہے: رضوان جب نازل ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کیا پھر کہا: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم رب العزت تجھے سلام فرماتا ہے یہ ڈبیہ ہے۔ وہ نور کی ایک ڈبیہ تھی جو چمک رہی تھی۔ آپ کا رب آپ کو فرماتا ہے: یہ دنیا کے خزانوں کی چابیاں ہیں جب کہ آخرت میں مچھر کے پر کے برابر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجر میں کمی نہیں کی جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کے ارادہ سے حضرت جبرئیل امین کی طرف دیکھا، حضرت جبرئیل امین نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا مقصد تواضع اختیار کرنے کا مشورہ دینا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے رضوان! مجھے اس کی ضرورت نہیں فقر مجھے زیادہ محبوب ہے اور مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں صابر و شکر گزار بندہ بنوں''۔ رضوان نے عرض کی: آپ نے صحیح فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ۝ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیْرًا ۝ وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝ لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ۝

''بلکہ یہ تو جھٹلاتے ہیں قیامت کو، اور ہم نے تیار کر رکھی ہے ان کے لیے جو جھٹلاتے ہیں قیامت کو بھڑکتی ہوئی آگ۔ جب یہ آگ دیکھے گی انہیں دور سے تو وہ سنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا۔ اور جب انہیں پھینکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو (کہا جائے گا بدبختو!) نہ مانگو آج ایک موت بلکہ مانگو بہت سی موتیں''۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ اس ساعت سے مراد یوم قیامت ہے۔ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا، سعیر سے مراد جہنم ہے جو ان پر جوش مار رہی ہوگی۔ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ وہ پانچ سو سال کی مسافت سے انہیں دیکھے گی۔ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیْرًا ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب جہنم انہیں دیکھے گی تو وہ اس کی آواز سنیں گے جو آواز اس کے ان پر حد درجہ غصے ہونے کی ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جب جہنم کے خازن انہیں دیکھیں گے تو وہ لوگ ان خازنوں کے غصے ہونے کی آواز سنیں گے جو ان کو عذاب دینے کے حریص ہوں گے، پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ جہنم کی دو آنکھوں کے درمیان اپنا ٹھکانہ بنا لے''۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! اس کی دو آنکھیں بھی ہیں؟ فرمایا: ''کیا تم اللہ تعالیٰ کو ارشاد فرماتے ہوئے نہیں سنتے: اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیْرًا۔ (2) جہنم کی آگ میں سے ایک گردن ظاہر ہوگی جس کی دو آنکھیں ہوں گی اور ایک زبان ہوگی جو بولے گی، وہ کہے گی: جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود بنایا اس کا معاملہ میرے سپرد کر دیا گیا ہے، تو وہ ان لوگوں کو اس پرندے سے زیادہ دیکھے گی جو تل کے دانہ کو دیکھتا ہے اور اسے اٹھا لیتا ہے''۔ ایک روایت میں ہے: ''آگ سے ایک گردن نکلے گی وہ

1۔ تفسیر طبری 2۔ ایضاً

کفار کو یوں اچک لے گی جس طرح پرندہ تل کے دانے کو اٹھالیتا ہے"۔ رزین نے اسے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور ابن عربی نے اسے اپنی قبس میں صحیح قرار دیا ہے اور کہا: وہ گردن مخلوق سے انہیں یوں الگ کر لے گی جس طرح پرندہ مٹی سے تل کے دانے کو الگ کر لیتا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے روز آگ (جہنم) سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی جو دیکھتی ہوں گی، دو کان ہوں گے جو سنتے ہوں گے، ایک زبان ہوگی جو گفتگو کرے گی وہ کہے گی: تین قسم کے افراد میرے سپرد کیے گئے ہیں: (۱) ہر عناد رکھنے والا جابر (۲) ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کے معبود ہونے کا دعویٰ کیا (۳) تصویریں بنانے والے"۔

اس باب میں حضرت ابو سعید کی ایک روایت ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔ کلبی نے کہا: انہوں نے ایسا غصہ سنا جیسا انسان کا غصہ ہوتا ہے اور ایسی آواز سنی جیسی آواز گدھے کی ہوتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے انہوں نے اس کی چنگھاڑ کو سنا اور اس کے غصہ کو جانا۔ قطرب نے کہا: تغیظ کو سنا نہیں جاتا بلکہ اسے دیکھا جاتا ہے، اس کا معنی ہے انہوں نے اس کے غصہ کو دیکھا اور اس کی چنگھاڑ کو سنا، جس طرح شاعر کا قول ہے:

ورأیتُ زوجَكِ فی الوَغَی متقلِّدًا سیفًا ورُمْحًا

میں نے جنگ میں تیرے خاوند کو دیکھا جو تلوار کو قلادہ بنائے اور نیزہ اٹھائے ہوئے تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لها، فیها کے معنی میں ہے یعنی اس میں عذاب دیئے گئے لوگوں کے غصہ اور چیخ و پکار کو سنیں گے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّشَهِيقٌ ۝ (ہود) فی اور لام قریب قریب ہیں۔ تو کہتا ہے: أفعلُ هذا فی اللہ و للہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے یہ عمل کرتا ہوں، دونوں جملوں کا معنی ایک ہے۔

وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ قتادہ نے کہا: ہمارے لیے یہ ذکر کیا گیا کہ حضرت عبداللہ کہا کرتے تھے: جہنم کافر پر یوں تنگ کی جائے گی جس طرح لوہا نیزے کے سرے پر تنگ کیا جاتا ہے، ابن مبارک نے اسے دقائق میں ذکر کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح کہا ہے، ثعلبی اور قشیری نے ان سے یہ بیان کیا ہے، ماوردی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت نقل کی ہے۔ مُقَرَّنِيْنَ کا معنی ہے جکڑے ہوئے؛ یہ ابو صالح کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے ہاتھ ان کی گردنوں کے ساتھ طوق میں جکڑ دیئے جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائے گا یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کے شیطان کے ساتھ ملا دیا جائے گا؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ سورۂ ابراہیم میں یہ گزر چکا ہے، عمرو بن کلثوم نے کہا:

فآبوا بالنهاب وبالسبایا وابنا بالملوك مقرنینا

وہ غنیمتوں اور قیدیوں کے ساتھ لوٹے جب کہ ہم لوٹے ایسے بادشاہوں کے ساتھ جن کو جکڑا گیا تھا۔

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ثبور کا معنی ہلاکت ہے؛ یہ ضحاک نے کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ثبورا کا معنی ویل

ہے۔ (1) نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''سب سے پہلے جو یہ کلمہ کہے گا وہ ابلیس ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے آگ کا حلہ پہنایا جائے گا، اس حلہ کو اس کے آبروؤں پر رکھا جائے گا، اس کے پیچھے سے اسے ہانکا جائے گا اس کی اولاد اس کے پیچھے ہوگی وہ کہہ رہا ہوگا: ہائے ہلاکت''۔ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے اسے نصب دی گئی ہے، تقدیر کلام یہ ہے: ثبرنا ثبورا؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ مفعول بہ ہے۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا کیونکہ تمہاری ہلاکت اس سے زیادہ ہے کہ تم ایک دفعہ ہلاکت پکارو۔ ثبورا کہا، کیونکہ یہ مصدر ہے جو قلیل اور کثیر کے لیے واقع ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس کی جمع نہیں بنائی جاتی، یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: ضربتہ ضربا کثیرا و قعد قعودا طویلا یہ آیات ابن خطل اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ۝ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔـوْلًا ۝

''ان سے پوچھیے: (ذرا بتاؤ) یہ بھڑکتی ہوئی آگ بہتر ہے یا دائمی جنت جس کا وعدہ پرہیز گاروں سے کیا گیا ہے، ہوگی یہ جنت ان کے اعمال کا صلہ اور (ان کی زندگی کا) انجام''۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ اگر یہ کہا جائے: کس طرح یہ کہا: اَذٰلِكَ خَيْرٌ جب کہ آگ میں تو کوئی خیر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سیبویہ نے عربوں سے یہ حکایت بیان کی ہے الشقاء أحب إليك أم السعادة بدبختی تجھے زیادہ محبوب ہے یا سعادت، جب کہ یہ تو معلوم ہے کہ سعادت ہی اسے زیادہ محبوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ افعل منک کے باب میں سے نہیں بلکہ یہ تو تیرے اس قول کی طرح ہے: عندہ خیر، نحاس نے کہا: یہ اچھا قول ہے جس طرح فرمایا: فشرکما لخیرکما الفداء تم میں سے برا تم میں سے اچھے پر فدا ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس لیے فرمایا، کیونکہ جنت اور دوزخ منازل کے باب میں داخل ہیں یہ اس لیے فرمایا کیونکہ دونوں منزلوں میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ کی طرف پھیرا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا کی طرف لوٹایا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے کفار! یہ تمہارے علم اور تمہارے اعتقاد کے اعتبار سے فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے جب وہ جہنمیوں کا سا عمل کرتے ہیں تو وہ اس طرح ہو گئے گویا وہ کہتے ہیں: بے شک آگ میں بھلائی ہے۔

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔـوْلًا اس کے لیے وہ نعمتیں ہیں جو وہ چاہیں گے۔ کلبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے جو ان کے اعمال کی جزا ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس وعدہ کا سوال کیا۔ انہوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! تو ہمیں وہ عطا کر جو تو نے اپنے رسولوں کی زبانوں پر ہم سے وعدہ کیا ہے؛ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتے ان کے لیے جنت کا سوال کریں گے، اس کی دلیل

1۔ تفسیر طبری

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ (غافر: 8) یہ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا کا معنی ہے واجب، اگر چہ اس کا سوال نہ کیا جائے جس طرح قرض ہوا کرتا ہے؛ عربوں سے یہ حکایت بیان کی گئی ہے: لاعطینك ألفا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا کا معنی ہے یہ تیرے لیے ثابت ہے تو اس کا سوال کر۔ زید بن اسلم نے کہا: انہوں نے دنیا میں جنت کا سوال کیا اور دعا کے ذریعے اس میں رغبت کی تو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کو عطا فرمایا جو انہوں نے سوال کیا تھا اور جو انہوں نے مطالبہ کیا تھا وہ دے دیا، یہ تعبیر پہلے قول کی طرف راجح ہے۔

وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ وَ مَنْ یَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِیْرًا ﴿۱۹﴾

''اور جس روز (محشر میں) اللہ انہیں اکٹھا کرے گا اور ان (باطل خداؤں) کو جنہیں یہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا تو اللہ پوچھے گا (ان معبودوں سے) کیا تم نے گمراہ کیا میرے ان بندوں کو یا وہ خود ہی سیدھی راہ سے بھٹک گئے تھے، وہ کہیں گے تو پاک ہے ہر عیب سے، ہمیں یہ بات زیبا نہ تھی کہ ہم بناتے تیرے سوا کسی غیر کو دوست لیکن تو نے آرام و آسائش عطا کی انہیں اور ان کے آباء کو یہاں تک کہ انہوں نے بھلا دیا تیری یاد کو اور (یوں) وہ لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ (اے کفار!) تمہارے معبودوں نے تمہیں جھٹلا دیا جو تم کہتے ہو پس اب نہ تم اپنے سے عذاب کو پھیر سکتے ہو اور نہ تمہاری مدد کی جائے گی، اور جس نے ظلم کیا تم میں سے تو ہم چکھائیں گے اسے عذاب بڑا''۔

وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ ابن محیصن، حمید، ابن کثیر، حفص، یعقوب اور ابو عمرو نے دوری کی روایت میں یَحْشُرُهُمْ یاء کے ساتھ قراءت کی ہے، ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ کلام کے شروع میں ہے كَانَ عَلٰى رَبِّكَ اور اس کے آخر میں ہے ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ باقی قراء نے اسے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَ مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اس سے مراد فرشتے، انسان، جن، حضرت مسیح اور حضرت عزیر علیہ السلام ہیں جن کی لوگ عبادت کرتے تھے، یہ مجاہد اور ابن جریج کا قول ہے۔ ضحاک اور عکرمہ نے کہا: مراد بت ہیں۔ فَیَقُوْلُ عام قراءت یاء کے ساتھ ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ابن عامر اور ابو حیوہ نے تعظیم کے لیے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔

ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ یہ استفہام ہے اور کفار کو توبیخ کی جارہی ہے۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ جو معبود تھے انہوں نے کہا: سُبْحٰنَكَ تو ہر عیب سے پاک ہے۔ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ اگر یہ سوال کیا جائے: اگر وہ بت جن کی عبادت کی جاتی ہے انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا تو وہ بات کس

طرح کریں گے جب کہ وہ تو جمادات میں سے ہیں؟ اسے جواب دیا جائے گا: اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح قوت گویائی دے گا جس طرح ہاتھوں اور پاؤں کو قوت گویائی دے گا۔ حضرت حسن بصری اور ابو جعفر نے اسے أن نتخذ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے نحویوں نے اس قراءت میں گفتگو کی ہے۔ ابو عمرو بن علاء اور عیسیٰ بن عمر نے کہا: نتخذ پڑھنا جائز نہیں۔ ابو عمرو نے کہا: اگر یہ نتخذ ہوتا تو دوسرا من حذف کر دیا جاتا تو تو یہ پڑھتا نتخذ من دونك اولیاء؛ ابو عبیدہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ نتخذ جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے من دو دفعہ ذکر کیا ہے اگر کلام اس طرح ہوتا جس طرح اس نے قراءت کی ہے تو یوں ارشاد ہوتا، أَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ أَوْلِيَآءَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوسرا من زائد ہے۔ نحاس نے کہا: ابو عمرو جیسا جلیل القدر آدمی جو کہتا ہے اس کو مستحسن سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ دلیل لایا ہے، اس نے جو کہا اس کی وضاحت یہ ہے کہ کہا: میں نے کسی آدمی کو دوست نہیں بنایا۔ یہ کسی معین فرد کے لیے تو جائز ہے۔ پھر کہا جائے گا: میں نے کسی کو بھی دوست نہیں بنایا تو یہ عام نفی ہوگی۔ تیسرا قول: ولیا؛ یہ ماقبل کے تابع ہے تو اس میں من داخل کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ رسولوں کے وصال کے بعد تو نے انہیں دنیا میں صحت، غنا اور طویل عمر کے ساتھ لطف اندوز کیا۔ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ یہاں تک کہ انہوں نے تیرے ذکر کو ترک کیا اور تکبر و جہالت کی وجہ سے تیرے ساتھ شرک کیا تو انہوں نے ہماری عبادت کی جب کہ ہم نے انہیں اس بات کا حکم نہیں دیا تھا۔ ذکر کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) فرقان جو رسولوں پر نازل کیا گیا، انہوں نے اس پر عمل کو ترک کر دیا، یہ ابن زید کا قول ہے (۲) جو ان پر احسان کیا گیا اس پر شکر اور ان پر انعام۔

وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا بے شک وہ ہلاک ہونے والے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یہ بوار سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہلاکت ہے، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اہل حمص پر جھانکے فرمایا: اے اہل حمص! اس بھائی کی طرف آؤ جو تمہارا مخلص ہے۔ جب وہ اس کے اردگرد جمع ہو گئے تمہیں کیا ہو گیا ہے تم حیاء کیوں نہیں کرتے تم ایسے گھر بناتے ہو جن میں رہتے نہیں، ایسا مال جمع کرتے ہو جس کو کھاتے نہیں اور ایسی امیدیں رکھتے ہو جس کو پاتے نہیں تم سے قبل جو لوگ ہو گزرے ہیں انہوں نے مضبوط گھر بنائے، غلام جمع کیے، دور کی امیدیں رکھیں ان کی جمعیتیں ہلاک ہو گئیں، ان کی آرزوئیں کھوٹی ہو گئیں اور ان کے گھر قبریں بن گئے۔ بورا کا معنی ہلاک ہونا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے: ان کے گھر برباد ہو گئے یعنی خالی ہو گئے، ان میں کوئی چیز باقی نہ بچی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: بورا کا معنی ہے ان میں کوئی خیر نہیں۔ یہ بوار الأرض سے مشتق ہے اس کا معنی ہے کھیتی سے اس کو معطل کر دینا تو اس زمین پر کوئی خیر نہ رہی۔ شہر بن حوشب نے کہا: بوار کا معنی فاسد ہونا اور کساد بازاری کا شکار ہونا ہے، یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: بارت السلعة جب سامان میں خرید و فروخت نہ رہے۔ اس معنی میں ایک حدیث طیبہ ہے: نعوذ باللہ من بوار الایم ہم بے خاوند عورت کے نہ پوچھے جانے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ یہ اسم مصدر ہے جس طرح زور، اس میں واحد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مونث برابر ہیں، ابن زبعری نے کہا:

یا رسول الملیك أن لسانی   راتق ما فتقتُ إذ أنا بور

إذ أباری الشیطان فی سنن الغ   ی ومن مال میله مثبور

اے بادشاہ کے رسول! جو میں نے کہا ہے میری زبان ان چاکوں کو رفو کر رہی ہے جو میں نے کیے، میں ہلاک ہونے والا ہوں، کیوں کہ میں سرکشی کے معاملات میں شیطان کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا، جو انسان اس کے میلان جیسا میلان رکھتا ہے وہ ہلاک ہونے والا ہے۔

بعض نے کہا: واحد بائر ہے اور جمع بور ہے جس طرح کہا جاتا ہے عائذ کی جمع عوذ، هائد کی جمع هود۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بورا کا معنی ہے حق سے اندھا۔

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جب معبود براءت کا اظہار کریں گے: جو تم کہتے تھے اس میں انہوں نے تمہاری تکذیب کردی ہے یعنی تم جو یہ کہتے تھے: یہ معبود ہیں۔ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ یعنی یہ معبود نہ تو تم سے عذاب کو پھیر سکتے ہیں اور نہ ہی تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب معبودوں نے انہیں جھٹلایا تو یہ کچھ طاقت نہیں رکھیں گے۔ صَرْفًا یعنی عذاب کو دور کرنے اور لَا نَصْرًا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔

ابن زید نے کہا: معنی ہے اے مومنو! ان کفار نے اس کا انکار کر دیا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر بِمَا تَقُوْلُوْنَ کا معنی ہوگا جو تم حق کہتے ہو۔ ابو عبید نے کہا: معنی ہے جو تم کہتے ہو اس کو انہوں نے جھٹلا دیا وہ تمہیں اس حق سے پھیرنے کی طاقت نہیں رکھتے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دی ہے اور انہوں نے جو تمہیں جھٹلایا ہے اس کی وجہ سے جو عذاب ان پر نازل ہوگا اس بارے میں اپنی کوئی مدد نہ کر سکیں گے۔ عام قراءت بِمَا تَقُوْلُوْنَ تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ ہے ہم نے اس کے معنی کی وضاحت کر دی ہے۔ فراء نے کہا: یہ قراءت کی جاتی ہے فقد كذبوكم بما يقولون یعنی مجرد کا صیغہ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے اور یہ خطاب شرک اپنانے والوں کو ہوگا جس نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے تو معنی ہوگا: فما يستطيع الشركاء شرکاء طاقت نہیں رکھیں گے۔

وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم میں سے جو شرک کرے پھر اس شرک پر مر جائے نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ہم آخرت میں اسے سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا (الاسراء) آیت میں کبیر کا معنی شدید ہے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۟

''اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں، اور ہم نے بنا دیا تمہیں ایک دوسرے کے لیے آزمائش، کیا تم (اس آزمائش میں) صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے''۔

اس میں نو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ یہ مشرکوں کے جواب میں نازل ہوئی جب انہوں نے کہا:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فاقہ کی عار دلائی اور کہا: مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوئے تو یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے نازل ہوئی۔ حضرت جبرئیل امین نے عرض کی: السلام علیک یا رسول اللہ! اللہ جو تیرا رب ہے وہ تجھے سلام فرماتا ہے اور تجھے فرماتا ہے: وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ یعنی وہ بھی دنیا میں معاش تلاش کیا کرتے تھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ جب خبر پر لام آ گیا تو ان میں کسرہ ہی ہوگا، اگر خبر پر لام نہ ہوتا تب بھی ان کے ہمزہ میں کسرہ کے سوا کوئی چیز جائز نہ ہوتی کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے، یہ تمام نحویوں کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: مگر علی بن سلیمان نے محمد بن زید سے یہ قول نقل کیا ہے اِن کے ہمزہ میں فتحہ بھی جائز ہے اگرچہ خبر پر لام ہو۔ میں اسے اس سے وہم گمان کرتا ہوں۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: کلام میں حذف ہے اس کا معنی ہے وما ارسلنا قبلك رسلا الا انھم لیاکلون الطعام پھر رسلا کو حذف کر دیا کیونکہ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ میں رسلا پر دلالت موجود ہے۔ زجاج کے نزدیک موصوف محذوف ہے اس کے نزدیک موصول کا حذف اور صلہ کو باقی رکھنا جائز نہیں، جس طرح فراء نے کہا۔ فراء نے کہا: محذوف من ہے معنی ہوگا الا من انھم لیاکلون الطعام اور اسے اس فرمان کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ وَ مَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ (الصافات) اور اس فرمان کے ساتھ تشبیہ دی ہے وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم: 71) تقدیر کلام یہ ہوگی ما منکم الا من ھو واردھا، یہ کسائی کا بھی قول ہے۔ عرب کہتے ہیں: ما بعث الیك من الناس الا من انه یعطیك میں نے تیری طرف لوگوں میں سے کسی کو نہیں بھیجا مگر اسے جو تجھے عطا کرتا ہے۔ تیرا یہ قول: انه لیعطیك، من کا صلہ ہے۔ زجاج نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ من موصولہ کا حذف جائز نہیں ہوتا۔ اہل معانی نے کہا: معنی ہے وما ارسلنا قبلك من المرسلین الا قیل انھم لیاکلون ہم نے آپ سے قبل رسولوں کو نہیں بھیجا مگر یہ کہا گیا کہ وہ کھانا کھاتے ہیں، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (فصلت: 43) ابن انباری نے کہا: اِلَّا کے ان بعد کو کسرہ دیا گیا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے اور واؤ مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی الا وانھم۔ ایک فرقہ اسی طرف گیا ہے کہ لیاکلون الطعام حدث سے کنایہ ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اپنے معنی میں بلیغ ہے، اسی کی مثل یہ ارشاد ہے: مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (المائدہ: 75)

وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ جمہور نے یمشون یاء کے فتحہ، میم کے سکون اور شین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن عوف اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے یاء کے ضمہ، میم کے فتحہ اور شین کی شد مفتوحہ کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہوگا انہیں بازار میں چلنے کی دعوت دی جاتی ہے اور برانگیختہ کیا جاتا ہے۔ ابو عبد الرحمن سلمی نے اسے یاء کے ضمہ، میم کے فتحہ اور شین مشددہ مضمومہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ یمشون کے معنی میں ہے۔

شاعر نے کہا:

أُمشي باعطان المباءة وأبتغي　　قلائص منها صعبة وركوب

اس شعر میں مشی، مشّی کے معنی میں ہے۔

کعب بن زہیر نے کہا:

منه تظل سباع الجو ضامرة　　ولا تمشي بواديه الاراجيل

اس شعر میں بھی تُمشی، تمشی کے معنی میں ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت اسباب کو حاصل کرنے، تجارت، صنعت وغیرہ کے ذریعے طلب معاش میں اصل ہے، یہ معنی کئی مقام پر گزر چکا ہے، لیکن ہم یہاں ان میں سے وہ چیزیں ذکر کریں گے جو کفایت کر جائیں گی۔ ہم کہتے ہیں: میرے سامنے اس زمانے کے ایک شیخ نے جری کلام کرتے ہوئے یہ کہا: انبیاء علیہم السلام کو اس لیے مبعوث کیا گیا تا کہ ضعفاء کے لیے اسباب کی سنتیں قائم کریں۔ میں نے جواب دیتے ہوئے کہا: یہ قول جاہلوں، غبیوں اور بے وقوف چرواہوں سے صادر ہو سکتا ہے یا اس آدمی سے صادر ہو سکتا ہے جو کتاب اور اعلیٰ سنت پر طعن کرنا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اصفیاء، رسل اور انبیاء کے اسباب اور حرفوں کے بارے میں خبر دی ہے، اس کا ارشاد ہے اور اس کا قول حق ہے: وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ (الانبیاء:80) ارشاد فرمایا: وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ علماء نے کہا: وہ تجارت کرتے ہیں اور پیشہ اختیار کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جَعَلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي میرا رزق نیزے کے سائے میں رکھ دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (الانفال:69) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تجارت کرتے، حرفہ اختیار کرتے اور اپنے اموال میں محنت مزدوری کرتے، اور کفار میں سے جو ان کی مخالفت کرتے ان کے ساتھ جنگ کرتے۔ کیا تم انہیں کمزور خیال کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! وہ اقویاء تھے ان کے پیچھے صالح خلف ہیں جو ان کی اقتدا کرنے والے ہیں، ان کا اس میں طریقہ ہدایت دینے اور ہدایت لینے کا ہے۔ اس نے کہا: انہوں نے اس چیز کو اپنایا کیونکہ وہ اقتداء کے ائمہ تھے تو انہوں نے ضعفاء کے حق میں خود انہیں اپنایا جہاں تک اپنی ذات کے حق میں ہے تو یہ نہیں، اس کی وضاحت اصحاب صفہ میں موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: اگر یہ اس طرح ہوتا تو ان پر اور ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب ہوتا کہ اس کی وضاحت کریں جس طرح قرآن میں ثابت ہے: وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل:44) ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى (البقرہ:159) یہ بینات وہدی میں سے ہے، جہاں تک اصحاب صفہ کا تعلق ہے وہ تنگ حالی کے وقت اسلام کے مہمان تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کبھی صدقہ کا مال آتا تو آپ اس صدقہ میں انہیں خاص کرتے، جب کوئی ہدیہ آتا تو ان کے ساتھ بیٹھ کر اس ہدیہ کو تناول فرماتے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایندھن لاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے لیے پانی لاتے۔ امام بخاری اور دوسرے علماء نے ان کے یہی اوصاف ذکر کیے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے ان پر شہروں کو کھول دیا اور علاقے فتح کر دیئے تو انہیں امیر بنا دیا گیا اور اسباب کا حکم دیا گیا۔ پھر یہ قول اس

بات پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کمزور تھے کیونکہ فرشتوں کے ذریعے ان کی تائید کی گئی اور انہیں ثابت قدم کیا گیا، اگر وہ قوی ہوتے تو انہیں فرشتوں کی تائید کی ضرورت نہ ہوتی جب کہ ان کی تائید کامیابی کے اسباب میں سے ایک سبب تھا۔ ہم ایسے قول اور ایسی گفتگو جو اس تاویل کی طرف لے جائے، سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں بلکہ اسباب اور وسائط سے فائدہ اٹھانا اللہ کا حکم اور طریقہ ہے اور اس کے رسول کا حکم اور طریقہ ہے یہی حق مبین ہے اور صراط مستقیم ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا فرمان حق: وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (الانفال: 60) ضعفاء پر محدود رہے گا اور تمام خطابات اسی طرح ہوں گے۔ قرآن حکیم میں ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب فرمایا: اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ (الشعراء: 63) اللہ تعالیٰ عصا مارے بغیر بھی سمندر کو پھاڑ سکتا تھا، اسی طرح حضرت مریم علیہ السلام کو خطاب ہے: وَ هُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ (مریم: 25) جب کہ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم دینے کے بغیر بھی کھجوریں گرانے پر قادر تھا، اس میں حضرت مریم کو کھجور کا تنا ہلانے اور اس مشقت کی کوئی ضرورت نہ تھی، اس سب کے باوجود ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ کوئی ایسا آدمی ہو جس پر مہربانی کی جاتی ہو، اس کی مدد کی جاتی ہو، اس کی دعا قبول کی جاتی ہو یا خاص طور پر اسے کرامت سے نوازا جاتا ہو یا کسی اور وجہ سے ایسا ہو اس وجہ سے قواعد کلیہ اور امور جمیلہ کو ختم نہیں کیا جائے گا۔ ایسی بات کہنے سے دور ہو جا، دور ہو جا، ایسی بات نہ کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ۝ (الذاریات) ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس کے رسول کریم نے سچ فرمایا۔ علماء تاویل کے اجماع کے مطابق یہاں رزق سے مراد بارش ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ يُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا (غافر: 13) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِ۝ (ق) یہ مشاہدہ نہیں کیا گیا کہ مخلوق پر آسمان سے روٹیوں کے طبق اور گوشت کے پیالے نازل ہوں بلکہ اس کے وجود میں اسباب اصل ہیں اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اطلبوا الرزق فی خبایا الأرض مراد ہے تم زمین میں ہل چلانے، اسے کھودنے (گوڈی کرنے) اور درخت لگانے کے ذریعے رزق تلاش کرو، بعض اوقات کسی شی کا نام انجام اور عاقبت کے اعتبار سے رکھا جاتا ہے بارش کو رزق کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ بارش کے ذریعے رزق حاصل ہوتا ہے، کلام عرب میں یہ مشہور ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لان یاخذ أحدکم حبله فیحتطب علی ظهره خیرله من أن یسأل احدا أعطاه أو منعه تم میں سے کوئی اپنی رسی لے اور اپنی پشت پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے تو یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے چاہے وہ اسے دے یا اس کا سوال رد کر دے، یہ حکم اس کے بارے میں بھی ہے جو بغیر مشقت کے کام ہو جاتا ہے خواہ وہ گھاس ہو یا لکڑیاں ہوں۔

اگر کسی کے لیے پہاڑوں میں رہنا مقدر کر دیا جائے جب کہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہو تو اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوگا کہ وہ ان چیزوں کے لیے نکلے جو ٹیلے اور پہاڑوں کی چوٹیاں اگاتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان سے ایسی چیزیں حاصل کرے جن کے ساتھ وہ زندگی بسر کر سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہی معنی ہے: لو أنکم کنتم توکلون علی الله حق توکله لرزقتم کما ترزق الطیر تغدو خماصا و تروح بطانا اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق

ہے تو تمہیں بھی اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے تم خالی پیٹ صبح نکلو گے اور بھرے پیٹ شام کو واپس لوٹو گے۔ اس کا صبح جانا اور شام کو لوٹنا یہی سبب ہے، اس آدمی پر بہت زیادہ تعجب ہے جو اسباب سے لاتعلقی اور یقینی توکل کا دعویٰ کرتا ہے وہ راستہ کی پگڈنڈیوں پر جا بیٹھتا ہے صراط مستقیم اور واضح راستہ کو چھوڑ دیتا ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ثابت ہے کہ اہل یمن حج کیا کرتے تھے اور زادراہ نہ لیتے اور وہ کہتے: ہم توکل کرتے ہیں، جب وہ آتے تو لوگوں سے سوال کرتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا: **وَتَزَوَّدُوْا** (البقرہ: 197) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ وہ زادراہ کے بغیر سفر پر نکلے ہوں جب کہ وہ یقینی طور پر توکل کرنے والے تھے۔ توکل کا معنی یہ ہے دل کا رب العالمین پر یہ اعتماد ہو کہ وہ اس کے بکھرے امر کو جمع کر دے گا اور اس کی ضرورت پوری فرمادے گا پھر وہ امر کی بنا پر اسباب کو کام میں لائے، یہی حق ہے۔ ایک آدمی نے امام احمد بن حنبل سے سوال کیا، عرض کی: میں توکل کے قدم پر حج کا ارادہ رکھتا ہوں۔ فرمایا: تنہا نکلو۔ اس نے کہا: نہیں مگر لوگوں کے ساتھ۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: پھر تو تو ان کی تھیلیوں پر توکل کرنے والا ہوگا۔ ہم نے اسے کتاب قمع الحرص بالزھد والقناعة ورد ذل السوال بالکسب والصناعة میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: احب البلاد الی اللہ مساجدھا وأبغض البلاد الی اللہ أسواقھا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے محبوب جگہیں مساجد ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔ بزار نے حضرت سلیمان فارسی سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر تو طاقت رکھے تو تو پہلا شخص نہ ہو جو بازار میں داخل ہوتا ہے اور تو آخری شخص نہ ہو جو اس سے نکلتا ہے کیونکہ یہ شیطان کا معرکہ ہے وہاں ہی اس کے جھنڈے گاڑے جاتے ہیں''۔ ابوبکر برقانی نے مسند طریقہ سے ابو محمد عبد الغنی بن سعید حافظ سے (عاصم کی روایت سے) وہ ابو عثمان نہدی سے وہ حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو بازار میں داخل ہونے والا پہلا شخص نہ ہو اور اس سے نکلنے والا آخری شخص نہ ہو، یہاں شیطان نے انڈے دیئے اور بچے نکالے''۔ ان احادیث میں ایسے دلائل ہیں جو بازاروں میں داخل ہونے کی کراہت پر دال ہیں، خصوصاً اس زمانہ میں جس میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے؛ ہمارے علماء نے اسی طرح کہا ہے۔ جب بازاروں میں باطل بہت زیادہ ہو گئے ہیں اور منکرات عام ہو گئے ہیں ارباب فضل اور دین کے امور میں جن کی اقتدا کی جاتی ہے ان کے لیے بازار میں داخل ہونا مکروہ ہے تاکہ انہیں ایسی جگہوں سے دور رکھا جائے جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے۔ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ بازار میں جانے کے ساتھ آزمائے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے دل میں یہ خیال لائے کہ وہ شیطان کے محل اور اس کے لشکروں کی جگہ میں داخل ہو چکا ہے اور یہ خیال لائے کہ اگر وہ ٹھہرا رہا تو ہلاک ہو جائے گا جس کی حالت یہ ہو تو وہ صرف ضرورت تک وہیں رہے اور اس کے برے انجام سے بچے۔

مسئلہ نمبر 5۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بازار کو معرکہ سے تشبیہ دینا بہت اچھی تشبیہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معرکہ قتال کی

جگہ ہے، اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں بڑے بڑے جوانمرد معرکہ آرا ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو پچھاڑتے ہیں۔ بازار، اس میں شیطان کے فعل، شیطان ان بازار والوں سے جو حصہ پاتا ہے اس طریقہ پر کہ بازار والوں کے مکر، دھوکہ، بیوع فاسدہ میں تساہل، جھوٹ، جھوٹی قسموں پر ابھارنے، آوازوں کے خلط ملط ہونے اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں ان سب کو جنگ کے معرکہ اور اس میں جن کو پچھاڑا جاتا ہے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ ابن عربی نے کہا: کھانا کھانا یہ مخلوق کی ضرورت ہے اس میں کوئی عار نہیں اور نہ اس میں کوئی عیب ہے، جہاں تک بازاروں کا تعلق ہے تو میں نے اہل علم کے مشائخ سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں: وہ کتابوں اور اسلحہ کے بازار کے علاوہ میں داخل نہ ہو۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ ضرورت کے وقت ہر بازار میں داخل ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی چیز نہ کھائے کیونکہ یہ عمل مروت کو ختم کرتا ہے اور حشمت کو گرا دیتا ہے۔ احادیث موضوعہ (1) میں ہے: بازار میں کھانا کمینگی ہے۔

میں کہتا ہوں: اہل علم مشائخ نے جو کہا ہے وہ کتنا اچھا ہے کیونکہ اس میں عورتوں کو دیکھنے اور ان کے ساتھ مخالطت سے بچاؤ ہوتا ہے کیونکہ ان بازاروں میں انہیں حاجت نہیں ہوتی جہاں تک کتابوں اور اسلحہ کے بازاروں کے علاوہ بازار ہیں وہ عورتوں سے بھرے ہوتے ہیں اور حیاء کی کمی ان پر غالب آ چکی ہے، یہاں تک کہ عورتوں کو اپنی زینتوں میں عیاں دیکھا جاتا ہے ہمارے زمانہ میں یہ برائی عام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ہم اس کی پناہ مانگتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 7۔ ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں حماد بن زید سے روایت نقل کی ہے وہ عمرو بن دینار قہرمان آل زبیر سے وہ سالم سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت عمر بن خطاب بنیاد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جو آدمی ان بازاروں میں سے کسی بازار میں داخل ہوا اس نے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی و یمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیء قدیر پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے اور دس لاکھ برائیاں مٹا دیتا ہے اور جنت میں اس کے لیے محل بنا دیتا ہے۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور آخر میں کچھ اضافہ کیا ہے: اس سے دس لاکھ برائیاں مٹا دیتا ہے اور دس لاکھ درجے بلند کر دیتا ہے اور جنت میں اس کے لیے گھر بنا دیتا ہے۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ اس صورت میں ہو گا جب اس نے اس جگہ اس کے سوا کا قصد نہ کیا ہو کہ وہ طاعت کے ساتھ اس جگہ کو آباد کرے کیونکہ اسے معصیت کے ساتھ آباد کیا جاتا ہے، اسے ذکر کے ساتھ آراستہ کرے کیونکہ غفلت کے ساتھ اسے معطل کر دیا گیا ہے تاکہ وہ جاہلوں کو علم سکھائے اور بھولنے والوں کو یاد دلائے۔

مسئلہ نمبر 8۔ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ بے شک دنیا دار ابتلاء اور دار الامتحان ہے اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ بعض بندوں کو بعض بندوں کے لیے آزمائش بنا دے یہ تمام لوگوں میں ہے وہ مومن ہو یا کافر ہو، صحیح، مریض کے لیے آزمائش ہے، غنی، فقیر کے لیے فتنہ ہے، صابر فقیر، غنی کے لیے فتنہ ہے (2)۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر ایک کو اپنے ساتھی کے

1۔ اس حدیث کو بیہقی نے ... [illegible] ... سے روایت کیا ہے اور سیوطی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔
2۔ المحرر الوجیز

ساتھ آزمایا گیا ہے اس پر لازم ہے کہ اس سے حسد نہ کرے اور اس سے نہ لے مگر وہ جو اسے عطا کرے اور ہر ایک حق پر صابر رہے جس طرح ضحاک نے اَتَصْبِرُوْنَ کا معنی کرتے ہوئے کہا: ''کیا تم حق پر صبر نہیں کرتے''۔ مصیبت زدہ لوگ کہتے ہیں: ہم کو عافیت اور سلامتی کیوں نہیں دی جاتی؟۔ اندھا کہتا ہے: مجھے بینا کیوں نہیں بنایا گیا؟ اسی طرح ہر آفت زدہ آدمی کہتا ہے: رسول جسے نبوت کی کرامت کے ساتھ نوازا گیا ہے یہ اس کے زمانہ کے کفار کے اشراف کے لیے فتنہ ہوتا ہے، اسی طرح علماء اور عادل حکام ہیں۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں غور و فکر نہیں کرتا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۝ (الزخرف) فتنہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ، عافیت والے سے حسد کرے اور عافیت والا مصیبت زدہ کو حقیر جانے، صبر یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے نفس کو روکے، یہ تکبر سے اور وہ دل کی تنگی سے۔ اَتَصْبِرُوْنَ اس کا جواب محذوف ہے یعنی ام لا تصبرون یہ جواب کا مقتضی ہے جس طرح مزنی نے کہا: اسے فاقہ نے گھر سے نکالا اس نے مراکب اور مناکب میں ایک خصی کو دیکھا اس کے دل میں خیال آیا تو اس نے ایک آدمی کو آیت پڑھتے ہوئے سنا: اَتَصْبِرُوْنَ اس نے کہا: کیوں نہیں اے ہمارے رب! ہم صبر کریں گے اور اجر کی امید رکھیں گے۔ ابن قاسم جو امام مالک کے شاگرد تھے انہوں نے اس آیت کو پڑھا جب انہوں نے اشہب بن عبد العزیز کو اس کی مملکت میں ان پر گزرتے ہوئے دیکھا پھر اپنے نفس کو اس قول کے ساتھ جواب دیا: سنصبر، ہم صبر کریں گے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''عالم کے لیے جاہل کی ہلاکت ہے، جاہل کے لیے عالم کی ہلاکت ہے، مالک کے لیے مملوک کی ہلاکت ہے، سلطان کے لیے رعیت کی ہلاکت ہے اور رعیت کے لیے سلطان کی ہلاکت ہے ہر ایک دوسرے کے لیے فتنہ ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہی مراد ہے: وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ''ثعلبی نے اسے مسند ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔

مقاتل نے کہا: یہ آیت ابوجہل بن ہشام، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، عقبہ بن ابی معیط، عتبہ بن ربیعہ اور نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے حضرت ابوذر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار، حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت سالم جو حضرت ابو حذیفہ کے غلام تھے، حضرت مجمع جو حضرت عمر بن خطاب کے غلام تھے اور حضرت جبر جو حضرت حضرمی کے غلام تھے اور ان جیسے اصحاب کو دیکھا تو استہزاء کے انداز میں کہا: کیا ہم اسلام قبول کریں اور ان لوگوں کی مثل ہو جائیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا: اَتَصْبِرُوْنَ کیا تم یہ سخت حالت اور فقر کو دیکھتے ہوئے اس پر صبر کرتے ہو؟ اَتَصْبِرُوْنَ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کے ان افراد کے ساتھ خاص ہے جو حق پر قائم تھے، گویا کفار کو مہلت اور ان پر رزق کی فراوانی یہ مومنوں کے لیے آزمائش تھی، جب مسلمانوں نے صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا (المومنون: 111)

مسئلہ نمبر 9۔ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ہر انسان کو دیکھنے والا ہے وہ صبر کرے یا جزع و فزع کرے جو ایمان لائے یا ایمان نہ لائے اور جو اپنے قرض کو ادا کرے یا ادا نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَتَصْبِرُوْنَ کا معنی ہے تم صبر کرو، جس طرح

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝ (المائدہ) یعنی تم رک جاؤ، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا۝ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا۝

''اور کہا ان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو، وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اپنے دلوں میں اور انہوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی۔ جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اس روز مجرموں کے لیے اور فرشتے کہیں گے: تمہارے لیے (جنت کا داخلہ) قطعاً حرام ہے''۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وہ ارادہ کرتا ہے وہ دوبارہ اٹھائے جانے اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے نہیں ڈرتے یعنی وہ اس چیز پر ایمان نہیں رکھتے، شاعر نے کہا:

اذا لسعته النحل لم یرج لسعها

جب شہد کی مکھیاں اس کو ڈنگ ماریں تو اس کے ڈنگ کا خوف نہیں کرتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَا يَرْجُوْنَ کا معنی ہے وہ پرواہ نہیں کرتے، شاعر نے کہا:

لعمرك ما أرجو إذا كنتُ مسلما علی أی جنب كان فی الله مصرعی

تیری زندگی کی قسم! جب میں مسلمان ہوں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر میری موت کس پہلو پر واقع ہوتی ہے۔

ابن شجرہ نے کہا: وہ امید نہیں رکھتے، شاعر نے کہا:

أترجو أمةٌ قتلتْ حُسینا شفاعة جده یوم الحساب

کیا وہ لوگ جنہوں نے امام عالی مقام کو شہید کیا تھا وہ قیامت کے روز آپ کے نانا کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں؟

لَوْلَاۤ اُنْزِلَ کیوں نہ نازل کیے گئے عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ ہم پر فرشتے جو خبر دیتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا یا اپنے رب کو عیاں دیکھتے جو ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی خبر دیتا۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا۝ (الاسراء) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا۝ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی بات کا سوال کیا جو حقیقت سے بہت بعید تھی، کیونکہ فرشتوں کو نہیں دیکھا جا سکتا مگر موت کے وقت اور نزول عذاب کے وقت۔ اللہ تعالیٰ کا احاطہ آنکھیں نہیں کر سکتیں اللہ تعالیٰ کی ذات آنکھوں کا احاطہ کر سکتی ہے کوئی ایسی آنکھ نہیں جو اسے دیکھے۔ مقاتل نے کہا: عتوا سے مراد ہے زمین میں

غلبہ۔ عتو شدید ترین کفر اور سخت ظلم ہے۔ جب معجزات انہیں کفایت نہیں کرتے تو فرشتے انہیں کیسے کفایت کریں گے جب کہ وہ فرشتوں اور شیاطین کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتے۔ ان کے لیے ایک ایسے معجزہ کا ہونا ضروری ہے جو معجزہ وہ آدمی قائم کرے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے۔ اس قوم کو معجزہ کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں جنہوں نے معجزہ دیکھ لیا تھا۔

یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓىِٕكَةَ لَا بُشْرٰى یَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ اس سے یہ ارادہ کیا کہ فرشتوں کو کوئی نہیں دیکھتا مگر موت کے وقت ہی انہیں دیکھتا ہے وہ مومنوں کو جنت کی بشارت دیتے ہیں، مشرکوں اور کفار کو لوہے کے ہنٹر مارتے ہیں یہاں تک کہ ان کی روحیں نکل آتی ہیں۔

وَ یَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا یہ ارادہ کیا ہے کہ فرشتے کہتے ہیں: حرام کر دیا گیا ہے کہ جنت میں کوئی داخل ہو مگر یہ کہ جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے، شرعی احکام کو بجالائے، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قیامت کا دن ہے؛ یہ مجاہد اور عطیہ عوفی کا قول ہے۔ عطیہ نے کہا: جب قیامت کا دن ہوگا تو مومن کو خوشخبری دیتے ہوئے ملاقات کی جائے گی۔ جب کافر یہ دیکھے گا تو اس کی تمنا کرے گا تو وہ فرشتے کو نہیں دیکھے گا۔ **یَوْمَ یَرَوْنَ** کو نصب تقدیر کلام کی وجہ سے دی گئی ہے وہ یہ ہے لا بشری یوم یرون الملائکۃ۔

یَوْمَىِٕذٍ یہ **یَوْمَ یَرَوْنَ** کی تاکید ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز نہیں کہ **یَوْمَ یَرَوْنَ**، **بُشْرٰى** کی وجہ سے منصوب ہو کیونکہ جو نفی کے حکم میں ہو وہ ماقبل میں عمل نہیں کرتا لیکن اس میں تقدیر یہ ہے کہ معنی ہو جس روز وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو انہیں بشارت سے روک دیا جائے گا۔ **یَوْمَىِٕذٍ** تاکید ہے، اس کا یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ اس دن کو یاد کرو جس روز وہ فرشتوں کو دیکھیں گے۔ پھر ابتدا کی اور ارشاد فرمایا: **لَا بُشْرٰى یَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَ یَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا** فرشتے کہیں گے: قطعی حرام ہے یعنی بشارت صرف مومنوں کے لیے ہے، شاعر نے کہا:

الا اصبحت اسماء حجرا محرما

یہاں یہ ارادہ کیا ہے، خبردار اسماء قطعی حرام ہوگئی۔

ایک اور شاعر نے کہا:

حَنَّتْ إلى النخلة القصوى فقلت لها حجر حرام الا تلك الا هاريس

اس میں یہ لفظ اسی معنی میں ہے۔

حضرت حسن بصری سے مروی ہے فرمایا: **وَ یَقُوْلُوْنَ حِجْرًا** یہ مجرموں کے قول سے ہے اور اس پر وقف ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **مَّحْجُوْرًا** یعنی انہیں پناہ دیئے جانے سے روک دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے روز اسے ان پر روک دیا، پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے، فراء نے بھی یہی کہا ہے، یہ ابن انباری نے کہا۔ حضرت حسن بصری اور رجا نے حُجرا پڑھا ہے جب کہ دوسرے علماء نے اسے کسرہ کے ساتھ حجرا پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کے قول میں سے ہے انہوں نے یہ قول اپنی ذاتوں سے کیا، یہ قتادہ نے کہا، جو ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کا قول ہے جو انہوں نے

ملائکہ سے کیا۔ یہ پناہ مانگنے کے لیے لفظ استعمال ہوتا ہے یہ دور جاہلیت میں معروف تھا، جب کوئی آدمی کسی ایسے آدمی سے ملتا جس سے وہ خوف محسوس کرتا تو کہتا حِجْرًا مَّحْجُوْرًا یعنی مجھ سے تعرض کرنا تیرے لیے حرام ہے۔ اس کو نصب اس جملے کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے دی گئی ہے حجرتُ علیك، حجر اللهُ علیك۔ جس طرح تو کہتا ہے: سقیا و رعیا یعنی مجرم جب فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ مجرموں کو جہنم میں پھینکتے ہیں تو وہ کہیں گے: نعوذ باللہ منکم ہم تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں قشیری نے اس کا ذکر کیا، مہدوی نے مجاہد سے یہی معنی نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حِجْرًا مجرموں کا قول ہے مَّحْجُوْرًا یہ ملائکہ کا قول ہے یعنی وہ فرشتوں سے کہیں گے: ہم تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کہ تم ہم سے چھیڑ چھاڑ کرو۔ فرشتے کہیں گے: مَّحْجُوْرًا تم کو اس امر سے روک دیا گیا ہے کہ تم اس دن کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو، یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔

وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَىٕذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾

''اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے کاموں کی طرف اور انہیں گرد و غبار بنا کر اڑا دیں گے۔ اہل جنت کا اس دن بہت اچھا ٹھکانہ ہوگا اور دوپہر گزارنے کی جگہ بڑی آرام دہ ہوگی''۔

وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ یہ تو قیامت کے عظیم الشان ہونے پر تنبیہ ہے یعنی ہم نے اس دن قصد کیا ان اعمال کی طرف جنہیں مجرم اپنے طور پر اچھے عمل کے طور پر کرتے رہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے قدم فلان الی امر کذا یعنی اس کا قصد کیا۔ مجاہد نے کہا: قدمنا یعنی ہم نے قصد کیا، راجز نے کہا:

وقدم الخوارج الضلال إلى عباد ربهم فقالوا
إن دماء کم لنا حلال

گمراہ خارجیوں نے اپنے رب کے بندوں کا قصد کیا اور کہا: تمہارے خون ہمارے لیے حلال ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد فرشتوں کا آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فعل کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے کیونکہ فرشتوں کا آنا بھی اس کے حکم سے ہوتا ہے۔

فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا اس سے نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا یعنی ہم نے کفر کے ساتھ اسے باطل کر دیا۔ ھباء ہمزہ والے حروف میں سے نہیں، اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہمزہ آیا ہے، اس کی تصغیر ھُبَی ہے، یہ رفع کے محل میں ہے نحویوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں: ھُبَی یہ رفع کے محل میں ہے؛ نحاس نے اسے بیان کیا ہے۔ اس کی واحد ھباۃ ہے جمع اھباء آتی ہے۔ حارث بن حلزہ اونٹنی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

فتری خلفها من الرجع والوقع منينا كأنه اهباء

تو اس اونٹنی کے ٹانگوں کے واپس آنے اور پاؤں کے پڑنے پر باریک غبار دیکھے گا گویا وہ ھباء ہے۔

حارث نے حضرت علی شیر خدا سے روایت نقل کی ہے کہ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا سے مراد سورج کی وہ شعاع ہے جو کسی سوراخ

سے داخل ہوتی ہے۔ ازہری نے کہا: هَبَآءً سے مراد وہ چیز ہے جو سورج کی روشنی میں اس سوراخ سے نکلتی ہے جو غبار کے مشابہ ہے، اس کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا یہاں تک کہ وہ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا کے قائم مقام ہو گئے جہاں تک هباء المنبث کا تعلق ہے اس سے مراد وہ غبار ہے جسے گھوڑے اپنے سموں کے ساتھ اڑاتے ہیں، منبث کا معنی بکھرا ہوا ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: هبوة اور هباء سے مراد باریک مٹی ہے۔ جوہری نے کہا: جب وہ بلند ہو تو کہا جاتا ہے: هبا، يهبو هبوا وأهبيته أنا، هبوة کا معنی غبار ہے۔

موضع هابي التراب ایسی جگہ گویا اس کی مٹی باریکی میں هباء کی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے خشک پتوں میں سے جسے ہوائیں بکھیر دیتی ہیں؛ یہ قتادہ اور حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا: اس سے مراد بہایا گیا پانی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد راکھ ہے؛ یہ عبید بن یعلی کا قول ہے۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝۲۴

اس کے بارے میں گفتگو قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ نحاس نے کہا: کوفہ کے علماء اس قول کو جائز سمجھتے ہیں: العسل أحلى من الخل یہ قول مردود ہے کیونکہ فلان خير من فلان کا معنی ہے فلاں فلاں سے خیر میں زیادہ ہے جب کہ سرکہ میں تو کوئی مٹھاس نہیں ہوتی۔ یہ کہنا جائز نہیں النصراني خير من اليهودي کیونکہ دونوں میں کوئی خیر نہیں کہ ان دونوں میں سے ایک خیر میں دوسرے سے بڑھ کر ہو، لیکن یہ کہنا درست ہوگا اليهودي شر من النصراني، اس معنی میں عربوں کا کلام ہے۔ مُّسْتَقَرًّا اس کو ظرف کی حیثیت سے نصب دی گئی ہے جب اسے افعل منك سے مقدر نہ مانا جائے۔ معنی ہوگا اس کے لیے مستقر میں خیر ہے جب یہ افعل منك کے باب سے ہو تو مستقرا بیان کے طریقہ پر منصوب ہوگا؛ یہ نحاس اور مہدوی کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا بہترین منزل اور بہترین ٹھکانہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہی مقیل ہے، عرب جسے جانتے پہچانتے ہیں وہ نصف النہار کا قیلولہ ہے۔ اسی معنی میں مرفوع حدیث ہے: إن اللہ تبارك و تعالى يفرغ من حساب الخلق في مقدار نصف يوم فيقيل أهل الجنة في الجنة وأهل النار في النار،(1) اللہ تعالیٰ نصف دن کی مقدار میں مخلوقات کے حساب سے فارغ ہو جائے گا تو اہل جنت جنت میں اور اہل جہنم جہنم میں قیلولہ کریں گے؛ مہدوی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قیامت کے روز دنیا کا نصف النہار نہیں ہوگا یہاں تک کہ یہ جنت میں اور یہ جہنم میں قیلولہ کریں گے۔ پھر یہ پڑھا: ثم ان مقيلهم لإلى الجحيم۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ اسی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس معنی میں وہ روایت ہے قيلوا فان الشياطين لا تقيل، تم قیلولہ کیا کرو کیونکہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا۔ قاسم بن اصبغ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: في يوم كان مقداره خمسين ألف سنة میں نے عرض کی: یہ دن کتنا ہی طویل ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یہ مومن پر خفیف ہو

1۔ تفسیر طبری

گا یہاں تک دنیا میں وہ جتنے وقت میں فرض نماز پڑھتا تھا اس سے بھی خفیف ہوگا''۔

وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا۝

''اور یاد کرو جس روز پھٹ جائے گا آسمان اور بادل نمودار ہوگا اور اتارے جائیں گے فرشتے گروہ در گروہ۔ اس دن سچی بادشاہی (خداوند) رحمن کی ہوگی اور دن کافروں کے لیے بڑا مشکل ہوگا''۔

وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ اس دن کو یاد کرو جب آسمان بادلوں کی صورت میں پھٹ جائے گا۔ عاصم، اعمش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور ابو عمرو نے تشقق شین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، اصل میں تتشقق تھا پہلی تاء کو تخفیف کے طریقہ پر حذف کر دیا؛ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے۔ باقی قراء نے تشّقق شین کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ سورۂ ''ق'' میں بھی اسی طرح ہے۔ بِالْغَمَامِ سے مراد عن الغمام ہے۔ باء اور عن ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں جس طرح تو کہتا ہے: رمیتُ بالقوسِ، رمیتُ عن القوس۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ آسمان سفید پتے بادلوں کی صورت میں پھٹ جائے گا جس طرح کہر ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کے لیے تیہ کے ریگستان میں ایسا ہی ہوا، آسمان اس بادل کی صورت میں پھٹ جائے گا اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (البقرہ:210)

وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ آسمان سے فرشتے نازل کیے جائیں گے، اللہ تعالیٰ فیصلہ کے لیے ان آٹھ فرشتوں کے جلو میں جلوہ گر ہوگا جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اس طریقہ پر جس پر اس کے آنے کو محمول کیا جا سکتا ہے، نہ اس طریقہ پر جس پر مخلوقات کے آنے کو محمول کیا جاتا ہے جس میں حرکت اور انتقال کی صورت ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آسمان دنیا پھٹے گا تو اس کے مکیں اتریں گے زمین میں جتنے جن وانس ہیں وہ فرشتے ان سے زیادہ ہوں گے پھر دوسرا آسمان پھٹے گا تو اس کے مکین اتریں گے وہ اس سے زیادہ ہوں گے جتنے آسمان دنیا میں تھے، پھر اسی طرح ساتواں آسمان پھٹے گا، پھر مقرب فرشتے اتریں گے اور عرش کو اٹھانے والے فرشتے اتریں گے، اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا کا یہی معنی ہے یعنی جن وانس کے حساب کے لیے آسمان سے زمین کی طرف فرشتے اتریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آسمان پھٹ جائے گا اس بادل کی صورت میں جو لوگوں اور آسمان کے درمیان میں ہے تو بادل پھٹ جائے سے آسمان کے پھٹ جائے گا۔ جب آسمان پھٹ جائے گا تو اس کا اتصال ختم ہو جائے گا، اسے لپیٹ دیا جائے گا اور فرشتے اس کے علاوہ مکان کی طرف اتریں گے۔

ابن کثیر نے ونُنزل الملائکۃ نصب کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے نُزِّل الملائکۃ رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس کی دلیل تَنْزِيْلًا ہے اگر پہلے قول کے مطابق ہوتا تو انزال کہتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: نزل اور انزل کا معنی ایک ہی ہے۔ تنزیلا، نزل کی بنا پر آیا ہے۔ عبدالوہاب نے ابو عمرو سے قرأت

نقل کی ہے وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا حضرت ابن مسعود نے وأنزل الملائكة، حضرت ابی بن کعب نے وُنزلتْ الملائكةُ قراءت کی ہے ان سے وتنزلت الملائکۃ بھی مروی ہے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ، اَلْمُلْكُ مبتدا ہے الْحَقُّ اس کی صفت ہے لِلرَّحْمٰنِ اس کی خبر ہے کیونکہ ایسی ملکیت جو زائل ہوجائے اور ختم ہوجائے وہ ملک نہیں، اس روز مالکوں کی ملکیتیں ختم ہوجائیں گی ان کے دعوے منقطع ہوجائیں گے۔ ہر بادشاہ کی بادشاہت اور حکومت زائل ہوجائے گی صرف حقیقی بادشاہت اللہ تعالیٰ کی رہ جائے گی۔

وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا کافروں پر وہ دن بڑا سخت ہوگا، کیونکہ وہ ہولناکیاں پائیں گے اور انہیں حزن اور ذلت لاحق ہوگی۔ وہ دن مومنوں پر فرض نماز سے بھی خفیف ہوگا جس طرح حدیث میں پہلے گزر چکا ہے۔ یہ آیت اس پر دال ہے کیونکہ کافروں پر جب مشکل ہے تو وہ مومنوں پر آسان ہوگا۔ اس کا باب یوں ذکر کیا جاتا ہے عَسِرَ يَعْسَرُ عَسْرًا، يَعْسُرُ۔

وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝

''اور اس روز ظالم (فرط ندامت سے) کاٹے گا اپنے ہاتھوں کو (اور) کہے گا: کاش! میں نے اختیار کیا ہوتا رسول (مکرم) کی معیت میں (نجات کا) راستہ۔ ہائے افسوس! کاش نہ بنایا ہوتا میں نے فلاں کو اپنا دوست۔ واقعی اس نے بہکا دیا مجھے اس قرآن سے اس کے میرے پاس آجانے کے بعد، اور شیطان تو ہمیشہ سے انسان کو (مشکل کے وقت) بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے''۔

وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ ماضی عضِضت ہے کسائی نے عضَضت پہلی ضاد کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے؛ اہل تفسیر سے یہ وضاحت آئی ہے، مفسرین سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت سعید بن مسیب ہیں کہ یہاں ظالم سے مراد عقبہ بن ابی معیط اور اس کا دوست امیہ بن خلف ہے۔ عقبہ کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ غزوۂ بدر کے قیدیوں میں تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، اس نے عرض کی: کیا میں دوسرے کے بغیر قتل کیا جاؤں گا؟ فرمایا: تیرے کفر اور تیری سرکشی کے باعث تجھے قتل کیا جائے گا۔ اس نے عرض کی: بچوں کے لیے کوئی ہے؟ فرمایا: آگ۔ حضرت علی شیر خدا اٹھے اور اسے قتل کر دیا۔ امیہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل کیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے دلائل میں سے ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کے بارے میں خبر دی تھی تو دونوں کو کفر کی حالت میں قتل کر دیا گیا۔ آیت میں ان دونوں کا نام نہیں لیا گیا کیونکہ فائدہ میں یہ زیادہ بلیغ ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ یہ ظالم کا راستہ ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کی معصیت کرتے ہوئے کسی اور کی بات کو قبول کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: عقبہ نے اسلام لانے کا ارادہ کیا، ابی بن خلف نے اسے اس سے منع کیا وہ دونوں گہرے دوست تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو قتل کیا۔ عقبہ غزوۂ بدر کے موقع پر انتقام لینے کے لیے قتل

کیا گیا اور ابی بن خلف غزوۂ احد کے موقع پر دعوت مبارزت میں قتل ہوا، قشیری اور ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ پہلا قول نحاس نے ذکر کیا ہے۔

سہیلی نے کہا: وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ سے مراد عقبہ بن ابی معیط ہے وہ امیہ بن خلف جمحی کا دوست تھا یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ وہ ابی بن خلف جمحی کا دوست تھا جو امیہ کا بھائی تھا۔ عقبہ نے ولیمہ کی دعوت کی اس نے قریش کو دعوت دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دعوت دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے میں اس وقت تک شریک ہونے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرے۔ عقبہ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اس کی دعوت میں قریش کے سرداروں میں سے کوئی نہ آئے۔ اس نے اسلام قبول کر لیا اور زبان سے شہادتین کو ادا کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے آئے اور اس کا کھانا کھایا۔ اس کے دوست امیہ بن خلف نے عقبہ کو ملامت کی یا ابی بن خلف نے ملامت کی جو اس وقت موجود نہ تھا۔ عقبہ نے کہا: میں نے اس امر کو عظیم خیال کیا کہ میرے کھانے میں قریش کے اشراف میں سے کوئی غیر حاضر ہو۔ اس کے دوست نے اسے کہا: میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا یہاں تک کہ تو لوٹے، ان کے چہرے پر تھوکے اور ان کی گردن کو روندے اور تو یہ کہے: اللہ کے دشمن نے وہ سب کچھ کیا جو اس کے دوست نے اسے کہا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ۔ ضحاک نے کہا: جب عقبہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر تھوکنا چاہا تو تھوک اس کے اپنے چہرے کی طرف لوٹ آئی اور اس کے چہرے اور اس کے ہونٹوں کو جلا دیا، یہاں تک کہ اس کے چہرے پر نشان چھوڑا اور اس کے رخساروں کو جلا دیا۔ اس کے چہرے پر وہ نشان باقی رہا یہاں تک کہ وہ قتل ہوا۔ عضہ یدیہ یہ غمگین اور شرمندہ کا فعل ہے کیونکہ اس نے اپنے دوست کی اطاعت کی۔

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا وہ کہے گا: ہائے کاش! میں نے دنیا میں رسول اللہ کی اتباع اپنا کر جنت کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا ہوتا۔

يٰوَيْلَتٰى ہلاکت اور ویل کی بددعا ہے جو اس نے کافر کی دوستی اختیار کی تھی اور اس کی متابعت کی تھی۔

لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا فلاں سے مراد امیہ ہے، کنایۃً اس کا ذکر کیا ہے صراحۃً ذکر نہیں کیا تاکہ یہ وعدہ اسی کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ جو بھی ان جیسا عمل کرے ان کو شامل ہو۔ مجاہد اور ابو رجاء نے کہا: ظالم، ہر ظالم میں عام ہے 'فلان' سے مراد شیطان ہے؛ اس قول کے کرنے والے نے مابعد ارشاد سے استدلال کیا ہے: وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

حضرت حسن بصری نے اسے یا ویلتی پڑھا ہے، سورۂ ہود میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ الخلیل سے مراد صاحب اور صدیق ہے، اس کی وضاحت سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔

لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ نادم یہ کہے گا: جس کو میں نے دنیا میں دوست بنایا ہے اس نے مجھے قرآن اور اس پر ایمان لانے سے گمراہ کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَنِ الذِّكْرِ سے مراد عن الرسول ہے۔

وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، یہ ظالم کے قول کی حکایت نہیں

اور کلام بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِیۡ پر مکمل ہو جائے گی۔ خذل کا معنی اعانت کو ترک کرنا ہے، اسی سے ہے ابلیس نے مشرکوں کو بے یارومددگار چھوڑ دیا جب وہ مشرکوں کے سامنے سراقہ بن مالک کی صورت میں ظاہر ہوا جب اس نے فرشتوں کو دیکھا تو ان سے براءت کر دی۔ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے روکے اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی اطاعت کی جائے تو وہ انسان کا شیطان ہے جب عذاب اور آزمائش نازل ہوتی ہے تو اس وقت وہ بے یارومددگار ہوتا ہے، جس نے کہا کتنا اچھا کہا:

أصحبُ خيار الناس حيث لقيتُهم — خير الصحابة من يكون عفيفا

والناس مثل دراهم ميزتُها — فوجدتُ منها فضةً وزيوفا

میں بہترین لوگوں کی سنگت اختیار کرتا ہوں جہاں بھی میں انہیں ملتا ہوں، بہترین دوست وہ ہوتا ہے جو پاک دامن ہو۔ لوگ دراہم کی طرح ہیں جن کی میں نے پرکھ کی تو میں نے ان میں سے کچھ چاندی اور کچھ کھوٹے پائے۔

صحیح میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إنما مثل الجليس الصالح والجليس السوء كحامل المسك ونافخ الكير فحامل المسك إمّا أن يحذيك وإمّا أن تبتاع منه وإمّا أن تجد ريحا طيبة ونافخ الكير إمّا أن يحرق ثيابك وإمّا أن تجد ريحا خبيثة (1)

صالح دوست اور برے دوست کی مثال خوشبو بیچنے والے اور بھٹی والے کی سی ہے خوشبو بیچنے والا یا تو عطا کر دے گا یا تو اس سے خرید لے گا یا تو عمدہ خوشبو پائے گا اور بھٹی والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا یا تو بدبو پائے گا؛ الفاظ مسلم کے ہیں۔ ابو داؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے ابوبکر بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے عرض کی گئی: یارسول اللہ! ہمارے ساتھیوں میں سے کون سب سے بہتر ہے؟ فرمایا: ''جس کا دیدار تمہیں اللہ تعالیٰ یاد دلا دے، اس کی گفتگو تمہارے علم میں اضافہ کر دے اور اس کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلا دے''۔ مالک بن دینار نے کہا: اگر تو نیک لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھائے تو یہ تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ تو فجار کے ساتھ حلوہ کھائے اور یہ شعر پڑھا:

وصاحبْ خيارَ الناس تنج مسلما — وصاحبْ شرارَ الناس يوما فتندما

اچھے لوگوں کے ساتھ سنگت اختیار کر تو سلامتی کے ساتھ نجات پا جائے گا اور برے لوگوں کے ساتھ سنگت اختیار کر تو کسی روز ضرور شرمندہ ہوگا۔

وَ قَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا ﴿۳۰﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ؕ وَ كَفٰی بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّ نَصِیۡرًا ﴿۳۱﴾

''اور رسول عرض کرے گا: میرے رب! بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظرانداز کر دیا۔ اور (اے حبیب) اسی طرح بنائے ہم نے ہر نبی کے دشمن جرائم پیشہ لوگوں سے، اور کافی ہے آپ کا رب (آپ کے لیے) منزل مقصود تک پہنچانے والا اور مدد فرمانے والا''۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب باب من یؤمران یجالس، حدیث 4191، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ رسول اللہ، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرتے ہیں: اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا کفار نے قرآن حکیم کے بارے میں ناحق بات کی تھی کہ یہ جادو ہے، یہ شعر ہے، یہ مجاہد اور نخعی سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَهْجُوْرًا کا معنی متروک ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ کے ساتھ تسلی دی، جس طرح اے محمد! ہم نے مشرکوں میں سے آپ کے دشمن بنائے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں وہ ابوجہل تھا۔ اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے ان کی قوم کے مشرکوں کو ان کا دشمن بنا دیا، پس میرے حکم پر صبر کیجئے جس طرح انہوں نے صبر کیا، بے شک میں تجھے ہدایت دینے والا ہوں اور جو بھی تیرے ساتھ دشمنی رکھتا ہے اس کے خلاف تیری مدد کرنے والا ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ کا قول: یٰرَبِّ یہ قیامت کے روز ہوگا، یعنی انہوں نے قرآن کو چھوڑا، مجھے چھوڑا اور مجھے جھٹلایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی اور اپنے مصحف کو لٹکا دیا اس کی دیکھ بھال نہ کی اور اس کو نہ دیکھا وہ مصحف قیامت کے روز اس کے ساتھ چمٹے ہوئے آئے گا۔ وہ عرض کرے گا: اے رب العالمین! تیرے اس بندے نے مجھے نظرانداز کر دیا میرے اور اس کے درمیان فیصلہ فرما''۔ ثعلبی نے اس (1) کو ذکر کیا ہے۔

وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّ نَصِیْرًا، هَادِیًا وَّ نَصِیْرًا حال یا تمیز ہونے کی حیثیت میں منصوب ہے یعنی تجھے ہدایت سے نوازے گا اور تیری مدد فرمائے گا، تو جو تجھ سے دشمنی کرتا ہے ان کی پرواہ نہ کر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ابوجہل ہے، اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ﴿۳۲﴾ وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ﴿۳۳﴾

''اور کہنے لگے کفار (ازراہ اعتراض) کیوں نہیں اتارا گیا ان پر قرآن یکبارگی، اسی طرح اس لیے کیا کہ ہم مضبوط کر دیں اس کے ساتھ آپ کے دل کو اور اسی لیے ہم نے ٹھہر ٹھہر کر اسے پڑھا ہے۔ اور نہیں پیش کریں گے آپ پر کوئی اعتراض مگر ہم لائیں گے آپ کے پاس اس کا صحیح جواب اور عمدہ تفسیر (جو اعتراض کو رد کر دے گی)''۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً اس کے قائل میں اختلاف کیا گیا ہے اس بارے میں دو قول ہیں: (۱) قریش کے کفار ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (۲) یہودی ہیں جب انہوں نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل ہوتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ سارے کا سارا کیوں نہیں نازل کیا گیا جس طرح تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ ہم نے یہ اس طرح کیا تاکہ اس کے ذریعے آپ کے دل کو قوی کریں، آپ اسے یاد کریں اور اس کو برداشت کر

1۔ اس روایت کی صحت پر سوال اٹھایا گیا ہے اس کی سند میں ابو ہدبہ راوی ہے جو کذاب ہے۔

لیں، کیونکہ سابقہ کتب ایسے انبیاء پر نازل کی گئیں جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے جب کہ قرآن نبی امی پر نازل کیا گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ ہے، اس میں سوالات کے جوابات ہیں جو سوالات پوچھے گئے تھے۔ ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا نازل کیا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد ہو جائے، اس پر عمل کرنے والے کے لیے آسان ہو جب بھی نئی وحی آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی قوت میں اضافہ ہو جاتا۔

میں کہتا ہوں: اگر یہ کہا جائے قرآن حکیم کو ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہ کیا گیا اور کیوں اسے یاد نہیں کرا دیا اگر یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تھا؟ اس کا جواب دیا جائے گا: اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ تھا کہ وہ ایک لحظہ میں کتاب اور قرآن کی تعلیم دے دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اس کے حکم پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا، اس کی حکمت ہم بیان کر چکے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: كَذٰلِكَ یہ مشرکوں کے قول میں سے ہے اور ان کے قول کی حکایت ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن تورات، انجیل کی طرح کیوں نہیں یکبارگی نازل کیا گیا تو كَذٰلِكَ پر وقف مکمل ہو جاتا ہے پھر لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ نئی کلام شروع ہوتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وقف جُمْلَةً وَّاحِدَةً پر ہو پھر نئے سرے سے کلام شروع ہو كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ اس کا معنی یہ ہوگا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو اس کے ساتھ مضبوط کریں۔ ابن انباری نے کہا: پہلی تو جیہ زیادہ عمدہ اور زیادہ اچھی ہے۔ دوسرے قول کی تفسیر آئی ہے۔ محمد بن عثمان شیبی، منجاب سے وہ مبشر بن عمارہ سے وہ ابو روق سے وہ ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے: اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ کی تفسیر روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن حکیم لوح محفوظ سے آسمان میں سفرہ کراما کاتبین پر ایک ہی بار نازل ہوا۔ سفرہ کراما کاتبین نے اسے حضرت جبرئیل امین پر بیس راتوں میں نازل کیا اور حضرت جبرئیل امین بیس (1) سال تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے لاتے رہے۔ کہا: مابعد آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ (الواقعہ) یہاں نجوم سے مراد قرآن کی آیات ہیں وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ۝ (الواقعہ) جب قرآن حکیم ایک ہی بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں کیا گیا تو کافروں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن حکیم ایک ہی بار کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ خطاب حضرت محمد مصطفی علیہ التحیۃ والثناء کو ہے وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا یعنی ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔

وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر ہم قرآن حکیم کو آپ پر ایک ہی دفعہ نازل کرتے پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی جواب دیتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتا لیکن ہم اسے آپ پر روکے رکھتے ہیں جب وہ سوال کرتے ہیں تو آپ جواب دے دیتے ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ نبوت کی علامات میں سے ہے، کیونکہ وہ کوئی سوال نہیں کرتے مگر انہیں جواب دیا جاتا ہے، یہ ایک نبی سے ہی ہو سکتا ہے۔ یہ ان کے دلوں کو ثابت اور پختہ کرنا ہے، اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے: وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ۝ اگر وہ تمام

1۔ روایتی طور پر بائیس سال سے اوپر بنتا ہے۔ مترجم

فرائض جو اس میں ہیں وہ یکبارگی نازل ہو جاتے تو یہ امر ان پر ثقیل ہو جاتا، اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ بہتری انہیں الگ الگ نازل کرنے میں ہے کیونکہ انہیں یکے بعد دیگرے آگاہ کیا جاتا تھا۔ اگر یہ ایک ہی بار نازل ہو جاتا تو تنبیہ کا معنی زائل ہو جاتا جب کہ اس میں ناسخ و منسوخ بھی ہے۔ لوگ ایک وقت تک ایک فرض کی پیروی کرتے اللہ تعالیٰ جس میں ان کی بھلائی دیکھتا پھر اس کے بعد نسخ کا حکم نازل ہو جاتا ہے تو یہ امر محال تھا کہ یہ سب ایک ہی دفعہ نازل ہوتا: اس طرح گروہ اس طرح نہ کرو۔ نحاس نے کہا: بہتر یہ ہے کہ کلام جُمۡلَةً وَّاحِدَةً پر مکمل ہو جائے کیونکہ جب کذٰلِکَ پر عطف ہو تو معنی ہو جائے گا تورات، انجیل اور زبور کی طرح جب کہ ان کا پہلے ذکر نہیں ہوا۔

ضحاک نے کہا: وَ اَحۡسَنَ تَفۡسِیۡرًا یعنی اچھی تفصیل معنی ہے انہوں نے جن کی مثال دی ہے تفصیل کے اعتبار سے ان سے احسن ہے، سامع کے جاننے کی وجہ سے یہ حذف کیا گیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرک اہل کتاب سے مدد لیتے جب کہ اہل کتاب پر تحریف غالب آچکی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی لاتے وہ اچھی تفسیر ہوتی اس کی بنسبت، جو چیز ان کے پاس تھی، کیونکہ وہ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیتے تھے خالص حق اس حق سے اچھا ہوتا ہے جس میں باطل کی آمیزش ہو، اسی وجہ سے فرمایا: وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ (البقرہ: 42) ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَلَا یَاۡتُوۡنَکَ بِمَثَلٍ ان کے اس قول کی طرح ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتے تھے کہ انہیں بغیر باپ کے پیدا کیا گیا ہے اِلَّا جِئۡنٰکَ بِالۡحَقِّ ہم ایسا حق لاتے ہیں جس میں ان کی دلیل کا توڑ ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ آپ کو باپ اور ماں کے بغیر پیدا کیا گیا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یُحۡشَرُوۡنَ عَلٰی وُجُوۡهِهِمۡ اِلٰی جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِیۡلًا ﴿۳۴﴾

”جو لوگ ہانکے جائیں گے اوندھے منہ جہنم کی طرف ان کا بہت برا ٹھکانا ہو گا اور وہ سب سے زیادہ گم کردہ راہ ہوں گے“۔

اَلَّذِیۡنَ یُحۡشَرُوۡنَ عَلٰی وُجُوۡهِهِمۡ اِلٰی جَهَنَّمَ سورۂ اسراء میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا کیونکہ وہ جہنم میں ہیں۔ مقاتل نے کہا: کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں کہا: یہ مخلوق میں سے سب سے برے ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی: وَّ اَضَلُّ سَبِیۡلًا دین اور طریقہ کے اعتبار سے گمراہ ہیں۔ معنی یہ بنتا ہے: وہ آپ پر کوئی مثال نہیں لائیں گے مگر ہم مبنی برحق اس کا جواب لائیں گے۔ ان کے خلاف واضح دلائل سے آپ کی مدد کی گئی ہے جب کہ انہیں منہ کے بل ہانکا جائے گا۔

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ جَعَلۡنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ وَزِیۡرًا ﴿ۚۖ۳۵﴾ فَقُلۡنَا اذۡهَبَاۤ اِلَی الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَدَمَّرۡنٰهُمۡ تَدۡمِیۡرًا ﴿ؕ۳۶﴾

”اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب اور مقرر کیا ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون (کو ان کا) وزیر پھر

ہم نے حکم دیا دونوں جاؤ اس قوم کی طرف جنہوں نے جھٹلایا ہے ہماری آیتوں کو (وہ گئے تو ان کو ٹھکرا دیا) تو ہم نے ان کو بالکل برباد کر دیا"۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ، کتاب سے مراد تورات ہے وَ جَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا سورۂ طٰہٰ میں بحث گزر چکی ہے۔ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ خطاب ان دونوں کو ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اکیلے جانے کا حکم دیا گیا تھا یہ کلام اس طرح ہے جس طرح ارشاد ہے: نَسِیَا حُوْتَهُمَا (الکہف: 61) یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ (الرحمن) حالانکہ یہ ایک سمندر سے نکلتے ہیں یعنی صیغہ تثنیہ کا ذکر کیا گیا ہے اور مراد ایک ہے۔ نحاس نے کہا: یہ ایسی بات ہے جو مناسب نہیں تھی کہ کتاب اللہ پر اس سے جرأت کی جاتی، جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى ۝ قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَاۤ اَوْ اَنْ یَّطْغٰى ۝ قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَ اَرٰى ۝ فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ (طٰہٰ) اس کی مثل یہ ارشاد ہے وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝ (الرحمن) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰیٰتِنَا (المومنون: 45) تمام آیات میں دونوں کو خطاب اور حکم ہے۔ قشیری نے کہا: ایک اور جگہ پر اس کا قول ہے: اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ (طٰہٰ: 24) یہ اس کے منافی نہیں کیونکہ جب دونوں مامور ہیں تو ہر ایک بھی مامور ہے، یہ کہنا جائز ہے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا پھر جب انہوں نے عرض کی: میرے خاندان میں سے میرا ایک وزیر بنا دے، تو ارشاد ہوا: اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ (طٰہٰ: 43)

اِلَى الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اس سے مراد فرعون، ہامان اور قبطی ہیں۔

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا اس کلام میں اضمار ہے کلام یوں ہے فکذبوهما فدمرناهم تدمیرا یعنی ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔

وَ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰیَةً ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝

"اور قوم نوح کو یاد کرو جب انہوں نے جھٹلایا رسولوں کو تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور بنا دیا انہیں دوسرے لوگوں کے لیے عبرت اور تیار کر رکھا ہے ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب"۔

وَ قَوْمَ نُوْحٍ لفظ قوم کے منصوب ہونے میں چار قول ہیں: فَدَمَّرْنٰهُمْ، ھم کی ضمیر پر اس کا عطف ہے (۲) اذکر فعل کی وجہ سے نصب ہے (۳) ایسا فعل مضمر ہے جس کی تفسیر مابعد فعل کر رہا ہے تقدیر کلام یہ ہے أغرقنا قوم نوح أغرقناهم (۴) اَغْرَقْنٰهُمْ کی وجہ سے منصوب ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ نحاس نے اسے رد کیا ہے، کہا: أغرقنا ایسا فعل نہیں جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو کہ وہ ضمیر اور قوم نوح میں عامل ہو۔

لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ جنس کا ذکر کیا مراد صرف حضرت نوح علیہ السلام ہیں، کیونکہ اس وقت سوائے حضرت نوح کے کوئی ان کی طرف رسول نہیں تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اس لیے مبعوث کیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی طرف دعوت دینے اور اللہ تعالیٰ نے جو نازل کیا ہے اس پر ایمان لانے کی دعوت کے لیے مبعوث کیے گئے تھے جب انہوں نے حضرت

نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تو اس جھٹلانے میں ان تمام کا جھٹلانا آ گیا جو اس کلمہ کے ساتھ مبعوث کیے گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے ایک رسول کو جھٹلایا اس نے تمام رسولوں کو جھٹلایا، کیونکہ ایمان لانے کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا، کیونکہ ہر نبی تمام انبیاء کی تصدیق کرتا ہے جس نے ان میں سے کسی ایک نبی کو جھٹلایا تو اس نے گویا ان تمام کو جھٹلایا جنہوں نے اس کی تصدیق کی تھی۔

اَغْرَقْنٰهُمْ طوفان کے ساتھ ہم نے انہیں غرق کر دیا، سورۂ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً اپنی قدرت پر اسے ظاہر علامت بنایا۔ وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا قوم نوح میں سے مشرکوں کے لیے آخرت میں ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر ظالم کے بارے میں یہی میرا طریقہ ہے۔

وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاْ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝۳۸

''اور یاد کرو قوم عاد، ثمود اور اصحاب رس کو اور ان کثیر التعداد قوموں کو جو ان کے درمیان گزریں''۔

وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاْ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا یہ سب قَوْمَ نُوْحٍ پر معطوف ہیں جب قَوْمَ نُوْحٍ معطوف یا اذکر فعل کی وجہ سے منصوب ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ فَدَمَّرْنٰهُمْ کی ھم ضمیر پر عطف کی وجہ سے منصوب ہو یا جَعَلْنٰهُمْ کی ھم ضمیر پر عطف کی وجہ سے منصوب ہو، یہ نحاس کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے، کیونکہ یہی اس کے قریب تر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہو یعنی اس قوم عاد کو یاد کرو جنہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے بانجھ ہوا کے ساتھ انہیں ہلاک کر دیا اور قوم ثمود کو یاد کرو جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تو انہیں زلزلہ کے ساتھ ہلاک کر دیا۔

وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ لغت عرب میں رَسّ سے مراد ایسا کنواں ہے جس کی چنائی نہ کی گئی ہو اس کی جمع رساس ہے کہا: تنابلة يحفرون الرساسا یعنی معدنیات کے کنویں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے حضرت کعب سے اصحاب رس کے بارے میں پوچھا، انہوں نے جواب دیا: صاحب یس جس نے کہا تھا: اے میری قوم! رسولوں کی اتباع کرو، اس کی قوم نے اسے قتل کر دیا اور اپنے کنوئیں میں ڈال دیا جسے رس کہتے انہوں نے اسے رس میں پھینک دیا تھا، مقاتل نے یہی کہا۔ سدی نے کہا: قصہ یس والے اہل انطاکیہ ہیں، رس انطاکیہ میں ایک کنواں تھا جس میں لوگوں نے حبیب نجار کو قتل کیا تھا جو آل یس کا مومن تھا تو وہ لوگ اس کنویں کی طرف منسوب ہو گئے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وہ قوم تھی جو صنوبر کے درخت کی پوجا کرتی تھی ان کے نبی نے ان کے خلاف بددعا کی جو یہودا کی اولاد میں سے تھے وہ درخت خشک ہو گیا لوگوں نے اس نبی کو قتل کر دیا اور اس کنویں میں بند کر دیا سیاہ بادل ان لوگوں پر سایہ فگن ہو گیا اور انہیں جلا دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آذربائیجان میں ایک قوم تھی جنہوں نے انبیاء کو قتل کیا ان کے درخت اور کھیتیاں خشک ہو گئیں وہ بھوک اور پیاس سے مر گئے ابن وہب بن منبہ نے کہا وہ کنویں والے تھے وہ اس کے اردگرد بیٹھا کرتے تھے اور وہ مویشیوں کے مالک تھے وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا اور آپ کو اذیتیں دیں اور اپنے کفر و سرکشی میں حد سے بڑھ گئے۔ اسی اثنا میں کہ وہ اپنے

گھروں میں اس کے گرد بیٹھے ہوئے تھے تو وہ انہیں اور ان کے گھروں کو بہا کر لے گیا اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین میں دھنسا دیا اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔ قتادہ نے کہا: اصحاب رس اور اصحاب ایکہ دو امتیں تھیں دونوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے آپ کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ نے دو مختلف عذابوں میں انہیں مبتلا کیا۔ قتادہ نے کہا: رس ایک دیہات تھا جو یمامہ کے علاقہ میں تھا۔ عکرمہ نے کہا: یہ ایسی قوم تھے جنہوں نے اپنے نبی کو زندہ ایک کنویں میں دفن کر دیا تھا، اس کی دلیل وہ روایت ہے جو محمد بن کعب قرظی سے نقل کی گئی ہے جو انہوں نے اس راوی سے نقل کی جس نے یہ بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز جنت میں سب سے پہلے ایک حبشی غلام داخل ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نبی اس کی اپنی قوم کی طرف بھیجا اس نبی پر اس سیاہ غلام کے سوا کوئی ایمان نہ لایا بستی والوں نے ایک گڑھا کھودا اور اپنے نبی کو زندہ اس میں پھینک دیا۔ اور اس پر ایک بڑا پتھر رکھ دیا۔ وہ سیاہ غلام اپنی پشت پر لکڑیاں کاٹ کر لاتا، انہیں بیچتا، اس سے کھانا اور مشروب خریدتا اس پتھر کو ہٹانے میں اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا یہاں تک کہ وہ کھانا اس نبی تک لٹکا دیتا اس اثنا میں کہ وہ لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ وہ سو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سات سال تک اسے سلائے رکھا پھر وہ نیند سے بیدار ہوا پھر وہ دراز ہو گیا اور بائیں پہلو پر ٹیک لگائی تو اللہ تعالیٰ نے سات سال تک اسے سلائے رکھا پھر وہ اٹھا لکڑیوں کا گٹھا اٹھایا اسے بیچا اور کھانا پانی کنویں کے پاس لایا تو اس نبی کو نہ پایا۔ اس نبی کی قوم کو اللہ نے ایک نشانی دکھائی تو انہوں نے اسے نکالا، اس پر ایمان لائے، اس کی تصدیق کی اور وہ نبی وصال کر گئے'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ سیاہ غلام سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا''۔

اس واقعہ کو مہدوی اور ثعلبی نے ذکر کیا ہے الفاظ ثعلبی کے ہیں۔ کہا: یہ لوگ اپنے نبی پر ایمان لے آئے تھے تو یہ جائز نہیں کہ یہ لوگ اصحاب الرس ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب رس کے بارے میں خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں برباد کر دیا مگر یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے نبی کے بعد کوئی ایسے افعال کیے ہوں جن کی وجہ سے انہیں برباد کیا گیا ہو۔

کلبی نے کہا: اصحاب رس سے مراد ایسی قوم ہے اللہ تعالیٰ نے جن کی طرف نبی بنا کر بھیجا تو وہ اپنے نبی کو کھا گئے یہ وہ پہلے لوگ ہیں جن کی عورتوں نے ہم جنسی کا عمل کیا؛ ماوردی نے اسی کا ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اصحاب اخدود ہیں جنہوں نے خندقیں کھودیں اور مومنوں کو ان میں جلایا، اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ قوم ثمود کے بقایا لوگ تھے رس وہی کنواں ہے جس کا ذکر سورۂ حج میں وبئر معطلة میں ہوا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ صحاح میں ہے رس ایک کنویں کا نام ہے جو قوم ثمود کے باقی ماندہ افراد کا تھا۔ امام جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے: اصحاب رس ایک قوم ہے جو اپنی عورتوں کے لیے سحق (ہم جنسی) کو پسند کرتے تھے ان کی تمام عورتیں ہم جنس پرست تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ مرد مردوں اور عورتیں عورتوں پر اکتفا کریں گی''۔ یہی سحق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رس بنی اسد کا چشمہ اور کھجوریں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے رس سے مراد پہاڑوں میں تہہ در تہہ برف ہے؛ قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے جو پہلے ذکر کیا ہے وہ معروف ہے

سے مراد ہر وہ گڑھا ہے جسے کھودا جائے جس طرح قبر، کان اور کنواں۔ ابو عبیدہ نے کہا: رس سے مراد ایسا کنواں ہے جس کی چنائی نہ کی گئی ہو۔ اس کی جمع رساس ہے۔ شاعر نے کہا:

وھم سائرون إلی أرضھم فیالیتھم یحضرون الرساس

وہ اپنے علاقہ کی طرف جا رہے ہیں، کاش! وہ کنویں کھود لیتے۔

زہیر کے قول میں رس وادی کا نام ہے۔

فھن لوادی الرس کالید للفم

وہ وادی رس کے لیے ایسی ہیں جس طرح منہ کے لیے ہاتھ۔

رسستُ رسا میں نے کنواں کھودا۔ رُسّ المیت میت کو قبر میں دفن کیا گیا۔ رس کا معنی لوگوں کے درمیان اصلاح ہے اور اس کا معنی فاسد کرنا بھی ہے۔ قد رسست بینھم میں نے ان کے درمیان صلح کرا دی، میں نے ان کے درمیان فساد برپا کر دیا، یہ اضداد میں سے ہے۔ اصحاب رس کے بارے میں اس کے علاوہ بھی بات کی گئی ہے جو کچھ ہم نے کہا؛ ثعلبی اور دوسرے علماء نے یہ ذکر کیا ہے۔

وَ قُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور اصحاب رس کے درمیان ایسی ایسی امتیں ہو گزری ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ربیع بن خثیم کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بیمار ہوئے تو ان سے عرض کی گئی: کیا آپ دوائی نہیں کریں گے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے اس کا قصد کیا پھر میرے اور میرے نفس کے درمیان جو معاملات تھے ان کے بارے میں غور و فکر کیا تو کیا پاتا ہوں کہ قوم عاد، قوم ثمود، اصحاب رس اور درمیان میں بے شمار قومیں ہیں جو مال جمع کرنے کی زیادہ حریص تھیں ان میں طبیب بھی تھے نہ ان میں کوئی تعریف کرنے والا بچا اور نہ وہ بچا جس کی تعریف کی گئی۔ انہوں نے دوائی کرنے سے انکار کر دیا صرف پانچ دن تک وہ زندہ رہے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾

''حق سمجھانے کے لیے ہم نے بیان کیں ہر ایک کے لیے مثالیں اور ہم نے سب کو نیست و نابود کر دیا''۔

زجاج نے کہا: معنی ہے ہم نے سب کو ڈرایا، ان کے لیے امثال بیان کیں اور ان کے لیے حجت کو واضح کیا۔ ہم نے ان کی باطل امثال ذکر نہیں کیں جس طرح یہ کافر کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: كُلًّا کو نصب، ذکر نا فعل کی وجہ سے ہے کیونکہ امثال کا ذکر کرنا یہ بھی وعظ و نصیحت ہے؛ مہدوی نے اس کا ذکر کیا۔ معنی ایک ہی ہے۔ ہم نے سب کو عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ تبرتُ الشیء میں نے اسے توڑ دیا۔

مورج اور اخفش نے کہا: ہم نے انہیں برباد کر دیا، یعنی تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا کا معنی فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ہے تاء اور باء، دال اور میم سے بدلی ہوئی ہے۔

وَ لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْیَةِ الَّتِیْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝

''اور کئی بار گزرے ہیں یہ مشرک اس قصبہ کے پاس سے جس پر پتھراؤ کیا گیا تھا بری طرح، کیا (وہاں سے گزرتے ہوئے) وہ اسے دیکھا نہیں کرتے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں دوبارہ جینے کی امید ہی نہیں''۔

وَ لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْیَةِ واؤ ضمیر سے مراد مشرکین مکہ ہیں قریہ سے مراد قوم لوط کی بستی ہے۔ مَطَرَ السَّوْءِ وہ پتھر جوان پر برسائے گئے۔ اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا کیا انہوں نے اپنے سفروں میں نہیں دیکھا تا کہ وہ عبرت حاصل کریں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قریش شام کی طرف تجارتی سفر میں قوم لوط کے شہروں کے پاس سے گزرتے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ۝ (الصافات) فرمایا: وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۝ (الحجر) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے بَلْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝ وہ بعث کی تصدیق نہیں کرتے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یَرْجُوْنَ کا معنی ہے وہ خوف کرتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے اصل معنی پر ہو اس کا معنی ہوگا: وہ آخرت کے ثواب کی امید نہیں رکھتے۔

وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَ سَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝

''اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں (کہتے ہیں) کہ یہ وہ صاحب ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ قریب تھا کہ یہ شخص ہمیں بہکا دیتا اپنے خداؤں سے اگر ہم ثابت نہ رہے ہوتے ان کی (پوجا) پر، (اے حبیب) یہ جان لیں گے جب (ہمارے) عذاب کو دیکھیں گے کہ کون بھٹکا ہوا ہے راہ (راست) سے''۔

وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا، اِذَا کا جواب اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ ہے کیونکہ اس کا معنی یَتَّخِذُوْنَكَ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب محذوف ہے وہ قالوا یا یقولون أهذا الذی ہے۔ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا جملہ معترضہ ہے، یہ آیت ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی۔ وہ استہزا کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے: اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ضمیر عائد منصوب ہے تقدیر کلام ہوگی بعثه الله۔ رَسُوْلًا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہے أهذا الذی بعثه الله مرسلا۔ اَهٰذَا مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ الَّذِیْ اس کی خبر ہے رَسُوْلًا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ بَعَثَ، الَّذِیْ صلہ ہے لفظ اللہ اسم جلالت بَعَثَ کی وجہ سے مرفوع ہے، یہ بھی جائز ہے کہ رَسُوْلًا مفعول مطلق ہو کیونکہ بَعَثَ کا معنی ارسل ہے تو رَسُوْلًا کا معنی رسالة ہوگا، ہمزہ استفہام تقریر کے لیے یا احتقار (حقیر جاننا) کے لیے ہوگا۔

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا انہوں نے کہا: قریب تھا کہ وہ ہمیں پھیر دے۔

عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ہم نے اس کی عبادت پر اپنے آپ کو محبوس رکھا۔ وَ سَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا یعنی کون از روئے دین کے گمراہ ہے وہ یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ غزوۂ بدر کے موقع وہ یہ سب کچھ دیکھ چکے تھے۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾

''کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا اس (احمق) کو جس نے بنالیا ہے اپنا خدا اپنی خواہش کو، کیا آپ اسکے ذمہ دار ہیں''۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اپنے نبی کو تعجب کرنے کا حکم دیا کہ وہ اپنے دل سے شرک کو چھپائے ہوئے ہیں، یہ اقرار کرنے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق اور رازق ہے وہ شرک پر اصرار کرتے ہیں پھر ایسے پتھر کا قصد کرتے ہیں جس کی دلیل کے بغیر عبادت کرتے ہیں۔

کلبی اور دوسرے علماء نے کہا: عربوں میں سے کوئی جب کسی شی سے محبت کرتا تو اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتا، جب اس سے زیادہ خوبصورت چیز کو دیکھتا تو پہلی چیز کو چھوڑ دیتا اور زیادہ خوبصورت چیز کی عبادت کرنے لگتا۔ اس آیت کا یہ معنی بنا ہے اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ بھواہ حرف جار کو حذف کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ھوی معبود ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر اس کی عبادت کی جاتی ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اس نے اپنی خواہش کی اطاعت کی۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: وہ کسی شے سے محبت نہیں کرتا مگر اس کی پیروی کرتا ہے، معنی ایک ہی ہے۔ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا کیا تو اس پر نگہبان اور ضامن ہے یہاں تک کہ تو اسے ایمان کی طرف لوٹاتا ہے اور اس فساد سے نکالتا ہے، یعنی ہدایت اور گمراہی تیری مشیت کے سپرد نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تبلیغ حق کرنا ہے۔ یہ قدر یہ کا رد ہے۔ پھر ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت قتال کے ساتھ منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت منسوخ نہیں، کیونکہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے نازل ہوئی۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾

''کیا آپ خیال کرتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا (کچھ) سمجھتے ہیں، نہیں ہیں یہ مگر ڈنگروں کی مانند بلکہ یہ تو ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ، انہم نہیں فرمایا کیونکہ ان میں سے ایسے افراد بھی تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ان کی مذمت کی ہے۔ یہاں سننے سے ایسا سننا ہے جو قبولیت کا سننا ہے یا جو آپ کہتے ہیں اس میں غور و فکر کرتے ہیں تو وہ اسے سمجھ جاتے ہیں یعنی وہ اس آدمی کی جگہ ہیں جو عقل نہیں رکھتے اور نہ ہی اسے سنتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جب وہ اس چیز سے نفع حاصل نہیں کرتے جس

کو سنتے ہیں تو گویا انہوں نے سنا ہی نہیں، مراد اہل مکہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أم اس قسم کے مواقع میں بل کے معنی میں ہوتا ہے اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ وہ کھانے پینے میں چوپاؤں کی طرح ہیں۔ چوپاؤں پر نہ کوئی حساب ہے اور نہ ہی سزا۔ مقاتل نے کہا: چوپائے اپنے رب کو پہچانتے ہیں اپنی چراگاہوں کی طرف چلے جاتے ہیں اور وہ مالک جو انہیں چارہ کھلاتے ہیں ان کی وہ اطاعت کرتے ہیں یہ نہ اطاعت کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے اس رب کو پہچانتے ہیں جس نے انہیں پیدا کیا اور انہیں رزق دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: چوپائے ان سے افضل اس لیے ہیں کیونکہ چوپائے اگرچہ توحید و نبوت کی صحت کو نہیں سمجھتے تو وہ ان کے بطلان کو بھی نہیں سمجھتے۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۟ۙ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝۴۶

''(کیا آپ نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف) کیسے پھیلا دیتا ہے سایہ کو، اور اگر چاہتا تو بنا دیتا اسے ٹھہرا ہوا پھر ہم نے بنا دیا آفتاب کو اس پر دلیل، پھر ہم سمیٹے جاتے ہیں سایہ کو اپنی طرف آہستہ آہستہ''۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ یہ جائز ہے کہ رویت سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد علم ہو۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: فجر کے طلوع سے لے کر سورج کے طلوع تک سایہ کو لمبا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد سورج کے غائب ہونے سے اس کے طلوع تک کا وقت ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اس ساعت سے بڑھ کر کوئی ساعت اچھی نہیں کیونکہ اس میں مسافر اور ہر بیمار راحت پاتا ہے، ان میں مردوزن کی روحیں اور نفوس جسموں کی طرف لوٹائے جاتے ہیں، اس میں زندوں کے نفوس خوش ہوتے ہیں مغرب کے بعد یہ صفت مفقود ہوتی ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: جنت کا دن اس طرح ہوگا۔ صبح کی نماز پڑھنے والوں کی ساعت کی طرف اشارہ کیا۔ ابو عبیدہ نے کہا: ظل پہلے پہر اور فئی پچھلے پہر ہوتا ہے کیونکہ سورج کے ڈھلنے کے بعد وہ لوٹتا ہے۔ اسے فئی کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ مشرق سے مغرب کی جانب پلٹتا ہے۔ شاعر جو حمید بن ثور ہے وہ سرحہ درخت کی صفت بیان کرتا ہے اور اس کے ساتھ اپنی بیوی کا کنایہ کے طور پر ذکر کرتا ہے:

فلا الظل من برد الضحی تستطیعه ولا الفئی من برد العشی تذوق

تو چاشت کے ٹھنڈے سایہ کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ پچھلے پہر کے سایہ کو چکھتا ہے۔

ابن سکیت نے کہا: ظل اسے کہتے ہیں جسے سورج ختم کر دیتا ہے اور فئی اسے کہتے ہیں جو سورج کو ختم کر دیتا ہے۔ ابو عبید نے رؤبہ سے یہ حکایت بیان کی ہے جس پر سورج ہو اور سورج اس سے زائل ہو جائے تو وہ فئی اور ظل ہے جب تک اس پر سورج نہ چمک رہا ہو تو وہ ظل ہوتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے دائمی اور ساکن بنا دیتا سورج اس کو ختم نہ کرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد یوم قیامت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سورج کو طلوع ہونے سے روک دیتا۔

ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ہم نے سورج کو (اس لیے کہ اس کے آنے کے وقت وہ سایہ کو ختم کر دیتا ہے) اس امر پر دلیل بنا دیا ہے کہ ظل شے اور معنی ہے کیونکہ اشیاء کو اضداد سے پہچانا جاتا ہے اگر سورج نہ ہوتو سایہ کی پہچان نہ ہوتی اگر نور نہ ہوتا تو تاریکی کی پہچان نہ ہوتی۔ دلیل کا لفظ فعیل کے وزن پر ہے اور اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مفعول کے معنی میں ہے جس طرح قتیل، دھین اور خصیب مفعول کے معنی میں ہیں۔ ہم نے سورج کو سایہ پر دلیل بنایا یہاں تک کہ سورج اسے لے گیا یعنی ہم نے اسے اس پر دلیل بنایا، یعنی سورج دلیل یعنی حجت اور برہان ہے وہی ذات ہے جو مشکل کو دور کرتی ہے اور اسے واضح کرتی ہے۔ دلیل کو مونث نہیں بنایا جب کہ یہ الشمس کی صفت ہے کیونکہ یہ اسم کے معنی میں ہے جس طرح کہا جاتا ہے: الشمس برھان و الشمس حق۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ، ہ ضمیر سے مراد پھیلا ہوا سایہ ہے۔ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا اس کا قبض کرنا ہم پر آسان ہے ہر امر اللہ تعالیٰ پر آسان ہے سایہ اس فضا میں اتنی دیر ہی رہتا ہے جتنا وقت فجر کے طلوع ہونے سے سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے جب سورج طلوع ہو جاتا ہے تو سایہ مقبوض ہو جاتا ہے۔ فضا میں اس کے پیچھے سورج کی شعاع ہوتی ہے جو سورج کے غروب ہونے تک زمین اور اشیاء پر چمکتی ہے۔ جب وہ غروب ہو جاتا ہے تو وہاں کوئی سایہ نہیں ہوتا، بے شک وہ دن کے نور کا باقی ماندہ حصہ ہوتا ہے۔ ایک قوم نے کہا: سایہ کا قبض غروب شمس کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ جب تک سورج غروب نہیں ہوتا تو اس میں سایہ باقی رہتا ہے اس کا زوال رات کے آنے اور ظلمت کے داخل ہونے کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قبض سورج کے ساتھ واقع ہوتا ہے کیونکہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو آہستہ آہستہ سایہ چلا جاتا ہے یہ ابو مالک اور ابراہیم تیمی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اس سے مراد ہے ہم نے سورج کی روشنی کو سایہ کے ساتھ آسانی سے قبضہ میں لے لیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَّسِيْرًا کا معنی تیز ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: مخفی یعنی جب سورج غائب ہوتا ہے تو سایہ کو مخفی طریقہ سے قبض کر لیا جاتا ہے جب بھی اس میں سے کسی جز کو قبضہ میں لیا جاتا ہے تو اس کی جگہ تاریکی میں سے حصہ رکھ دیا جاتا ہے وہ ایک ہی دفعہ زائل نہیں ہوتا؛ یہ قتادہ کے قول کا معنی ہے؛ یہی مجاہد کا قول ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ۝

''اور وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے اور ہم اتارتے ہیں آسمان سے پاکیزہ پانی''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا جس نے رات کو مخلوق کے لیے لباس بنا دیا جو بدن کو ڈھانپنے میں لباس کے قائم مقام ہے۔ طبری نے کہا: رات کی صفت لباس سے کی گئی ہے کیونکہ رات بھی اشیاء کو ڈھانپ لیتی ہے اور چھپا لیتی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: بعض غافلوں نے یہ گمان کیا کہ جس نے تاریکی میں ننگے نماز پڑھی اس کے لیے وہ

نماز جائز ہوگی کیونکہ رات لباس ہے۔ یہ تو اس امر کو بھی ثابت کرے گی کہ وہ کمرے میں ننگے نماز پڑھ لے جب وہ اپنا دروازہ بند کر لے۔ نماز کی حالت میں پردہ کرنا عبادت ہے یہ نماز کے ساتھ خاص ہے یہ اس لیے نہیں کہ لوگ اسے دیکھیں، اس میں طویل گفتگو کی کوئی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا نیند کو راحت بنایا جو تمہارے بدنوں کو راحت پہنچاتی ہے، کیونکہ تم اس وقت کام کاج چھوڑ دیتے ہو۔ سبات کا اصل معنی لمبا ہونا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سبت المراۃ شعرھا عورت نے اپنی مینڈھیوں کو کھول دیا اور انہیں لمبا کر لیا۔ رجل مسبوت لمبے قد والا آدمی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نیند کو سبات کہتے ہیں کیونکہ نیند لمبے لیٹنے سے ہی ہوتی ہے اور لمبا لیٹنے میں راحت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سبت کا معنی کاٹنا ہے۔ نوم، مصروفیات سے الگ تھلگ ہونا ہے، اسی سے سبت الیہود ہے کیونکہ ہفتہ کے روز وہ کام کاج نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سبت کا معنی مکان میں مقیم ہونا ہے گویا سبات سے مراد سکون اور اس پر ثابت رہنا ہے النوم سبات کا معنی ہوگا کہ یہ اضطراب اور حرکت سے سکون ہے۔ خلیل نے کہا: سبات سے مراد بھاری نیند ہے، یعنی ہم نے تمہاری نیند کو ثقیل بنایا تا کہ راحت مکمل ہو۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا دن کو معاش کے لیے پھیلنے والا بنایا۔ دن احیاء کا سبب بنایا تا کہ تم پھیل سکو۔ اس میں نیند سے بیداری کو نشور کہا یہ اس امر کے مشابہ ہے جس طرح زندہ کرنا مارنے کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے نبی کریم ﷺ جب صبح کرتے تو کہتے: الحمد للہ الذی أحیانا بعد ما أماتنا والیہ النشور اس اللہ کے لیے تمام تر تعریفیں ہیں جس نے ہمیں موت عطا کرنے کے بعد زندہ کیا اور اس کی بارگاہ میں دوبارہ اٹھایا جانا ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾

''اور وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے اور ہم اتارتے ہیں آسمان سے پاکیزہ پانی''۔

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ سورۂ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا

اس میں پندرہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مَآءً طَهُوْرًا جس کے ساتھ طہارت حاصل کی جاتی ہے، جس طرح کہا جاتا ہے: اس سے مراد ایسا پانی ہے جس کے ساتھ وضو کیا جاتا ہے ہر طہور، طاہر تو ہوتا ہے مگر ہر طاہر، طہور نہیں ہوتا۔ طہور جب طاء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اسم ہوتا ہے اسی طرح وضو اور وقود، ضمہ کے ساتھ مصدر ہوتا ہے، لغت میں یہی معروف ہے؛ یہ ابن انباری کا قول ہے۔ یہ واضح کیا کہ آسمان سے جو پانی نازل ہوتا ہے وہ فی نفسہ طاہر ہوتا ہے اور غیر کے لیے مطہر (پاک کرنے والا) ہوتا ہے کیونکہ طاہر کی بنسبت طہور میں مبالغہ ہے کیونکہ یہ اسم مبالغہ کا صیغہ ہے یہ مبالغہ کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ پانی طاہر و مطہر ہو؛ جمہور علماء اسی طرف

گئے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طھور، طاہر کے معنی میں ہے؛ یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے، آپ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا۝ (الانسان) سے استدلال کیا ہے جس میں طھور، طاہر کے معنی میں ہے، اسی طرح شاعر کے قول سے استدلال کیا اس میں شاعر نے عورتوں کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا: ریقھن طھور، لعاب کی صفت طھور سے لگائی حالانکہ تھوک پاک کرنے والا نہیں۔ عرب کہتے ہیں: رجل نؤوم، اس کا معنی یہ نہیں کہ وہ کسی اور کو سلانے والا ہے یہ اس کے اپنے فعل کی طرف راجع ہے۔ ہمارے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے: جنت کی شراب کی صفت طھور سے لگائی گئی ہے کیونکہ وہ گناہوں کی غلاظتوں، خسیس صفات جیسے کینہ اور حسد سے پاک کرنے والی ہے جب وہ یہ مشروب پئیں گے اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں کی آلودگیوں اور مذموم اعتقادات کی غلاظتوں سے پاک کر دے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سلیم دل کے ساتھ آئیں گے اور سلامتی کی صفات کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے اس موقع پر انہیں کہا گیا: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ۝ (الزمر) جب دنیا میں اس کا حکم یہ ہے کہ جب پانی اعضاء پر جاری ہوتا ہے تو آخرت میں بھی اس کی حکمت یہی ہوگی۔

جہاں تک شاعر کے قول کا تعلق ہے ریقھن طھور اس میں مبالغہ کا ارادہ کیا ہے کہ طھور ریقہ کے ساتھ ریق کی صفت لگائی کیونکہ اس میں مٹھاس ہے اور دلوں کے ساتھ اس کا تعلق ہے اور نفوس میں اس کی خوشبو پائی جاتی ہے۔ اس کے چوسنے کے ساتھ محب کی پیاس کو سکون حاصل ہوتا ہے گویا وہ ماء طھور ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ احکام شرعیہ اشعار میں ایسے الفاظ جو مجازی معنی میں استعمال ہوں ان سے اس کا ثبوت نہیں ہوتا، کیونکہ شعراء صدق سے کذب کی طرف تجاوز کر جاتے ہیں اور گفتگو میں اتنی آزادروی اپناتے ہیں، یہاں تک کہ یہ چیز انہیں بدعت و معصیت کی طرف لے جاتی ہے بعض اوقات وہ کفر میں جا پڑتے ہیں کہ انہیں شعور تک نہیں ہوتا۔ کیا تو ان میں سے ایک کے قول کو نہیں دیکھتا؟

ولولم تلامس صفحةُ الأرض رِجلَها لما كنت أدرِى علةَ للتيمم

اگر سطح زمین اس کے پاؤں سے مس نہ کرتی تو مجھے تیمم کی علت کا علم نہ ہوتا۔

یہ صریح کفر ہے نعوذ باللہ منہ۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: یہ علماء کے کلام کا لب لباب ہے یہ اپنے فن میں بلیغ ترین ہے مگر میں نے عربی لغت کے حوالہ سے غور و فکر کیا تو میں نے اس میں روشن مطلع پایا، وہ یہ ہے کہ فعول کا وزن مبالغہ کا ہے مگر مبالغہ کبھی فعل متعدی میں ہوتا ہے جس طرح شاعر نے کہا:

ضَروبٌ بنصل السيف سُوقَ سِمانها

وہ تلوار کے پھل سے ان میں سے موٹی اونٹنیوں کی پنڈلیوں پر ضرب لگانے والا ہے۔

بعض اوقات فعل لازم میں یہ آتا ہے جس طرح کہا: نئوم الضحا چاشت کے وقت تک سونے والا۔ پانی کا غیر کو پاکیزگی عطا کرنا، اسے نظافت کے اعتبار سے لیا جائے تو یہ عمل حسن ہے اور طہارت کے اعتبار سے لیا جائے تو یہ امر شرعی ہوگا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا یقبل اللہ صلاۃ بغیر طھور، اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر نماز کو قبول نہیں فرماتا۔ لغت اور شرع کے اعتبار سے علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ طھور کا وصف پانی کے ساتھ خاص ہے یہ تمام مائع چیزوں کی

طرف متعدی نہیں ہوگا جب کہ وہ پاکیزہ ہیں ان کا پانی کے بارے میں یہ حکم محدود کرنا اس امر پر واضح دلیل ہے کہ طھور کا معنی مطھر ہے فعول کا وزن کئی اور مقاصد کے لیے بھی آتا ہے۔ یہ اس کی تمام وضاحت نہیں اس سے مراد فعل کا آلہ بھی ہوتا ہے فعل مراد نہیں ہوتا جس طرح وقود، سحور کیونکہ ان سے مراد لکڑی اور وہ کھانا ہے جس کے ساتھ سحری کی جاتی ہے، پانی کی صفت طھور سے لگائی گئی ہے اس سے مراد ایسا آلہ ہوگا جس کے ساتھ طہارت حاصل کی جاتی ہے۔ جب وقود، سحور اور طھور کے فاء کلمہ کو ضمہ دیا جائے تو اس سے مراد فعل ہوگا یعنی یہ مصدری معنی پر دال ہوں گے اور اس کے بارے میں خبر دی جائے گی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "فعول" کا وزن یہ بھی مبالغہ کا وزن ہے اس سے مراد آلہ ہوگا۔ حنفیہ کے دل میں یہی بات کھٹکی ہے، لیکن مقصد پورا نہ ہوا۔ اس گفتگو کے بعد اس کے مبالغہ کے وزن اور اسم آلہ کے وزن ہونے کے بارے میں وضاحت دلیل پر موقوف ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۝ (الفرقان) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَهُوْرًا میرے لیے زمین مسجد اور پاکیزگی عطا کرنے والی بنادی گئی۔ یہ دونوں دلیلیں مبالغہ اور آلہ کا احتمال رکھتی ہیں۔ اس میں ہمارے علماء کے لیے کوئی حجت نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان لیطھرکم بہ اس میں نص ہے کہ اس کا فعل غیر کی طرف متعدی ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وہ پانی جو آسمان سے نازل ہوں یا زمین سے ودیعت کیے گئے ہوں وہ طاہر بھی ہوں گے وہ مطہر بھی ہوں گے خواہ ان کے رنگ مختلف ہوں، ان کے ذائقے مختلف ہوں اور ان کی بو مختلف ہو، یہاں تک کہ ان کے ساتھ کوئی اور چیز ملی ہوئی ہو۔ پانی کے ساتھ ملنے والی چیز کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں: ایسی قسم جو پانی کی دونوں صفتوں کے موافق ہو۔ جب وہ چیز پانی کے ساتھ مل جائے تو وہ اس کو تبدیل کردے تو وہ پانی کے کسی وصف کو سلب نہیں کرتی کیونکہ وہ ان دونوں کے موافق ہے، وہ مٹی ہے (۲) وہ چیز پانی کی دو صفتوں میں سے ایک کے موافق ہو، وہ طہارت ہے، جب وہ چیز اس پانی کے ساتھ مل جائے جس میں مخالف ہو اس کو تبدیل کردیتی ہے وہ تطہیر کی صفت ہے جس طرح عرق گلاب اور باقی ماندہ پاکیزہ چیزیں (۳) ایسی چیز جو دونوں صفتوں میں مخالف ہو جب وہ چیز اس پانی کے ساتھ مل جائے تو اسے تبدیل کردے تو اس کی دونوں صفتوں کو سلب کرلیتی ہے کیونکہ وہ ان دونوں کے مخالف ہے وہ ناپاکی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام مالک کے مصری اصحاب اس نقطہ نظر کی طرف گئے ہیں کہ تھوڑے پانی کو تھوڑی نجاست ناپاک کر دیتی ہے اور زیادہ پانی کو اس وقت تک ناپاک نہیں کرتی جب تک اس کے رنگ، ذائقہ اور بو کو بدل نہ دے جب کہ وہ چیز حرام ہو۔ انہوں نے قلیل اور کثیر میں کوئی حد بیان نہیں کی جس سے یہ معلوم ہوسکے مگر ابن قاسم نے امام مالک سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک جنبی جو ایسے حوض میں غسل کرتا ہے جس سے جانور پانی پیتے ہیں جب کہ اس نے جسم پر لگی ناپاکی کو نہ دھویا ہو تو وہ پانی کو فاسد کردے گا؛ یہ قول ابن قاسم، اشہب، ابن عبد الحکم اور مصر میں ان کے پیروکاروں کا ہے مگر ابن وہب، وہ وہی قول کرتے ہیں جو مدینہ طیبہ کے مالکی علماء کا ہے ان کا قول وہ ہے جو ابو مصعب نے ان سے اور امام مالک سے نقل کیا ہے: پانی میں گری ہوئی نجاست وہ تھوڑی یا زیادہ ہو اسے فاسد نہ کرے گی مگر اس صورت میں کہ اس میں گری ہوئی نجاست ظاہر ہو جائے اور اس سے

ذائقہ، بو اور رنگ بدل جائے۔ احمد بن معدل نے ذکر کیا کہ پانی کے بارے میں یہ قول حضرت مالک بن انس کا ہے اسی طرف اسماعیل بن اسحاق، محمد بن بکیر، ابو الفرح، ابہری اور دوسرے علماء کا میلان ہے جو بغداد سے تعلق رکھتے ہیں؛ یہی قول امام اوزاعی، لیث بن سعد، حسن بن صالح اور داؤد بن علی کا ہے؛ یہی اہل بصرہ کا قول ہے، نظر و فکر کے اعتبار سے یہی صحیح ہے۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: جب پانی میں نجاست گر جائے تو پانی کو ناپاک کر دے گی وہ پانی زیادہ ہو یا تھوڑا ہو جب اس میں عموم نجاست متحقق ہو جائے۔ ان کے نزدیک اس کے تحقق کی صورت یہ ہے کہ ایک تالاب میں پیشاب کا ایک قطرہ گر جائے اگر تالاب کی ایک جانب دوسری جانب کو حرکت دینے سے متحرک ہو جائے تو تمام تالاب ناپاک ہو گا۔ اگر اس کی دونوں طرفوں میں سے ایک کو حرکت دینے سے دوسری طرف حرکت نہ کرے تو وہ ناپاک نہیں ہو گا۔

مجموعہ میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کی مثل ہے۔

امام شافعی نے قلتین والی حدیث سے استدلال کیا ہے(1)، یہ ایسی حدیث ہے جس میں طعن ہے اس کی سند اور متن میں اختلاف ہے، اسے ابوداؤد، ترمذی اور دارقطنی نے نقل کیا ہے آپ نے اپنی کتاب کے آغاز میں اس کا ذکر کیا اور اس کے طرق کو جمع کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: دارقطنی نے اپنی امامت کے بل بوتے پر حدیث قلتین کو صحیح قرار دینے کا قصد کیا مگر کامیاب نہ ہوئے۔ ابو عمر بن عبدالبر نے کہا: امام شافعی نے حدیث قلتین کی وجہ سے جو نقطہ نظر اپنایا ہے وہ نظر و فکر کے اعتبار سے کمزور نقطہ نظر ہے، اثر میں ثابت نہیں کیونکہ اہل علم کی ایک جماعت نے اس بارے میں گفتگو کی ہے کیونکہ قلتین کی حقیقت کسی اثر میں بھی کوئی آگاہی نہیں اور نہ ہی اجماع میں کوئی بات ثابت ہے اگر یہ لازمی حد ہوتی تو علماء پر لازم تھا کہ اس سے بحث کرتے اور ضرور اس حد پر آگاہ ہو جاتے جو نبی کریم ﷺ نے بیان کی ہوتی کیونکہ یہ ان کے دین اور فرض کی اصل ہے اگر یہ ایسا ہوتا تو وہ اسے ضائع نہ کرتے جب کہ انہوں نے اس سے ادنیٰ درجہ کے مسائل پر گفتگو کی ہے۔

میں کہتا ہوں: ابن منذر نے قلتین کے بارے میں جو اختلاف ذکر کیا ہے وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان میں کوئی تعیین وتحدید نہ ہو گی۔ سنن دارقطنی میں حماد بن زید، عاصم بن منذر سے روایت نقل کرتے ہیں: یہ قلال سے مراد بڑے مٹکے ہیں۔ عاصم، قلتین والی حدیث کے ایک راوی ہیں۔ دارقطنی کے قول سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ہجر کے مٹکوں کی مثل ہیں کیونکہ انہوں نے اسراء کی حدیث نقل کی ہے کہ حضرت انس بن مالک نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب مجھے سدرۃ المنتہیٰ سے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا اس کے بیر ہجر کے مٹکوں کی طرح تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے'' اور حدیث ذکر کی۔

ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے بئر بضاعہ کے متعلق حضرت ابو سعید خدری کی حدیث سے استدلال کیا ہے اسے امام نسائی، امام ترمذی، ابوداؤد اور دوسرے علماء نے روایت کیا ہے(2)، یہ بھی حدیث ضعیف ہے صحت میں اس کا کوئی مقام نہیں

1۔ سنن ابی داؤد، باب ما ینجس الماء، حدیث نمبر 58-59۔ ابن ماجہ باب مقدار الماء الذی لا ینجس، حدیث نمبر 509، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ابوداؤد، باب ما جاء فی بئر بضاعۃ، حدیث 60-61، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اس لیے اس پر کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ میں اس مسئلہ میں طوسی اکبر کا موافق ہوں۔ انہوں نے کہا: اس مسئلہ میں سب سے اچھا مذہب امام مالک کا مذہب ہے پانی مطہر ہی رہے گا جب تک اس کا ایک وصف تبدیل نہ ہو جائے کیونکہ اس باب میں کوئی ایسی حدیث نہیں جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ اعتماد قرآن کے ظاہر پر کیا جائے گا، وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا یہ اس وقت اس حالت پر رہے گا جب تک اس کی صفات باقی رہیں۔ جب ان میں سے کسی چیز سے متغیر ہو جائے تو وہ اس اسم سے خارج ہو جائے گا کیونکہ وہ اس کی صفت سے خارج ہو چکا ہے اسی وجہ سے جب امام بخاری نے جو حدیث و فقہ کے امام ہیں اس باب میں کوئی روایت نہ پائی جس پر اعتماد کرسکیں تو فرمایا: باب اذا تغیر وصف الماء اور حدیث صحیح اس باب میں داخل کی ما من أحد یکلم فی سبیل اللہ واللہ اعلم بمن یکلم فی سبیلہ إلا جاء یوم القیمۃ و جرحہ یثعب دما اللون لون الدم والریح ریح المسک (1) اللہ کی راہ میں جس کو بھی زخم لگایا گیا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کسے اس کی راہ میں زخم لگایا جاتا ہے وہ قیامت کے روز آئے گا جب کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا رنگ خون کا ہوگا اور خوشبو کستوری کی ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ خون اپنی حالت پر رہے گا اور اس پر خوشبو کستوری کی ہوگی، خوشبو اسے خون کی صفت سے خارج نہ کرے گی۔ اسی وجہ سے ہمارے علماء نے ارشاد فرمایا: جب پانی کی بو مردار کی بو سے تبدیل ہو جائے جو اس کی ایک جانب یا ساحل پر پڑا ہے تو یہ اس سے وضو کے مانع نہیں۔ اگر اس کی وجہ سے بو تبدیل ہو چکی ہے جب کہ اسے پانی میں ڈالا گیا تو یہ اس کو ناپاک کرنے کا سبب بن جائے گا کیونکہ وہ آپس میں خلط ملط ہو چکے ہیں پہلی صورت میں تغیر پڑوس کی وجہ سے ہے جس پر انحصار نہیں کیا جاسکتا۔

میں کہتا ہوں: اس کے برعکس پر استدلال کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ بو کا بدل جانا اسے اصل سے خارج کر دیتا ہے اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ خون، جب اس کی بو خوشبو سے بدل گئی تو وہ ناپاک ہونے سے خارج ہو گیا بلکہ وہ مسک ہو گیا اور مسک (کستوری) بھی بدن کے خون کا بعض ہے۔

اسی طرح پانی ہے جب اس کی بو تبدیل ہو جائے۔ پانی کے بارے میں اسی تاویل کی طرف جمہور گئے ہیں، پہلے قول کی طرف عبدالملک گئے ہیں۔ ابوعمرو نے کہا: انہوں نے حکم بو کی وجہ سے لگایا، رنگ کی وجہ سے حکم نہیں لگایا، حکم اسی کا ہوگا۔ انہوں نے اپنے گمان کے مطابق اس حدیث سے استدلال کیا ہے، اس سے کوئی ایسا معنی سمجھ میں نہیں آتا جس سے نفس سکون پائے۔ نہ ہی خون میں پانی کا معنی ہے کہ اس پر قیاس کیا جاتا اور نہ اس قسم کی چیزوں میں فقہاء مشغول ہوتے ہیں اور نہ ہی علماء کا یہ کام ہے کہ وہ لوگوں کو مشکلات میں ڈالتے رہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ وہ اس کی وضاحت کریں، اسی وجہ سے ان سے عہد لیا گیا کہ وہ لوگوں کے سامنے بیان کریں گے، وہ کوئی چیز نہیں چھپائیں گے، پانی تغیر وتبدل سے خالی نہیں وہ نجاست کے ساتھ ہو یا نجاست کے بغیر ہو۔ اگر نجاست کے ساتھ ہو اور اس میں تغیر آ جائے تو علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وہ نہ طاہر ہوگا اور نہ مطہر ہوگا۔ اور اسی طرح علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ جب وہ نجاست کے بغیر متغیر ہو جائے تو وہ اپنے اصل کے مطابق

1۔ صحیح البخاری، باب مایقع من النجاسات فی السمن والماء، حدیث نمبر 230، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پاک ہوگا۔ جمہور نے کہا: وہ مطہر نہیں ہوگا ہاں اس صورت میں مطہر (پاک کرنے والا) ہوگا کہ اس کا تغیر مٹی سے ہو جس پر سب علماء کا اتفاق ہے یہی حق ہے اس میں کوئی اشکال نہیں اور نہ ہی اس کے ساتھ التباس ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ایسا پانی جو ٹھہرنے کی وجہ سے متغیر ہو جائے جس طرح ہڑتال یا گچ جس پر پانی بہتا ہو یا کائی اور درخت کے پتوں کی وجہ سے متغیر ہو جائے جو درخت اس پانی پر اگتا ہے اس سے بچنا ممکن نہیں علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ چیز وضو سے مانع نہیں کیونکہ اس سے بچنا اور اس سے جدا ہونا ممکن نہیں۔ ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ اس کے علاوہ پانی اس سے اولیٰ ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ جوٹھے پانی کے احکام۔ ہمارے علماء نے فرمایا: نصرانی، کفار، ہمیشہ شراب نوشی کرنے والے، مردار کھانے والے جیسے کتے کا جوٹھا مکروہ ہے۔ جس نے ان کے جوٹھے سے وضو کیا تو اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی یہاں تک کہ اسے نجاست کا یقین ہو جائے۔ امام بخاری نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصرانی عورت کے گھر سے وضو کیا۔ سفیان بن عیینہ نے ذکر کیا ہے کہ زید بن اسلم نے اپنے باپ سے روایت نقل کی: جب ہم شام میں تھے تو میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس پانی لایا تو آپ نے اس سے وضو کیا۔ پوچھا: تو یہ پانی کہاں سے لایا تھا؟ میں نے اس سے زیادہ میٹھا اور پاکیزہ پانی نہیں دیکھا۔ میں نے عرض کی: میں یہ پانی ایک نصرانی بوڑھی عورت کے گھر سے لایا ہوں جب آپ نے وضو کر لیا تو آپ اس عورت کے پاس آئے فرمایا: اے بوڑھی عورت! اسلام قبول کر لے تو سلامتی پا جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اس بوڑھی عورت نے اپنے سر سے کپڑا اٹھایا تو اس کا سر ثغامہ بوٹی کی طرح سفید تھا۔ اس عورت نے کہا: بہت ہی بڑھیا، میں اس وقت مرنے والی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! گواہ رہنا۔ اسے دار قطنی نے نقل کیا ہے۔

حسن بن اسماعیل، احمد بن ابراہیم بوشنجی سے وہ سفیان سے روایت نقل کرتے ہیں اسے حسین بن اسماعیل نے خلاد بن اسلم سے وہ سفیان سے وہ زید بن اسلم سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے نصرانی عورت کے گھر سے وضو کیا آپ اس کے پاس تشریف لائے، فرمایا: اے بڑھیا! اسلام قبول کر لے، اور پہلی کی مثل حدیث ذکر کی۔

مسئلہ نمبر 6۔ جہاں تک کتے کا تعلق ہے جب وہ پانی میں منہ ڈال لے تو اس برتن کو سات دفعہ دھویا جائے گا اس سے وضو نہیں کیا جائے گا اور وہ پانی پاک ہوگا۔ ثوری نے کہا: اس سے وضو کیا جائے گا اور ساتھ ہی تیمم کیا جائے گا؛ یہ عبد الملک بن عبد العزیز اور محمد بن مسلمہ کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: کتا ناپاک ہے اس کی وجہ سے برتن کو دھویا جائے گا کیونکہ وہ ناپاک ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال جاتا تو امام مالک اس برتن کے دھونے میں فرق کرتے کہ کیا کتا وہ ہے جس کا پکڑنا جائز ہے اور جس کا پکڑنا جائز نہیں۔ آپ کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک کتا پاک ہے جب وہ کسی شے میں منہ ڈال جاتا ہے تو وہ اس چیز کو ناپاک نہیں کرتا وہ چیز کھانا ہو یا کوئی اور چیز ہو مگر جب وہ پانی ہو جس میں کتے نے منہ ڈالا ہو تو اس میں مشقت کیونکہ کم ہوتی ہے تو اس کا بہا دینا مستحب ہوتا ہے، دیہاتی اور شہری کتا برابر ہیں۔ برتن کو امر تعبدی کے طور پر سات دفعہ دھویا جائے گا۔ ان کے اصحاب میں سے جو مناظر لوگ ہیں یہی وہ

نقطہ نظر ہے جس پر ان کے اصحاب کا اتفاق ہے۔ ابن وہب نے ذکر کیا ہے کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اپنے باپ سے وہ عطا سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے بارے میں سوال کیا گیا جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی: کتے اور درندے ان پر وارد ہوتے ہیں۔ فرمایا: ''ان کے لیے وہ کچھ ہے جو ان کے پیٹوں نے لے لیا اور ہمارے لیے وہ کچھ ہے جو باقی ہے، وہ مشروب بھی ہے اور پاکیزگی عطا کرنے والا ہے''۔ اسے دارقطنی نے نقل کیا ہے، یہ کتوں کی طہارت کے بارے میں اور جن چیزوں میں وہ منہ ڈال جاتے ہیں ان کی طہارت کے بارے میں نص ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں کتے آتے جاتے رہتے تھے وہ ان کی وجہ سے پانی وغیرہ نہیں بہاتے تھے(1)۔ حضرت عمرو بن عاص نے جب حوض والے سے یہ پوچھا: کیا تیرے حوض پر درندے آتے رہتے ہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حوض والے! ہمیں اس کے بارے میں نہ بتانا، ہم درندوں پر وارد ہوتے ہیں اور وہ ہم پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔ امام مالک اور دارقطنی نے اسے نقل کیا ہے۔ امام مالک نے درندوں اور کتوں کے بارے میں کوئی فرق نہیں کیا۔ جس میں کتا منہ ڈال جائے اس پانی کے بہا دینے کے حکم سے مخالف کے لیے کوئی دلیل نہیں اور نہ اس کی دلیل ہے کہ یہ بہانا نجاست کی وجہ سے ہے، امام مالک نے پانی بہانے کا حکم اس لیے دیا کیونکہ نفس اسے ناپسند کرتا ہے اس وجہ سے بہانے کا حکم نہیں دیا کہ وہ ناپاک ہے کیونکہ غلیظ چیزوں سے بچنا مندوب ہے یا ان پر سختی کرنے کے لیے ہے کیونکہ انہیں گھروں میں رکھنے سے منع کیا گیا تھا، جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری نے کہا: جب وہ اس سے باز نہ آئے تو پانی کے معاملہ میں ان پر سختی کی گئی کیونکہ بادیہ میں ان کے پاس پانی بہت ہی کم ہوتا ہے ان پر سختی کی جائے تا کہ وہ کتے رکھنے سے باز آجائیں، جہاں تک برتن کو دھونے کا جو حکم ہے یہ عبادت ہے اس کے ناپاک ہونے کی وجہ سے نہیں جس طرح ہم نے دو دلیلیں ذکر کی ہیں: (۱) دھونے میں عدد داخل ہے (۲) اس میں مٹی کا عمل دخل رکھ دیا گیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''آٹھویں دفعہ اسے مٹی سے ملو''۔ اگر یہ حکم نجاست کی وجہ سے ہوتا تو تعداد اور مٹی کا اس میں کوئی عمل دخل نہ ہوتا جس طرح پیشاب کا معاملہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی اور بلی جس میں منہ ڈال جائے اس کو پاک قرار دیا ہے، بلی بھی درندہ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ وہ چیرتی پھاڑتی ہے اور مردار کھاتی ہے۔ کتا بھی اسی طرح ہے اور درندے بھی اسی طرح ہیں، کیونکہ جب یہ ایک میں نص ہے تو دوسری میں بھی نص ہے۔ یہ قیاس کی اقسام میں سے قوی ترین قسم ہے یہ اس صورت میں ہے جب کوئی دلیل نہ ہو۔ ہم نے اس کی طہارت کے بارے میں نص کا ذکر کیا ہے پس مخالف کا قول ساقط ہو گیا۔ الحمد للہ

مسئلہ نمبر 7۔ وہ جاندار جس میں خون نہ ہو وہ پانی میں مر جائے تو وہ پانی کو کچھ نقصان نہ دے گا اگر اس کی بو کو نہ بدلے۔ اگر وہ بدبودار ہو جائے تو وہ اس کے ساتھ وضو نہ کرے، اسی طرح پانی کے جانور جن میں بہنے والا خون نہیں ہوتا ان کا

1۔ ابو داؤد، باب فی طہور الارض اذا یبست، حدیث نمبر 325، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بھی یہ حکم ہوتا ہے جس طرح مچھلی اور مینڈک، ان چیزوں کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا مگر اس صورت میں کہ بو متغیر ہو جائے۔ اگر بو متغیر ہو جائے اور پانی بدبودار ہو جائے تو اس کے ساتھ طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہوتا اور اس سے وضو کرنا بھی جائز نہیں ہوتا۔ امام مالک کے نزدیک یہ ناپاک ہے۔ جس میں بہنے والا خون ہو وہ پانی میں مرجائے اسے نکال لیا جائے اس کا رنگ بو اور ذائقہ نہ بدلا ہو تو وہ طاہر و مطہر رہے گا، خواہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ ہو؛ یہ مدینہ طیبہ کے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ان میں سے بعض نے اس امر کو مستحب جانا ہے کہ اس پانی سے کچھ ڈول نکال لیے جائیں تاکہ دل کو اطمینان ہو جائے۔ اس میں وہ کسی حد کا تعین نہیں کرتے جس سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔ ڈول نکالنے سے پہلے وہ پانی کے استعمال کو مکروہ خیال کرتے ہیں اگر اس سے نہانے یا وضو کرنے کے لیے اس پانی کو استعمال کیا تو یہ جائز ہوگا جب اس کی حالت وہی ہو جو ہم نے ذکر کی ہے۔ امام مالک کے بعض اصحاب کی رائے ہے: جس نے اس پانی سے وضو کیا اگرچہ اس کا پانی متغیر نہ ہوا ہو تو وہ تیمم کرے گا تو وہ احتیاط کے طریقہ پر دونوں طہارتوں کو جمع کرے گا، اگر اس نے ایسا نہ کیا اور اس پانی سے نماز پڑھ لی تو یہ جائز ہوگا۔

دارقطنی نے محمد بن سیرین سے روایت نقل کی ہے کہ ایک حبشی زمزم کے کنواں میں گر گیا یعنی مر گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے بارے میں حکم دیا اسے باہر نکالا گیا اور آپ نے کنویں کا پانی نکالنے کا حکم دیا۔ کہا: وہ چشمہ ان پر غالب آ گیا جو حجر اسود کی جانب سے نکل رہا تھا، اسے قباطی (1) اور معارف (2) سے بند کیا گیا یہاں تک کہ انہوں نے اس پانی کو نکالا، جب وہ ایک دفعہ پانی نکال چکے تو وہ چشمہ ان پر پھوٹ پڑا۔

ابوالطفیل سے روایت مروی ہے کہ ایک بچہ بئر زمزم میں گر پڑا تو اس کا سارا پانی نکالا گیا۔ یہ احتمال موجود ہے کہ پانی متغیر ہو چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

شعبہ نے مغیرہ سے وہ ابراہیم سے روایت نقل کرتے ہیں وہ کہا کرتے تھے: ہر ایسا جانور جس میں بہنے والا خون ہو وہ اگر پانی میں مرجائے تو اس کے ساتھ وضو نہیں کیا جائے گا، لیکن گبریلا، بچھو، مکڑی اور جدجد (جھینگر) جب برتن میں گر جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ شعبہ نے کہا: میرا خیال ہے انہوں نے وزغہ (چھپکلی) کا ذکر کیا ہے؛ اسے دارقطنی نے نقل کیا ہے۔ حسین بن اسماعیل، محمد بن ولید سے وہ محمد بن جعفر سے وہ شعبہ سے روایت نقل کرتے ہیں اور اسی چیز کو ذکر کیا۔

مسئلہ نمبر 8۔ جمہور صحابہ، مختلف شہروں کے فقہاء، حجاز اور عراق کے تابعین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس پانی میں بلی منہ ڈال جائے وہ پاک ہے اس کے جوٹھے سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں اس کی دلیل حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے؛ امام مالک اور دوسرے علماء نے اسے نقل کیا ہے (3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کے برعکس مروی ہے۔ عطاء بن ابی رباح، سعید بن مسیب اور محمد بن سیرین سے مروی ہے انہوں نے اس پانی کو بہانے کا حکم دیا جس میں بلی نے منہ ڈالا ہو اور اس برتن کو دھونے کا حکم دیا۔ حضرت حسن بصری سے بھی اس بارے میں اختلاف مروی ہے۔ یہ احتمال موجود ہے کہ حضرت

1۔ کتان سے بنا ہوا کپڑا جو قبط کی طرف منسوب ہو۔ 2۔ نقش و نگار والی ریشمی چادر

3۔ سنن ابی داؤد، باب سؤر الهرة، حدیث نمبر 68، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حسن بصری نے اس کے منہ میں نجاست دیکھی، تا کہ دونوں روایتیں آپ سے صحیح ہو جائیں۔

امام ترمذی نے جب امام مالک کی حدیث ذکر کی تو کہا: اس باب میں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے، یہ حدیث حسن صحیح ہے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، تابعین اور بعد کے اکثر علماء کا قول ہے، جس طرح امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق وغیرہ۔ انہوں نے بلی کے جوٹھے میں کوئی حرج نہیں دیکھا؛ یہ اس باب میں سب سے اچھی چیز ہے۔ امام مالک نے اس حدیث کو اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے لیا ہے، امام مالک سے بڑھ کر اسے کسی نے مکمل نہیں لیا۔

حافظ ابوعمرو نے کہا: تنازع اور اختلاف کے وقت دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، حضرت ابوقتادہ کی حدیث ثابت ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے بلی کے لیے برتن کو جھکایا یہاں تک کہ بلی نے پانی پیا۔ ہر شہر کے فقہاء نے اس پر اعتماد کیا ہے مگر امام ابوحنیفہ اور ان کے موافق قول کرنے والوں نے اختلاف کیا ہے وہ بلی کے جوٹھے کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ یہ بھی کہا: اگر کسی نے اس کے ساتھ وضو کیا تو یہ جائز ہوگا۔ میں اس آدمی کے لیے کوئی اس سے اچھی دلیل نہیں پاتا جو بلی کے جوٹھے کو مکروہ کہتا ہے کہ اسے حضرت ابوقتادہ کی حدیث نہیں پہنچی، اسے کتے کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پہنچی ہے تو اس نے بلی کو بھی اس پر قیاس کر لیا ہو۔ سنت نے دونوں کے درمیان فرق کر دیا ہے کہ برتن دھونے کا حکم امر تعبدی ہے دلیل قائم کرنے میں سنت جس سے جھگڑا کرے وہ اس پر غالب آجاتی ہے۔ اور جس کی مخالفت کرے اسے چھوڑ دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔ ان کی دلیلوں میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے جسے قرہ بن خالد نے محمد بن سیرین سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ”جب بلی برتن میں منہ ڈال جائے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ایک یا دو بار دھویا جائے“۔ قرہ کو شک ہے۔ اس حدیث کو قرہ بن خالد کے سوا کسی نے بھی مرفوع نقل نہیں کیا۔ قرہ ثقہ اور ثبت ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ وہ حدیث ہے جسے دارقطنی نے نقل کیا ہے اس کا متن یہ ہے: ”جب کتا پانی میں منہ ڈال جائے تو برتن کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے سات دفعہ دھویا جائے پہلی دفعہ مٹی سے دھویا جائے، جب بلی منہ ڈال جائے تو ایک یا دو دفعہ دھویا جائے“۔ قرہ کو شک ہوا ہے۔ ابوبکر نے کہا: اسی طرح ابوعاصم نے اسے مرفوع روایت کیا ہے، دوسرے علماء نے قرہ سے کتے کے بارے میں روایت مرفوع اور بلی کے بارے موقوف نقل کی ہے۔

ابوصالح نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”بلی کے جوٹھے سے برتن کو دھویا جائے گا جس طرح کتے کے جوٹھے سے برتن کو دھویا جائے گا“۔ دارقطنی نے کہا: یہ مرفوع ثابت نہیں محفوظ حضرت ابوہریرہ کا قول ہے ان سے مختلف روایات منقول ہیں۔ معمر اور ابن جریج نے ابوطاؤس سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ بلی کو کتے کی مثل قرار دیتے تھے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ انہوں نے اس برتن کے بارے میں کہا جس میں بلی منہ ڈال جاتی ہے: اسے سات دفعہ دھو ڈالو؛ یہ دارقطنی نے کہا۔

مسئلہ نمبر 9۔ جب وضو کرنے والے کے اعضاء پاک ہوں تو ماء مستعمل بھی پاک ہوگا مگر امام مالک اور عظیم فقہاء کی

جماعت ایسے پانی کے ساتھ وضو کو ناپسند کرتی تھی۔ امام مالک نے کہا: اس میں کوئی بھلائی نہیں، میں کسی کے لیے پسند نہیں کرتا کہ وہ اس کے ساتھ وضو کرے۔ اگر اس نے ایسا کیا اور نماز پڑھی پس اس پر نماز کا اعادہ نہیں دیکھتا اور اگلی نماز کے لیے وہ وضو کرے۔

امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور دونوں کے اصحاب نے کہا: اگر پہلے وضو نہ ہوا تو ایسے پانی کا استعمال جائز نہیں جس نے اس کے ساتھ وضو کیا وہ دوبارہ وضو کرے کیونکہ یہ مطلق پانی نہیں، جو آدمی صرف یہی پانی پائے وہ پانی پانے والا نہیں۔ اس بارے میں اصبغ بن فرج نے انہیں جیسا قول کیا ہے، یہ اوزاعی کا قول ہے۔ انہوں نے صنابحی کی حدیث سے استدلال کیا ہے عمرو بن عنبسہ کی حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا ہے اس کے علاوہ بھی آثار موجود ہیں۔ انہوں نے کہا: پانی سے جب وضو کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ خطائیں نکل جاتی ہیں، اس سے بچنا واجب ہے کیونکہ یہ گناہوں کا پانی ہے۔ ابو عمرو نے کہا: میرے نزدیک اس کی کوئی توجیہ نہیں کیونکہ گناہ پانی کو آلودہ نہیں کرتے کیونکہ نہ ان گناہوں کی ذاتیں ہیں اور نہ ہی اجسام ہیں جو پانی سے ملیں اور اسے فاسد کر دیں۔ خرجت الخطایا مع الماء کا معنی ہے یہ بتایا جائے کہ نماز کے لیے وضو ایسا عمل ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مومن بندوں سے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، یہ اس کی جانب سے رحمت اور فضل و احسان کے طور پر ہوتا ہے۔ ابو ثور اور داؤد نے امام مالک کے قول کی مثل قول کیا ہے کہ مستعمل پانی کے ساتھ وضو کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ پاک پانی ہے اس کے ساتھ کوئی چیز ملی ہوئی نہیں یہ مطلق پانی ہے۔ اس کے پاکیزہ ہونے پر انہوں نے اجماع امت سے استدلال کیا ہے جب وضو کرنے والے کے اعضاء میں نجاست نہ ہو؛ ابو عبد اللہ مروزی محمد بن نصر اس طرف گئے ہیں۔

حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن عمر، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم، عطاء بن ابی رباح، حضرت حسن بصری، امام نخعی، مکحول اور زہری نے کہا: جو آدمی سر پر مسح کرنا بھول گیا اس نے اپنی ڈاڑھی میں تری پائی اس کے لیے جائز ہے کہ اس تری کے ساتھ اپنے سر کا مسح کر لے۔ ان سب نے مستعمل پانی سے وضو کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

عبد السلام بن صالح، اسحاق بن سوید سے وہ علاء بن زید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل کیا ہوا تھا آپ کے جسم کا ایک حصہ ایسا تھا جس تک پانی نہیں پہنچا تھا۔ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! یہ وہ حصہ ہے جہاں پانی نہیں پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لمبے بال تھے تو اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بالوں سے یوں کر دیا اور اس حصہ کو تر کر دیا؛ اسے دار قطنی نے نقل کیا ہے۔ عبد السلام بن صالح نے کہا، یہ بصری نے کہا: وہ قوی نہیں۔ کئی اور ثقہ لوگ اسے اسحاق سے اور وہ حضرت علاء سے مرسل روایات نقل کرتے ہیں۔ یہی درست ہے۔

میں کہتا ہوں: ثقہ راوی اسحاق بن سوید عدوی سے وہ علاء بن زید عدوی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل کیا۔ یہ وہ حدیث ہے جسے ہشیم نے ذکر کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: مستعمل پانی کا مسئلہ ایک اور اصل پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ آلہ کے ساتھ جب ایک دفعہ فرض ادا کیا جائے کیا اس کے ساتھ کوئی اور فرض ادا کیا جا سکتا ہے یا ادا نہیں کیا جا سکتا؟ مخالف نے غلام پر قیاس کرتے ہوئے اس کا انکار کیا ہے جب اس نے اس کے ساتھ ایک دفعہ غلام آزاد کرنے کا فرض ادا کر

دیا تو ایک دوسرے فرض کو ادا کرنا صحیح نہ ہوگا، یہ قول باطل ہے، کیونکہ جب اس نے ایک دفعہ غلام آزاد کر دیا تو اس کو تلف کر دیا تو دوسری دفعہ آزادی کے ساتھ فرض کی ادائیگی کا محل باقی نہ رہا۔ اس کی مثل وہ پانی ہے جو اعضاء پر تلف ہو چکا ہے کیونکہ اس کے ساتھ کسی اور فرض کی ادائیگی صحیح نہیں، کیونکہ اس کا عین تلف ہو چکا ہے جس طرح غلام کو آزاد کرنے کی صورت میں غلام حکماً تلف ہو چکا ہے، یہ نفیس بحث ہے اس پر غور وفکر کرو۔

مسئلہ نمبر 10۔ امام مالک اور آپ کے اصحاب نے اس پانی میں کوئی فرق نہیں کیا جس میں نجاست گر پڑتی ہے اور جو پانی اس نجاست پر پڑتا ہے وہ پانی کھڑا ہو یا کھڑا نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی مگر جو پانی پر غالب آ جائے اور اس کے ذائقہ، اس کے رنگ اور بو کو بدل دے''۔ امام شافعی نے ان میں فرق کیا ہے انہوں نے کہا: جب نجاست پانی میں گرے تو وہ پانی کو ناپاک کر دیتی ہے؛ ابن عربی نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ کہا: پانی کے احکام کے بارے میں شریعت کے اصول یہ ہیں کہ پانی کا نجاست پر وارد ہونا اس طرح نہیں جس طرح پانی نجاست پر وارد ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ''تم میں سے جب کوئی نیند سے بیدار ہوتا ہے تو وہ اپنا ہاتھ برتن میں داخل نہ کرے یہاں تک کہ اسے تین دفعہ دھوئے کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے''، ہاتھ کو پانی پر وارد ہونے سے منع کیا اور پانی کو ہاتھ پر وارد کرنے کا حکم دیا۔ اس باب میں یہ بہت عمدہ ضابطہ ہے اگر پانی کا ورود نجاست پر نہ ہوتا وہ تھوڑا ہوتا یا زیادہ ہوتا تو وہ نجاست پاک نہ ہوتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدو کے پیشاب کے بارے میں ارشاد فرمایا جس نے مسجد میں پیشاب کیا تھا ''اس پر پانی کے ڈول بہا دو''۔

ہمارے شیخ ابو العباس نے کہا: انہوں نے حدیث قلتین سے بھی استدلال کیا ہے، انہوں نے کہا: جب پانی دو مٹکوں سے کم ہو اس میں نجاست گر پڑے تو وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے اگرچہ اس میں کوئی تغیر واقع نہ ہو۔ اگر اتنی مقدار یا اس سے کم نجاست پر واقع ہو اور نجاست کے عین کو زائل کر دے تو پانی طہارت پر باقی رہے گا اور نجاست کو زائل کر دے گا۔ نجاست کا پانی پر واقع ہونا یہ صوری فرق ہے اس میں فقہ کا کوئی تعلق نہیں یہ باب امور تعبدیہ سے نہیں بلکہ امور معقولہ میں سے ہیں یہ نجاست کو زائل کرنے اور اس کے احکام سے متعلق ہے، پھر یہ سب ان علماء کی باتیں ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد رد کر دیتا ہے: الماء طهور لا ينجسه شيء إلا ما غيّر لونه أو طعمه أو ريحه، پانی پاکیزگی عطا کرنے والا ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی مگر جب اس کے رنگ، ذائقہ اور بو کو تبدیل کر دے۔

میں کہتا ہوں: یہ ایسی حدیث ہے جسے دارقطنی نے اشد بن سعد ابی الحجاج سے وہ معاویہ بن صالح سے وہ راشد بن سعد سے وہ حضرت ابو امامہ باہلی اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں اس میں رنگ کا ذکر نہیں۔ کہا: اسے رشدین بن سعد کے سوا کسی نے مرفوع نقل نہیں کیا، اس کی سند یہ ہے کہ وہ معاویہ بن صالح سے روایت نقل کرتے ہیں۔ وہ قوی نہیں استدلال میں جو سب سے اچھا ہے وہ وہ روایت ہے جسے ابو امامہ نے ولید بن کثیر سے وہ محمد بن کعب سے وہ عبد اللہ بن عبد اللہ بن رافع بن خدیج سے وہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ عرض کی

گئی: یا رسول اللہ! کیا ہم بئر بضاعہ سے وضو کر لیا کریں، یہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض آلود کپڑے، مردہ کتوں اور بدبودار چیزوں کو پھینکا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی'' (1)۔ اسے ابو داؤد، ترمذی اور دار قطنی نے اس سند سے روایت کیا ہے۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن ہے، ابو امامہ نے اس حدیث کو بہت عمدہ انداز میں بیان کیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بئر بضاعہ کے بارے میں جو حدیث ہے حضرت ابو امامہ سے بہتر کسی نے اس حدیث کو بیان نہیں کیا۔ یہ حدیث اس بارے میں نص ہے کہ نجاست پانی پر واقع ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طہارت کا حکم دیا ہے اور اس کے مطہر ہونے کا حکم لگایا ہے۔ ابو داؤد نے کہا: میں نے قتیبہ بن سعید سے سنا کہا: میں نے بئر بضاعہ کے قیم (منتظم) سے اس کی گہرائی کے بارے میں سوال کیا میں نے کہا: اس میں زیادہ سے زیادہ کتنا پانی گہرا ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا: انسان کے خصیتین تک پانی پہنچ جاتا ہے۔ میں نے پوچھا: جب وہ کم ہوتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: انسان جتنے حصہ کو ڈھانپتا ہے اس سے نیچے کے حصے تک۔ ابو داؤد نے کہا: میں نے اپنی چادر سے بئر بضاعہ کا اندازہ لگایا میں نے اسے اس کنواں پر لمبا کیا تھا پھر میں نے اسے ماپا تو اس کی چوڑائی چھ ہاتھ تھی۔ جس نے میرے لیے باغ کا دروازہ کھولا تھا اور مجھے باغ میں داخل کیا تھا میں نے اس سے پوچھا: کیا جتنا یہ کنواں تھا اس میں تبدیلی کی گئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ میں نے اس میں پانی کو دیکھا جس کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ ہم نے جو ذکر کیا ہے اس پر یہ دلیل ہے، مگر ابن عربی نے کہا: یہ شوریدہ زمین میں تھا اور پانی اس میں کھڑا ہونے سے متغیر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ وہ پانی جو طاہر (پاک) اور مطہر (پاک کرنے والا) ہوتا ہے جس کے ساتھ وضو کرنا اور نجاستوں کو دھونا جائز ہے وہ خالص صاف پانی ہے یہ بارش کا، دریاؤں، سمندروں، چشموں اور کنوؤں کا پانی ہے اور جسے لوگ ماء مطلق پہچانتے ہیں یہ کسی ایسی چیز کی طرف مضاف نہیں ہوتا جو اس کے ساتھ مل جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے صاف پیدا کیا زمین کا رنگ اسے کوئی نقصان نہیں دیتا، جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ اس مجموعی صورت میں امام ابو حنیفہ، حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے اختلاف کیا ہے، جہاں تک حضرت امام ابو حنیفہ کا تعلق ہے آپ نے حالت سفر میں نبیذ تمر (کھجور کی نبیذ) سے وضو کرنے کی اجازت دی ہے اور ہر مائع سے نجاست زائل کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ جہاں تک تیل اور شوربے کا تعلق ہے ان سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کے ساتھ ازالہ کرنا جائز نہیں مگر ان کے اصحاب کہتے ہیں جب اس کے ساتھ نجاست زائل ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے اسی طرح آگ اور سورج کی شعاع کا مسئلہ ہے یہاں تک کہ مردار کی جلد جب سورج کی تمازت میں خشک ہو جائے تو دباغت کے بغیر وہ پاک ہو جاتی ہے اسی طرح ایسی نجاست جو زمین پر واقع ہو جب وہ سورج کی تمازت سے خشک ہو جائے تو وہ جگہ پاک ہو جائے گی اور اس پر نماز پڑھنا جائز ہو جائے گا، مگر اس مٹی کے ساتھ تیمم کرنا جائز نہیں ہوگا۔ ابن عربی نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے پانی کی صفت بیان کی کہ وہ طہور ہے تو اس کو آسمان سے نازل کرنے پر احسان جتلایا تاکہ اس کے ذریعے ہمیں پاک کرے تو یہ اسی کے ساتھ خاص ہونے پر دال ہے اسی طرح

1۔ سنن ابن ماجہ، باب مقدار الماء الذی لا ینجس، حدیث 513۔ سنن ابی داؤد، باب ما جاء فی بئر بضاعۃ، حدیث 60 ضیاء القرآن پبلی کیشنز

آقائے دو عالم ﷺ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے فرمایا جب انہوں نے اس حیض کے خون کے بارے میں پوچھا جو کپڑے کو لگ جاتا ہے: ''اسے لو پھر انگلیوں کے ساتھ اسے کھرچ دو پھر پانی کے ساتھ اسے مل دو''۔ اس لیے پانی کے علاوہ چیز کو پانی کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں احسان کا ابطال ہوتا ہے۔ نجاست کوئی محسوس چیز تو نہیں یہاں تک کہ یہ کہا جائے کہ جو بھی اس کو زائل کر دے تو اس کے ساتھ غرض قائم ہو جائے۔ نجاست حکم شرعی ہے شارع نے اس کے لیے پانی کو معین کیا اس لیے غیر کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ غیر اس کے معنی میں نہیں کیونکہ اگر یہ اس کے ساتھ لاحق ہو تو اس کو ساقط کر دے جب فرع کا اصل کے ساتھ الحاق اس کے اسقاط میں ہو تو یہ خود ساقط ہو جاتا ہے تاج السنۃ ذوالعز بن المرتضی دبوسی اسے فرخ زنی (زنا کا چوزہ) کا نام دیتے۔

میں کہتا ہوں: نبیذ کے استعمال کے بارے میں جن روایات سے استدلال کیا گیا ہے وہ کمزور احادیث ہیں ان میں سے کوئی بھی اپنی اصل پر قائم نہیں۔ دارقطنی نے ان کا ذکر کیا، ان کو ضعیف قرار دیا اور اس پر گفتگو کی۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو موقوف روایات مروی ہیں انہیں بھی ضعیف قرار دیا گیا ہے: ''جو آدمی پانی نہ پائے اس کے لیے نبیذ وضو کا پانی ہے''۔ اس کی سند میں ابن محرز متروک ہے، اسی طرح حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا: نبیذ کے ساتھ وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حجاج اور ابو لیلی دونوں ضعیف ہیں۔ حضرت ابن مسعود کی حدیث بھی ضعیف قرار دی گئی ہے(1) کہا: ابن لہیعہ اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد ہیں وہ حدیث میں کمزور ہے؛ علقمہ بن قیس سے یہ نقل کیا گیا ہے میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا: تم میں سے کوئی اس رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر تھا جس رات آپ کے پاس جنوں کا داعی آیا تھا؟ فرمایا: نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح سند ہے اس کے راویوں کی عدالت میں کوئی اختلاف نہیں، امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے سوال کیا: ''تیرے مشکیزہ میں کیا ہے؟'' میں نے کہا: نبیذ ہے۔ فرمایا: ''پاکیزہ کھجور اور پاکیزگی عطا کرنے والا پانی''۔ کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس سے وضو کیا۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث ابو زید سے مروی ہے وہ اسے حضرت عبداللہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ علماء حدیث کے نزدیک ابو زید مجہول ہے، اس حدیث کے علاوہ ہم اس کی کسی روایت کو نہیں جانتے۔ بعض علماء نے نبیذ سے وضو کرنے کی رائے قائم کی ہے، ان میں سفیان اور دوسرے علماء بھی ہیں۔ بعض علماء نے کہا: نبیذ سے وضو نہیں کیا جائے گا، یہ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا نقطہ نظر ہے اگر کسی آدمی کو اس قسم کی صورتحال کا سامنا ہو تو وہ نبیذ سے وضو کرے اور تیمم کرے یہ مجھے زیادہ محبوب ہے۔ ابو عیسیٰ نے کہا: جو آدمی یہ کہتا ہے نبیذ سے وضو نہیں کیا جائے گا اس کا قول کتاب اور سنت کے زیادہ قریب اور زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (النساء:43) یہ مسئلہ اختلافی کتب میں بہت طویل بحث کے ساتھ مذکور ہے انحصار لفظ ماء پر ہے اس کی وضاحت سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، باب الوضوء بالنبیذ، حدیث نمبر 377، روایت بالمعنی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 12۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا اور فرمایا: لیطھرکم بہ ایک جماعت نے سمندر کے پانی کے بارے میں توقف کیا ہے کیونکہ یہ منزل من السماء کی صفت پر نہیں یہاں تک کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت نقل کی کہ وہ سمندر کے پانی سے وضو نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ آگ ہے اور جہنم کا ایک طبق ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم اس آدمی کے لیے بیان کیا جس نے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ **ھو الطھور ماء ہ الحل میتتہ**، اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے، امام مالک نے اسے روایت کیا ہے اس کے بارے میں ابوعیسیٰ نے یہ کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ کا یہی قول ہے، ان میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے وہ سمندر کے پانی میں کوئی حرج نہ دیکھتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے سمندر کے پانی سے وضو کو مکروہ قرار دیا ہے، ان میں حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبداللہ بن عمر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: وہ آگ ہے۔ ابوعمر نے کہا: امام ترمذی، ابوعیسیٰ سے امام مالک کی اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو صفوان بن سلیم سے مروی ہے فرمایا: میرے نزدیک وہ حدیث صحیح ہے۔ ابوعیسیٰ نے کہا: میں نے امام بخاری سے پوچھا ہشیم اس کے بارے میں کہتا۔ ابن ابی برزہ، فرمایا: اسے اس میں وہم ہوا ہے وہ مغیرہ بن ابی بردہ ہے۔ ابوعمر نے کہا: میں نہیں جانتا امام بخاری سے یہ کیا واقع ہوا۔ اگر یہ صحیح ہوتا تو اسے اپنی صحیح میں نقل کرتے انہوں نے ایسا نہ کیا کیونکہ وہ صحیح میں اسناد پر اعتماد کرتے ہیں۔ یہ حدیث ایسی ہے جس کی مثل اسناد سے وہ استدلال نہیں کرتے۔ وہ میرے نزدیک صحیح ہے کیونکہ علماء نے اسے قبول کیا ہے اور اس پر عمل کیا ہے۔ مجموعی طور پر فقہاء میں سے کسی نے ان سے اختلاف نہیں کیا، انہوں نے اس کے بعض معانی میں اختلاف کیا ہے۔ علماء میں سے جمہور اور فقہاء کے ائمہ میں سے ایک جماعت نے یہ اتفاق کیا ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے اس کے ساتھ وضو جائز ہے مگر جو حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے مروی ہے ان دونوں نے سمندر کے پانی سے وضو کو مکروہ قرار دیا ہے زمانہ کے فقہاء نے ان کی موافقت نہیں کی اور اس باب کی حدیث کی وجہ سے کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ یہ امر تیری رہنمائی اس بات پر کرتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک مشہور ہے، ان کا عمل اور ان کا قبول کرنا مشہور ہے، یہ ان کے نزدیک اس اسناد سے اولیٰ ہے جس کی سند ظاہری اعتبار سے صحیح ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اصول اس کو رد کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

ابوعمر نے کہا: صفوان بن سلیم جو حمید بن عبدالرحمن بن عوف زہری کے غلام تھے اور اہل مدینہ کے عبادت گزاروں اور ان میں سے سب سے متقی تھے، عبادت گزار، بہت زیادہ صدقہ وخیرات کرنے والے جو بھی تھوڑا یا زیادہ پاتے صدقہ کر دیتے، بڑے عامل اور اللہ تعالیٰ سے خوف کرنے والے جنہیں ابوعبداللہ کے نام سے یاد کیا جاتا وہ مدینہ طیبہ میں رہے اس سے نقل مکانی نہ کی اور ایک صد بتیس ہجری میں وہاں ہی فوت ہوئے۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے ذکر کیا: میں نے سنا جب کہ آپ سے صفوان بن سلیم کے بارے میں پوچھا جا رہا تھا۔ فرمایا: وہ ثقہ تھے، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں سے اور فاضل مسلمانوں میں سے تھے، جہاں تک سعید بن سلمہ کا تعلق ہے جس قدر میرا علم ہے صفوان کے علاوہ کسی نے ان سے روایت نہیں کی۔ اللہ

تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ جس کا یہ حال ہو وہ مجہول ہوتا ہے کسی کے نزدیک بھی حجت نہیں کی۔ جہاں تک مغیرہ بن ابی بردہ کا تعلق ہے موسیٰ بن نصیر نے مغرب میں جو مغازی کیے ان میں، میں نے اس کا ذکر بارہا کیا ہے موسیٰ بن نصیر اسے گھوڑوں پر عامل بناتا۔ بربر کے علاقہ میں اللہ تعالیٰ نے اسے خشکی اور سمندر میں فتوحات عطا کیں۔ دارقطنی نے امام مالک کے علاوہ ایک اور سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من لم یطھرہ ماء البحر فلا طھرہ اللہ جسے سمندر کا پانی پاک نہ کرے اللہ تعالیٰ اسے پاکیزگی عطا نہ کرے۔ کہا: اس کی سند حسن ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ ابن عربی نے کہا: کچھ لوگوں کا وہم ہے کہ جب پانی جنبی کے غسل سے بچ جائے تو اس سے وضو نہ کیا جائے گا، یہ باطل مذہب ہے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے یہ ثابت ہے انہوں نے کہا: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق زوجیت ادا کیے، میں نے ایک ٹب نما برتن سے غسل کیا اور کچھ پانی بچا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تا کہ اس سے غسل کریں میں نے عرض کی: میں نے اس سے غسل کیا ہے۔ فرمایا: ''پانی پر کوئی نجاست نہیں'' یا فرمایا ''پانی جنبی نہیں ہوتا''۔ ابوعمرو نے کہا: اس باب میں ایسے مرفوع آثار وارد ہوئے ہیں جن میں یہ نہی کی گئی ہے کہ آدمی عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے۔ بعض نے بعض روایات میں یہ اضافہ کیا ہے ''لیکن وہ دونوں اکٹھے چلو بھریں''۔ ایک جماعت کا قول ہے: یہ جائز نہیں کہ مرد عورت کے ساتھ ایک برتن میں چلو بھرے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے وضو کر رہا ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ مکروہ ہے کہ عورت تنہا ایک برتن سے پانی استعمال کرے پھر اس کے بعد اس کے بچے ہوئے پانی سے مرد وضو کرے۔ ہر ایک نے جو نقطہ نظر اپنایا ہے اس کے بارے میں ایک اثر روایت کیا ہے۔ جمہور علماء اور شہروں کے فقہاء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے اور عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔ عورت منفرد ہو کر برتن سے پانی لے یا نہ لے۔ اس میں بے شمار آثار ہیں جو صحیح ہیں۔ جس نقطہ نظر کی طرف ہم گئے ہیں کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی مگر جب اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو جائے اس لیے ایسے آثار اور اقوال میں مصروف ہونے کی کوئی ضرورت نہیں جو صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مدد طلب کی جاتی ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بیان کیا کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل جنابت کیا کرتے تھے۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے: میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے جس برتن کو فرق کہا جاتا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بچے ہوئے پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے۔ امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی نے ٹب نما برتن سے غسل کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وضو کیا۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں حالت جنابت میں تھی، فرمایا: ''پانی جنبی نہیں ہوتا''۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے؛ یہ حضرت سفیان ثوری، امام مالک اور

1۔ سنن الترمذی، باب ماجاء فی وضوء الرجل، حدیث نمبر 57، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

امام شافعی کا نقطہ نظر ہے(1)۔ دارقطنی نے عمرہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتی ہیں کہا: میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے وضو کیا کرتے تھے جب کہ اس سے قبل بلی نے اس برتن سے پانی پیا تھا۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے(2)۔ بنی غفار کے ایک آدمی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچے ہوئے پانی کے استعمال سے منع کیا ہے(3) اس باب میں حضرت عبداللہ بن سرجس سے روایت مروی ہے بعض فقہاء نے عورت کے بچے ہوئے پانی کے استعمال کو مکروہ جانا ہے؛ یہ امام احمد اور اسحاق کا قول ہے(4)۔

مسئلہ نمبر 14۔ دارقطنی نے زید بن اسلم جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے غلام تھے سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے برتن میں پانی گرم کیا جاتا جس برتن کو قمقمہ کہا جاتا، آپ اس پانی سے غسل کیا کرتے تھے۔ کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے جب کہ میں نے دھوپ میں پانی کو گرم کیا تھا۔ فرمایا ''اے حمیراء! ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ برص کا مرض لگا دیتا ہے''۔ اسے خالد بن اسماعیل مخزومی نے ہشام بن عروہ سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں۔ خالد بن اسماعیل متروک ہے اسے عمرو بن محمد اعشم وہ فلیح سے وہ زہری سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں۔ وہ منکر الحدیث ہے کسی اور نے اسے فلیح سے نقل کیا ہے زہری سے صحیح نہیں، یہ دارقطنی نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ ہر وہ برتن جو پاک ہو اس کے ساتھ وضو کرنا جائز ہے مگر سونے اور چاندی کے برتن سے وضو کرنا جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے استعمال سے منع کیا ہے اس کی وجہ عجمیوں اور جابروں کے ساتھ مشابہت ہے ان کی نجاست نہیں ہے۔ جس نے ان دونوں سے وضو کیا وہ ان برتنوں کے استعمال کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے کسی ایک میں وضو کرنا جائز نہیں۔ پہلا قول زیادہ معروف ہے؛ یہ ابو عمر کا قول ہے۔ ہر جلد جس کے جانور کو ذبح کیا گیا ہو تو اس کا استعمال وضو اور دوسرے امور کے لیے جائز ہے، امام مالک مردار کی جلد کی دباغت کے بعد اس سے وضو کو مکروہ خیال کرتے تھے، امام مالک کا قول اس بارے میں مختلف ہے سورۂ نحل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

لِّنُحْيِۦَ بِهِۦ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾

''تا کہ ہم زندہ کر دیں اس پانی سے کسی غیر آباد شہر کو اور ہم پلائیں یہ پانی اپنی مخلوق سے کثیر التعداد مویشیوں اور انسانوں کو''۔

لِّنُحْيِۦَ بِهِۦ، ہ ضمیر سے مراد بارش ہے۔ بَلْدَةً مَّيْتًا وہ بستی خشک سالی اور نباتات کے نہ ہونے کی وجہ سے مردہ ہو چکی ہو۔

1۔ سنن ابی داؤد، باب الماء لا یجنب، حدیث نمبر 62۔ ابن ماجہ، باب الرخصة بفضل وضوء المرأة، حدیث نمبر 363، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابن ماجہ، باب الوضوء بسؤر الهرة، حدیث نمبر 361، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابن ماجہ، باب النهی عن ذلك، حدیث نمبر 366، سنن ابی داؤد، باب النهی عن ذلك، حدیث 75۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر 59-58، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر 58، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کعب نے کہا: بارش زمین کی روح ہے اللہ تعالیٰ اسے بارش کے ساتھ زندہ کرتا ہے۔ مَّیْتًا فرمایا، میتۃ نہیں فرمایا، کیونکہ بلدۃ اور بلد کا معنی ایک ہی ہے، یہ زجاج کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلد سے مراد مکان ہے۔ وَّنُسْقِیَهٗ عام قراءت نون کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، اعمش اور عاصم جو مفضل نے ان دونوں سے قراءت نقل کی ہے وہ نَسْقیه ہے اس میں نون مفتوح ہے۔

مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا بہت زیادہ انسان۔ اناسی کا واحد انسی ہے جس طرح قرقور کی جمع قراقیر اور قراقر ہے، یہ اخفش، مبرد اور فراء کا ایک قول ہے۔ اس کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کی واحد انسان ہے پھر نون کو یاء سے بدل دیا تو کہے گا: اناسی، اصل میں یہ اناسین تھا جس طرح سرحان اور سراحین اور بستان کی جمع بساتین ہے انہوں نے یاء کو نون کا عوض قرار دیا، اسی وجہ سے سراحی اور بساتی بھی جائز ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ فراء نے کہا: اناسی اس یاء کی تخفیف کے ساتھ جو فعل کے لام اور عین کلمہ کے درمیان ہے جس طرح قراقیر اور قراقر ہے۔ کثیرا فرمایا کثیرین نہیں فرمایا، کیونکہ فعیل سے بعض اوقات کثرت مراد ہوتی ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے: وَحَسُنَ اُولٰٓىِٕكَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾ (النساء)

وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

''اور ہم بانٹتے رہتے ہیں بارش کو لوگوں کے درمیان تاکہ وہ غور و فکر کریں، پس انکار کر دیا اکثر لوگوں نے مگر یہ کہ وہ ناشکر گزار بنیں گے''۔

وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ، ہ ضمیر سے مراد قرآن ہے، سورت کے آغاز میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا۔ کفورا یعنی اس کا انکار کرتے ہوئے اور اسے جھٹلاتے ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ میں ہ ضمیر سے مراد بارش ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: کوئی ایسا سال نہیں جو کسی سال کی بنسبت زیادہ بارش والا ہو لیکن اللہ تعالیٰ اسے جہاں چاہتا ہے پھیر دیتا ہے کسی علاقہ کے لوگوں پر بارش زیادہ ہو رہی ہوتی ہے کسی علاقہ میں وہ کم ہو رہی ہوتی ہے۔ تصریف کا یہی معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ اسے وابل، طش، طل اور رہام کی صورت میں پھیر دیا۔ جوہری نے کہا: رہام سے مراد ہلکی بارش ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تصریف سے مراد اس کے ذریعے مختلف منافع دینا ہے جیسے پانی پینا، سیراب کرنا، اس کے ذریعے کاشت کرنا، پاکیزگی حاصل کرنا، باغوں کو سیراب کرنا، غسل کرنا وغیرہ۔

عکرمہ نے کہا: فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا سے مراد ان کا ستاروں کے بارے میں یہ کہنا ہے: فلاں ستارے کی وجہ سے ہمارے اوپر بارش ہوئی۔ نحاس نے کہا: ہم مفسرین میں کوئی اختلاف نہیں پاتے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہاں کفر سے مراد ان کا یہ کہنا ہے: ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی، اس کی مثل ان کا یہ قول ہے: فعل النجم کذا ستارے نے

ایسا کیا۔ جو آدمی بھی ستارے کی طرف کسی فعل کو منسوب کرے تو وہ کافر ہے۔ حضرت ربیع بن صبیح نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک رات لوگوں پر بارش ہوئی جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس میں لوگ دو حصوں میں بٹ گئے ہیں شکر گزار اور ناشکرے جہاں تک شکر گزار کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے کہ اس نے اسے سیراب کیا اور اس پر بارش کی۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ کہتا ہے: ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی''۔ اس کی صحت پر اتفاق ہے اور سورۂ واقعہ میں ان شاء اللہ یہ روایت آئے گی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے فرمایا: ما من سنة بامطر من اخری ولکن إذا عمل قوم بالمعاصی صرف الله ذلك إلى الفیافی والبحار کوئی سال دوسرے سال کی بنسبت زیادہ بارش والا نہیں ہوتا لیکن جب کوئی قوم نافرمانیاں کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس بارش کو دوسروں کی طرف پھیر دیتا ہے جب سب لوگ نافرمانیاں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش کو جنگلوں اور سمندروں کی طرف پھیر دیتا ہے''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے تصریف یہ ہوا کی طرف راجع ہے سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے لیذکروا تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یہ ذکر سے مشتق ہے باقی قراء نے تذکر سے تثقیل کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور وفکر کریں اور یہ جان لیں کہ جو اس پر انعام کرے اس کے ساتھ شرک کرنا جائز نہیں تذکر، ذکر کے قریب ہے مگر تذکر کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو دل سے دور ہو تو اسے تذکر میں تکلف کی ضرورت ہوتی ہے۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ۝ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ۝

''اور اگر ہم چاہتے تو بھیجتے ہر گاؤں میں ایک ڈرانے والا، پس کافروں کی پیروی نہ کرو اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا کرو ان کا (قرآن کی دلیلوں) سے''۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا نذیر سے مراد رسول ہے یعنی اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک رسول بھیج دیتے جو انہیں ڈرائے جس طرح ہم نے بارش کو تقسیم کیا تاکہ آپ سے نبوت کے بوجھ کم ہو جائیں لیکن ہم نے ایسا نہ کیا بلکہ ہم نے آپ کو سب کے لیے نذیر بنایا تاکہ تیرا درجہ بلند ہو جائے پس اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر بجالاؤ۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ کفار آپ کو اپنے بتوں کی اتباع کی جو دعوت دیتے ہیں اس میں کافروں کی اطاعت نہ کرو۔

وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہ ضمیر سے مراد قرآن ہے۔ ابن زید نے کہا: مراد اسلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تلوار ہے، یہ قول حقیقت سے بعید ہے، کیونکہ سورت مکی ہے اور قتال کے حکم سے پہلے نازل ہوئی۔ جِهَادًا كَبِیْرًا یعنی ایسا جہاد جس میں سستی اور کاہلی کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔

وَ هُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا

بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

''اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ملا دیا ہے دو دریاؤں کو یہ (ایک) بہت شیریں ہے اور یہ (دوسرا) سخت کھاری ہے اور بنا دی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کے درمیان آڑ اور مضبوط رکاوٹ''۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ کلام نعم کے ذکر کی طرف راجع ہے مَرَجَ کا معنی تخلیہ، خلط ملط کرنا اور بھیجنا ہے۔ مجاہد نے کہا: دونوں کو بھیجا اور ایک کو دوسرے میں بہایا ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ دونوں کو خلط ملط کر دیا پس دونوں آپس میں مل جاتے ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: مرجتُہ جب تو اسے خلط ملط کر دے۔ مرج الدین والامر دین اور امر خلط ملط ہو جائے اور مضطرب ہو جائے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾ (ق) اسی معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کو فرمان ہے: إذا رأيت الناس مرجت عهودهم وخفت أماناتهم وكانوا هكذا وهكذا (1) جب تو لوگوں کو دیکھے کہ ان کے عہد و پیمان خلط ملط ہو جائیں اور ان کی امانتیں ہلکی ہو جائیں اور وہ اس طرح گڈمڈ ہو جائیں آپ نے انگلیوں کا جال بنایا، میں نے عرض کی: میں اس وقت کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے۔ فرمایا: إلزم بيتك وأملك عليك لسانك وخذ بما تعرف ودع ما تنكر وعليك بخاصة امر نفسك ودع عنك أمر العامة اپنے گھر میں ہی رہو، اپنی زبان کو قابو میں رکھو جسے پہچانتے ہو وہ لے لو اور جس سے تو ناواقف ہے اس کو چھوڑ دو اپنے ذاتی امر کو اپنے اوپر لازم کر دو اور عام لوگوں کے امور کو ترک کر دو۔ امام نسائی، ابو داؤد اور دوسرے محدثین نے اسے نقل کیا ہے۔

ازہری نے کہا: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ سے مراد ہے دونوں میں آڑ بنا دی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: مرجتُ الدابۃ۔ جب تو جانور کو چرنے کے لیے چھوڑ دے۔ ثعلب نے کہا: مرج کا معنی جاری کرنا ہے۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ کا معنی ہے دونوں کو جاری کیا۔ اخفش نے کہا: ایک قوم کہتی ہے: امرج البحرین یہ مرج کی طرح ہے فعل اور افعل کا باب ایک ہی معنی میں ہے۔

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ یہ بہت ہی میٹھا ہے وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ اور یہ بہت ہی نمکین اور کڑوا ہے۔ حضرت طلحہ سے یہ مروی ہے کہ اسے وھذا ملیح بھی پڑھا گیا ہے یعنی میم پر فتحہ اور لام کے نیچے کسرہ ہے۔ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا یعنی ان دونوں کے درمیان اپنی قدرت سے رکاوٹ بنا دی ان میں سے ایک دوسرے پر غالب نہیں آتا، جس طرح سورۂ رحمٰن میں فرمایا: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ (الرحمن)

وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا مضبوط پردہ ان میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ اختلاط سے روکتا ہے، برزخ سے مراد رکاوٹ اور حجر سے مراد روکنے والا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد بحر فارس اور بحر روم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے کہا: مراد آسمان اور زمین کا سمندر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ہر سال میں ملتے ہیں اور ان کے درمیان اس کی قضاء کا پردہ حائل ہے۔ ان پر قطعی حرام ہے کہ یہ اپنی مٹھاس کے ذریعے اس نمکین کو میٹھا کر دے اور اس میٹھے کو نمکین کے ساتھ نمکین کر دے۔

1۔ سنن ابی داؤد، باب الامر والنھی، حدیث نمبر 3739، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾

''اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا انسان کو پانی (کی بوند) سے اور بنا دیا اسے خاندان والا اور سسرال والا اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا یعنی نطفہ سے انسان کو پیدا کیا۔ فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا، ہ ضمیر سے مراد انسان ہے یعنی انسان کو نسب اور سسرال والا بنا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِنَ الْمَآءِ سے خلقت کی اصل کی طرف اشارہ ہے کہ یہ زندہ پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس آیت میں ان نعمتوں کا شمار ہے جو اس کے عدم کے بعد اس کے ایجاد کی صورت میں کی گئیں اور اس میں عبرت پر تنبیہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا نسب اور صہر دو ایسے معانی ہیں جو ہر رشتہ کو عام ہیں جو دو آدمیوں کے درمیان موجود ہوتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: نسب سے مراد مذکر اور مونث کے پانی کا شرعی طریقہ سے خلط ملط ہونا ہے۔ اگر وہ ملاپ معصیت کی صورت میں ہو تو وہ مطلق خلق ہوگا وہ محقق نسب نہ ہوگا، اسی وجہ سے زنا سے جنم لینے والی بیٹی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ (النساء:23) کے تحت داخل نہ ہوگی، کیونکہ ہمارے علماء کے دو قولوں میں سے اصح قول کے نزدیک اور دین میں دو قولوں میں سے اصح قول کے نزدیک بیٹی نہیں۔ جب وہ شرعی طور پر نسب نہیں تو وہ شرعی طور پر صہر بھی نہیں تو فعل زنا بنت ام (ماں کی بیٹی) اور ام بنت (بیٹی کی ماں) کو حرام نہ کرے گی جو چیز حلال فعل سے حرام ہوتی ہے وہ حرام فعل سے حرام نہ ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نسب اور صہر کے ساتھ احسان جتلایا ہے ان کی قدر و منزلت کو بلند کیا ہے حلت اور حرمت میں ان دونوں پر احکام کو معلق کیا ہے تو باطل کو ان دونوں کے ساتھ لاحق نہ کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے ہم پلہ قرار دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: کسی بھی مرد کے اپنے زنا سے پیدا ہونے والی بیٹی، اس کی بہن، اور زنا سے جنم لینے والی پوتی سے نکاح میں اختلاف کیا گیا ہے، ایک قوم نے اسے حرام کہا ہے، ان میں حضرت ابن قاسم ہیں؛ یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ فقہاء میں سے دوسروں نے اسے جائز قرار دیا ہے ان میں عبدالملک بن ماجشون ہیں؛ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ سورۃ النساء میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ فراء نے کہا: نسب سے مراد ہے جس کے ساتھ نکاح حلال نہ ہو اور صہر سے مراد ہے جس کے ساتھ نکاح حلال ہو، یہ زجاج کا قول ہے، یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ صہر کا اشتقاق صہرت الشیء سے ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے جب تو اسے خلط ملط کر دے دونوں صہروں میں سے ہر ایک اپنے صاحب سے خلط ملط ہو گیا۔ مناکح کو صہر کہتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ لوگ خلط ملط ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صہر سے مراد نکاح کی قرابت ہے زوجہ کی قرابت اختان ہیں اور خاوند کی قرابت سسرال ہیں۔ اصہار کا لفظ ان سب پر واقع ہوتا ہے؛ یہ اصمعی کا قول ہے۔ اختان سے مراد بیوی کا باپ، اس کا بھائی اور اس کا چچا ہے جس طرح اصمعی نے کہا: صہر سے مراد مرد کی بیٹی کا خاوند اس کا بھائی، اس کا والد اور اس کا چچا ہے۔ محمد بن حسن نے ابو سلیمان جوزجانی کی روایت میں کہا: مرد کے اختان سے مراد اس کی بیٹیوں کے

خاوند، اس کی بہنوں کے خاوند، اس کی پھوپھیوں کے خاوند اور اس کی خالاؤں کے خاوند ہیں اسی طرح ہر ذی رحم محرم کے خاوند ہیں اور اصہار سے مراد ان کی بیوی کے ذی رحم محرم رشتہ دار ہیں۔

نحاس نے کہا: بہتر یہ ہے کہ اصہار میں وہ قول کیا جائے جو اصمعی نے کیا ہے اور ان سب سے قبل جو قول کیا گیا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: صہرت الشیء یعنی تو نے اسے خلط ملط کیا۔ میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے سے خلط ملط ہو جاتا ہے۔ اَختان میں وہ قول بہتر ہے جو محمد بن حسین نے کیا ہے یہ دو وجوہ سے بہتر ہے: (۱) حدیث مرفوع ہے محمد بن اسحاق، یزید بن عبد اللہ بن قسیط سے وہ محمد بن اسامہ بن زید سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أما أنت یا علی فختنی و أبو ولدی و أنت منی و أنا منک یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بیٹی کا خاوند ختن ہے دوسری صورت میں یہ ختن کا اشتقاق ''ختنہ'' ہے جب وہ اسے کاٹے گویا خاوند اپنے اہل سے کٹ گیا اور اپنی بیوی کو اس کے اہل سے کاٹ دیا۔ ضحاک نے کہا: صہر سے مراد رضاعت (دودھ پینا) کی قرابت ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک یہ وہم ہے اس وہم کو حضرت ابن عباس کے قول نے ثابت کیا ہے۔ فرمایا: نسب سے سات چیزیں حرام ہیں اور صہر سے پانچ رشتے حرام ہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے: صہر سے سات رشتے حرام ہیں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ أَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْأَخِ وَ بَنٰتُ الْأُخْتِ (النساء: 23) تم پر تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں حرام کر دی گئی ہیں، یہی نسب ہے، پھر صہر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ارادہ کیا ہے: وَ أُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَ أَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ أُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ حَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ ۙ وَ أَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ (النساء: 23) پھر محصنات کا ذکر کیا اس کلام کا محل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صہر سے ان حرمتوں کا ارادہ کیا جو اس کے ساتھ مذکور ہیں اور جو ذکر کیا گیا ان میں سے اکثر کی طرف اشارہ کیا وہ صہر ہے نہ کہ یہ ارادہ کیا کہ رضاع صہر ہے رضاع تو نسب کا ہم پلہ ہے اس کے ساتھ وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کے ساتھ حرام ہو جاتے ہیں کیونکہ اس بارے میں حدیث ماثور موجود ہے۔ جس نے یہ روایت کی کہ صہر سے پانچ رشتے حرام ہوتے ہیں اس نے دونوں آیتوں سے دو بہنوں اور محصنات یعنی خاوندوں والی عورتوں کو خارج کیا۔

میں کہتا ہوں: ابن عطیہ نے رضاع کو نسب قرار دیا ہے جس طرح پہلے گزرا ہے: یہ زجاج کا قول ہے۔ ابو اسحاق نے کہا: نسب صہر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ أُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَ أَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ أُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ حَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ ۙ وَ أَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ۔ صہر تو وہ ہوتا ہے جس میں ازدواج کا رشتہ ہو۔ ابن عطیہ نے کہا: زہراوی نے ایک قول کی حکایت بیان کی ہے کہ نسب بیٹوں کی جانب سے ہوتا ہے اور صہر بیٹیوں کی جانب سے ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: نحاس نے اس قول کو ذکر کیا ہے اور کہا: مصاہرت دونوں جہتوں سے ہوتی ہے۔ ابن سیرین نے کہا: یہ

آیت نبی کریم ﷺ اور حضرت علی شیر خدا کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت علی کو نسب اور صہر میں جمع کیا۔ ابن عطیہ نے کہا: ان دونوں کا اجتماع قیامت تک حرمت کی تاکید ہے۔

وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا یعنی جس کا ارادہ کرتا ہے اسے پیدا فرما دیتا ہے۔

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۝

''اور وہ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان بتوں کو جو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں انہیں اور نہ نقصان اور کافر اپنے رب کے مقابلے میں ہمیشہ شیطان کا مددگار ہوتا ہے''۔

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَا يَضُرُّهُمْ جب اللہ تعالیٰ نے نعمتوں کو بیان کیا اور اپنی کمال قدرت کو بیان کیا تو مشرکین پر تعجب کا اظہار کیا کہ وہ اس ذات کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو نفع اور نقصان پر قادر نہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی مذکورہ چیزوں کو پیدا کیا پھر یہ جہلاء اپنی جہالت کی وجہ سے ایسے جمادات کی عبادت کرتے ہیں جو نفع اور نقصان نہیں دیتے۔

وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہاں کافر سے مراد ابوجہل ہے (اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو) اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ بتوں کی عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے خلاف مدد طلب کرتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: کافر سے مراد ابلیس ہے اس نے اپنے رب کی عداوت کو ظاہر کر دیا ہے۔ مطرف نے کہا: یہاں کافر سے مراد شیطان ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ظہیر سے مراد معاصی پر شیطان کا مددگار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کافر اپنے رب پر آسان اور ذلیل ہے اس کی کوئی قدرت نہیں اور نہ ہی اس کی بارگاہ میں اس کا کوئی وزن ہے۔ عربوں کا قول ہے: ظھرت بہ یعنی تو نے اسے اپنی پشت کے پیچھے کر دیا اور تو اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا (ہود: 92) یہاں ظھریا سے مراد ھین (ہلکا) ہے اس معنی میں فرزدق کا قول ہے:

تمیم بن قیس لا تکو نن حاجتی　　بظهر فلا يعيا عَلَيَّ جوابُها

اے تمیم بن قیس! میری حاجت کو آسان خیال نہ کرنا مجھ پر اس کا جواب مشکل نہیں۔

ابو عبیدہ کے قول کا یہی معنی ہے۔ ظہیر یہ مظہور کے معنی میں ہے یعنی کافروں کا کفر اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و رسوا کرنے والا ہے، کیونکہ اس کا کفر کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافر اپنے اس رب جس کی وہ عبادت کرتا ہے جو بت ہے اس پر قوی اور غالب ہے اس کے ساتھ جو چاہتا ہے سلوک کرتا ہے کیونکہ جمادات کو نقصان کے دور کرنے اور نقصان پہنچانے پر کوئی قدرت نہیں ہوتی۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝

''اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔ فرما دیجئے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس (خیر

خواہی) پر کچھ مگر میری اجرت یہ ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کرے''۔

یعنی جنت کا بشارت دینے والا اور آگ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ہم نے آپ کو وکیل اور زبردستی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ میں تمہارے پاس قرآن اور وحی جو لے کر آیا ہوں اس پر تم سے اجر کا مطالبہ نہیں کرتا۔ یہاں مِنْ اَجْرٍ میں مِنْ تاکید کے لیے ہے۔ اِلَّا مَنْ میں اِلَّا، لکن کے معنی میں ہے یہ مستثنیٰ منقطع ہے معنی ہے لیکن جو چاہے، یعنی جو چاہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرے تو وہ مال خرچ کرے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مستثنیٰ متصل ہو اور مضاف مقدر ہو تقدیر کلام یہ ہوگی الا اجر من شاء، یعنی میرے دین کی اتباع کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ کو اپنائے یہاں تک کہ دنیا اور آخرت کی کرامت کو پائے۔

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَ كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ۝۵۸

''اور (اے مصطفیٰ!) آپ بھروسہ کیجئے ہمیشہ زندہ رہنے والے پر جسے کبھی موت نہیں آئے گی اور اس کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کیجئے، اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہونا کافی ہے''۔

توکل کا معنی سورۂ آل عمران اور اس سورت میں گزر چکا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ تمام امور میں دل کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اسباب تو صرف واسطے ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ کفار اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کرتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو۔ تسبیح کا معنی پاکی بیان کرنا ہے، یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ سَبِّحْ کا معنی ہے اس کے لیے نماز پڑھو۔ نماز کو تسبیح کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں پر آگاہ ہے اس لیے انہیں بدلہ عطا فرمائے گا۔

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْــَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝۵۹

''جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پھر وہ متمکن ہوا عرش پر (جیسے اس کی شان ہے) وہ رحمن ہے سو پوچھ اس کے بارے میں کسی واقف حال سے''۔

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ سورۂ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الَّذِيْ محل جر میں ہے کیونکہ یہ الحی کی صفت ہے بَيْنَهُمَا فرمایا بینھن نہیں فرمایا کیونکہ دو صنف، دو نوع اور دو چیزیں مراد لی ہیں، جس طرح قطامی کا قول ہے:

الم یحزنكِ ان حبال قیس و تغلب قد تباینتا انقطاعا

کیا تجھے غمگین نہیں کرتا کہ قیس اور تغلب کے تعلقات ختم ہو چکے ہیں۔

یہاں وحبال تغلب کا ارادہ کیا تو اسے تثنیہ بنایا حبال جمع کا صیغہ ہے کیونکہ دو چیزوں اور دو نوع کا ارادہ کیا۔

اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِیۡرًا زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے اس کے بارے میں سوال کرو۔ یعنی باء، عن کے معنی میں ہے۔ اہل لغت میں سے ایک جماعت نے اس کو بیان کیا ہے کہ باء، عن کے معنی میں ہے، جس طرح فرمایا سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ (المعارج) شاعر نے کہا:

هلا سألت الخيل يابنة مالك　ان كنت جاهلة بمالم تعلمي

اے بنت مالک تو نے گھڑسواروں سے کیوں نہ پوچھا اگر تو ناواقف تھی جس کو تو نہیں جانتی۔

علقمہ بن عبدہ نے کہا:

فإن تسألوني بالنساء فإنني　خبير بادواء النساء طبيب

اگر تم مجھ سے عورتوں کے بارے میں سوال کرتے ہو بے شک میں عورتوں کی بیماریوں کے بارے میں باخبر اور طبیب ہوں۔

یہ اصل میں عن النساء اور عما لم تعلمی تھا۔ علی بن سلیمان نے اس کا انکار کیا ہے اہل نظر انکار کرتے ہیں کہ باء، عن کے معنی میں ہو، کیونکہ اس صورت میں عربوں کے اقوال کے معانی کا ابطال لازم آتا ہے۔ لو لقيت فلانا للقيك به الاسد یہ اس معنی میں ہے للقيك للقائك اياه الاسد اگر تو فلاں سے ملتا تو تیرے اس کے ساتھ ملاقات کرنے سے شیر تیرے ساتھ ملاقات کرتا معنی ہے تو اس سے سوال کرنے کے ساتھ خبیر سے سوال کرے گا؛ ابن جبیر نے یہی کہا ہے۔ خبیر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ خَبِیۡرًا، سوال مصدر کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

میں کہتا ہوں: زجاج کا قول بہترین توجیہ پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ خبیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے متعلق کسی باخبر سے سوال کر جو اس کی صفات اور اسماء سے آگاہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اس کے لیے خبیر سے سوال کر۔ خبیر مضمر ضمیر سے حال ہے۔ مہدوی نے کہا: حال بنانا اچھا نہیں کیونکہ یہ اس امر سے خالی نہ ہوگا کہ یہ سائل یا مسئول سے حال ہو۔ فاعل سے حال بنانا صحیح نہیں کیونکہ خبیر اس کا محتاج نہیں ہوتا کہ وہ غیر سے سوال کرے۔ یہ مفعول سے حال نہیں ہوگا، کیونکہ مسئول عنہ رحمٰن ہے جو ہمیشہ باخبر ہے حال عمومی طور پر تبدیل ہوتا رہتا ہے مگر اس صورت میں کہ اسے حال موکدہ پر محمول کیا جائے، جس طرح وَهُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا (البقرہ: 91) پس یہ جائز ہے جہاں تک اَلرَّحۡمٰنُ کا تعلق ہے اس کے مرفوع ہونے میں تین وجوہ ہیں: یہ اسۡتَوٰی میں جو مضمر ضمیر ہے اس سے بدل ہے، یہ بھی جائز ہے کہ یہ هو الرحمٰن کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا کی حیثیت میں مرفوع ہو۔ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِیۡرًا اس کی خبر ہو اس کو مجرور پڑھنا بھی جائز ہے، معنی ہوگا توکل على الحی الذی لا یموت الرحمن اس صورت میں یہ الحی کی صفت ہو گی۔ مدح کے طور پر نصب بھی جائز ہے۔

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَمَا الرَّحۡمٰنُ ۗ اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا وَزَادَهُمۡ نُفُوۡرًا ۝ؑ۶۰

"اور جب کہا جاتا ہے انہیں کہ رحمٰن (کے حضور) سجدہ کرو وہ پوچھتے ہیں: رحمٰن کون ہے؟ کیا ہم سجدہ کریں اس کو

جس کے متعلق تم ہمیں حکم دیتے ہو اور وہ زیادہ نفرت کرنے لگتے ہیں"۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ، رحمن سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ وہ یہ بات انکار اور تعجب کے طریقہ پر کرتے ہیں، یعنی ہم تو یمامہ کے رحمن کو جانتے ہیں وہ اس سے مراد مسیلمہ کذاب لیتے۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے گمان کیا ہے: وہ صفت سے جاہل تھے موصوف سے جاہل نہیں تھے۔ اس پر استدلال وَ مَا الرَّحْمٰنُ سے کیا گیا ہے انہوں نے من الرحمن نہیں کہا۔ ابن حصار نے کہا: گویا انہوں نے دوسری آیت نہیں پڑھی وہ ہے: وَ هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ (الرعد:30)

اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا یہ مدینہ طیبہ اور بصرہ کے قراء کی قراءت ہے یعنی اے محمد! کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کے بارے میں تو ہمیں حکم دیتا ہے؟ ابوعبید اور ابوحاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ اعمش، حمزہ اور کسائی نے یامرنا یاء کے ساتھ قراءت کی ہے فاعل الرحمٰن مراد لیتے، ابوعبید نے یہی تاویل کی ہے، کہا: اگر وہ اقرار کرتے کہ رحمٰن نے انہیں حکم دیا ہے تو وہ کافر نہ ہوتے۔ نحاس نے کہا: یہ واجب نہیں آتا کہ کوفیوں کی قراءت میں یہ بعید تاویل کی جائے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ان کی یہ تاویل کی جائے انسجد لما یأمرنا، ھو ضمیر سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس طرح یہ قراءت صحیح ہوگی اگرچہ پہلی قراءت زیادہ واضح اور تناول کے اعتبار سے زیادہ قریبی ہے۔

وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا قائل کے اس قول: اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ نے دین سے ان کی نفرت میں اضافہ کر دیا۔ حضرت سفیان ثوری اس آیت کے بارے میں یہ عرض کرتے: اے میرے اللہ! وہ چیز جس نے تیرے دشمنوں کے نفور میں اضافہ کیا ہے وہ میرے خضوع میں اضافہ کرے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾

"بڑی (خیر و) برکت والا ہے جس نے بنائے ہیں آسمان میں برج اور بنایا ہے اس میں چراغ (آفتاب) اور چاند چمکتا ہوا"۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا بروج سے مراد منازل ہیں، اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سراج سے مراد سورج ہے، اس کی نظیر یہ آیت کریمہ ہے: وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ (نوح) عام قراءت سراجاً ہے جو واحد کا صیغہ ہے۔ حمزہ اور کسائی نے سُرُجا قراءت کی ہے وہ اس سے بڑے روشن ستارے مراد لیتے ہیں۔ پہلی قراءت ابوعبید کے نزدیک اولیٰ ہے، کیونکہ انہوں نے یہ تاویل کی ہے کہ بروج سے مراد ستارے ہیں معنی ستارے اور ستارے ہوگا۔ نحاس نے کہا: ان کے نزدیک تاویل یہ ہے کہ ابان بن تغلب نے کہا: سرج سے مراد بڑے ستارے ہیں۔ ثعلبی نے کہا: جس طرح زہرہ، مشتری، زحل اور سماکین وغیرہ۔

وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا جب وہ طلوع ہو تو زمین کو روشن کرتا ہے۔ عصمہ نے اعمش سے روایت نقل کی ہے وقمرا قاف پر ضمہ اور میم ساکن ہے، یہ شاذ قراءت ہے۔ اگر یہ شاذ قراءت نہ ہوتی تب بھی امام احمد بن حنبل جو اپنے وقت میں امام المسلمین تھے نے کہا: وہ نہ لکھا کرو جو عصمہ قرائتیں نقل کرتا ہے۔ ابوحاتم سجستانی ان قرائتوں کے بیان کرنے کا حریص تھا جسے عصمہ نے

روایت کیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾

''اور وہ وہی ہے جس نے بنایا ہے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا اس کے لیے جو چاہتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار بنے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ خِلْفَةً ابوعبید نے کہا: خلفہ سے مراد ہر ایسی چیز ہے جو کسی چیز کے بعد ہو۔ رات اور دن میں سے ہر ایک دوسرے کے بعد آتا ہے۔ پیٹ کے مرض میں مبتلا لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے: أصابته خلفة یعنی وہ یکے بعد دیگرے اٹھتا بیٹھتا ہے۔ اسی سے خلفة النبات ہے یہ ایسا پتہ ہے جو موسم سرما میں پہلے پتے کے بعد نکلتا ہے۔ اسی معنی میں زہیر بن ابی سلمٰی کا قول ہے:

بها العین والآرام یمشین خلفة　　وہاں نیل گائیں اور ہرن کے بچے یکے بعد دیگرے چلتے ہیں۔

رئم ہرن کے بچے کو کہتے ہیں اس کی جمع آرام ہے۔ وہ کہتا ہے: جب ایک جماعت چلی جاتی ہے تو دوسری آ جاتی ہے۔ اسی معنی میں ایک اور شاعر کے اشعار ہیں وہ ایک عورت کی صفت بیان کرتا ہے جو موسم سرما کی منزل سے موسم گرما کی منزل کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

مجاہد نے کہا: خلفة یہ خلاف سے مشتق ہے یہ سفید ہے اور یہ سیاہ ہے، پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ روشنی تاریکی، زیادتی اور کمی میں ایک دوسرے کا پیچھا کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام ایسی ہے جس کا مضاف حذف ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی: جعل اللیل والنهار ذوی خلفة اس صورت میں خلفة کا معنی اختلاف ہوگا۔

لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ جو ارادہ کرے کہ وہ غور وفکر کرے تو اسے علم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فضول نہیں بنایا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں غور وفکر کرے گا۔ وہ عقل، فکر اور فہم میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر بجالائے گا۔ حضرت عمر بن خطاب، حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے جس سے رات کے وقت کوئی بھلائی فوت ہو جائے تو وہ دن کے وقت اس کو پالے اور جس سے دن کے وقت بھلائی فوت ہو جائے وہ رات کے وقت اسے پالے۔ صحیح یہ ہے ما من امری تکون له صلوة باللیل فغلبه علیها نوم فیصلی مابین طلوع الشمس الی صلاة الظهر الا کتب الله له اجر صلاته وکان نومه علیه صدقة (1) جب آدمی کی رات کے وقت کی کوئی نماز ہو اس پر نیند غالب آ جائے تو وہ سورج کے طلوع ہونے سے لے کر ظہر کی نماز تک نماز پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی نماز کا اجر لکھ دیتا ہے اور اس کی نیند اس کا صدقہ ہوتا ہے۔

امام مسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی اپنا وظیفہ

1۔ سنن ابی داؤد، باب من نوی القیام فنام، حدیث نمبر 1119، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کرنے سے سو گیا یا اس میں سے کوئی حصہ پڑھنے سے سو گیا تو اس نے اسے نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لیا تو اس کے حق میں اسے لکھ لیا جاتا ہے گویا اس نے اسے رات کے وقت پڑھ لیا ہو"۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: میں نے شہید اکبر کو کہتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ نے بندے کو زندہ اور عالم پیدا کیا اس کے ساتھ اس کا کمال ہے، اس پر نیند کی آفت، حدث کی ضرورت اور خلقت کا نقصان مسلط کر دیا کیونکہ کمال پہلے خالق کے لیے ہے بندے کے لیے جو ممکن ہے کہ وہ تھوڑا کھانے اور اللہ تعالیٰ کی طاعت میں جاگنے کے ساتھ نیند کو دور کرے تو وہ ایسا کرے۔ غبن عظیم میں سے یہ ہے کہ انسان ساٹھ سال تک زندہ رہے ساری رات سویا رہے تو اس کی نصف عمر لغو چلی گئی۔ وہ دین کا 1/6 حصہ آرام کرنے کے لیے سوتا ہے تو اس کے دو تہائی چلے جاتے ہیں اور اس کے بیس سال باقی رہ جاتے ہیں یہ امر جہالت اور سفاہت سے تعلق رکھتا ہے کہ انسان اپنی عمر کا دو تہائی فانی لذت میں گزار دیتا ہے اور وہ اپنی عمر بیدار ہو کر ایسی لذت میں نہیں گزارتا جو باقی رہنے والی ہے اور وہ اس غنی کے پاس ہے جو پورا پورا حق دینے والا ہے جو نہ معدوم ہونے والا ہے اور نہ ہی ظلم کرنے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اشیاء اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی فضیلت نہیں رکھتیں کیونکہ جواہر اور اعراض وجود کے اعتبار سے باہم مماثل ہیں۔ تفاضل صفات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ کون سا وقت افضل ہے رات یا دن؟ جہاں تک روزے کا تعلق ہے اس کے بارے میں رہنمائی کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے؛ یہ ابن عربی نے کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: رات کی بڑی شان ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قیام کا حکم دیا فرمایا: **وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ** (الاسراء: 79) **قُمِ الَّیْلَ** (المزمل: 2) جس کی وضاحت آگے آئے گی۔ مومنین کی قیام کرنے کی وجہ سے مدح کی، فرمایا: **تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ** (السجدہ: 16) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: الصدقة تُطفئ الخطیئة کما یطفئ الماء النار وصلاۃ الرجل فی جوف اللیل وفیه ساعة یستجاب فیها الدعاء وفیه ینزل الرب تبارك و تعالیٰ، (1) صدقہ خطا کی آگ کو بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، رات کے وسط میں آدمی کا نماز پڑھنا یہ بھی خطاؤں کو مٹا دیتا ہے اس میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے اس میں رب تبارک و تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ جس کی وضاحت ان شاء اللہ آئے گی۔

مسئلہ نمبر 4۔ صرف حمزہ نے یذکر ذال کے سکون اور کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ ابن وثاب، طلحہ اور نخعی کی قراءت ہے۔ حضرت ابی کے مصحف میں یتذکر تاء کی زیادتی کے ساتھ ہے۔ باقی قراء نے یذکر تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اس نے دونوں وقتوں میں سے جو بولا وہ دوسرے وقت میں اسے یاد کرے گا یا وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تسبیح کو یاد کرے گا۔

اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا یہ جملہ بولا جاتا ہے شَكَرَ یَشْكُرُ شُكْرًا و شُكُوْرًا جس طرح كَفَرَ یَكْفُرُ كُفْرًا و كُفُوْرًا ہے یہ شکر اسی بنا پر

1۔ سنن ترمذی، باب ما جاء فی حرمة الصلاۃ، حدیث نمبر 2541۔ سنن ابن ماجہ، باب کف اللسان فی الفتنة، حدیث نمبر 3962، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ان کی زندگی کا سہارا بنا دیا گویا جب انہوں نے کہا: وَ مَا الرَّحْمٰنُ، جواب دیا: رحمٰن وہ ہے جو ان اشیاء پر قادر ہے۔

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر آہستہ آہستہ اور جب گفتگو کرتے ہیں ان سے جاہل تو وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ تم سلامت رہو''۔

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا جب مشرکوں کی جہالتوں، قرآن اور نبوت کے بارے ان کے طعن کو ذکر کیا تو اپنے مومن بندوں کا ذکر کیا اور ان کی صفات کا ذکر کیا اور انہیں شرف عطا کرنے کے لیے اپنی عبودیت کی طرف منسوب کیا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (الاسراء:1) اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، اس کی عبادت کی، اپنے کان، آنکھ، زبان اور دل کو ان امور میں مصروف رکھا جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو وہ ہی عبودیت کے اسم کا مستحق ہوا، جو اس کے برعکس ہے اسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان شامل ہوگا: اُولٰٓىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف:179) یعنی وہ عبرت حاصل کرنے والا نہیں؛ جس طرح سورۂ اعراف میں پہلے گزر چکا ہے، گویا فرمایا: و عباد الرحمن هم الذين يمشون على الأرض، هم ضمیر کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح تیرا قول ہے: زید الامیر یعنی زید هو الامیر۔ الَّذِیْنَ مبتدا محذوف کی خبر ہے؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی خبر سورت کا آخر اُولٰٓىِٕكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا ہے، مبتدا اور خبر کے درمیان ان کے اوصاف اور ان کے متعلقات ہیں، یہ زجاج کا قول ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ خبر الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ ہو۔ یَمْشُوْنَ سے مراد ان کی زندگی، ان کی زندگی کی مدت اور ان کے تصرفات ہیں۔ ان میں سے بڑی چیز کا ذکر کیا خصوصاً اس میں زمین میں گھومنا پھرنا ہے وہ لوگوں کے ساتھ میل جول اور خلط ملط ہونا ہے۔

هَوْنًا، هون یہ هین کا مصدر ہے جس کا معنی سکینہ اور وقار ہے، تفسیر میں ہے وہ زمین پر حلم کا پیکر اور تواضع اختیار کرتے ہوئے چلتے ہیں وہ میانہ روی اختیار کرتے ہوئے چلتے ہیں۔ میانہ روی، آہستگی اور اچھی چال چلن نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أیها الناس علیکم بالسکینة فإن البر لیس فی الایضاع، اے لوگو! سکینہ و وقار کو لازم پکڑو ایضاع (چال کا ایک انداز جو خبب کی طرح ہوتا ہے) میں کوئی نیکی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں یہ بیان کیا گیا ہے: انه کان إذا زال زال تقلعا و یخطو تکفا و یمشی هونا ذریع المشیة اذا مشی کانما ینحط من صبب، تقلع سے مراد قوت کے ساتھ پاؤں کو اٹھانا۔ تکفؤ چلنے میں درمیانی چال کی طرف مائل ہونا۔ هون سے مراد نرمی اور وقار ہے۔ ذریع سے مراد کھلے قدم والے یعنی آپ کی چال اس طرح تھی آپ جلدی سے اپنے قدم کو اٹھاتے، اپنے قدم کو لمبا کرتے مگر متکبر کی چال کی طرح نہ ہوتا، اپنی سمت کو سیدھا رکھتے یہ ہر ایک نرمی سے ہوتا اور جلدی کے بغیر ثابت ہوتا جس طرح کہا: کانما ینحط من صبب گویا آپ بلندی سے پستی کی طرف آ رہے ہیں، یہ قاضی عیاض کا قول ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تکلف کی بجائے فطرتی

طور پر جلدی چلا کرتے تھے۔ زہری نے کہا: تیز چلنا چہرے کی رونق کو ختم کر دیتا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: مراد تیز رفتاری ہے کیونکہ یہ وقار میں مخل ہوتا ہے اور بھلائی میانہ روی میں ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: پس میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَلَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا کی تفسیر کے بارے پوچھتا تھا اور اس میں کوئی شافی جواب نہ پاتا۔ میں نے خواب دیکھا ایک آدمی میرے پاس آیا اس نے مجھے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو زمین میں فساد کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ قشیری نے کہا: وہ فساد اور نافرمانی کے لیے تگ و دو نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مباح امور کے لیے بغیر سستی و کاہلی کے کدو کاوش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (لقمان) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ طاعت میں معروف اور تواضع کو اپناتے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ حلیم ہیں اگر ان کے ساتھ جہالت کا رویہ اپنایا جائے تو وہ جہالت کا رویہ نہیں اپناتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لوگوں پر تکبر نہیں کرتے۔

میں کہتا ہوں: یہ سب قریب قریب معانی ہیں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ کا عرفان، اس کا خوف، اس کے احکام کی معرفت اور اس کے عذاب اور عقاب کی خشیت جامع ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ هَوْنًا کا لفظ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ سے متعلق ہے، اور مشی ہی ھون ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس کی یہ تاویل کرنا مناسب ہے کہ اس چلنے والے کے اخلاق نرم ہوں اور اس کی چال کے مناسب ہوں۔ قول اسی کی طرف لوٹ جاتا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے، جہاں تک صرف چال کی صفت کا تعلق ہے تو یہ باطل ہے، کیونکہ بعض نرمی سے اور ٹھہر ٹھہر کر چلتے ہیں جب کہ وہ مٹیالے رنگ کا بھیڑیا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرتے گویا آپ ڈھلان سے اتر رہے ہیں۔ اس آیت میں آپ ہی مقتدا ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من مشی منکم فی طمع فلیمش رویدا تم میں سے جو آدمی کسی غرض کے لیے چلے تو وہ آہستہ آہستہ چلے۔ یہاں صرف چال کا ارادہ نہیں کیا۔ کیا تم دیکھتے نہیں باطل پرست اور اپنے آپ کو ظاہری طور پر دین سے آراستہ کرنے والے صرف چال کی صورت کو اپناتے ہیں یہاں تک کہ شاعر نے ان کی مذمت کرتے ہوئے کہا:

کلھم یمشی رویدا کلھم یطلب صید

ان میں سے ہر ایک ٹھہر ٹھہر کر چلتا ہے ان میں سے ہر ایک شکار کا طالب ہوتا ہے۔

ابن عربی نے اپنے بارے میں اس کے برعکس کہا:

تواضعتُ فی العلیاء والاصل کابر و حزت قصاب السبق بالھون فی الامر

سکون فلا خبث السریرة اصله وجل سکون الناس من عظم الکبر

وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا نحاس نے کہا: سلاما یہ تسلیم سے نہیں بلکہ یہ تسلم سے ہے، عرب کہتے ہیں: سلاما مراد تسلما منک کہتے ہیں یعنی تجھ سے بری۔ دو امور میں سے کسی ایک کی وجہ سے منصوب ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ قَالُوْا کی وجہ سے منصوب ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر ہو یہ سیبویہ کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: جو میں کہتا ہوں وہ یہ کہ

قَالُوْا یہ سَلٰمًا میں عامل ہے کیونکہ معنی ہے انہوں نے یہ لفظ کہا۔ مجاہد نے کہا: سلاما کا معنی سدادا ہے، یعنی وہ جاہل سے ایسی گفتگو کرتا ہے کہ اسے نرمی کے ساتھ اپنے آپ سے دور کر دیتا ہے۔ اس تاویل کی بنا پر قَالُوْا یہ سَلٰمًا میں عامل ہوگا۔ یہ نحویوں کے طریقہ پر ہے کیونکہ یہ قولا کے معنی میں ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے: مخاطب کو یہ چاہیے کہ وہ جاہل کو سلاما کہے، اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی: سلمنا سلاما او تسلیما اس صورت میں نحویوں کے طریقہ پر عامل اسی کا فعل ہوگا۔

مسئلہ: یہ آیت، آیت سیف سے پہلے نازل ہوئی، جو کافروں کے ساتھ خاص ہے وہ اس میں سے منسوخ ہے اور مسلمانوں کے بارے میں ادب قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ سیبویہ نے اپنی کتاب میں اس آیت کے نسخ کا ذکر کیا ہے اس کے غیر کے نسخ کے بارے میں جو کلام کی گئی ہے اس کے ساتھ یہ بات راجح ہو جاتی ہے کہ مراد سلامتی ہے، سلام کرنا نہیں کیونکہ مومنوں کو کبھی بھی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ کافروں کو سلام کریں۔ یہ آیت مکی ہے اسے آیت سیف نے منسوخ کر دیا ہے۔ نحاس نے کہا: ناسخ اور منسوخ کے بارے میں سیبویہ کا کلام اس آیت کے سوا ہم نہیں جانتے۔ سیبویہ نے کہا: اس روز مسلمانوں کو حکم نہیں دیا گیا کہ وہ مشرکوں کو سلام کریں مگر اس معنی میں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی خیر و شر نہیں ہے۔ مبرد نے کہا: یہ کہنا چاہیے تھا اس وقت مسلمانوں کو حکم نہیں دیا گیا کہ ان کے ساتھ جنگ کریں پھر ان کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔ محمد بن یزید نے کہا: سیبویہ نے اس میں غلطی کی اور عبارت کو غلط معنی پہنایا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اس وقت مسلمانوں کو حکم نہیں دیا گیا کہ وہ مشرکوں کو سلام کریں اور نہ ہی انہیں اس سے منع کیا گیا بلکہ انہیں درگزر کرنے اور خوبصورت پیرائے میں پہلوتہی کرنے کا حکم دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ ان کی مجالس کے پاس کھڑے ہوتے، انہیں سلام کہتے، ان کے قریب ہوتے اور ان کے ساتھ مداہنت کا رویہ اختیار نہ کرتے لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ مومنوں میں سے کوئی بے وقوف تجھ پر زیادتی کرے تو تیرے لیے یہ کہنا جائز ہے: سلام علیک۔

میں کہتا ہوں: یہ سنت کے دلائل کے زیادہ مناسب ہے ہم نے سورۂ مریم میں کفار کو سلام کہنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ذکر کر دیا ہے، اس لیے نسخ کے دعویٰ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ نضر بن شمیل نے ذکر کیا مجھے خلیل نے بیان کیا میں ابوربیعہ اعرابی کے پاس آیا میرے نزدیک وہ سب سے بڑے عالم تھے وہ چھت پر تھے جب ہم نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے ہمیں سلام کا جواب دیا اور ہمیں فرمایا: استووا ہم حیران کھڑے ہوئے ہم نہیں جانتے تھے کہ انہوں نے کیا کہا۔ ان کے پہلو میں موجود ایک بدو نے کہا: تمہیں حکم دیا ہے اوپر آ جاؤ۔ خلیل نے کہا: یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَ ھِیَ دُخَانٌ (فصلت: 11) ہم ان کی طرف اوپر گئے۔ فرمایا: کیا تمہیں روٹی جو خمیری نہیں، عمدہ دودھ اور تازہ پانی کی طلب ہے؟ ہم نے جواب دیا: ابھی ابھی ہم اس سے فارغ ہوئے۔ فرمایا: سلاما ہم نے کچھ نہ سمجھا کہ انہوں نے کیا کہا۔ اس بدو نے کہا: آپ نے تمہیں کہا ہے تم چلے جاؤ اس میں کوئی بھلائی نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی شر ہے۔ خلیل نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝

ابن عطیہ نے کہا: میں نے ایک تاریخ میں دیکھا کہ ابراہیم بن مہدی جو ان لوگوں میں سے تھا جو حضرت علی شیر خدا کی

طرف میلان رکھتے تھے مامون کے پاس گیا جب کہ ان کے پاس جماعت تھی میں خواب میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیکھتا ہوں میں انہیں کہتا ہوں آپ کون ہیں؟ وہ خواب میں کہتے ہیں: علی بن ابی طالب۔ میں ان کے ساتھ ایک پل کی طرف آتا ہوں وہ جانتے ہیں وہ اس کے عبور کرنے میں مجھ سے پہل کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: آپ اس امر کا ایک عورت کی وجہ سے دعویٰ کرتے ہیں جب کہ ہم اس کے آپ کی بنسبت زیادہ حق رکھتے ہیں۔ میں نے ان کے جواب میں ایسی بلاغت نہیں پائی جیسی بلاغت ان کے بارے میں ذکر کی جاتی ہے۔ مامون نے کہا: انہوں نے تجھے کیا جواب دیا؟ کہا: وہ مجھے سلاما کہتے۔ راوی نے کہا: ابراہیم کو آیت یاد نہیں تھی یا اس وقت اس کے حافظہ سے نکل گئی۔ مامون نے حاضرین کو اس آیت پر متنبہ کیا۔ فرمایا: اے میرے چچا جان اللہ کی قسم! وہ علی بن ابی طالب ہیں آپ نے تجھے بلیغ ترین جواب دیا ہے۔ ابراہیم شرمندہ ہوا اور اسے حیاء آئی وہ خواب یقیناً سچے تھے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾

''اور جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہوئے''۔

زجاج نے کہا: بَاتَ الرَّجُلُ يَبِيْتُ، جب اسے رات آلے، وہ سوئے یا نہ سوئے۔ زہیر نے کہا:

فبتنا قیاما عند رأس جوادنا   یزوالنا عن نفسہ و نزاولہ

ہم نے اپنے گھوڑے کے پاس رات قیام کرتے ہوئے گزاری وہ اپنے نفس کو چھڑانے کے لیے ہمارے ساتھ کوشش کرتا رہا اور ہم اسے قابو کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

انہوں نے اولیاء کی صفت میں یہ اشعار کہے:

امنع جفونك ان تذوق مناما   واذر الدموع علی الخدود سجاما

واعلم بانك میت و محاسب   یامن علی سخط الجلیل اقاما

للہ قوم اختلصوا فی حبہ   فرضی بھم واختصھم خُدّاما

قم اذا جن الظلام علیھم   باتوا ھنالك سجدا و قیاما

خُمص البطون من التعفف ضمرا   لایعرفون سوی الحلال طعاما

اپنی پلکوں کو روکو کہ وہ نیند کا ذائقہ چکھیں، رخساروں پر آنسوؤں کو موسلا دھار برساؤ یہ جان لو کہ تو مرنے والا ہے اور تیرا محاسبہ ہونے والا ہے۔ اے وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کے لیے راتوں کو قیام کیا! اللہ کی ایسی قوم ہے جو اس کی محبت میں مخلص ہیں وہ ان سے راضی ہے انہیں خادم کے طور پر خاص کر لیا ہے۔ وہ ایسی قوم ہیں جب ان پر تاریکی چھا جاتی ہے تو وہ سجدہ و قیام میں رات گزار دیتے ہیں ان کے پیٹ بڑھے ہوئے نہیں وہ حلال کھانے کے سوا کسی کھانے کو نہیں پہچانتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے عشاء کے بعد دو یا زیادہ رکعتیں پڑھیں تو اس نے سجدہ و قیام میں رات گزاری۔ کلبی نے کہا: جس نے مغرب کے بعد دو رکعتیں اور عشاء کے بعد چار رکعتیں پڑھیں اس نے سجدہ و قیام کرتے

ہوئے رات گزاری۔

وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۖ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ۝

''اور جو (بارگاہ الٰہی میں) عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! دور فرما دے ہم سے عذاب جہنم، بے شک اس کا عذاب بڑا مہلک ہے، بے شک وہ بہت برا ٹھکانہ اور بہت بری جگہ ہے''۔

وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ وہ طاعت کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنے سجدوں اور اپنے قیام میں یہ دعا کرتے ہیں۔

اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا جہنم کا عذاب لازمی، دائمی اور جدا نہ ہونے والا ہے۔ اس وجہ سے قرض خواہ کو غریم کہتے ہیں کیونکہ وہ مقروض کو لاحق رہتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان مغرم بکذا، یعنی اسے لازم ہے، اس کے ساتھ سخت محبت کرنے والا ہے۔ کلام عرب میں یہی اس کا معنی ہے جو ابن عربی، ابن عرفہ اور دوسرے علماء نے کہا۔ اعشیٰ نے کہا:

ان یعاقب یکن غراما وان یعط جزیلا فانہ لایبالی

اگر وہ عقاب دے تو وہ عقاب لازم رہنے والا ہے اور بڑا اجر دے تو اسے کوئی پرواہ نہیں۔

حضرت حسن بصری نے کہا: سب کو علم ہے کہ ہر غریم، غریم کو چھوڑنے والا ہے مگر جہنم کا غریم چھوڑنے والا نہیں۔ زجاج نے کہا: غرام سخت ترین عذاب ہے۔ ابن زید نے کہا: غرام سے مراد شر ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس سے مراد ہلاکت ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ محمد بن کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے دنیا میں نعمتوں کے ثمن کا مطالبہ کیا تو انہوں نے وہ ادا نہ کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اس کے ثمن انہیں جہنم میں داخل کرنے کے ساتھ لازم کر دیئے۔

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا وہ کتنا برا ٹھکانا ہے، وہ یہ بات علم سے کہتے ہیں جب انہوں نے یہ بات علم سے کہی تو وہ اس شے کی عظیم قدر کو پہچاننے والے ہو گئے جس کا ان سے مطالبہ کیا جا رہا تھا، یہ چیز ان کی کامیابی کے قریب ترین ہے۔

وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝

''اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی (بلکہ) ان کا خرچ کرنا اسراف اور بخل کے بین بین اعتدال سے ہوتا ہے''۔

وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا مفسرین نے اس آیت کی تاویل میں اختلاف کیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس کے متعلق جو یہ کہا گیا وہ کتنا اچھا کہا گیا: جس نے اللہ تعالیٰ کی طاعت کے بغیر مال خرچ کیا تو وہ اسراف ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طاعت سے رک گیا وہ اقتار ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی طاعت میں خرچ کیا تو وہ قوام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے ایک لاکھ حق کے راستہ میں خرچ کیا وہ اسراف نہیں اور جس نے ناحق ایک درہم خرچ کیا وہ اسراف ہے جس نے اس میں سے روکا جو اس پر واجب تھا تو وہ اقتار ہے؛ یہ مجاہد، ابن زید اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ عون بن عبد اللہ نے کہا: اسراف یہ ہے

کہ تو کسی اور کا مال خرچ کرے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ اور اسی جیسی چیزیں آیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے: معصیت میں خرچ کرنے سے شرع نے روک دیا ہے وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہو۔ اسی طرح غیر کے مال پر تعدی کرنا ہے۔ جن لوگوں کی صفت بیان کی جا رہی ہے وہ اس سے منزہ تھے۔ اس آیت میں یہ ادب سکھایا جا رہا ہے کہ مباحات میں مال کیسے خرچ کرنا ہے؟ اس میں شرع کا ادب یہ ہے کہ انسان افراط سے کام نہ لے یہاں تک کہ کسی اور حق کو ضائع کرے یا عیال کو ضائع کرے وہ اپنے مال کو اس طرح بھی نہ روکے یہاں تک کہ عیال کو بھوکا رکھے اور بخل میں افراط سے کام لے اس میں بہترین میانہ روی ہے عدل وقوام ہر ایک میں اس کے عیال اور حال کے مطابق ہوگا، اسی طرح اس کا صبر، اس کا خرچ پر قوی ہونا اس کی کمائی کے حساب سے ہوگا یا ان خصلتوں کی ضد مراد ہوگی اور امور میں سے بہترین ان کے وسط ہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا تمام مال صدقہ کرنے دیا(1) کیونکہ یہ ان کے دین میں قوت اور صبر کے اعتبار سے وسط تھا اور دوسرے افراد کو اس سے منع کر دیا۔ ابراہیم نخعی نے کتنی ہی اچھی بات کہی ہے: اس سے مراد وہ شخص ہے نہ عیال کو بھوکا رکھتا ہے اور نہ ہی بے لباس رکھتا ہے اور نہ ہی ایسا نفقہ خرچ کرتا ہے کہ لوگ یہ کہنے لگیں کہ اس نے اسراف سے کام لیا۔

یزید بن ابی حبیب نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو خوبصورتی کے لیے لباس زیب تن نہیں کرتے اور لذت کے لیے کھانا نہیں کھاتے، یزید نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا ہے: وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں وہ لذت کے لیے کھانا نہیں کھاتے تھے اور جمال کے لیے لباس زیب تن نہیں کرتے تھے لیکن وہ کھانے سے یہ ارادہ کرتے تھے کہ بھوک کا سد باب ہو، اور اپنے رب کی عبادت کی قوت حاصل ہو۔ اور لباس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ جوان کی شرمگاہ کا پردہ کرے اور سردی و گرمی سے انہیں بچائے۔ عبدالملک بن مروان نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے کہا جب اس نے آپ سے اپنی بیٹی فاطمہ کی شادی کی: تیرا خرچہ کیا ہے؟ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: دو برائیوں کے درمیان نیکی، پھر اس آیت کی تلاوت کی۔

حضرت عمر بن خطاب نے کہا: کسی بندے کے اسراف کے لیے یہی اسراف کافی ہے کہ جس چیز کی وہ خواہش کرے وہ اس کو خرید لے اور اس کو کھالے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسراف یہ ہے کہ تو وہ چیز کھائے جس کی تو خواہش کرے''۔ ابو عبیدہ نے کہا: وہ معروف پر زیادتی نہیں کرتے اور وہ بخل سے کام نہیں لیتے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (الاسراء: 29) شاعر نے کہا:

ولا تغل فی شیء من الامر واقتصد　　کلا طرفی قصد الامور ذمیم

کسی بھی معاملہ میں غلو نہ کرو، میانہ روی اختیار کرو امور کی دونوں طرفیں مذموم ہوتی ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

1۔ سنن ابی داؤد، باب فی الرخصۃ فی ذلک، حدیث نمبر 1429

إذا المرء أعطى نفسه كلّ ما اشتهتْ　ولم ينهها تاقت إلى كل باطل

وساقت إليه الإثم والعار بالذي　دعته إليه من حلاوة عاجل

جب انسان اپنے نفس کو ہر وہ چیز عطا کرے جس کی وہ خواہش کرے اور وہ اپنے نفس کو نہ روکے تو وہ ہر باطل چیز کا شوقین ہو جاتا ہے نفس اس کی طرف گناہ اور عار کو لے آتا ہے، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ نفس نے اسے جلدی مٹھاس کی دعوت دی تھی۔

حضرت عمر بن خطاب نے اپنے بیٹے عاصم سے کہا: اے بیٹے! اپنے نصف پیٹ میں کھا تو کپڑے کو نہ پھینک یہاں تک کہ تو اسے بوسیدہ کر دے، تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جا جو اللہ تعالیٰ کے رزق کو اپنے پیٹوں اور پشتوں پر رکھ لیتے ہیں۔ حاتم طائی کا شعر ہے:

إذا أنت قد أعطيت بطنك سؤله　وفرجك نالا منتهى الذم اجمعا

جب تو نے اپنے پیٹ اور شرمگاہ کا سوال پورا کر دیا تو دونوں نے اکٹھے ذم کی انتہاء کو پالیا۔

وَلَمْ يَقْتُرُوْا حمزہ، کسائی، اعمش، عاصم اور یحییٰ بن وثاب نے اختلاف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یقتروا یہ یاء کے فتحہ اور تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے؛ یہ اچھی قراءت ہے، یہ قَتَرَ، يَقْتُرُ سے مشتق ہے یہ لازم میں قیاس ہے جس طرح قَعَدَ، يَقْعُدُ۔ ابوعمرو بن علاء اور ابن کثیر نے یاء کے فتحہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ اچھی اور معروف لغت ہے۔ اہل مدینہ، ابن عامر اور ابوبکر نے عاصم سے یاء کے ضمہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ثعلبی نے کہا: تمام لغتیں صحیح ہیں۔ نحاس نے کہا: ابو حاتم نے اہل مدینہ کی اس قراءت سے تعجب کیا ہے کیونکہ اہل مدینہ کی قراءت میں شاذ نہیں۔ یہ کہا جاتا ہے: أَقْتَرَ يُقْتِرُ جب وہ محتاج ہو، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ (البقرہ: 236) ابو حاتم نے یہ تاویل کی ہے اسراف کرنے والا جلد محتاج ہو جاتا ہے یہ تاویل حقیقت سے بعید ہے، لیکن ان کی تاویل کہ ابو عمر جرمی نے اصمعی سے حکایت بیان کی ہے جب وہ تنگ دست ہو جائے قتر يقتر و يقتُرُ اور اقتر يُقتر، اس تاویل کی بنا پر قراءت صحیح ہے اگرچہ یاء کو فتحہ دینا زیادہ صحیح ہے تاول کے اعتبار سے زیادہ قریب اور زیادہ مشہور و معروف ہے۔ ابو عمرو اور دوسرے لوگوں نے قواما پڑھا ہے یعنی قاف پر زیر ہے مراد عدل ہے۔ حسان بن عبدالرحمن نے کہا: قِواماً ہے یعنی قاف کے نیچے کسرہ ہے۔ قوام جب قاف کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد ایسی چیز ہوگی جس پر امر دوام اختیار کرے اور قرار پذیر ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لغتیں ایک ہی معنی میں ہیں۔ قواماً یہ کان کی خبر ہے اس کا اسم مقدر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: کان الإنفاق بین الإسراف والقتر قواما، یہ فراء کا قول ہے۔ اس کا ایک اور قول بھی ہے: بین کو کان کا اسم بنایا ہے اور اسے نصب دی ہے کیونکہ ان الفاظ کا استعمال بہت زیادہ ہوتا ہے محل رفع میں اسے اسی حال پر رکھا۔ نحاس نے کہا: میں اس کی وجہ کو نہیں جانتا، کیونکہ بین کا لفظ جب محل رفع میں ہو تو اسے رفع دیا جاتا ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: بینُ عینیه احمر۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾

''اور جو نہیں پوجتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو اور نہیں قتل کرتے اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ بدکاری کرتے ہیں اور جو یہ کام کرے گا تو وہ پائے گا (اس کی) سزا، دوگنا کر دیا جائے گا اس کے لیے عذاب روز قیامت اور ہمیشہ رہے گا اس میں ذلیل و خوار ہو کر''۔

وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ مومن بندوں کو ان کافروں کی صفات سے خارج کرنا مقصود ہے جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں، بچیوں کو زندہ درگور کر کے نفوس کو قتل کرتے ہیں اس کے علاوہ وہ ظلم، دھوکہ اور غارت گری مچاتے ہیں اور زنا ان کے نزدیک مباح امر ہے۔ علماء معانی میں سے جس نے اس آیت کو ظاہر معنی سے پھیرا اس نے کہا: رحمن نے جن کو اپنی طرف خصوصی طور پر منسوب کیا ہے اور معرفت اور تشریف والی صفات کے ساتھ انہیں موصوف کیا اور ان کا ذکر کیا، تو یہ مناسب نہیں کہ ان سے یہ قبیح امور واقع ہوں یہاں تک کہ ان کی ان سے نفی کے ساتھ مدح کی جائے کیونکہ وہ اس سے اعلیٰ واشرف ہیں۔ فرمایا: وہ خواہش نفس کو الٰہ نہیں بناتے، معاصی کے ساتھ اپنے نفوس کو ذلیل و رسوا نہیں کرتے تو یہی ان کا قتل ہے۔ اِلَّا بِالْحَقِّ مگر صبر کی چھری اور مجاہدہ کی تلوار کے ساتھ۔ وہ ایسی عورتوں کو شہوت سے نہیں دیکھتے جو ان کی محرم نہیں ہوتیں تو یہ بدکاری ہوگا، بلکہ ضرورت کی بنا پر دیکھتے ہیں تو وہ نکاح کی طرح ہو جائے گا۔ ہمارے شیخ ابو العباس نے کہا: یہ عمدہ کلام ہے مگر جانچ کرنے کے وقت یہ احمقانہ کلام ہے، یہ باطل رجحان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اضافت کے اختصاص کے ساتھ شرف عطا کرنا صحیح ہے جب کہ انہوں نے صفات حمیدہ سے اپنے آپ کو آراستہ کیا اور اوصاف ذمیمہ کے نقائص سے خالی ہوئے۔ ان آیات کے شروع میں آراستہ کی جانے والی صفات کا ذکر کیا تاکہ انہیں شرف عطا کیا جائے پھر اس کے بعد ان صفات کا ذکر کیا جن سے انہوں نے اپنے آپ کو خالی کیا تاکہ ان سے ان کے بعد کا ذکر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس قائل نے جو یہ دعویٰ کیا کہ یہ امور ظاہر معنی پر نہیں اس کے بطلان پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: ''تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک ٹھہرائے جب کہ اس نے تجھے پیدا کیا''۔ عرض کی: پھر کون سا گناہ؟ فرمایا: ''تو اپنی اولاد کو اس وجہ سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گا''۔ عرض کی: پھر کون سا گناہ؟ فرمایا: ''تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے''۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی: وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ کلام عرب میں آثاما سے مراد عقاب ہے۔ ابن زید اور قتادہ نے اس آیت میں یہی قراءت کی ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

جزى الله ابن عروة حيث امسى عقوقا والعقوق له آثام

اللہ تعالیٰ ابن عروہ کو جزا دے جب اس نے نافرمانی کرتے ہوئے شام کی جب کہ نافرمانی پر اس کے لیے جزا اور سزا ہے۔ یہاں آثام کا معنی جزا اور عقوبت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو، عکرمہ اور مجاہد نے کہا: آثام جہنم میں ایک وادی ہے اللہ

تعالیٰ نے کافروں کے لیے اسے سزا بنایا ہے، شاعر نے کہا:

لقيت المهالك فی حربنا　　بعد المهالك تلقى اثاما

ہماری جنگ میں تو نے ہلاکتوں کو پایا ہلاکتوں کے بعد تو سزا پائے گا۔

سدی نے کہا: آثام جہنم میں ایک پہاڑ ہے۔ شاعر نے کہا:

وکان مقامنا ندعو علیهم　　بابطح ذی المجازله اثام

اس شعر میں آثام کا معنی پہاڑ ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مشرکوں میں سے کچھ لوگوں نے قتل کیے تو بہت زیادہ قتل کیے انہوں نے بدکاری کی تو بہت زیادہ بدکاری کی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: جو بات آپ کرتے ہیں اور جس کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھی ہے، وہ امر ہمیں یہ خبر دیتا ہے کہ ہم نے جو عمل کیا اس پر کفارہ ہے تو یہ آیت نازل ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (زمر: 53) ایک قول یہ کیا گیا: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا یہ وحشی کے بارے میں نازل ہوئی جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا؛ یہ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے، اس کی وضاحت سورہ زمر میں آئے گی۔

اِلَّا بِالْحَقِّ مگر اس حق کی وجہ سے جس کے ساتھ نفوس کو قتل کرنا جائز ہوتا ہے جیسے ایمان کے بعد کفر، شادی کے بعد بدکاری، جس طرح اس کی وضاحت سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے۔

وَلَا يَزْنُوْنَ وہ نکاح اور ملک یمین کے بغیر شرمگاہوں کو حلال نہیں سمجھتے۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ کفر کے بعد ناحق قتل کرنے سے بڑا گناہ کوئی نہیں اس کے بعد بدکاری ہے اسی وجہ سے جو شادی شدہ ہو اس کے بارے میں زنا کی صورت میں قتل ثابت ہے اگر وہ شادی شدہ نہ ہو تو سب سے زیادہ کوڑے اور سخت کوڑے لازم ہیں۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ نافع، ابن عامر، حمزہ اور کسائی نے یضاعف اور یخلد مجزوم پڑھا ہے۔ ابن کثیر نے یضعف عین کو مشدد اور الف کو حذف کرنے کے ساتھ قراءت کی ہے اور دونوں فعلوں کو مجزوم پڑھا ہے۔ طلحہ بن سلیمان نے نُضعِّف نون کے ضمہ اور عین مشددہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ العذاب کو نصب دی اور یخلد کو جزم دی ہے، یہ ابوجعفر اور شیبہ کی قراءت ہے۔ عاصم نے ابوبکر کی روایت میں یضاعف اور یخلد دونوں میں رفع پڑھا ہے یہ آپس میں معطوف، معطوف علیہ ہیں اور جملہ مستانفہ ہیں۔

طلحہ بن سلیمان نے تخلد تاء کے ساتھ پڑھا ہے، خطاب کافر کو ہے۔ ابو عمرو سے ویخلد یاء کے ضمہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ ابوعلی نے کہا: روایت کے اعتبار سے یہ غلط ہے، یضاعف مجزوم ہے یہ یلق سے بدل ہے جو شرط کی جزا ہے۔ سیبویہ نے کہا: عذاب کے کئی گنا ہونے سے مراد عقاب کو پانا ہے۔ شاعر نے کہا:

متى تاتنا تلمم بنا فی دیارنا　　تجد حطبا جزلا ونارا تاججا

جب تو ہمارے پاس آئے گا تو ہمارے ہاں ہمارے گھروں میں اترے گا تو بہت بڑا ایندھن اور بھڑکتی آگ پائے گا۔
محل استدلال تجد ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا۔

إن علی اللہ ان تبایعا توخذ کرھا او تجئ طائعا

اللہ کی قسم! مجھ پر لازم ہے کہ تم بیعت کرو تجھے مجبوری کے عالم میں پکڑ کر لایا جائے یا تو خوشی خوشی آئے۔
محل استدلال توخذ ہے۔

جہاں تک رفع کا تعلق ہے اس میں دو قول ہیں: (۱) ماقبل سے اسے الگ کر دیا جائے (۲) اسے معنی پر محمول کیا جائے، گویا ایک کہنے والا کہتا ہے: آثام سے ملنے کا کیا مطلب ہے؟ اسے کہا جائے گا: اس کے لیے عذاب کئی گنا کر دیا جائے گا۔ مُهَانًا اس کا معنی ہے ذلیل، ناکام، مقصد سے دور اور دھتکارا ہوا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

”مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں بدل دے گا اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے“۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا علماء میں سے کوئی اختلاف نہیں کرتا کہ استثناء کافر اور زانی میں عامل ہے مسلمانوں میں سے جو قاتل ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے جس طرح اس کی وضاحت سورۃ النساء میں گزر چکی ہے، سورۂ مائدہ میں یہ قول گزر چکا ہے۔ یمین میں جو استثناء ہو اس میں تراخی جائز ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کا قول ہے، وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ نحاس نے کہا: اس کے بارے میں جو اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے سب سے بہترین یہ ہے کہ کافر کی جگہ مومن اور نافرمان کی جگہ مطیع لکھ دیا جاتا ہے۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: اللہ تعالیٰ شرک کو ایمان سے بدل دیتا ہے؟ حضرت حسن بصری سے اسی کی مثل مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ایک قوم یہ کہتی ہے یہ تبدیلی آخرت میں ہوگی، جب کہ معاملہ اس طرح نہیں یہ تبدیلی دنیا میں ہوگی اللہ تعالیٰ ان کے شرک کو ایمان سے بدل دیتا ہے، شک کو اخلاص سے بدل دیتا ہے اور فجور کو احصان سے بدل دیتا ہے۔ زجاج نے کہا: اس سے مراد یہ نہیں کہ سیئہ کی جگہ حسنہ رکھ دیتا ہے بلکہ سیئہ کی جگہ توبہ رکھ دیتا ہے، اور حسنہ کو توبہ کے ساتھ رکھ دیتا ہے۔ حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: إن السيئات تبدّل الحسنات، برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا جائے گا۔ اس کے ہم معنی روایت حضرت سلمان فارسی، سعید بن جبیر اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آخرت میں اس آدمی کے بارے میں ہوگا جس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب ہو جائیں گی، تو اللہ تعالیٰ برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ حدیث میں ہے: ”کچھ اقوام تمنا کریں گی کہ ان کی برائیاں زیادہ ہوتیں“۔ عرض کی گئی: وہ کون ہیں؟ فرمایا: ”جن کی برائیاں اللہ تعالیٰ

نیکیوں سے بدل دے گا''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، ثعلبی اور قشیری نے اسے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تبدیل سے مراد بخشش ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کی سیئات کو بخش دے گا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں نیکیوں میں بدل دے گا۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ کوئی بعید نہیں کہ جب بندے کی توبہ صحیح ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سیئہ کی جگہ حسنہ رکھ دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمایا: ''برائی کے بعد نیکی کرو جو اس برائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ''۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اس آدمی کو جانتا ہوں جو جنت میں سب سے آخر میں داخل ہوگا اور اس آدمی کو بھی جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا۔ ایک آدمی کو قیامت کے روز لایا جائے گا، یہ کہا جائے گا: اس پر اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو اور بڑے گناہوں کو اس سے اٹھا لو اس پر اس کے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے، اسے کہا جائے گا: تو نے یہ عمل کیا اور تو نے فلاں فلاں دن یہ عمل کیا۔ وہ کہے گا: ہاں۔ وہ انکار کی طاقت نہیں رکھے گا۔ جب کہ وہ بڑے گناہوں کے پیش کرنے سے ڈر رہا ہوگا۔ اسے کہا جائے گا: تیرے لیے ہر برائی کی جگہ نیکی ہے۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں نے کچھ ایسے عمل کیے ہیں جو میں نے یہاں نہیں دیکھے''۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہنسے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ ابوطویل نے کہا: ''یا رسول اللہ! ایسے آدمی کے بارے میں بتایئے جس نے ہر گناہ کیا ان میں سے کوئی چیز نہ چھوڑی اس نے چھوٹی بڑی کوئی خواہش نہ چھوڑی مگر اس کو پورا کیا اس کے لیے توبہ ہے؟ فرمایا: ''کیا تم نے اسلام قبول کیا ہے'' اس نے عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرمایا: ''ہاں۔ تو نیکیاں کرے گا اور برائیوں کو ترک کرے گا اللہ تعالیٰ سب کو نیکیاں بنا دے گا''۔ عرض کی: اے اللہ کے نبی! میرے دھوکے اور میرے گناہ؟ فرمایا: ''ہاں''۔ اس نے زبان سے یہ نعرہ لگایا: اللہ اکبر! وہ لگاتار یہ کلمات کہتا رہا یہاں تک کہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا؛ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ بشر بن عبید نے کہا: جو علم نحو اور لغت عربی سے آگاہ تھا (وہ جانتا ہے) حاجہ سے مراد وہ امر ہے جو حاجی پر لازم ہوتا ہے جب وہ حج کے لیے جا رہے ہوں اور داجہ سے مراد وہ امر ہوتا ہے جو اس پر اس وقت لازم کیا جاتا ہے جب وہ واپس پلٹیں۔

وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝

''اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے تو اس نے رجوع کیا اللہ تعالیٰ کی طرف جیسے رجوع کا حق ہے''۔

یہ جملہ نہیں کہا جاتا: مَنْ قَامَ فَانه یقُوْمُ، تو یہ کس طرح فرمایا: وَ مَنْ تَابَ فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے اہل مکہ میں سے جو ایمان لایا اور ہجرت کی اس نے نہ قتل کیا تھا اور نہ ہی زنا کیا تھا بلکہ اس نے عمل صالحہ کیا اور فرائض کو ادا کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرنے والا ہے، یعنی میں نے انہیں ان لوگوں پر مقدم رکھا اور ان پر فضیلت دی جنہوں نے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی اور محارم کو حلال جانا۔ قفال نے کہا: یہ احتمال موجود ہے کہ پہلی آیت ان لوگوں کے بارے میں ہو جنہوں نے مشرک ہونے کے بعد توبہ کی، اسی وجہ سے فرمایا: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ پھر مسلمانوں میں سے جنہوں نے توبہ کی اس پر اس کا عطف کیا اور اپنی توبہ کے بعد عمل صالح کیا اس کے لیے بھی تائبین کا حکم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے زبان سے توبہ کی اور اپنے فعل کے ساتھ اسے ثابت نہ کیا ایسی توبہ نفع دینے والی نہیں بلکہ جس نے توبہ کی اور صالح عمل کیا اور اعمال صالحہ کے ساتھ توبہ کو ثابت کیا اسی نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کی، یہی توبۃ النصوح ہے، اسی وجہ سے مصدر کے ساتھ اسے موکد کیا۔ مَتَابًا مصدر ہے اس کا معنی تاکید ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ (النساء) وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حق سچ کی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ یقینی طور پر قبول فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾

''اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب گزرتے ہیں کسی لغو چیز کے پاس سے تو بڑے باوقار ہو کر گزر جاتے ہیں''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ جو کذب اور باطل کے پاس حاضر نہیں ہوتے اور نہ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ زور اس باطل کو کہتے ہیں جسے آراستہ کر کے پیش کیا جائے۔ ان میں سے سب سے عظیم شرک اور شریکوں کی تعظیم بجالانا ہے، ضحاک، ابن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر بیان کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے: مراد مشرکوں کی عیدیں ہیں۔ عکرمہ نے کہا: مراد لعب (کھیل کود) ہے دور جاہلیت میں اسے زور کہتے۔ مجاہد نے کہا: مراد گانا گانا ہے، یہ حضرت محمد بن حنیفہ کا بھی قول ہے۔ ابن جریج نے کہا: مراد جھوٹ ہے، مجاہد سے بھی یہی مروی ہے۔ علی بن طلحہ اور محمد بن علی نے کہا: معنی ہے وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ یہ شہادت سے مشتق ہے مشاہدہ سے مشتق نہیں۔ ابن عربی نے کہا: جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ یہ کذب ہے تو یہ صحیح ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک جھوٹ کی طرف راجع ہے۔ جس نے یہ کہا: یہ دور جاہلیت میں کھیل کود تھا اگر اس میں جوا ہو یا جہالت ہو یا ایسا امر ہو جو کفر کی طرف لے جانے والا ہو تو یہ حرام ہو گا، جہاں گانا گانے کا تعلق ہے تو وہ اس حد تک نہیں پہنچتا۔

میں کہتا ہوں: گانے میں ایسی صورت بھی ہے جس کا سننا حرمت تک جا پہنچتا ہے وہ ان اشعار کی طرح ہیں جن میں حسین صورتوں اور شراب وغیرہ کی صفت بیان کی جاتی ہے جو طبیعتوں میں حرکت پیدا کرتے ہیں اور اسے اعتدال سے نکال دیتے ہیں یا لہو کے بارے میں چھپی محبت کو ابھارتے ہیں، خصوصاً جب ان اشعار کے ساتھ آلات لہو ولعب بھی شامل ہو جائیں۔ جس طرح آج کے دور میں کیا جاتا ہے؛ جس کی وضاحت ہم نے کئی مواقع پر کر دی ہے۔ حسن نے کہا: اس سے مراد جھوٹی گواہی ہے، تو یہی دوسرا مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے مارتے، اس کے چہرے پر کالک ملتے، اس کے سر کا حلق کراتے اور بازار میں پھراتے۔ اکثر اہل علم نے کہا: اس کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کی جائے گی اگرچہ وہ توبہ کرے اور

اس کا حال اچھا ہو جائے۔ اس کا امر اللہ کے سپرد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ اعلانیہ جھوٹی شہادت دینے والا نہ ہو اور اس کا حال اچھا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، جس طرح اس کی وضاحت سورۂ حج میں گزر چکی ہے وہاں اس میں غور وفکر کر لے۔

وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا لغو کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے اس سے مراد ہر وہ قول اور فعل ہے جو پایہ ثقاہت سے گرا ہوا ہو اس میں غنا، لہو اور اس کے قریب قریب کی چیزیں مراد ہیں۔ اس میں مشرکین کے بے وقوفانہ عمل، ان کا مومنوں کو اذیت دینا، عورتوں کا ذکر اور ان جیسے ناپسندیدہ عمل ہیں۔ مجاہد نے کہا: جب انہیں اذیت دی جائے تو وہ درگزر سے کام لیتے ہیں، ان سے مروی ہے: جب وہ نکاح کا ذکر کرتے ہیں تو کنایہ سے کام لیتے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: لغو سے مراد تمام قسم کی نافرمانیاں ہیں (1)؛ یہ جامع قول ہے۔

كِرَامًا اس کا معنی ہے وہ اعراض کرتے ہیں ناپسند کرتے ہیں، اس پر راضی نہیں ہوتے، وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور ایسے لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھتے، یعنی وہ کریم لوگوں کی طرح گزر جاتے ہیں وہ باطل میں داخل نہیں ہوتے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: تكرم فلان عما يشينه، فلاں نے عیب دار چیز سے اپنے آپ کو پاکیزہ رکھا اور اس سے اپنے نفس کو معزز رکھا۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نغمہ کو سنا تو جلدی چلے اور وہاں سے چلے گئے، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو فرمایا: لقد أصبح ابن أم عبد كريما، ابن ام عبد کریم ہو گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے کہ وہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔

وَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا ﴿۷۳﴾

"اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے رب کی آیات سے تو نہیں گر پڑتے ان پر بہرے اور اندھے ہو کر"۔

اس میں دو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ **وَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ** جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ اپنی آخرت کو یاد کرتے ہیں اور وہ غافل نہیں ہوتے یہاں تک کہ وہ اس کے قائم مقام ہو جاتے جو سنتا ہی نہیں۔ **لَمْ یَخِرُّوْا** وہاں کوئی خرور نہیں ہوتا، جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: قعد یبكي وہ روتا رہا، اگرچہ وہاں بیٹھنا نہیں ہوتا؛ یہ طبری نے کہا اور اسے پسند کیا۔ ابن عطیہ نے کہا: وہ بہرے اور اندھے گر پڑتے ہیں، یہ کفار کی صفت ہے اس سے مراد ان کا اعراض کرنا ہے یہ تیرے اس قول کے موافق ہے: قعد فلان يشتمني، قام فلان يبكي۔ تو نے اس کے ساتھ قعود (بیٹھنے) اور قیام (کھڑے ہونا) کی خبر دینے کا قصد نہیں کیا۔ یہ کلام اور عبارت میں تمہید کے طور پر ذکر کیے جاتے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: ذکر کو سننے والا سیدھے نیزے والا اور سیدھے امر والا ہوتا ہے جب وہ اعراض کرے اور گمراہ ہو جائے تو یہ خرور ہوتا ہے اس سے مراد نظام اور ترتیب کے بغیر گرنا ہے، اسے تشبیہ دی جاتی ہے اس کے ساتھ جو سجدہ کرتے ہوئے گرتا ہے، لیکن اس کی اصل، ترتیب کے برعکس ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر

1۔ تفسیر طبری

پڑتے ہیں وہ بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ فراء نے کہا: وہ پہلی حالت پر نہیں بیٹھے رہتے گویا انہوں نے سنا ہی نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے کہا: جس نے کسی آدمی کو آیت سجدہ تلاوت کرتے ہوئے سنا وہ اس کے ساتھ سجدہ کرے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنا جو اس پر تلاوت کی جارہی تھیں۔ ابن عربی نے کہا: یہ صرف قاری پر لازم ہے جہاں تک دوسرے افراد کا تعلق ہے ان پر یہ لازم نہیں مگر صرف ایک مسئلہ میں، وہ یہ ہے کہ ایک آدمی جب قرآن کی تلاوت کرے اور آیت سجدہ کی تلاوت کرے اگر اس کے پاس کوئی اس لیے بیٹھا ہوا تھا کہ وہ اس کی تلاوت کو سنے تو اس کے ساتھ سجدہ کرے اگر اس نے سماع کو لازم نہیں کیا تھا تو اس پر کوئی سجدہ نہیں۔ یہ بحث سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

''اور وہ جو عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! مرحمت فرما ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا ہمیں پرہیزگاروں کے لیے پیشوا۔ یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن کو بدلا ملے گا (جنت کا) بالاخانہ ان کے صبر کرنے کے باعث اور ان کا استقبال کیا جائے گا وہاں دعا اور سلام سے، وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اس میں، بہت عمدہ ٹھکانہ اور قیام گاہ ہے۔ آپ فرمائیے: کیا پرواہ ہے تمہاری میرے رب کو اگر تم اس کی عبادت نہ کرو اور تم نے (تو الٹا) جھٹلانا شروع کر دیا تو یہ جھٹلانا تمہارے گلے کا ہار بنا رہے گا''۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ ضحاک نے کہا: وہ تیری اطاعت کرتے ہوئے۔ اس آیت میں بچے کی دعا کا جواز ہے، یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ذریۃ واحد اور جمع ہے، واحد کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (آل عمران: 38) فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿﴾ (مریم) جمع کے لیے یہ آیت ہے: ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا (النساء: 9) سورۂ بقرہ میں اس کا اشتقاق مفصل گزر چکا ہے۔

ابن کثیر، ابن عامر اور حضرت حسن بصری نے وذریاتنا قراءت کی ہے۔ ابو عمرو، حمزہ، کسائی، طلحہ اور عیسیٰ نے ذریتنا قرأت کی ہے۔

قُرَّةَ اَعْيُنٍ مفعول کے طور پر منصوب ہے یعنی ہماری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس سے فرمایا: اللهم اکثر ماله وولده وبارك له فيه اے اللہ اس کے مال اور اس کی اولاد کو زیادہ کر دے اور اس کے لیے اس میں برکت رکھ دے۔ اس کی وضاحت سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں گزر چکی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کے لیے اس کے مال اور اس کی اولاد میں برکت رکھی جاتی ہے تو اس کے اہل اور عیال کی وجہ سے اس کی

آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس اس کی بیوی ہو اس بیوی میں اس کی آرزوئیں جمع ہو جاتی ہیں۔ وہ جمال ہو، عفت ہو اور پاک دامنی ہو یا اس کے پاس اولاد ہو جو طاعت پر دوام اختیار کریں، دین اور دنیا کے امور میں اس کے معاون ہوں۔ وہ کسی اور کی بیوی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی کی اولاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کی آنکھ ملاحظہ سے سکون پاتی ہے اس کی آنکھ اس کی طرف ممتد نہیں ہوتی جس کی طرف وہ دیکھتی ہے۔ یہی آنکھ کی ٹھنڈک ہے اور نفس کا سکون ہے۔ قرۃ کے لفظ کو واحد ذکر کیا کیونکہ یہ مصدر ہے تو کہتا ہے: قرت عینك قرة، قرة العین کے بارے میں یہ احتمال موجود ہے کہ وہ قرار سے مشتق ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ قر سے مشتق ہو، یہ زیادہ مشہور ہے۔ قر کا معنی ٹھنڈک ہے کیونکہ عرب گرمی سے اذیت حاصل کرتے اور ٹھنڈک سے راحت حاصل کرتے نیز خوشی کا آنسو ٹھنڈا اور غم کا آنسو گرم ہوتا ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: اقر الله عينك الله تعالیٰ تیری آنکھ کو ٹھنڈا کرے اسخن الله عين عدوك الله تعالیٰ تیرے دشمن کی آنکھ گرم کرے۔ شاعر نے کہا:

فكم سَخِنَتْ بالأمس عينٌ قَرِيرةٌ   وقرَّت عيونٌ دمعُها اليومَ ساكبُ

گزشتہ کل میں کتنی ہی ٹھنڈی آنکھیں گرم ہوئیں اور کتنی ہی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں آج جن کے آنسو بہہ رہے ہیں۔

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا، امام کا معنی مقتدیٰ ہے جو بھلائی میں ہماری رہنمائی کرتا ہے یہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب داعی متقی ہو یہی داعی کا مقصود ہوتا ہے، موطا امام مالک میں ہے: إنكم أيها الرهط أئمة يقتدى بكم اے جماعت! تم امام ہو تمہاری اقتدا کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی دعا میں عرض کیا کرتے تھے: اے اللہ! ہمیں متقین کا امام بنا دے۔ اماما کہا ائمہ نہیں کہا یعنی جمع کا صیغہ ذکر نہیں کیا کیونکہ امام مصدر ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: أم القوم فلان اماما جس طرح صیام اور قیام مصدر ہے۔ بعض نے کہا: ائمہ کا ارادہ کیا جس طرح کوئی کہنے والا کہتا ہے: امیرنا هولاء یہاں امیر سے مراد امراء ہے۔ شاعر نے کہا:

يا عاذلاتي لا تَزِدْنَ مَلامَتِي   إنّ العواذل لَسْنَ لِي بأميرِ

اے مجھے ملامت کرنے والیو! مجھے ملامت کرنے میں اضافہ نہ کرو کیونکہ ملامت کرنے والیاں میری امیر نہیں۔

اس شعر میں امیر، امراء کے معنی میں ہے۔ قشیری ابو القاسم صوفیہ کے شیخ کہا کرتے تھے: امامت دعا کے ساتھ ہوتی ہے دعویٰ کے ساتھ نہیں ہوتی یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی جانب سے آسان کرنے اور اس کے احسان کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ جو انسان اپنے لیے اس کا دعویٰ کرے۔ حضرت ابراہیم نخعی نے کہا: انہوں نے ریاست کو طلب نہیں کیا بلکہ وہ دین میں مقتدیٰ تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہمیں ہدایت کے ائمہ بنا دے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا** (الانبیاء: 73) مکحول نے کہا: تقویٰ میں ہمیں امام بنا دے متقی ہماری اقتدا کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام قلب سے تعلق رکھتی ہے اس کا مجاز ہے: واجعل المتقين لنا اماما؛ یہ مجاہد کا قول ہے، پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت ابن عباس اور مکحول کا قول بھی اسی طرف راجع ہے۔ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ دین میں سرداری طلب کرنا مستحب ہے امام لفظ کے اعتبار سے واحد ہے اور جمع پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے جس طرح قیام ہے۔ اخفش نے کہا:

امام، ام کی جمع ہے امر یؤمر سے مشتق ہے یہ فعال کی جمع ہے جس طرح صاحب کی صحاب اور قائم کی جمع قیام ہے۔

اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا، اُولٰٓئِكَ، وعباد الرحمن کی خبر ہے؛ یہ زجاج کا قول ہے جیسے پہلے گزر چکا ہے اس بارے میں جو بھی قول کیے گئے ہیں ان میں سے سب سے اچھا قول ہے، مبتدا اور خبر میں جو کچھ ہے وہ ایسے اوصاف ہیں جن سے اپنے آپ کو آراستہ کرنا اور جن سے اپنے آپ کو پاک کرنا ہے وہ گیارہ اوصاف ہیں (۱) تواضع (۲) حلم (۳) تہجد (۴) خوف (۵) اسراف اور اقتار کو ترک کرنا (۶) شرک، زنا اور قتل سے بچنا (۷) توبہ کرنا (۸) جھوٹ سے اجتناب کرنا (۹) زیادتی کرنے والے کو معاف کرنا (۱۰) نصیحتوں کو قبول کرنا (۱۱) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کرنا۔

الْغُرْفَةَ بلند درجہ۔ یہ جنت کی منازل میں سے سب سے بلند درجہ ہے اور سب سے افضل درجہ ہے جس طرح بالاخانہ دنیا کے مسکنوں میں سے سب سے اعلیٰ مسکن ہے؛ ابن شجرہ نے یہ بیان کیا ہے۔ ضحاک نے کہا: غرفۃ سے مراد جنت ہے بِمَا صَبَرُوْا اپنے رب کے حکم پر صبر کرنے کے باعث اور اپنے نبی کی طاعت کے باعث۔ محمد بن علی بن حسین نے کہا: انہوں نے دنیا میں فقر وفاقہ پر جو صبر کیا اسی کے باعث۔ ضحاک نے کہا: انہوں نے شہوات پر جو صبر کیا۔

وَ یُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّ سَلٰمًا، ابوبکر، مفضل، اعمش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور خلف نے ویلقون تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، فراء نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ عرب کہتے ہیں: فلان یُتلقی بالسلام و بالتحیۃ و بالخیر وہ بہت کم فلان یُلقی بالسلامۃ کہتے ہیں باقی قراء نے ویُلقون پڑھا ہے؛ اسے ابوعبید اور ابوحاتم نے پسند کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۞ (الانسان) ابوجعفر نحاس نے کہا: فراء جس طرف گئے ہیں اور جسے اختیار کیا ہے وہ غلط ہے کیونکہ وہ یہ گمان کرتے ہیں اگر یہ یلقون ہو تو لغت عرب میں یہ تحیۃ اور سلام کے لیے ہوتا ہے انہوں نے کہا جس طرح قول کیا جاتا ہے: فلان یتلقی بالسلام و بالخیر اس باب میں جو کچھ انہوں نے کہا وہ عجیب وغریب ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں: یتلقی جب کہ آیت یُلَقَّوْنَ ہے دونوں میں فرق واضح ہے کیونکہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان یتلقی بالخیر، باء کا حذف جائز نہیں تو یہ اس کے مشابہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ قرآن حکیم میں: وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۞ ہے اسے کسی اور لفظ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں۔ یہ اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ اولیٰ اس کے برعکس ہے جو انہوں نے کہا۔ تحیۃ، اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور سلام ملائکہ کی جانب سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تحیۃ سے مراد دائمی بقا اور ملک عظیم ہے۔ اظہر یہ ہے کہ دونوں ایک ہی معنی میں ہیں اور دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ (الاحزاب: 44) خٰلِدِیْنَ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے فِیْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا۔

قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّیْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ یہ مشکل آیت ہے۔ ملحدہ نے اس سے استدلال کیا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ماعبأت لفلان میں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی، یعنی اس کا میرے ہاں کوئی وزن اور کوئی قدر نہ تھی۔ یعبأ کی اصل عبأ ہے جس کا معنی بوجھ ہے۔ شاعر کا قول ہے:

کان بصدرہ وبجانبیہ عَبِیْرًا باتَ یَعْبَؤُهُ عَرُوْسُ

وہ بعض کو بعض پر رکھتا ہے، عبأ کا معنی بھاری بوجھ ہے اس کی جمع اعباء ہے۔ عبأ مصدر ہے ما استفہامیہ ہے زجاج کے کلام کے بیچ میں یہ ظاہر ہوا اور فراء نے اس کی تصریح بیان کی۔ یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ نافیہ ہو کیونکہ جب تو نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ استفہام ہے تو یہ نفی ہے جو استفہام کی جگہ واقع ہوا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن) ابن شجری نے کہا: میرے نزدیک قول کی حقیقت یہ ہے کہ ما محل نصب میں ہے؛ تقدیر کلام یہ ہوگی: أی عبء یعبأبکم وہ کیسی پرواہ ہے جو میرا رب تمہارے بارے میں کرے اگر اس کی تمہیں دعوت نہ ہو کہ تم اس کی عبادت کرو، اس قول کی بنا پر مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے؛ یہ فراء کا پسندیدہ قول ہے اس کا فاعل محذوف ہے اور لولا کا جواب محذوف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں محذوف ہے: وَ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ (الرعد: 31) اس کی تقدیر ہوگی لم یعبأبکم۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات) خطاب تمام لوگوں کو ہے گویا ان میں سے قریش سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری کیا پرواہ کرے گا اگر تم نے اس کی عبادت نہ کی ہوگی، یہی تو وہ امر ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انسان کی پرواہ کرتا ہے۔ ابن زبیر اور دوسروں کی قراءت اس کی تائید کرتی ہے۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ تمام لوگوں کو اس چیز کے ساتھ خطاب ہے جس کی اللہ تعالیٰ پرواہ کرتا ہے پھر قریش سے فرماتا ہے: تم نے جھٹلایا اور تم نے اس کی عبادت نہ کی عنقریب یہی تکذیب دائمی عذاب کا سبب ہوگی۔ نقاش اور دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے اگر مشکلات میں تم اس کی بارگاہ میں مدد طلب نہ کرتے، اس کی وضاحت ہے: فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ (العنکبوت: 65)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے تمہارے گناہ بخشنے کا کیا مسئلہ تھا اور نہ ہی وہ امر جو اس کے نزدیک عظیم تھا: لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ اگر اس کے ساتھ معبودوں اور شرکاء کی عبادت نہ ہوتی۔ اس کی وضاحت اس آیت میں ہے مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ (النساء: 147) یہ ضحاک کا قول ہے۔ ولید بن ابی الولید نے کہا: مجھے اس آیت کے بارے میں یہ تعبیر پہنچی ہے میں نے تمہیں پیدا کیا اور نہ ہی مجھے تم سے کوئی غرض تھی مگر یہ کہ تم مجھ سے سوال کرو اور میں تمہیں بخش دوں اور تمہیں عطا کروں۔

وہب بن منبہ نے روایت بیان کی ہے کہ تورات میں ہے: اے انسان! میری عزت کی قسم میں نے تجھے پیدا نہیں کیا کہ میں تجھ سے نفع حاصل کروں میں نے تجھے اس لیے پیدا کیا ہے کہ تو مجھ سے نفع حاصل کرے ہر شے کا بدل مجھ سے لے میں ہر چیز سے تیرے لیے بہتر ہوں۔

ابن جنی نے کہا: حضرت ابن زبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوں قراءت کی: فقد کذب الکافرون زاہروی اور نحاس نے کہا: یہ حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے اور یہ تفسیر کے اسلوب میں ہے جو كَذَّبْتُمْ میں تاء اور میم کی تفسیر ہے۔ قتبی اور فارسی اس طرف گئے ہیں کہ دعا فاعل کی طرف مضاف ہے اور مفعول محذوف ہے۔ اصل کلام یہ ہے لولا دعاء کم آلھۃ من دونہ، لولا کا جواب محذوف ہے اس صورت میں تقدیر ہوگی: لم یعبأبکم۔ لولا دعاء کم آلھۃ کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (الاعراف: 194)

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ جس امر کی تمہیں دعوت دی گئی اس کو تم نے جھٹلایا، یہ پہلے قول کی بنا پر ہے۔ اور دوسرے قول کی بنا پر یہ ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو جھٹلایا۔ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا یعنی تمہاری تکذیب تم کو لازم ہوگی۔ معنی ہے عنقریب تکذیب کی جزا ہوگی۔ جس طرح فرمایا: وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (الکہف: 49) انہوں نے جو کچھ کیا اس کی جزا کو حاضر پایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ (الانفال) یعنی تم نے جو کفر کیا اس کی جزا چکھو۔ تکذیب کو مضمر کرنا اچھا ہے کیونکہ اس کا فعل پہلے مذکور ہو چکا ہے کیونکہ جب تو فعل کا ذکر کرے گا تو وہ اپنے لفظ کے ساتھ مصدر پر دال ہوگا۔ جس طرح فرمایا: وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (آل عمران: 110) یہاں ایمان محذوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ اِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ (زمر: 7) یہاں یرضی کا فاعل الشکر ہے۔ اس کی بے شمار امثلہ ہیں۔ جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہاں لزام سے مراد وہ ہے جو غزوۂ بدر کے موقع پر ان پر مصیبت نازل ہوئی؛ یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، ابو مالک، مجاہد، مقاتل وغیرہ کا قول ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ سے روایت مروی ہے: بطشہ، دخان اور لزام گزر چکا۔ سورۂ دخان میں اس کی مفصل وضاحت آئے گی ان شاء اللہ۔ ایک جماعت نے کہا: عذاب آخرت کی دھمکی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے: لزام سے مراد جھٹلانا ہی ہے۔ یعنی اس سے توبہ کا انہیں موقع نہ دیا جائے گا۔ زہراوی نے اس کا ذکر کیا ہے(1): اس میں یوم بدر اور دوسرے عذاب داخل ہو جاتے ہیں جو ان کو لازم ہوں گے۔ ابو عبیدہ نے کہا: لزام سے مراد فیصلہ ہے یعنی عنقریب تمہارے اور مومنوں کے درمیان فیصلہ ہوگا۔ جمہور قراء لام کو کسرہ دیتے ہیں، ابو عبیدہ نے صخر کا یہ شعر پڑھا ہے:

فإما يَنجُوَا من خَسف أرضٍ　فقد لَقِيا حُتُوفَهما لِزاما

اگر وہ دونوں زمین کے دھنسنے سے نجات پا گئے ہیں تحقیق ان دونوں نے اپنی موتوں کو فیصلہ کن دیکھا ہے۔

لزاما اور ملازمہ دونوں ایک ہیں۔ طبری نے کہا: لزاما سے مراد ایسا عذاب ہے جو دائمی اور لازم ہے۔ اور ایسی ہلاکت ہے جو فنا کرنے والی ہے جو تم ایک دوسرے کو لاحق کرتے ہو، جس طرح ابو ذویب کا قول ہے:

ففاجأه　بعاديةٍ　لزامٍ　كما يَتَفجَّرُ الحوضُ اللَّقيفُ

اسے اچانک اس قول نے آلیا جو اپنے قدموں پر دوڑتی ہے اور ایک دوسرے کو لاحق کرتی ہے جس طرح وہ حوض بہہ پڑتا ہے جس کے پتھر ٹوٹ جائیں۔ لزام سے مراد جس کا بعض بعض کی پیروی کرے۔ لقیف سے مراد جس کے پتھر ٹوٹ کر گر جائیں۔

نحاس نے کہا: ابو حاتم نے ابو زید سے کہا میں نے قعنب ابو سمال کو پڑھتے ہوئے سنا: لَزاما یعنی لام کو فتحہ دیا۔ ابو جعفر نے کہا: یہ لزم کا مصدر ہوگا اور کسرہ اولیٰ ہے؛ یہ قتال اور مقاتلہ کی مثل ہے جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں لام کے کسرہ پر اجماع کیا ہے: وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ (طہ) دوسرے علماء نے کہا:

1۔ المحرر الوجیز

لزام فتحہ کے ساتھ یہ لزم کا مصدر ہے جس طرح سلم سلاما ہے سلام سلامتی کے معنی میں ہے لزام فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی لزوم ہے اور لِزام کا معنی ملازمت ہے، دونوں قراءتوں میں مصدر، اسم فاعل کی جگہ واقع ہے لِزام، ملازم کی جگہ واقع ہے اور لَزام لازِم کی جگہ واقع ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا (ملک: 30) اس میں غورا، غائر کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا: یکون کے اسم میں فراء کا قول ہے، کہا: وہ مجہول ہوگا۔ یہ قول غلط ہے کیونکہ مجہول کی خبر جملہ ہی ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَ یَصْبِرْ (یوسف: 90) جس طرح نحویوں نے کہا: کان زید منطلق کان میں اسم مجہول ہوگا مبتدا اور خبر مجہول کی خبر ہوگی، تقدیر کلام یہ ہوگی کان الحدیث فاما أن یقال کان منطلقا. کان میں اسم مجہول ہوگا۔ کسی ایک کو بھی ہم نہیں جانتے جس کے نزدیک یہ جائز ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے، اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے۔

سورۃ الشعراء

آیاتہا ۲۲۷ ﴿۲۶ سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ ۴۷﴾ رکوعاتہا ۱۱

جمہور کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے۔ مقاتل نے کہا: ان میں سے ایک آیت مدنی ہے جس میں شعراء کا ذکر ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اَوَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۹۷﴾ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: یہ سورت مکی ہے مگر چار آیات ایسی ہیں جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں وہ وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ سے آخر تک ہیں۔ یہ کل دو سو ستائیس آیات ہیں۔ ایک روایت میں دو سو چھبیس آیات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے ذکر اوّل سے وہ سورت عطا کی گئی جس میں بقرہ کا ذکر ہے، الواح موسیٰ میں سے مجھے سورۃ طٰہٰ اور طٰسٓمٓ عطا کی گئیں، قرآن کے فواتح اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات عرش کے نیچے سے مجھے عطا کی گئیں اور مفصل سورتیں مجھے زائد عطا کی گئیں''۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: ''تورات کی جگہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سات لمبی سورتیں عطا کیں، انجیل کی جگہ مجھے مبین عطا کیں، زبور کی جگہ طواسین عطا کیں حٰم اور مفصل صورتوں کے ساتھ مجھے فضیلت عطا کی مجھ سے قبل کسی نبی نے ان کی قراءت نہیں کی''۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۳﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ ﴿۴﴾ وَ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ ﴿۵﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَیَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶﴾ اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۹﴾

''طا۔ سین۔ میم۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی (اے جان عالم) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لا رہے۔ اگر ہم چاہیں تو اتاریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی اور نہیں آیا کرتی ان کے پاس کوئی تازہ نصیحت الرحمن کی جانب سے مگر یہ کہ وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ تو بے شک انہوں نے تکذیب کی سو جلد آئے گی انہیں اطلاع اس امر کی جس کے ساتھ وہ استہزاء

کیا کرتے تھے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا زمین کی طرف کہ کتنی کثرت سے ہم نے اگائے ہیں اس میں ہر طرح کے مفید پودے۔ بے شک اس میں (ان کے لیے قدرت الٰہی کی) نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

طٰسٓمّٓ ○ اعمش، یحییٰ، ابوبکر، مفضل، حمزہ، کسائی اور خلف نے اس سورت اور اس جیسی سورتوں میں طاء کو امالہ اور اشباع کے ساتھ پڑھا ہے۔ نافع، ابوجعفر، شیبہ اور زہری نے دو لفظوں کے درمیان پڑھا ہے؛ ابوعبید اور حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ اشباع کی صورت میں پڑھا ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ تمام فصیح لغتیں ہیں۔ سورۂ طٰہٰ میں نحاس کا قول اس بارے میں گزر چکا ہے، نحاس نے کہا: مدینہ طیبہ کے قاریوں، ابوعمرو، عاصم اور کسائی نے طسم نون کو میم میں ادغام کرتے ہوئے پڑھا ہے۔ فراء نے نون کے اخفاء کے ساتھ کہا اعمش اور حمزہ نے طسین میم، نون کے اظہار کے ساتھ قراءت کی۔ نحاس نے کہا: سیبویہ کے نزدیک نون ساکنہ اور تنوین کی چار قسمیں ہیں حروف حلقیہ کے وقت ان کو واضح کیا جاتا ہے۔ راء، لام، میم، واؤ اور یاء کے وقت ادغام کیا جاتا ہے، یاء کے وقت میم سے قلب کیا جاتا ہے یہ دونوں خیاشیم سے ہیں یعنی دونوں کو واضح نہیں کیا جاتا۔ یہ چار اقسام جن کی وضاحت سیبویہ نے کی ہے یہ قراءت جائز نہیں کیونکہ یہاں حروف حلقیہ نہیں کہ اس کے ساتھ نون کو واضح کیا جائے لیکن اس میں ایک چھوٹی سی توجیہ ہے وہ یہ ہے کہ حروف معجم کا حکم یہ ہے کہ ان پر وقف کیا جائے۔ جب ان پر وقف کیا جائے گا تو نون واضح ہو جائے گی۔ ثعلبی نے کہا: ادغام ابوعبید اور ابوحاتم کا اختیار ہے وہ تمام قرآن پر قیاس کرتے ہیں۔ ان قراء نے تبیین اور تمکین کے لیے اس میں اظہار کیا ہے اور ان علماء نے حروف ضم کی مجاورت کی وجہ سے ادغام کیا ہے۔ نحاس نے کہا: ابواسحاق نے اپنی کتاب فیما یجری و فیما لا یجری، میں حکایت بیان کی یہ کہنا جائز ہے: طسین میم نون کو فتحہ اور میم کو ضمہ دیا جائے جس طرح یہ کہا جاتا ہے: هذا معدی کرب۔ ابوحاتم نے کہا: خالد نے طسین میم قراءت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: طسم یہ قسم ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، مقسم علیہ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ سورت کا نام ہے سورت کا آغاز اچھا ہے۔ ربیع نے کہا: قوم کی مدت کا حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عذاب ہے جو ایک قوم پر واقع ہوگا۔ طسم اور طس ایک ہے۔ کہا:

وَفَاؤُكُمَا كَالرَّبْعِ أَشْجَاهُ طَاسِمُهْ بِأَنْ تُسْعِدَا وَالدَّمْعُ أَشْفَاهُ سَاجِمُهْ

تم دونوں کی وفا کہ تم رونے کے ساتھ مدد کرو گھر کے ماحول کی طرح ہے اس کے آثار کا مٹنا عاشق کے لیے زیادہ غم دینے والا ہے بہنے والے آنسو اسے زیادہ شفا دینے والے ہیں۔

قرطبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت، رفعت اور ملک کی قسم اٹھائی۔ عبداللہ بن محمد بن عقیل نے کہا: طاء سے مراد طور سینا، سین سے مراد اسکندریہ اور میم سے مراد مکہ ہے۔ جعفر بن محمد بن علی نے کہا: طاء سے مراد طوبیٰ کا درخت ہے، سین سے مراد سدرۃ المنتہیٰ ہے اور میم سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طاء، طاہر سے اور سین قدوس سے ہے۔ ایک

قول یہ کیا گیا ہے: سین سمیع سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سلام سے ہے اور میم مجید سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رحیم سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ملک سے ہے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ طواسیم اور طواسین قرآن میں سورتیں ہیں جن کی جمع غیر قیاسی ہے۔ ابوعبیدہ نے شعر پڑھا:

وبالطواسیم التی قد ثُلِّثت وبالحوامیم التی قد سُبِّعَتْ

طواسیم تین سورتیں ہیں اور حوامیم جو سات ہیں۔

جوہری نے کہا: صحیح یہ ہے ذوات کے ساتھ جمع بنائی جائے اور واحد کی طرف مضاف کیا جائے، پس کہا جاتا ہے: ذوات طسم، ذوات حم۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ مبتدا کے مضمر ہونے کے ساتھ اس کو رفع دیا جائے وہ ھذہ ہے، یہ کتاب مبین کی وہ آیات ہیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا کیونکہ تورات اور انجیل میں ان سے قرآن کے نزول کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تلك، ھذہ کے معنی میں ہے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اپنے نفس کو قتل کرنے والا اور اسے ہلاک کرنے والا ہے۔ سورۂ کہف میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ کیونکہ انہوں نے ایمان کو ترک کر دیا۔ فراء نے کہا: ان محل نصب میں ہے کیونکہ یہ جزا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے ہمزہ کے نیچے کسرہ ہے کیونکہ یہ جزا ہے متعارف یہی ہے اس میں قول وہی ہے جو ابواسحاق نے اپنی کتاب جو قرآن کی تفسیر کے متعلق ہے میں کیا ہے: ان محل نصب میں ہے مفعول لاجلہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے معنی ہے ممکن ہے آپ اپنے نفس کو ہلاک کر ڈالیں کیونکہ انہوں نے ایمان کو ترک کیا ہے۔

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً آیۃ سے مراد ظاہر معجزہ اور غالب قدرت ہے۔ تو ان کی معلومات بدیہی ہو جاتیں، لیکن پہلے فیصلہ ہو چکا تھا کہ معارف نظریہ ہوں گے۔ ابوحمزہ ثمالی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس آیت کی آواز ہے جو رمضان شریف کی نصف کو آسمان سے سنی جاتی ہے، کنواری عورتیں گھروں سے نکل آتی ہیں اور زمین اس کے لیے چیختی ہے۔ یہ قول حقیقت سے بعید ہے، کیونکہ مراد قریش ہیں ان کے علاوہ کچھ اور نہیں۔

فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ان کی گردنیں ان کے آگے جھکی ہوتی ہیں۔ مجاہد نے کہا: اَعْنَاقُهُمْ سے مراد ان کے بڑے لوگ ہیں۔ نحاس نے کہا: اور لغت میں معروف ہے، یوں کہا جاتا ہے: جاءنی عنق من الناس میرے پاس لوگوں میں سے رؤساء آئے۔ ابوزید اور اخفش نے کہا: اَعْنَاقُهُمْ سے مراد ان کی جماعتیں ہیں؛ یہ جملہ بولا جاتا ہے جاءنی عنق من الناس میرے پاس لوگوں کی جماعت آئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اصحاب اعناق کا ارادہ کیا مضاف کو حذف کیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک آیت نازل کرتا جس کے سامنے وہ عاجزی کا اظہار کرتے تو ان میں سے کوئی بھی اپنی گردن معصیت کی طرف نہ پھیرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت ہمارے اور بنی امیہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان پر ہماری حکومت ہوگی اور حضرت معاویہ کے بعد ان کی گردنیں ہماری سامنے جھکی ہوں گی؛ اسے

ثعلبی اور غزنوی نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ خاضعین اور خاضعۃ یہاں برابر ہیں، یہ عیسیٰ بن عمر نے کہا: اور مبرد نے اسے پسند کیا معنی ہے جب ان کی گردنیں ذلیل ہوگئیں تو وہ بھی ذلیل ہو گئے، گردنوں کے بارے میں خبر ہے۔ کلام عرب میں یہ جائز ہے کہ پہلے کی خبر کو ترک کر دیا جائے اور دوسرے کی خبر دی جائے۔ راجز نے کہا:

طولُ اللیالی أسرعتْ فی نَقْضِی طَوَینَ طُولی و طَوَینَ عَرْضِی

اسرعت یہ اللیالی کی خبر ہے اور طول کی خبر کو ترک کر دیا گیا ہے۔ جریر نے کہا:

أرَی مَرَّ السنینَ أَخَذْنَ مِنِّی کما أخذَ السِّرارُ من الهلالِ

میں دیکھتا ہوں سالوں کے گزرنے نے مجھ سے حصہ لیا جس طرح سرار ہلال سے حصہ لیتا ہے۔ محل استدلال اخذن ہے۔ یہ جائز ہے کیونکہ مَرَّ اور طول کا لفظ کلام سے حذف ہوتا تو اس کا معنی فاسد نہ ہوتا، اسی طرح فعل کو غیر کی طرف لوٹانا ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں: فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ کیونکہ اگر اعناق کا لفظ ساقط کر دیا جاتا تو کلام فاسد نہ ہوتی اور باقی ماندہ کلام اس معنی کو ادا کر دیتی یہاں تک کہ ارشاد ہوتا: فظلوا لها خاضعین۔ فراء اور ابوعبیدہ نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔ کسائی اس طرف گئے ہیں کہ معنی یہ ہے خاضعیها هم بصریوں اور فراء کے نزدیک یہ خطا ہے اس قسم کا حذف کلام میں واقع نہیں ہوتا، یہ نحاس نے کہا۔

وَ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ سورۃ الانبیاء میں بحث گزر چکی ہے۔ فَقَدْ كَذَّبُوْا یعنی انہوں نے اعراض کیا اور جو کسی چیز سے اعراض کرتا ہے اور اسے قبول نہیں کرتا تو وہ اس کی تکذیب میں ہوتا ہے۔ فَسَیَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ یہ ان کے لیے وعید ہے جو انہوں نے جھٹلایا اور جو انہوں نے استہزاء کی اس کی سزا انہیں ضرور پہنچے گی۔

اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور قدرت پر متنبہ کیا اگر وہ اپنے دلوں سے غور کرتے اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو انہیں علم ہو جاتا کہ وہی عبادت کا مستحق ہے کیونکہ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ زَوْجٍ سے مراد قسم ہے، یہ فراء نے کہا، كَرِیْمٍ سے مراد حسن شریف ہے۔ لغت میں کرم سے مراد شرف وفضل ہے نخلة کریمة سے مراد ہے ایسا کھجور کا درخت جو اعلیٰ نسل کی ہو اور زیادہ پھل والی ہو۔ رجل کریم سے مراد شریف، فاضل اور درگزر کرنے والا۔ نبتت الارض اور انبتت الارض دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نکالنے والا اور اگانے والا ہے۔ امام شعبی سے مروی ہے فرمایا: لوگ زمین کی نباتات ہیں ان میں سے جو جنت میں چلا گیا وہ کریم ہے اور جو جہنم کی طرف چلا گیا تو وہ لئیم ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً زمین میں انبات کا جو ذکر فرمایا اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔

وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ان میں سے اکثر تصدیق کرنے والے نہیں کیونکہ ان کے بارے میں مجھے پہلے سے علم ہے سیبویہ کے قول میں کان زائدہ ہے اس کی تقدیر کلام یہ ہے: وما اكثرهم مومنین۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ عزیز سے مراد ہے وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے اور اپنے اولیاء پر رحم

فرمانے والا ہے۔

وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۟ۙ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ۟ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ۟ؕ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۟ وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۟ۚ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۟

”اور یاد کرو جب ندا دی آپ کے رب نے موسیٰ کو (اور فرمایا) کہ جاؤ ظالم لوگوں کے پاس یعنی قوم فرعون کے پاس۔ کیا وہ (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ آپ نے عرض کی: میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور گھٹتا ہے میرا سینہ اور روانی سے نہیں چلتی میری زبان سو (از راہ کرم) وحی بھیج ہارون کی طرف اور (تو جانتا ہے کہ) ان کا میرے ذمہ ایک جرم بھی ہے اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ اللہ نے فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا پس تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور ہر بات) سننے والے ہیں“۔

وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى، اِذْ محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے: واتل علیهم اذ نادی ربك موسیٰ، اس پر یہ کلام وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ ۟ دلالت کرتی ہے جو اس کے بعد ہے۔ نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں اذکر فعل محذوف ہے جس طرح اس ارشاد میں ہی تصریح ہے وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ (احقاف: 21) وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ (ص: 45) وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ (مریم: 19) ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى، کذا و کذا۔ نداء سے مراد یا فلاں کے ساتھ بلانا، یعنی تیرے رب نے فرمایا: یا موسیٰ اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ پھر خبر دی کہ ظالم قوم کون ہے؟ فرمایا: قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ قوم فرعون، یہ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ سے بدل ہے۔ اَلَا یَتَّقُوْنَ کا معنی ہے کیا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس شے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ وہ ظالم قوم کے پاس جائیں اور یَتَّقُوْنَ کا قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ تقویٰ نہیں رکھتے اور اس پر دال ہے کہ انہیں تقویٰ کا حکم دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قل لهم الا تتقون، انہیں کہو: کیا تم تقویٰ نہیں رکھتے؟ آیت کریمہ میں یاء کے ساتھ فعل آیا ہے کیونکہ خطاب کے وقت وہ غائب تھے اگر تاء کے ساتھ آئے تب بھی جائز ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قل للذین کفروا ستغلبون فعل مضارع کو یاء اور تاء دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ عبید بن عمیر اور ابو حازم نے الا تتقون دو تاؤں کے ساتھ پڑھا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: قل لهم الا تتقون۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: میں ڈرتا ہوں وہ مجھے رسالت و نبوت کے معاملہ میں جھٹلائیں گے۔ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ ان کے جھٹلانے کی وجہ سے میرا سینہ تنگ پڑ جائے گا۔ عام قراءت ویضیق اور ولا ینطلق رفع کے ساتھ ہے یعقوب، عیسیٰ بن عمر اور ابو حیوۃ نے ویضیق اور ولا ینطلق میں نصب کے ساتھ قراءت کی ہے اسے اَن

یکذبون کی طرف لوٹایا ہے یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ میں رفع کے ساتھ قراءت دو وجہوں سے ہوگی (۱) اس وجہ سے کہ یہ ابتدا کلام ہے (۲) یہ انی یضیق صدری ولا ینطلق لسانی کے معنی میں ہے اس کا عطف اِنِّیْۤ اَخَافُ پر ہے۔ فراء نے کہا: اسے نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے؛ یہی چیز اعرج، طلحہ، عیسیٰ بن عمر سے مروی ہے دونوں کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔ نحاس نے کہا: مناسب رفع ہی ہے کیونکہ نصب کی صورت میں عطف یُّكَذِّبُوْنِ پر ہے۔ یہ تعبیر بعید از حقیقت ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۙ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝ (طٰہٰ) یہ اس پر دال ہے کہ یہ اس طرح ہے معنی ہوگا جس طرح میں پسند کرتا ہوں استدلال میں میری زبان رواں نہ ہوگی۔ آپ کی زبان میں لکنت تھی جس طرح سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔

فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ حضرت جبرئیل امین کو وحی دے کر اس کی طرف بھیج اسے بھی میرے ساتھ پیغمبر بنا دے تاکہ وہ میری مدد و حمایت کرے یہاں لیعیننی نہیں فرمایا کیونکہ معنی معلوم تھا۔ سورۂ طٰہٰ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا (طٰہٰ: 29) سورۂ قصص میں ہے فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ (34) گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سوال کی اجازت دی گئی تھی ان کا مقصود یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی رسالت کو ختم کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے بلکہ یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ ان کا مددگار بنایا جائے۔ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ جو امر میں مستقل نہ ہو، اسے اپنے بارے میں تقصیر کا خوف ہو تو وہ اپنے مددگار سے مطالبہ کرے اس میں اس پر کوئی ملامت نہ ہوگی۔

وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ یہاں ذنب سے مراد قبطی کا قتل ہے اس کا نام ماثور تھا جس طرح سورۂ قصص میں اس کی وضاحت آئے گی، اس کا ذکر سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف ہوا کہ اس الزام کی وجہ سے قبطی آپ کو قتل کر دیں گے؛ یہ آیت اس امر پر دال ہے کہ خوف بعض اوقات انبیاء، فضلاء اور اولیاء کو لاحق ہو جاتا ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات فاعل حقیقی ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے کسی کو مسلط کر دیتا ہے۔

قَالَ كَلَّا فرمایا: ہرگز نہیں وہ تمہیں کبھی بھی قتل نہ کر سکیں گے۔ اس ظن سے جھڑکنا مقصود ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد و بھروسہ کا حکم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو اور ان سے خوف کو دور کر دو کیونکہ وہ آپ کو قتل کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے اور نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں فَاذْهَبَا تو اور تیرا بھائی جائیں میں نے اسے تیرے ساتھ پیغمبر بنا دیا ہے۔ بِاٰیٰتِنَاۤ ہماری براہین اور معجزات کے ساتھ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ ہماری آیات کے ساتھ۔ اِنَّا مَعَكُمْ مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مُّسْتَمِعُوْنَ جو وہ کہتے ہیں اور جو وہ جواب دیتے ہیں اس کو سننے والے ہیں اس سے ان کے دل کی تقویت مراد لی ہے کہ وہ ان کی مدد فرمائے گا اور ان کی حفاظت فرمائے گا، استماع سے مراد توجہ سے بات کو سننا ہے اللہ تعالیٰ کی اس کے ساتھ صفت نہیں لگائی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت سمیع و بصیر سے لگائی ہے، سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: اَسْمَعُ وَ اَرٰی ۝ (طٰہٰ) مَعَكُمْ دونوں کو جمع کے قائم مقام رکھا ہے کیونکہ دو بھی جماعت ہے کہ جمع کا صیغہ ان دونوں اور جن کی طرف انہیں بھیجا گیا ان سب کے لیے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ تمام بنی اسرائیل کے لیے ہے(1)۔

1۔ المحرر الوجیز

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ۝ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۝ؕ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۙ۝ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ؕ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۝ؕ

''سو دونوں جاؤ فرعون کے پاس اور اسے کہو ہم فرستادہ ہیں رب العالمین کے (ہم تمہیں کہتے ہیں) کہ بھیج دے ہمارے ساتھ (ہماری قوم) بنی اسرائیل کو۔ فرعون نے (یہ سن کر) کہا: موسیٰ! کیا ہم نے تجھے پالا نہیں تھا اپنے یہاں جب کہ تو بچہ تھا اور بسر کیے تو نے ہمارے پاس اپنی عمر کے کئی سال اور تو نے ارتکاب کیا اس فعل کا جس کا تو نے ارتکاب کیا ہے اور تو بڑا احسان فراموش ہے۔ آپ نے جواب دیا: میں نے ارتکاب کیا تھا اس کا اس وقت جب کہ میں ناواقف تھا تو میں بھاگ گیا تھا تمہارے ہاں سے جب کہ میں تم سے ڈرا پس بخش دیا مجھے میرے رب نے حکم اور بنا دیا مجھے رسولوں سے اور یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے حالانکہ تو نے غلام بنا رکھا ہے بنی اسرائیل کو''۔

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ابوعبیدہ نے کہا: رسول رسالت کے معنی میں ہے اس تعبیر کی بنا پر تقدیر کلام یہ ہوگا انا ذوو رسالة رب العالمین۔ ہذلی نے کہا:

أَلِكْنِي إليها وَخَيْرُ الرَّسُو لِ أَعْلَمُهُمْ بِنَوَاحِي الخَبَرْ

مجھے اس کی طرف بھیجو بہترین رسول وہ ہوتا ہے جو خبر کی اطراف کو ان سے سب سے زیادہ جاننے والا ہو۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لقد كَذَبَ الواشون ما بُحْت عندهُم بِسِرٍّ ولا أَرسلتُهُم برسول

چغل خوروں نے جھوٹ بولا میں نے ان کے ہاں بھید کو ظاہر نہیں کیا اور نہ ہی کوئی قاصد بھیجا۔

ایک شاعر نے کہا:

أَلَا أَبْلِغْ بني عمرو رسولًا بأَنِّي عن فُتَاحَتِكُمْ غَنِيٌّ

خبردار بنی عمرو کو پیغام پہنچا دو کہ میں تمہارے فیصلہ سے غنی ہوں۔

عباس بن مرداس نے کہا:

أَلا مَنْ مُبْلِغٌ عَنِّي خُفَافًا رسولًا بيتُ أَهلِكَ مُنْتَهَاهَا

خبردار! کون خفاف کو میری طرف سے پیغام پہنچائے گا تیرے اہل کا گھر ہی اس کی انتہاء ہے۔

یہاں بھی رسول رسالت کے معنی میں ہے اسی وجہ سے ضمیر مونث ذکر کی۔ ابوعبید نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ رسول کا لفظ دو اور جمع کے لیے ہو۔ عرب کہتے ہیں: ھذا رسولی و وکیلی، ھذان رسولی و وکیلی، ھؤلاء رسولی و وکیلی۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ (الشعراء: 77) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے ہم میں سے ہر ایک رب العالمین کا رسول ہے۔

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ یعنی انہیں آزاد کر دو اور ان کا راستہ نہ روکو تاکہ وہ ہمارے ساتھ فلسطین کی طرف جائیں اور انہیں اپنا غلام نہ بناؤ۔ فرعون نے چارسو سال سے انہیں اپنا غلام بنایا ہوا تھا، اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تیس ہزار تھی۔ دونوں فرعون کے پاس گئے ایک سال تک اس نے دونوں کو دربار میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ دربان فرعون کے پاس گیا اس نے کہا: یہاں ایک انسان ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ رب العالمین کا رسول ہے۔ فرعون نے کہا: اسے اجازت دو ممکن ہے ہم اس کی وجہ سے ہنس لیں۔ دونوں فرعون کے پاس گئے اور پیغام پہنچایا(1)۔

وہب اور دوسرے علماء نے روایت کی ہے جب دونوں فرعون کے پاس گئے دونوں نے اسے پایا کہ اس نے ببر شیر، شیر اور چیتے وغیرہ نکالے ہوئے تھے وہ ان میں گھوم پھر رہا تھا، ان درندوں کے رکھوالوں کو خوف ہوا کہ وہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو پکڑ لیں گے وہ درندوں کی طرف جلدی سے بڑھے اور درندے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف جلدی سے بڑھے وہ ان دونوں کے قدموں کو چاٹنے لگے، اپنی دُموں کو ہلانے لگے اور اپنے رخساروں کو ان کی رانوں کے ساتھ مس کرنے لگے فرعون اس سے متعجب ہوا، اس نے پوچھا: تم دونوں کون ہو؟ دونوں نے جواب دیا: ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا کیونکہ آپ اس کے گھر میں پروان چڑھے تھے۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ فرعون نے احسان جتلانے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقارت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا: ہم نے تجھے بچپنے میں پالا اور جن بچوں کو ہم نے قتل کیا تھا ان میں ہم نے تجھے قتل نہیں کیا اور کئی سال تک تو ہمارے پاس رہا، جس کا تو اب دعویٰ کر رہا ہے یہ کب سے واقع ہوا؟ پھر اس قول کے ساتھ قبطی کے قتل کا ذکر کیا۔ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ، فعلة جب فاء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد ایک دفعہ کا عمل ہے شعبی نے فاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ فتحہ اولیٰ ہے، کیونکہ یہ عمل ایک دفعہ ہوا اور فاء کے نیچے کسرہ ہو تو اس سے مراد ہیئت اور حالت ہوتی ہے یعنی تو نے وہ فعل کیا جس کو تو پہچانتا ہے تو پھر تو کیسے دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے جب کہ ہم تیرے احوال سے آگاہ ہیں۔ شاعر نے کہا

كأنّ مشيتَها مِن بيت جارتِها مرُّ السحابة لا ريْثٌ ولا عَجَلُ

گویا اس کی اپنی پڑوسن کے گھر سے چال بادل کے گزرنے کی طرح ہے نہ اس میں سستی ہوتی ہے اور نہ ہی تیزی۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: کان ذلك ایام الرِّدة و الرَّدة۔

1۔ تفسیر بغوی (معالم التنزیل)

وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ضحاک نے کہا: قبطی کے قتل کرنے میں تو ناشکروں میں سے تھا کیونکہ وہ ایسا نفس تھا جس کا قتل حلال نہیں تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو میں نے تجھ پر تربیت اور احسان کیا اس کی ناشکری کرنے والا تھا، یہ ابن زید کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: تو میرے الٰہ ہونے کا انکار کرنے والا تھا۔ سدی نے کہا: تو اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والا تھا کیونکہ تو ہمارے دین میں ہمارے ساتھ تھا جس دن پر تو اب عیب لگا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قبطی کو قتل کیا اور پھر وہاں سے آپ نکلے اور پھر واپس آئے درمیان میں گیارہ سال کا عرصہ حائل تھا۔

قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ میں نے وہ فعل کیا مراد قبطی کا قتل ہے اس وقت میں ناواقف تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذات سے کفر کی نفی کی اور یہ بتایا کہ یہ فعل جہالت کی بنا پر تھا۔ مجاہد نے بھی یہی کہا کہ مِنَ الضَّآلِّيْنَ کا معنی ناواقفوں میں سے تھا۔ ابن زید نے کہا: میں اس سے ناواقف تھا کہ گھونسا قتل تک جا پہنچتا ہے۔ حضرت عبداللہ کے مصحف میں من الجاھلین کے الفاظ ہیں۔ جو آدمی کسی چیز سے جاہل ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: ضل عنه۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ کا معنی ہے میں بھولنے والوں میں سے تھا، یہ ابوعبیدہ نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نبوت سے ناواقف تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مجھے کوئی چیز نہیں پہنچی تھی اس لیے میں نے جو کہا اس پر مجھے توبیخ نہیں کی جاسکتی۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان میں تربیت نبوت اور لوگوں پر حلم کے منافی نہیں ہوتی اور خطاء قتل کرنا یا ایسے وقت میں قتل کرنا جب کوئی شرعی حکم نہ ہو یہ نبوت کے منافی نہیں۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ میں تمہارے درمیان سے مدین کی طرف نکل گیا جس طرح سورۃ القصص میں ہے فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ (القصص: 21) یہ قتل کے موقع پر ہوا تھا۔ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا حکم سے مراد نبوت ہے؛ یہ سدی وغیرہ سے مروی ہے۔ زجاج نے کہا: مراد تورات کی تعلیم ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد علم اور فہم ہے۔ وَّ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اس کلام کے معنی میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ سدی، طبری اور فراء نے کہا: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نعمت کا اقرار کیا گویا آپ کہتے ہیں: ہاں! تیری تربیت مجھ پر احسان ہے جب تو نے میرے سوا ہر کسی کو غلام بنالیا اور مجھے چھوڑ دیا لیکن یہ میری رسالت کو ختم نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام انکار کے طریقہ پر ہے یعنی کیا تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے کہ تو نے چھوٹی عمر میں میری تربیت کی جب کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے اور انہیں قتل کیا ہے؟ یعنی یہ کوئی انعام نہیں، کیونکہ واجب یہ تھا کہ تو انہیں قتل نہ کرتا اور انہیں غلام نہ بناتا کیونکہ وہ میری قوم تھی تو تو مجھ پر خصوصی احسان کا کیسے ذکر کرتا ہے؟ کہا: یہ معنی قتادہ اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں کلمہ استفہام مقدر ہے، تقدیر کلام یہ ہے: او تلك نعمة۔ یہ اخفش اور فراء کا قول ہے۔ نحاس اور دوسرے علماء نے انکار کیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز نہیں کیونکہ الف استفہام معنی پیدا دیتا ہے اس کا حذف محال ہے مگر جب کلام میں ام ہو جس طرح شاعر نے کہا:

تَرُوحُ من الحیّ أم تَبتَکِر، یہاں تروح سے پہلے ہمزہ استفہام مقدر ہے۔
تو قبیلہ سے پچھلے پہر جاتا ہے یا صبح جلدی جاتا ہے۔

اس بارے میں نحویوں کے درمیان کسی اختلاف سے آگاہ نہیں صرف فراء نے جو کلام کی ہے، اس نے کہا: افعال شک میں کلمہ استفہام کا حذف کرنا جائز ہے اور یہ حکایت بیان کی تُرَی زیدا منطلقا، اس سے مراد اتُرَی ہے۔ علی بن سلیمان اس بارے میں کہا کرتے تھے: فراء نے اسے الفاظ عام سے لیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: فراء نے کہا جس نے یہ کہا: یہ انکار ہے اس نے کہا اس کا معنی ہے کیا وہ نعمت ہے؟ یہ استفہام کے طریقہ پر ہے جس طرح یہ فرمان ہے: هٰذَا رَبِّيْ (الانعام: 77) اور فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۞ (الانبیاء)

شاعر نے کہا:

رَفَوْنِي وقالوا یا خُوَیلِدُ لا تُرَعْ　فقلتُ وأنکرتُ الوجوهَ هُمُ هُمُ

انہوں نے میرے خوف کو دور کیا انہوں نے کہا: اے خویلد! تجھے نہ ڈرایا جائے، میں نے کہا: اور میں وجوہ سے ناواقف تھا کیا یہ وہ ہیں۔

غزنوی نے الف کو ترک کرنے پر بطور دلیل یہ اشعار پڑھے:

لم أنس یوم الرحیل وِقفتَها　وجفنها من دموعها شَرِقُ
وقولَها والرکابُ واقفةٌ　تَرکتَنی هکذا و تَنطلقُ

میں کوچ کے روز اس کے ٹھہراؤ کو نہیں بھول سکتا جب کہ اس کی پلکیں اس کے آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور اس کے قول کو نہیں بھول سکتا جب کہ اونٹ کھڑے تھے تو نے مجھے اس طرح چھوڑ دیا اور تو خود جا رہا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں استفہام کے الف کا حذف، ام کے بغیر ایسا امر ہے جو نحاس کے قول کے خلاف ہے۔ ضحاک نے کہا: یہ کلام تبکیت کے طریقہ پر ہے، تبکیت استفہام اور استفہام کے بغیر ہوتا ہے۔ معنی ہے اگر تو بنی اسرائیل کو قتل نہ کرتا تو میرے والدین میری تربیت کرتے، تو مجھ پر تیرا احسان کہاں سے ہوا تو مجھ پر اسی چیز سے احسان جتلا رہا ہے جو احسان جتلانے کو واجب نہیں کرتا، ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تو مجھ پر کیسے تربیت کا احسان جتلاتا ہے جب کہ تو نے میری قوم کو ذلیل کر دیا ہے؟ جس نے اس کی قوم کو ذلیل کیا وہ ذلیل ہے۔ اَنْ عَبَّدْتَّ یہ محل رفع میں ہے یہ نعمة سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل نصب میں ہو معنی ہو لِاَنْ عبدتَّ بنی اسرائیل تو نے انہیں غلام بنا لیا۔ کہا جاتا ہے: عبدته، أعبدته دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ فراء نے یہ قول کیا ہے اور یہ شعر پڑھا:

عَلَامَ یُعبِدُنِي قومي وقد کَثُرت　فیهم أباعِرُ ماشاءوا وعِبدانُ

میری قوم کس وجہ سے مجھے غلام بناتی ہے جب کہ ان میں اونٹوں کے بچے اور غلام کثیر تعداد میں ہیں جتنے وہ چاہیں۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ

إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ
آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ
رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ
إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ ﴿٣٠﴾
قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣١﴾ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ﴿٣٢﴾ وَ
نَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾
يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ
وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٣٦﴾ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ
لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ ﴿٣٨﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ
السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا
لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ
لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٤٣﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ
فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٤٥﴾
فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿٤٨﴾
قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ
تَعْلَمُونَ ۚ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٩﴾
قَالُوا لَا ضَيْرَ ۖ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا أَنْ
كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾

''فرعون نے پوچھا: کیا حقیقت ہے رب العالمین کی؟ آپ نے فرمایا: (رب العالمین وہ ہے جو) مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر ہو تم یقین کرنے والے۔ فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھنے والوں سے کہا: کیا تم سن نہیں رہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جو تمہارا بھی مالک ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی فرعون بولا بلاشبہ تمہارا یہ رسول جو بھیجا گیا ہے تمہاری طرف یہ تو دیوانہ ہے آپ نے (معاً) فرمایا: جو مشرق و مغرب کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو۔ اس نے (رعب جماتے ہوئے) کہا: (یاد رکھو!) اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا بنایا تو میں تمہیں ضرور قیدیوں میں داخل کردوں گا۔ فرمایا: اگرچہ میں

لے آؤں تیرے پاس ایک روشن چیز۔ اس نے کہا: پھر پیش کرو اسے اگر تم سچے ہو۔ پس آپ نے ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ صاف اژدہا بن گیا اور آپ نے باہر نکالا اپنا ہاتھ تو یک لخت وہ سفید ہو گیا دیکھنے والے کے لیے (یہ دیکھ کر) فرعون نے اپنے پاس بیٹھنے والے درباریوں سے کہا: واقعی یہ ماہر جادوگر ہے، یہ چاہتا ہے کہ نکال دے تمہیں اپنے ملک سے اپنے جادو (کے زور) سے (اب بتاؤ) تمہاری کیا رائے ہے؟ بولے: مہلت دو اسے اور اس کے بھائی کو اور بھیج دو شہروں میں ہرکارے تاکہ وہ لے آئیں تیرے پاس (ملک کے کونہ کونہ سے) تمام ماہر جادوگر الغرض جمع کر لیے گئے سارے جادوگر مقررہ وقت پر ایک خاص دن اور کہہ دیا گیا لوگوں سے: کیا تم (مقابلہ دیکھنے کے لیے) اکٹھے ہو گے؟ شاید ہم پیروی کرتے رہیں جادوگروں کی اگر وہ (مقابلے میں) غالب آ جائیں جب حاضر ہوئے جادوگر تو انہوں نے فرعون سے پوچھا: کیا ہمیں کوئی انعام بھی ملے گا اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آ جائیں؟ اس نے کہا: ہاں ضرور ملے گا اور تم اس وقت میرے مقربوں میں شامل کر لیے جاؤ گے۔ موسیٰ نے انہیں فرمایا: پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو تو انہوں نے پھینک دیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں (میدان میں) اور (بڑے وثوق سے) کہا: ناموس فرعون کی قسم! ہم ہی یقیناً غالب آئیں گے، پھر پھینکا موسیٰ نے اپنا سونٹا تو وہ یکایک نگلنے لگ گیا جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا پس (یہ معجزہ دیکھ کر) گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے انہوں نے (برملا) کہہ دیا: ہم ایمان لائے رب العالمین پر، جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا۔ فرعون نے (خفت مٹانے کے لیے) کہا: تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں تمہیں مقابلہ کی اجازت دیتا یہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سحر کا فن سکھایا ہے ابھی (اس سازش کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا پس ضرور کاٹ دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف طرفوں سے اور میں تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا: ہمیں اس کی پرواہ نہیں، ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں، ہمیں یہ امید ہے کہ بخش دے گا ہمارے لیے ہمارا رب ہماری خطائیں کیونکہ ہم (تیری قوم میں سے) پہلے ایمان لانے والے ہیں''۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دلیل میں فرعون پر غالب آ گئے اور فرعون لعین نے تربیت اور دوسری چیزوں میں کوئی دلیل نہ پائی تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معاوضہ کے لیے آپ کے قول **رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے ایسا سوال کیا جو مجہول چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔ مکی اور دوسرے علماء نے کہا: جس طرح اجناس کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے ما کے ساتھ سوال کیا۔ مکی نے کہا: ایک اور جگہ من کے ساتھ بھی استفہام واقع ہوا ہے یہ اس کے مشابہ ہے کہ یہاں کئی مواطن ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مخلوقات میں سے ایسی صفات لائے جو اللہ تعالیٰ پر دلالت کرتی ہیں جن میں کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ فرعون نے جنس کے بارے پوچھا جب کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی جنس نہیں کیونکہ اجناس حادث ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی جہالت سے آگاہ ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے سوال سے صرف نظر کیا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر اسے آگاہ کیا جو سامع پر اس

چیز کو واضح کر رہی تھی کہ فرعون کو اس میں کوئی مشارکت حاصل نہیں۔ فرعون نے کہا: اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ اس نے یہ قول اغرا اور مقالہ کی سفاہت پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کیونکہ قوم کا عقیدہ یہ تھا کہ فرعون ان کا رب ہے اور ان کا معبود ہے اس سے قبل فراعنہ بھی اسی طرح تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید وضاحت فرمائی رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ آپ ایک ایسی دلیل لائے جس کو وہ سمجھ سکتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے آباء تھے اور وہ فنا ہو گئے تو کوئی نہ کوئی مغیر ہے وہ اب ہیں جب کہ پہلے نہ تھے تو ضروری ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا کوئی ہو فرعون نے استخفاف کے طریقہ پر کہا: اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ یعنی جو میں سوال کرتا ہوں وہ اس کا جواب نہیں دیتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اس قول کے ساتھ جواب دیا رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ یعنی اس کا ملک تیرے ملک کی طرح نہیں کیونکہ تو ایک ملک کا بادشاہ ہوتا ہے تو دوسرے ملک میں تیرا حکم نہیں چلتا اور وہ مرجاتا ہے جس کے مرنے کو تو پسند نہیں کرتا، جس ذات نے مجھے بھیجا ہے وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے۔ وَ مَا بَیْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام جان گئے تھے کہ اس کے سوال میں مقصود اس کی معرفت تھی جس کے بارے میں وہ سوال کر رہا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اس چیز کے ساتھ جواب دیا جو آپ کی معرفت کا طریقہ تھا۔ جب فرعون دلیل قائم کرنے سے عاجز آ گیا تو وہ بناوٹی غلبہ کی طرف لوٹ آیا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قید کرنے کی دھمکی دی۔ اور اس نے یہ نہ کہا: اس پر کیا دلیل ہے کہ اس اللہ نے تجھے بھیجا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ اعتراف ہوتا کہ وہاں اس کے علاوہ بھی اللہ ہے۔ قید خانہ میں ڈالنے کی دھمکی میں ضعف ہے جو بات روایت کی جاتی ہے کہ اس کی قید قتل سے بھی سخت تھی جب وہ کسی کو قید خانہ میں ڈالتا اسے قید خانہ سے نہ نکالتا یہاں تک کہ وہ مرجاتا وہ خوفزدہ تھا پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسا امر تھا جس کے باعث فرعون کی دھمکی آپ کو خوفزدہ نہ کرسکی۔ قَالَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر مہربانی کرتے ہوئے اور اس کے ایمان کا طمع کرتے ہوئے کہا: اَوَ لَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ جس کے ساتھ میری صداقت تجھ پر واضح ہو جائے۔ جب فرعون نے یہ سنا تو اسے طمع ہوئی وہ اس کے درمیان معاوضہ کا کوئی محل پائے۔ قَالَ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ سیبویہ کے نزدیک شرط جواب کی محتاج نہیں کیونکہ شرط سے پہلے جو کلام گزر چکی ہے وہ کافی ہے۔

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے عصا پھینکا تو وہ وہ کچھ ہوا جو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا۔ اس کی وضاحت اور شرح سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ جب فرعون نے جادوگروں کو ہاتھ پاؤں کاٹنے کی دھمکی دی تو انہوں نے کہا: لَا ضَیْرَ ہمیں دنیا کا عذاب پہنچے گا اس میں ہمارے لیے کوئی ضرر نہیں یعنی تیرا عذاب تو لحہ بھر کے لیے ہوگا ہم اس پر صبر کرلیں گے اور ہم اللہ تعالیٰ سے مومن کی حیثیت میں ملاقات کریں گے۔ یہ چیز ان کی بصیرت اور ایمانی قوت پر دال ہے۔ امام مالک نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک فرعون کو اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے اور جادوگر ایک دن میں ایمان لے آئے۔ یہ کہا جاتا ہے: لا ضیر، لا ضور، لا ضر، لا ضرر، لا ضارورة سب ایک معنی میں ہیں، یہ ہروی کا قول ہے۔ ابو عبیدہ نے یہ شعر پڑھا:

فانك لا يَضُورُكَ بعدَ حَوْلٍ أظبيٌ كان أُمُّكَ أم حِمَارُ

سال کے بعد تجھے تکلیف نہ دے گا کیا تیری ماں ہرن تھی یا گدھی۔

محل استدلال لا یضورک ہے۔

جوہری نے کہا: ضَارَهُ يَضُورُهُ، يضيره ضَيْرًا وَضُورًا یعنی اسے تکلیف پہنچائی۔ کسائی نے کہا: میں نے ایک کو کہتے ہوئے سنا لا ينفعني ذلك ولا يضورني یہ چیز نہ مجھے نفع دیتی ہے اور نہ نقصان دیتی ہے۔ تضور سے مراد مار اور بھوک کے وقت چیخنا اور دہرا ہونا ہے ضُورَةٌ سے مراد ایسا مرد ہے جو حقیر ہو اور جس کا مرتبہ کم ہو۔

اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ارادہ کیا ہے کہ ہم اپنے رب کریم کی طرف پلٹنے والے ہیں اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ، ان محل نصب میں ہے کیونکہ اصل میں یہ لان تھا۔ فراء نے ہمزہ کے نیچے کسرہ کو جائز قرار دیا ہے کہ یہ مجازات کے طریقہ پر ہو۔ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ کا معنی ہے فرعون کی جانب سے آیت کے ظاہر ہونے کے وقت۔ فراء نے کہا: ہمارے زمانے کے مومنوں میں سے پہلا۔ زجاج نے اس کا انکار کیا۔ کہا: یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ان کے ساتھ چھ لاکھ ستر ہزار لوگ ایمان لائے یہی وہ قلیل جماعت تھی جس کے بارے میں فرعون نے کہا تھا: اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾

"اور ہم نے وحی کی موسیٰ کی طرف کہ راتوں رات (یہاں سے) میرے بندوں کو لے جاؤ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ پس بھیجے فرعون نے سارے شہروں میں ہرکارے (تاکہ لوگوں کو بتائیں) یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں اور انہوں نے ہمیں سخت برافروختہ کر دیا ہے (تاہم فکر نہ کرو) ہم سب (ان کے متعلق) بہت محتاط ہیں تو ہم نے نکالا انہیں (سرسبز) باغوں اور (بہتے ہوئے) چشموں اور (بھرپور) خزانوں اور شاندار محلات

سے۔ہم نے ایسا ہی کیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا۔ پس وہ ان کے تعاقب میں نکلے اشراق کے وقت پس جب ایک دوسرے کو دیکھ لیا دونوں گروہوں نے تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے (ہائے) ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے، آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں، بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری راہنمائی فرمائے گا سو ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ ضرب لگاؤ اپنے عصا سے سمندر کو تو سمندر پھٹ گیا اور ہو گیا پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند اور ہم نے قریب کر دیا وہاں دوسرے فریق کو اور ہم نے بچا لیا (ان تند موجوں سے) موسیٰ اور ان کے سب ہمراہیوں کو پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے فریق کو، اس واقعہ میں (بڑی واضح) نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ اور بے شک (اے حبیب!) آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ جب اللہ تعالیٰ کی یہی سنت رہی ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو نجات عطا فرماتا ہے جو اس کے اولیاء میں سے تصدیق کرنے والے ہوتے ہیں اور اس کے رسولوں اور انبیاء کی تصدیق کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کافروں کو ہلاک فرماتا ہے جو اس کے دشمنوں میں سے جھٹلانے والے ہوتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو رات کے وقت نکالے۔ انہیں اپنے بندہ ہونے کا نام دیا کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ کا معنی ہے فرعون اور اس کی قوم تمہارا پیچھا کرے گی تا کہ تمہیں واپس لے جائیں۔ اس کلام کے ضمن میں ان کی تعریف ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نجات عطا فرماتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو سحری کے وقت لے کر نکلے شام کی طرف جانے والا راستہ اپنے بائیں ہاتھ رکھا اور سمندر کی طرف منہ کیا بنی اسرائیل کا کوئی شخص آپ کو راستہ چھوڑنے کا کہتا تو آپ فرماتے: اسی طرح مجھے حکم دیا گیا۔ جب فرعون نے صبح کی اور اسے علم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو رات کے وقت لے کر چلے گئے ہیں تو وہ ان کے پیچھے چلا۔ اس نے مصر کے شہروں کی طرف پیغام بھیجا کہ لشکر اس سے آملیں۔ یہ روایت بیان کی گئی کہ وہ پیچھے سے آکر ملا جب کہ اس کے ساتھ ایک لاکھ سیاہ گھوڑوں پر لشکر تھا اس کے علاوہ ہر قسم کی فوج تھی۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔ اللہ تعالیٰ صحیح جانتا ہے۔

اس آیت سے جو بات لازم آتی ہے اور جو بات قطعی طور پر کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی عظیم جمعیت کے ساتھ نکلے اور فرعون نے ان سے کئی گنا لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرعون کے ساتھ ایک ہزار جابر حکمران تھے سب کے سر پر تاج تھا اور ہر ایک گھڑ سوار لشکر کا امیر تھا (1)۔ لَشِرْذِمَةٌ سے مراد لوگوں میں سے ایک طائفہ اور شے کا قطعہ ہے۔ ثوب شراذم کپڑے کے ٹکڑے۔ ثعلبی نے راجز کے شعر کا ذکر کیا:

جاء الشتاءُ وثِيابي أَخْلاقُ　　شَراذِمٌ يَضحكُ منها النَّوَّاقُ

موسم سرما آ گیا اور میرے کپڑے بوسیدہ ٹکڑے ٹکڑے ہیں ان سے نواق ہنستا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 232

لوگوں میں نواق انہیں کہتے ہیں جو امور کا جائزہ لیتا ہے اور انہیں درست کرتا ہے، یہ صحاح میں کہا ہے۔ لَشِرْذِمَةٌ میں لام تاکید یہ ہے اکثر یہ ان کی خبر پر داخل ہوتا ہے مگر کوفی أن زیدا لسوف یقوم کو جائز نہیں سمجھتے اس کے جائز ہونے پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ یہ لام تاکید ہے جو سوف پر داخل ہوا ہے؛ یہ نحاس نے قول کیا ہے۔

وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ وہ ہمارے دشمن ہیں کیونکہ وہ ہمارے دین کے مخالف ہیں اور ہمارے وہ اموال لے کر بھاگ جانے والے ہیں جو انہوں نے ہم سے ادھار لیے تھے۔ جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے اس رات ان کے نوجوان مر گئے تھے یہ بحث سورۃ الاعراف اور سورۂ طٰہٰ میں مفصل گزر چکی ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: غاظنی کذا و أغاظنی، غیظ کا معنی غضب ہے اسی سے تغیظ اور اغتیاظ ہے بغیر اجازت کے نکل کر انہوں نے ہمیں غضب ناک کر دیا ہے (1)۔

وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ہم سب مجتمع اور مستعد ہیں، ہم نے اپنا اسلحہ لے لیا ہے۔ اسے حاذرون بھی پڑھا گیا ہے اس کا معنی بھی حَذِرُوْنَ ہے یعنی خوف زدہ ہیں۔ جوہری نے کہا: وانا لجمیع حاذرون وحذِرون وحذُرون۔ یعنی ذال کے ضمہ کے ساتھ؛ اسے اخفش نے بیان کیا ہے۔ حاذرون کا معنی ہے ہم تیاری کرنے والے ہیں۔ حذرون کا معنی ہے ڈرنے والے ہیں۔ نحاس نے کہا: حذرون مدینہ طیبہ کے قراء اور ابو عمر کی قراءت ہے اہل کوفہ کی قراءت حاذرون ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے معروف ہے حادرون دال بے نقطہ؛ یہ ابی عباد کی قراءت ہے۔ مہدوی نے یہ ابن ابی عمار سے بیان کی ہے ماوردی اور ثعلبی نے سمیط بن عجلان سے نقل کی ہے۔ نحاس نے کہا: ابو عبیدہ اس طرف گئے ہیں کہ حذرون اور حاذرون کا معنی ایک ہی ہے؛ یہ سیبویہ کا قول ہے اور اس کو جائز قرار دیا ھو حذِرٌ زیدا جس طرح کہا جاتا ہے: حاذر زیدا یہ شعر پڑھا:

حَذِرٌ أُمورًا لا تَضِيرُ و آمِنٌ مالیس مُنْجِيَهٗ من الأقدارِ

وہ ایسے امور سے ڈرنے والا ہے جو نقصان نہیں دیتے اور ایسی اقدار سے بے خوف ہے جو نجات دینے والی نہیں۔

ابو عمر جرمی نے گمان کیا کہ یہ جملہ کہنا جائز ہے: ھو حذِرٌ زیدا یہاں سے من حذف ہے اکثر نحوی حذر اور حاذر میں فرق کرتے ہیں؛ ان میں کسائی، فراء اور محمد بن زید ہے؛ وہ اس طرف گئے ہیں کہ حذر کا معنی فی خلقته الحذر ہے وہ بیدار اور متنبہ ہے جب اس طرح ہے تو وہ متعدی نہیں ہوتا۔ حاذر کا معنی مستعد ہے متقدمین سے یہی تفسیر آئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: ہم سب کے پاس اسلحہ ہے اور گھوڑے ہیں۔ یہ بھی وہی معنی ہے جو مقوون کا معنی ہے ان کے پاس اسلحہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہمارے پاس اسلحہ ہے جب کہ بنی اسرائیل کے پاس اسلحہ نہیں جو انہیں قتال پر برانگیختہ کرے جہاں تک حادرون کا تعلق ہے یہ ان کے قول عین حدرۃ سے مشتق ہے یعنی چشمہ بھرا ہوا ہے یعنی ہم ان پر غصہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ اسی معنی میں یہ قول ہے:

1۔ تفسیر بغوی

وعین لھا حَدْرۃٌ بَدْرَۃٌ شُقَّتْ مآ قِیھِمَا مِنْ اُخَرْ

اہل لغت نے حکایت بیان کی ہے کہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: رجل حادر جب وہ بھرے گوشت والا ہو یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ہو اسلحہ سے بھرا ہوا۔ مہدوی نے کہا: حادر سے مراد قوی اور شدید ہے۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ مراد مصر کا علاقہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ نیل کے دونوں کناروں پر اسوامی سے رشید تک باغات تھے اور باغات کے درمیان کھیتیاں تھیں نیل سات خلیجیں (ندیاں) تھیں، خلیج اسکندریہ، خلیج سخا، خلیج دمیاط، خلیج سردوس، خلیج منف، خلیج فیوم، خلیج المنہی (1)۔ یہ سب متصل تھیں ان میں سے کوئی دوسرے سے منقطع نہ تھیں کھتیاں سب خلیجوں کے درمیان تھیں۔ مصر کی تمام زمین سولہ ہاتھ (بلند پانی) سے سیراب ہو جاتی تھی جو انہوں نے بڑے، چھوٹے پلوں اور ندیوں کے ذریعے تدبیر کی تھی اور انہوں نے جو اندازہ لگایا تھا اسی وجہ سے جب نیل کو سولہ ہاتھ پر بند کیا جاتا تو اسے نیل سلطان کا نام دیا جاتا اور اسے ابن ابی رداد کے اندازے پر چھوڑا جاتا یہ حالت آج تک جاری ہے۔ اسے نیل سلطان کا نام اس لیے دیا کیونکہ اس وقت لوگوں پر خراج واجب ہوتا جب نیل کی سطح سترہ ہاتھ ہو جاتی تو مصر کی تمام زمین ایک انگلی بھر سطح سے سیراب ہو جاتی جب نیل کا پانی سترہ ہاتھ پر بند کیا جاتا اور اٹھارویں ہاتھ سے ایک انگلی بلند ہوتا تو خراج میں دس لاکھ دینار کا اضافہ ہو جاتا اور جب وہ اس حد سے نکلتا اور انیس ہاتھ سے بڑھ جاتا تو اس کا خراج دس لاکھ دینار کم ہو جاتا اس کی وجہ یہ ہوتی کہ وہ خراج مصالح، ندیوں، پلوں اور ان کی تعمیر میں خرچ ہو جاتا۔ جہاں تک موجودہ صورتحال کا تعلق ہے تو اکثر زمین سیراب نہیں کی جاتی یہاں تک کہ مصر کے پیمانہ کے مطابق پانی انیسویں ہاتھ کی انگلی برابر پانی بلند ہو۔ جہاں تک صعید اعلیٰ کے علاقے ہیں تو ان کی سیرابی اس وقت تک نہیں ہوتی یہاں تک کہ پانی بائیس ہاتھ نہ ہو جائے۔

میں کہتا ہوں: مصر کی زمین اس وقت سیراب ہوتی ہے جب پانی بیس ہاتھ اور کچھ انگلیاں اوپر ہو جائے، کیونکہ زمین اونچی ہو گئی ہے اور پلوں وغیرہ کی تعمیر کا اہتمام نہیں۔ یہ دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ یہ تعجب اور بڑھ جاتا ہے جب تمام علاقہ میں پانی بہتا ہے یہاں تک کہ مصر کے تمام علاقہ میں سیلاب ہوتا ہے تو شہر پہاڑ کی طرح ہوتے ہیں جن تک کشتیوں کے ذریعے ہی پہنچا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے: مصر کا نیل تمام دریاؤں کا سردار ہے اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب میں ہر دریا اس کے لیے مسخر کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے نہروں کو مسخر کر دیا ہے جب اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ مصر کے نیل کو جاری کرے تو یہ دریا کو حکم دیتا ہے کہ اس کی مدد کرے تو دریا اپنے پانیوں کے ساتھ اس کی مدد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے لیے چشموں کو کھول دیتا ہے جب وہ اس انتہا کو پہنچ جاتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر پانی کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے۔

قیس بن حجاج نے کہا: جب مصر فتح ہو گیا تو اس کے مکین حضرت عمرو بن عاص کی خدمت میں حاضر ہوئے جب قبطیوں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 232

کے مہینوں میں سے بو نہ داخل ہوا انہوں نے حضرت عمرو بن عاص سے عرض کی: اے امیر! ہمارے اس نیل کی ایک سنت ہے وہ اس کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے ان سے پوچھا: وہ سنت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: جب اس ماہ کی بارہویں رات گزر جاتی ہے تو ہم ایک دوشیزہ کا قصد کرتے ہیں ہم اس کے والدین کو راضی کرتے ہیں، ہم اسے بہترین زیورات اور بہترین کپڑے پہناتے ہیں پھر ہم اسے اس نیل میں پھینک دیتے ہیں۔ حضرت عمرو نے فرمایا: اسلام میں یہ جائز نہیں اسلام پرانے دور کی رسومات کو مٹانے والا ہے۔ وہ لوگ وہاں رہے نہ نیل زیادہ چلتا نہ کم، ان لوگوں نے جلاوطنی کا ارادہ کرلیا۔ جب حضرت عمرو بن عاص نے یہ دیکھا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا اور تمام واقعہ سے آگاہ کیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھا جو کچھ تو نے کہا ہے وہ درست ہے اسلام ماقبل کی رسومات کو ختم کرنے والا ہے اور اب یہ نہیں ہوگا اور خط کے اندر ایک رقعہ بھیجا اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو لکھا میں نے خط کے اندر ایک رقعہ بھیجا ہے جب میرا خط تم تک پہنچے تو اسے نیل میں پھینک دینا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط حضرت عمرو بن عاص کو پہنچا تو انہوں نے وہ رقعہ لیا اور اسے کھولا تو اس میں یہ تحریر تھی: اللہ کے بندے امیر المومنین عمر کی جانب سے نیل کے نام امابعد! اگر تو اپنی جانب سے چلتا ہے تو نہ چل اگر اللہ تعالیٰ تجھے چلاتا ہے تو ہم اللہ واحد قہار سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تمہیں چلائے، کہا: حضرت عمرو بن عاص نے صلیب سے ایک دن پہلے وہ رقعہ نیل میں پھینک دیا جب کہ اہل مصر نے جلاوطنی اور وہاں سے نکل جانے کی تیاری کر لی تھی کیونکہ ان کے مصالح نیل سے ہی وابستہ تھے۔ جب حضرت عمرو بن عاص نے وہ رقعہ نیل میں پھینکا صلیب کے دن ان لوگوں نے صبح کی جب کہ اللہ تعالیٰ نے ایک رات میں اسے سولہ ہاتھ بڑھا دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سال سے اہل مصر سے اس طریقہ کو ختم کردیا۔ کعب الاحبار نے کہا: چار دریا جنتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے جنہیں دنیا میں جاری فرمایا ہے سیحان، جیحان، نیل اور فرات۔ سیحان جنت میں پانی کا دریا ہے، جیحان جنت میں دودھ کا دریا ہے، نیل جنت میں شہد کا دریا ہے اور فرات جنت میں شراب کا دریا ہے۔ ابن لہیعہ نے کہا: دجلہ جنت میں دودھ کا دریا ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سیحان، جیحان، نیل اور فرات تمام جنت کی نہریں ہیں''۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔ حدیث اسراء میں حضرت انس بن مالک، مالک بن صعصعہ جو انہیں کے قوم کے افراد میں سے تھے سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے بیان کیا کہ آپ نے چار دریا دیکھے ان کی اصل سے دو ظاہر دریا نکلتے ہیں اور دو باطنی دریا نکلتے ہیں۔ میں نے عرض کی: اے جبریل! یہ دریا کون سے ہیں؟ فرمایا: جہاں تک دو باطنی دریاؤں کا تعلق ہے تو دو دریا جنت میں ہیں جہاں تک دو ظاہری دریاؤں کا تعلق ہے وہ نیل اور فرات ہیں''۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔

امام بخاری نے شریک کی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: ''پس وہ آسمان دنیا میں دو دریا ہیں جو جاری ہوتے ہیں پوچھا: اے جبریل! یہ کون سے دریا ہیں؟ عرض کی: یہ نیل اور فرات ہے، پھر آپ آسمان میں تشریف لے گئے تو آپ ایک دریا پر تھے جس پر موتیوں اور زبرجد کا محل تھا آپ نے اپنا ہاتھ مارا تو وہ مرکب کستوری تھی۔ پوچھا: اے جبرئیل! یہ

کیا ہے؟ عرض کی: یہ وہی کوثر ہے جو تیرے رب نے تیرے لیے چھپا رکھی ہے"۔ حدیث کو ذکر کیا۔ جمہور علماء کی یہ رائے ہے کہ عیون سے مراد پانی کے چشمے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد سونے کے چشمے ہیں۔ سورۂ دخان میں ہے کَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ وَّ زُرُوْعٍ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مصر کے آغاز سے لے کر آخر تک دو پہاڑوں کے درمیان کھیتی باڑی کیا کرتے تھے سورۂ دخان میں و کنوز کا لفظ نہیں کنوز یہ کنز کی جمع ہے۔ سورۂ براءۃ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ یہاں اس سے مراد خزائن ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد دفائن ہیں۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد انہار ہیں، اس سے اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ چشمے ان پر مشتمل ہوتے ہیں۔

وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور مجاہد نے کہا: مقام کریم سے مراد منبر ہے۔ ہزار منبر ہزار جابر حکمرانوں کے لیے تھے جن پر بیٹھ کر وہ فرعون اور اس کی بادشاہت کی عظمت بیان کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ مراد رؤساا اور امراء کی مجالس ہیں؛ اسے ابن عیسیٰ نے بیان کیا ہے، یہ پہلے قول کے قریب ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد اچھے مسکن ہیں۔ ابن لہیعہ نے کہا: میں نے سنا ہے کہ مقام کریم سے مراد فیوم ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی مجالس میں سے ایک مجلس پر لکھا تھا لا الہ الا اللہ ابراہیم خلیل اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے اس کا نام کریمہ رکھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد گھوڑوں کے تھان (اصطبل) ہیں کیونکہ زعماء انہیں سامان جنگ اور زینت کے طور پر باندھتے ہیں اس وجہ سے ان کا مقام سب سے معزز جگہ بن گئی؛ ماوردی نے اس کا ذکر کیا۔ اظہر یہ ہے کہ مراد اچھے مسکن ہیں جن کے سبب سے کرامت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ لغت میں مقام سے مراد موضع ہے؛ یہ مصدر ہے۔ نحاس نے کہا: لغت میں مقام سے مراد موضع ہے یہ تیرے قول قام یقوم سے ماخوذ ہے اسی طرح مقامات اس کا واحد مقام ہے جس طرح شاعر نے کہا:

وفیھم مَقَاماتٌ حِسانٌ وجوھُھم　　واَندیۃٌ ینتابُھا القولُ والفعلُ

ان میں مقامات ہیں ان کے چہرے حسین ہیں اور مجلسیں ہیں جن میں قول اور فعل باری باری ہوتا ہے۔

مقام بھی مصدر ہے یہ قام یقوم کا مصدر ہے مقام ضمہ کے ساتھ اقام سے اسم ظرف ہے اس سے مصدر بھی اسی وزن پر آتا ہے۔

كَذٰلِكَ ۚ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن جنات، عیون، کنوز اور مقام کریم کا ذکر کیا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ورثہ کے طور پر دیا ہے۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا: بنی اسرائیل فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد مصر کی طرف لوٹے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں وراثت سے مراد وہ ہے جو بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آل فرعون سے زیورات ادھار لیے تھے۔

میں کہتا ہوں: دونوں امور انہیں حاصل ہوئے، الحمد للہ۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 232　　2۔ ایضاً بمفہوم

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ فرعون اور اس کی قوم نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔ سدی نے کہا: جب سورج روشن ہوا۔ قتادہ نے کہا: جب زمین روشنی سے روشن ہوگئی۔ زجاج نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے شرقت الشمس جب وہ طلوع ہوا اشرقت جب وہ روشن ہوجائے۔ فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا پیچھا کرنے میں کوئی دیری کی اس میں دو قول ہیں (۱) اس رات جوان کے نوجوان فوت ہوئے ان کو دفن کرنے میں مشغول ہوگئے تھے کیونکہ اس رات ان میں وبا پھیلی تھی۔ مُّشْرِقِيْنَ یہ قوم فرعون سے حال ہے (۲) بادل اور تاریکی ان پر سایہ فگن ہوگئی تھی انہوں نے کہا: ابھی رات ہے تاریکی ان سے نہ چھٹی یہاں تک کہ انہوں نے صبح کی۔ ابوعبیدہ نے کہا: فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ کا معنی ہے مشرق کی جانب ان کا پیچھا کیا۔ حضرت حسن بصری اور عمرو بن میمون نے کہا: فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشَرِّقِيْنَ تشدید اور الف فاصل کے ساتھ، یعنی مشرق کی جانب، یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے شرق و غرب۔ جب وہ مشرق اور مغرب کی طرف چلے۔ کلام کا یہ معنی ہوگا ہم نے مقدر کیا کہ بنی اسرائیل ان کے وارث بنیں تو قوم فرعون نے بنی اسرائیل کا مشرق کی جانب پیچھا کیا تو وہ سب ہلاک ہوگئے اور بنی اسرائیل ان کے ملکوں کے وارث بن گئے۔

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ دونوں جمعیتیں بالمقابل ہوئیں یہ فریق اپنے ساتھی کو دیکھ رہا تھا۔ یہ رویۃ سے تفاعل کا وزن ہے قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ دشمن ہمارے قریب آ گیا ہے اور اس کا مقابلہ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ جماعت کی قرأت لَمُدْرَكُوْنَ ہے یہ ادرک سے مشتق ہے، اسی سے حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ (یونس: 90) ہے۔ عبید بن عمر، اعرج اور زہری نے کہا: المدرکون دال مشدد ہے یہ ادرک سے مشتق ہے۔ فراء نے کہا: حفر اور احتفر ایک ہی معنی میں ہیں اسی طرح مدرَکون اور مدرّکون ایک معنی میں ہیں۔ نحاس نے کہا: نحوی جو حذاق ہیں کہتے ہیں وہ اس طرح نہیں ہے۔ مدرَکون کہتے ہیں جن کو پیچھے سے آ کر ملا جائے۔ مدرّکون جن کو ملنے کی کوشش کی جائے، جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے کسبتُ یہ أصبتُ اور ظفرتُ کے معنی میں ہے اکتسبت یہ اجتہدت اور طلعت کے معنی میں ہے، یہ سیبویہ کے قول کا معنی ہے۔

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جمعیت کو جاملا اور ان کے قریب ہوگیا بنی اسرائیل نے مضبوط دشمن اور اپنے سامنے سمندر دیکھا تو ان کے گمانات خراب ہوگئے۔ انہوں نے توبیخ اور جفا کے انداز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے قول کو رد کر دیا، انہیں جھڑکا اور اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور کامیابی کا جو وعدہ کیا تھا وہ انہیں یاد دلایا۔ كَلَّا یعنی وہ تمہیں نہیں پکڑ سکتے۔ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ دشمن کے خلاف مدد کرنے میں میرا رب میرے ساتھ ہے۔ سَيَهْدِيْنِ وہ نجات کے راستہ کی طرف میری رہنمائی فرمائے گا۔ جب بنی اسرائیل پر آزمائش عظیم ہوگئی اور انہوں نے ایسے لشکر دیکھے جن کا مقابلہ کرنے کی ان میں طاقت نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ سمندر پر اپنا عصا مارے اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ متصل ہو اور جو فعل حضرت موسیٰ علیہ السلام کریں اس کے ساتھ متعلق ہو ورنہ عصا کا مارنا سمندر کو پھاڑنے والا نہیں اور نہ ہی بالذات اس میں مددگار ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختراع اس کے ساتھ ملی۔ سمندر کا یہ قصہ سورۂ بقرہ میں

گزر چکا ہے۔ جب سمندر پھٹا تو بنی اسرائیل کے قبائل کے برابر اس میں بارہ راستے بن گئے اور پانی بڑے بڑے پہاڑوں کی شکل میں رک گیا۔ طود سے مراد پہاڑ ہے۔ اسی معنی میں امرء القیس کا قول ہے۔

فبینا المرء فی الاحیاء طود   رَماهُ الناس عن كَثَبٍ فمالا

آدمی قبائل میں پہاڑ تھا۔ اسود بن یعفر نے کہا:

حَلّوا بأنقرةٍ يَسيلُ عليهم   ماءُ الفُراتِ يجئ من أطْوادِ

وہ انقرہ میں اترے ان پر فرات کا پانی بہتا جو پہاڑوں سے آتا۔

الطواد یہ طود کی جمع ہے جس کا معنی پہاڑ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کے لیے سمندر میں خشک راستہ بن گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نکل گئے اور فرعون کے ساتھی سارے کے سارے اس میں داخل ہو گئے جس طرح سورۂ یونس میں گزرا ہے تو پانی رواں ہو گیا اور فرعون غرق ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک ساتھی نے کہا: فرعون جونہی غرق ہوا تو اس کو سمندر کے کنارے پھینک دیا گیا یہاں تک کہ انہوں نے اسے دیکھا۔

ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے تاجروں میں سے دو آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساحل سمندر کی طرف نکلے جب وہ سمندر تک پہنچے دونوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے تجھے کیسے حکم دیا؟ فرمایا: مجھے حکم دیا گیا کہ میں سمندر پر اپنا عصا ماروں تو وہ پھٹ جائے گا۔ دونوں نے عرض کی۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے جو حکم دیا اس طرح کیجئے اللہ تعالیٰ تجھ سے وعدہ خلافی نہیں فرمائے گا۔ پھر ان دونوں نے تصدیق کی خاطر اپنے آپ کو سمندر میں پھینک دیا سمندر اسی طرح رہا یہاں تک کہ فرعون اور اس کے ساتھی اس میں داخل ہو گئے، پھر وہ سمندر اسی طرح ہو گیا جس طرح وہ تھا سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے، یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا۔ شاعر نے کہا:

وكلُّ يوم مَضَى أو ليلةٍ سلَفَتْ   فيها النفوسُ إلى الآجال تَزْدَلِفُ

ہر دن یا رات جو گزر گئے ہیں ان میں نفوس اپنی آجال تک جمع ہوتے رہیں گے۔

ابو عبیدہ نے کہا ازلفنا ہم کو جمع کیا۔ اسی وجہ سے مزدلفہ کی رات کو لیلۃ جمع کہتے ہیں۔ ابو عبداللہ بن حرث، ابی بن کعب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قراءت کی وازْلَقْنَا یعنی یہ قاف کے ساتھ ہے معنی ہے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا (1)۔ اسی سے یہ جملے بولے جاتے ہیں أزلقت الناقة، أزلقت الفرس فهي مزلق۔ جب وہ اپنے بچے کو پھینک دے۔ وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ، آخرین سے مراد فرعون اور اس کی قوم ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر علامت ہے۔

وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ کیونکہ قوم فرعون میں سے آل فرعون کے مومن کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا تھا اس کا نام حزقیل تھا اس کی بیٹی حضرت آسیہ تھی جو فرعون کی بیوی تھی اور اس کی بیٹی مریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کی وہ بوڑھی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 233

عورت تھی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر پر آگاہ کیا تھا اس کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو چاند ان پر تاریک ہو گیا۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا: یہ کیا ہوا؟ ان کے علماء نے بتایا: جب حضرت یوسف علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو آپ نے ہم سے پختہ وعدہ لیا کہ ہم مصر سے نہ نکلیں یہاں تک کہ ہم آپ کی ہڈیاں یہاں سے اپنے ساتھ منتقل کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے کون ان کی قبر کو جانتا ہے؟ بتایا بنی اسرائیل کی ایک بوڑھی کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا۔ آپ نے اس کی طرف پیغام بھیجا فرمایا: مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے بارے میں بتاؤ۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں ایسا نہ کروں گی یہاں تک کہ تو میری بات مانے۔ فرمایا: تیرا حکم و بات کیا ہے؟ اس نے عرض کی: میرا فیصلہ یہ ہے کہ میں جنت میں تیرے ساتھ رہوں۔ یہ امر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ناگوار ہوا۔ آپ سے عرض کی گئی: اس کے فیصلہ کو مان لو۔ اس بوڑھی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر پر ان کی راہنمائی کر دی لوگوں نے اس کی قبر کو کھودا، اس کی ہڈیاں نکالیں جب ان ہڈیوں کو اٹھا لیا تو راستہ یوں ہو گیا جس طرح روشن دن ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کی کہ اس کو وعدہ دے دیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کر لیا وہ عورت بنی اسرائیل کو بحیرہ پر لے آئے۔ اس عورت نے لوگوں کو کہا: یہ پانی خشک کرو، انہوں نے پانی خشک کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں نکال لیں، تو ان کے لیے راستہ دن کی طرح روشن ہو گیا۔ یہ بحث سورۂ یوسف میں گزر چکی ہے۔ ابو بردہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعرابی کے پاس فروکش ہوئے اس نے آپ کی تکریم کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کوئی خدمت؟" اس نے عرض کی: ایک اونٹنی جس پر میں سواری کروں اور ایک بکری جسے میں دوہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تو بنی اسرائیل کی بوڑھی کی مثل ہونے سے کیوں عاجز آ گیا؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کی: بنی اسرائیل کی بوڑھیا کا کیا معاملہ ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بوڑھی عورت کا ذکر کیا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پختہ وعدہ لیا کہ جنت میں وہ ان کے ساتھ ہو گی (1)۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾

"آپ بیان فرمائیے ان کے سامنے ابراہیم کا قصہ جب آپ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی پرستش کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم تو پوجتے ہیں بتوں کو اور ہم انہی کی پوجا میں ہر وقت منہمک رہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا (بھلا یہ تو بتاؤ) کیا وہ سنتے ہیں تمہاری آواز جب تم انہیں پکارتے ہو یا وہ تمہیں (کچھ) نفع پہنچا سکتے

1۔ المستدرک للحاکم، جلد 2، صفحہ 439، دار الکتب العلمیہ

ہیں یا ضرر پہنچا سکتے ہیں؟ انہوں نے (لاجواب ہو کر) کہا: بلکہ ہم نے تو پایا اپنے باپوں کو کہ وہ یونہی کیا کرتے تھے آپ نے فرمایا: کیا تم نے دیکھ لیا ان (کی بے بسی) کو جن کی تم پرستش کیا کرتے ہو تم اور تمہارے گزشتہ آباء واجداد پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے''۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ مشرکوں کو ان کی انتہائی جہالت پر آگاہ کیا کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعتقاد و دین سے اعراض کرنے والے تھے جب کہ وہ ان کے جد اعلیٰ تھے۔ نَبَاَ کا معنی خبر ہے یعنی اے محمد! ان پر اس کی خبر، اس کی گفتگو اور قوم جن کی عبادت کرتی تھی اس پر عیب لگانے کو بیان کر دیجئے۔ یہ اس لیے فرمایا تا کہ ان پر حجت لازم کر دی جائے۔ جمہور قراء دوسرے ہمزے میں تخفیف کرتے ہیں، یہ بہترین توجیہ ہے، کیونکہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک کلمہ میں دوسرے ہمزہ میں تخفیف کرتے ہیں جس طرح آدم۔ اگر تو چاہے تو دونوں کو ثابت رکھ اور تو کہے نَبَأَ اِبْ‌اٰهِيْمَ اگر تو چاہے تو دونوں میں تخفیف کرلے تو کہہ لے نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ، اگر چاہے تو پہلے میں تخفیف کرلے۔ وہاں پانچویں توجیہ بھی ہے مگر یہ عربی میں بعید ہے کہ ہمزہ کو ہمزہ میں مدغم کر دیا جائے جس طرح جو آدمی سر بیچتا ہے اسے رأاس کہتے ہیں۔ یہ تعبیر بعید ہے کیونکہ تو دو ہمزوں کو جمع کر رہا ہے گویا وہ ایک کلمہ میں ہیں، فعال کے وزن میں یہ اچھا ہے کیونکہ وہ مدغم میں آتا ہے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ یعنی تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا ان کے بت سونے، چاندی، پیتل، لوہے اور لکڑی کے ہوتے تھے۔

فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ہم ان کی عبادت پر قائم رہیں گے مراد وقت معین نہیں بلکہ جس کام میں وہ مصروف تھے اس کی خبر دی جا رہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دن کو عبادت کرتے تھے رات کو عبادت نہیں کرتے تھے۔ وہ رات کے وقت ستاروں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ظل يفعل كذا۔ جب وہ دن کو کام کرے۔ بات يفعل كذا۔ جب رات کو کوئی عمل کرے۔ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اخفش نے کہا: اس میں حذف ہے معنی ہے کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں؟ یا کیا وہ تمہاری دعا سنتے ہیں؟ یعنی تقدیر کلام یہ ہے هل يسمعون دعاء كم۔ شاعر نے کہا:

القائد الخَيْلَ مَنْكُوبًا دَوابِرُهَا قد أُحْكِمَتْ حَكَمَاتِ القِدِّ والأَبَقَا

کہا أَبَق سے مراد کتان (السی کا پودا) ہے یہاں حذف ہے اصل ہے أحكمت حكمات الأبق۔ صحاح میں ہے ابق جب حرکت کے ساتھ ہو تو اس سے مراد قِنّب (ایک درخت جس کی چھال سے رسی بنائی جاتی ہے)۔ قتادہ سے مروی ہے انہوں نے قراءت کی هَلْ يُسْمِعُوْنَكُمْ یاء پر ضمہ ہے یعنی کیا وہ تمہیں اپنی آوازیں سناتے ہیں؟

اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ کیا یہ بت تمہیں نفع پہنچاتے ہیں اور تمہیں رزق دیتے ہیں یا اگر تم نافرمانی کرو تو تمہارے لیے خیر اور شر کے مالک ہیں؟ یہ استفہام حجت ثابت کرنے کے لیے ہے جب وہ تمہیں نفع اور نقصان نہیں دے سکتے تو پھر تمہارا ان کی عبادت کا کیا مقصد ہے؟

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ وہ حجت اور دلیل کے بغیر تقلید کی طرف پھر گئے؛ اس کے بارے میں گفتگو

پہلے گزر چکی ہے۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ۔ قَالَ میں ضمیر سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں مَّا سے مراد یہ بت ہیں۔ الْاَقْدَمُوْنَ سے مراد پہلے ہیں۔ عدو واحد کا صیغہ ہے جماعت کا معنی دیتا ہے اسی طرح عورت کے لیے کہا جاتا ہے: ھی عدو اللہ و عدوۃ اللہ۔ فراء نے دونوں کا ذکر کیا ہے۔ علی بن سلیمان نے کہا: جس نے عدوۃ اللہ کہا اور ھاء کو ثابت رکھا تو اس نے کہا یہ معادیۃ کے معنی میں ہے۔ جس نے مونث اور جمع کے لیے عدو کا لفظ ذکر کیا اس نے اسے نسبت کے معنی میں لیا اور جماد کی صفت عداوت سے لگائی معنی ہوگا اگر میں نے ان کی عبادت کی تو یہ قیامت کے روز میرے دشمن ہوں گے، جس طرح فرمایا: كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ (مریم) فراء نے کہا: یہ مقلوب میں سے ہے اس کا معنی ہوگا میں ان کا دشمن ہوں کیونکہ تو جس سے دشمنی کرے وہ تجھ سے دشمنی کرے گا۔ پھر فرمایا: اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ کلبی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے الا من عند رب العالمین، إلا عابد رب العالمین مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: نحویوں نے کہا یہ اوّل سے مستثنیٰ نہیں۔ ابو اسحاق نے اجازت دی کہ یہ اوّل کلام سے مستثنیٰ ہو اس معنی پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور اس کے ساتھ بتوں کی عبادت کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جس کی وہ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے مبرا ہے۔ فراء نے اس کی تاویل صرف اصنام سے کی ہے اس کے نزدیک معنی ہے اگر میں ان کی عبادت کروں تو قیامت کے روز وہ میرے دشمن ہوں گے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ جرجانی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے أفرایتم ما کنتم تعبدون أنتم و آباء کم الأقدمون إلا رب العالمین فإنهم عدو لی۔ اور یہ سوی اور دون کے معنی میں ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى (الدخان: 56) یہاں بھی اِلَّا، دون کے معنی میں ہے۔

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ۙ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ۙ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾۪ۙ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ۙ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾

"جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر (ہر قدم پر) وہ میری رہنمائی کرتا ہے اور وہ جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے صحت بخشتا ہے اور وہ جو مجھے مارے گا پھر مجھے زندہ کرے گا اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے گا میرے لیے میری خطا روز جزا کو"۔

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ یعنی دین کی طرف میری رہنمائی کرتا ہے۔ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ یعنی وہ مجھے رزق دیتا ہے هُوَ ضمیر کا دخول اس امر پر تنبیہ ہے کہ اس کے سوا نہ کوئی کھلاتا ہے اور نہ پلاتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: زید ھو الذی فعل کذا یعنی زید کے علاوہ کسی نے ایسا عمل نہیں کیا۔ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ حضرت ابراہیم نے مَرِضْتُ ادب کی رعایت کرتے ہوئے کہا ورنہ مرض اور شفا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اس کی مثل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم کا قول ہے

وَ مَاۤ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ (الكهف: 63)

وَ الَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ احیاء سے مراد بعث ہے وہ موت کو اسباب کی طرف منسوب کرتے اللہ تعالیٰ نے اس امر کو واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی موت اور زندگی عطا کرتی ہے۔ سب (يهدين اور يشفين) یاء متکلم کے بغیر ہیں کیونکہ آیات کے سروں کا حذف اچھا ہے تا کہ سب متفق ہو جائیں۔ ابن ابی اسحاق نے اپنی جلالت اور لغت عربی میں اپنے مقام کے اعتبار سے سب میں یاء متکلم پڑھی ہے کیونکہ یاء اسم ہے نون علت کی وجہ سے داخل ہوئی۔ اگر یہ سوال کیا جائے یہ تو تمام مخلوق کی صفت ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے کیسے ہدایت پر دلیل بنایا ہے اور کسی غیر نے اس سے ہدایت نہ پائی؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے ذکر کیا تا کہ طاعت کے وجوب پر استدلال کریں کیونکہ جو انعام کرے ضروری ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے تا کہ اس نے جس چیز کو خود پر لازم کیا ہے وہ بھی اس پر لازم ہو جائے۔ یہ صحیح الزامی دلیل ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض اہل اشارات نے پوشیدہ معانی مراد لیے ہیں، جو ہم نے معانی ذکر کیے ہیں ان سے عدول کیا ہے بداہت عقل جس کا انکار کرتی ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد ہے۔ کہا: وَ الَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ وہ مجھے ایمان کی لذت چکھاتا ہے اور قبول کی حلاوت پلاتا ہے ان کے نزدیک وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ میں دو وجوہ ہیں (۱) جب میں اس کی مخالفت کے ساتھ مریض ہوتا ہوں تو وہ اپنی رحمت کے ساتھ مجھے شفا دیتا ہے (۲) جب میں مخلوق کی تختی کے ساتھ مریض ہوتا ہوں تو مشاہدہ حق کے ساتھ مجھے شفا عطا کرتا ہے۔ امام جعفر بن محمد صادق نے کہا: جب میں گناہوں کے ساتھ مریض ہوتا ہوں تو وہ توبہ کے ساتھ مجھے شفا عطا کرتا ہے (1)۔ انہوں نے وَ الَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ کی تین وجوہ بیان کی ہیں۔ (۱) جو معاصی کے ساتھ موت عطا کرتا ہے طاعات کے ساتھ مجھے زندہ کرتا ہے (۲) خوف کے ساتھ مجھے موت عطا کرتا ہے رجا کے ساتھ مجھے زندہ کرتا ہے (۳) طمع کے ساتھ مجھے موت عطا کرتا ہے اور قناعت کے ساتھ مجھے زندہ کرتا ہے۔ (۴) وہ عدل کے ساتھ موت عطا کرتا ہے اور فضل کے ساتھ مجھے زندہ کرتا ہے (۵) فراق کے ساتھ مجھے موت عطا کرتا ہے اور ملاقات کے ساتھ مجھے زندہ کرتا ہے (۶) جہالت کے ساتھ مجھے موت عطا کرتا ہے اور عقل عطا فرما کر زندہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں جو آیت کی مراد نہیں۔ یہ مخفی تاویلات اور باطنی امور اس آدمی کے لیے ہیں جو حاذق ہو اور حق کو پہچانتا ہو، جو حق سے اندھا ہو اور حق کو نہ پہچانتا ہو تو اس کے لیے امور باطنہ کی طرف کیسے اشارہ کیا جا سکتا ہے اور ظاہر امور کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟ یہ محال ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ الَّذِيْۤ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ، اَطْمَعُ کا معنی ہے میں امید کرتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آپ کے حق میں یقین کے معنی میں ہے اور آپ کے علاوہ تمام مومنوں کے حق میں رجا کے معنی میں ہے۔ حضرت حسن بصری اور ابن ابی اسحاق نے خطایای قراءت کی ہے کہا: یہ ایک خطا نہیں۔ نحاس نے کہا: خطیئة کلام عرب میں خطایا میں معروف ہے۔ علماء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ (الملک: 11) میں واحد پر اتفاق کیا ہے اس کا معنی ذنوب ہے۔ اسی طرح وَ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 235

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (البقرہ:43) اس کا معنی الصلوات ہے اسی طرح خطیئتی ہے یہ خطایا کے معنی میں ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مجاہد نے کہا: خطیئۃ سے آپ کا یہ قول ہے بَلْ فَعَلَهٗ ۗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا (الانبیاء:63) اور ان کا قول: اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصافات) اور ان کا قول: سارہ ان کی بہن ہے۔ حضرت حسن بصری نے اس کا اضافہ کیا ہے کہ ان کا قول جو ستاروں کے بارے میں ہے ھذا ربی یہ میرا رب ہے، اس کی مفصل وضاحت گزر چکی ہے۔ زجاج نے کہا: انبیاء بشر ہیں یہ جائز ہے کہ ان سے خطا واقع ہو ہاں کبیرہ گناہ جائز نہیں کیونکہ وہ کبیرہ گناہ سے معصوم ہیں۔ یَوْمَ الدِّیْنِ، یوم جزا؛ جہاں بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے اظہار عبودیت ہے اگرچہ آپ کو علم تھا کہ آپ بخشے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ابن جدعان دور جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتا کیا یہ امر اس کے لیے نافع ہوگا؟ فرمایا: "اسے نفع نہ دے گا کیونکہ اس نے اس وقت نہیں کہا تھا رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین اے میرے رب قیامت کے روز میرے گناہ بخش دینا" (1)۔

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَ اجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾ وَ اغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾

"اے میرے رب! عطا فرما مجھے علم و عمل (میں کمال) اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ اور بنا دے میرے لیے سچی ناموری آئندہ آنے والوں میں اور بنا دے مجھے ان لوگوں سے جو نعمت والی جنت کے وارث ہیں اور بخش دے میرے باپ کو وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے اور نہ شرمسار کرنا مجھے جس روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم"۔

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ حکم سے مراد تیری، تیری حدود اور تیرے احکام کی معرفت ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا۔ مقاتل نے کہا: مراد فہم اور علم ہے؛ یہ بھی پہلی تعبیر کی طرف راجع ہے۔ کلبی نے کہا: مراد نبوت اور مخلوق کی طرف رسالت ہے۔ وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ مجھ سے قبل جو انبیاء ہو گزرے ہیں درجہ میں ان کے ساتھ لاحق کر دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بِالصّٰلِحِیْنَ سے مراد اہل جنت ہیں یہ هَبْ لِیْ حُكْمًا کی تاکید ہے۔

وَ اجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد تمام امتوں کا اس پر مجتمع ہونا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد اچھی تعریف ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد ثناء، ہمیشہ کے لیے اچھا مقام و مرتبہ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول کیا۔ ہر امت آپ سے تمسک کرتی ہے اور

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی الکفر لا ینفعہ عمل، جلد 1، صفحہ 115، قدیمی کتب خانہ

آپ کی عظمت بیان کرتی ہے وہ اسی دین حنیف پر تھے جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے۔ مکی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کا معنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال کرنا ہے کہ آپ کی اولاد میں آخر زمانہ میں وہ افراد ہوں جو حق کو قائم کریں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں آپ کی دعا قبول کی گئی (1)۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ اچھا معنی ہے مگر آیت کا لفظ یہ معنی عطا نہیں کرتا مگر اس صورت میں کہ لفظ پر اپنی مرضی سے حکم لگایا جائے۔ قشیری نے کہا: مراد قیامت تک اچھی دعا ہے کیونکہ ثواب کی زیادتی ہر ایک کے حق میں مطلوب ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا کیونکہ کوئی فرد بھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پیش کرتا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی درود پڑھتا ہے، خصوصا نمازوں میں درود پڑھتا ہے اور منبروں پر بیٹھ کر بھی درود پڑھا جاتا ہے جو تمام حالات سے افضل اور تمام درجات سے افضل ہے۔ صلاۃ سے مراد رحمت کی دعا ہے لسان سے مراد قول ہے اس کا اصل معنی زبان ہے۔ قتبی نے کہا: لسان کا لفظ قول کی جگہ استعارہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ بعض اوقات عرب اس لفظ کو کلمہ کی جگہ کنایہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اعشی نے کہا:

إِنِّي أَتَتْنِي لِسَانٌ لَا أُسَرُّ بِهَا مِنْ عَلْوُ لَا عَجَبٌ وَلَا سَخَرُ

جوہری نے کہا: علو کا لفظ واؤ کے ضمہ، فتحہ اور کسرہ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے یعنی مجھے اوپر سے خبر پہنچی جس سے میں خوش نہیں ہوتا نہ تعجب ہے اور نہ ہی مذاق ہے۔ أتتنی میں تانیث کلمہ کی وجہ سے ہے۔ اس تک اس کے بھائی منتشر کے قتل کی خبر پہنچی تھی۔ اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک انسان اس کو پسند کرے کہ صالح کی حیثیت سے اس کی تعریف کی جائے اور صالحین کے عمل میں اس کو دیکھا جائے؛ جب وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ (سورہ طٰہٰ: 39) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ (مریم) یعنی اپنے بندوں کے دلوں میں محبت اور اچھی تعریف ڈال دے پھر اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کے ساتھ اس پر متنبہ فرمایا: وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ کہ جو چیز ذکر جمیل کا وارث بنائے اس کو حاصل کرنا مستحب ہے۔ لیث بن سلیمان نے کہا: اس سے مراد دوسری زندگی ہے۔ یہ کہا گیا:

قد مات قومٌ وهُم في الناس أحياءُ

لوگ مر گئے جب کہ وہ لوگوں میں زندہ ہیں۔

ابن عربی نے کہا: زید کے شیوخ میں سے محققین نے کہا: اس سے ایسے عمل صالح پر ترغیب ہے جو اچھی تعریف کا باعث ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب انسان فوت ہوتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عمل منقطع نہیں ہوتے (2)"

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 235

2۔ صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ، جلد 2، صفحہ 41، قدیمی کتب خانہ

ایک روایت میں ہے اسی طرح درخت لگانا اور کھیتی کاشت کرنا ہے اسی طرح وہ شخص جو سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے فوت ہو جائے تو اس کا عمل قیامت تک لکھا جاتا رہتا ہے؛ ہم نے اس کی وضاحت سورۂ رعد کے آخر میں بیان کی ہے۔ الحمدللہ

وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ جنت اور جو جنت کا وارث بنے اس کی دعا ہے، یہ ارشاد ان بعض لوگوں کا رد کرتا ہے جو یہ کہتا ہے: میں جنت کا سوال کرتا ہوں اور نہ جہنم سے بچنے کا سوال کرتا ہوں۔

وَ اغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ان کے باپ نے ظاہر میں وعدہ کیا تھا کہ وہ ایمان لے آئے گا تو آپ نے اس کے حق میں مغفرت کی التجا کی جب یہ واضح ہو گیا کہ اس نے جو کہا اس کو پورا نہ کیا تو اس سے براءت کر لی۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے الضَّآلِّیْنَ سے مراد مشرک ہے اور كَانَ زائدہ وَ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ یعنی لوگوں کے سامنے مجھے رسوا نہ کرنا یا مجھے قیامت کے روز عذاب نہ دینا۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام باپ کو قیامت کے روز دیکھیں گے جب کہ ان پر غبار ہوگا'' غبرہ ہی قترہ ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے ملیں گے وہ عرض کریں گے: اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا کہ تو مجھے قیامت کے روز غمگین نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے(1)''۔ امام بخاری ان دونوں روایات کو روایت کرنے میں منفرد ہیں۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ یوم، پہلے یوم سے بدل ہے یعنی جس روز مال اور بیٹے کسی کو کوئی نفع نہ دیں گے۔ یہاں بَنُوْنَ سے مراد مددگار ہیں کیونکہ جب بیٹا نفع نہیں دیتا تو اور کب نفع دے گا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بیٹوں کا ذکر کیا کیونکہ حضرت ابراہیم کے والد کا ذکر گزر چکا ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے کچھ نفع نہ دیں گے۔

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ یہ الکافرین سے مستثنیٰ ہے یعنی اس کا مال اور اس کے بیٹے اسے نفع نہ دیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ غیر جنس سے استثناء ہے۔ معنی ہوگا لیکن جو قلب سلیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آیا تو اسے نفع دے گا۔ قلب کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ جس کا دل سلیم ہو تو اس کے اعضاء بھی سلیم ہو جاتے ہیں اور جب وہ فاسد ہو جائے تو باقی اعضاء بھی فاسد ہو جاتے ہیں؛ سورۂ بقرہ کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ قلب سلیم کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ شک اور شرک سے پاک ہے جہاں تک گناہوں کا تعلق ہے کوئی بھی ان سے محفوظ نہیں؛ یہ قتادہ، ابن زید اور اکثر مفسرین کی رائے ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا: قلب سلیم سے مراد صحیح ہے یہ مومن کا دل ہے کیونکہ کافر اور منافق کا دل مریض ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (البقرہ:10) ابو عثمان نیسا پوری نے کہا: اس سے مراد وہ دل ہے جو بدعت سے خالی ہو اور سنت پر مطمئن ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ مال اور بیٹوں کی آفت سے محفوظ ہو۔ جنید نے کہا: لغت میں سلیم اسے کہتے ہیں جسے کسی چیز نے ڈسا ہو(2)۔ اس کا معنی ہے وہ ایسا دل ہے جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈسے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا، جلد 1، صفحہ 473، وزارت تعلیم

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 235

ہوئے انسان کی طرح ہے۔ ضحاک نے کہا: سلیم سے مراد خالص ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول اپنے عموم کی وجہ سے مختلف اقوال کو جامع ہے یہ اچھا قول ہے یعنی یہ دل اوصاف ذمیمہ سے پاک اور اوصاف جمیلہ سے متصف ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ عروہ سے مروی ہے فرمایا: اے میرے بیٹو! لعنت کرنے والے نہ بنو کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی بھی لعنت نہ کی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (صافات)

محمد بن سیرین نے کہا: قلب سلیم یہ ہے کہ وہ یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور قیامت قائم ہونے والی ہے اور قبروں میں جو بھی ہیں سب کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں اقوام داخل ہوں گی ان کے دل پرندوں کے دلوں کی طرح ہوں گے (1)'' اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یہ ارادہ کیا: وہ ہر گناہ سے خالی ہوں گے یا ہر عیب سے محفوظ ہوں گے، دنیا کے امور کی انہیں کچھ خبر نہ ہوگی، جس طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے: ''اکثر جنتی بلہ ہوں گے'' یہ حدیث صحیح ہے، جو معاصی سے پاک ہوں گے۔ ازہری نے کہا: یہاں بلہ سے مراد وہ ہے جس کو بھلائی پر پیدا کیا گیا وہ شر سے غافل ہو وہ شر کو پہچانتا ہی نہیں۔ قتبی نے کہا: البلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر سینوں کی سلامتی غالب ہو اور انہیں لوگوں کا حسن ظن حاصل ہو۔

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۹۰﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ۙ﴿۹۱﴾ وَ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ؕ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَ الْغَاوٗنَ ۙ﴿۹۴﴾ وَ جُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ؕ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَ هُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ۙ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۙ﴿۱۰۰﴾ وَ لَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

''اور قریب کردی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے لیے اور ظاہر کردی جائے گی دوزخ بہکنے والوں کے لیے اور کہا جائے گا انہیں کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم پوجا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کیا وہ تمہاری (کچھ) مدد کر سکتے ہیں یا انتقام لے سکتے ہیں پس اوندھے پھینک دیئے جائیں گے اس میں وہ اور دوسرے گمراہ اور ابلیس کی ساری فوجیں، وہ کہیں گے اس حال میں کہ وہ دوزخ میں باہم جھگڑ رہے ہوں گے خدا کی قسم! ہم کھلی گمراہی میں گرفتار تھے جب ہم تمہیں رب العالمین کے برابر بنائے ہوئے تھے اور نہیں گمراہ کیا ہمیں مگر (ان نامی) مجرموں نے تو

1۔ صحیح مسلم، باب فی صفة الجنة، جلد 2، صفحہ 380

(آج) نہیں ہے ہمارا کوئی سفارشی اور نہ کوئی غمخوار دوست پس اگر ہمارے اختیار میں ہوتا (دنیا میں) واپس جانا تو ہم اہل ایمان سے ہوتے بے شک اس واقعہ میں (عبرت) کی نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور (اے حبیب!) بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ یعنی جنت قریب کردی گئی تا کہ وہ اس میں داخل ہوں۔ زجاج نے کہا: ان کا اس میں داخل ہونا قریب ہو گیا۔ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ اور جہنم ظاہر کردی گئی لِلْغٰوِيْنَ ان کافروں کے لیے ہے جو ہدایت سے گمراہ ہوئے، یعنی جہنم جہنمیوں کے لیے ان کے داخل ہونے سے پہلے ظاہر کردی جائے گی یہاں تک کہ وہ خوف اور حزن محسوس کریں گے جس طرح جنتی خوشی محسوس کریں گے کیونکہ انہیں علم ہوگا کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

وَ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مراد بت اور شریک ہیں۔ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ کیا وہ الله تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے تمہاری مدد کریں گے۔ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ یا اپنے لیے انتقام لے سکتے ہیں، یہ سب توبیخ کے طریقہ پر ہے۔ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا انہیں جہنم میں ان کے سروں کے بل گرا دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے بعض کو بعض پر پھینک دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں جمع کیا جائے گا۔ یہ کبکبہ سے ماخوذ ہے جس سے مراد جماعت ہے؛ یہ ہروی کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: یہ کواکب الشیء سے مشتق ہے جس کا معنی اس کا بڑا حصہ ہے۔ گھوڑوں کی جماعت کو کوکب اور کبکبہ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں جمع کیا گیا اور جہنم میں پھینک دیا گیا۔ مجاہد نے کہا: انہیں گڑھے میں پھینکا گیا۔ مقاتل نے کہا: انہیں پھینکا گیا۔ معنی ایک ہی ہے تو کہتا ہے: دھورث الشیء جب تو اسے جمع کرے پھر اسے گڑھے میں پھینک دے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھوید ھور اللقم وہ لقمے کو گھماتا ہے یہ صورت اس وقت ہوتی ہے جب وہ لقمے کو بڑا کرے۔ دعا میں یہ جملہ بولا جاتا ہے: کتب الله عدو المسلمین، اکبہ نہیں کہا جاتا کبکبہ یعنی اسے منہ کے بل گرایا اور اسے الٹ دیا۔ اسی معنی میں الله تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا اصل کببوا تھا درمیانی با کو ثقل کی وجہ سے کاف میں بدل دیا کیونکہ تین با جمع ہو گئے تھے۔ سدی نے کہا: کبکبوا میں ضمیر مشرکین عرب کے لیے ہے: وَ الْغَاوٗنَ مراد معبود ہیں۔ وَ جُنُوْدُ اِبْلِيْسَ جو اس کی ذریت میں سے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے اسے بتوں کی عبادت کی دعوت دی تو اس نے اس کی پیروی کی۔ قتادہ، کلبی اور مقاتل نے کہا: الْغَاوٗنَ سے مراد شیاطین ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آگ میں پھینکے جائیں گے، وہ لوہے اور تانبے کے ہوں گے تا کہ ان کے ساتھ غیروں کو عذاب دیا جائے۔ قَالُوْا وَ هُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ وہ اس میں جھگڑ رہے ہوں گے مراد انسان، شیاطین، گمراہ اور معبود باطلہ۔ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ وہ الله تعالیٰ کی قسم اٹھائیں گے ہم خسارہ، ہلاکت اور حق سے واضح حیرت میں تھے جب ہم نے الله تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بنا لیے تو ہم نے ان کی عبادت کی جس طرح ان کی عبادت کی جاتی تھی، یہی اس ارشاد کا معنی ہے۔ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی ہم تمہیں عبادت میں رب العالمین کے ساتھ برابر کرنے والے ہیں اب تم نہ ہماری مدد کی طاقت رکھتے ہو اور نہ ہی اپنی مدد کر سکتے ہو۔ وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ مجرموں سے مراد شیاطین ہیں جنہوں نے ہمارے لیے بتوں کو مزین کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد

ہمارے اسلاف ہیں جن کی ہم نے تقلید کی۔ ابو العالیہ اور عکرمہ نے کہا: مجرمون سے مراد ابلیس اور حضرت آدم علیہ السلام کا وہ بیٹا جس نے قتل کیا تھا دونوں وہ پہلے افراد ہیں جنہوں نے کفر، قتل اور مختلف قسم کے معاصی کی سنت قائم کی۔

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ہمارے کوئی شفیع نہیں فرشتوں میں سے، انبیاء میں سے اور مومنوں میں سے۔ وَ لَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ اور نہ کوئی مشفق دوست ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: بھلائیوں کو لازم پکڑو کیونکہ وہ دنیا و آخرت کا سامان ہیں کیا تو جہنمیوں کا قول نہیں سنتا: فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَ لَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾۔ زمخشری نے کہا: شافع کی جمع ذکر کی کیونکہ شفاعت کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اور صدیق کو واحد ذکر کیا کیونکہ وہ تعداد میں تھوڑے ہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ انسان جب ظالم کے ظلم کا شکار ہو تو اس کے شہر کی بڑی جماعت اس کی سفارش کے لیے جاتی ہے مقصد اس پر رحم و شفقت کا اظہار ہوتا ہے اگرچہ اکثر کو پہلے اس کی پہچان تک نہ ہو جہاں تک صدیق کا تعلق ہے وہ وہ ہوتا ہے جو تیری محبت میں سچا ہوتا ہے اسے وہ چیز غمگین کرتی ہے جو تجھے غمگین کرتی ہے۔

ایک حکیم سے مروی ہے اس سے صدیق کا معنی پوچھا گیا۔ اس نے کہا: یہ ایسا اسم ہے جس کا کوئی معنی نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ صدیق سے مراد جمع اور قریبی و خاص حمایتی ہو، اسی سے حامۃ الرجل ہے یعنی اس کے قریبی۔ اس کی اصل حمیم ہے اس سے مراد گرم پانی ہے اسی سے حما اور حمی ہے حامۃ الرجل سے مراد وہ لوگ ہیں انہیں وہ جلائے جو اسے جلائے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: یحزنهم ما یحزنه، یعنی انہیں وہ چیز غمگین کرتی ہے جو اسے غمگین کرتی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: حم الشیء و أحم جب وہ قریب ہو جائے۔ اسی سے حمی ہے کیونکہ یہ موت کے قریب کر دیتا ہے۔ علی بن عیسیٰ نے کہا: قریبی کو حمیم کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ساتھی کے غصہ کی وجہ سے حمیت کا مظاہرہ کرتا ہے، اسے حمیت سے ماخوذ مانا ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز صدیق کی محبت اور حمیم کی رقت ختم کر دے گا۔ لا صدیقٌ حمیمٌ مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ اس کا عطف مِنْ شَافِعِیْنَ کے محل پر ہے کیونکہ مِنْ شَافِعِیْنَ کا محل رفع ہے۔ صدیق کی جمع اصدقاء، صدقاء اور صداق ہے صُدُق نہیں کہا جاتا تا کہ نعت اور غیر میں فرق کیا جائے۔ کوفیوں نے کہا: اس کی جمع صدقان بھی آتی ہے۔ نحاس نے کہا: یہ بعید ہے کیونکہ یہ ایسی جمع ہے جو نعت نہیں۔ جس طرح رغیف کی جمع رغفان آتی ہے۔ انہوں نے صدیق کی جمع اصادق بیان کی ہے۔ افاعل یہ افعل کی جمع ہے جب وہ نعت نہ ہو۔ جس طرح اشجع کی جمع اشاجع آتی ہے۔ صدیق کا لفظ واحد، جمع اور عورت کے لیے بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

نَصَبْنَ الهواءَ ثم ارتمین قلوبَنا　بأعیُنِ أعْدَاءٍ وهُنَّ صَدِیق

محل استدلال ھن صدیق ہے۔ ھن جمع مونث کی ضمیر ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان صدیقی، فلاں میرا خاص دوست ہے۔ مدح کے لیے تصغیر بنائی ہے۔ جس طرح حباب بن منذر کا قول ہے: أنا جُذَیْلُها المحكَّك و عُذَیقُها المرَجَّب محل استدلال جذیل اور عذیق ہے۔ جوہری نے اس کو ذکر کیا ہے۔ نحاس نے کہا: حمیم کی جمع احماء اور أَحِمَّۃ ہے تضعیف کے لیے افعلاء کے وزن کو مکروہ جانا ہے۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً، ان محل رفع میں ہے اگر ہمارا دنیا کی طرف لوٹنا ہوتا تو ہم ایمان لاتے یہاں تک کہ ہمارے بھی شفیع ہوتے۔ انہوں نے اس وقت تمنا کی جب تمنا کوئی نفع نہیں دے گی۔ انہوں نے یہ بات اس وقت کی جب فرشتوں اور مومنوں نے شفاعت کی۔ حضرت جابر بن عبداللہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''انسان جنت میں کہے گا جہنم میں فلاں اور اس کے دوست کا کیا معاملہ ہے وہ لگا تار اس کی سفارش کرتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اس کی سفارش قبول کر لے گا۔ جب وہ نجات پا جائے گا تو مشرک کہیں گے۔ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۙ وَ لَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ''

حضرت حسن بصری نے کہا: کوئی جماعت اللہ تعالیٰ کے ذکر پر جمع نہیں ہوتی جن میں کوئی جنتی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان سب میں اس کی شفاعت قبول کر لیتا ہے اہل ایمان ایک دوسرے کی شفاعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ کعب نے کہا: دو آدمی دنیا میں دوست تھے ان میں سے ایک اپنے ساتھی کے پاس سے گزرے گا جب کہ اسے جہنم کی طرف کھینچا جا رہا ہوگا، اس کا بھائی اسے کہے گا: اللہ کی قسم! میری صرف ایک نیکی رہ گئی ہے جس کے ساتھ میں نجات پا سکتا ہوں تو وہ نیکی لے لے، اے میرے بھائی! میرا خیال ہے تو اس کے ساتھ (جہنم سے) نجات پا جائے گا، پھر میں اور تو اصحاب اعراف میں رہیں گے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ ان دونوں کے بارے میں حکم دے گا تو وہ دونوں جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ اس بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝ قَالَ وَ مَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ۝ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِيْ وَ مَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

''جھٹلایا قوم نوح نے (اللہ کے) رسولوں کو۔ جب کہا انہیں ان کے بھائی نوح نے: کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ بے شک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور میں طلب نہیں کرتا تم

سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے پس تم ڈرو اللہ سے اور میری پیروی کرو۔
انہوں نے کہا: کیا ہم (قوم کے رئیس) ایمان لائیں تجھ پر حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں آپ
نے فرمایا: مجھے کیا خبر کہ وہ کس نیت سے ایمان لائے ہیں ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں
(حقیقت کا) شعور ہے اور نہیں ہوں میں دور بھگانے والا (غریب و مسکین) مومنوں کو نہیں ہوں میں مگر (عذاب
سے) صاف صاف ڈرانے والا۔ ان (مغروروں) نے کہا: اے نوح! اگر تم باز نہ آئے (تو یاد رکھو) تمہیں
ضرور سنگسار کر دیا جائے گا۔ آپ نے عرض کی: میرے مالک! میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا ہے پس تو فیصلہ فرما
دے میرے اور ان کے درمیان جو قطعی ہو اور (اپنے عذاب سے) نجات دے مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں اہل
ایمان سے، پس ہم نے نجات دی انہیں اور جو آپ کے ہمراہ اس کشتی میں تھے جو کھچا کھچ بھری ہوئی تھی پھر ہم
نے غرق کر دیا اس کے بعد پیچھے رہ جانے والوں کو۔ یقیناً اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے
ان میں سے اکثر ایمان لانے والے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ ، كَذَّبَتْ فرمایا جب کہ قوم مذکر ہے کیونکہ مراد ہے كذبت جماعة قوم نوح۔ الْمُرْسَلِيْنَ فرمایا کیونکہ جس نے ایک رسول کو جھٹلایا اس نے تمام رسل کو جھٹلایا کیونکہ ہر رسول تمام رسولوں کی تصدیق کا حکم دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کے نبی ہونے اور ان کے بعد رسولوں کے آنے کی جو خبر دی اس کو جھٹلایا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جنس کا ذکر کیا مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں سورۂ فرقان میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ ان کے جد اعلیٰ کے بیٹے، وہ ان کے نسبی بھائی تھے دینی بھائی نہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مجانست کی اخوت تھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (ابراہیم) سورۂ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عربوں کے قول سے ہے یا اخا بنی تمیم وہ ان میں سے ایک فرد مراد لیتے۔ اسی معنی میں حماسہ کا شعر ہے:

لا يَسْأَلونَ أخاهم حِينَ يَنْدُبُهم		في النَّائباتِ على ماقال بُرْهَانَا

ان کا بھائی مصیبتوں میں جب انہیں مدد کے لیے بلاتا ہے تو اس سے کسی دلیل کا سوال نہیں کرتے۔

اَلَا تَتَّقُوْنَ وہ بتوں کی عبادت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے۔ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ پس اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہیں جو پیغام حق سنا رہا ہوں اس میں سچا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے درمیان امین ہوں، کیونکہ اس سے قبل وہ آپ کی امانت اور صدق کو جانتے تھے، جس طرح قریش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اس کے عقاب سے پردہ بنا دو۔ وَ اَطِیْعُوْنِ میں تمہیں ایمان کا جو حکم دیتا ہوں اس میں میری اطاعت کرو۔ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ میرا تم میں کوئی طمع نہیں۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میری جزا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ تاکید کے لیے کلام کو مکرر ذکر کیا۔

قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ انہوں نے کہا: کیا ہم آپ کے قول کی تصدیق کریں۔ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ واؤ حالیہ ہے اس میں قد ہے تقدیر کلام یہ ہے وقد اتبعك، الارذلون، یہ ارذل کی جمع ہے جمع مکسر اراذل مونث رذلی اس کی جمع رذل ہے۔ نحاس نے کہا: جن نحویوں کو ہم جانتے ہیں ان میں سے کسی کے نزدیک بھی اس میں سے الف لام کا حذف جائز نہیں۔ حضرت ابن مسعود، ضحاک، یعقوب حضرمی اور قراء نے اسے وانما اتباعك الارذلون پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ اچھی قراءت ہے اس واؤ کے بعد اکثر اسماء آتے ہیں اور افعال قد کے بعد آتے ہیں اتباع یہ تبع اور تبیع کی جمع ہے یہ لفظ واحد اور جمع کے لیے آتا ہے۔ شاعر نے کہا:

له تَبَعٌ قد يعلمُ النّاسُ أنه　　على من يُدانِ صَيِّفٌ ورَبِيعُ

محل استدلال له تبع ہے یعنی اس کے پیروکار ہیں۔

اتباعك پر رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے جائز ہے الارذلون خبر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی انومن لك وانما اتباعك الارذلون یہ بھی جائز ہے انومن، لك کی ضمیر پر معطوف ہو تقدیر کلام یہ ہوگی انؤمن لك نحن واتباعك الارذلون فنعد منهم، لك کے ساتھ فصل بہت اچھا ہے، سورۂ ہود میں اراذل کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے ہم یہاں مزید وضاحت کرتے ہیں اور یہ مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو لوگ ان پر ایمان لائے وہ ان کے بیٹے، گھر کی عورتیں اور ان کے پوتے تھے اس میں اختلاف ہے کہ کیا ان کے ساتھ کوئی اور تھا یا نہیں تھا کوئی بھی صورت ہو وہ سب صالح تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی: وَنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ جو آپ کے ساتھ تھے وہی آپ کے پیروکار تھے کافروں کے قول سے نہ انہیں شین لاحق ہوا اور نہ ہی مذمت لاحق ہوئی بلکہ ارذل ہی ان کی تکذیب کرنے والے تھے۔ سہیلی نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں جو قول روایت کیا گیا ہے اس سے بہت سے عوام نے دھوکہ کھایا ہے وہ قول یہ ہے: وہ بافندے اور حجام تھے، اگر وہ بافندے تھے جس طرح انہوں نے گمان کیا تو ان کا نبی پر ایمان اور اس کی اتباع انہیں شرف عطا کرنے والا تھا جس طرح حضرت بلال اور حضرت سلمان فارسی اسلام کی طرف سبقت لے جانے سے مشرف ہوئے۔ یہ دونوں نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد بافندے اور حجام نہ تھے اور کافروں کا بافندوں اور حجاموں کے بارے میں اگر وہ ایمان لائے تھے کہ یہ ارذل ہیں اس طرح کی مذمت کو لاحق نہیں کرتا جس طرح آج یہ لفظ مذمت کو لاحق کرتا ہے کیونکہ یہ تو کافروں کے قول کی حکایت ہے مگر اس صورت میں کہ کافروں کی حجت اور ان کے قول کو اصول قرار دیا جائے یہ عظیم جہالت ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے آگاہ کیا ہے کہ صنعتیں دین میں کوئی نقصان دینے والی نہیں۔

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ كان زائدہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وما علمی بما یعملون یعنی مجھے ان کے اعمال

کے علم کا مکلف نہیں بنایا گیا مجھے تو اس امر کا مکلف بنایا گیا ہے کہ میں انہیں ایمان کی دعوت دوں اعتبار ایمان کا ہے حرفوں اور صنعتوں کا نہیں۔ گویا انہوں نے کہا: ان کمزور لوگوں نے عزت اور مال کی طمع میں آپ کی اتباع کی۔ فرمایا: میں ان کے امر کے باطن پر واقف نہیں میرے سپرد تو ان کا ظاہر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں یہ نہیں جانتا کہ الله تعالیٰ انہیں ہدایت دے گا اور تمہیں گمراہ کرے گا ان کی رہنمائی کرے گا اور تمہیں راہ راست سے بھٹکا دے گا انہیں توفیق دے گا اور تمہیں بے یارومددگار چھوڑ دے گا۔

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ان کے اعمال اور ایمان کا حساب میرے رب کے ذمہ ہے۔ لو کا جواب محذوف ہے اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ ، لو کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لو شعرتم إن حسابهم علی ربهم لما عبتموهم بصنائعهم عام قراءت تشعرون تاء کے ساتھ مخاطب کا صیغہ ہے، کفار کو خطاب ہے یہی ظاہر ہے۔ ابن ابی عبلہ اور محمد بن سمیقع نے لو یشعرون قراءت کی ہے گویا کفار کے بارے میں خبر ہے اور خطاب کو ان سے ترک کیا گیا ہے جس طرح یہ ارشاد ہے: هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ الخ (یونس: 22) یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک آدمی نے سفیان سے پوچھا: جس نے بدکاری کی اور اپنے بچے کو قتل کر دیا جب کہ وہ مسلمان ہے کیا اس کی آگ کا فیصلہ کیا جائے گا؟ فرمایا اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾۔

وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ان کے احوال اور اشغال کی خفت کی وجہ سے میں انہیں دھتکارنے والا نہیں گویا انہوں نے بھی ضعفاء کو دھتکارنے کا مطالبہ کیا جس طرح قریش نے ان سے مطالبہ کیا تھا۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ یعنی الله تعالیٰ نے مجھے فقراء کو چھوڑ کر صرف اغنیاء کے لیے مبعوث نہیں کیا۔ میں تو رسول ہوں میں تمہیں پیغام حق سناتا ہوں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے جس نے میری اطاعت کی وہ الله تعالیٰ کے ہاں سعادت مند ہے اگرچہ وہ فقیر ہو۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ اے نوح! اگر تم ہمارے معبودوں کو سب وشتم کرنے اور ہمارے دین میں عیب لگانے سے نہ رکا۔ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ تم کو پتھروں سے رجم کر دیا جائے گا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا: تو مقتولوں میں سے ہو جائے گا۔ ثمالی نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی مرجومین کا لفظ آیا ہے اس سے مراد قتل ہے مگر سورۂ مریم میں لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ (مریم: 46) میں تجھے سب وشتم کروں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تو سب وشتم کیے جانے والوں میں ہوگا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ اس معنی میں ابوداؤد کا قول ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِيْ وَ مَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ اس وقت بات کی جب آپ ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے۔ فتح کا معنی حکم ہے یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ اس سے مراد کشتی ہے اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ مشحون سے مراد بھری ہوئی۔ شحن سے مراد کشتی کا لوگوں اور جانوروں سے بھر جانا۔ یہاں فلك مونث نہیں کیونکہ یہاں فلك واحد ہے جمع نہیں۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ بعد اس کے کہ ہم نے نوح اور جو ایمان لائے ان کو نجات دی۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ یہ بحث گزر چکی ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِيْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَاۤ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

''جھٹلایا عاد نے (اپنے) رسولوں کو جب فرمایا انہیں ان کے بھائی ہود نے: کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (خدمت) کا کوئی صلہ۔ میرا اجر تو اس پر ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ کیا تم تعمیر کرتے ہو ہر اونچے مقام پر ایک یادگار بے فائدہ اور اپنی رہائش کے لیے بناتے ہو مضبوط محلات اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے اور جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑے ظالم و بے درد بن کر گرفت کرتے ہو پس (اب تو) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور ڈرو اس ذات سے جس نے مدد کی ہے تمہاری ان چیزوں سے جن کو تم جانتے ہو (یعنی) اس نے مدد فرمائی ہے تمہاری مویشیوں اور فرزندوں سے اور باغات اور چشموں سے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آجائے انہوں نے کہا: یکساں ہے ہمارے لیے خواہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں سے۔ نہیں ہے یہ (محلات کا شوق) مگر ہمارے اسلاف کا دستور (آپ فکر نہ کریں) ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ پس انہوں نے آپ کو جھٹلایا اس لیے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، بے شک اس میں بھی (نبوت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے اس میں اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

كَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ تانیث قبیلہ اور جماعت کے معنی کی وجہ سے ہے۔ وہ مرسلین کو جھٹلاتے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ هُوۡدٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّیۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۲۶﴾ وَ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۷﴾ معنی واضح ہے بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اَتَبۡنُوۡنَ بِكُلِّ رِیۡعٍ اٰیَةً تَعۡبَثُوۡنَ ریع سے مراد وہ چیز ہے جو زمین سے بلند ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کا قول ہے: یہ ریعۃ کی جمع ہے کم ریع ارضك تیری زمین کی بلندی کتنی ہے۔ قتادہ نے کہا: ریع سے مراد راستہ ہے؛ یہ ضحاک، کلبی، مقاتل اور سدی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہ قول ہے اس معنی میں مسیب بن علس کا قول ہے۔

فی الآلِ یَخفِضُها ویَرفَعُها　　رِیعٌ یَلُوحُ کأنّه سَحَلُ(1)

راستہ کو سفید کپڑے سے تشبیہ دی۔ نحاس نے کہا: لغت میں معروف ہے زمین سے جب کوئی چیز بلند ہو تو اسے ریع کہتے ہیں اور راستہ کو بھی ریع کہتے ہیں۔ اسی معنی میں شاعر کا شعر ہے:

طِراقُ الخَوافِی مشرقٍ فَوقَ رِیعَةٍ　　نَدَی لیلِهِ فی ریشه یَترقرقُ

عمارہ نے کہا: ریع سے مراد پہاڑ ہے واحد ریعۃ ہے جمع ریاع آتی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد دو پہاڑوں کے درمیان کھلا راستہ ہے۔ انہیں سے معنی ثنیۃ صغیرۃ مروی ہے۔ ان سے اس کا معنی منظرۃ مروی ہے۔ عکرمہ اور مقاتل نے کہا: جب وہ سفر کرتے تو وہ ستاروں سے رہنمائی لیتے وہ راستوں پر لمبے لمبے نشان بناتے تاکہ ان سے ہدایت حاصل کریں اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان اٰیَةً دلالت کرتا ہے۔ اس سے مراد علامت ہے۔ مجاہد سے مروی ہے ریع سے مراد حمام کی عمارت ہے اس کی دلیل تَعۡبَثُوۡنَ ہے یعنی تم کہتے ہو یعنی تم ہر بلند جگہ نشانی کے طور پر بناتے ہو جس کے ساتھ تم کھیلتے ہو۔ مراد حمام اور برج بنانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو آدمی راستہ سے گزرتا اس کے ساتھ کھیلتے ہو، یعنی تم بلند جگہ بناتے ہو تاکہ تم راستہ پر جھانکو اور ان سے مذاق کرو۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد عاشروں (ٹیکس لینے والے) کا گزرنے والوں کے اموال سے کھیلنا ہے؛ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن اعرابی نے کہا: ریع سے مراد گرجا ہے اور ریع سے مراد حمام کا برج ہے جو صحراء میں ہوتا ہے۔ ریع سے مراد بلند ٹیلہ ہے۔ ریع میں دو لغتیں ہیں۔ راء کے نیچے کسرہ اور اس پر فتحہ۔ اس کی جمع اریاع ہے؛ ثعلبی نے اس کا ذکر کیا۔

وَ تَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ، مصانع سے مراد منازل ہیں؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مضبوط قلعے؛ یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

تَرَکنا دیارَهم منهم قِفارًا　　وهدَّمنا المصانعَ والبُرُوجا

ہم نے ان کے گھروں کو چٹیل چھوڑا اور ہم نے مصانع اور برج گرا دیے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مضبوط محلات ہیں؛ یہ مجاہد کا بھی قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: حمام کے برج؛ یہ سدی کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: مجاہد سے یہ قول حقیقت سے بعید ہے کیونکہ ان سے پہلے یہ قول گزر چکا ہے اس سے مراد حمام کی عمارت

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 238

ہے تو کلام میں تکرار ہوگا۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد زمین کے نیچے پانی کے مآجل (وہ گڑھے جن میں پانی جمع ہو) ہے اسی طرح زجاج نے کہا: اس سے مراد مصانع الماء ہے اس کا واحد مصنعة اور مصنع ہے۔ اسی معنی میں لبید کا قول ہے:

بَلِينا و ماتَبْلَى النجومُ الطوالعُ　　وتبقَى الجبالُ بَعْدَنا والمصَانِعُ

ہم بوسیدہ ہو گئے اور طلوع ہونے والے ستارے بوسیدہ نہیں ہوتے اور ہمارے بعد پہاڑ اور مصانع باقی رہتے ہیں۔

جوہری نے کہا: مصنعه حوض کی طرح ہوتا ہے اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے اسی طرح مصنعه ہے مصانع کا معنی قلعے بھی ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: ہر عمارت کو مصنع کہتے ہیں؛ مہدوی نے اسے بیان کیا ہے۔ عبدالرزاق نے کہا: ہمارے نزدیک یمن کی لغت میں مصانع سے مراد عادی محلات ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ تاکہ تم ہمیشہ رہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لعل استفہام، توبیخ کے معنی میں ہے یعنی کیا تم ہمیشہ رہو گے۔ جس طرح تیرا قول ہے: لعلك تشتمنی کیا تو مجھے گالیاں دیتا ہے۔ ابن زید سے اس کا معنی مروی ہے۔ فراء نے کہا: تاکہ تم ہمیشہ رہو تم موت میں غور و فکر نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: گویا تم اس میں ہمیشہ اور باقی رہنے والے ہو۔ بعض قراتوں میں ہے کأنکم تخلدون؛ نحاس نے اس کو ذکر کیا ہے۔ قتادہ نے حکایت بیان کی ہے: بعض قراتوں میں کأنکم خالدون ہے۔

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ بطش کا معنی سطوت اور سختی سے پکڑنا ہے اس کا باب یوں ذکر کیا جاتا ہے قد بَطَش به يبطش و يبطِش بطشا، باطشه مباطشة، حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: بطش سے مراد تلوار سے قتل کرنا اور ڈنڈے سے مارنا ہے۔ اس کا معنی ہے تم نے یہ عمل ظلم کے طور پر کیا۔ مجاہد نے یہ بھی کہا ہے: اس سے مراد ڈنڈے سے مارنا ہے۔

مالک بن انس نے نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں جو ابن عربی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ناحق تلوار سے قتل کرنا ہے۔ یہ یحییٰ بن سلام نے حکایت بیان کی ہے۔ کلبی اور حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد غصہ کی وجہ سے قتل کرنا ہے۔ سب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی طرف راجع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عمد اور خطا کے طور پر مواخذہ کرنا جب کہ معافی وغیرہ نہ ہو۔ ابن عربی نے کہا: مالک نے جو کہا اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان کرتا ہے جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: **فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۤ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ** (القصص: 19) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر نہ تلوار سونتی اور نہ ہی اسے نیزہ مارا آپ نے اسے گھونسا مارا۔ اس کی موت اس کے گھونسے میں ہی واقع ہوگئی۔ بطش ید سے بھی ہوتی ہے کم سے کم حالت گھونسا مارنا اور دھکا دینا ہے اس کے بعد سوط اور عصا سے مارنا ہے اور اس سے بڑھ کر لوہے سے مارنا ہے، سب مذموم ہے مگر جب حق کے ساتھ ہو۔ آیت اس لیے نازل ہوئی تاکہ اس امر کی خبر دے جو سابقہ امتوں میں گزرا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمیں نصیحت ہے کہ ہم اس فعل سے پہلو تہی کریں جس کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی اور ان پر اسے ناپسند کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ مذموم اوصاف اس امت کے کثیر افراد میں پائے جاتے ہیں خصوصاً مصری علاقوں میں جب سے ترک ان کے حاکم بنے ہیں وہ ناحق سوط اور عصا سے لوگوں کو مارتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی کہ یہ امر واقع ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں میں نے ان دونوں کو نہیں دیکھا ایک ایسی قوم جن کے پاس سوط (ڈنڈے) ہوں گے جس طرح گائیوں کی دُمیں ہوتی ہیں جن کے ساتھ وہ لوگوں کو ماریں گے اور ایسی عورتیں جو لباس پہنے ہوں گی، ان کے جسم عیاں ہوں گے، جو خود گمراہ ہوں گی اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گی ان کے سر بختی اونٹوں کی جھکی ہوئی کہانوں کی طرح ہوں گے۔ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو پائیں گی جب کہ جنت کی خوشبو اتنے اتنے فاصلہ سے محسوس کی جا سکتی ہے'' (1)۔

ابوداؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جب تم بیع عینہ (2) کرو، تم بیلوں کی دمیں پکڑو اور کھیتی پر راضی ہو جاؤ اور جہاد کو ترک کر دو تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت کو مسلط کر دے گا وہ اس ذلت کو دور نہیں کرے گا یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ جاؤ گے''۔

جَبَّارِیْنَ قتل کرنے والے، جبار اسے کہتے ہیں جو ناحق قتل کرنے والا ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ** (القصص: 19) یہ ہروی نے قول کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار سے مراد ایسا شخص ہے جو سرکش اور تسلط جمانے والا ہو۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ** (ق: 45) جبار سے مراد مسلط ہے۔ شاعر نے کہا:

سَلَبْنَا من الجَبَّار بالسيف مُلْكَه عَشِيًّا وأطرافُ الرِّمَاحِ شَوَارِعُ

ہم نے پچھلے پہر جبار سے اس کا ملک تلوار سے چھین لیا جب کہ نیزے کی انیاں تنی ہوئی تھیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ان کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ **وَ اتَّقُوا الَّذِیْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ** یعنی بھلائیوں سے تمہاری مدد کی، پھر اس ارشاد: **اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ** کے ساتھ اس کی تفسیر بیان کی، یعنی ان چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کیا اور تم پر ان کے ساتھ فضل و احسان فرمایا وہ ہی ایسی ذات ہے جس کی عبادت کرنا اس کا شکر بجا لانا اور اس کی ناشکری نہ کرنا واجب ہے۔

اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ اگر تم اس کا انکار کرو اور تم اس پر اصرار کرو تو میں تمہارے بارے میں یوم عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَاۤ اَوَ عَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ یہ سب ہمارے لیے برابر ہے نہ ہم تجھ سے یہ بات سنتے ہیں اور نہ ہی اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو تم کہتے ہو۔ عباس نے ابوعمرو سے اور بشر، کسائی سے روایت نقل کرتے ہیں او عظت

1۔ صحیح مسلم، باب فی فناء الدنیا و بیان الحشر یوم القیمۃ، جلد 2، صفحہ 383

2۔ وقت معلوم پر کسی کو کوئی چیز ادھار بیچے پھر اس قیمت سے کم قیمت پر تو اس سے وہ چیز خریدے۔

میں ظاء تاء میں مدغم ہے۔ یہ قول بعید ہے کیونکہ ظاء حروف مطلقہ میں سے ہے یہ صرف اس میں مدغم ہوتا ہے جو اس کے بہت ہی قریب ہو وہ اس کی مثل ہو یا اس کا ہم مخرج ہو۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ، خلقا سے مراد دین ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا۔ فراء نے کہا: پہلے لوگوں کی عادت ہے۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور کسائی نے خَلْقُ الاولین پڑھا ہے باقی نے خُلُقُ پڑھا ہے۔ ہروی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ کا معنی ہے ان کا اختلاف اور ان کا کذب۔ جس نے خُلُقُ الاولین پڑھا ہے تو اس کا معنی ہے ان کی عادت یہ ہے۔ عرب کہتے ہیں: حدثنا فلاں باحادیث الخلق فلاں نے ہمیں خرافات اور من گھڑت باتیں بتائیں۔ ابن اعرابی نے کہا: خلق کا معنی دین، طبع اور مروت ہے۔ نحاس نے کہا: فراء کے نزدیک خلق الاولین سے مراد پہلوں کی عادت ہے۔ محمد بن ولید نے محمد بن زید سے حکایت بیان کی ہے کہ خلق الاولین کا معنی ہے ان کا مذہب اور ان پر جو امر جاری ہوا۔ ابو جعفر نے کہا: دونوں قول قریب قریب ہیں۔ اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: أکمل المؤمنين ایمانا أحسنهم خلقا، (1) مومنوں میں سے سب سے کامل وہ ہے جو ان میں سے مذہب، عادت اور اللہ تعالیٰ کی طاعت میں جو ان کا معمول ہوتا ہے اس میں اچھا ہو۔ یہ جائز نہیں جو حسن خلق کا مالک ہو وہ فاجر ہو اور نہ یہ جائز ہے کہ برے اخلاق والا کامل ایمان والا ہو اگرچہ وہ فاجر نہ ہو۔ ابو جعفر نے کہا: ہمارے سامنے محمد بن یزید سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ خلق الاولین کا معنی ان کا جھٹلانا اور اندازہ لگانا ہے مگر وہ پہلی قراءت کی طرف مائل تھے، کیونکہ اس میں ان کے آباء کی مدح تھی۔ قرآن حکیم میں جو ان کی صفت آئی ہے وہ یہی ہے کہ وہ اپنے آباء کی مدح کرتے تھے۔ ان کا قول: اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ (زخرف: 23) ابو قلابہ سے مروی ہے انہوں نے خلق خاء کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے یہ خلق کی تخفیف ہے: اسے ابن جبیر نے اصحاب نافع سے اور وہ حضرت نافع سے روایت نقل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خلق الاولین کا معنی ہے پہلوں کا دین۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (النساء: 119) خلق اللہ سے مراد اللہ کا دین۔ خلق الاولین پہلے لوگوں کی عادت: زندگی پھر موت اور اس کے بعد کوئی اٹھانا نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ چیز یعنی عمارتیں بنانا اور قوت جس کا تو نے انکار کیا ہے نہیں ہے مگر ہمارے پہلوں کی عادت، ہم ان کی اقتدا کرتے ہیں۔

وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ جو ہم کیا کرتے تھے اس پر ہمیں عذاب نہیں دیا جاتا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے خلق اجسام الاولین یعنی ہماری پیدائش نہیں ہے مگر پہلوں کی پیدائش کی طرح جو ہم سے قبل پیدا کیے گئے وہ مر گئے اور جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو اس میں سے کوئی چیز ان پر نازل نہ ہوئی۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ہم نے انہیں ریح صرصر سے ہلاک کر دیا وہ سرکش تھی جس طرح سورۂ حاقہ میں آئے گا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ بعض نے کہا: ان پر تین لاکھ اور چند سو ایمان لائے اور باقی ماندہ ہلاک ہو گئے۔

1۔ جامع ترمذی، باب فی الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأة على زوجها، جلد 1، صفحہ 138۔ ایضاً، حدیث نمبر 1082، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ اس کی بحث گزر چکی ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٤٥﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ﴿١٤٦﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿١٤٧﴾ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿١٤٨﴾ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿١٥٠﴾ وَ لَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿١٥١﴾ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا یُصْلِحُوْنَ ﴿١٥٢﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿١٥٣﴾ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖۚ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِیْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿١٥٨﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿١٥٩﴾

''جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو جب کہا انہیں ان کے بھائی صالح نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے رسول امین ہوں سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے، میری پیروی کرو اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی معاوضہ، میرا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تمہیں رہنے دیا جائے گا اس (عیش وطرب) میں جس میں تم یہاں ہو امن سے، ان باغات میں اور چشموں میں اور (شاداب) کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جس کے شگوفے بڑے نرم و نازک ہیں اور تراشتے رہو گے پہاڑوں میں گھر ماہر (سنگتراش) بنتے ہوئے پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میرا اتباع کرو اور نہ پیروی کرو حد سے بڑھنے والوں کے حکم کی جو فساد برپا کرتے رہتے ہیں زمین میں اور اصلاح (کی کوشش) نہیں کرتے۔ جواب ملا (اے صالح!) تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے نہیں ہو تم مگر ایک انسان ہماری مانند ورنہ لاؤ کوئی معجزہ اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ فرمایا: یہ ایک اونٹنی ہے ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن تمہاری باری ہے اور نہ پہنچانا اسے کوئی اذیت ورنہ آ ئے گا تمہیں بڑے دن کا عذاب۔ ان (بدبختوں) نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر ہو گئے ندامت (و افسوس) کرنے والے۔ پس آلیا انہیں عذاب نے، بے شک اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور بے شک آپ کا رب عزیز و رحیم ہے''۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ ذکر کیا۔ وہ قوم ثمود ہے جس طرح پہلے گزرا ہے وہ حجر میں رہا کرتے تھے یہ علاقہ کھجوروں، کھیتوں اور چشموں والا تھا۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ یعنی دنیا میں موت اور عذاب سے امن میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ بڑے معمر لوگ تھے عمارات ان کی عمروں کے ساتھ باقی نہیں رہتی تھیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا (ہود:61) حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں شرمندہ کیا اور فرمایا: کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم دنیا میں موت کے بغیر باقی رہو گے۔

فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍۙ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ زمخشری نے کہا: اگر تو کہے جَنّٰتٍ کے بعد نَخْلٍ کیوں فرمایا جب کہ جنات کھجور کے درختوں کو پہلے شامل ہوتا ہے جس طرح نعم کا لفظ اونٹوں کو شامل ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ جنت کا لفظ ذکر کرتے ہیں اور وہ کھجور کے درخت مراد لیتے ہیں جس طرح وہ نعم کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے صرف اونٹ ہی مراد لیتے ہیں۔ زہیر نے کہا:

كَاَنَّ عَيْنَيَّ فِي غَرْبِي مُقَتَّلَةٍ　　مِنَ النَّوَاضِحِ تَسْقِي جَنَّةً سُحُقَا

گویا میری دونوں آنکھیں سیراب کرنے والی اونٹنی کے بڑے ڈول میں آنسو گرا رہی ہیں جو کھجور کے لمبے لمبے درختوں کو سیراب کر رہی ہے۔ یہاں بھی جنت سے مراد کھجور کا باغ ہے۔ نخلة سحوق سے مراد لمبی کھجوریں ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس میں دو وجوہ ہیں (۱) پہلے کھجور کے درخت تمام درختوں کے ضمن میں داخل ہوئے بعد میں کھجور کے درختوں کو انفرادی طور پر یہ شامل ہوا اس کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لیے (۲) جنات سے دوسرے درخت مراد لیے جائیں کیونکہ یہ لفظ ان سب کی صلاحیت رکھتا ہے پھر اس پر نخل کا لفظ معطوف کیا۔ طلعة سے مراد ہے جو کھجور سے پھوٹتا ہے جس طرح تلوار کا پھل ہوتا ہے اس کے اندر گچھے کی شاخیں ہوتی ہیں۔ قنو تنے سے نکلنے والی چیز کو کہتے ہیں جس طرح اس کی موٹی اور باریک شاخیں ہوتی ہیں۔ هضيم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب تک وہ غلاف میں ہوتا ہے وہ لطیف و نرم ہوتا ہے هضيم سے مراد لطیف اور باریک ہے۔ اسی معنی میں امراء القیس کا مصرعہ ہے:

عَلَيَّ هَضِيمَ الْكَشْحِ رَيَّا الْمُخَلْخَلِ

پتلے پہلو پر اس حال میں جو خوبصورت ہے اور پازیب کی جگہ۔

جوہری نے کہا: خوشے کو اس وقت تک هضيم کہا جاتا ہے جب تک وہ اپنے غلاف سے باہر نہ آئے، کیونکہ وہ ایک دوسرے میں داخل ہوتا ہے۔ اور عورتوں میں سے هضيم اسے کہتے ہیں جو نرم پہلوؤں والی ہو پتلی کمر والی۔ اسی کی مثل ہروی نے بیان کیا ہے اس نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے جو اپنے غلاف میں ایک دوسرے سے پیوست ہو ابھی وہ ظاہر نہ ہو۔ اس سے رجل هضيم الجنبين ہے جس کے پہلو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں؛ یہ اہل لغت کا قول ہے۔ ماوردی اور دوسرے علماء نے اس بارے میں بارہ قول ذکر کیے ہیں (۱) تر اور نرم کھجور؛ یہ عکرمہ کا قول ہے (۲) تر کھجوروں میں سے جس کا ایک سرا رنگ بدل چکا ہو؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: ابو اسحاق نے یزید سے روایت نقل کی ہے اس سے مراد ابن ابی زیاد کوفی اور یزید بن ابی مریم شامی ہے ونخل طلعها هضيم کہا ان میں سے جو پک چکی ہوں اور ان میں سے کچھ کے سرے رنگ بدل چکے ہوں

(۳) اس میں گٹھلی نہ ہو، یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے (۴) جو ٹوٹ جاتی ہو جب اسے مس کیا جائے تو ریزہ ریزہ ہو جائے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: جو منہ میں جاتے ہی ریزہ ریزہ ہو جائے (۵) اس سے مراد ہے جو ایک دوسرے پر چڑھنے کی وجہ سے پتلی رہ گئی ہو؛ یہ ضحاک اور مقاتل کا قول ہے (۶) جن میں سے بعض بعض سے چمٹی ہوئی ہوں؛ یہ ابو صخر کا قول ہے (۷) جب وہ الگ الگ اور سبز ہو اس وقت طلع ہوتی ہے؛ یہ بھی ضحاک کا قول ہے (۸) جو صحیح پک چکی ہو؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (۹) جو غلاف کے پھٹنے سے پہلے جمع ہو؛ اسے ابن شجرہ نے روایت کیا ہے۔ شاعر نے کہا:

كأنَّ حَمولةَ تُجلَى عليهِ هَضِيمٌ مايُحَسُّ له شُقُوقُ

(۱۰) اس سے مراد نرم ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے (۱۱) اس سے مراد نرم و لطیف ہے جو سب سے پہلے نکلتا ہے وہی طلع نضید ہے؛ یہ ہروی نے کہا ہے (۱۲) یہ برنی ہے؛ یہ ابن اعرابی نے کہا۔ یہ فعیل بمعنی فاعل ہے یہ مبارک اور خوشگوار ہے کیونکہ یہ ایسا کھانا ہے جو ہضم ہو جاتا ہے طلع یہ طلوع سے اسم مشتق ہے جس کا معنی ظہور ہے اسی معنی میں سورج، چاند اور نباتات کا طلوع ہے یعنی ظہور ہے۔

وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ، نحت کا معنی چھیلنا ہے نحتہ ينحِته نحتا جب اسے چھیلا نحاتة برادية، مِنْحَت جن کے ساتھ چھیلا جاتا ہے سورہ صفات میں ہے: اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے کیونکہ ان کی عمریں طویل ہوتیں اور مٹی سے جو گھر وہ بناتے تھے وہ گر جاتے تھے۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور نافع نے فرهين الف کے بغیر پڑھا ہے۔ باقی قراء نے فارهين الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبیدہ اور دوسرے علماء کے نزدیک دونوں کا معنی ایک ہے۔ جس طرح عظاما نخرة اور ناخرة کا معنی ایک ہی ہے؛ قطرب نے اس کو بیان کیا ہے۔ فرِه، يفرُه فهو فاره و فرِه يفرِه فهو فرِه و فاره جب وہ چست ہو۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ دونوں کے درمیان ایک جماعت نے فرق بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا: فارهين سے مراد ہے وہ ان کو تراشنے میں ماہر تھے؛ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابو صالح اور دوسرے علماء سے یہ مروی ہے۔ عبد اللہ بن شداد نے کہا: فارهين کا معنی ہے متجبر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے فرهين کا معنی ہے اترانے والے؛ یہ قول مجاہد نے بھی کیا ہے۔ ان سے شرهين بھی مروی ہے یعنی حد درجہ حریص (1)۔ ضحاک نے کہا: عقلمند۔ قتادہ نے کہا: اپنے اعمال پر خوش ہونے والے؛ یہی قول کلبی نے کیا ان سے ناعمین بھی مروی ہے یعنی نرم و نازک ان سے آمنین بھی مروی ہے، یہی حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے متخیرین، ذخیرہ کرنے والے؛ یہ کلبی اور سدی کا قول ہے۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

إلى فَرِهٍ يماجد كلَّ أمرٍ قصدتُ له لأختبر الطِّباعا

مال ذخیرہ کرنے والے کی طرف جو ہر امر میں بزرگی میں مقابلہ کرتا ہے میں نے اس کا قصد کیا تاکہ طباع کو آزماؤں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی متعجب ہے؛ یہ خصیف نے قول کیا ہے۔ ابن زید نے کہا: قوی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 240

فرھین کا معنی خوش ہے؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ عرب ھاء اور حاء ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ تو کہتا ہے: مدھتہ، مدحتہ۔ الفرہ کا معنی خوش ہونے والا پھر فرح کا معنی مرح (متکبر) مذموم ہے۔ الله تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا (الاسراء: 37) الله تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ۝ (القصص)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ۝ وَ لَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد نو افراد ہیں جو زمین میں فساد برپا کرتے رہے اور اصلاح احوال نہ کرتے۔ سدی اور دوسرے علماء نے کہا: الله تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی طرف وحی کی: تیری قوم تیری اونٹنی کی کونچیں کاٹے گی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کے افراد سے یہ بات کی۔ انہوں نے کہا: ہم ایسا کام کرنے والے نہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: اس ماہ میں تمہارے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جو اس کی کونچیں کاٹے گا اور تمہاری ہلاکت اس کے ہاتھ پر ہوگی۔ انہوں نے کہا: اس ماہ میں جو بھی بچہ پیدا ہوگا ہم اسے قتل کر دیں گے۔ اس ماہ میں ان کے ہاں نو بچے پیدا ہوئے تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو ذبح کر دیا پھر دسویں کے ہاں بچہ پیدا ہوا اس نے اپنا بیٹا ذبح کرنے سے انکار کر دیا اس کے ہاں پہلے بچہ پیدا نہ ہوا تھا دسویں کا بیٹا سرخ رنگ والا اور نیلی آنکھوں والا تھا۔ وہ تیزی سے بڑا ہوا جب وہ بچہ ان نو افراد کے پاس سے گزرتا وہ اس کو دیکھتے تو کہتے، اگر ہمارے بیٹے زندہ ہوتے تو وہ اس کی مثل ہوتے۔ وہ نو افراد حضرت صالح علیہ السلام پر ناراض ہو گئے، کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام ہی ان کے بیٹوں کے قتل کا سبب بنے تھے انہوں نے عصبیت کا اظہار کیا اور الله تعالیٰ کے نام کی قسمیں اٹھائیں کہ ہم رات کے وقت ان کو اور ان کے اہل کے افراد کو قتل کر دیں گے۔ انہوں نے کہا: ہم سفر پر نکلتے ہیں لوگ ہمارے سفر پر جانے کو دیکھیں گے تو ہم ایک غار میں چھپ جائیں گے یہاں تک کہ جب رات ہوگی اور حضرت صالح علیہ السلام مسجد کی طرف نکلیں گے تو ہم انہیں قتل کر دیں گے، پھر ہم کہیں گے: ہم اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے بے شک ہم سچے ہیں۔ وہ ہماری تصدیق کریں گے اور وہ جانتے ہیں کہ ہم سفر پر نکلے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام ان کے ساتھ بستی میں نہیں سوتے تھے وہ اپنی مسجد میں آرام کیا کرتے تھے۔ جب صبح ہوتی تو ان کے پاس آتے اور انہیں نصیحت کرتے جب وہ غار میں داخل ہوئے پھر ارادہ کیا کہ وہ باہر نکلیں تو غار ان پر گر پڑی اور ان سب کو قتل کر دیا وہ لوگ جو اس امر پر مطلع تھے انہوں نے یہ دیکھا وہ بستی میں شور مچانے لگے اے الله کے بندو! کیا حضرت صالح ان کے بچوں کے قتل پر راضی نہ ہوئے تھے کہ انہیں بھی قتل کر دیا۔ بستی کے لوگوں نے اونٹنی کو قتل کرنے پر اتفاق کر لیا۔ ابن اسحاق نے کہا: اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں جو سب و شتم کیا اور انہیں عذاب سے ڈرایا تو نو افراد اکٹھے ہوئے۔ جس کی وضاحت سورۂ نمل میں ان شاء الله آئے گی۔

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ یہ سحر سے مشتق ہے، یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ جس طرح مہدوی نے بیان کیا ہے۔ یعنی تجھ پر جادو کا اثر ہے تو تیری عقل باطل ہو گئی ہے کیونکہ تو ہماری مثل بشر ہے تو تو ہمارے سوا کس طرح رسالت کا دعویٰ کرتا ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو ان لوگوں میں سے ہے جنہیں بار بار کھلایا پلایا جاتا ہے: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کلبی، قتادہ

اور مجاہد کا قول ہے جو ثعلبی نے ذکر کیا ہے اس تعبیر کی بنا پر وہ سَحْرٌ سے مشتق ہے جو رئہ ہے یعنی تجھے سحر لاحق ہو گیا ہے جو ہماری مثل کھاتا پیتا ہے جس طرح لبید نے کہا:

فإن تسألينا فِيمَ نحن فإنّنا عصافيرُ من هذا الأنام المُسَحَّرِ

اگر تو ہمارے بارے میں سوال کرتی ہے کہ ہم کس حال میں ہیں بے شک ہم چڑیاں ہیں جوان جانداروں سے ہیں جن کو کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

امراء القیس نے کہا:

نُسَحَّرُ بالطّعامِ وبالشَّرابِ

ہم کو کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ کوئی نشانی لے آئیں اگر آپ سچے ہیں۔ **قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے کہا اگر آپ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے جو اس پہاڑ سے سرخ اونٹنی نکالے جو دس ماہ کی گابھن ہو وہ بچہ جنے جب کہ ہم دیکھ رہے ہوں، وہ اس پانی پر وارد ہو وہ پانی پیئے اور اگلے روز اتنا ہی دودھ ہمیں دے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کر لیا۔ آپ نے فرمایا: **هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ** یہ اونٹنی ہے پانی میں اس کا حصہ ہے ایک روز تمہاری پانی کی باری ہے اور ایک روز اس کی باری ہے جس روز اونٹنی کے پانی پینے کی باری ہوتی تو وہ سارا پانی پہلے پہر پی جاتی اور دن کے پچھلے پہر انہیں اتنا ہی دودھ دیتی جب ان کی باری ہوتی تو وہ پانی ان کے اپنے لیے، ان کے چوپاؤں کے لیے اور ان کی زمین کے لیے ہوتا۔ جس روز اونٹنی کی باری ہوتی تو اس میں سے کوئی پانی نہ پی سکتے اور جس دن ان کی باری ہوتی اونٹنی اس میں پانی نہ پیتی۔ فراء نے کہا: شرب سے مراد پانی کا حصہ ہے۔ نحاس نے کہا: جہاں تک مصدر کا تعلق ہے تو اس کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے شرب شَرْبا وشِربا و شُربا۔ مصدر اکثر مضموم ہوتا ہے کیونکہ مکسورہ اور مفتوحہ کسی اور چیز کے ساتھ شریک ہوتے ہیں تو شِرب پانی کے حصہ کو کہتے ہیں۔ شَرب یہ شارب کی جمع ہے۔ جس طرح شاعر نے کہا:

فقلتُ للشَّربِ فی دُرْنا و قد ثَمِلُوا

میں نے درنا (جگہ) میں پینے والوں سے کہا جب کہ وہ مست ہو چکے تھے۔

محل استدلال الشرب ہے۔ مگر ابو عمرو بن علاء اور کسائی شرب فتحہ کے ساتھ مصدر میں پسند کرتے ہیں۔ اور بعض علماء کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انها ایام اکل و شرب یہ کھانے پینے کے ایام ہیں (1)۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ یہاں تضعیف کا اظہار جائز نہیں کیونکہ یہ دونوں ایک جنس سے متحرک حروف ہیں۔ **فَیَاْخُذَكُمْ** یہ نہی کا جواب ہے اس میں سے فاء کا حذف جائز نہیں جس میں جزم جائز نہیں جس طرح امر میں ہوتی ہے مگر کسائی سے مروی ہے کہ وہ

1۔ سنن دار قطنی، باب فی الصوم، باب قبلة الصائم، جلد 2، صفحہ 187، دار المحاسن

اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِیْنَ جب انہیں عذاب کا یقین ہو گیا تو اس کی کونچیں کاٹنے پر شرمندہ ہوئے اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں تین دن کی مہلت دی تو ان پر ہر روز علامت ظاہر ہوتی انہوں نے شرمندگی کا اظہار کیا اور عذاب کے معاینہ کے وقت شرمندگی نے انہیں کوئی نفع نہ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا، شرمندگی نے انہیں کوئی نفع نہ دیا کیونکہ انہوں نے توبہ نہ کی بلکہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو تلاش کیا تا کہ انہیں قتل کریں جب انہوں نے عذاب کو دیکھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی ندامت اس بچے کے چھوڑنے پر تھی کیونکہ انہوں نے اس بچے کو دوسروں کے ساتھ قتل نہ کیا تھا۔ یہ قول حقیقت سے بعید ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً آخر تک کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: ان لوگوں میں دو ہزار اور آٹھ سو افراد مردوں اور عورتوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ چار ہزار تھے۔ کعب نے کہا: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم بارہ ہزار قبیلے تھے اور یہ قبیلہ عورتوں اور بچوں کے علاوہ بارہ ہزار افراد پر مشتمل تھا قوم عاد ان سے چھ گنا بڑی تھی۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ࣙالْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ۝ قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ۝ رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ۝ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ۝ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝

''جھٹلایا قوم لوط نے اپنے رسولوں کو۔ جب کہا ان سے ان کے بھائی لوط نے: کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہارا رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ، میرا معاوضہ تو اس کے ذمہ ہے جو رب العالمین ہے۔ کیا تم بدفعلی کے لیے جاتے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق سے اور چھوڑ دیتے ہو جو پیدا کی ہیں تمہارے لیے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔ وہ (غصہ سے) کہنے لگے (خاموش!) اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں ضرور ملک بدر کر دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: (سن لو!) میں تمہارے اس (گندے) فعل سے بیزار ہوں۔ میرے مالک! نجات دے مجھے اور میرے اہل و عیال کو اس (کی شامت) سے جو وہ کرتے ہیں۔

سو ہم نے نجات دے دی اسے اور اس کے سب اہل کو سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی پھر ہم نے نام ونشان مٹا دیا دوسروں کا اور ہم نے برسائی ان پر (پتھروں کی) بارش پس بڑی تباہ کن تھی وہ بارش جو برسی ان پر جنہیں ڈرایا گیا (اور وہ باز نہ آئے) بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور بلاشبہ (اے محبوب!) آپ کا پروردگار ہی عزیز ورحیم ہے''۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ الْمُرْسَلِيْنَ اس کا معنی اور قصہ سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں مفصل گزر چکا ہے۔ الحمدللہ

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ وہ ان کی دبروں میں اپنی خواہش پوری کیا کرتے تھے وہ یہ عمل اجنبی اور مسافروں کے ساتھ کیا کرتے تھے، جس طرح سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ یعنی عورتوں کی شرمگاہیں چھوڑ دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جنہیں نکاح کے لیے پیدا کیا۔ ابراہیم بن مہاجر نے کہا: مجاہد نے مجھ سے کہا حضرت عبداللہ اس آیت وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ کو کس طرح پڑھا کرتے تھے۔ میں نے کہا: وتذرون ما أصلح لكم ربكم من أزواجكم۔ کہا مراد شرمگاہ ہے جس طرح ارشاد فرمایا: فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ (البقرہ:222) بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ تم اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والے ہو۔ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ اے لوط! اگر تم اپنی اس بات سے نہ رکے۔ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ یعنی ہمارے ملک اور ہماری بستی سے نکالے جانے والوں میں سے ہو گے۔ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ یعنی لواطت کے عمل سے بغض رکھنے والا ہوں۔ قلی معنی بغض ہے تلیته أقليه قلی وقلاء۔ شاعر نے کہا

فلستُ بمقلي الخلالِ ولا قالي۔ نہ میں دوستوں کو ناراض کرنے والا ہوں اور نہ ہی بغض رکھنے والا ہوں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

عليك السلامُ لا مُلِلتِ قريبةً ... ومَالكِ عندي إن نأيتِ قَلَاءُ

تجھ پر سلامتی ہو قریب ہو تو تجھ سے کوئی اکتاہٹ نہیں اگر تو دور ہو تو میرے نزدیک کوئی ناراضگی نہیں۔

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ اے میرے رب! مجھے اور میرے اہل کو ان کے عمل کے عذاب سے نجات عطا فرما۔

جب آپ ان کے عذاب سے مایوس ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ انہیں ان کا عذاب نہ پہنچے۔

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ان کے اہل میں ان کی صرف دو بیٹیاں تھیں جس طرح سورۂ ہود میں گزرا ہے اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے غبرت في عذاب الله یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں باقی رہی۔ ابوعبیدہ اس طرف گئے ہیں کہ معنی ہے وہ بڑھاپے میں باقی رہنے والوں میں سے ہوئی۔ یعنی وہ باقی رہی یہاں تک کہ بوڑھی ہو گئی۔ نحاس نے کہا: جانے والے کو غابر اور باقی رہنے والے کو بھی غابر کہتے ہیں۔ جس طرح شاعر نے کہا:

لا تكسع الشَّول بأغبارِها ... إنك لا تدري مَن النَّاتجُ

تیزی سے خدمت کرنے والے کو بچی کچھی چیز کے ساتھ نہ دھتکار تو نہیں جانتا کہ نتیجہ دینے والا کون ہے۔

اور جس طرح کہا:

فما وَنَى محمدٌ مذ انْ غَفَرْ　　له الإلهُ ما مَضَى وما غَبَرْ

حضرت محمد ﷺ کمزور نہ ہوئے جب سے اللہ تعالیٰ نے ان کے گزشتہ آنے والے اعمال کو معاف کر دیا۔

ماغبر سے مراد ما بقی ہے۔ اغبار سے مراد باقی ماندہ دودھ ہے۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ہم نے انہیں دھنسا کر اور پتھروں کی مار کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو زمین میں دھنسا دیا اور جو بستی سے باہر تھا اس پر پتھروں کی بارش کی۔

وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا یعنی پتھروں کی بارش کی۔

فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت جبریل امین نے ان کی بستی کو زمین میں دھنسا دیا اور اس کے اوپر والے حصہ کو نیچے کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد پتھروں کی بارش کی۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اس میں کوئی مومن نہیں تھا مگر حضرت لوط علیہ السلام کا گھر اور ان کی دو بیٹیاں۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۖۚ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ﴿۱۷۷﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۚ﴿۱۷۹﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۚ﴿۱۸۱﴾ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۚ﴿۱۸۲﴾ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۚ﴿۱۸۳﴾ وَ اتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ؕ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۙ﴿۱۸۵﴾ وَ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۚ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ؕ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۚ﴿۱۹۱﴾

''جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی (اپنے) رسولوں کو جب فرمایا انہیں شعیب (علیہ السلام) نے: کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ بے شک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں، پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجر میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جو سارے جہانوں کو پالنے والا ہے پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں سے اور وزن کیا کرو صحیح ترازو سے اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیز میں اور نہ پھرا کرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور (تم سے) پہلی

مخلوق کو۔ انہوں نے (جھلا کر) کہا: تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری مانند اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو (ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرادو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ آپ نے فرمایا: میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ سو انہوں نے جھٹلایا شعیب کو تو پکڑ لیا انہیں چھتری والے دن کے عذاب نے، بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور یقیناً آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ، الایك، سے مراد گھنے کثیر درخت۔ اس کا واحد ایکہ ہے۔ جس نے اصحاب الایکہ قراءت کی تو یہی غیضہ ہے اور جس نے لیکۃ پڑھا ہے تو یہ بستی کا نام ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: بکہ اور مکہ کی مثل ہے؛ یہ جوہری کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: ابو جعفر اور نافع نے کذب اصحاب لیکۃ المرسلین قراءت کی۔ اسی طرح سورۂ ص میں قراءت ہے۔ سورۃ الحجر میں قراء نے جر پر اتفاق کیا ہے۔ سورۃ ق میں جو ہے اس میں ضروری ہے کہ مختلف کو متفق علیہ کی طرف پھیر دیا جائے کیونکہ معنی ایک ہی ہے۔ ابو عبید نے جو حکایت بیان کی ہے کہ لیکہ اس بستی کا نام ہے جس میں وہ رہائش پذیر تھے اور ایکہ ان کے ملک کا نام تھا یہ ایسی چیز ہے جو ثابت نہیں۔ اور جس نے یہ قول کیا ہے: وہ بھی معروف نہیں کہ اس کا علم ثابت ہوتا۔ اگر اس کا قائل معروف ہوتا تو بھی اس میں اعتراض کی گنجائش ہوتی کیونکہ تمام علماء جو علماء تفسیر میں سے ہیں یا کلام عرب کے ماہرین ہیں وہ اس کے خلاف ہیں۔

عبد اللہ بن وہب نے جریر بن حازم سے وہ قتادہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام دو قوموں کی طرف مبعوث کیے گئے اپنی قوم اہل مدین کی طرف اور اصحاب ایکہ کی طرف، ایکہ سے مراد گھنے درختوں کا دلدلی جنگل ہے۔ سعید بن قتادہ سے روایت نقل کی ہے: اصحاب ایکہ اہل غیضہ ہے اور اہل شجر ہیں ان کا عام درخت دوم تھا اور یہی مقل کا درخت ہے۔ ابن جبیر نے ضحاک سے روایت نقل کی ہے: اصحاب ایکہ نکلے یعنی جب انہیں گرمی نے آلیا تو وہ غیضہ اور درختوں کی جگہ چلے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بادل کو بھیجا تو انہوں نے اس کے نیچے سایہ حاصل کیا۔ جب اس کے نیچے آ گئے تو انہیں جلا دیا گیا۔ اگر کوئی اور نہ ہو مگر جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا: ایکہ سے مراد درخت ہے۔ ہم اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں پاتے سب کا اتفاق ہے کہ ایکہ سے مراد گھنا درخت ہے جہاں تک بعض لوگوں کے استدلال کا تعلق ہے جس نے اس آدمی کی قراءت سے استدلال کیا جس نے دونوں فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے کہ سواد میں لیکہ ہے تو اس کے لیے کوئی دلیل نہیں اس میں یہ قول کہ اس کی اصل ایکہ ہے پھر ہمزہ میں تخفیف کی گئی اور اس کی حرکت لام کو دی گئی تو ہمزہ حذف ہو گیا اور وہ الف وصلی سے مستغنی ہو گیا کیونکہ لام کو بعض اوقات حرکت دی جاتی ہے تو وہ کسرہ ہی ہوتی ہے جس طرح تو ہمزہ کی موجودگی میں بالاحمر اور تخفیف کی صورت میں بلحمر کہتا ہے اگر تو چاہے تو تو اس کو اس خط میں لکھ دے جس طرح میں نے پہلی دفعہ اسے لکھا ہے اگر تو چاہے تو حذف کے ساتھ کتابت کرے۔ پھر کسرہ کے بغیر کوئی صورت

جائز نہیں۔

سیبویہ نے کہا: جان لو جو اسم منصرف نہ ہو جب اس پر الف لام داخل ہو یا اسے مضاف کیا جائے تو وہ منصرف ہو جاتا ہے ہم کسی کو بھی نہیں جانتے جس نے اس مسئلہ میں سیبویہ کی مخالفت کی ہو۔ خلیل نے کہا: الایکہ سے مراد ایسا جنگل ہے جو بیری اور پیلو وغیرہ کے درخت اگاتا ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ، اخوهم شعیب نہیں فرمایا کیونکہ وہ نسبی طور پر اصحاب ایکہ سے نہ تھے جب مدین کا ذکر کیا تو فرمایا: اَخَاهُمْ شُعَيْبًا (اعراف: 85) فرمایا کیونکہ یہ نسبی طور پر انہیں میں سے تھے۔ ان کے نسب کے بارے میں قول سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی قوم اہل مدین کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور اہل بادیہ جو اصحاب ایکہ ہیں ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ہم نے اس کا ذکر کیا ہے: اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ان رسولوں کا جواب ایک ہی تھا اور ایک ہی صیغہ پر تھا کیونکہ وہ امر بالتقوی، طاعت اور عبادت میں اخلاص پر متفق تھے اور رسالت کی تبلیغ پر اجر لینے سے رکنے والے تھے۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ کیل اور وزن میں کمی کرنے والے نہ ہو۔ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ یعنی حق دار کا حق ادا کرو۔ سورۃ الاسراء اور دوسری سورتوں میں بحث گزر چکی ہے۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ سورۂ ہود اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ مجاہد نے کہا: جبلة سے مراد خلیقہ ہے جبل فلان علی کذا یعنی اسے فلاں پر پیدا کیا گیا۔ فالخُلق جِبِلّة و جبلة و جِبْلة و جُبْلة جَبْلَة۔ نحاس نے اسے قرآن کے معانی میں ذکر کیا ہے۔ والجبلة کا عطف کاف اور میم پر ہے۔ ہروی نے کہا: الجِبْلة، الجُبْلة، والجِبلّ، والجُبُل، والجَبْل سب لغتیں ہیں یہ لوگوں میں سے کثیر تعداد والی جمعتیں ہیں۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جِبِلًّا كَثِيْرًا (یٰسین: 62)

نحاس نے کتاب ''اعراب القرآن'' میں کہا: کہا جاتا ہے جبلة دونوں کی جمع جبال آتی ہے۔ باء سے ضمہ اور کسرہ حذف ہو جاتا ہے اسی طرح لام سے شد کو حذف کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے جُبْلة و جُبَل۔ اسی طرح جِبلة و جِبال ہے۔ سب سے ھاء حذف کی جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے ان سے اختلاف کے ساتھ پڑھا ہے والجبلة الاولین جیم اور باء پر ضمہ ہے شیبہ اور اعرج سے بھی مروی ہے باقیوں نے کسرہ کے ساتھ روایت کی ہے۔ شاعر نے کہا:

والموتُ أعظمُ حادثٍ فیما یَمُرُّ علی الجِبِلَّة(1)

موت بڑا حادثہ ہوتا ہے جو مخلوق پر گزر جاتا ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ جو کھانا کھاتے ہیں اور مشروب پیتے ہیں۔ وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ہم یہی گمان کرتے ہیں کہ تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس میں آپ جھوٹے ہیں۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 242

فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ یعنی آسمان کی جانب اور اس کا ٹکڑا ہم پر گرادیں اور ہم اسے دیکھیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ (الطور) ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے ارادہ کیا کہ ہم پر عذاب نازل کیا جائے۔ یہ جھٹلانے میں مبالغہ ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: کِسَف یہ کسفہ کی جمع ہے جس طرح سِدر یہ سدرہ کی جمع ہے۔ سلمی اور حفص نے کہا: کسفا یہ کسفہ کی جمع ہے اس سے مراد ٹکڑا اور جانب ہے اس کی تقدیر کِسفا اور کِسفا ہے۔ جوہری نے کہا: کسفہ سے مراد شے کا ٹکڑا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اعطنی کسفة من ثوبك اس کی جمع کیسف اور کسف ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: الکسف والکسفة واحد۔ یعنی یہ دونوں ایک ہیں۔ اخفش نے کہا: جس نے کسفا پڑھا اس نے اسے واحد بنایا اور جس نے اسے کِسَفًا پڑھا ہے اس نے اسے جمع بنایا ہے۔ سورۂ اسراء میں یہ بحث گزری ہے۔ ہروی نے کہا: جس نے کسفا واحد پڑھا ہے اس کی جمع اکساف اور کسوف آتی ہے گویا فرمایا: أو نسقط علینا طبقا واحدا یہ كَسَفْتُ الشيء کسفا سے مشتق ہے جب تو اس کو ڈھانپ دے۔

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اس میں دھمکی ہے، یعنی مجھ پر تبلیغ حق پہنچانا ہے۔ یعنی وہ عذاب جس کا تم مجھ سے سوال کرتے ہو وہ میرے قبضہ میں نہیں اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں سخت گرمی نے آلیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بادل ان کی طرف بھیجا وہ بھاگ کر اس بادل کی طرف گئے تا کہ اس سے سایہ حاصل کریں جب وہ سارے اس کے نیچے جمع ہو گئے تو ان پر چیخ ماری گئی تو سب ہلاک ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ نے اس بادل کو ان کے سروں پر کھڑا کر دیا اور اسے گرمی سے بھڑکا دیا یہاں تک کہ وہ راکھ سے مر گئے۔ دنیا میں یہ دن عذاب کے اعتبار سے سب سے بڑا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان پر باد سموم بھیجی وہ ایکہ کی طرف نکلے تا کہ وہ اس سے سایہ حاصل کریں تو اللہ تعالیٰ نے اسے دن پر آگ کی صورت میں بھڑکا دیا تو وہ سب جل گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی اور دوسرے علماء سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ نے ان پر جہنم کا دروازہ کھول دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر شدید گرمی کو بھیجا جس نے ان کی سانسوں کو گرفت میں لے لیا وہ ان کے گھروں میں داخل ہو گئے انہیں نہ کوئی سایہ نفع دیتا اور نہ ہی پانی۔ گرمی نے ان کو پکا دیا وہ بھاگ کر جنگل کی طرف گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بادل کو بھیجا اس نے ان پر سایہ کر دیا انہوں نے اس کی ٹھنڈک، راحت اور عمدہ خوشبو پائی۔ انہوں نے ایک دوسرے کو بلایا جب وہ سب بادل کے نیچے جمع ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ کو بھڑکا دیا زمین میں زلزلہ برپا ہو گیا تو وہ یوں جل گئے جس طرح کڑاہی میں مکڑی جل جاتی ہے تو وہ سارے کے سارے راکھ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بھی یہی مطلب ہے: فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا (ہود)

فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان سے سات سال تک ہوا کو روک لیا ان پر گرمی کو مسلط کر دیا یہاں تک کہ اس نے ان کی سانسوں کو اپنی گرفت میں لے لیا سایہ اور پہاڑ نے ان کو کوئی نفع نہ دیا وہ درندوں کے کھوہوں میں داخل ہوئے تا کہ اس سے ٹھنڈک حاصل کریں تو وہ اس کے ظاہر سے اندر زیادہ

شدید گرمی پاتے وہ جنگل کی طرف بھاگے ان پر بادل نے سایہ کر لیا یہی ظلہ تھا انہوں نے اس ٹھنڈک اور بادنسیم کو پایا اس بادل نے ان پر آگ کو برسایا تو وہ جل گئے۔ یزید جریری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان پر سات دن اور سات راتیں گرمی کو مسلط کیا پھر ان کے لیے دور سے ایک پہاڑ بلند کیا گیا ایک آدمی اس کے پاس آیا وہ کیا دیکھتا ہے کہ اس کے نیچے نہریں، چشمے، درخت اور ٹھنڈا پانی ہے سب اس کے نیچے جمع ہو گئے پہاڑ ان پر آ پڑا جب کہ وہ ظالم تھے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو دو امتوں کی طرف مبعوث کیا اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب ایکہ کو ظلم سے ہلاک کر دیا جہاں تک اصحاب مدین کا تعلق ہے تو حضرت جبریل امین نے ان پر چیخ ماری تو وہ سب ہلاک ہو گئے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں امتوں میں سے نو سو افراد حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لائے۔

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۹۶﴾

"اور بلا شبہ یہ کتاب رب العالمین کی اتاری ہوئی ہے اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریل) آپ کے قلب (منیر) پر تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے، یہ ایسی عربی زبان میں ہے جو بالکل واضح ہے اور اس کا (ذکر خیر) پہلے لوگوں کی کتابوں میں بھی ہے"۔

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سورت کے آغاز میں جس کا ذکر ہے اس کی طرف رجوع کیا کہ مشرکین نے قرآن سے اعراض کیا۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ، نزل کو نافع، ابن کثیر اور ابو عمر نے مخفف پڑھا باقی قراء نے نزل کو مشدد پڑھا ہے بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ منصوب ہے۔ وہ ابو حاتم اور ابو عبید کا پسندیدہ قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ یہ نزل کا مصدر ہے۔ جس نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ کہے یہ مقدر نہیں کیونکہ معنی ہے قرآن رب العالمین کی نازل شدہ ہے جسے جبریل امین نے تیری طرف نازل کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (البقرہ: 97) یعنی وہ تجھ پر اسے تلاوت کرتا ہے اور تیرا دل اسے یاد کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ تیرا دل ثابت رہے۔

لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ تاکہ یہ نہ کہیں جو تو کہتا ہے: ہم اسے نہیں سمجھتے۔ وَ اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ان کے نزول کا ذکر انبیاء کی کتب میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پہلوں کی کتابوں میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ (الاعراف: 157) زُبُر کا معنی کتابیں ہیں واحد زبور ہے جس طرح رسول کی جمع رسل ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اَوَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَ لَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ

الْاَعْجَمِیْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

''کیا نہیں تھی (ان مشرکین مکہ) کے لیے آپ کی سچائی کی یہ دلیل کہ جانتے ہیں آپ کو بنی اسرائیل کے علماء اور اگر ہم اتارتے قرآن کو کسی غیر عربی پر پھر وہ ان کو پڑھ کر سناتا تب وہ ایمان لانے والے نہیں تھے یونہی ہم نے داخل کر دی ہے انکار کی عادت مجرموں کے دلوں میں وہ ایمان نہیں لائیں گے اس پر جب تک دیکھ نہ لیں دردناک عذاب کو سو وہ آئے گا ان پر اچانک اور انہیں اس (کی آمد) کا احساس ہی نہ ہوگا تب (بصد حسرت) کہیں گے: کیا ہمیں مزید مہلت ملے گی؟ کیا وہ اب ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں''۔

اَوَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مجاہد نے کہا: مراد عبد اللہ بن سلام، سلمان اور ان دونوں کے علاوہ جو مسلمان ہوئے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اہل مکہ نے یہودیوں کی طرف پیغام بھیجا جو مدینہ طیبہ میں تھے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ان سے سوال کرتے تھے۔ انہوں نے کہا: یہ اس نبی کا زمانہ ہے ہم تورات میں اس کی نعت اور صفت پاتے ہیں (2)۔ لفظ علماء ان سب کی طرف راجع ہے جو ان کی کتابوں کا علم رکھتے وہ یہی گفتگو کرتے جو وہ اسلام لایا نہ لایا اہل کی کتاب کی گواہی مشرکوں کے خلاف دلیل بن گئی کیونکہ وہ دینی امور میں اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے کیونکہ ان کا گمان تھا کہ وہ اس کا علم رکھتے ہیں۔ ابن عامر نے اولم تکن لهم آیة قراءت کی باقی قراء نے أولم یکن لهم آیة نصب کے ساتھ قراءت کی ہے یہ خبر ہے اور یکن کا اسم أن یعلمه ہے تقدیر کلام یہ ہے أولم یکن لهم علم علماء بنی اسرائیل الذین أسلموا آیة واضحة پہلی قراءت کی صورت میں کان کا اسم آیة ہے خبر أن یعلمه علماء بنی اسرائیل ہے۔ عاصم جحدری نے قراءت کی أن تعلمه علماء بنی اسرائیل۔

وَ لَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ایسے آدمی پر جو عربی زبان والا نہیں۔ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ لغت عرب کے بغیر ان پر پڑھتا تو وہ ایمان نہ لاتے اور کہتے ہم اسے سمجھے ہی نہیں۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا (فصلت: 44) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اگر ہم اسے غیر عربی آدمی پر بھیجتے تو تکبر کی وجہ سے وہ ایمان نہ لاتا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجل اعجمی واعجم۔ جب وہ فصیح نہ ہو اگرچہ وہ عربی ہو۔ رجل عجمی اگرچہ فصیح ہو اسے اپنے اصل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مگر فراء نے اجازت دی ہے کہ یہ کہا جائے: رجل عجمی یہ اعجمی کے معنی میں ہے۔ حضرت حسن بصری نے علی بعض الاعجمیین قراءت کی ہے یعنی مشدد پڑھا ہے دو یاء ہیں اسے اسم منسوب بنایا ہے جس نے الاَعْجَمِیْنَ قراءت کی تو ایک قول یہ کیا گیا: یہ اعجم کی جمع ہے۔ اس میں بعد ہے، کیونکہ وہ اسم جو صفات میں سے ہو جس کی مونث فعلاء کے وزن پر ہو اس کی جمع واؤ اور نون سے نہیں بنائی جاتی اور نہ ہی الف اور تاء سے جمع بنائی جاتی ہے نہ احمرون کہا جاتا ہے اور نہ

1۔ تفسیر طبری 2۔ تفسیر بغوی

حمراوات کہا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اصل اعجمیین ہے جس طرح حجدری کی قراءت ہے پھر یا نسبت کو حذف کر دیا اور اس کی جمع یاء اور نون سے بنائی جو اس پر دلیل ہے یہ ابوالفتح عثمان بن جنی نے کہا: یہ سیبویہ کا مذہب ہے۔

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ ، ہ ضمیر سے مراد قرآن ہے یعنی قرآن کا کفر۔ **فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ** ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے ان کے دل میں تکذیب کو داخل کر دیا یہی وہ چیز تھی جس نے انہیں ایمان سے روک دیا: یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ عکرمہ نے کہا: ہ ضمیر سے مراد سختی ہے۔ معنی قریب قریب ہے۔ سورۂ حجر میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ فراء نے لا یومنون میں جزم کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس پر شرط اور جزا کا معنی موجود ہے۔ یہ گمان کیا گیا ہے کہ عربوں کا معمول ہے جب لا کو کی کی جگہ رکھا جائے جس طرح یہاں ہے تو بعض اوقات یہ مابعد کو جزم دیتا ہے اور بعض اوقات مابعد کو یہ رفع دیتا ہے تو کہتا ہے: ربطت الفرس لا ینفلت فعل مضارع پر رفع اور جزم دونوں جائز ہیں کیونکہ اس کا معنی ہے اگر میں اس کو نہ باندھتا تو وہ کھسک جاتا اور رفع کیلا ینفلت کے معنی میں ہے۔ بنی عقیل کے آدمی کا شعر پڑھا:

وحتّی رأینا أحسنَ الفعلِ بیننا مُسَاکَنَۃٌ لا یقرِفُ الشَّرَّ قارِفُ

لا یقرف مرفوع ہے کیونکہ کی محذوف ہے۔

اور جزم دوسرے کے قول میں ہے:

لَطَالَمَا حَلَّأْتُمَاهَا لَا تَرِدْ فخلِّيا ها والسِّجالَ تَبْتَرِدْ

محل استدلال تبترد ہے۔

نحاس نے کہا: یومنون میں یہ سب کچھ بصریوں کے نزدیک خطا ہے جازم کے بغیر جزم جائز نہیں۔ کوئی ایسی چیز نہیں جو عمل کرے اور جب اسے حذف کیا گیا تو وہ ایسا عمل کرے جو اس کے اس عمل سے اقوی ہو جب کہ وہ موجود ہے۔ یہ واضح استدلال ہے۔

حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ، **فَيَاْتِيَهُمْ** کا فاعل العذاب ہے۔ حضرت حسن بصری نے پڑھا فتاتیھم معنی ہے قیامت ان پر اچانک آ جائے گی۔ اسے مضمر کیا گیا ہے، کیونکہ العذاب اس پر دلالت کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ الساعۃ کا ذکر قرآن میں کثرت سے واقع ہوا ہے۔ ایک آدمی نے حضرت حسن بصری سے کہا جب کہ آپ نے فتاتیھم پڑھا: اے ابا سعید! عذاب ان پر اچانک آ جائے گا؟ تو آپ نے اسے جھڑکا، فرمایا: وہ قیامت ہے جو ان پر اچانک آئے گی۔

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ وہ اس کے آنے کا احساس بھی نہ کریں گے۔

فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ کیا ہمیں مہلت دی جائے گی وہ وہاں رجوع کا مطالبہ کریں گے تو انہیں کوئی جواب نہ دیا جائے گا۔ قشیری نے کہا فیاتیھم اس کا عطف حتی یروا پر نہیں بلکہ یہ لا یومنون کے قول کا جواب نہیں۔ جب یہ نفی کا جواب ہے تو اس کو نصب دی اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَيَقُوْلُوْا**۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا

يُوْعَدُوْنَ ۝ مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝ وَ مَاۤ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ذِكْرٰى ۛ وَ مَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

''کیا وہ اب ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں کیا تم نے کچھ غور کیا اگر ہم لطف اندوز ہونے دیں انہیں چند سال پھر (یہ عرصہ گزرنے کے بعد) آئے ان پر وہ عذاب جس سے انہیں ڈرایا جاتا تھا تو کیا نفع دیں گے انہیں (اس وقت) وہ (سازوسامان) جن سے وہ لطف اندوز ہوتے رہتے تھے۔ اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس کے لیے ڈرانے والے (بھیجے گئے) تھے یاد دہانی کے لیے اور ہم ظالم نہیں تھے''۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ مقاتل نے کہا: مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے محمد! کب تک آپ ہمیں عذاب کی دعوت دیتے رہیں گے اور اس کو لائیں گے نہیں؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ یعنی دنیا میں ہم لطف اندوز ہوتے رہیں۔ ضحاک اور دوسرے علماء کے نزدیک مراد اہل مکہ ہیں۔ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ عذاب اور ہلاکت جس کی انہیں دھمکی دی جاتی تھی۔ مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ پہلا ما استفہامیہ ہے اس کا معنی تقریر ہے اغنی کی وجہ سے یہ محل نصب میں ہے۔ دوسرا ما محل رفع میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دوسرا ما نافیہ ہو اس کا کوئی محل اعراب نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا ما نافیہ ہے اور دوسرا ما، اغنی کی وجہ سے محل رفع میں ہو ضمیر عائد محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے ما أغنی عنھم الزمان الذی کانوا یمتعون زہری سے مروی ہے حضرت عمر بن عبد العزیز جب صبح کرتے تو اپنی داڑھی کو پکڑ لیتے پھر اسے پڑھتے اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝ پھر روتے اور کہتے:

نهارُكَ يا مغرورُ سهوٌ و غفلةٌ ولیلُكَ نومٌ والرَّدَی لكَ لازمٌ
فلا أنتَ فی الأیقاظ یقظانُ حازمٌ ولا أنتَ فی النُّوّام ناجٍ فسالمُ
تُسَرُّ بما یَفْنَی و تفرحُ بالمنی کما سُرَّ باللذات فی النوم حالمُ
وتَسعی إلی ما سوف تکرہ غِبَّهُ کذلك فی الدنیا تَعیشُ البهائمُ

اے دھوکہ میں مبتلا شخص تیرا دن بھول اور غفلت میں ہے اور تیری رات نیند میں ہے ہلاکت تجھے لازم ہے۔ تو بیداری میں بیدار اور محتاط نہیں نہ ہی تو سونے والوں میں نجات پانے والا اور سلامت رہنے والا ہے۔ جو چیز فانی ہے اس سے تو خوش ہوتا ہے اور تو آرزوؤں پر خوش ہوتا ہے جس طرح لذات سے نیند میں خواب دیکھنے والا خوش ہوتا ہے۔ تو اس کی طرف دوڑتا ہے جس کو تو کل ناپسند کرے گا جس طرح دنیا میں چوپائے خوش ہوتے ہیں۔

وَ مَاۤ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ من زائدہ ہے معنی ہے وما اھلکنا قریۃ، اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ مگر اس کے لیے رسل تھے۔ ذِكْرٰى کسائی نے کہا: حال ہونے کی حیثیت میں محل نصب میں ہے (1)۔ نحاس نے کہا: یہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس میں فراء اور

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 244

ابو اسحاق کا قول ہے کہ یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔ فراء نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے یذ کرون ذکری۔ یہ قول صحیح ہے کیونکہ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ کا معنی ہے مگر اس کے لیے نصیحت کرنے والے ہوتے ہیں۔ ذِكْرٰى میں اعراب واضح نہیں ہوتا کیونکہ اس میں الف مقصورہ ہوتا ہے۔ اسے تنوین کے ساتھ ذکری پڑھنا بھی جائز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو اور اس کا مبتدا مضمر ہو۔ ابو اسحاق نے کہا: ہمارا ڈرنا نصیحت ہے۔ فراء نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ذلك ذکری و تلك ذکری۔ ابن انباری نے کہا: بعض مفسرین نے کہا سورۂ شعراء میں کسی جگہ وقف تام نہیں ہوتا مگر اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ پر وقف تام ہے۔ ہمارے نزدیک یہ وقف حسن ہے پھر کلام کو شروع کرے۔ ذِكْرٰى کلام یہ بنے گی ھی ذکری یعنی انہیں نصیحت کی جاتی ہے۔ ذِكْرٰى پر وقف عمدہ ہے۔ وَ مَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ یعنی انہیں عذاب دینے میں ہم ظالم نہیں کیونکہ ہم نے ان پر حجت مکمل کر دی ہے اور تمام عذر ختم کر دیے ہیں۔

وَ مَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَ مَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾

''اور نہیں اترے اس قرآن کو لے کر شیاطین اور نہ یہ ان کے لیے مناسب ہے اور نہ ہی وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ انہیں (شیطانوں کو) تو ان کے سننے سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ پس نہ پکارا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو، ورنہ تو ہو جائے گا ان لوگوں میں سے جنہیں عذاب دیا گیا ہے''۔

وَ مَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ، ضمیر سے مراد قرآن ہے بلکہ اسے روح الامین نے نازل کیا ہے۔

وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَ مَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ جس طرح سورۂ حجر میں بیان کیا گیا ہے انہیں شہاب مار کر سننے سے روک دیا گیا ہے۔ حضرت حسن بصری اور محمد بن سمیقع اسے و ما تنزلت به الشیاطون پڑھا کرتے۔ مہدوی نے کہا: یہ لغت عرب میں جائز نہیں اور خط کے مخالف ہے۔ نحاس نے کہا: یہ تمام نحویوں کے نزدیک غلط ہے۔ میں نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا، وہ کہتے میں نے محمد بن زید کو کہتے ہوئے سنا: یہ علماء کے نزدیک غلط ہے یہ شبہ کے داخل ہونے کی وجہ سے ہوا جب حضرت حسن بصری نے اس کے آخر میں یاء اور نون دیکھا جب کہ یہ محل رفع میں ہے تو ان پر جمع سالم کے اعتبار سے اشتباہ ہوا تو ان سے غلطی ہوئی۔ حدیث میں ہے ''عالم کی لغزش سے بچو (1)''۔ جب کہ انہوں نے لوگوں کے ساتھ پڑھا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ (البقرہ: 14) اگر یہ محل رفع میں واؤ کے ساتھ ہوتا اضافت کی وجہ سے نون کا حذف واجب ہوتا۔ ثعلبی نے کہا: فراء نے کہا حضرت حسن بصری نے غلطی کی۔ یہ نضر بن شمیل سے ذکر کیا گیا تو کہا: اگر رؤبہ، عجاج اور ان جیسے لوگوں کے قول سے استدلال کرنا جائز ہے تو حضرت حسن بصری اور ان کے اصحاب کے قول سے بھی استدلال کرنا جائز ہے۔ ساتھ ساتھ ہم جانتے ہیں انہوں نے اسے نہیں پڑھا مگر انہوں نے اس بارے میں کوئی روایت سنی ہوگی۔ مورج نے کہا: اگر لفظ شیطان شاط، یشیط سے مشتق ہو تو ان دونوں کی قراءت کی کوئی توجیہ ہو سکتی ہے۔ یونس بن حبیب نے کہا: میں نے ایک اعرابی کو کہتے ہوئے

1۔ السنن الکبری للبیہقی، کتاب الشہادات، باب ما تجوز به شهادة اهل الهواء، جلد 10، صفحہ 211، دار الفکر

سنا: دخلنا بساتین من ورائها بساتون۔ میں نے کہا: یہ قول حضرت حسن بصری کی قراءت کے کتنے زیادہ مشابہ ہے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اسے کہو جو اس کا انکار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے اگرچہ آپ ایسا نہیں کرتے تھے کیونکہ آپ معصوم اور چنے ہوئے تھے لیکن اس کے ساتھ آپ کو خطاب کیا گیا اور مقصود اس کا غیر ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿﴾ (الشعراء) وہ اپنے نسب اور قرابت پر بھروسہ نہ کریں کہ وہ ان امور کو چھوڑ دیں جو ان پر واجب ہیں۔

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢١٦﴾ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿٢١٩﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٢٠﴾

''اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور آپ نیچے کیا کیجئے اپنے پروں کو ان لوگوں کے لیے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہل ایمان سے پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرمادیں میں بری الذمہ ہوں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے ہو۔ اور بھروسہ کیجئے سب سے غالب ہمیشہ رحم کرنے والے پر جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور (دیکھتا رہتا ہے جب) آپ چکر لگاتے ہیں سجدہ کرنے والوں (کے گھروں) کا بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے''۔

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ ڈرانے میں قریبی رشتہ داروں کو خاص کیا ہے تاکہ تمام قبیلہ اور اجنبی لوگوں کی طمع ختم ہو جائے جب ان کے شرک پر رہتے ہوئے آپ انہیں چھوڑ جائیں۔ قریبی عشیرہ سے مراد قریش ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بنو عبد مناف ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث واقع ہے ''اپنے قریبی رشتہ داروں اور مخلص ساتھیوں کو ڈرائیں'' (1)۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ قرآن تھا جو تلاوت کیا جاتا تھا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا کیونکہ مصحف میں نقل ثابت نہیں اور نہ ہی یہ تواتر سے ثابت ہے اس کے ثبوت پر اشکال لازم آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ پر لازم آتا ہے کہ آپ کسی کو نہ ڈرائیں مگر جو آپ کے عشیرہ میں سے ایمان لائے، کیونکہ مومن ہی وہ لوگ ہیں جو اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اخلاص کی صفت سے متصف ہیں نہ کہ مشرک اس سے متصف ہیں کیونکہ مشرک ان میں سے کسی چیز پہ نہیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام عشیرہ کو دعوت دی وہ مومن تھا یا کافر تھا۔ آپ نے سب کو ڈرایا اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کو ڈرایا اور جو ان کے بعد آئیں گے ان کو ڈرایا۔ نہ یہ نقلاً ثابت ہے اور نہ ہی معنی ثابت ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان من مات علی الکفر فهو فی النار ولا تناله شفاعة ولا تنفعه قرابة المقربین، جلد 1، صفحہ 114، قدیمی کتب خانہ

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو دعوت دی وہ سب عام و خاص جمع ہو گئے۔ فرمایا: ''اے بنی کعب بن لؤی! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ(1)۔ اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچاؤ۔ اے بنی عبد المطلب! اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچاؤ۔ اے فاطمہ! اپنے نفس کو آگ سے بچاؤ۔ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں سوائے اس کے کہ تمہارے ساتھ رشتہ داری ہے میں دنیا میں تمہارے ساتھ صلہ رحمی کروں گا اور آخرت میں تمہیں کوئی نفع نہ دوں گا''۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس حدیث اور آیت میں دلیل ہے کہ اسباب میں بعد ہوتے ہوئے انساب کا قرب بندے کو نفع نہ دے گا۔ اس امر کے جواز پر دلیل ہے کہ مومن کافر کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتا ہے اس کی رہنمائی کر سکتا ہے اور اخلاص کا مظاہرہ کر سکتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ان لکم رحما سابلها ببلالها تمہارے ساتھ رشتہ داری ہے میں دنیا میں تمہارے ساتھ صلہ رحمی کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ (الممتحنہ: 8) جس کی وضاحت آگے آئے گی۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ سورۂ حجر اور سورۂ اسراء میں یہ بحث گزر چکی ہے خفض جناحہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ نرمی کرے۔ فَاِنْ عَصَوْكَ تیرے امر کی مخالفت کریں۔ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ تم جو میری نافرمانی کرتے ہو میں اس سے بری ہوں کیونکہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر کا حکم نہیں دیتے مگر اسی امر کا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم براءت کا اظہار کر دیں اللہ تعالیٰ اسی سے براءت کا اظہار کر دیتا ہے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ اپنے امر کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، کیونکہ وہی غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ وہ رحیم ہے وہ اپنے دوستوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ عام قراءت وتوکل واؤ کے ساتھ ہے اسی طرح ان کے مصاحف میں ہے۔

نافع اور ابن عامر نے فتوکل فاء کے ساتھ پڑھا ہے(2) اسی طرح مدینہ اور شام کے مصاحف میں ہے۔ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق: جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو؛ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا یہی قول ہے۔ مجاہد نے کہا: جہاں کہیں ہوں، تو جب کھڑے ہوں(3)۔ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ مجاہد اور قتادہ نے کہا: الساجدین سے مراد نمازیوں میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آباء کی پشتوں میں۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابرہیم علیہ السلام یہاں تک کہ آپ کو نبی کی حیثیت سے نکالا۔ عکرمہ نے کہا: آپ کو قیام کرتے ہوئے رکوع کرتے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان من مات علی الکفر فہو فی النار ولا تنالہ شفاعۃ ولا تنفعہ قرابۃ المقربین، جلد 1، صفحہ 114، قدیمی کتب خانہ

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 245

3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 246

ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ قول بھی کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے آپ نماز میں اپنے دل سے اپنے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو دیکھتے ہیں جس طرح آپ اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے والے لوگوں کو دیکھتے ہیں۔ مجاہد سے مروی ہے ماوردی اور ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے والے لوگوں کو اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح اپنے سامنے والوں کو دیکھا کرتے تھے۔ یہ صحیح میں ثابت ہے۔ آیت کی یہ تاویل بعید ہے: اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ﴿۲۲۲﴾ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾

''کیا میں بتاؤں تمہیں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں وہ اترتے ہیں ہر جھوٹ گھڑنے والے بدکار پر یہ اپنے کان (شیطانوں کی طرف) لگائے رکھتے ہیں اور ان میں سے اکثر نرے جھوٹے ہیں''۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ۔ تنزل فرمایا کیونکہ اکثر یہ ہوا میں ہوتا ہے اور ہوا میں گزرتا ہے۔ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ سورۂ حجر میں بحث گزر چکی ہے۔ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ یہ شیاطین کی صفت ہے وَ اَكْثَرُهُمْ یہ کاہنوں کی طرف لوٹتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ شیاطین کی طرف راجع ہے۔

وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

''اور جو شعراء ہیں تو ان کی پیروی حق سے بھٹکے ہوئے لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شعراء ہر وادی میں سرگرداں پھرتے رہتے ہیں اور وہ کہا کرتے تھے ایسی باتیں جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے بجز ان شعراء کے جو ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور انتقام لیتے ہیں اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا، اور عنقریب جان لیں گے جنہوں نے ظلم و ستم کیے کہ وہ کس (بھیانک) جگہ لوٹ کر آ رہے ہیں''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1 ۔ الشُّعَرَآءُ۔ یہ شاعر کی جمع ہے جس طرح جاھل کی جمع جھلاء ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کفار ہیں ان کی جنوں اور انسانوں میں گمراہ لوگ پیروی کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الْغَاوٗنَ سے مراد حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ شعراء بھی گمراہ ہیں کیونکہ اگر وہ گمراہ نہ ہوتے تو ان کے پیروکار گمراہ نہ ہوتے ہم سورۂ نور میں بیان کر چکے ہیں کہ کن اشعار کو پڑھنا جائز ہے، کن کو پڑھنا مکروہ ہے اور کن کو پڑھنا حرام ہے۔ امام مسلم نے عمرو بن شرید سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا

ہوا تھا پوچھا: ''کیا تیرے پاس امیہ بن صلت کا شعر ہے؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ''کچھ کہو''۔ میں نے ایک شعر پڑھا۔ فرمایا: ''کچھ اور پڑھو''۔ میں نے ایک اور شعر پڑھا۔ فرمایا: ''کچھ اور کہو'' یہاں تک کہ میں نے سو اشعار پڑھے (1)۔
یہی اس سند سے صحیح ہے۔ امام مسلم کے ایک راوی نے یوں روایت کی ہے عمرو بن شرید اپنے باپ سے، اس میں وہم ہے کیونکہ شرید کو ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا ابو شرید کا نام سوید تھا۔ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ اشعار کو یاد کیا جائے اور ان کو ملحوظ رکھا جائے جب وہ حکمتوں اور مستحسن معانی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہوں۔ وہ معانی شرعی طور پر مستحسن ہوں یا طبعی طور پر مستحسن ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امیہ بن ابی صلت کے اشعار اکثر سنا کرتے تھے کیونکہ وہ حکیم تھا۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں دیکھا: ''قریب تھا کہ امیہ بن ابی صلت مسلمان ہو جاتا''۔ رہے وہ اشعار جو اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی حمد اور اس کی ثنا کو اپنے ضمن میں لیے ہوتے ہیں تو وہ مندوب ہوتے ہیں۔ جس طرح کسی کہنے والا کا قول ہے:

الحمد لله العلي المنان صار الثريد في رؤس العيدان

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور مدح ہو جس طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے اشعار ہیں۔

مِن قبلها طِبتَ في الظِّلال وفي مستودعٍ حيث يُخصَفُ الورقُ
ثم هبطت البلاد لا بشرٌ أنتَ ولا مُضغةٌ ولا عَلَقُ

پھر تو شہروں کی طرف اترا نہ تو بشر ہے، نہ مضغہ ہے اور نہ ہی علق ہے۔

بل نطفة تركب السَّفِينَ وقد ألجمَ نَسْرًا وأهلَه الغَرَقُ
تنقل من صالبٍ إلى رَحِمٍ إذا مَضَى عَالَمٌ بَدَا طَبَقُ

تو پشت سے رحم کی طرف منتقل ہوتا ہے جب ایک عالم (زمانہ) گزر جاتا ہے تو دوسرا زمانہ ظاہر ہو جاتا ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: لا یَفضُضِ اللہ فاك اللہ تعالیٰ تیرے دانت سلامت رکھے۔ یا شاعر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرے جس طرح حضرت حسان کا قول:

هجوتَ محمدًا فأجبتُ عنه وعند اللهِ في ذلك الجزاءُ

تو نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی تو میں نے آپ کی طرف سے جواب دیا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بارے میں جزا ہے۔
یہ وہ اشعار ہیں جن کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا یہ سیرت میں مکمل ہیں۔ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے۔ جس طرح زید بن اسلم نے روایت کی ہے۔
ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نگہبانی کے لیے نکلے تو آپ نے ایک گھر میں چراغ دیکھا کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت اون دھنک رہی تھی اور کہہ رہی تھی:

على محمدٍ صلاة الأبرار صلى عليه الطيبون الأخيار

1۔ صحیح مسلم، کتاب الشعر، جلد 2، صفحہ 239

قد كنتَ قوّامًا بُكًا بالأسحارْ يالَيتَ شِعْرى والمنايا أطوارْ

هل يَجمعنِي وحبيبى الدارْ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ابرار کا درود ہو آپ کے پاکیزہ اور نیک لوگوں کا درود ہو آپ قیام کرنے والے تھے سحری کے وقت رونے والے تھے کاش میں جانتا جب کہ موتیں پے در پے واقع ہونے والی ہیں۔ کیا دار مجھے اور میرے حبیب کو جمع کرے گا۔ مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ کر رونے لگے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا ذکر اور ان کی مدح کرنا۔ محمد بن سابق نے کتنا اچھا کیا جب کہا:

إنِّى رضيتُ عليا للهُدَى عَلَمًا كما رضيتُ عَتيقًا صاحبَ الغارِ

وقد رضيتُ أباحفصٍ و شيعَتُه وما رضيتُ بقتل الشيخِ فى الدارِ

كلُّ الصحابة عندى قُدوةٌ عَلَمُ فهل علىّ بهذا القول من عارِ

إن كنتَ تعلم أنِّى لا أحبُّهُمُ إلّامن اجلك فاعتقى من النّار

میں حضرت علی پر راضی ہوں وہ ہدایت کے نشان ہیں جس طرح میں عتیق پر راضی ہوں جو صاحب غار ہیں ابوحفص اور ان کے حمایتیوں پر راضی ہوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں قتل پر راضی نہیں۔ میرے نزدیک تمام صحابہ مقتدی ہیں۔ کیا ایسے قول کی وجہ سے مجھ پر کوئی شرمندگی ہو سکتی ہے؟ اے میرے رب! اگر تو جانتا ہے کہ میں ان سے صرف تیری وجہ سے محبت کرتا ہوں تو مجھے آگ کے عذاب سے نجات عطا فرما۔

ایک اور نے اشعار کہے اور خوب کہے:

حُبُّ النّبِى رسول الله مُفْتَرَضٌ وحُبُّ أصحابِه نورٌ ببرهانِ

من كان يعلم أن الله خالقه لا يرمينَّ أبابكرٍ ببهتانِ

ولا أبا حفص الفاروقَ صاحبَه ولا الخليفةَ عثمان بن عفانِ

أمّا علىٌّ فمشهورٌ فضائلُه والبيت لا يَستوِى إلّا بأركانِ

نبی جو رسول اللہ ہیں ان کی محبت فرض ہے اور آپ کے صحابہ کی محبت نور ہے جس کے ساتھ برہان ہے جو یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے وہ حضرت ابوبکر صدیق پر بہتان نہیں لگائے گا۔ وہ ابوحفص فاروق جو حضور کے صحابی ہیں پر اور نہ خلیفہ عثمان بن عفان پر بہتان لگائے گا۔ جہاں تک حضرت علی کا تعلق ہے تو ان کے فضائل مشہور ہیں اور گھر ارکان کے ساتھ ہی مکمل ہوتا ہے۔

ابن عربی نے کہا: جہاں تک تشبیہات میں استعارات کا تعلق ہے تو ان اشعار میں اس کی اجازت ہے اگرچہ تو اس میں مستغرق ہو جائے اور معتاد طریقہ سے تجاوز کر جائے۔ اسی وجہ سے وہ فرشتہ جو خوابوں پر مقرر ہے وہ مثالیں بیان کرتا ہے۔

حضرت کعب بن زہیر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی:

بانت سعادُ فقلبى مَتْبولُ مُتَيَّمٌ إثرَها لم يُفْدَ مَكْبولُ

وما سُعادُ غَداۃَ البَیْنِ إذ رَحَلُوا إلّا أغَنّ غضیضُ الطَّرفِ مَکحولُ

تَجلُو عَوارِضَ ذِی ظَلْمٍ إذا إبتسمتْ کأنّه مُنْهَلٌ بالرّاحِ مَعْلولُ

سعاد جدا ہوگئی تو میرا دل اس کے پیچھے اس کی محبت کی وجہ سے بیمار، ذلیل اور قید ہے جس کا فدیہ نہیں دیا گیا جب انہوں نے کوچ کیا تو جدائی کی صبح سعاد نہیں تھی مگر گنگنانے والی، آنکھیں جھکی ہوئی جن میں سرمہ لگا ہو جب وہ مسکراتی تو تر چمکدار دانتوں کو ظاہر کرتی گویا وہ ایسا گھاٹ ہے جس سے کوچ کرتے وقت دوسری دفعہ پانی لیا گیا ہو۔

اس قصیدہ میں ہر طرح کے استعارات اور تشبیہات آتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے سنتے اور اس نے ریق (لعاب) کو راح (شراب) سے جو تشبیہ دی اس کو ناپسند نہیں کیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

فَقَدْنا الوحیَ إذ ولّیتَ عنّا وودّعَنا من اللہ الکلامُ

سوی ما قد ترکتَ لنا رهینًا تَوارَثُه القَراطیسُ الکِرامُ

فقد أورثْتَنا میراثَ صدقٍ علیك به التحیة والسلامُ

جب آپ نے ہم سے رخ انور پھیرا تو وحی ہم سے مفقود ہوگئی اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام نے ہمیں الوداع کیا سوائے اس چیز کے جو آپ نے ہمارے لیے قابل ضمانت چھوڑی جسے معزز صحیفے محفوظ کیے ہوئے ہیں تحقیق آپ نے ہمیں سچائی کی میراث عطا کی اس وجہ سے آپ پر صلوٰۃ وسلام ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے سنتے اور حضرت ابو بکر صدیق اسے پڑھتے کیا اس سے بہتر تقلید کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ ابو عمر نے کہا: اہل علم اور اہل دانش میں سے کوئی بھی اچھے شعر کو ناپسند نہیں کرتا کبار صحابہ، اہل علم، مقتدیٰ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں مگر اس نے شعر کہا، اس کو سنا اس میں جو حکمت یا مباح امر تھا اس میں کوئی فحش بات نہ تھی اور نہ ہی کسی مسلم کے لیے اذیت کا تصور تھا اس پر رضامندی کا اظہار کیا۔ جب وہ اس طرح ہو یعنی وہ فحش ہو یا اذیت ہو وہ شعر اور اس جیسی نثر دونوں برابر ہیں۔ اس کا سننا اور اس کا قول کرنا حلال نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا: أصدق کلمة أو أشعر کلمة قالتها العرب قول لبید ألا کلُّ شیءٍ ما خلا اللهَ باطلُ (1) سب سے سچا کلمہ جو عربوں نے کہا وہ لبید کا قول ہے: خبردار اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے باطل ہے۔

امام مسلم نے اسے نقل کیا اور یہ اضافہ کیا "قریب تھا کہ امیہ بن ابی صلت مسلمان ہو جاتا"۔ ابن سیرین سے مروی ہے کہ انہوں نے شعر پڑھا تو پاس بیٹھنے والے لوگوں میں سے ایک نے کہا: اے ابو بکر تیری مثل آدمی شعر کہتا ہے۔ فرمایا: تو ہلاک ہو یا لُکَع۔ شعر بھی ایک کلام ہے قوافی کے علاوہ دوسرے کلاموں کے مخالف نہیں۔ ان میں سے اچھا اچھا ہے قبیح قبیح ہے۔ وہ شعر کا باہم ذکر کیا کرتے تھے۔ کہا میں نے حضرت ابن عمر کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا:

یُحِبُّ الخمرَ من مالِ النّدامیٰ ویکرہُ أن یفارقَهُ الفُلوسُ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الشعر، جلد 2، صفحہ 239

وہ مجلس کے مال سے شراب پسند کرتا ہے اور یہ ناپسند کرتا ہے کہ عکوس اس سے جدا ہو۔

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود جو مدینہ طیبہ کے دس فقہاء میں ایک، پھر سات شعراء میں سے ایک تھے وہ بہت عمدہ شاعر اور اس میں مقدم تھے۔ زبیر بن بکار جو قاضی تھے ان کی اشعار کے بارے میں کتاب ہے۔ اس کی ایک خوبصورت بیوی تھی جس کا نام عثمہ تھا کسی وجہ سے قاضی اس پر ناراض ہوئے اور اسے طلاق دے دی قاضی کے اپنی بیوی کے بارے میں بے شمار اشعار ہیں ان میں سے یہ بھی ہیں:

تَغلغَل حُبُّ عَثْمَةَ فی فؤادی　　فبادیه مع الخافی یسیرُ

تَغلغَل حیث لم یبلغ شَرابٌ　　ولا حزنٌ ولم یبلغ سرورُ

أکاد إذا ذکرتُ العهد منها　　أطیر لو أن إنسانا یطیرُ

عثمہ کی محبت میرے دل میں موجزن ہے اس کا ظاہر اس کے باطن کے ساتھ چل رہا ہے۔ وہ وہاں تک نفوذ کر گئی ہے جہاں شراب نہیں پہنچتی نہ جہاں تک حزن ہے اور نہ ہی سرور پہنچا ہے جب میں اس کے ساتھ گزرے ہوئے وقت کو یاد کرتا ہوں تو قریب ہے کہ میں اڑنے لگوں اگر انسان اڑتا۔

ابن شہاب نے کہا: میں نے کہا تو اس فضل و شرف میں ہوتے ہوئے شعر کہتا ہے؟ اس نے جواب دیا: جس کے سینے میں تکلیف ہو جب وہ تھوکتا ہے تو اسے آرام آجاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جہاں تک مذموم شعر کا تعلق ہے تو اس کا سماع حلال نہیں اور اس کا کہنے والا ملامت کیا گیا ہوتا ہے۔ وہ باطل بات کہتا ہے یہاں تک کہ لوگوں میں سے جو سب سے بزدل ہوتا ہے اسے عنترہ پر فضیلت دیتا ہے۔ اور دنیا جہاں کے بخیل کو حاتم پر فضیلت دیتا ہے، وہ بری پر بہتان لگاتا ہے، متقی پر فسق کی تہمت لگاتا ہے۔ ایک کام کسی نے کیا نہیں ہوتا تو وہ افراط سے کام لیتا ہے مقصد نفس کو تسلی دینے کی رغبت رکھنا اور قبول کی تحسین کرنا۔ جس طرح فرزدق سے مروی ہے کہ سلیمان بن عبد الملک نے اس کا قول سنا:

فبِتْنَ بجانبیَّ مُصَرَّعاتٍ　　وبِتُّ أَفُضُّ أغلاقَ الختامِ

اس شعر میں عورتوں سے خواہش نفس پوری کرنے کا ذکر ہے۔

سلیمان بن عبد الملک نے کہا: تجھ پر حد واجب ہو چکی۔ فرزدق نے عرض کی: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے مجھ سے حد کو ساقط کر دیا ہے۔ فرمایا: وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ روایت بیان کی گئی ہے کہ نعمان بن عدی بن نضلہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا عامل تھا۔ اس نے یہ اشعار کہے:

مَنْ مُبلِغُ الحسناءِ أنّ حلیلَها　　بمَیْسَانَ یُسقَی فی زُجاجٍ و حَنْتَمِ

إذا شئتُ غَنّتْنی دَهاقینُ قریةٍ　　ورقاصةٌ تَجذو علی کلِّ مَنْسِمِ

فإن کنت ندمانی فبالأکبر أسقِنی　　ولا تَسقِنی بالأصغر المتثلِّمِ

لعلّ أميرَ المؤمنين يَسوءُہ　　تَنادُمنا بالْجَوْسقِ المتهدِّمِ

ان اشعار میں شراب پینے کا ذکر ہے اور ساتھ ہی عورتوں کا تذکرہ ہے۔

یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے اسے حاضری کا حکم دیا۔ کہا: اللہ کی قسم! یہ چیز مجھے پریشان کرتی ہے۔ اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! جو کچھ آپ نے کہا اس میں سے میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ تو فضول کلام تھا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ ﴿﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿﴾ وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: جہاں تک تیرے عذر کا تعلق ہے اس نے تجھ سے حد کو ساقط کر دیا ہے مگر تو میرا کبھی عامل نہیں بنے گا تو نے کہہ دیا جو کہہ دیا۔ زبیر بن بکیر نے ذکر کیا اور کہا: مصعب بن عثمان نے مجھے خبر دی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جب خلیفہ بنے سوائے عمر بن ابی ربیعہ اور احوص کے کسی کو پریشانی نہ تھی آپ نے مدینہ طیبہ کے عامل کو خط لکھا: تو عمر اور احوص کے شر اور خبث کو پہچانتا ہے، جب تیرے پاس میرا یہ خط آئے ان دونوں کو گرفتار کرو اور دونوں کو میرے پاس بھیج دو جب عامل کے پاس خط پہنچا تو اس نے دونوں کو آپ کے پاس بھجوا دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز، عمر بن ابی ربیعہ کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا:

فلم أر كالتَّجمِيرِ منْظَرَ ناظرٍ　　ولا كليالى الحج أَفْلَتْنَ ذَاهَوَى

وكم مالئٍ عينيه من شيءِ غيرِهِ　　إذا راح نحو الجمرةِ البيضُ كالدُّمَى

خبردار اگر تو حج کا ارادہ کرتا تو تو کسی اور چیز کی طرف نہ دیکھتا جب ان دنوں میں لوگ تجھ سے چھٹکارا نہیں پاتے تو کب چھٹکارا پاتے ہوں گے پھر اس کو جلاوطن ہو جانے کا حکم دیا۔ اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! کیا اس سے بہتر صورت بھی ہے؟ فرمایا: وہ کیا ہے؟ عرض کی: میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں دوبارہ اس قسم کے اشعار نہیں کہوں گا۔ اور کبھی بھی اشعار میں عورتوں کا ذکر نہیں کروں گا۔ میں نئے سرے سے توبہ کرتا ہوں۔ پوچھا: تو ایسا کرے گا؟ عرض کی: ہاں۔ اس کی توبہ پر اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دیا اور اس کو چھوڑ دیا۔ پھر احوص کو بلایا فرمایا:

الله بيني و بين قَيِّمِها　　يَفِرُّ مِنّي بها وأَتْبَعُ

بلکہ اللہ اس کے قیم اور تیرے درمیان ہے۔ پھر اس کی جلاوطنی کا حکم دیا۔ اس کے متعلق انصار میں سے چند افراد نے گفتگو کی فرمایا: اللہ کی قسم! جب تک حکومت میرے پاس ہے میں اس کو واپس نہیں آنے دوں گا، کیونکہ یہ اعلانیہ فاسق ہے۔ یہ مذموم شعر کا حکم ہے اور اس شعر کو کہنے والے کا حکم ہے۔ اس کا سننا اور مسجد وغیرہ میں پڑھنا حلال نہیں، جس طرح قبیح کلام کو نثر کی صورت میں پڑھنا جائز نہیں۔ اسماعیل بن عیاش نے عبداللہ بن عون سے وہ محمد بن سیرین سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں حسن الشعر کحسن الکلام و قبیحه کقبیح الکلام۔ اچھا شعر اچھی کلام کی طرح ہے اور قبیح شعر قبیح کلام کی طرح ہے۔ اسے اسماعیل نے عبداللہ شامی سے روایت کیا ہے اہل شام سے اس کی حدیث صحیح ہے جو یحییٰ بن معین اور دوسرے علماء نے کہا ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن عاصم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الشعر

بمنزلة الكلام حسنه كحسن الكلام و قبيحه كقبيح الكلام۔(1) شعر کلام کے قائم مقام ہے اچھا شعر اچھی کلام کی طرح اور قبیح شعر قبیح کلام کی طرح ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے یہاں تک کہ وہ پیٹ کو کھا جائے اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھر جائے''۔ صحیح میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا: اس اثنا میں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے کہ ایک شاعر شعر کہتے ہوئے سامنے آ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شیطان کو پکڑ لو یا فرمایا: ''شیطان کو قابو کر لو''۔ کسی آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھر جائے''(2)۔ ہمارے علماء نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاملہ شاعر کے ساتھ اس وقت کیا جب اس کے احوال کو جانا۔ شاید یہ شاعر وہ تھا جس کے بارے میں معروف تھا کہ اس نے شعر کو کمائی کا ذریعہ بنا دیا ہے جب اسے کوئی مال دیا جاتا تو وہ مدح میں افراط سے کام لیتا اور جب اسے مال نہ دیا جاتا تو وہ ہجو اور مذمت میں زیادتی کرتا وہ لوگوں کو ان کے اموال اور عزتوں میں اذیتیں دیا کرتا تھا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں جس کی یہ حالت ہو تو جتنا مال وہ شعر کے ذریعے کماتا ہے وہ حرام ہے اس قسم کے جو اشعار کہے وہ اس پر حرام ہیں ان کو سننا حلال نہیں بلکہ ان کا انکار واجب ہے جس کو اس کی زبان سے خوف ہو اور اس کے لیے انکار بھی ممکن نہ ہو تو جہاں تک طاقت رکھے وہ اس کے ساتھ نرمی کرے اور جس قدر ممکن ہو اپنا بچاؤ کرے ابتداءً اسے کچھ نہ دے کیونکہ یہ معصیت پر مدد بنتی ہے۔ اگر وہ کوئی صورت پائے تو عزت بچانے کی نیت کرتے ہوئے اسے مال دے، بندے نے عزت بچانے کے لیے جو مال دیا وہ اس کے حق میں صدقہ کے طور پر لکھ دیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں قیح سے مراد وہ مادہ ہے جس میں خون کی آمیزش ہوتی ہے۔ اسی بارے میں یہ کہا جاتا ہے قاء الجرح يقيح و تقيح و تقيح۔ ''يريه''۔ اصمعی نے کہا: یہ وری سے مشتق ہے یہ رمی کی مثل ہے اس سے مراد ہے ان يدوی جوفه اس سے یہ لفظ ذکر کیا جاتا ہے رجل مودی۔ یہ لفظ مشدد ہے مہموز نہیں۔ صحاح میں ہے وری القیح جوفه يريه وريا۔ جب وہ اسے کھا جائے۔ یزیدی نے یہ شعر پڑھا:

قالت له وَرْيًا إذا تنحنحا

اس کی تاویل میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ حدیث ان سب میں اچھی ہے: بے شک وہ شخص جس پر شعر کا غلبہ ہو اور اس کا سینہ اس سے بھر جائے اس کے علاوہ اس میں کوئی علم نہ ہو اور نہ ہی ذکر میں سے کوئی چیز ہو۔ اس (شعر) کے ساتھ وہ باطل میں ہی ٹامک ٹوئیاں مارتا رہتا ہے اور ایسے راستے پر چلتا ہے جس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ جس طرح بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہو، لچر گفتگو کرتا ہو، غیبت کرتا ہو اور قبیح قول کرتا ہو جس پر شعر کا غلبہ ہو تو اس کو یہ مذموم اور کمینے اوصاف لازم ہوتے ہیں کیونکہ اولی عادت یہی ہے، یہی وہ معنی ہے جس کی طرف امام بخاری نے اپنی صحیح میں اشارہ کیا ہے جب اس حدیث کا باب یہ ذکر کیا باب ما يكره ان يكون الغالب على الانسان الشعر اس کی تاویل میں یہ قول کیا گیا ہے اس سے وہ اشعار مراد ہیں جن میں نبی

1۔ الادب المفرد للبخاری

2۔ صحیح مسلم، کتاب الشعر، باب تحريم اللعب بالنرد شير، جلد 2، صفحہ 240

کریم سلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگوں کی ہجو کی گئی ہو۔ یہ کوئی چیز نہیں کیونکہ نبی کریم سلی اللہ علیہ وسلم کی تھوڑی ہجو کی گئی ہو یا زیادہ کی گئی ہو وہ کفر اور مذموم ہے اسی طرح نبی کریم سلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کی ہجو وہ تھوڑی ہو یا زیادہ ہو وہ بھی مذموم ہے اس وجہ سے کثیر کی تخصیص کوئی معنی نہیں رکھتی۔

مسئلہ نمبر 4۔ امام شافعی نے کہا: شعر کلام کی نوع ہے اچھا شعر اچھی کلام کی طرح اور قبیح شعر قبیح کلام کی طرح ہے یعنی شعر بالذات مکروہ نہیں یہ متعلقات کی وجہ سے مکروہ ہے جب کہ عربوں کے ہاں اس کا بڑا مقام تھا۔ ان میں سے پہلے لوگوں نے کہا:

وجُرْحُ اللسان کجُرْحِ الید زبان کا زخم ہاتھ کے زخم کی طرح ہے۔

نبی کریم سلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر کے بارے میں فرمایا جس میں حضرت حسان نے مشرکوں کو جواب دیا تھا: انہ لأسرع فیھم من رشق النبل۔ یہ شعر ان میں تیر مارنے سے زیادہ تیزی سے اثر کرے گا۔ امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے حضرت ابن عباس سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا کہ نبی کریم سلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے جب عمرۃ القضاء کا مرحلہ تھا جب کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ آپ کے سامنے چل رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

خَلُّوا بني الكُفَّار عن سبيله اليومَ نَضربْكُمْ على تنزيله

ضربا يزيلُ الهامَ عن مَقِيلِه ويُذْهِلُ الخليلَ عن خليله

اے کفار کی اولاد! آپ کا راستہ خالی کر دو آج ہم قرآن کے حکم کے مطابق تم پر ایسا وار کریں گے جو کھوپڑی کو تن سے جدا کر دے گا اور دوست کو دوست سے غافل کر دے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابن رواحہ! اللہ تعالیٰ کے حرم میں اور رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے! رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے عمر! اس کو چھوڑ دو یہ ان میں تیر کے وار سے زیادہ تیزی سے اثر کرنے والا ہے'' (1)۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ جتنا میں جانتا ہوں قراء نے الشُّعَرَآءُ کے رفع میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔ فعل مضمر کے ساتھ نصب دینا بھی جائز ہے جس کی تفسیر يَتَّبِعُهُمْ فعل بیان کرتا ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے اس کے ساتھ قراءت کی ہے۔ ابو عبید نے کہا: ان پر غالب نصب کا پسندیدہ ہونا ہے اس نے پڑھا وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ (المائدہ: 38) حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (الہب) سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا (النور: 1) نافع، شیبہ، حسن بصری اور سلمی نے پڑھا یتبعھم یعنی اسے مخفف پڑھا۔ باقی قراء نے یتّبعھم پڑھا ہے۔ ضحاک نے کہا: دو آدمیوں نے باہم ہجو کی ایک انصاری تھا اور ایک مہاجر تھا دونوں نے یہ عمل رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کیا ہر ایک کے ساتھ اس کی قوم کے بے وقوف بھی تھے تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا (2)۔ ان سے ایک قول یہ بھی مروی ہے: مراد وہ لوگ ہیں جو آگے اشعار روایت کرتے ہیں۔ علی بن طلحہ نے ان سے روایت نقل کی ہے: مراد وہ کفار ہیں جن کی جنوں اور انسانوں میں سے گمراہ اتباع کرتے ہیں۔ ہم نے اس کا

1۔ جامع ترمذی، کتاب فی الادب، باب ما جاء فی انشاد الشعر، جلد 2، صفحہ 107 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 232

ذکر کیا ہے۔ غضیف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کی جو آدمی اسلام میں ہجو کا آغاز کرے اس کی زبان کاٹ دو۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو ابلیس غم سے چیخا اس کی ذریت اس کے پاس جمع ہوئی اس دن کے بعد تم اس چیز سے مایوس ہو جاؤ کہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں شرک کا رواج دے سکو گے بلکہ اس مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں شعر کو عام کردو''۔

مسئلہ نمبر 6۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ وہ ہر لغو بات میں داخل ہو جاتے ہیں اور حق کے طریقہ کی پیروی نہیں کرتے کیونکہ جو آدمی حق کی اتباع کرے اور اسے علم ہو کہ جو وہ کہے گا وہ اس پر لکھا جائے گا تو وہ حق پر قائم ہو جاتا ہے وہ آوارہ جدھر منہ آئے ادھر نہیں چلا جاتا کہ جو کچھ کہے اس کی پرواہ نہ کرے۔ یہ آیت عبد اللہ بن زبعری، مسافع بن عبد مناف اور امیہ بن ابی صلت کے حق میں نازل ہوئی۔

وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ان میں سے اکثر جھوٹ بولتے ہیں، یعنی وہ اپنی گفتگو کے ذریعے کرم اور خیر پر رہنمائی کرتے ہیں اور وہ کرتے نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ابی عزہ جحمی کے حق میں نازل ہوئی۔ جب اس نے کہا:

أَلَا أَبْلِغَا عَنِّي النَّبِيَّ مُحَمَّدًا ... بِأَنَّكَ حَقٌّ وَالْمَلِيكُ حَمِيدُ
وَلٰكِنْ إِذَا ذُكِّرْتُ بَدْرًا وَأَهْلَهُ ... تَأَوَّهَ مِنِّي أَعْظُمٌ وَ جُلُودُ

خبردار تم دونوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نبی ہیں کو پہنچا دو کہ آپ حق پر ہیں اور مالک حمد کے لائق ہے لیکن جب مجھے بدر اور اس میں قتل ہونے والے لوگ یاد آتے ہیں تو میری ہڈیاں اور جلد اوہ اوہ کرتے ہیں۔

پھر مومنوں کے شعر کو اس حکم سے خارج کیا۔ مومن شعراء یہ ہیں حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن رواحہ، کعب بن مالک اور کعب بن زہیر۔ اسی طرح وہ تمام شعراء جو ان کی طرح سچی بات کرتے۔ فرمایا: اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا یعنی اپنی گفتگو میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے۔ وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا یہ انتقام بھی حق کے ساتھ ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے جو اس کی حدود بیان کیں اگر اس نے اس سے تجاوز کیا تو اس نے باطل طریقہ سے انتقام لیا۔ ابو الحسن مبرد نے کہا: جب سورۃ ''الشعراء'' نازل ہوئی تو حضرت حسان، حضرت کعب بن مالک اور حضرت ابن رواحہ روتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی: اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ وہ برتر ذات جانتی ہے کہ ہم شعراء ہیں؟ فرمایا: ''اس کے بعد والا حصہ پڑھو اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ تم وہ ہو جو اس کا مصداق ہیں وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا تم مشرکوں کو رد کرنے والے تھے''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بدلہ لو اور حق بات ہی کہو اور آباء اور امہات کا ذکر نہ کرو''۔ حضرت حسان نے ابو سفیان کے بارے میں کہا:

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَأَجَبْتُ عَنْهُ ... وَ عِنْدَ اللّٰهِ فِي ذَاكَ الْجَزَاءُ
فَإِنَّ أَبِي وَ وَالِدَهُ وَ عِرْضِي ... لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ
أَتَشْتُمُهُ وَلَسْتَ لَهُ بِكُفْءٍ ... فَشَرُّكُمَا لِخَيْرِكُمَا الْفِدَاءُ

لسانی صارم لا عیب فیہ و بحری لا تکدرہ الدلاء

تو نے حضرت محمد ﷺ کی ہجو کی اور میں نے آپ کی طرف سے جواب دیا جب کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جزا ہے۔ میرا والد، میری والدہ اور میری عزت حضرت محمد ﷺ کی عزت کے سامنے ڈھال ہے کیا تو آپ کو برا بھلا کہتا ہے جب کہ تو آپ کا ہم پلہ نہیں، تم میں سے برا تم میں سے اچھے پر قربان، میری زبان تلوار ہے اس میں کوئی عیب نہیں اور میرے سمندر کو ڈول گدلا نہیں کرتے۔

حضرت کعب نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ اللہ تعالیٰ نے شعر کے بارے میں حکم نازل کیا جس کو آپ جانتے ہیں آپ کی کیا رائے ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مومن اپنی جان، تلوار اور زبان سے جہاد کرتا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! گویا تم اپنی زبان سے تیر برسا رہے ہو''۔ حضرت کعب نے کہا:

جاءت سَخِینۃُ(1) کی تُغالبَ ربَّھا ولیُغلَبَنَّ مُغالِبُ الغلاَّبِ

قریش آئے تا کہ اپنے رب سے غلبہ میں مقابلہ کریں غلبہ پانے والوں میں سے غالب ہی غالب قرار دیا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے کعب! اللہ تعالیٰ نے تیرے اس قول پر تیری تعریف کی ہے''۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اس آیت وَ الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ کو اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے ساتھ منسوخ قرار دیا۔ مہدوی نے کہا: صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اِلَّا الَّذِيْنَ استثناء ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ جو آدمی ظلم کے ساتھ انتقام لے اس کے لیے اس میں دھمکی ہے۔ شریح نے کہا عنقریب ظالم جان لیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیسے خلاصی پائیں گے۔ ظالم عقاب کا انتظار کرتا ہے اور مظلوم نصرت کا انتظار کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھا اَیَّ مُنْفَلَتٍ یَنْفَلِتُون، یعنی یہ لفظ فاء اور تاء دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے دونوں کا معنی ایک ہے۔ ثعلبی نے اسے ذکر کیا أیّ منقلب ینقلبون کا معنی ہے کس پناہ کی وہ پناہ لیں گے۔ کون سی لوٹنے کی جگہ کی طرف وہ لوٹیں گے کیونکہ ان کا ٹھکانا آگ ہے اور وہ سب سے قبیح ٹھکانہ ہے، ان کا لوٹنا عقاب کی طرف ہے اور وہ سب سے بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ منقلب اور مرجع میں فرق یہ ہے کہ منقلب اسے کہتے ہیں کہ جس میں وہ ہو اس کی ضد کی طرف منتقل ہونا۔ مرجع ایک حال جس میں وہ ہے اس سے اس حال کی طرف لوٹ جانا جس پر وہ پہلے تھا ہر مرجع منقلب تو ہے مگر ہر منقلب مرجع نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ أیّ یہ ینقلبون کی وجہ سے منصوب ہے یہ مصدر کے معنی میں ہے یہ سیعلم کی وجہ سے منصوب نہیں کیونکہ ایّ اور دوسرے کلمات استفہام میں ماقبل عمل نہیں کرتا جو نحویوں نے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے کہا، اصل بات یہ ہے کہ استفہام ایک معنی ہے اور اس کا مقابل ایک اور معنی ہے اگر اس میں ماقبل عمل کرے تو بعض معانی بعض میں داخل ہو جائیں۔

1۔ یہ کھانا ہے جو آٹے اور گھی سے بنایا جاتا ہے یہ کھانا گرم ہوتا ہے قریش اس کے شیدائی تھے اس لیے قریش کو یہی نام دیا جو اس کھانے کا تھا۔ مترجم

سورۃ النمل

آیاتہا ۹۳ ۲۷ سورۃ النمل مکیۃ ۴۸ رکوعاتہا ۷

سب کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے۔ اس کی ترانوے آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی چرانوے آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَ هُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾ وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿۶﴾

''طا، سین، یہ آیتیں ہیں قرآن (حکیم) اور روشن کتاب کی (یہ) سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے اہل ایمان کے لیے جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے خوبصورت بنا دیئے ان (کی نظروں) میں ان کے اعمال (بد) پس وہ سرگرداں پھر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے لیے بدترین عذاب ہے اور یہی آخرت میں سب سے زیادہ گھاٹے میں ہوں گے: اور بے شک آپ کو سکھایا جاتا ہے قرآن حکیم بڑے دانا سب کچھ جاننے والے کی جانب سے''۔

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں حروف مقطعات کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ تِلْكَ یہ ھذہ کے معنی میں ہے یعنی یہ سورت قرآن کی آیات اور کتاب مبین کی آیات ہیں۔ لفظ قرآن معرفہ ذکر کیا اور کتاب مبین نکرہ کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا دونوں معرفہ کے حکم میں ہیں: جس طرح تو کہتا ہے: فلان الرجل عاقل و فلان الرجل العاقل۔ کتاب سے مراد قرآن ہے اس کی دو صفتیں جمع کی گئیں یعنی یہ قرآن ہے اور یہ کتاب ہے کیونکہ یہ کتابت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور قراءت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ان کا اشتقاق گزر چکا ہے۔ سورۂ حجر میں فرمایا: الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿﴾ (الحجر) کتاب کو معرفہ اور قرآن کو نکرہ ذکر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اور کتاب دو اسم ہیں ان میں سے ہر ایک اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ اسے معرفہ بنایا جائے اور اسے صفت بنایا جائے اس کی صفت جو

مبین کے ساتھ لگائی گئی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنا امر، اپنی نہی، اپنا حلال، اپنا حرام، اپنا وعدہ اور اپنی وعید واضح کیا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ، هُدًى یہ الکتاب سے حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے تلك آیات الکتاب ھادیۃ و مبشرۃ، مبتدا ہونے کی حیثیت سے اس میں رفع بھی جائز ہے یعنی ھو ھدی۔ اگر تو چاہے حرف جار مجرور کے حذف کی بنا پر اس پر رفع پڑھے جیسے فیہ ھدی۔ یہ بھی جائز ہے کہ خبر لِلْمُؤْمِنِيْنَ ہو۔ پھر ان کی صفت بیان کی اور فرمایا: الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ سورۂ بقرہ کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ جو بعث بعد الموت کی تصدیق نہیں کرتے۔ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے اعمال سیہ کو مزین کیا یہاں تک کہ انہوں نے انہیں حسنہ خیال کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال حسنہ کو مزین کیا تو انہوں نے ان پر عمل نہ کیا۔ زجاج نے کہا: ہم نے ان کے کفر پر ان کی جزا بنائی کہ ہم نے ان کے لیے وہ مزین کیا جس میں وہ تھے۔ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ وہ اپنے اعمال خبیثہ میں متردد ہوتے ہیں اور اپنی گمراہی میں متردد ہوتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ابو العالیہ نے کہا: وہ اس میں طوالت اختیار کرتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: وہ کھیلتے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ حیران ہوتے ہیں۔ راجز نے کہا:

أَعْمَى الهُدَى بالحائرين العُمَّهِ

بے بصیرت حیران و ششدر لوگوں پر ہدایت ناپید ہوگئی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اس سے مراد جہنم ہے۔ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ، فِي الْاٰخِرَةِ وضاحت ہے یہ الْاَخْسَرُوْنَ کے متعلق نہیں کیونکہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دنیا میں خسارے میں رہے اور آخرت میں نفع کمایا اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کفر کے باعث آخرت میں خسارے میں رہے یہ ہر خسارہ پانے والے سے خسارہ میں ہے۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ یعنی اسے آپ پر القا کیا جاتا ہے تو آپ اسے پاتے ہیں، اسے سیکھتے ہیں اور اخذ کرتے ہیں مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ، لدن یہ عند کے معنی میں ہے مگر یہ مبنی ہے معرب نہیں کیونکہ یہ متمکن نہیں اس میں کئی لغات ہیں جن کو ہم نے سورۂ کہف میں ذکر کیا ہے۔ یہ آیت ان قصوں کی تمہید ہے جن کو بیان کرنے کا قصد و ارادہ کیا۔ اور اس میں حکمتوں کے لطائف اور علم کے دقائق ہیں جن کو بیان کرنے کا قصد کیا۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّيْ

لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿10﴾ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿11﴾ وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿12﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿13﴾ وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿14﴾

''(یاد فرماؤ) جب کہا موسیٰ نے اپنی زوجہ سے کہ میں نے دیکھی ہے آگ ابھی لے آتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا لے آؤں گا تمہارے پاس (اس آگ سے) کوئی شعلہ سلگا کرتا کہ تم اسے تاپو پھر جب اس کے پاس پہنچے تو ندا کی گئی کہ بابرکت ہو جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اور (ہر تشبیہ و تمثیل سے) پاک ہے اللہ جو رب العالمین ہے اے موسیٰ! وہ میں اللہ ہی ہوں عزت والا دانا۔ اور ذرا زمین پر ڈال دو اپنے سونٹے کو اب جو اسے دیکھا تو وہ (اس طرح) لہرا رہا تھا جیسے سانپ ہو، آپ پیٹھ پھیر کر وہاں سے چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (فرمایا) موسیٰ! ڈرو نہیں میرے حضور ڈرا نہیں کرتے جنہیں رسول بنایا جاتا ہے مگر وہ شخص جو زیادتی کرے (وہ ڈرے) پھر (وہ ظالم بھی اگر) نیکی کرنے لگے برائی کرنے کے بعد تو میں بے شک غفور رحیم ہوں اور ذرا ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی تکلیف کے (یہ دو معجزے) ان نو معجزات میں سے ہیں جن کے ساتھ آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ بے شک وہ بڑے سرکش لوگ ہیں پس جب آئیں ان کے پاس ہماری نشانیاں بصیرت افروز بن کر تو انہوں نے کہا: یہ تو جادو ہے کھلا ہوا اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا پس آپ ملاحظہ فرمائیے کیا (ہولناک) انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا''۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ ، اذ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ فعل اذکر ہے گویا اسے اس ارشاد: **وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿6﴾** فرمایا: مراد ہے اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم اس کی حکمت اور اس کے علم کے آثار میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ لیجئے جب انہوں نے اپنی بیوی سے کہا: اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا یعنی میں نے دور سے اسے دیکھا ہے۔ حرث بن حلزہ نے کہا:

آنَسَتْ نَبْأَةً وَأَفْزَعَهَا الْقُنَّاصُ عَصْرًا وَقَدْ دَنَا الْإِمْسَاءُ

اس نے خفی آواز محسوس کی، عصر کے وقت شکاریوں نے اسے خوفزدہ کیا جب کہ شام قریب آ چکی تھی۔

سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ عاصم، حمزہ اور کسائی نے **بِشِهَابٍ قَبَسٍ** قراءت کی ہے (1)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 249

شہاب تنوین کے ساتھ ہے۔ باقی قراء نے تنوین کے بغیر اضافت کی صورت میں پڑھا ہے۔ مراد آگ کا شعلہ ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ فراء نے تنوین کو ترک کرنے کا گمان کیا ہے کہ یہ ان کے اس قول کے قائم مقام ہے ولدار الآخرۃ و مسجد الجامع اور صلاۃ الاولی شے کو اپنی ہی ذات کی طرف مضاف کیا جب اسماء مختلف ہوئے۔ نحاس نے کہا: شی کو اپنی ہی ذات کی طرف منسوب کرنا بصریوں کے نزدیک محال ہے کیونکہ لغت میں اضافت کا معنی ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ ملانا ہے تو یہ محال ہے کہ ایک چیز کو اپنی ہی ذات کے ساتھ ملایا جائے۔ ایک چیز کو دوسری چیز کی طرف مضاف کیا جاتا ہے تا کہ ملک اور نوع کا معنی واضح ہو جائے تو یہ محال ہے کہ یہ واضح ہو کہ وہ اپنی ذات کا مالک ہے یا وہ اپنی نوع سے ہے۔ و شہاب قبس نوع اور جنس کی اضافت ہے جس طرح تو کہتا ہے: ھذا ثوب خز، خاتم حدید وغیرہ۔ شہاب ہر نور والی چیز کو کہتے ہیں جس طرح ستارہ اور جلائی گئی لکڑی۔ قبس اسے کہتے ہیں جس کو اخذ کیا جائے، جیسے انگارہ وغیرہ۔ معنی ہے روشن جو انگارے میں سے ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا: أقبستُ قبسا؛ اسم قبس ہے جس طرح تو کہتا ہے: قبضت قبضا، اسم قبض ہے۔ جس نے بشہاب قبس پڑھا اس نے قبس کو شہاب سے بدل بنایا ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ اس کی صفت ہے کیونکہ قبس میں یہ جائز ہے کہ اسم ہو صفت نہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ صفت ہو جہاں تک اس کے صفت نہ ہونے کا تعلق ہے تو کیونکہ وہ کہتے ہیں: قبستُہ اقبسُہ قبسا، قبس کا معنی مقبوس ہے۔ جب وہ صفت ہے تو زیادہ اچھا یہ ہے کہ وہ نعت ہو۔ اس میں اضافت احسن ہوگی جب صفت نہ ہو۔ یہ نوع کی اپنی جنس کی طرف اضافت ہے جس طرح خاتم فضۃ وغیرہ۔ اگر بیان اور حال کے طریقہ پر قبس کو منصوب پڑھا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ قرآن کے علاوہ میں اسے بشہاب قبسا پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ مفعول مطلق ہو، بیان ہو یا حال ہو۔

لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ، طاء کی اصل تاء ہے یہاں اس کو طاء سے بدل دیا گیا، کیونکہ طاء حروف مطبقہ میں سے ہے اور صاد بھی حروف مطبقہ میں سے ہے دونوں کو جمع کرنا اچھا ہے۔ اس کا معنی ہے وہ ٹھنڈک سے بچنے کے لیے گرمی حاصل کرتے ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اصطلی یصطلی جب وہ گرمائش حاصل کرے۔ شاعر نے کہا:

النارُ فاكهةُ الشتاءِ فمن يُرِدْ أكلَ الفواكهِ شاتيًا فليصطلِ

آگ موسم سرما کا پھل ہے جو موسم سرما میں پھل کھانے کا ارادہ کرے تو وہ آگ تاپے۔

زجاج نے کہا: ہر سفید چیز جو نور والی ہو تو وہ شہاب ہوتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: شہاب سے مراد آگ ہے۔ ابو نجم نے کہا:

كانما كان شهابًا واقدًا أضاء ضوءًا ثم صار خامدًا

گویا وہ روشن شہاب تھا اس نے روشن کیا پھر وہ بجھ گیا۔

احمد بن یحییٰ نے کہا: شہاب سے مراد ایسی لکڑی ہے جس کی ایک جانب انگارہ ہو اور دوسری جانب آگ نہ ہو۔ نحاس کا قول اس میں اچھا ہے: شہاب سے مراد روشن شعاع ہے اسی سے وہ ستارہ ہے جس کی روشنی آسمان میں پھیلتی ہے۔ شاعر نے کہا:

فی كفه صَعْدَةٌ مثقفةٌ فيها سِنانٌ كشعلة القَبَسِ

اس کی ہتھیلی میں سیدھا نیزہ ہے اس میں پھل ہے جس طرح قبس کا شعلہ ہوتا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهَا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ آئے جہاں انہوں نے گمان کیا تھا کہ وہ آگ ہے تو وہ نور تھا؛ یہ وہب بن منبہ کا قول ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کو دیکھا تو اس کے قریب کھڑے ہو گئے اسے دیکھا کہ وہ درخت کی شاخ سے نکل رہی ہے وہ درخت انتہائی سرسبز ہے جسے علیق کہتے ہیں۔ آگ بڑھتی ہی جاتی ہے اور درخت زیادہ سرسبز و شاداب اور حسین ہوتا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام متعجب ہوئے اور اس کی طرف اس مٹھے کو جھکایا جوان کے ہاتھ میں تھا تا کہ اس سے اس کو روشن کریں وہ درخت ان کی طرف جھکا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے خوفزدہ ہو گئے تو پیچھے ہٹ گئے پھر وہ لگا تار حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طمع کرتا رہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی طمع کرتے رہے یہاں تک کہ معاملہ واضح ہو گیا کہ یہ مامور ہے وہ اس کے امر کو نہیں جانتے یہاں تک کہ ندا کی گئی: نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا یہ بحث سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔ نُوْدِيَ اللہ تعالیٰ نے اسے ندا کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ (مریم:52)

اَنْۢ بُوْرِكَ زجاج نے کہا: ان محل نصب میں ہے اصل کلام اس طرح ہے بأنه۔ یہ جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو اسے نائب فاعل بنا دیا جائے۔ ابو حاتم نے حکایت بیان کی ہے کہ حضرت ابی اور حضرت ابن عباس اور مجاہد کی قراءت میں ان بورکت النار و من حولها ہے(1)۔ نحاس نے کہا: اس کی مثل اسناد صحیح میں نہیں پایا جاتا۔ اگر یہ صحیح ہو تو یہ قراءت تفسیر کی بنا پر ہوگی۔ برکت آگ اور جو اس کے اردگرد فرشتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے ان کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کسائی نے عربوں سے روایت کیا ہے: بارك الله، بارك فيه۔ ثعلبی نے کہا: عرب کہتے ہیں: بارك الله، بارك فيه، بارك عليك، بارك لك۔ اس میں چار لغات ہیں۔ شاعر نے کہا:

فبوركتَ مولودًا و بوركتَ ناشِئًا وبوركتَ عند الشَّيبِ إذ أنتَ أشيبُ

تو حالت ولادت میں بابرکت تھا جوانی کے عالم میں بابرکت تھا اور تو بڑھاپے کے وقت بابرکت ہے جب تو سب سے بوڑھا ہے۔

طبری نے کہا: بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ، بورك في من في النار نہیں کہا یہ اس کی لغت کے مطابق ہے جو بارك الله کہتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: باركه الله، بارك له، بارك عليه اور بارك فيه، سب ایک معنی میں ہیں یعنی جو آگ پر تھا اس پر برکت ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے یا جو آگ کے قریب تھے نہ کہ یہ جو اس کے وسط میں تھے۔ سدی نے کہا: آگ میں ملائکہ تھے تو برکت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی اے موسیٰ! تجھ پر برکت ڈالی گئی اور ان فرشتوں میں برکت رکھی گئی جو اس کے اردگرد تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تحیہ اور تکریم تھی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کی زبانوں پر سلام کیا۔ فرمایا: رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (ہود:73)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 250۔

تیسرا قول وہ ہے جو حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر کا ہے۔ جو آگ میں تھا وہ مقدس تھا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس سے مراد اپنی ذات لی جو مقدس دعا کی ہے۔ حضرت ابن عباس اور محمد بن کعب نے کہا: آگ اللہ تعالیٰ کا نور ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی جب کہ وہ نور میں تھے۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عظیم نور دیکھا تو اسے آگ گمان کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے آگ سے اپنی آیات اور کلام کے ساتھ ظہور فرمایا نہ کہ وہ کسی حیز میں تحیز فرمانے والا تھا وَ هُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ (الزخرف: 84) نہ یہ کہ ان دونوں میں تحیز فرماتا ہے لیکن وہ ہر فعل میں ظاہر ہوتا ہے تو اس کے ذریعے فاعل کا وجود ظاہر ہوتا ہے اس تعبیر کی بنا پر کہا گیا: یعنی جو آگ میں ہے اس کی سلطان اور قدرت میں برکت رکھی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آگ میں جو اللہ تعالیٰ کا امر ہے اس میں برکت رکھی گئی وہ امر جسے اللہ تعالیٰ نے علامت بنایا۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی صحت پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ سوتا نہیں اور نہ ہی اس کی شان ہے کہ وہ سوئے وہ میزان کو پست کرتا ہے اور اسے بلند کرتا ہے اس کا حجاب نور ہے اگر وہ حجاب کو ہٹا دے تو اس کی ذات کے انوار ہر شے کو جلا دیں جہاں تک اس کی نظر پہنچے"۔ پھر ابو عبیدہ نے اس آیت کی تلاوت کی اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اسے امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابو موسیٰ سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ باتیں فرمانے کے لیے ہمارے درمیان کھڑے ہوئے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نہیں سوتا اور اس کو زیبا نہیں کہ وہ سوئے وہ میزان کو پست کرتا ہے اور اسے بلند کرتا ہے۔ اس کی بارگاہ میں رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے پیش کیا جاتا ہے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے پیش کیا جاتا ہے اس کا حجاب نور ہے" (1)۔ ابو بکر کی روایت میں نار کے الفاظ ہیں "اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اس کی ذات کے انوار ان تمام چیزوں کو جلا دیں مخلوقات میں سے جہاں تک اس کی نظر پہنچے" (2)۔

ابو عبید نے کہا: سبحات سے مراد اس کی ذات کا جلال ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: سبحان اللہ سے مراد اس کی تعظیم اور تنزیہ ہے لو کشفھا فرمان کا مطلب ہے اگر حجاب ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیا جائے اور اپنی رؤیت کے لیے ان کو ثابت نہ رکھے تو وہ سب جل جائیں اور وہ اس کے دیدار کی طاقت نہ رکھیں۔

ابن جریج نے کہا: آگ حجابوں میں سے ایک حجاب ہے یہ سات حجاب ہیں۔ حجاب العزة، حجاب الملك، حجاب السلطان، حجاب النار، حجاب النور، حجاب الغمام، حجاب الماء۔ اصل بات یہ ہے کہ مخلوق حجاب میں ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کو کوئی چیز حجاب میں نہیں رکھ سکتی۔ آگ نور ہی تھی اسے نار کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات رؤیۃ المومنین فی الآخرۃ ربہم سبحانہ و تعالیٰ، جلد 1، صفحہ 99

2۔ سنن ابن ماجہ، باب فی انکرت الجھمیۃ، حدیث نمبر 191، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نے اسے آگ ہی گمان کیا تھا۔ عرب نور اور نار کو ایک دوسرے کی جگہ رکھتے رہتے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: آگ اپنی ذات کے اعتبار سے تھی اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام ایک طرف سے اسے سنایا اور اس کی جانب سے اپنی ربوبیت کو اس کے لیے ظاہر کیا یہ اسی طرح ہے جس طرح تورات میں مکتوب ہے جاء الله من سیناء واشرف من ساعیر واستعلی من جبال فاران، فمجیئه من سیناء سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے مبعوث کرنا، اشرافه من ساعیر سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس سے مبعوث کرنا اور استعلاؤہ من فاران سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کرنا ہے۔ فاران سے مراد مکہ مکرمہ ہے سورۃ القصص میں اس بارے میں زیادہ وضاحت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام درخت سے آپ کو سنایا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اللہ رب العالمین کے لیے تنزیہ و تقدیس ہے۔ کئی مواقع پر یہ بحث پہلے گزر چکی ہے معنی ہے جو اس کے اردگرد ہیں وہ کہتے ہیں: وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ تو اسے حذف کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام اس وقت کی جب وہ ندا کو سننے سے فارغ ہوئے مقصود اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا اور اس کی پاکی بیان کرنا تھا، یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں سے ہے معنی ہے جس نے اللہ، جو رب العالمین ہے کی پاکی بیان کی اس میں برکت رکھ دی گئی ہے؛ ابن شجرہ نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔

یٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ہا ضمیر بنیاد و سہارہ ہے کوفیوں کے قول میں یہ کنایہ نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ امر و شان سے کنایہ ہے۔ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ میں ایسا غالب ہوں کہ جس کی مثل کوئی شے نہیں۔ الْحَكِیْمُ وہ اپنے فعل اور امر میں حکیم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! کس نے ندا کی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّهٗ یعنی میں ہی تجھے ندا کرنے والا ہوں۔ میں اللہ ہوں۔

وَ اَلْقِ عَصَاكَ وہب بن منبہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دیں تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اسے یہ اس لیے فرمایا تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم ہو جائے کہ ان سے کلام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے رسول ہیں۔ ہر نبی کے لیے اس کی ذات میں آیت کا ہونا ضروری ہے جس کے ساتھ وہ نبوت کو جان لے۔ آیت میں حذف ہے یعنی اپنا عصا پھینک دے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا اپنے ہاتھ سے پھینک دیا تو وہ حرکت کرتا ہوا سانپ ہو گیا گویا وہ جان ہے، وہ ہلکے چھوٹے سے جسم والا سانپ ہوتا ہے۔ کلبی نے کہا: نہ وہ چھوٹا نہ بڑا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلے اسے چھوٹے سانپ کی شکل میں بدلا گیا جب آپ مانوس ہو گئے تو وہ بڑا ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک دفعہ وہ چھوٹا سانپ بنا اور ایک دفعہ وہ دوڑتا ہوا سانپ بنا جو مونث تھا ایک دفعہ وہ ثعبان بن گیا، یہ سانپوں میں سے بڑا سانپ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انقلبت ثعبانا تهتز کا معنی ہے گویا وہ جان تھا اس کی جسامت ثعبان جیسی تھی اور پھرتی جان جیسی تھی اور اهتزاز یعنی وہ دوڑتا ہوا سانپ ہے۔ جان کی جمع جنان ہوتی ہے اسی معنی میں ایک حدیث ہے نهى عن قتل الجنان التي في البيوت وہ باریک سانپ جو گھروں میں

ہوتے ہیں ان کے قتل سے منع کیا۔

وَّلّٰی مُدۡبِرًا انسان کی عادت کے مطابق خوفزدہ ہو کر پیٹھ پھیر کر مڑا (1)۔ وَّلَمۡ یُعَقِّبۡ نہ لوٹے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: متوجہ نہ ہوئے (2)۔ یٰمُوۡسٰی لَا تَخَفۡ اے موسیٰ! سانپ اور اس کی تکلیف سے نہ ڈرو (3)۔ اِنِّیۡ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الۡمُرۡسَلُوۡنَ گفتگو مکمل ہو گئی پھر استثناء منقطع کی صورت میں کلام کی، فرمایا اِلَّا مَنۡ ظَلَمَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ محذوف سے مستثنیٰ ہے۔ معنی ہے میری بارگاہ میں مرسلین خوفزدہ نہیں ہوتے بلکہ ان کے علاوہ جو ظالم ہوتے ہیں وہ خوف کھاتے ہیں۔

اِلَّا مَنۡ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسۡنًۢا بَعۡدَ سُوۡٓءٍ کیونکہ وہ نہیں ڈرتا۔ یہ فراء کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: محذوف سے مستثنیٰ محال ہے کیونکہ یہ ایسی چیز سے مستثنیٰ ہے جو ذکر نہیں کی گئی اگر یہ جائز ہو تو یہ بھی جائز ہے اِنی لا ضرب القوم الا زیدا معنی یہ ہو انی لا اضرب القوم وانما اضرب غیرھم الا زیدا، یہ بیان کی ضد ہے آنے والا ایسا ہے جس کا معنی معروف نہیں۔ فراء نے بھی یہ گمان کیا ہے کہ بعض نحوی الا کو واؤ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں معنی ہوگا ولا من ظلم۔ شاعر نے کہا:

وکلُّ　اخٍ　مفارقُه　اخوهُ　لَعَمۡرُ　ابیكَ　اِلّا　الفَرۡقَدانِ

ہر بھائی کو اس کا بھائی چھوڑنے والا ہے تیرے باپ کی قسم اور فرقدان بھی چھوڑنے والا ہے۔

محل استدلال اِلَّا الفَرۡقَدانِ ہے۔

نحاس نے کہا: الا کو واؤ کے معنی میں لینے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور کلام کسی صورت میں جائز نہیں الا کا معنی واؤ کے خلاف ہے، کیونکہ جب تو نے کہا: جاء نی اخوتك الا زیدا تو نے زید کو اس سے نکال دیا جس میں بھائی داخل تھے۔ دونوں کے درمیان کوئی نسبت اور قربت نہیں۔ آیت میں ایک اور قول ہے وہ یہ کہ یہاں استثناء متصل ہو تقدیر کلام ہو گی اِلا من ظلم من المرسلین باتیان الصغائر التی لا یسلم منھا احد سوی ما روی عن یحییٰ بن زکریا علیہ السلام۔ مگر مرسلین میں سے جو صغیرہ گناہ کا ارتکاب کرے ظلم کرے ایسا صغیرہ جس سے کوئی بھی محفوظ نہیں سوائے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے جن کے بارے یہ روایت کی گئی ہے اور جو الله تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ذکر کیا ہے: لِیَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (الفتح: 1) مہدوی نے اس کو ذکر کیا ہے۔ نحاس نے اسے پسند کیا ہے ان میں سے جو لغزش کرے گا الله تعالیٰ کو اس کا علم تھا تو اس کی الله تعالیٰ نے استثنا کر دی، فرمایا: اِلَّا مَنۡ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسۡنًۢا بَعۡدَ سُوۡٓءٍ کیونکہ وہ ڈرتا ہے اگرچہ میں نے اس کی خطا کو معاف کر دیا۔ ضحاک نے کہا: مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ زمخشری نے کہا: جس طرح کی فروگزاشت حضرت آدم علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو گھونسا رسید کر کے کی۔

اگر کوئی کہنے والا کہے: توبہ اور مغفرت کے بعد خوف کا کیا معنی ہے؟ اس کو کہا جائے گا: الله تعالیٰ کی ذات کو جاننے والوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کے بارے میں ڈرتے ہی رہتے ہیں وہ اس سے امن میں نہیں ہوتے کہ توبہ کی شرطوں میں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 251　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

سے کوئی شرط ایسی بھی ہو جس کو وہ بجا نہ لاتے ہوں وہ اس کے بارے میں مطالبہ سے ڈرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری اور ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: میں نے تجھے اپنے نفس کو قتل کرنے سے ڈرایا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انبیاء سے لغزش ہوتی تھی تو ان کو عتاب بھی کیا جاتا تھا(1)۔ ثعلبی، قشیری، ماوردی اور دوسرے علماء نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر استثنا صحیح ہے یعنی مگر انبیاء اور نبیین میں سے جس نے نبوت سے قبل صغیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قبطی کو قتل کرنے کی وجہ سے ڈرے اور اس عمل سے توبہ کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ نبوت کے بعد صغائرہ اور کبائرہ سے معصوم تھے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ وہ قیامت کے روز اس سے اپنے آپ کو خارج کریں گے جس طرح شفاعت والی حدیث میں ہے جب مقرب آدمی سے کوئی لغزش واقع ہو جاتی ہے اگرچہ اس کی وہ خطا بخش دی جائے تب بھی اس کا اثر باقی رہ جاتا ہے۔ جب تک اثر اور تہمت قائم ہو تو خوف باقی ہوتا ہے یہ عقوبت کا خوف نہیں ہوتا بلکہ عظمت کا خوف ہوتا ہے۔ سلطان کے نزدیک جس پر تہمت لگائی گئی ہو تو وہ تہمت کی وجہ سے دل میں اضطراب پاتا ہے جو اسے اس طرف لے جاتا ہے کہ اس پر اعتماد کی صفائی مقدر ہو رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس فرعون کے بارے میں امر وقوع پذیر ہوا تھا۔ پھر انہوں نے بخشش طلب کی اور اپنی جان پر ظلم کا اقرار کیا پھر آپ کو بخش دیا گیا پھر مغفرت کے بعد کہا: قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ۝ (القصص) پھر اگلے روز ایک اور فرعونی سے ان کو آزمایا گیا اور آپ نے ارادہ کیا کہ اسے بھی پکڑیں تو اس ارادہ کے ساتھ ایک اور امر وقوع پذیر ہو گیا۔ اگلے روز ان کو آزمائش میں ڈالا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کی یوں حکایت بیان کی ہے: فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ۝ (القصص) اقدار کا کلمہ لن افعل سے عیاں ہے تو ارادہ کی وجہ سے ان پر عتاب کیا گیا جب انہوں نے پکڑنے کا ارادہ کیا اور نہ پکڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کو آپ پر مسلط کر دیا یہاں تک کہ اس نے آپ کے راز کو ظاہر کر دیا کیونکہ جب اسرائیلی نے آپ کو دیکھا کہ پکڑنے کے لیے آپ آستین چڑھا رہے ہیں تو اس نے گمان کیا کہ وہ اس کو پکڑ رہے ہیں، تو اس نے راز ظاہر کر دیا: قَالَ یٰمُوْسٰۤی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ (القصص:19) فرعونی بھاگ گیا اور اس نے فرعون کو اس امر کے بارے میں آگاہ کر دیا جو اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں راز ظاہر کر دیا تھا۔ گزشتہ دن کے مقتول کا امر مخفی تھا یہ معلوم نہ تھا کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے۔ جب فرعون کو اس کا علم ہو گیا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں آدمی بھیجے تاکہ ان سے قتل کا بدلہ لے۔ سخت تلاشی کی گئی اور تمام چوکوں پر پہرے دار لگا دیئے گئے تو ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا عرض کی: قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ (القصص:20) حضرت موسیٰ علیہ السلام نکلے جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف اس حادثہ کی وجہ سے تھا اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا قرب نصیب فرمایا، انہیں عزت دی اور کلام کے ساتھ چن لیا تو باقی ماندہ تہمت نے ان کو گرفت میں لیے رکھا اور پیچھا نہ چھوڑا۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 251

وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اس بارے میں گفتگو سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ان میں سے سب سے بہترین یہ قول ہے کہ یہ معجزہ بھی ان نو معجزات میں داخل ہے۔ مہدوی نے کہا: معنی ہے اَلْقِ عَصَاكَ اور وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ یہ دونوں ان نو معجزات میں سے دو معجزات ہیں۔ قشیری نے کہا: معنی ہے جس طرح تو کہتا ہے: خرجت فی عشرۃ نفر۔ تو تو بھی ان میں سے ایک ہوتا ہے یعنی تو دس میں سے دسواں نکلا۔ فی، مِن کے معنی میں ہے کیونکہ یہ اس کے قریب ہے جس طرح تو کہتا ہے: خذلی عشرا من الابل فیھا فحلان دونوں نخل ان دس میں ہوتے ہیں۔ اصمعی نے امرء القیس کے قول کے بارے میں کہا:

وھل ینعمن من کان آخر عھدہ　　ثلاثین شھرا فی ثلاثۃ أحوال

محل استدلال فی ثلاثۃ أحوال ہے اس میں فی، من کے معنی میں ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فی، مع کے معنی میں ہے معجزات دس ہیں ان میں سے ایک یہ بیضاء ہے نو نشانیاں یہ ہیں: سمندر کا پھٹنا، عصا، ٹڈی دل، جوئیں، طوفان، خون، مینڈک، قحط سالی، شکل وصورت کا بدل جانا۔ تمام کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ فراء نے کہا: کلام میں اضمار ہے کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے یعنی آپ فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث کیے گئے۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ اللہ تعالیٰ کی طاعت سے خارج ہونے والے ہیں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً واضح اور واشگاف۔ اخفش نے کہا: اسے مَبصرۃ پڑھنا بھی جائز ہے یہ مصدر ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: الولد مَجْبَنَة۔

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ وہ جھٹلانے میں سابقہ عادت پر قائم و دائم رہے اسی وجہ سے کہا: وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا انہیں یقین تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور یہ جادو نہیں لیکن انہوں نے کفر کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے تکبر کیا۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ معاند تھے۔ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا مصدر محذوف کی صفت ہونے کی بنا پر منصوب ہیں، یعنی انہوں نے انکار کیا ان کا انکار ظلم اور اپنے آپ کو بلند سمجھنے کی وجہ سے تھا۔ باء زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی جحدھا، یہ ابو عبیدہ کا قول ہے۔

فَانْظُرْ اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم دیکھو كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ سرکش کافروں کا معاملہ کیسے ہوا اپنے دل کی نظر سے دیکھ اور اس میں تدبر کر۔ خطاب آپ کو ہے اور مراد غیر ہیں۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝

"اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا داؤد اور سلیمان کو علم اور انہوں نے کہا: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے برگزیدہ کیا ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر اور جانشین بنے سلیمان داؤد کے اور فرمایا: اے لوگو! ہمیں

سکھائی گئی ہے پرندوں کی بولی اور ہمیں عطا کی گئی ہیں ہر قسم کی چیزیں، بے شک یہی وہ نمایاں بزرگی ہے (جو ہمیں مرحمت ہوئی)''۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا علم سے مراد فہم ہے، یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دین، حکم وغیرہ کا علم، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ (الانبیاء: 80) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیمیا گری کی صنعت؛ یہ قول شاذ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو نبوت اور زمین میں خلافت عطا فرمائی اور زبور عطا کی۔ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ اس آیت میں علم کے شرف، مقام کی بلندی اور اہل علم کے تقدم پر دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے علم کی نعمت سب سے عظیم نعمت ہے اور مومن بندوں میں سے جس کو علم عطا کیا گیا اسے خیر کثیر عطا کیا گیا۔ یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ: 11) یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ کلبی نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بچے تھے ان میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام نبوت اور ملک میں ان کے وارث تھے اگر مال کی وراثت ہوتی تو تمام اولاد اس میں برابر ہوتی؛ یہ ابن عربی کا قول ہے کہا: اگر مال کی وراثت ہوتی تو تعداد کے اعتبار سے منقسم ہوتی اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان چیزوں کے لیے خاص کیا جو حضرت داؤد علیہ السلام میں حکمت اور نبوت تھی۔ اور ایسے ملک کے ساتھ فضیلت عطا کی گئی جو ان کے لیے مناسب نہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے آپ بادشاہ تھے حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے ملک اور نبوت میں ان کے مقام کے وارث بنے یعنی اپنے والد کے فوت ہو جانے کے بعد یہ چیزیں ان کی طرف منتقل ہوئیں تو مجازاً انہیں میراث قرار دیا گیا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح فرمایا: العلماء ورثة الانبیاء، علماء انبیاء کے وارث ہیں (1)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: انا معشر الانبیاء لا نورث سے مراد یہ ہو سکتا ہے کہ یہ انبیاء کا فعل اور ان کی سیرت ہے۔ اگرچہ ان میں ایسے افراد بھی ہوئے جو مال کے وارث ہوئے جس طرح حضرت زکریا، جس طرح مشہور قول ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: ہم مسلمانوں کی جماعت ہیں ہمارا شغل عبادت ہے۔ مراد ہے یہ اکثر کا فعل ہے اسی معنی میں وہ قول ہے جو سیبویہ نے بیان کیا ہے: انا معشر العرب أقری الناس للضیف ہم عرب لوگ مہمان کی سب سے زیادہ ضیافت کرنے والے ہیں۔

میں کہتا ہوں: سورۂ مریم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ صحیح قول پہلا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: انا معشر الانبیاء لا نورث یہ عام ہے کوئی چیز دلیل کے بغیر اس میں سے خارج نہ ہوگی۔ مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام بڑے ملک والے اور زیادہ فیصلے کرنے والے تھے۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام سے زیادہ عبادت گزار تھے۔ دوسرے علماء نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہت میں جس مقام پر پہنچے کوئی اور اس مقام پر نہ پہنچا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے انسانوں، جنوں، پرندوں اور وحشی جانوروں کو مسخر کر دیا تھا۔ اور ان کو وہ شان عطا فرمائی جو

1۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، جلد 2، صفحہ 93، وزارت تعلیم

کسی اور کو عطا نہ فرمائی۔ وہ ملک و نبوت میں اپنے باپ کے وارث بنے اور ان کے بعد ان کی شریعت پر قائم رہے۔ ہر نبی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آیا جو ان میں سے تھا جسے مبعوث کیا گیا یا مبعوث نہیں کیا گیا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر تھا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث کیے گئے تو آپ نے ان کی شریعت کو منسوخ کر دیا۔ ان کے درمیان اور ہجرت کے درمیان تقریباً اٹھارہ سو سال کا عرصہ حائل ہے۔ یہودی کہا کرتے تھے: ایک ہزار تین سو باسٹھ سال کا عرصہ حائل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے وصال اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا عرصہ حائل ہے۔ یہودی اس میں سے تین سو سال کی کمی کرتے وہ پچاس سال سے زائد عرصہ زندہ رہے۔

وَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجالانے کے انداز میں کہا **عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ** اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل و احسان فرمایا کہ اس نے ہمیں حضرت داؤد علیہ السلام کے علم، نبوت اور زمین میں خلافت کا وارث بنایا کہ ہمیں پرندوں کی آوازوں سے معانی کی تعلیم دی جو ان آوازوں میں معانی پنہاں تھے۔ مقاتل نے آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام ایک روز بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پرندہ طواف کرتے ہوئے گزرا آپ نے اپنے ہم نشینوں سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ پرندہ کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے مجھے کہا ہے: اے بادشاہ! جسے غلبہ دیا گیا ہے اسے سلام اور بنی اسرائیل کے نبی کو سلام، اللہ تعالیٰ نے تجھے کرامت عطا کی، تجھے تیرے دشمن پر غلبہ دیا میں اپنے بچوں کی طرف جا رہا ہوں پھر میں دوبارہ حاضر ہوں گا۔ وہ عنقریب دوبارہ آئے گا۔ پھر وہ دوبارہ آیا، فرمایا: وہ کہتا ہے: اے غلبہ دیئے گئے بادشاہ! تجھ پر سلام اگر آپ چاہیں تو میں اپنے بچوں کے لیے روزی تلاش کروں یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا پھر تو میرے ساتھ جو چاہے سلوک کرے، اس نے جو کہا تھا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی خبر دی اور اسے اجازت دی اور وہ پرندہ چلا گیا۔

فرقد سبخی نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام ایک بلبل کے پاس سے گزرے جو درخت پر بیٹھی ہوئی تھی جو اپنے سر کو حرکت دے رہی تھی اور اپنی دم کو جھکا رہی تھی آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ بلبل کیا کہتا ہے؟ انہوں نے عرض کی: نہیں اے اللہ کے نبی!۔ فرمایا: وہ کہہ رہا ہے میں نے نصف پھل کھایا ہے اور دنیا پر ہلاکت ہے۔ آپ ہدہد کے پاس سے گزرے جو ایک درخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے اس کا کمزور بچہ کھڑا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے فرمایا: اے ہدہد! ڈر۔ اس نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! یہ بچہ ہے اس میں کوئی عقل نہیں میں اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہوں۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام لوٹے تو اسے پایا کہ وہ ایک بچے کے پھندہ میں ہے جو اس کے ہاتھ میں ہے پوچھا: ہدہد! یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں نے اسے نہ دیکھا یہاں تک کہ میں اس جال میں گر پڑا۔ فرمایا: تجھ پر افسوس تو زمین کے نیچے پانی دیکھ لیتا ہے کیا تو اس پھندے کو نہیں دیکھ سکتا؟ عرض کی: اے اللہ کے نبی! جب قضا آ جائے تو آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔

حضرت کعب نے کہا: قمری حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے سامنے چیخی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا: کیا

تم جانتے ہو وہ کیا کہتی ہے؟ ساتھیوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ کہتی ہے مرنے کے لیے جیو اور برباد ہونے کے لیے تعمیر کرو۔ فاختہ چیخی پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا کہتی ہے؟ ساتھیوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ کہتی ہے کاش یہ مخلوق پیدا نہ کی جائے جب انہیں پیدا کیا گیا ہے تو کاش یہ جانتے یہ کس لیے پیدا کیے گئے؟ ان کے پاس ایک مور نے چیخ ماری پوچھا کیا تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے؟ ساتھیوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ کہتا ہے جس طرح کرو گے ویسا بھرو گے۔ آپ کے پاس ہدہد نے آواز نکالی۔ پوچھا: کیا تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے؟ ساتھیوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ کہتا ہے جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ آپ کے پاس صرد (ایک پرندہ) نے آواز لگائی پوچھا: کیا تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے؟ ساتھیوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ کہتا ہے اے گناہگارو! اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے منع کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: صرد ہی وہ پرندہ تھا جس نے حضرت آدم علیہ اسلام کو بیت اللہ شریف کی جگہ بتائی تھی۔ یہ وہ پہلا جاندار ہے جس نے روزہ رکھا۔ اسی وجہ سے صرد کو صوام (روزہ رکھنے والا) کہتے ہیں؛ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ طیطوی آپ کے پاس چیخا پوچھا: کیا تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے؟ ساتھیوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ کہتا ہے ہر زندہ مرنے والا ہے اور ہر نئی چیز بوسیدہ ہونے والی ہے۔ خطافہ (پرندہ) آپ کے پاس چیخی پوچھا: کیا تم جانتے ہو یہ کیا کہتی ہے؟ ساتھیوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ کہتی ہے بھلائی آگے بھیجو تم اسے پاؤ گے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطافہ کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکلے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وحشت کی شکایت کی، تو اللہ تعالیٰ نے خطاف کے ساتھ انس عطا کیا اور انہیں گھروں میں رہنا لازم کر دیا یہ بنی آدم سے انس کی وجہ سے جدا نہیں ہوتے فرمایا: اس کے پاس قرآن کی چار آیات ہوتی ہیں لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (الحشر) حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس کبوتری بولی۔ پوچھا: کیا تم جانتے ہو یہ کیا کہتی ہے؟ انہوں نے عرض کی نہیں۔ فرمایا: وہ کہتی ہے سبحان ربی العظیم المھیمن۔ کعب نے کہا: سلیمان نے انہیں بیان کیا کوا کہتا ہے: اللہ عشار پر لعنت کر۔ چیل کہتی ہے: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص:88) اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ کونج کہتی ہے: جو خاموش رہا سلامتی پا گیا۔ ببغاء کہتا ہے: دنیا جس کا مقصود ہے اس کے لیے ہلاکت ہے۔ مینڈک کہتا ہے: سبحان ربی القدوس۔ بازی کہتا ہے: سبحان ربی وبحمدہ، سرطان کہتا ہے: سبحان المذکور بکل لسان فی کل مکان سبحان جو ہر زبان سے ہر جگہ ذکر کی جاتی ہے۔

مکحول نے کہا: دراج حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس چیخا۔ پوچھا: کیا تم جانتے ہو وہ کیا کہتا ہے؟ فرمایا: وہ کہتا ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ (طٰہٰ) حضرت حسن بصری نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب مرغ چیختا ہے تو وہ کہتا

ہے: اے غافلو! اللہ کا ذکر کرو''۔

حضرت حسن بن علی بن ابی طالب نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گدھ جب آواز نکالتی ہے تو وہ کہتی ہے: اے ابن آدم! جتنا عرصہ چاہے زندہ رہ لے آخر کار تیری موت ہے جب عقاب آواز نکالے تو کہتا ہے: لوگوں سے دوری میں راحت ہے۔ جب قنبر آواز نکالے تو کہتا ہے: اے اللہ! آل محمد سے بغض رکھنے والوں پر لعنت فرما۔ جب خطاف آواز نکالے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وہ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ پڑھتا ہے تو اس کے ساتھ اپنے آواز کو لمبا کرتا ہے، جس طرح قاری اپنی آواز کو لمبا کرتا ہے''۔ قتادہ اور شعبی نے کہا: یہ امر پرندوں میں خاص طور پر ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ ، چیونٹی پرندہ ہے کیونکہ اس کے پر پائے جاتے ہیں۔ امام شعبی نے کہا: یہ چیونٹی دو پروں والی تھی۔ ایک جماعت نے کہا: یہ تمام حیوانات میں ہوتا ہے۔ پرندوں کا ذکر اس لیے ہوا کیونکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکروں میں ایک لشکر تھا۔ سورج کی تپش سے بچنے کے لیے ان کی ضرورت ہوتی اور کچھ امور کے لیے انہیں بھیجا جاتا۔ ان کی کثرت مداخلت کی وجہ سے پرندوں کا خصوصاً ذکر کیا۔ باقی حیوانات کا امر نادر ہے اور پرندوں کے تردد کی طرح تردد نہیں۔ ابوجعفر نحاس نے کہا: منطق کا لفظ بعض اوقات ایسی چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو کلام کے بغیر سمجھی جائے۔ اللہ تعالیٰ جو ارادہ فرمائے اسے خوب جانتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: جو آدمی یہ کہے وہ پرندوں کی بولی کے سوا کچھ نہیں سمجھتا تو یہ عظیم نقصان ہے۔ لوگوں کے لیے ایسا اتفاق ہوا ہے کہ وہ ایسی چیزوں کا کلام سمجھ جائے جو تکلم نہیں کرتے تھے ان کے لیے نباتات کا قول پیدا کر دیا جاتا۔ ہر جڑی بوٹی اسے کہتی: میں فلاں درخت ہوں میں فلاں چیز سے نفع دیتی ہوں اور فلاں چیز سے نقصان دیتی ہوں، تو تیرا حیوانات کے بارے میں کیا خیال ہے؟

وَ حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝

''اور فراہم کیے گئے سلیمان کے لیے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے پس وہ نظم وضبط کے پابند ہیں''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ حشر جمع کیے گئے حشر کا معنی جمع کرنا ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ (الکہف) حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکروں کی مقدار میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: آپ کے لشکروں کی چھاؤنی سو فرسخ ضرب سو فرسخ تھی پچیس فرسخ جنوں کے لیے، پچیس فرسخ انسانوں کے لیے، پچیس فرسخ پرندوں کے لیے اور پچیس فرسخ وحشی جانوروں کے لیے تھی آپ کے ایک ہزار کمرے تھے جو شیشے کے بنے ہوئے تھے جو شیشہ لکڑی پر لگایا گیا تھا ان میں تین سو منکوحہ بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ ابن عطیہ نے کہا: ان کی چھاؤنی میں اختلاف کیا گیا ہے اور لشکر کی مقدار میں شدید اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ان کا ملک عظیم تھا جو روئے زمین کے برابر تھا تمام آبادی ان کی اطاعت گزار تھی۔

فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ اس کا معنی ہے ان کے اول کو ان کے آخر کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور انہیں روکا جاتا ہے۔ قتادہ نے کہا: ہر صنف کے لیے ان کے رتبہ اور مقام کے اعتبار سے کرسی یا زمین میں سے جگہ مختص تھی جب وہ اس میں چلتے۔ یہ جملہ بولا جاتا

ہے: وزعته اوزعه وزعا۔ یعنی میں نے اس کو روک لیا۔ جنگ میں وازع اسے کہتے ہیں جو صفوں کو منضبط کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے جو ان صفوں میں آگے نکلتا ہے اس کو روکتا ہے۔

محمد بن اسحاق نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذی طویٰ کے مقام پر ٹھہرے مراد فتح مکہ ہے تو ابوقحافہ نے اپنی بیٹی سے کہا جب کہ ان کی نظر جاتی رہی تھی: مجھے جبل ابی قبیس پر لے چلو۔ حضرت اسماء نے کہا: میں انہیں جبل ابی قبیس پر لے گئی پوچھا: کیا دیکھتی ہو؟ میں نے کہا: میں ایک مجتمع لشکر دیکھتی ہوں کہا: وہ گھوڑے ہوں گے۔ بیٹی نے کہا: میں لشکر میں ایک آدمی دیکھتی ہوں جو کبھی آگے جاتا ہے اور کبھی پیچھے جاتا ہے۔ کہا: وہ ناظم ہوگا جو لشکر کو منتشر ہونے سے روکے گا۔ تمام واقعہ ذکر کیا۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''شیطان کو یوم عرفہ سے بڑھ کر کسی روز زیادہ بے حیثیت، لاچار، حقیر اور غصے میں نہیں دیکھا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس روز اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بڑے بڑے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کے درگزر کرنے کو دیکھتا ہے مگر جو اس نے یوم بدر کو دیکھا (تو وہ اس روز زیادہ ذلیل و رسوا ہوا)'' عرض کی گئی۔ یا رسول اللہ! اس نے کیا دیکھا؟ فرمایا: ''اس نے جبریل امین کو دیکھا کہ وہ فرشتوں کو منظم کر رہے ہیں''۔ امام مالک نے موطا میں اسے ذکر کیا ہے (1)۔ اسی معنی میں نابغہ کا قول ہے:

علی حینَ عاقبتُ المَشیبَ علی الصِّبَا　　وقلت أَلَمَّا أَصحُ والشَّیبُ وازِعُ (2)

جب میں نے بچپنے میں ہی بڑھاپے کو عتاب کیا اور میں نے کہا: کیا جب میں بچپنے کو چھوڑ رہا ہوں جب کہ بڑھاپا منظم کر رہا ہے؟

ایک شاعر نے کہا:

ولما تَلا قَینا جرت من جُفوننا　　دموعٌ وَزَعْنا غَرْبَها بالأصابعِ

جب ہم ملے تو ہماری پلکوں سے آنسو بہہ پڑے ہم نے آنسو بہنے کی جگہ کو انگلیوں سے درست کیا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

ولا یَزَعُ النفس اللَّجوجَ عن الهوی　　من النّاس إلا وافِرُ العقل کامله

لوگوں میں سے کامل عقل والا ہی جھگڑالو نفس کو محبت سے روکتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ توزیع سے مشتق ہے جس کا معنی تفریق ہے۔ القوم اوزاع قوم کئی طائفوں میں بٹی ہوئی ہے۔ قصہ میں ہے شیاطین نے آپ کے لیے ایک قالین بنایا جو ایک فرسخ لمبا اور ایک فرسخ چوڑا تھا ریشم میں سونے کی تاریں تھیں۔ اس پر سونے کی کرسی رکھی جاتی۔ اس کے اردگرد سونے اور چاندی کی دو ہزار کرسیاں رکھی جاتیں۔ انبیاء سونے کی کرسیوں پر بیٹھتے اور علماء چاندیوں کی کرسیوں پر بیٹھتے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ امام اور حاکم ضابطہ بنائیں جو لوگوں کو روکیں اور ان کو ایک دوسرے

1۔ موطا امام مالک، کتاب الحج، باب جامع الحج، صفحہ 457، وزارت تعلیم　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 253

سے آگے بڑھنے سے روکیں کیونکہ حکام کے لیے بذات خود یہ فریضہ سرانجام دینا ممکن نہیں ہوتا۔ ابن عون نے کہا: میں نے حضرت حسن کو یہ کہتے ہوئے سنا جب کہ وہ اپنی مجلس قضا میں موجود تھے جب آپ نے لوگوں کو دیکھا جو کچھ وہ کر رہے ہیں، فرمایا: اللہ کی قسم! ان لوگوں کو ضابط ہی درست کر سکتے ہیں۔ حضرت حسن نے یہ بھی کہا: لوگوں کے لیے ایک منتظم کا ہونا ضروری ہے یعنی ایسے سلطان کا ہونا ضروری ہے جو انہیں روکے۔ ابن قاسم نے ذکر کیا ہے ہمیں مالک نے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: امام لوگوں کو اتنا منظم نہیں کرتا جتنا قرآن منظم کرتا ہے۔ ابن قاسم نے کہا: میں نے مالک سے پوچھا: یہ یزع کیا ہے؟ فرمایا: وہ روکتا ہے۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: قوم اس کلام کی مراد سے جاہل ہے انہوں نے گمان کیا اس کا معنی ہے کہ سلطان کی قدرت وقوت لوگوں کو اس سے زیادہ روکتی ہے جس قدر قرآن کی حدود روکتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ اور اس کی حکمت سے ناواقفیت ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حدود کو مصلحت عامہ کافہ کے لیے وضع کیا جو مخلوق کے امور کو درست رکھتی ہیں نہ ان پر کوئی زیادتی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کمی ہو سکتی ہے اس کے سوا کوئی درست نہیں لیکن ظالم ان کی وجہ سے ذلیل ہوئے اور ان سے کوتاہی کی اور جو کچھ کیا نیت کے بغیر کیا۔ فیصلہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد نہ کیا اور مخلوق ان کی وجہ سے نہ رکی۔ اگر وہ عدل کے ساتھ فیصلہ کرتے، نیت کو خالص رکھتے تو امور درست ہو جاتے اور جمہور لوگ درست ہو جاتے۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

"یہاں تک کہ جب وہ گزرے چیونٹیوں کی وادی سے تو ایک چیونٹی کہنے لگی: گھس جاؤ اپنی بلوں میں کہیں کچل کر نہ رکھ دے تمہیں سلیمان اور ان کے لشکر اور انہیں معلوم ہی نہ ہو (کہ تم پر کیا گزر گئی) تو سلیمان ہنستے ہوئے مسکرا دیئے اس کی اس بات سے اور عرض کرنے لگے: میرے مالک! مجھے توفیق دے تاکہ میں شکر ادا کروں تیری نعمت (عظمیٰ) کا جو تو نے مجھ پر فرمائی اور میرے والدین پر نیز (مجھے توفیق دے کہ) میں وہ نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے اور شامل کر لے مجھے اپنی رحمت کے باعث اپنے نیک بندوں میں"۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قتادہ نے کہا: ہمارے لیے یہ بات ذکر کی گئی کہ یہ شام میں ایک وادی ہے۔ کعب نے کہا: یہ طائف میں ایک وادی ہے۔ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ شعبی نے کہا: چیونٹی کے دو پر تھے وہ پرندوں میں سے تھی اس وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی بولی سمجھ گئے۔ اگر وہ پرندہ نہ ہوتی تو آپ اس کی بولی کو نہ سمجھتے۔ یہ بحث گزر چکی ہے اور بعد میں بھی آئے گی۔ سلیمان تیمی نے مکہ میں نَمَلَةٌ اور النَّمَلُ نون کے فتحہ اور میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا

ہے۔ ان سے دونوں کو ضمہ کے ساتھ پڑھنے کی قراءت بھی منقول ہے۔ نملہ کو نملہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ اکثر حرکت کرتی رہتی ہے اور کم ہی ایک جگہ ٹھہرتی ہے۔ کعب نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام طائف کی وادیوں میں سے وادی سدیر سے گزرے تو آپ وادی نمل پر آئے۔ ایک چیونٹی چل رہی تھی وہ لنگڑاتے ہوئے چل رہی تھی اس کی جسامت اتنی تھی جتنی جسامت بھیڑیے کی ہوتی ہے اس نے ندا کی: یٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ۔

زمخشری نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی آواز تین میلوں سے سن لی۔ وہ لنگڑا کر چل رہی تھی جب کہ وہ لنگڑی تھی۔ اس کا نام طافیہ تھا۔ سہیلی نے کہا: علماء نے اس چیونٹی کا نام مکلمہ رکھا ہے جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کلام کی۔ انہوں نے کہا: اس کا نام "حرمیا" تھا۔ میں نہیں جانتا کہ نملہ کے لیے کیسے اسم علم تصور کیا جا سکتا ہے جب کہ چیونٹیاں ایک دوسرے کو نام نہیں دیتیں اور نہ ہی انسانوں کے لیے یہ ممکن ہے کہ ان کو کوئی مخصوص نام دیں، کیونکہ انسانوں کے لیے وہ ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہوتیں اور نہ ہی وہ بنی آدم کی ملک کے تحت واقع ہیں، جس طرح گھوڑے اور کتے وغیرہ جو چیز اس طرح تھی اس کی علمیت عربوں کے ہاں موجود تھی۔ اگر تو کہے: علمیت اجناس میں موجود تھی جس طرح ثعالہ، اسامہ، جعار، قثام، بجو کے یہ اسماء ہیں۔ اس کی امثلہ بے شمار ہیں۔ چیونٹی کا نام اس قبیل سے نہیں کیونکہ انہوں نے گمان کیا کہ یہ نام تمام چیونٹیوں میں سے ایک چیونٹی کا تھا ثعالہ وغیرہ جنس میں سے ایک کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس جنس سے جس کو بھی تو دیکھے تو وہ ثعالہ ہے اسی طرح اسامہ، ابن آوی، ابن عرس اور اس جیسے اسماء۔ جو کچھ انہوں نے کہا اگر وہ صحیح ہے تو اس کی کوئی وجہ ہوگی۔ وہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس بولنے والی چیونٹی کو تورات یا زبور میں یا کسی اور صحیفہ میں نام دیا گیا اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ نام ذکر کیا اور انبیاء حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے اس کا نام جانتے تھے یا بعض انبیاء نام جانتے تھے۔ اس کے بولنے اور اس کے ایمان کی وجہ سے نام میں اسے خاص کیا گیا تو یہ وجہ ہو سکتی ہے۔ ہمارے قول کہ اس کے ایمان کی وجہ سے مراد یہ ہے کہ اس نے دوسری چیونٹی سے کہا: لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ اس کا قول۔ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ مومن کا ہی قول ہو سکتا ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کا عدل، ان کا فضل اور ان کے لشکروں کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ چیونٹی اور اس سے چھوٹی چیز کو بھی ہلاک نہیں کرتے مگر اس صورت میں کہ انہیں احساس ہی نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کا تبسم اس کے حکم پر اظہار مسرت ہے۔ اسی وجہ سے تبسم کو ضَاحِكًا کے قول سے موکد کیا، کیونکہ بعض اوقات تبسم ضحک اور رضا کے بغیر ہوتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے وہ کہتے ہیں: تبسم تبسم الغضبان، تبسم تبسم المستھزئین۔ ضحاک کا تبسم یہ خوشی سے ہی ہوتا ہے۔ نبی دنیا کے امر سے خوش نہیں ہوتا وہ تو امر آخرت اور امر معین سے خوش ہوتا ہے اس کا قول: وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ یہ دین، عدل، رافت کی طرف اشارہ ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکروں کے بارے میں چیونٹی کا قول: وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ کی مثل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَتُصِیْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ (الفتح: 25) اس امر کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہے کہ وہ مومن کے خون کو رائیگاں کرنے کا قصد نہیں کرتے۔ مگر فرق یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی ثنا کرنے والی چیونٹی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی تعریف اللہ تعالیٰ نے

خود فرمائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکروں کو دوسرے انبیاء کے لشکروں پر فضیلت ہے، جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء پر فضیلت حاصل ہے۔ شہر بن حوشب نے مَسْکَنَکُم سین کے سکون کے ساتھ واحد کا صیغہ پڑھا ہے (1)۔ حضرت ابی کے مصحف میں مساکنکن لا یحطمنکم ہے سلیمان تیمی نے مساکنکم لا یحطمنکن قراءت کی ہے۔ نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے تمہیں روند کر تم کو توڑ پھوڑ ہی نہ دیں جب کہ وہ تمہارے بارے میں جانتے بھی نہ ہوں۔ مہدوی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس چیونٹی کو یہ فہم عطا کیا تا کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے معجزہ ہو جائے۔ وہب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ کوئی کسی چیز کا تکلم نہ کرے مگر وہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے کان میں ڈالے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شیاطین نے آپ کے ساتھ مکر و دھوکہ کا ارادہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وادی یمن کے علاقہ میں تھی۔ وہ عام چیونٹیوں کی طرح چھوٹی چیونٹی تھی؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ نوف شامی اور شقیق بن سلمہ نے کہا: اس وادی کی چیونٹیاں جسامت میں بھیڑیوں کی طرح تھیں۔ بریدہ اسلمی نے کہا: وہ بھیڑ جتنی تھیں۔ محمد بن علی ترمذی نے کہا: اگر وہ اس شکل و صورت پر تھی تو اس کی آواز بھی ہوگی۔ چیونٹی کی آواز اس کے چھوٹے جسم کی وجہ سے مفقود ہوتی ہے ورنہ پرندوں اور چوپاؤں میں آوازیں تو ہوتی ہیں یہی ان کی گفتگو ہوتی ہے۔ ان کی گفتگو میں تسبیح وغیرہ کے معانی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ** (الاسراء: 44) یہی مقصود ہے۔

لَا یَحْطِمَنَّكُمْ یہ کلبی کے قول کی صحت پر دال ہے اگر وہ بھیڑیوں اور بھیڑوں کی جسامت کی ہوتیں تو وہ روندی نہ جا سکتیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اُدْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ انسانوں سے خطاب کے طریقہ پر کلام آئی ہے کیونکہ جب چیونٹی نے کلام کیا تو اسے انسانوں کے قائم مقام رکھا جس طرح انسان گفتگو کرتے ہیں۔ ابو اسحاق ثعلبی نے کہا: میں نے بعض کتابوں کو دیکھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی سے کہا: تو نے چیونٹیوں کو کیوں ڈرایا کیا تو میرے ظلم سے خوف زدہ ہو گئی؟ کیا تو نہیں جانتی کہ میں عادل نبی ہوں؟ تو نے یہ کیوں کہا: **یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ** چیونٹی نے عرض کی: کیا آپ نے میرے اس قول کو نہیں سنا: **وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ** جب کہ میں نے نفوس کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ نہ کیا۔ میں نے تو دلوں کے برباد کرنے کا ارادہ کیا اس ڈر سے کہ وہ بھی اس کی تمنا نہ کریں جس طرح کی حکومت آپ کو دی گئی یا دنیا کی وجہ سے وہ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں یا آپ کی حکومت کو دیکھ کر تسبیح اور ذکر سے غافل ہی نہ ہو جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے کہا: تو مجھے نصیحت کر۔ چیونٹی نے کہا: کیا تجھے علم ہے تیرے والد کا نام داؤد کیوں رکھا گیا؟ فرمایا: نہیں۔ اس نے عرض کی: کیونکہ انہوں نے اپنے دل کے زخم کی دوا کی۔ کیا تجھے علم ہے تیرا نام سلیمان کیوں رکھا گیا؟ فرمایا: نہیں۔ اس نے عرض کی: آپ کو جو کچھ عطا کیا گیا ہے اس پر آپ سینہ کی سلامت کے ساتھ سلیم پہلو والے ہیں اور تیرے لیے مناسب ہے کہ تو اپنے والد کے ساتھ جا ملے۔ پھر اس نے عرض کی: آپ کو علم ہے اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے ہوا کو کیوں مسخر کیا؟ فرمایا: نہیں۔ اس نے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے تجھے خبر دی ہے کہ تمام دنیا ہوا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 254

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا متعجب ہوتے ہوئے مسکرائے پھر وہ اپنی قوم کی طرف جلدی جلدی چلی گئی۔ اس چیونٹی نے کہا: کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو ہم اللہ تعالیٰ کے نبی کو ہدیہ دیں۔ انہوں نے کہا: ہم اس کو جو ہدیہ دیں اس کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ کی قسم! ہمارے پاس تو صرف ایک بیر ہے۔ اس چیونٹی نے کہا: بہت اچھا ہے وہ میرے پاس لے آؤ وہ بیر اس چیونٹی کے پاس لے آئے اس نے بیر کو اپنے منہ میں اٹھایا وہ اسے کھینچتے ہوئے چلی اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ وہ اسے اٹھا لے وہ انسانوں، جنوں، علماء، انبیاء کو چیرتے ہوئے قالین پر آگے بڑھی یہاں تک کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آگری پھر اس بیر کو اپنے منہ سے آپ کی ہتھیلی پر رکھ دیا اور کہنے لگی:

أَلَمْ تَرَنَا نُهْدِي إِلَى اللهِ مَالَهُ ۔۔۔ وإن كان عنه ذا غنى فهو قابلُهُ

ولو كان يُهدَى للجليل بقدره ۔۔۔ لقصر عنه البحرُ يوما وساحلُهُ

ولكننا نُهدِي إلى مانُحِبُّه ۔۔۔ فيرضى به عنا ويشكر فاعلُهُ

وما ذاك إلا من كريم فعالُه ۔۔۔ وإلا فما في ملكنا ما يشاكلُهُ

کیا تو ہمیں نہیں دیکھتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا مال ہدیہ کے طور پر دیتے ہیں اگرچہ وہ اس سے غنی ہے تو وہ اس کو قبول کرنے والا ہے۔ اگر جلیل القدر ہستی کو کوئی چیز اس کی قدر کے مطابق ہدیہ کی جاتی تو سمندر اور اس کا ساحل اس سے قاصر ہوتے لیکن ہم وہ چیز ہدیہ کے طور پیش کرتے ہیں جسے ہم پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہم سے راضی ہو جاتا ہے اور اس کا فاعل شکر گزار ہوتا ہے یہ نہیں ہے مگر جس کے افعال کرامت والے ہیں اور ہمارے ملک میں تو اس کی شایان شان کوئی چیز نہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے۔ وہ اس دعوت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے زیادہ شکر کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانداروں کو قتل کرنے سے منع کیا، ہدہد، صرد، نملہ (چیونٹی)، شہد کی مکھی۔ ابوداؤد نے اسے نقل کیا ہے اور ابو محمد عبدالحق نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ سورۃ الاعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ چیونٹی نے حضرت سلیمان کی تعریف کی اور جو مقدر کیا جا سکتا تھا اس کی خوبصورت ترین انداز میں خبر دی کہ اگر وہ تمہیں روندیں گے تو انہیں شعور نہیں ہوگا۔ وہ ارادہ سے ایسا نہیں کریں گے۔ ظلم کی ان سے نفی کی، اس وجہ سے اس کے قتل اور ہدہد کے قتل کی نہی کی کیونکہ اسی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو پانی پر رہنمائی اور بلقیس تک آپ کا پیغام پہنچایا۔ عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہدہد سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے شر کو دور کیا کیونکہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا تھا۔ صرد کو صوام بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے صرد نے روزہ رکھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام شام سے حرم کی طرف نکلے مقصد بیت اللہ کی تعمیر تھی تو سکینہ (بادل) اور صرد آپ کے ساتھ تھا۔ صرد جگہ پر رہنمائی کرتا اور بادل اتنی مقدار پر رہنمائی کرتا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بقعہ مبارکہ میں پہنچے تو بادل بیت اللہ شریف کی جگہ آ کر رک گیا اور ندا کی: اے

ابراہیم! میرے سایہ کے برابر تعمیر کرو۔ سورۃ الاعراف میں مینڈک کو قتل کرنے سے نہی کا سبب اور سورۂ نحل میں شہد کی مکھی کو قتل کرنے سے نہی کا سبب گزر چکا ہے۔ الحمدللہ

مسئلہ نمبر 2۔ حضرت حسن بصری نے لا یَحَطِّمنکم اور لا یحِطِّمنکم پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری سے اور ابورجاء سے یہ بھی مروی ہے لا یُحَطِّمنکم حطم کا معنی توڑ دینا ہے۔ حطمتہ حطما و تحطم۔ میں نے اسے توڑ دیا اور وہ ٹوٹ گیا۔ تحطیم کا معنی کثرت سے یا شدت سے توڑنا ہے وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (النمل) یہ جائز ہے کہ یہ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ سے حال ہو، حال میں عامل یَحْطِمَنَّكُمْ ہے یا یہ النملۃ سے حال ہے اور عامل قالت ہے۔ اس نے کہا: یہ لشکروں کی غفلت کی حالت میں ہوگا، جس طرح تیرا یہ قول ہے: قمت والناس غافلون یا یہ النمل سے حال ہے اور عامل قالت ہے معنی یہ ہے نمل نہیں سمجھتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کی بات سمجھتے ہیں۔ یہ امر حقیقت سے بعید ہے اس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک چیونٹی نے انبیاء میں سے ایک نبی کو کاٹا تو اس نبی نے چیونٹی کو بستی کو کھودنے کا حکم دیا تو اسے جلا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف وحی کی: کیا یہ ایک چیونٹی کے کاٹنے کے باعث ہے تو نے ایک ایسی امت کو ہلاک کر دیا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرتی تھی''۔ ایک اور سند میں ہے فهلا نملة واحدة (1)۔ ہمارے علماء نے کہا: ایک قول یہ کیا جاتا ہے اس نبی سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے عرض کی: اے میرے رب! تو اہل قریہ کو ان کی نافرمانیوں کے باعث عذاب دیتا ہے جب کہ ان میں اطاعت گزار بھی ہوتے ہیں، گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ اسے وہ دکھا دے جو اس کے پاس اس کی حکمت ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر گرمی کو مسلط کیا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک درخت کی پناہ لی آپ اس کے سایہ سے راحت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس درخت کے پاس چیونٹیوں کی بستی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نیند غالب آگئی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نیند کی لذت پائی تو چیونٹی نے ان کو کاٹا اور آپ کو پریشان کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں مسلا اور ان سب کو ہلاک کر دیا اور جس درخت کے پاس ان کے مساکن تھے اس درخت کو جلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس میں اسے عبرت وحکمت دکھا دی۔ جب تجھے ایک چیونٹی نے کاٹا تو تو نے کیوں دوسری چیونٹیوں کو سزا دی؟ ارادہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے آگاہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عقوبت عام ہوتی ہے یہ مطیع کے لیے رحمت، طہارت اور برکت ہوتی ہے اور نافرمان کے لیے شر اور انتقام ہوتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں جو چیونٹی کے قتل کی کراہت یا امتناع پر دلالت کرے۔ بے شک جو تجھے اذیت دے تو تیرے لیے حلال ہے کہ تو اس سے اپنا دفاع کرے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے مومن سے بڑھ کر کوئی حرمت والا نہیں۔ تیرے لیے مباح ہے کہ تو قتل کرنے یا مارنے کے ساتھ اپنا دفاع کرے۔ تو ان کیڑے مکوڑوں اور جانوروں کی کیا حیثیت ہے جو تیرے لیے مسخر کر دی گئی ہیں اور تجھے ان پر مسلط کر دیا گیا ہے جب وہ تجھے اذیت دے تو تیرے لیے اس کا قتل مباح ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب قتل الحیات وغیرها، باب النهي عن قتل النمل، جلد 2، صفحہ 236

ابراہیم سے مروی ہے چیونٹی میں سے جو تجھے اذیت دے تو تو اسے قتل کر۔ یہ قول الا نملة واحدة اسی امر پر دلیل ہے کہ جو اذیت دے اسے اذیت دی جائے اور اسے قتل کیا جائے۔ جب قتل نفع کے لیے ہو یا ضرر کو دور کرنے کے لیے ہو تو علماء کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ نملہ کو مطلق ذکر کیا اور اس نملہ کو خاص نہ کیا جس نے کاٹا تھا کیونکہ مراد قصاص نہیں تھا کیونکہ اگر اس کا ارادہ ہوتا تو فرماتا: الا نملتك التی لدغتك۔ بلکہ نملہ کی جگہ فرمایا: الا نملة، اس کے ساتھ یہ جانی اور بری کو عام ہو گیا، تاکہ معلوم ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے متنبہ فرمائے کہ وہ کس لیے تمام بستی والوں کو عذاب دیتا ہے جب کہ ان میں مطیع و عاصی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس نبی کی شریعت میں حیوانوں کو جلانے کے ساتھ سزا دینا جائز تھا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے صرف جلانے پر عتاب نہیں فرمایا بلکہ کثیر چیونٹیوں کو جلانے پر عتاب فرمایا۔ کیا تو یہ فرمان نہیں دیکھتا: فهلا نملة واحدة یعنی تو نے ایک چیونٹی کو کیوں نہ جلایا۔ یہ ہماری شرع کے خلاف ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کے ساتھ عذاب دینے سے منع کیا ہے۔ فرمایا: لا يعذب بالنار الا الله (1) اسی طرح اس نبی کی شریعت میں چیونٹیوں کو قتل کرنا مباح تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چیونٹی کے قتل پر انہیں عتاب نہ کیا جہاں تک ہماری شریعت کا تعلق ہے تو اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس سے نہی آئی ہے۔ امام مالک نے اسے مکروہ جانا ہے کہ چیونٹی کو قتل کیا جائے مگر اس صورت میں کہ وہ تکلیف دے اور اس کی تکلیف کو اس کو مارنے کے بغیر دور نہ کر سکے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نبی کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے عتاب کیا کیونکہ انہوں نے اپنی ذات کے لیے ایسی جمعیت سے انتقام لیا جن میں سے ایک نے اسے اذیت دی تھی۔ زیادہ بہتر صبر اور درگزر کرنا تھا۔ لیکن اب نبی کے لیے یہ واقع ہوا کہ یہ نوع انسان کو اذیت دیتی ہے اور بنی آدم کی حرمت حیوانوں میں سے جو ناطق نہیں ان کی حرمت سے بڑھ کر ہے۔ اگر اس کے لیے یہ نظر منفرد ہوتی اور اس کے ساتھ طبعی تشفی شامل نہ ہوتی تو اس کو عتاب نہ کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ لیکن جب طبعی تشفی اس کے ساتھ شامل تھی جس پر سیاق حدیث دلالت کرتا ہے تو اس پر عتاب کیا جاتا۔

مسئلہ نمبر 4۔ أنی ان قرصتك نملة أهلكت أمة من الأمم تسبح (2) اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ یہ تسبیح قول اور نطق کی صورت میں تھی، جس طرح اللہ تعالیٰ نے نمل کے بارے میں خبر دی کہ اس کی زبان تھی جسے حضرت سلمان علیہ السلام سمجھ گئے تھے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی بات پر مسکرائے، یہ واضح دلالت ہے کہ چیونٹی گفتگو کرتی ہے لیکن اسے ہر کوئی نہیں سنتا، بلکہ اللہ تعالیٰ جس ولی یا نبی کے لیے بطور خرق عادت ایسی صلاحیت پیدا فرما دیتا ہے۔ ہم اس لیے اس کا انکار نہیں کرتے کہ ہم اسے نہیں سنتے۔ عدم ادراک سے مدرک کا عدم لازم نہیں کرتا۔ پھر انسان اپنے نفس میں قول اور کلام پاتا ہے مگر اس سے وہ کلام اس وقت تک نہیں سنا جاتا مگر جب وہ کلام کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کے لیے خرق عادت کے طور پر یہ صلاحیت پیدا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی وہ کلام سنا دی جو انہوں نے آپس میں کی اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اس کی بھی خبر دے دی۔ جس طرح کتب معجزات میں ہمارے کثیر ائمہ سے منقول ہے۔ اس طرح

1۔ جامع ترمذی فی التفسیر، جلد 1، صفحہ 190　　2۔ صحیح مسلم، کتاب قتل الحیات وغیرها، باب النهی عن قتل النمل، جلد 2، صفحہ 236

کثیر اولیاء سے بھی ایسا واقع ہوا جن کو اللہ تعالیٰ نے شرف سے نوازا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں یہی مراد لیا ہے: ان فی امتی محدثین وان عمر منھم میری امت میں محدثین ہیں اور حضرت عمران میں سے ہیں (1)۔ سورۂ اسراء میں جمادات کی تسبیح کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے وہ تسبیح زبانی اور قولی ہے یہ دلالت حال کی تسبیح نہیں۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 5۔ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا ابن سمیقع نے ضحكا پڑھا ہے (2) یہ فعل محذوف کا مصدر ہے جس فعل محذوف پر تبسم دلالت کرتا ہے گویا فرمایا: ضحك ضحكا، یہ سیبویہ کا مذہب ہے۔ سیبویہ کے علاوہ دوسرے علماء کے نزدیک یہ تبسم سے منصوب ہے، کیونکہ یہ ضحك کے معنی میں ہے جس نے ضاحكا پڑھا ہے تو وہ تبسم کے ضمیر سے ہونے کی وجہ سے منصوب ہے معنی ہے ضحك کی مقدار تبسم فرمایا کیونکہ ضحک تبسم کو مستغرق ہوتا ہے۔ اور تبسم، ضحك سے کم درجہ کا ہوتا ہے یہ اس کا آغاز ہوتا ہے یہ کہا جاتا ہے: بسم يبسم بسما فهو باسم وابتسم، تبسم۔ مبسم سے مراد دانت ہیں جس طرح مجلس یہ جلس یجلس سے مشتق ہے رجل جسام، بسام۔ بہت زیادہ ہنسنے والا۔ تبسم ضحک کا آغاز ہے۔ ضحک ابتدا اور انتہا سے عبارت ہے مگر ضحک تبسم پر زیادتی کا تقاضا کرتا ہے۔ جب اس میں اضافہ کرے اور انسان اپنے نفس پر ضبط نہ کر سکے تو اس وقت کہا جاتا ہے: اس نے قہقہہ لگایا، تبسم عموماً انبیاء کا ضحک ہوتا ہے۔ صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ کو عرض کی گئی: کیا آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے؟ فرمایا: ہاں اکثر آپ اپنے مصلیٰ سے نہ اٹھتے جس پر صبح کی نماز ادا فرماتے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہوتا جب سورج طلوع ہوتا تو آپ اٹھ کھڑے ہوتے صحابہ باتیں کرتے اور جاہلیت کے معاملات کرتے وہ ہنستے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے۔

اس بارے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ مشرکوں میں سے ایک آدمی نے مسلمانوں کو جلا دیا حضرت سعد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تیر پھینکیے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں'' (3)۔ کہا: میں نے اس (مشرک) کے لیے ایسا تیر نکالا جس میں پھل نہیں تھا میں نے اس کے پہلو میں مارا وہ گر گیا تو اس کی شرمگاہ کھل گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یہاں تک کہ میں نے آپ کی داڑھیں مبارکہ دیکھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر تبسم فرمایا کرتے تھے۔ بعض دوسرے مواقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم سے زیادہ ضحک فرماتے جو تبسم سے بڑھ کر ہوتا اور استغراق سے کم ہوتا جس میں کواظاہر ہو جاتا ہے شاذ و نادر طور پر آپ زیادہ تعجب کے موقع پر ضحک فرماتے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو جاتیں۔

علماء نے ضحک کی کثرت کو مکروہ جانا ہے جس طرح حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے بیٹے! زیادہ ہنسنے سے بچو۔ زیادہ ضحک دل کو مار ڈالتا ہے۔ حضرت ابوذر اور دوسرے علماء سے مرفوع مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں جب حضرت سعد نے اس آدمی کو تیر مارا تھا تو وہ تیر اس کو جا لگا تھا۔ آپ کی خوشی اس کی شرمگاہ کے کھلنے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ تیر لگنے کی وجہ سے تھی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے عیوب سے مبرا ہیں۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، جلد 1، صفحہ 521
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 254
3۔ صحیح مسلم، باب فی فضل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، جلد 2، صفحہ 281

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ تمام حیوانات کے اذہان اور عقلیں ہیں۔ امام شافعی نے کہا: حمام (کبوتر) تمام پرندوں سے زیادہ عقل والا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: چیونٹی ایسا حیوان ہے جو ذہین ہے قوی ہے بہت زیادہ سونگھنے کی قوت رکھتی ہے، وہ ذخیرہ کرتی ہے، بستیاں بناتی ہیں، دانے کو دو حصوں میں کاٹتی ہے تا کہ وہ نہ اگے، دھنیا کو چار حصوں میں کاٹتی ہیں کیونکہ جب اس کو دو حصوں میں کاٹا جائے تو وہ اگ پڑتا ہے اس نے جو جمع کیا ہوتا ہے وہ سال میں اس کا نصف کھاتی ہے اور باقی بطور سامان محفوظ رکھتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ ہمارے نزدیک علوم کے خواص ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جب پیدا کیا تو چیونٹی نے ان کا ادراک کر لیا۔ استاذ ابو مظفر شاہنور اسفرائنی نے کہا: یہ کوئی بعید نہیں کہ بہائم عالم کے حادث ہونے مخلوقات کے حادث ہونے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانیں، لیکن ہم اس سے یہ چیز نہیں سمجھتے اور وہ ہم سے اس چیز کو نہیں سمجھتے۔ مگر ہم ان کی تلاش کرتے ہیں تو وہ ہم سے دور بھاگتے ہیں یہ جنسیت کے حکم کی وجہ سے ہے۔

وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ ان مصدر یہ ہے اَوْزِعْنِیْ یہ مجھ میں الہام فرما۔ اس کی اصل وزع ہے گویا عرض کی: مجھے ایسی چیزوں سے روک دے جو ناراضگی کا باعث ہیں۔ محمد بن اسحاق نے کہا: اہل کتاب یہ گمان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ اوریا کی بیوی تھی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کا امتحان لیا۔ اوریا کے فوت ہونے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے شادی کی تو اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنا اس کی مزید وضاحت سورۂ ص میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ فی، مع کے معنی میں ہے، یہ ابن زید سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اپنے صالح بندوں کے زمرہ میں داخل فرما دے۔

وَ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ٘ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىٕبِیْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاۡاَذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ فَهُمْ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ یَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۩ ﴿۲۶﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَا ذَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

''اور آپ نے (ایک روز) پرندوں کا جائزہ لیا تو فرمانے لگے: کیا وجہ ہے کہ مجھے (آج) ہدہد نظر نہیں آ رہا یا وہ

ہے ہی غیر حاضر (اگر وہ غیر حاضر ہے) تو میں ضرور اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کر ڈالوں گا یا اسے لانا پڑے گی میرے پاس کوئی روشن سند پس کچھ زیادہ دیر نہ گزری (کہ وہ آگیا) اور کہنے لگا: میں ایک ایسی اطلاع لے کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہ تھی اور (وہ یہ کہ) میں لے آیا ہوں آپ کے پاس ملک سبا سے ایک یقینی خبر میں نے پایا ایک عورت کو جوان کی حکمران ہے اور اسے دی گئی ہے ہر قسم کی چیز سے اور اس کا ایک عظیم الشان تخت ہے میں نے پایا ہے اسے اور اس کی قوم کہ وہ سب سجدہ کرتے ہیں سورج کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور آراستہ کر دیئے ہیں ان کے لیے شیطان نے ان کے (یہ مشرکانہ) اعمال پس اس نے روک دیا ہے انہیں (سیدھے) راستہ سے پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے وہ کیوں سجدہ نہ کریں اللہ تعالیٰ کو جو نکالتا ہے پوشیدہ چیزوں کو آسمانوں اور زمین سے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو اللہ تعالیٰ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عرش عظیم کا آپ نے فرمایا: ہم پوری تحقیق کریں گے اس بات کی کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو بھی غلط بیان کرنے والوں سے ہے لے جا میرا یہ مکتوب اور پہنچا دے ان کی طرف پھر ہٹ کر کھڑا ہو جا ان سے اور دیکھ وہ ایک دوسرے سے کیا گفتگو کرتے ہیں''۔

اس میں اٹھارہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ جس سفر میں چیونٹی کا ذکر ہوا اس میں ایک اور چیز کا ذکر کیا جس طرح پہلے گزرا ہے۔ تَفَقَّدَ کا مطلب ہے جو چیز تجھ سے غائب ہو اس کی تلاش کرنا۔ طیر اسم جمع ہے واحد طیر ہے۔ یہاں طیر سے مراد جنس طیر اور جماعت ہے۔ وہ سفر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس رہتے اور اپنے پروں سے آپ کو سایہ کرتے لوگوں نے پرندوں کی تلاش کی وجہ میں اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: یہ اس اعتبار سے تھا کہ امور مملکت کی بجا آوری اس کا تقاضا کرتی تھی یہ آیت کا ظاہر معنی ہے۔ ایک جماعت نے کہا: آپ نے پرندوں کو تلاش کیا کیونکہ جب ہدہد غائب ہوا تو سورج کی شعاعیں اس جگہ سے آپ پر پڑھیں۔ پرندے کو طلب کرنے کا سبب یہی چیز تھی تاکہ یہ واضح ہو کہ سورج کی شعاع کہاں سے داخل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: آپ نے ہدہد کو طلب فرمایا کیونکہ آپ کو پانی کی معرفت کی ضرورت پڑی تھی کہ وہ روئے زمین سے کتنا دور ہے، کیونکہ آپ نے ایسے جنگل میں پڑاؤ کیا تھا جہاں پانی نہیں تھا۔ اور ہدہد زمین کے ظاہر اور اس کے باطن کو دیکھ لیتا ہے۔ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پانی کی جگہ پر آگاہ کرتا تھا پھر جن تھوڑے سے وقت میں اسے نکال لیتے تھے وہ روئے زمین کو یوں الگ کر لیتے جس طرح بکری سے چمڑا اتارا جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو حضرت ابن سلام سے مروی ہے۔ ابو مجلز نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن سلام سے فرمایا میں تجھ سے تین مسائل پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابن سلام نے کہا: تو مجھ سے سوال کرے گا جب کہ تو قرآن پڑھتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ یہ تین دفعہ کہا۔ پوچھا: دوسرے پرندوں کو چھوڑ کر حضرت سلیمان نے ہدہد کا ہی کیوں پوچھا؟ جواب دیا: پانی کی ضرورت تھی آپ اس کی گہرائی کو نہیں جانتے تھے ہدہد دوسرے پرندوں کی بجائے اسے پہچانتا تھا اس لیے آپ نے اسے طلب فرمایا۔ نقاش کی کتاب میں کہا: ہدہد

مہندس تھا۔ روایت بیان کی گئی کہ نافع بن ازرق نے سنا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہدہد کا ذکر کر رہے ہیں تو عرض کی: اے علامہ! رک جایئے ہدہد زمین کے اندر کیسے دیکھ سکتا ہے جب کہ وہ پھندے کو نہیں دیکھ سکتا جب اس میں گرتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تقدیر آجاتی ہے تو آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔ مجاہد نے کہا: حضرت ابن عباس سے عرض کی گئی: ہدہد کو پرندوں میں سے کس لیے تلاش کیا گیا؟ فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام ایسی جگہ اترے جہاں وہ نہیں جانتے تھے کہ پانی کتنا دور ہے ہدہد پانی کے بارے میں آپ کی رہنمائی کرتا تھا۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے پوچھنے کا ارادہ کیا۔ مجاہد نے کہا: میں نے کہا: وہ پانی تک کیسے ہدایت پا سکتا ہے جب کہ اس کے لیے پھندہ لگتا ہے تو وہ اس میں پھنس جاتا ہے؟ فرمایا: جب تقدیر آجاتی ہے تو آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: اس جواب پر قرآن کا عالم ہی قادر ہو سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں: نہیں یہ وہ جواب ہے جو ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیا جو پہلے گزر چکا ہے۔ یہ اشعار کہے گئے:

إذا أراد الله أمرًا بامرئٍ وكان ذا عقلٍ ورأيٍ ونَظَرْ

وحيلةٍ يعملها في دفع ما يأتي بِهِ مكروهُ أسبابِ القَدَرْ

غَطّى عليه سمعه و عقلَه وسَلَّه من ذهنه سلَّ الشَّعَرْ

حتى إذا أنفذ فيه حكمه ردّ عليه عقلَه ليعتبرَ

جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کے ساتھ کسی امر کا ارادہ کرتا ہے جب کہ وہ بڑا عقل مند، اچھی نظر و فکر والا اور بڑے حیلے والا ہوتا ہے اسباب قدر جو مکروہات اس تک لاتے ہیں اس حیلہ کے دن وہ دفاع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی قوت سماعت اور عقل کو ڈھانپ لیتا ہے اور اس کے ذہن سے یوں نکال لیتا ہے جس طرح بال نکال لیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں اپنا قلم نافذ کر چکتا ہے تو اس پر اس کی عقل کو واپس کر دیتا ہے تاکہ عبرت حاصل کرے۔

کلبی نے کہا: آپ کے سفر میں صرف ایک ہی ہدہد تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ امام کو اپنی رعیت کے احوال کی چھان بین اور اس پر نگاہ رکھنی چاہیے ہدہد کو دیکھو وہ چھوٹا سا پرندہ تھا پھر بھی اس کا حال حضرت سلیمان علیہ السلام پر مخفی نہ رہا، تو ملک کی بڑی بڑی چیزیں مخفی رہ سکتی تھیں؟ اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سیرت پر ہی تھے۔ آپ نے فرمایا: اگر فرات کے کنارے ایک میمنہ کو بھیڑیا پکڑ لے تو اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا، تو تیرا ان والیوں کے بارے میں کیا گمان ہے جن کے ہاتھوں سے شہر دشمنوں کے قبضہ میں چلے جاتے ہیں رعیت ضائع ہوتی ہے اور نگہبان ضائع ہوتے ہیں۔

صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب شام کی طرف نکلے یہاں تک کہ جب وہ سرغ (وادی تبوک کا ایک دیہات) کے مقام پر تھے تو اجناد کے امراء آپ سے ملے ان میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح امین الامۃ اور آپ کے اصحاب بھی تھے انہوں نے عرض کی: شام کے علاقہ میں وباء پھوٹ پڑی ہے ہمارے علماء نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ دورہ بیت المقدس کی فتح کے بعد سن سترہ ہجری میں ہوا تھا جس طرح خلیفہ بن خیاط نے ذکر کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود اپنی رعیت اور امراء کے احوال کی چھان بین کیا کرتے تھے۔ قرآن اور سنت اس پر دال ہے اور دونوں نے واضح کیا کہ امام پر اپنی رعیت کے احوال کے حوالہ سے یہ واجب ہے اور یہ فریضہ اسے بنفس نفیس ادا کرنا چاہیے اور اس کے لیے سفر کرنا چاہیے اگرچہ وہ طویل ہو۔ اللہ تعالیٰ ابن مبارک پر رحم فرمائے جب انہوں نے کہا:

وھل أفسدَ الدینَ إلّا الملوکُ وأحبارُ سوءٍ و رھبانُھا

دین کو بادشاہوں، برے علماء اور برے عبادت گزاروں نے فاسد کیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ مَالِیَ لَاۤ اَرَی الْهُدْهُدَ ہد ہد کو کیا ہو گیا ہے میں اسے نہیں دیکھتا؟ یہ کلام اس قلب کے قاعدہ سے تعلق رکھتی ہے جس کا معنی معروف نہیں۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: مالی اراک کئیبا یعنی تجھے کیا ہو گیا ہے میں تجھے غمگین دیکھتا ہوں؟ ہد ہد معروف پرندہ ہے ھدھدتہ صوتہ میں نے اس کی آواز نکالی۔ ابن عطیہ نے کہا: کلام کا مقصد یہ تھا کہ ہد ہد غائب ہے لیکن لازم کا ذکر کیا وہ یہ ہے کہ میں اسے نہیں دیکھتا۔ تو لازم پر آگاہی حاصل کرنے کے لیے سوال کیا۔ یہ ایجاز کی ایک قسم ہے۔ مالی میں جو استفہام ہے اس ہمزہ کے قائم مقام ہے ام جس کا محتاج ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرمایا مَالِیَ لَاۤ اَرَی الْهُدْهُدَ اپنے نفس کی حالت کا اعتبار کیا کیونکہ آپ کو علم تھا کہ آپ کو عظیم ملک دیا گیا ہے تمام مخلوق آپ کے لیے مسخر کر دی گئی ہے۔ اور آپ پر حق شکر لازم ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ طاعت اختیار کریں اور عدل کو دوام بخشیں۔ جب آپ نے ہد ہد کی نعمت کو مفقود پایا تو خوف ہوا کہ آپ نے حق شکر میں کمی کی ہے۔ اسی وجہ سے وہ نعمت طلب کی گئی ہے تو آپ اسے تلاش کرنے لگے۔ فرمایا: مَالِیَ۔ ابن عربی نے کہا: یہ وہ عمل ہے جو صوفیاء کے شیوخ کرتے ہیں جب وہ اپنی کسی چیز کو گم پاتے ہیں تو وہ اپنے اعمال کی چھان بین کرتے ہیں۔ یہ آداب میں ہے تو ہمارا کیا حال ہوگا کہ ہم فرائض میں بھی کوتاہی کرتے ہیں۔

ابن کثیر، ابن محیصن، عاصم، کسائی، ہشام اور ایوب نے مالی یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا۔ اسی طرح سورۂ یٰسین میں ہے وَمَالِیَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ (یٰسین: 22) حمزہ اور یعقوب نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ باقی مدینہ طیبہ کے قراء اور ابو عمرو نے سورۂ یٰسین میں یاء کے فتحہ اور یہاں سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو نے کہا: سورۂ نمل میں یہ استفہام ہے اور دوسری جگہ یہ نافیہ ہے۔ ابو حاتم اور ابو عبیدہ نے اسکان کو پسند کیا ہے فقال مالی۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: ایک قوم نے گمان کیا انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ ابتدا اور جو ماقبل پر معطوف ہے ان میں فرق کریں۔ یہ کوئی چیز نہیں۔ یہ یاء نفس ہے عرب میں سے کچھ اسے فتحہ دیتے ہیں اور ان میں سے کچھ اسے ساکن رکھتے ہیں۔ انہوں نے دونوں لغتوں کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ یاء نفس میں فصیح لغت یہ ہے کہ وہ مفتوح ہو کیونکہ وہ اسم ہے اور یہ حرف واحد پر ہے پسندیدہ یہ ہے کہ اس کو ساکن رکھا جائے کہ اسم میں اجحاف ہو۔ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِیْنَ ام، بل کے معنی میں ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاۡاَذْبَحَنَّهٗۤ اس میں یہ دلیل ہے کہ حد گناہ کے اعتبار سے ہوگی جسم کے اعتبار سے نہ ہوگی، مگر بعض اوقات جس پر حد جاری کی جا رہی ہوتی ہے زمانہ اور صفت کے اعتبار سے نرمی کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور ابن جریج سے مروی ہے کہ پرندے کو عذاب دینے سے مراد یہ ہے کہ اس کے پر اکھاڑ دیئے جائیں۔ ابن

جریج نے کہا: اس کے تمام پر۔ یزید بن رومان نے کہا: اس کے دونوں پر(1)۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کے ساتھ یہ معاملہ اس لیے کیا تا کہ نافرمانوں پر سختی کی جائے اور سزا دی جائے اس کی صورت یہ ہو کہ اس کی باری اور رتبہ میں کمی کر دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب ان کے لیے مباح کیا تھا، جس طرح جانوروں اور پرندوں کو کھانے اور دوسرے منافع کے لیے ذبح کرنا مباح قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

نوادر الاصول میں ہے کہا: سلیمان بن حمید ابو ربیع ابادی، عون بن عمارہ سے وہ حسین جعفی سے وہ زبیر بن خریت سے وہ عکرمہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہدہد سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی شر کو دور کر دیا کیونکہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا تھا۔ اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تعذیب سے مراد اس کو اس کی اضداد کے ساتھ ملا دینا ہے۔ بعض سے یہ بھی مروی ہے: قید خانوں میں سے سب سے سخت اضداد کے ساتھ ملا دینا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں اس پر لازم کروں گا کہ وہ اپنے ساتھیوں کی خدمت کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں اسے پنجرے میں بند کر دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پر اکھیڑنے کے بعد اسے دھوپ میں چھوڑ دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں اس کو اپنی خدمت سے خارج کر دوں گا۔ بادشاہ اپنی خدمت اور الفت سے محروم کر کے جدائی کے ساتھ لوگوں کو سزا دیتے یہ نون ثقیلہ کے ساتھ موکد ہے۔ یہ اسے ہی لازم ہوتا ہے یا خفیفہ کو بھی لاحق ہوتا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: اگر اسے لأعذبنه عذابا شديدا اولأ ذبحنه پڑھنا جائز ہو تو جائز ہے اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ واضح حجت کے ساتھ۔ لَيَاْتِيَنِّيْ میں لام قسمیہ نہیں کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہدہد کے فعل پر قسم اٹھانے والے نہیں تھے، لیکن جب یہ اس قول کے بعد آیا لَاُعَذِّبَنَّهٗ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن میں قسم جائز ہوتی ہے تو اسے اس کے طریقہ پر جاری کیا۔ صرف ابن کثیر نے اسے لیاتیننی دونونوں کے ساتھ پڑھا ہے(2)۔

مسئلہ نمبر 5۔ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فعل کا فاعل ہدہد ہے جمہور قراء کاف کو ضمہ دیتے ہیں صرف عاصم نے اسے فتحہ دیا ہے۔ دونوں قراءتوں میں اس کا معنی اقامہ ہے۔ سیبویہ نے کہا: مکث یمکث مکوثا جس طرح انہوں نے قعد یقعد قعودا کہا: مکثُ یہ ظرف کی مثل ہے۔ دوسرے قراء نے کہا: فتحہ اچھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ماكثين۔ یہ مَکَثَ سے مشتق ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے مَكَثَ يَمْكُثُ فهو ماكثٌ۔ مَكُثَ يمكُثُ جس طرح عَظُمَ يَعْظُمُ فهو مَكِيثٌ جس طرح عظیم ہے مَكَثَ يَمْكُثُ فهو ماكثٌ جس طرح حَمَضَ يَحْمُضُ فهو حامض۔ مَكَثَ میں جو ضمیر ہے اس میں احتمال ہے کہ یہ حضرت سلیمان کے لیے ہو معنی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام طلب اور وعید کے بعد تھوڑی دیر رہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ہدہد کے لیے ہو؛ یہ اکثر کا قول ہے وہ آ گیا فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ یہی چھٹا مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ میں نے وہ امر جانا ہے جس کا آپ کو علم نہیں۔ اس میں اس کا رد ہے جو یہ کہتا ہے کہ انبیاء غیب (3) کو جانتے ہیں۔ فراء نے کہا: احط تا کو طاء میں ادغام کیا۔ احتُّ حکایت بیان کی، طاء کو تاء سے بدلا اور اس میں ادغام کیا۔

مسئلہ نمبر 7۔ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا بتایا جو حضرت سلیمان علیہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 255 2۔ ایضاً 3۔ اس کی توضیح حضرت مفسر مسئلہ نمبر نو میں خود کر رہے ہیں۔

السلام نہیں جانتے تھے اور اس کو عذاب اور ذبح کی جو دھمکی دی گئی اس کو اپنی ذات سے دور کیا۔ جمہور نے سبأ تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے سبأ ہمزہ پر فتحہ اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے (1)۔ پہلی تاویل کی صورت میں یہ ایک آدمی کا نام ہے جس کی طرف قوم کی نسبت کی گئی ہے۔ اسی تعبیر پر شاعر کا قول ہے:

الواردون وتیم فی ذُرَی سبأٍ   قد عَضّ أعناقَهُمْ جلدُ الجوامیسِ (2)

وارد ہونے والے اور تیم سبا کی نسل میں ہیں ان کی گردنوں کو بھینسوں کی جلد نے کاٹا ہے۔

زجاج نے اس کا انکار کیا ہے کہ یہ کسی آدمی کا نام ہو۔ کہا: سبا شہر کا نام ہے جو مآرب کے نام سے معروف تھا جو یمن میں واقع ہے اس کے درمیان اور صنعاء کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔

میں کہتا ہوں: غزنوی کے عیون المعانی میں واقع ہے کہ تین میل کی مسافت ہے۔ قتادہ اور سدی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس بستی کی طرف بارہ انبیاء مبعوث فرمائے۔ اور نابغہ جعدی کا شعر پڑھا:

من سَبَأ الحاضِرین مَأرِبَ إذْ   یَبْنُون من دون سَیْلِهِ العَرِمَا

سبا سے جو مآرب میں رہتے تھے جب وہ سیل عرم کی وجہ سے عمارتیں بناتے تھے۔

کہا: جو اسے تنوین نہیں دیتا اس نے کہا: یہ شہر کا نام ہے۔ جس نے اسے تنوین دی۔ اور یہ قول اکثر کا قول ہے کیونکہ یہ بلد کا نام ہے وہ مذکر ہوگا اس وجہ سے مذکر کا نام دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک عورت کا نام تھا جس کی وجہ سے شہر کا نام رکھا گیا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ ایک آدمی کا نام تھا۔ کتاب الترمذی میں فروہ بن مسیک مرادی کی حدیث سے ثابت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں ان شاء اللہ اس کا ذکر آئے گا۔ ابن عطیہ نے کہا: زجاج پر یہ حدیث مخفی رہی اس وجہ سے اس نے ٹامک ٹوئیاں کھائیں۔ فراء نے گمان کیا ہے کہ رواسی نے ابو عمرو بن علاء سے سبا کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا: میں نہیں جانتا وہ کیا ہے؟ نحاس نے کہا: فراء نے ابو عمرو پر تاویل کی ہے انہوں نے اسے تنوین سے روک دیا ہے کیونکہ وہ مجہول ہے، کیونکہ جب شے معروف نہ ہو تو وہ منصرف نہیں ہوتی۔ نحاس نے کہا: ابو عمرو اس قسم کا قول کرنے سے جلیل شان والا ہے۔ رواسی نے اس سے جو بیان کیا ہے کہ یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ غیر منصرف اس لیے ہے کیونکہ وہ اسے نہیں پہچانتے تھے انہ[illegible] نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا، اگر کسی نحوی سے یہ پوچھا جائے تو وہ کہہ دے، میں اسے نہیں پہچانتا تو اس میں اس کی [illegible] دلیل نہیں کہ یہ غیر منصرف ہے بلکہ حق اس کے علاوہ ہے ضروری ہے کہ جب وہ اسے نہیں پہچانتا تو اسے تنوین دے کیونکہ اسماء میں اصل ان کا منصرف ہونا ہے۔ شے کو تنوین سے روکا جاتا ہے کسی ایسی علت کی وجہ سے جو اس پر داخل ہوتی ہے۔ اصل یقینی طور پر ثابت ہے تو جو معروف نہ ہو وہ اس کے ساتھ زائل نہیں ہوتا اور نحویوں سے کثیر کلام ذکر کی ہے اس کے آخر میں کہا: سبا کے بارے جو بات معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ اصل میں آدمی کا اسم ہے اگر تو اس کو تنوین دے تو یہ اس لیے کیونکہ یہ قبیلہ کا نام ہے اگر تو اس کو تنوین نہ دے تو تو اسے قبیلہ کا نام قرار دے گا، جس طرح ثمود ہے مگر سیبویہ کے نزدیک تنوین اور منصرف ہے اس میں اس کی دلیل

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 255   2۔ ایضاً

قطعی ہے کیونکہ جب یہ ایسا اسم ہے جو مذکر اور مونث دونوں طرح آ سکتا ہے تو مذکر اولی ہے کیونکہ یہی اصل اور زیادہ خفیف ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ آیت میں دلیل ہے کہ چھوٹا بڑے سے کہتا ہے متعلم، عالم سے کہتا ہے: عندی ما لیس عندك میرے پاس وہ ہے جو تیرے پاس نہیں ہے۔ جب یہ چیز اس پر واضح ہوگئی اور اس کو اس کا یقین ہو گیا۔ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں اپنی جلالت شان اور علم کے باوجود اجازت طلب کرنے والے حکم سے آگاہ نہیں تھے۔ تیمم کا علم حضرت عمارہ وغیرہ کے پاس تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں تھا۔ دونوں صحابہ نے کہا: جنبی تیمم نہیں کرے گا۔ بالغہ عورت کے بارے میں اذن کا حکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھا اور حضرت مسور بن مخرمہ پر مخفی تھا۔ اس کی کثیر امثلہ ہیں اس وجہ سے اس کے ساتھ اس بحث کو طویل نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 9۔ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ جب ہدہد نے کہا: جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: اس کی کیا خبر ہے؟ اس نے عرض کی: اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ مراد بلقیس بنت شراحیل ہے جو اہل سبا کی ملکہ تھی۔ یہ سوال کیا جاتا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام پر اس کا مکان کیسے مخفی رہا جب کہ آپ کے پڑاؤ اور اس کے شہر کے درمیان فاصلہ بہت تھوڑا تھا؟ یہ صنعاء اور مآرب کے درمیان تین دن یا تین میل کی مسافت تھی۔ اس کا جواب یہ ہے اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت کی وجہ سے اسے مخفی رکھا جس طرح حضرت یوسف کا مکان حضرت یعقوب پر مخفی رکھا۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ اس کے آباء میں سے ایک جن تھا۔ ابن عربی نے کہا: یہ ایسا امر ہے جس کا ملحد انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: جن نہ کھاتے ہیں اور نہ ان کے ہاں ولادت ہوتی ہے۔ انہوں نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ ان سب پر لعنت فرمائے۔ یہ صحیح ہے ان کا نکاح عقلاً جائز ہے اگر نقلاً صحیح ثابت ہو جائے تو یہ کتنی اچھی بات ہے۔

میں کہتا ہوں: ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔ جنوں کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا انہوں نے عرض کی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی امت کو منع کریں کہ وہ ہڈی، لید اور جمجم (سر کی کھوپڑی، لکڑی کا پیالہ) سے استنجاء نہ کریں، اللہ تعالیٰ نے ان میں ہمارے لیے رزق بنایا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے "ہر وہ ہڈی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو وہ تمہارے ہاتھ لگے گی تو اس پر وافر گوشت ہوگا اور ہر لید کا دانہ تمہاری سواریوں کے لیے چارہ ہوگا"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان دونوں کے ساتھ استنجاء نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے جن بھائیوں کا کھانا ہے" (1)۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے میں نے عرض کی: یہ ہڈی اور لید کا کیا معاملہ ہے؟ فرمایا: "یہ جنوں کا کھانا ہے میرے پاس نصیبین کے جنوں کا وفد آیا وہ کتنے اچھے جن تھے انہوں نے مجھ سے زاد راہ کا سوال کیا، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ کسی ہڈی اور لید پر نہ گزریں مگر اس پر کھانا پائیں" (2)۔ یہ سب روایات اس میں نص ہیں کہ وہ کھاتے ہیں۔ جہاں تک ان کے نکاح کا تعلق ہے وَ شَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ (اسراء: 64) کے ضمن میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وہب بن جریر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الجہر بالقراۃ، جلد 1، صفحہ 184

2۔ صحیح بخاری، کتاب بنیان الکعبہ، باب ذکر الجن و قول اللہ تعالیٰ قل اوحی الی انہ، جلد 1، صفحہ 544

بن حازم، خلیل بن احمد سے وہ عثمان بن حاضر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ بلقیس کی ماں جنوں میں سے تھی جسے بلعم بنت شیعان کہا جاتا تھا اس کے بارے میں مزید گفتگو ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

مسئلہ نمبر 10۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنایا ہے فرمایا: لن یُفلح قوم وَلّوا أمرهم امرأة وہ قوم فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے امور عورت کے سپرد کر دیے (1)۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: یہ اس امر میں نص ہے کہ عورت خلیفہ نہ ہو اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ محمد بن جریر طبری سے مروی ہے کہ یہ جائز ہے کہ عورت قاضی ہو ان سے یہ قول ثابت نہیں۔ شاید ان سے یہ قول اسی طرح منقول ہے جس طرح امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ وہ ان امور میں فیصلہ کر سکتی ہے جن میں وہ گواہی دے سکتی ہے وہ علی الاطلاق قاضی نہیں بن سکتی اور نہ اس کے لیے یہ لکھا جائے کہ فلانہ حکم پر مقدم ہے اس کا سبیل تحکیم اور قضیہ واحدہ میں نائب بنانا ہے یہی وہ گمان ہے جو امام ابوحنیفہ اور ابن جریر کے بارے میں ہے۔ حضرت عمر سے مروی ہے کہ آپ نے ایک عورت کو بازار کی نگرانی پر مقرر کیا۔ یہ ثابت نہیں تم اس کی طرف متوجہ نہ ہو یہ احادیث میں بدعت جاری کرنے والوں کے وساوس ہیں۔

اس مسئلہ میں قاضی ابوبکر بن طیب مالکی اشعری نے ابوالفرج بن طرار شیخ شافعیہ کے ساتھ مناظرہ کیا ابوالفرج نے کہا: اس امر پر دلیل کہ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ فیصلہ کرے وہ یہ ہے احکام سے غرض یہ ہے کہ قاضی ان کو نافذ کرے، اس پر گواہوں کو سنے، جھگڑا کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کرے یہ عورت کی طرف سے بھی اسی طرح ممکن ہے جس طرح مرد کی جانب سے ممکن ہے۔ قاضی ابوبکر نے اس پر اعتراض کیا اور امامت کبریٰ سے ان کے کلام میں نقض پیش کیا کیونکہ اس سے غرض سرحدوں کی حفاظت ہے امور کی تدبیر ہے، خراج کی وصولی ہے اور اسے مستحقین کی طرف لوٹانا ہے۔ یہ فرائض جس طرح مرد سے واقع ہوتے ہیں عورت سے واقع نہیں ہوتے۔ ابن عربی نے کہا: اس مسئلہ میں شیخین کا کلام کوئی چیز نہیں عورت کے لیے مجلس میں آنا ممکن نہیں ہوتا، وہ مردوں سے میل جول نہیں رکھ سکتی اور ہم پلہ ہم پلہ کے ساتھ جو معاملہ کرتا ہے وہ ایسا نہیں کر سکتی کیونکہ اگر وہ نوجوان ہوگی تو مرد کا اس کی طرف دیکھنا اور کلام کرنا حرام ہوگا۔ اگر وہ پکی عمر کی ہو مرد اس کے ساتھ اکٹھے نہیں بیٹھ سکتا۔ مردوں کی مجلس ایک ہوتی ہے وہ ان کے ساتھ بھیڑ کرے گی اور وہ ان کی طرف دیکھے گی جو آدمی اس قسم کا تصور رکھے وہ فلاح نہیں پا سکتا اور نہ وہ جو اس قسم کا اعتقاد رکھتا ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ یہ کلام مبالغہ کے طور پر ہے یعنی مملکت جس کی محتاج ہوتی ہے وہ سب مجھے حاصل ہے اوتیت من کل شی فی زمانها شیئا، تو مفعول کو حذف کر دیا گیا، کیونکہ کلام اس پر دال ہے، وَ لَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ عرش سے مراد سریر (تخت) ہے اس کی عظیم سے جو صفت لگائی گئی ہے وہ ہیئت اور سلطان کے رتبہ کے لحاظ سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ سونے کا تخت تھا جس پر وہ بیٹھا کرتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں عرش سے مراد ملک ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا اگر تو کہے: ہدہد نے کیسے بلقیس کے عرش اور اللہ تعالیٰ کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسری و قیصر، جلد 2، صفحہ 637

عرش میں عظیم کے ساتھ صفت لگا کر برابری کی ہے؟ میں کہوں گا: دونوں وصفوں میں بہت ہی دوری ہے کیونکہ ملکہ بلقیس کے عرش کی عظمت اس مناسبت سے ہے جو اسی جیسے بادشاہ بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عرش کی عظمت ان چیزوں کے اعتبار سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں جیسے آسمان اور زمین۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کے عرش کی لمبائی اسی ہاتھ تھی اور اس کی چوڑائی چالیس ہاتھ تھی اور اونچائی تیس ہاتھ تھی، جس پر موتیوں، سرخ یاقوت اور سبز زبرجد کا تاج تھا۔ قتادہ نے کہا: اس کے پائے موتیوں اور جواہرات کے تھے اس پر دیباج (ریشم کی ایک قسم) اور حریر کے پردے تھے، اس کے سات تالے تھے۔ مقاتل نے کہا: وہ اسی ہاتھ لمبا اور اسی ہاتھ چوڑا تھا اس کی اونچائی اسی ہاتھ تھی اس پر جواہرات جڑے تھے۔ ابن اسحاق نے کہا: عورتیں اس کی خدمت گار تھیں اس کی خدمت کے لیے چھ سو عورتیں تھیں۔ ابن عطیہ نے کہا: آیت سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ ایک ایسی عورت تھی جو یمن کے شہروں کی ملکہ تھی اس کا عظیم ملک اور عظیم تخت تھا۔ وہ کافر قوم کی ایک کافر عورت تھی (1)۔

مسئلہ نمبر 12۔ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امت ان لوگوں میں سے تھی جو سورج کی پوجا کرتے ہیں جس طرح روایت کی گئی ہے وہ زنادقہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مجوسی تھے وہ انوار کی عبادت کیا کرتے تھے۔ نافع سے مروی ہے کہ وقف عرش پر ہوگا۔ مہدوی نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر عظیم ما بعد کے متعلق ہوگا اس تعبیر کی بنا پر یہ مناسب ہوگا کہ تقدیر کلام یوں ہو عظیم ان وجدتھا یعنی عظیم وجودی ایاھا کافرۃ۔ ابن انباری نے کہا: وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ اس پر وقف اچھا ہے عرش پر وقف جائز نہیں اور عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا سے ابتدا جائز نہیں مگر جو فتحہ دے کیونکہ عظیم عرش کی صفت ہے اگر یہ وجدت کے متعلق ہوتو تو کہتا: عظیمۃ وجدتھا یہ ہر اعتبار سے محال ہے۔ ابوبکر محمد بن حسین بن شہریار، ابو عبداللہ حسین بن اسود عجلی سے وہ بعض اہل علم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ عرش پر وقت اور عظیم سے ابتدا اس معنی کی بنا پر ہوگی ان کا سورج اور چاند کی عبادت کرنا عظیم ہے۔ کہا: میں نے اس کو کہتے ہوئے سنا جو اس مذہب کی تائید کرتا ہے اور اللہ اللہ کرتا ہے کہ اس کا عرش اس سے حقیر اور دقیق تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی صفت عظیم سے لگاتا۔ انباری نے کہا: میرے نزدیک پسندیدہ وہ ہے جس کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے کیونکہ سورج اور چاند کی عبادت کے مضمر ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی صفت عظیم سے لگائے کیونکہ اس نے اسے طول اور عرض میں متناہی حد کو دیکھا۔ عرش کے اعراب پر اس کا جاری ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اس کی نعت ہے۔

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ یعنی ان میں جو کفر تھا اسے مزین کیا فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ توحید کے راستہ سے انہیں روکا اور اس امر کو واضح کیا کہ جو توحید کا راستہ نہیں وہ ایسا راستہ نہیں جس سے یقینی طور پر نفع حاصل کیا جائے۔ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ وہ اللہ تعالیٰ اور توحید کی طرف ہدایت پانے والے نہیں۔

مسئلہ نمبر 13۔ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ ابو عمرو، نافع، عاصم اور حمزہ نے الا یسجدوا للہ، الا کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے الا کو شد دی ہے اس کے نزدیک فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ مکمل کلام نہیں کیونکہ معنی ہے شیطان نے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 256

ان کے لیے مزین کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کریں۔ نحاس نے کہا: یہ ان ہے جو لا پر داخل ہوا ہے ان محل نصب میں ہے۔ اخفش نے کہا: اسے زین نے نصب دی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی زین لھم لئلا یسجدوا۔ کسائی نے کہا: صدھم نے اسے نصب دی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فصدھم الا یسجدوا دونوں صورتوں میں مفعول لہ ہے۔ یزیدی اور علی بن سلیمان نے کہا: ان، اعمالھم سے بدل ہے یہ محل نصب میں ہے۔ ابوعمرو نے کہا: ان محل جر میں ہے جو السبیل سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں عامل لایھتدون ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فھم لا یھتدون أن یسجدوا اللہ یعنی وہ نہیں جانتے کہ یہ ان پر واجب تھا۔ اس قول کی بنا پر لا زائدہ ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ (الاعراف: 12) یعنی تجھے کس نے سجدہ کرنے سے منع کیا؟ اس قراءت کی بنا پر یہ سجدہ کی جگہ نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ ان کے سجدہ ترک کرنے کی خبر ہے، خواہ وہ تزیین، روکنے اور ہدایت پانے سے رکنے کی صورت میں ہو۔ زہری، کسائی وغیرہما نے پڑھا ألا یسجدو اللہ معنی ہے خبردار اے لوگو! تم سجدہ کرو کیونکہ یا حرف ندا کے ساتھ اسماء کو ندا کی جاتی ہے افعال کو ندا نہیں کی جاتی۔ سیبویہ نے یہ شعر پڑھا:

یا لعنةُ اللهِ والأقوامِ كُلِّهِمُ والصَّالحين على سِمْعَانَ من جَارِ

سیبویہ نے کہا: یا حرف ندا لعنت کے لیے نہیں کیونکہ اگر اس کا منادی لعنۃ ہوتا تو حرف ندا اس کو نصب دیتا کیونکہ یہ منادی مضاف ہوتا، لیکن اس کی تقدیر کلام یہ ہے یا ھولاء لعنۃ اللہ والأقوام علی سمعان۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ اور تمام اقوام کی سمعان پر لعنت ہو۔ بعض علماء نے عربوں سے اپنے سماع کو بیان کیا ہے ألا یا ارحموا ألا اصدقوا۔ وہ اس سے یہ مراد لیتے ہیں خبردار اے قوم! تم رحم کرو تم سچ بولو۔ اس قراءت کی بنا پر اسجدوا امر کی وجہ سے مجزوم ہے اور وقف الا یا پر ہوگا پھر تو نئے سرے سے کلام کرے گا اور تو کہے گا: اسجدوا، کسائی نے کہا: میں شیوخ کو امر کے ارادہ سے تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا تھا عبداللہ کی قراءت میں ہے الا ھل تسجدون للہ یعنی تاء اور نون ہے۔ ابی کی قراءت میں الا تسجدون للہ یہ دونوں قرائتیں اس کے لیے حجت ہیں جو تخفیف کرتا ہے۔ زجاج نے کہا: تخفیف کی قراءت سجدہ کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے تشدید سجدہ کا تقاضا نہیں کرتی۔ کہا تخفیف بہت اچھی توجیہ ہے مگر اس میں خبر سبا کے امر سے منقطع ہو جاتی ہے پھر اس کے بعد ان کے ذکر کی طرف رجوع کیا۔ تشدید کے ساتھ قراءت ایسی خبر ہے جس کا بعض بعض کے تابع ہے اس کے وسط میں کوئی انقطاع نہیں اس کی مثل نحاس نے کہا: تخفیف کے ساتھ قراءت بعید ہے کیونکہ کلام جملہ معترضہ بن جائے گی اور تشدید کے ساتھ قراءت متسق ہو جائے گی، نیز جو مسودات ہیں وہ اس قراءت کے علاوہ ہیں کیونکہ اس سے دو الف حذف ہیں۔ اس کی مثل کو ایک الف کے حذف کے ساتھ اختصار کیا جاتا ہے، جس طرح یا عیسیٰ بن مریم۔ ابن انباری نے کہا: اسجدوا کا الف ساقط ہو گیا جس طرح یہ ساقط ہو جاتا ہے ان کے ساتھ جب ظاہر ہو۔ جب یا کا الف ساقط ہو گیا تو اسجدوا کا الف متصل ہو گیا تو وہ گر گیا اس کا سقوط اختصار پر دلالت کرنے والا شمار ہوا اور اس پر ترجیح دینے کے لیے شمار ہوا جو تخفیف کا قائل ہے اور الفاظ کی کمی کا قائل ہے۔ جوہری نے اپنی کتاب کے آخر میں کہا: بعض نے کہا اس جگہ یا یہ تنبیہ کے لیے ہے گویا فرمایا ألا اسجدوا اللہ جب اس پر یا تنبیہ کے لیے داخل کی گئی تو اسجدوا میں جو الف تھا وہ ساقط ہو گیا کیونکہ یہ الف وصل ہے اور یا میں جو الف تھا وہ

اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا کیونکہ یہ اور سین دونوں ساکن ہیں۔ ذورمہ نے کہا:

أَلَا يَا اسْلَمِي يَا دَارَمَيَّ عَلَى الْبِلَى　　وَلَا زَالَ مُنْهَلًّا بِجَرْعَائِكِ الْقَطْرُ(1)

محل استدلال اسلمی کا ہمزہ ہے۔

جرجانی نے کہا: یہ کلام معترضہ ہو، ہدہد کی جانب سے ہو، حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب سے ہو یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو، یعنی أَلَا يَسْجُدُوا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ (الجاثیہ: 14) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر ہے یعنی بخشش طلب کرو۔ اسی پر مصحف کی کتابت منتظم ہے یعنی یہاں ندا نہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: العظیم تک ہدہد کا کلام ہے یہ ابن زید اور ابن اسحاق کا قول ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ تو مخاطب ہی نہیں تو وہ شرع کے معنی میں کیسے گفتگو کر سکتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہو جب ہدہد نے آپ کو اس قوم کی خبر دی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو یہ دو کلاموں کے درمیان جملہ معترضہ ہو گا یہ تامل کے ساتھ ثابت ہے۔ الا میں تشدید کے ساتھ قراءت یہ معنی دیتی ہے کہ کلام ہدہد کا ہے اور تخفیف کی قراءت اس سے مانع ہے۔ تخفیف کی قراءت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کا امر ہے یہ تقاضا اس امر کی وجہ سے ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تو سوال کرے کیا سجدہ تلاوت دونوں قراءتوں میں واجب ہے یا ایک قراءت میں واجب ہے؟ میں کہوں گا: دونوں قراءتوں میں واجب ہے کیونکہ سجدہ کے جتنے بھی مواضع ہیں یا تو ان کا امر ہے یا ان لوگوں کی مدح ہے جو سجدہ کرتے ہیں یا جو اسے ترک کرے اس کی مذمت ہے دونوں قراءتوں میں سے ایک سجدہ کا امر ہے اور دوسری تارک کے لیے مذمت ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں خبر دی کہ وہ سجدہ نہیں کرتے جس طرح سورۂ انشقاق میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ کیا، جس طرح بخاری اور دوسری کتب میں ثابت ہے۔ اسی طرح سورۂ نمل کا مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ بہتر جانتا ہے۔ زمخشری نے کہا: زجاج نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ تخفیف کی صورت میں سجدہ واجب ہے اور تشدید کی صورت میں واجب نہیں تو اس کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔

الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ خبئ السماء سے مراد اس کے قطرات ہیں اور خبء الارض سے مراد اس کے خزانے اور نباتات ہیں۔ قتادہ نے کہا: خبء سے مراد راز ہے۔ نحاس نے کہا: یہ مروی ہے، یعنی جو آسمانوں اور زمین میں غائب ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ دلالت کرتا ہے۔ عکرمہ اور مالک بن دینار نے کہا: الخب باء کے فتحہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بغیر ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ تخفیف قیاسی ہے اور جو وقف کی صورت میں ہمزہ کو ترک کر دیتا ہے اس کا ذکر ہے۔ نحاس نے کہا: ابو حاتم نے حکایت بیان کی ہے کہ عکرمہ نے الذی یخرج الخبا پڑھا یعنی ہمزہ کے بغیر الف کے ساتھ اور گمان کیا کہ یہ لغت عرب میں جائز نہیں علت یہ بیان کی کہ اگر ہمزہ میں تخفیف کی جائے تو اس کی حرکت باء کو دی جاتی ہے تو کہا: الخب فی السموات والارض اگر ہمزہ میں تحویل کی جائے تو الخبی باء ساکن اور اس کے بعد یاء ہوگی۔ نحاس نے کہا: پس علی بن سلیمان

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 256

کو کہتے ہوئے سنا وہ محمد بن یزید سے بیان کرتے ہیں کہ ابو حاتم نحو میں اپنے ساتھیوں سے مرتبہ میں کم تھے وہ ان کے مرتبہ کو لاحق نہیں ہوتے تھے، مگر جب وہ اپنے شہر سے نکلے تو ان سے بڑا عالم نہ پایا گیا۔

سیبویہ نے عربوں سے حکایت بیان کی ہے کہ وہ ہمزہ کو الف سے بدل دیتے ہیں جب اس کا ماقبل ساکن ہو اور وہ خود مفتوح ہو، اسے واؤ سے بدل دیا جاتا ہے۔ جب اس کا ماقبل ساکن ہو اور وہ خود مضموم ہو، اسے یاء سے بدل دیا جاتا ہے جب اس کا ماقبل ساکن ہو اور وہ خود مکسور ہو۔ تو کہتا ہے: هذا الوَثْوُ، عجبت من الوَثْيِ، رأيت الوَثَا۔ یہ وثئت یدہ سے مشتق ہے اس طرح یہ ہے هذا الخَبُوُ، عجبت من الخَبِيِ، رأيت الخَبَا۔ یہ اس لیے کیا گیا کیونکہ ہمزہ خفیف ہے۔ ہمزہ کو ان حروف سے بدل دیا جاتا ہے۔ سیبویہ نے بنی تمیم اور بنی اسد سے یہ روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں: هذا الخبوُ جب ہمزہ مضموم ہو تو وہ ساکن کو ضمہ دیتے ہیں۔ وہ ہمزہ کو ثابت رکھتے ہیں اور ساکن کو کسرہ دیتے ہیں جب ہمزہ مکسور ہو، جب ہمزہ مفتوح ہو تو ساکن کو فتحہ دیتے ہیں۔ سیبویہ نے یہ حکایت بھی کی ہے وہ کسرہ دیتے ہیں اگرچہ ہمزہ مضموم ہو مگر یہ بنی تمیم سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: الرِّدِي اس نے گمان کیا ہے وہ دال کو ضمہ نہیں دیتے کیونکہ وہ اس ضمہ کو ناپسند کرتے ہیں جس سے قبل کسرہ ہو کیونکہ کلام میں کوئی فُعِل نہیں یہ سب قرائتیں اس لغت پر داخل ہیں جنہیں جماعت نے پڑھا ہے۔ عبداللہ کی قراءت میں الذی یخرج الخبا من السموات ہے من اور فی ایک دوسرے کی جگہ آتے رہتے ہیں عرب کہتے ہیں: لا ستخرجن العلم فیکم اس سے وہ منکم مراد لیتے ہیں؛ یہ فراء کا قول ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ دونوں میں عام قراءت یاء کے ساتھ ہے۔ یہ قراءت یہ معنی دیتی ہے کہ کلام ہدہد کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے توحید کی معرفت، اس کی بارگاہ میں سجدہ کے وجوب، وہ سورج کو جو سجدہ کرتے اس کا انکار، اس کی شیطان کی طرف اضافت اور شیطان کا ان کے لیے اس امر کو مزین کرنا ان سب چیزوں کی معرفت کے لیے ہدہد کو خاص کیا۔ جس طرح اس نے دوسرے پرندوں اور حیوانوں کو لطیف معارف کے لیے خاص کیا جہاں تک ترجیح پانے والے عقول رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ جحدری، عیسیٰ بن عمر، حفص اور کسائی نے تخفون اور تعلنون پڑھا ہے یہ تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ ہے۔ یہ قراءت یہ معنی دیتی ہے کہ آیت اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خطاب ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ابن محیصن نے العظیم پڑھا ہے مرفوع ہے لفظ اَللّٰهُ اسم جلالت کی صفت ہے۔ باقی قراء نے مجرور پڑھا ہے یہ **الْعَرْشِ** کی صفت ہے رب کا خصوصاً ذکر فرمایا کیونکہ مخلوقات میں سے عظیم ہے اس کے علاوہ اس کے ضمن میں اور اس کے قبضہ میں ہیں۔

مسئلہ نمبر 14۔ سَنَنْظُرُ یہ اس نظر سے مشتق ہے جس کا معنی غور وفکر کرنا ہے۔ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ کیا تو اپنی بات میں سچا ہے یا جھوٹا ہے كُنْتَ یہ انت کے معنی میں ہے کہا: سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ یہ نہیں کہا: سننظر فی امرک کیونکہ جب ہدہد نے علم میں فخر کی تصریح کر دی اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اس قول کے ساتھ تصریح کی سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ اس نے جو کہا تھا یہ اس کے لیے کافی ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 15 ۔ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ یہ اس امر پر دلیل ہے کہ امام پر واجب ہے کہ وہ اپنی رعیت کا عذر قبول کرے اور ان کے باغی عذروں کی وجہ سے ان کے ظاہر احوال میں جو عقوبت واقع ہو رہی تھی اس کو ختم کرے، کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو کوئی سزا نہ دی جب اس نے معذرت پیش کی کیونکہ ہدہد کا صدق عذر بن گیا کیونکہ اس نے اس امر کی خبر دی جو جہاد کا تقاضا کرتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جہاد سے محبت کرتے تھے۔ صحیح میں ہے ''اللہ کی ذات سے بڑھ کر کوئی بھی معذرت سے محبت کرنے والا نہیں اس وجہ سے اس نے کتاب کو نازل کیا اور رسولوں کو بھیجا'' (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن عدی کا عذر قبول کیا اور اسے سزا نہ دی۔ لیکن امام کو حق حاصل ہے کہ وہ خوب چھان بین کرے جب اس کے ساتھ کوئی حکم شرعی بھی متعلق ہو۔ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کیونکہ جب ہدہد نے آپ کی خدمت میں عرض کی: اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ آپ کی طمع نہ بھڑکی اور نہ ملک میں زیادتی کی محبت آپ کو اس طرف لے گئی کہ آپ اس سے تعرض کریں، یہاں تک کہ ہدہد نے کہا: وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ جب یہ سنا تو اس وقت غصے میں ہوئے اور جو اس نے خبر دی اس کی تہہ تک پہنچنے کا فیصلہ کیا اور جو امور ابھی تک غیب تھے ان کو حاصل کرنا چاہا۔ فرمایا: سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ اس کی مثل وہ روایت ہے جس کو حضرت مسور بن مخرمہ نے روایت کیا ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے املاص المرأۃ میں مشورہ کیا۔ املاص المرأۃ سے مراد وہ عورت ہے جس کے پیٹ پر ضرب لگائی جاتی ہے تو وہ اپنا نامکمل بچہ پھینک دیتی ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے غلام یا لونڈی کے غرہ (چھوٹا غلام) کا فیصلہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ آدمی لاؤ جو تیرے حق میں گواہی دے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے ان کے حق میں گواہی دی۔ ایک روایت میں ہے: تو یہاں سے نہیں جا سکتا یہاں تک اس سے نکلنے کی کوئی راہ پائے۔ میں نکلا تو میں نے حضرت محمد بن مسلمہ کو پایا میں انہیں لے آیا تو انہوں نے گواہی دی۔ اس کی مثل اجازت طلب کرنے کے حوالے سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔

مسئلہ نمبر 16 ۔ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ زجاج نے کہا: اس میں پانچ وجوہ ہیں: فَاَلْقِهٖۤ اِلَیْهِمْ لفظ میں یاء ثابت ہے یاء کو حذف کرنے اور کسرہ کو ثابت کرنے کے ساتھ جو یاء کے حذف پر دال ہے۔ فَاَلْقِهُ اِلَیْهِمْ ہاء کے ضمہ اور واؤ کو ثابت کرنے کے ساتھ اپنے اصل پر۔ فَاَلْقِهُ اِلَیْهِمْ واؤ کے حذف اور ضمہ کو ثابت کرنے کے ساتھ۔ فالقہْ الیھم پانچویں لغت وہ ہے جسے حمزہ نے ہاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ۔ نحاس نے کہا: نحویوں کے نزدیک یہ جائز نہیں مگر بعیدی حیلہ کی صورت میں جائز ہو سکتا ہے وہ وقف کو مقدر کیا جائے۔

میں نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا: اس علت کی طرف متوجہ نہ ہو، اگر یہ جائز ہوتا، کہ تو وہ وصل کرے اور وقف کی نیت کرے تو اسماء سے اعراب کو حذف کرنا جائز ہوتا۔ اِلَیْهِمْ کہا: ضمیر جمع کی ذکر کی الیھا نہیں کہا کیونکہ کہا: وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ گویا فرمایا: اسے ان کی طرف پھینکو جن کا یہ دین ہے۔ مقصود دین کے امر کا اہتمام ہے اور غیر سے

1۔ صحیح مسلم، باب غیرۃ اللہ تعالیٰ و تحریم الفواحش، کتاب التوبۃ، جلد 2، صفحہ 358

اس کے ساتھ اعراض کرنا ہے، اسی وجہ سے کتاب میں خطاب کی بنیاد جمع کے صیغہ پر رکھی گئی ہے۔ اس آیت کے قصوں میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ہدہد پہنچا اس نے اس ملکہ کے ارد گرد دیواروں سے بنا حجاب پایا اس نے اس روشندان کا قصد کیا، بلقیس نے یہ روشن دان اس لیے بنوایا تھا تا کہ سورج کے طلوع ہونے کے وقت روشنی اس سے داخل ہوتا کہ وہ سورج کی عبادت کر سکے۔ وہ اس روشن دان سے داخل ہوا اور خط ملکہ بلقیس پر پھینک دیا وہ اس وقت سوئی ہوئی تھی یہ اس طرح روایت کیا گیا ہے جب وہ بیدار ہوئی تو اس خط کو پایا تو اس خط نے اس کو خوفزدہ کر دیا۔ اس نے گمان کیا کہ کوئی اس کے کمرہ میں داخل ہوا ہے پھر وہ اٹھی تو اس نے وہی حال پایا جس طرح پہلے کا معمول تھا اس نے روشن دان کی طرف دیکھا تا کہ سورج کے معاملہ کا جائزہ لے تو اس نے ہدہد کو دیکھا تو اسے علم ہو گیا۔

وہب اور ابن زید نے کہا: سورج کے مطلع کے سامنے روشن دان تھا جب سورج طلوع ہوتا تو وہ سجدہ کرتی ہدہد نے اپنے پروں کے ساتھ اسے بند کر دیا۔ سورج بلند ہوا اور بلقیس کو اس کا علم نہ ہوا جب سورج کے نظر آنے میں دیر ہو گئی تو وہ دیکھنے لگی ہدہد نے صحیفہ اس کی طرف پھینکا جب اس نے مہر دیکھی تو وہ کانپ اٹھی اور عاجزی کا اظہار کیا کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت، ان کی مہر میں تھی، اس نے خط پڑھا اس نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور جو کچھ ہونے والا تھا اس کے بارے میں ان سے بات چیت کی۔ مقاتل نے کہا: ہدہد نے خط اپنی چونچ میں اٹھایا وہ اڑا یہاں تک کہ عورت کے سر پر رک گیا اس کے ارد گرد اس کے لشکر تھے۔ وہ تھوڑی دیر پھڑ پھڑایا جب کہ لوگ اسے دیکھ رہے تھے عورت نے اپنا سر اوپر کو اٹھایا تو ہدہد نے خط اس کی گود میں پھینک دیا۔

مسئلہ نمبر 17۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ مشرکوں کو خط بھیجنا، انہیں دعوت پہنچانا اور اسلام کی طرف انہیں دعوت دینا درست ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر اور ہر جابر کی طرف خطوط بھیجے جس طرح آل عمران میں ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ پھر ایک طرف ہو جانے کا حکم دیا یہ امر حسن ادب کے طور پر تھا تا کہ وہ اس طرح الگ ہو جائے جس طرح بادشاہوں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے معنی ہے قریب ہی رہنا تا کہ تو ان کے جواب کو دیکھے، یہ وہب بن منبہ کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: اسے واپس آنے کا حکم دیا، یعنی خط اس پر پھینکنا اور واپس آ جانا (1)۔ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ یہ حکم میں مقدم ہے ثُمَّ تَوَلَّ یہ حکم میں موخر ہے کلام میں اتساق نمایاں ہے، یعنی القہ ثم تول، اس کے درمیان دیکھنا یعنی انتظار کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جان لے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ (النباء: 40) جان لو وہ کیا جواب دیتے ہیں اور کیا مشورہ کرتے ہیں؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ وہ آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں؟

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَ اْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 257

"(خط پڑھ کر) ملکہ نے کہا: اے سرداران قوم! پہنچایا گیا ہے میری طرف ایک عزت والا خط۔ یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمن (اور) رحیم ہے۔ تم مت مغرور و تکبر نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے پاس فرمانبردار بن کر"۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا کلام میں حذف ہے مراد ہے فذهب فالقاه إليهم فسمعها وهي تقول يايها الملأ وہ گیا اس نے خط ان پر پھینکا اس نے ملکہ بلقیس کو یہ کہتے ہوئے سنا: اے قوم کے سردارو! پھر کتاب کی صفت کریم سے لگائی کیونکہ وہ خط ایسی ذات کی جانب سے تھا جو عظیم تھی یہ عظمت ملکہ بلقیس کے نفس میں تھی یا ان سرداروں کے نفوس میں تھی۔ ملکہ بلقیس نے خط کی عظیم سے صفت حضرت سلیمان علیہ السلام کی تکریم کے لیے ذکر کی تھی؛ یہ ابن زید کا قول ہے یا اس نے یہ اشارہ کیا کہ اس پر مہر لگی ہوئی ہے تو خط کی کرامت اس کی مہر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہر وہ کلام جس کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہ ہو تو وہ دم بریدہ ہوتی ہے" (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس کا آغاز اپنی ذات سے تھا یہ طریقہ جلیل القدر لوگ ہی کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے عبد الملک بن مروان کی طرف خط لکھا جس میں وہ مروان کی بیعت کر رہے تھے۔ من عبد الله لعبد الملك بن مروان امير المومنين، یہ خط عبداللہ کی جانب سے عبدالملک بن مروان کے لیے ہے جو امیر المومنین ہے میں تیرے لیے سمع وطاعت کا اقرار کرتا ہوں جس قدر میں طاقت رکھوں گا، میرے بیٹوں نے بھی اس بارے میں تیرے لیے اقرار کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے وہم کیا کہ یہ خط آسمان سے آیا ہے کیونکہ خط پہنچانے والا پرندہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کریم کا معنی حسن ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ (الشعراء) یعنی مجلس حسن۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے خط کی یہ صفت اس لیے ذکر کی کیونکہ اس میں نرم گفتگو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت کی نصیحت تھی اس میں شفقت اور لطف و مہربانی تھی اس میں سب و لعن وغیرہ نہیں تھا۔ نہ وہ کوئی ایسی چیز تھی جو نفس میں تغیر پیدا کرے نہ وہ درجہ سے گری ہوئی تھی اور نہ ہی اس میں پیچیدگی تھی۔ جس طرح رسولوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہیں دیکھتے جو اس نے اپنے نبی سے فرمایا: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل: 125) اور اللہ تعالیٰ کے فرمان جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ) تمام وجوہ اچھی ہیں اور یہ ان سب سے بہترین ہے یہ روایت بیان کی گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے قبل کسی نے بھی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں لکھی۔ عبداللہ کی قراءت میں ہے وان من سليمان واؤ زائد ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ كِتٰبٌ میں كَرِيْمٌ کی صفت حد درجہ کا وصف ہے کیا تو اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں دیکھتا انه لقرآن کریم

1۔ سنن ابن ماجہ، باب خطبۃ النکاح، حدیث نمبر 1883، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اہل زمان کتاب کی صفت، خطیر، اثیر اور مبرور لگاتے ہیں۔ اگر وہ بادشاہ کا خط ہو تو وہ عزیز کہتے ہیں اور غفلت کے طور پر الکریم کو ساقط کر دیا۔ یہ خصلت کے اعتبار سے افضل ہے جہاں تک العزیز کے ساتھ صفت کا معاملہ ہے تو اس کے ساتھ قرآن کی صفت ذکر کی گئی ہے وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ (فصلت: 42) یہ اس کی عزت ہے یہ کسی اور کے لیے نہیں اپنے مکتوبات میں اس سے اجتناب کر و اس کی جگہ العالی کا لفظ رکھو، مقصود ولایت کا حق پورا کرنے کے لیے اور دیانت کا احاطہ کرنے کے لیے ہے، یہ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا۔

مسئلہ نمبر 3۔ متقدمین کا طریقہ تھا جب وہ خط لکھتے تو اپنی ذاتوں سے شروع کرتے۔ من فلان الی فلان۔ اس کے متعلق آثار آئے ہیں۔ ربیع بن انس نے روایت کی ہے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی زیادہ حرمت والا نہیں۔ جب وہ مکتوب لکھتے تو اپنی ذات سے شروع کرتے۔ ابن سیرین نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اہل فارس جب خط لکھتے ہیں تو آغاز اپنے سرداروں سے کرتے ہیں آدمی اپنی ذات سے شروع کرے''۔ ابواللیث نے اپنی کتاب ''البستان'' میں کہا: اگر اس سے خط کو شروع کیا جس کی طرف خط لکھا جا رہا ہے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ امت کا اسی پر اتفاق ہے انہوں نے یہ طریقہ کسی مصلحت کی وجہ سے اپنایا جو مصلحت انہوں نے اس طریقہ میں دیکھی یا اس سے جو طریقہ تھا وہ منسوخ ہو گیا۔ ہمارے اس زمانے میں اچھا یہ ہے کہ خط مکتوب الیہ سے شروع کیا جائے پھر اپنا ذکر کرے، کیونکہ اپنی ذات سے خط کو شروع کرنا یہ مکتوب الیہ کو حقیر جاننے اور اپنے آپ کو بڑا جاننے پر دال ہے مگر یہ لکھا جائے الی عبد من عبیدہ او غلام من غلمانہ۔ غلاموں میں سے ایک غلام کی طرف۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب انسان پر کوئی خط وارد ہو جس میں سلام وغیرہ ہو تو اس کو جواب دینا چاہیے کیونکہ مکتوب غائب سے اس طرح ہے جس طرح حاضر سے سلام ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس طرح سلام کا جواب دینا واجب ہوتا ہے اسی طرح مکتوب کا جواب دینا بھی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ مکتوبات اور رسائل کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھنے پر علماء کا اتفاق ہے اسی طرح ان کے اختتام پر بھی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھنے پر اتفاق ہے کیونکہ یہ شک سے بعید ہے یہی طریقہ ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اسی طرح اثر واقع ہوا ہے۔ جس مکتوب پر مہر نہ ہو وہ اغلف (جس کو نہ سمجھا جائے) ہے۔ حدیث میں ہے کرم الکتب ختمہ مکتوب کی کرامت اس پر مہر ہے۔ ایک ادیب نے کہا جو ابن مقفع ہے: جس نے اپنے بھائی کو خط لکھا اور اس پر مہر نہ لگائی تو اس نے اس کی حقارت بیان کی، کیونکہ مہر لگانا ہی اس کا افتتاح ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ عجمیوں کو خط لکھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی: یہ وہی خط قبول کرتے ہیں جس پر مہر ہو، آپ نے مہر بنوائی اور اس کے نگینہ پر یہ نقش لکھوایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ گویا میں اس کی چمک اور سفیدی آپ کی ہتھیلی میں دیکھتا ہوں (1)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب نقش الخاتم، جلد 2، صفحہ 872

مسئلہ نمبر 6۔ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ دونوں جگہ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اور دونوں سے کلام شروع ہو رہا ہے۔ فراء نے دونوں میں ان ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ محل رفع میں ہے یہ الکتاب سے بدل ہے اُلقی الیّ انه من سلیمان یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف کے ساتھ محل نصب میں ہو یعنی لانه من سلیمان ولانه گویا اس کی کرامت کی علت یہ بیان کی کہ یہ سلیمان کی جانب سے ہے اور اس کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے اشہب عقیلی اور محمد بن سمیقع نے پڑھا: الا تغلوا غین معجم کے ساتھ، وہب بن منبہ سے مروی ہے یہ غلا یغلو سے مشتق ہے جب وہ حد سے تجاوز کرے اور تکبر کرے۔ یہ جماعت کی قراءت کے معنی کی طرف راجع ہے۔

وَ اْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ اطاعت کرنے والے اور ایمان والے بن کر ہمارے پاس آؤ۔

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۬ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝

''ملکہ نے کہا: اے سرداران قوم! مجھے مشورہ دو میرے اس معاملہ میں، میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تم موجود نہ ہو۔ وہ کہنے لگے: ہم بڑے طاقت ور اور سخت جنگجو ہیں اور فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے آپ غور کر لیں کہ آپ کیا حکم دینا چاہتی ہیں؟ ملکہ نے کہا: اس میں شک نہیں کہ بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی میں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اور بنا دیتے ہیں وہاں کے معزز شہریوں کو ذلیل اور یہی ان کا دستور ہے (اس لیے جنگ کرنا قرین دانشمندی نہیں)''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ، ملأ سے مراد قوم کے اشراف ہیں۔ سورۂ بقرہ میں اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کے ساتھ ہزار سردار تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بارہ ہزار سردار تھے، ہر سردار کے ساتھ لاکھ سپاہی تھے۔ قیل سے مراد بڑے بادشاہ کے نیچے چھوٹے بادشاہ تھے اس نے اپنی قوم کے ساتھ حسن ادب کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور اس معاملہ میں ان سے مشورہ کیا اور انہیں یہ بتایا: یہ اس کا عام معمول ہے اس معاملہ میں جو اسے لاحق ہوتا ہے، اس کا ذکر اس قول میں ہے: مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ تو اس بڑی مصیبت میں کیسے تم سے مشورہ نہ کروں؟ سرداروں نے اسے وہ جواب دیا جس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ انہوں نے اسے اپنی قوت اور طاقت کا بتایا پھر معاملہ کو اس کی رائے کے سپرد کر دیا۔ یہ سب کی جانب سے اچھا مشورہ تھا۔ قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ اس کے تین سو تیرہ آدمی تھے جو اہل مشورہ تھے ان میں سے ہر ایک دس ہزار افراد پر مشتمل لشکر کا سردار تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں مشورہ کی صحت پر دلیل ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران: 159) یا تو آراء سے مدد لی یا اولیاء کی خاطر مدارت تھی اللہ تعالیٰ نے فضلاء کی اس قول کے ساتھ مدح کی وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (شوریٰ: 38) مشاورت یہ قدیمی امر ہے اور جنگی معاملات میں اس کا خاص مقام ہے یہ بلقیس دور جاہلیت کی عورت تھی سورج کی عبادت کیا کرتی تھی۔ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ تاکہ دشمنوں کے ساتھ برسرپیکار ہونے کے لیے ان کے عزم سے آگاہی حاصل کرے، اور جو ان کے معاملہ کو درست کرے اس میں احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھے اور اپنی اطاعت پر ان کے فیصلہ سے آگاہی حاصل کرے اور یہ جانے کہ اگر وہ اپنی جانیں، اپنے اموال اور اپنے خون اس کے دفاع کے لیے خرچ نہ کریں تو ان میں اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ ہوگی۔ اگر ان کا امر، احتیاط اور کدوکاوش کو مجتمع نہ ہو تو یہ ان کی اپنے دشمن کی مدد ہوگی اگر وہ خود امتحان نہ لے جو کچھ ان کے پاس ہے اور ان کے عزم کی قدر کو نہ پہچانے تو وہ بصیرت پر نہ ہوگی۔ بعض اوقات اس کا اپنی رائے سے استبداد اختیار کرنا اس کی طاعت میں کمزوری کو ثابت کرتا اور ان کا امور کی تقدیر میں دخل اندازی بنتی اس نے ان سے جو مشورہ لیا اور ان کی رائے لی تو یہ اس امر میں مددگار ثابت ہوا جس امر کا وہ ارادہ رکھتی تھی وہ ان کی شوکت کی قوت اور ان کی مدافعت کی شدت کا ملاحظہ کرنا تھا کیا آپ ان کے اس قول کو نہیں دیکھتے جو انہوں نے جواب دیا: نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ وَأُولُو بَأْسٍ شَدِيدٍ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان میں سے ایک کی قوت یہ تھی کہ وہ اپنے گھوڑے کو دوڑاتا جب وہ خوب تیز دوڑنے لگتا تو وہ اپنی رانوں کو ملاتا تو وہ اپنی طاقت سے گھوڑے کو دوڑنے سے روک لیتا۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ انہوں نے اپنی قوت، طاقت اور شدت کا اظہار کیا، پھر معاملہ کو اس کی رائے کے سپرد کر دیا۔ جب وہ یہ کر چکے تو اس موقع پر اس نے بتایا کہ بادشاہ جب غلبہ پاتے ہیں تو وہ بستیوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ اس کلام میں اسے اپنی قوم کے بارے میں خوف اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو عظیم جاننے کا تذکرہ ہے۔

وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بلقیس کے قول میں سے ہے جس معنی کا اس نے ارادہ کیا اس کی تائید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کو آگاہ کرنا ہے (1)۔

وہب نے کہا: جب اس نے ان پر خط پڑھا وہ اللہ تعالیٰ کے نام کو نہ پہچان سکی۔ اس نے کہا: یہ کیا ہے؟ کسی فرد نے بتایا: ہمارا گمان نہیں مگر یہ جنوں میں بڑا جن ہے جس کے ذریعے یہ بادشاہ ہر اس امر پر قادر ہو جاتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔ سرداروں نے اسے خاموش کرا دیا، ایک اور نے کہا: میں انہیں تین عفریتوں میں سے دیکھتا ہوں۔ سرداروں نے اسے بھی خاموش کرا دیا۔ ایک نوجوان نے کہا جس کو علم تھا: اے بادشاہوں کی ملکہ! حضرت سلیمان ایک بادشاہ ہے آسمان کے بادشاہ نے اسے عظیم ملک عطا کیا ہے وہ کوئی کلام نہیں کرتا مگر اس کے شروع میں اپنے الٰہ کا نام لیتا ہے، اللہ یہ آسمان کے بادشاہ کا نام ہے رحمن اور رحیم اس کی صفات ہیں اس موقع پر اس نے کہا: أَفْتُونِي فِي أَمْرِي انہوں نے جواب دیا: نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ ہم قتال میں بڑے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 258

قوی ہیں۔ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ جنگ اور مقابلہ کے وقت بڑی قوت والے ہیں۔ وَّ الْاَمْرُ اِلَیْكِ معاملہ تیرے سپرد ہے۔ انہوں نے اس معاملہ کو اس کی طرف سپرد کر دیا کیونکہ انہیں تجربہ تھا کہ اس کی رائے میں برکت ہے۔ فَانْظُرِیْ مَاذَا تَاْمُرِیْنَ تو اس موقع پر اس نے کہا: اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً وہ شرفاء کو ذلیل کر دیتے ہیں تا کہ ان کے لیے امور درست ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کی تصدیق کی: وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ۔ ابن انباری نے کہا: وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً پر وقف تام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تحقیق کے طور پر کہا: وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ اس کی مثل سورۂ اعراف میں ہے: قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ (الاعراف: 109) فرعون نے کہا: فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ (الاعراف) ابن شجرہ نے کہا: یہ بلقیس کے قول میں سے ہے، وقف وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ پر ہے یعنی جب حضرت سلیمان ہمارے شہروں میں داخل ہوں گے تو اس طرح کریں گے۔

وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝

''اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ یہ اس کا حسن نظر اور حسن تدبیر تھا۔ میں تحفہ بھیج کر اس آدمی کا امتحان لیتی ہوں میں اسے عمدہ اموال عطا کرتی ہوں اور امور مملکت میں نادر و نایاب چیزیں اس پر پیش کرتی ہوں اگر وہ دنیاوی بادشاہ ہوا تو مال اسے خوش کر دے گا اور ہم اس کے ساتھ اسی مناسبت سے معاملہ کر لیں گے اگر وہ نبی ہوا تو مال اسے خوش نہیں کرے گا اور وہ ہمارے اوپر دینی امور کو لازم کرے گا تو ہمارے لیے مناسب ہو گا کہ ہم اس پر ایمان لے آئیں اور اس کے دین پر اس کی اتباع کریں۔ اس نے حضرت سلیمان کی طرف عظیم تحفہ بھیجا لوگوں نے اس کی تفصیل میں بہت زیادہ گفتگو کی ہے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے اس نے سونے کی ایک اینٹ بھیجی تو قاصدوں نے سونے کی دیواریں دیکھیں تو جو تحفہ وہ لائے تھے اس کو انہوں نے حقیر جانا۔ مجاہد نے کہا: ملکہ بلقیس نے اس کی طرف دوسو غلام اور دوسو لونڈیاں بھیجیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس نے بارہ خادمائیں بھیجیں جن کو اس نے غلاموں کا لباس پہنایا اور بارہ غلام بھیجے ان کو اس نے عورتوں کا لباس پہنایا۔ خادموں کے ہاتھوں پر کستوری اور عنبر کے طبق تھے بارہ شریف خاندان کی دوشیزائیں تھیں جو سونے کی اینٹیں اٹھائے ہوئے تھیں دو گھونگے تھے ان میں سے ایک میں چھید تھا اور دوسرے میں چھید نہیں تھا اور چھید ٹیڑھا تھا۔ ایک پیالہ تھا جس میں کوئی چیز نہ تھی ایک عصا تھا حمیر کے بادشاہ جس کے وارث چلے آرہے تھے۔ اس نے یہ ہدیہ اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قاصد ایک تھا اس کی صحبت میں پیروکار اور خدام تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس نے اپنی قوم کے اشراف میں سے ایک آدمی بھیجا جس کو منذر بن عمرو کہا جاتا۔ اس کے ساتھ اس نے صاحب الرائے اور دانشمند آدمی کر دیے۔ ہدیہ سو غلام اور سو لونڈیاں تھیں۔ لباس ان کے مختلف

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 259، معنا

تھے اس نے غلمان سے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام تم سے گفتگو کریں تو ان کے ساتھ ایسی گفتگو کرو جس میں تانیث ہو اور وہ کلام عورتوں کے کلام کے مشابہ ہو۔ اس نے لونڈیوں سے کہا: ان سے کلام کرو جس میں سختی ہو اور وہ کلام مردوں کے کلام کے مشابہ ہو۔ یہ کہا جاتا ہے: ہدہد آیا اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سب کچھ بتا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ آپ کی جگہ نو فراسخ تک سونے اور چاندی کی اینٹیں لگا دیں، پھر فرمایا: خشکی اور تری میں کون سا جانور تم سب سے خوبصورت دیکھتے ہو؟ ساتھیوں نے بتایا: اے اللہ کے نبی! ہم نے سمندر میں فلاں فلاں جانور دیکھے جس پر نقطے ہیں اس کے رنگ مختلف ہیں، اس کے پر ہیں، اس کی گردن پر بال ہیں اور پیشانی پر بال ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا تو جانور آ گئے انہیں میدان کے دائیں اور بائیں اور سونے چاندی کی اینٹوں پر باندھ دیا گیا اور ان کے لیے چارہ ڈال دیا پھر آپ نے جنوں کو حکم دیا کہ اپنی اولادوں کو لے آؤ تو آپ نے انہیں میدان کی دائیں اور بائیں جانب کھڑا کر دیا جو انتہائی خوبصورت جوان تھے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی مجلس میں اپنی کرسی پر بیٹھے آپ کے لیے سونے کی چار ہزار کرسیاں آپ کی دائیں جانب اور اتنی مقدار میں بائیں جانب رکھ دیں۔ ان پر انبیاء اور اولیاء کو بٹھایا۔ شیاطین، جنوں اور انسانوں کو حکم دیا کہ کئی فرسخوں تک کھڑے ہو جائیں، درندوں، کیڑے مکوڑوں اور پرندوں کو حکم دیا تو انہوں نے کئی فراسخ تک آپ کے دائیں بائیں صفیں بنا لیں جب قوم میدان کے قریب ہو گئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک کو دیکھا اور جانور دیکھے جس سے حسین ان کی آنکھوں نے نہ دیکھے تھے جو سونے اور چاندی کی اینٹوں پر پیشاب کر رہے تھے تو انہیں اپنے آپ چھوٹے لگے اور ان کے پاس جو ہدایا تھے انہیں پھینک دیا۔

بعض روایات میں ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب یہ حکم دیا کہ میدان کے فرش کو سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنا دیا جائے تو آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ راستہ میں قالین کے برابر زمین کا حصہ چھوڑ دیا جائے اس پر فرش نہ لگایا جائے جب وہ اس کے پاس سے گزرے تو انہیں خوف ہوا کہ ان پر تہمت لگائی جائے گی تو ان کے پاس جو کچھ تھا وہ انہوں نے وہاں پھینک دیا جب انہوں نے شیاطین کو دیکھا تو انہوں نے خوفناک منظر دیکھا تو وہ اس سے گھبرا گئے اور خوفزدہ ہو گئے۔ شیاطین نے انہیں کہا: تم گزر جاؤ تم پر کوئی گرفت نہیں وہ جنوں، انسانوں، چوپائیوں، پرندوں، درندوں اور وحشیوں کی جماعتوں کے پاس سے گزرتے رہے یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جا کر ٹھہر گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خندہ پیشانی سے خوبصورت انداز میں دیکھا ملکہ بلقیس نے اپنے قاصد سے کہا تھا: اگر وہ تجھے غضب کی نظر سے دیکھے تو جان لینا کہ وہ بادشاہ ہے اس کا منظر تجھے خوفزدہ نہ کرے بے شک میں اس سے زیادہ غلبہ رکھتی ہوں اگر تو اسے ایسا آدمی دیکھے جو ہشاش بشاش اور شفقت کرنے والا ہے تو جان لینا وہ نبی مرسل ہے اس کی بات کو خوب سمجھنا اور جواب دینا۔ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو پہلے ہی سب کچھ بتا دیا تھا۔ ملکہ بلقیس نے سونے کے ایک چھوٹے برتن کا ارادہ کیا جس میں ایک ایسا موتی تھا جس میں سوراخ نہیں کیا گیا تھا اور ایک ایسا گونگا تھا جس میں چھید ٹیڑھا کیا گیا تھا۔ اس نے قاصد کے ہاتھ ایک خط لکھ کر بھی بھیجا تھا اس میں اس نے کہا تھا: اگر تو نبی ہے تو خدام اور خادماؤں میں فرق کرو اور چھوٹے برتن میں جو کچھ ہے اس کے بارے میں خبر دو اور نچلی جانب

سے عصا کا سرا مجھے بتاؤ۔ موتی میں سیدھا چھید کرو اور گونگے میں دھاگا داخل کرو اور پیالے کو ایسے پانی سے بھر دو جو نہ زمین سے تعلق رکھتا ہو اور نہ ہی آسمان سے۔ جب قاصد پہنچا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے کھڑا ہوا تو آپ کو ملکہ کا خط پہنچایا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے دیکھا پوچھا: وہ برتن کہاں ہے؟ اسے لایا گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے حرکت دی تو اس میں جو کچھ تھا حضرت جبریل امین نے اس کے بارے میں خبر دے دی۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں خبر دے دی۔ قاصد نے عرض کی: آپ نے سچ فرمایا ہے۔ موتی میں سوراخ کیجئے اور گھونگے میں دھاگہ ڈالیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں اور انسانوں سے فرمایا کہ اس میں سوراخ کیجئے تو وہ عاجز آگئے آپ نے شیاطین سے فرمایا: تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے عرض کی: آپ دیمک کو پیغام بھیجیں، دیمک آگئی اس نے اپنے منہ میں ایک بال لیا یہاں تک کہ دوسری جانب سے نکل گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تیری کوئی حاجت؟ اس نے عرض کی: میرا رزق درخت میں رکھ دیجئے۔ فرمایا: تیرے لیے وہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کون اس گھونگے میں دھاگا ڈالے گا؟ سفید کیڑے نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ کیڑے نے دھاگا اپنے منہ میں لیا سوراخ میں داخل ہوا یہاں تک کہ دوسری جانب سے نکل گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: تیری کوئی حاجت؟ عرض کی: میرا رزق پھلوں میں رکھ دیجئے۔ فرمایا: وہ تیرے لیے ہے۔ پھر آپ نے خدام اور لونڈیوں میں فرق کیا۔ سدی نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں وضو کا حکم دیا مرد ہاتھ اور پاؤں پر پانی بہانے لگے اور لونڈیاں بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ پر پانی بہانے لگیں اور دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی بہانے لگیں، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس طرح ان کو الگ الگ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لونڈی برتن سے ایک ہاتھ سے پانی لیتی پھر اسے دوسرے میں رکھتی پھر منہ پر ڈالتی جب کہ غلام برتن سے پانی لیتا اور اپنے چہرے پر ڈالتا لونڈی اپنی کلائی کے بطن پر پانی بہاتی اور غلام کلائی کی پشت پر پانی بہاتا۔ لونڈی پانی انڈیلتی اور غلام اپنے ہاتھوں پر پانی تیزی سے بہاتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس طرح ان کے درمیان تمیز کی۔

یعلی بن مسلم نے سعید بن جبیر سے روایت نقل کی ہے کہ ملکہ بلقیس نے دو سو غلام اور لونڈیاں بھیجیں اس نے کہا: اگر نبی ہوئے تو مؤنث سے مذکر کو پہچان لیں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ وضو کرو تو انہوں نے وضو کیا ان میں سے جس نے وضو کیا اور اپنی ہتھیلی سے پہلے اپنی کہنی سے دھونے کا عمل شروع کیا۔ فرمایا: یہ مونث ہے اور جس نے کہنی سے پہلے ہتھیلی سے دھونے کا عمل شروع کیا تو وہ مذکر ہے۔ پھر آپ نے عصا کو ہوا کی طرف اچھالا فرمایا: جو سرا پہلے زمین کی طرف آئے گا وہ اس کی اصل ہوگا۔ آپ نے گھوڑے کے بارے میں حکم دیا کہ اسے دوڑایا جائے یہاں تک کہ اسے پسینہ آجائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے پسینہ سے اس پیالہ کو بھر دیا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے تحفہ واپس کر دیا۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدیہ واپس کر دیا اور اس کے قاصدوں نے ان چیزوں کے بارے میں بتایا جن کا مشاہدہ انہوں نے کیا تھا تو ملکہ بلقیس نے اپنی قوم سے کہا: یہ آسمان کا معاملہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول کیا کرتے تھے اس پر ثابت رہتے اور صدقہ قبول نہ فرماتے۔ حضرت

سلیمان علیہ السلام اور باقی انبیاء کا بھی یہی معمول تھا۔ ملکہ بلقیس نے ہدیہ کے قبول کرنے اور اس کے رد کرنے کو اپنے ہاں ایک علامت بنایا تھا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہیں یا نبی ہیں کیونکہ آپ نے اپنے خط میں لکھا تھا اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ اس میں فدیہ قبول نہیں ہوتا اور نہ ہی ہدیہ لیا جاتا ہے یہ اس باب سے متعلق نہیں جس میں یہ ثابت ہو کہ اس میں ہدیہ کو کس طریقہ سے قبول کیا جاتا ہے؟ یہ تو رشوت ہے اور حق کی باطل کے بدلہ میں بیع ہے، یہ ایسی رشوت ہے جو حلال نہیں جہاں تک مطلق ہدیہ کا تعلق ہے جو باہم محبت اور صلہ رحمی کے لیے دیا جاتا ہے یہ بہرکیف جائز ہے جب کہ مشرک کی جانب سے نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ اگر مشرک کی جانب سے ہو تو حدیث طیبہ میں ہے "مجھے مشرکوں کے ہدایا اور عطیات سے روک دیا گیا ہے" (1)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرمایا جس طرح مالک کی حدیث میں ہے جو ثور بن زید دیلی وغیرہ سے مروی ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے دونوں میں نسخ کا قول کیا ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس میں کوئی ناسخ و منسوخ نہیں۔ اس میں معنی یہ ہے آپ اس کافر کا ہدیہ قبول نہ کرتے جس پر غلبہ کا ارادہ رکھتے ہوں، اس کے ملک کو لینا چاہتے ہوں اور اس کے اسلام میں داخل ہونے کی خواہش کرتے ہوں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہی حالت تھی۔ اس جیسی صورتحال میں آپ کو نہی کی گئی کہ اس کا ہدیہ قبول کیا جائے تاکہ اسے محمول کیا جائے کہ آپ اس سے رک جائیں۔ اس بارے میں علماء کی تاویلات میں سے سب سے اچھی تاویل ہے کیونکہ اس تاویل میں احادیث کی تطبیق ہو جاتی ہے اس کے علاوہ بھی علماء نے تاویل کی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ہدیہ مستحب ہے یہ محبت کو پیدا کرتا ہے اور دشمنی کو ختم کرتا ہے۔ امام مالک نے عطا خراسانی سے روایت نقل کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "باہم مصافحہ کیا کرو یہ کینے کو ختم کر دیتا ہے، باہم ہدیہ دیا کرو تمہارے درمیان محبت پیدا ہو جائے گی اور یہ چیز بخل کو ختم کر دے گی (2)"۔ معاویہ بن حکم نے روایت نقل کی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "باہم ہدیہ دیا کرو کیونکہ یہ محبت میں اضافہ کرتا ہے اور سینے کے کینوں کو دور کرتا ہے" (3)۔ دارقطنی نے کہا: ابن بجیر اپنے باپ سے وہ مالک سے روایت نقل کرتے ہیں وہ کوئی پسندیدہ شخصیت نہیں تھے نہ یہ روایت امام مالک سے ثابت ہے اور نہ زہری سے ثابت ہے۔ ابن شہاب سے مروی ہے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "باہم ہدیہ دیا کرو ہدیہ کینہ کو ختم کر دیتا ہے"۔ ابن وہب نے کہا: میں نے یونس سے سخیمہ کے بارے میں پوچھا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: کینہ۔ اس حدیث کو وقاص عثمان، زہری سے متصل نقل کرتے ہیں جب کہ وہ ضعیف ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ کو قبول فرمایا کرتے تھے اس میں اسوۂ حسنہ موجود ہے اتباع سنت کے ساتھ ساتھ ہدیہ نفس کی

1۔ جامع ترمذی، بی السیر، باب ماجاء فی قبول ھدایا المشرکین، جلد 1، صفحہ 191

2۔ مؤطا امام مالک، کتاب حسن الخلق، باب ماجاء فی الغضب، صفحہ 706

3۔ جامع ترمذی، بی الولاء والھبۃ، باب ماجاء فی حث النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الھدایۃ، جلد 2، صفحہ 35، (روایت بالمعنی)

آلائشوں کو زائل کرتا ہے ہدیہ دینے والے اور جس کو ہدیہ دیا جائے ان میں باہمی ملاقات اور صحبت کی چاشنی پیدا کرتی ہے جس نے کہا کتنا اچھا کہا:

هدایا الناس بعضهم لبعض تُولّد فی قلوبهمُ الوصَالا
وتزرعُ فی الضمیر هَویً ووُدًّا و تُکسبهم إذا حضروا جَمالا

لوگوں کے ایک دوسرے کو ہدایا ان کے دلوں میں باہمی محبت پیدا کرتے ہیں۔ وہ ضمیر میں محبت کا بیج بوتے ہیں اور جب وہ حاضر ہوتے ہیں تو انہیں جمال عطا کرتے ہیں۔

إنّ الهدایا لها حظ إذا وَرَدتْ أحظی من الا بن عند الوالد الحدبِ

ہدایا جب بیٹے کی جانب سے واقع ہوں تو شفیق باپ کے نزدیک ان کا بڑا مقام ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ''تمہارے جلیس ہدیہ میں تمہارے ساتھ شریک ہیں'' (1) اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ظاہر معنی پر محمول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کرم اور مروت کی بنا پر ان کے ساتھ شریک ہیں اگر وہ ایسا نہ کرے تو اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابو یوسف نے کہا: یہ پھلوں وغیرہ میں ہے۔ بعض نے کہا: وہ ہدیہ کی بجائے سرور میں شریک ہیں۔ خبر اصحاب صفہ، گلی والے اور فقراء کے لیے وقف کیے گئے مکانات پر محمول ہے۔ اگر وہ فقہاء میں سے فقیہ ہو تو اس میں اصحاب کی کوئی شرکت نہ ہوگی۔ اگر وہ ان لوگوں کو شریک کرے تو اس کی سخاوت ہوگی۔

مسئلہ نمبر 6۔ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ یہاں ناظرۃ، منتظرۃ کے معنی میں ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے وہ اپنے اسلام اور اپنے شرک میں سمجھ دار تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ہدیہ لوگوں کے ہاں بڑی شان رکھتا ہے۔ بِمَ میں الف ساقط ہو گیا ہے تاکہ ما استفہامیہ اور ما خبریہ میں فرق کیا جائے۔ بعض اوقات اس کا ثابت کرنا بھی جائز ہے۔ شاعر نے کہا:

علی ما قام یشتمنی لئیمٌ کخنزیر تمرّغ فی رمادِ

کمینہ آدمی مجھے ملامت کرنے لگا جس طرح خنزیر راکھ میں لیٹتا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ٘ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَیْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَ لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الھبة و فضلها التحریض علیها، باب من الهدی له هدیة، جلد 2، صفحہ 355، (روایت بالمعنیٰ)

فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۖ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝

''سو جب قاصد آپ کے پاس (ہدیہ لے کر) آیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو (سنو!) جو عطا فرمایا ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا ہے بلکہ تم اپنے ہدیہ پر پھولے نہیں سما رہے (گویا کوئی بڑی نادر چیز لائے ہو) تو واپس چلا جا ان کے پاس اور ہم آ رہے ہیں ان کی طرف ایسے لشکر لے کر جس کے مقابلہ کی ان میں تاب نہیں اور ہم یقیناً نکال دیں گے انہیں اس شہر سے ذلیل کر کے اور وہ خوار اور رسوا ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: اے (میرے) درباریو! کون تم سے لے آئے گا میرے پاس اس تخت کو اس سے پہلے کہ وہ آ جائیں میری خدمت میں (فرمانبردار بن کر) عرض کی ایک عفریت نے جنات میں سے (حکم ہو تو) میں لے آتا ہوں آپ کے پاس اس سے پیش از یں کہ آپ کھڑے ہوں اپنی جگہ سے اور بے شک میں اس کو اٹھا لانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں (اور) امین بھی ہوں۔ عرض کی اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا (اجازت ہو تو) میں لے آتا ہوں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے پھر جب آپ نے اسے دیکھا کہ وہ رکھا ہوا ہے آپ کے نزدیک تو فرمانے لگے: یہ میرے رب کا فضل (وکرم) ہے تاکہ وہ آزمائے مجھے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لیے اور جو ناشکری کرتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا ہے) بلاشبہ میرا رب غنی ہے (اور) کریم بھی''۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ قاصد حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ہدیہ لایا فرمایا: **اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ** حمزہ، یعقوب اور اعمش نے ایک نون مشددہ اور اس کے بعد یاء ثابتہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے دونون پڑھے ہیں؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ قول ہے، کیونکہ تمام مصاحف میں دو نون ہیں۔ اسحاق نے نافع سے یہ قراءت نقل کی ہے اَتُمِدُّونِ یعنی ایک نون ہے مخففہ ہے بعد میں یاء ہے جو لفظوں میں ہے۔ ابن انباری نے کہا: اس قراءت میں واجب ہے کہ وقف کے وقت یاء کو ثابت رکھا جائے تاکہ مصحف کے ہجوں کے ساتھ موافقت ہو جائے۔ اصل نون مشددہ ہے اس جگہ تشدید میں تخفیف کی گئی ہے جس طرح أشهد أنت عالم میں تخفیف کی گئی ہے اصل انك عالم ہے۔ اسی معنی پر اس نے بنا کی جس نے پڑھا: يشاقون فيهم۔ اتحاجون في الله۔ عربوں نے کہا: الرحال يضربون ويقصدون اصل میں يضربوني ويقصدوني ہے کیونکہ یہ يضربونني اور يقصدونني کا ادغام ہے۔ شاعر نے کہا:

تَرْهبِينِ والجِيدُ مِنكَ لِلَيْلَى والحَشَا والبُغَامُ والعينَانِ

اصل میں ترهبينني ہے اس میں تخفیف کی گئی۔ اَتُمِدُّوْنَنِي کا معنی ہے کیا تم میرے مال میں اضافہ کرتے ہو جب کہ تم میرے اموال کا مشاہدہ کر رہے ہو۔

فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ اللہ تعالیٰ نے اسلام، ملک اور نبوت کی صورت میں جو کچھ عطا کیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو

اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا ہے میں مال کے ساتھ خوش نہیں ہوتا۔ آتانی اللہ یاء مفتوحہ ہے۔ جب انہوں نے وقف کیا تو انہوں نے یاء کو حذف کیا۔ جہاں تک یعقوب کا تعلق ہے تو وہ وقف میں ثابت کرتے ہیں اور اجتماع ساکنین کی وجہ سے وصل میں گرا دیتے ہیں۔ باقی قراء دونوں حالوں میں یاء کے بغیر پڑھتے ہیں۔

بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ کیونکہ تم فخر کرنے والے اور دنیا میں کثرت مال کا تقاضا کرنے والے ہو۔

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ حضرت سلیمان نے منذر بن عمرو سے کہا جو وفد کا امیر تھا: ہدیہ کو ان کی طرف واپس لے جاؤ۔ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا لام قسمیہ ہے اور نون ثقیلہ اس کو لازم ہے۔ نحاس نے کہا: میں نے ابوالحسن بن کیسان کو کہتے ہوئے سنا: یہ لام تاکید ہے اسی طرح اس کے نزدیک لام تین طرح ہیں کوئی اور لام نہیں (۱) لام تاکید (۲) لام امر (۳) لام جار۔ یہ ذہین نحویوں کا قول ہے کیونکہ وہ ہر چیز کو اس اصل کی طرف پھیرتے ہیں یہ کسی انسان کے لیے اس وقت ہی ہوسکتا ہے جب اسے عربی زبان میں تجربہ و مہارت ہو۔ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا کا معنی ہے انہیں اس کی طاقت نہ ہوگی۔ وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ ہا ضمیر سے مراد ان کی زمینیں ہیں۔ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہا ضمیر سے مراد قریۂ سبا ہے اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا میں گزر چکا ہے اَذِلَّةً کا معنی ہے ان کا ملک اور عزت سلب کر لی جاتی ہے۔ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ جب کہ وہ ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔ یہ صغر سے مشتق ہے جس کا معنی ذلت ہے یعنی اگر وہ اسلام لائیں۔ قاصد واپس ملکہ بلقیس کے پاس گیا اور اسے خبر دی۔ اس نے کہا: میں پہچان گئی ہوں کہ وہ بادشاہ نہیں اللہ تعالیٰ کے انبیاء میں سے کسی نبی کے ساتھ جنگ کرنا ہمارے بس میں نہیں۔ اس نے اپنے عرش کے بارے میں حکم دیا تو اسے ایسے سات کمروں میں مقفل کر دیا گیا جو ایک دوسرے کے اندر تھے جس کے اردگرد سات محلات تھے۔ تمام دروازے بند کر دیئے گئے ان پر پہرے لگا دیئے گئے اور خود بارہ ہزار چھوٹے بادشاہوں کے ساتھ جو یمن کے بادشاہ تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جانے کے لیے سفر شروع کیا ہر بادشاہ کی قیادت میں ایک لاکھ سپاہی تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے ہیبت والے بادشاہ تھے آپ پہل نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ ان سے اس کا سوال کیا جاتا۔ ایک دن آپ نے اپنے قریب غبار دیکھا پوچھا: یہ کیا ہے؟ ساتھیوں نے بتایا: یہ ملکہ بلقیس ہے اے اللہ کے نبی! تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے لشکریوں سے فرمایا وہب اور دوسرے علماء نے کہا: آپ نے جنوں سے فرمایا۔

اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ عبداللہ بن شداد نے کہا: ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام سے ایک فرسخ دور تھی جب آپ نے یہ حکم دیا تھا وہ اپنا عرش سبا چھوڑ آئی تھی اور اس پر نگہبان بٹھائے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب ملکہ بلقیس نے تحفہ بھیجا تھا تو اس نے اپنے قاصد اپنے لشکروں کی صورت میں بھیجے تھے تاکہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام اس کے ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو تیاری سے پہلے ہی دھوکہ سے انہیں قتل کر دیا جائے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو اس وقت آپ نے یہ حکم دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرش لانے کا حکم اس

سے قبل دیا تھا جب آپ نے اسے خط لکھا تھا کہ وہ اس کی بارگاہ میں داخل ہوا ابھی خط نہیں بھیجا تھا کہ وہ عرش آ گیا۔ ابن عطیہ نے کہا: آیات کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ گفتگو ہدہد کے آنے اور اس کو لوٹانے اور ہدہد کو خط دے کر بھیجنے کے بعد کی تھی؛ جمہور مفسرین کی یہی رائے ہے۔ عرش منگوانے کے فائدے کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اس کی عظمت اور عمدگی کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ارادہ کیا کہ قبل اس کے کہ اسلام اس کے تخت اور قوم کی حفاظت کرے اور ان کے اموال کی حفاظت کرے وہ اس تخت کو لے لیں۔ اسلام کا یہی طریقہ ہے، یہ ابن جریج کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: آپ نے تخت اس لیے منگوایا تھا تا کہ ملکہ بلقیس کو اپنی وہ طاقت دکھائیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کو دی گئی نیز اسے نبوت پر دلیل بنائیں کہ وہ لشکر اور جنگ کے بغیر بھی ان کے گھروں کو اپنی تحویل میں لے سکتے ہیں۔ اس تاویل کی بنا پر مُسْلِمِيْنَ، مستسلمین کے معنی پر ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی عقل کا امتحان لینا چاہا۔ اسی وجہ سے فرمایا: نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ جنوں کو خوف ہوا کہ کہیں حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے شادی ہی نہ کر لیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس کے بطن سے بچہ پیدا نہ ہو جائے تو وہ ہمیشہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسل کے خادم اور تابع ہی رہیں گے۔ جنوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا: ملکہ بلقیس کی عقل میں خلل ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت کی وساطت سے اس کا امتحان لینا چاہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کی صداقت کا امتحان لینا چاہا۔ جو اس نے کہا تھا: وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ۝ یہ طبری کا قول ہے۔ قتادہ سے مروی ہے: ہدہد نے جو وصف بیان کیا اس کو دیکھنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے پسند کیا۔ پہلے قول کو اکثر علماء نے تسلیم کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ کیونکہ وہ اگر مسلمان ہو جاتی تو اس کا مال اس پر محفوظ ہو جاتا تو اس کی اجازت کے بغیر اس کو نہ لیا جا سکتا۔ روایت بیان کی گئی ہے: وہ سونے اور چاندی کا بنا ہوا تھا سرخ یاقوت اور جواہرات سے آراستہ تھا وہ سات کمروں کے اندر تھا اس پر سات تالے لگے ہوئے تھے۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ جمہور کی قراءت یہی ہے۔ ابو رجاء اور عیسیٰ ثقفی نے اسے عفریة پڑھا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حدیث میں ہے "اللہ تعالیٰ عفریہ نفریہ کو ناپسند کرتا ہے" (1)۔ نفریہ کا لفظ عفریۃ کی اتباع میں آتا ہے۔ قتادہ نے کہا: بڑی مصیبت کو کہتے ہیں۔ نحاس نے کہا: شدید کو عفریہ کہتے ہیں جب اس کے ساتھ خبث ہو۔ دھاء عِفْر و عِفْرِيَة و عِفْرِيت و عُفَارِيَة۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عفریت کا معنی رئیس ہے۔ ایک فرقہ نے قراءت کی قال عِفْرٌ عین کے نیچے کسرہ ہے؛ ابن عطیہ نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔ نحاس نے کہا: جس نے عفریۃ کہا اس کی جمع عفار ہے جس نے کہا: عفریت، اس کی جمع میں تین صورتیں ہیں۔ اگر چاہے تو کہے: عفاریت اگر چاہے تو کہے: عفار کیونکہ تاء زائدہ ہے، جس طرح کہا جاتا ہے طواغ یہ طاغوت کی جمع ہے اگر چاہے تو تاء کی جگہ یاء لے آئے اور کہے: عفاری۔ شیطانوں میں سے عفریت اسے کہتے ہیں جو طاقتور اور سرکش ہو۔ تاء زائدہ ہے۔ عربوں نے کہا: تعفرت الرجل۔ جب اس نے اذیت پہنچانے والا رویہ

1۔ الفردوس الماثور، جلد 1، صفحہ 153

اپنایا۔ وہب بن منبہ نے کہا: اس عفریت کا نام کودن تھا۔ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا نام ذکوان تھا؛ سہیلی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ شعیب صبائی نے کہا: اس کا نام دعوان تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ صخر جنی تھا۔ اسی نام کے بارے میں ذی رمہ کا قول ہے:

کأنہ کوکب فی اثر عفریۃ مُصَوَّبٌ فی سواد اللیل مُنْقَضِبُ

گویا وہ عفریہ کے پیچھے ستارہ تھا۔

کسائی نے یہ شعر پڑھا:

إذ قال شیطانُھُمُ العِفریتُ لیس لکم مُلكٌ و لاتثبیتُ

جب ان کی عفریت شیطان نے کہا: تمہارے لیے کوئی ملک اور ثابت قدمی نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ سے صحیح میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''گزشتہ رات جنوں میں سے ایک سرکش جن مجھے دھوکہ دینے لگا تا کہ مجھ پر میری نماز کو قطع کر دے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی تو میں نے اسے شدید دھکا دیا'' (1)۔ حدیث ذکر کی۔ بخاری شریف میں تفلت علی البارحۃ کے الفاظ ہیں جو جعل یفتك کی جگہ ہیں۔ موطا میں یحییٰ بن سعید سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات کے وقت سیر کرائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سرکش جن کو دیکھا جو آگ کے ایک شعلہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طلب میں تھا جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متوجہ ہوتے تو اسے دیکھ لیتے۔ جبریل امین نے کہا: کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ سکھاؤں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کلمات پڑھیں تو اس کا شعلہ بجھ جائے تو اس کی ہڈی سے گوشت الگ ہو کر گر جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں۔ حضرت جبریل امین نے یہ کلمات بتائے: اَعُوْذُ بِاللهِ الْكَرِیْمِ وَ كَلِمَاتِ اللهِ التَّامَاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَشَرِّ مَا یَعْرُجُ وَ شَرِّ مَا ذَرَا فِی الْاَرْضِ وَ شَرِّ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ فِتَنِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ طَوَارِقِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ اِلَّا طَارِقًا یطرق بِخَیْرٍ یَا رَحْمٰنُ (2)

میں اللہ کریم اور اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ جن سے کوئی نیک اور فاجر تجاوز نہیں کر سکتا کی پناہ مانگتا ہوں اس شر سے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اس شر سے جو آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے اور اس کے شر سے جو زمین میں بوئی جاتی ہے اور اس شر سے جو زمین سے نکلتی ہے رات اور دن کے فتنوں سے، رات اور دن کے وقت آنے والوں سے مگر جو بھلائی لائے اے رحمٰن۔

اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ یعنی اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے جن میں آپ فیصلہ کرتے ہیں۔ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ اس کے اٹھانے پر قوی اور اس میں جو کچھ ہے اس پر امین ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بیوی کی شرمگاہ پر امین ہوں؛ مہدوی نے یہ ذکر کیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: میں اس سے بھی تیزی کا ارادہ کرتا ہوں۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ ووھبنا لداود سلیمان، جلد 1، صفحہ 487

2۔ موطا امام مالک، کتاب الجامع، باب مایؤمر بہ من التعوذ عند النوم وغیرہ، صفحہ 722

قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡكِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡكَ طَرۡفُكَ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ وہ فرد جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ آصف بن برخیا تھا۔ وہ بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا، وہ صدیق تھا اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کا حافظ تھا جب اس اسم کے وسیلہ سے سوال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جب اس اسم کے وسیلہ سے دعا کی جاتی ہے تو وہ قبول فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ اسم اعظم جس کے وسیلہ سے آصف بن برخیا نے دعا کی تھی وہ یا حی یا قیوم تھا''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کی زبان میں اھیا شراھیا ہے۔ زہری نے کہا: جس کے پاس اسم اعظم تھا اس کی دعا یہ تھی یا الھنا و إله كل شيء إلها واحدا لا إله إلا أنت إيتني بعرشها اے ہمارے الہ! اے ہر شے کے الہ! جو الہ واحد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں میرے پاس اس کا عرش لے آ۔ تو وہ عرش اس کے سامنے تھا۔ مجاہد نے کہا: اس نے دعا کی اور یہ الفاظ کہے: یا إلهه و إله كل شيء یا ذا الجلال و الاکرام سہیلی نے کہا: جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ آصف بن برخیا تھا وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خالہ زاد بھائی تھا۔ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے اسم اعظم تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت سلیمان علیہ السلام خود تھے۔ سیاق کلام میں اس قسم کی تاویل صحیح نہیں۔ ایک جماعت نے کہا: وہ حضرت سلیمان علیہ السلام تھے اس تاویل کی صورت میں خطاب عفریت کو ہوگا جب یہ کہا: اَنَا اٰتِیۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِكَ گویا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس میں دیری محسوس کی اور اسے تحقیر کے انداز میں کہا اَنَا اٰتِیۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡكَ طَرۡفُكَ یہ قول کرنے والے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں۔ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ۔

میں نے کہا: ابن عطیہ نے جو ذکر کیا ہے نحاس نے وہ معانی القرآن میں کہا: ان شاء اللہ یہ اچھا قول ہے۔ بحر نے کہا: وہ فرشتہ تھا جس کے قبضہ قدرت میں کتاب المقادیر تھی۔ عفریت کے قول کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو بھیجا۔ سہیلی نے کہا: محمد بن حسن مقری نے ذکر کیا ہے وہ ضبہ بن اد تھا۔ یہ کسی اعتبار سے بھی درست نہیں کیونکہ ضبہ وہ ابن اد بن طابخہ تھا۔ اس کا نام عمرو بن الیاس بن مضر بن بزار بن معد تھا۔ معد یہ بخت نصر کے دور میں تھا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کے طویل عرصہ بعد تھا۔ جب معد حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو تو ضبہ بن اد کیسے ہو سکتا ہے جو اس کے پانچ نسلوں بعد تھا؛ جو آدمی غور کرے یہ اس کے لیے واضح ہے۔

ابن لہیعہ نے کہا: وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ ابن زید نے کہا: جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ ایک صالح آدمی تھا جو سمندر کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں رہتا تھا وہ اس روز زمین میں سکونت پذیر افراد کو دیکھنے کے لیے نکلا تھا؛ کیا اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے یا کہ نہیں۔ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو پایا اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کے وسیلہ سے دعا کی تو عرش لے آیا گیا۔ ساتواں قول ہے: یہ بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا اس کا نام یملیخا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جانتا تھا؛ قشیری نے اسے ذکر کیا ہے۔ ابن ابی بزہ نے کہا: وہ آدمی جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس کا نام اسطوم تھا وہ بنی اسرائیل میں بڑا عبادت گزار تھا؛ غزنوی نے اسے ذکر کیا ہے۔ محمد بن منکدر نے کہا: وہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہی تھے۔ خبردار لوگ خیال کرتے ہیں ان کے پاس کوئی نام تھا یہ بات اس طرح نہیں۔ بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا جو عالم تھا اللہ تعالیٰ نے اسے علم

اور سمجھ عطا کر رکھی تھی اس نے کہا: اَنَا اٰتِیۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡكَ طَرۡفُكَ فرمایا: لے آ۔ اس نے عرض کی: آپ اللہ کے نبی ہیں اللہ کے نبی کے بیٹے ہیں، اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ اس عرش کو لے آیا۔

آٹھواں قول بھی ہے: وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے، یہ امام نخعی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اس تعبیر کی بنا پر علم الکتاب سے مراد کتب منزلہ کا علم ہے یا لوح محفوظ میں جو ہے اس کا علم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکہ بلقیس کی طرف مکتوب کا علم۔ ابن عطیہ نے کہا: جس پر جمہور کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ وہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جس کا نام آصف بن برخیا تھا۔ روایت بیان کی گئی ہے: انہوں نے دو رکعت نماز ادا کی پھر حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کی: اے اللہ کے نبی! اپنی نظر اٹھایئے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے نظر یمن کی طرف اٹھائی تو تخت کو دیکھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی نظر واپس نہ کی مگر وہ تخت آپ کے پاس موجود تھا۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد اتنی طویل نظر ہے جس سے آنکھ تھک ہار کر واپس ہو جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اتنا وقت ہے جس میں انسان آنکھ کھولتا ہے پھر پلک جھپکتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: افعل کذا فی لحظۃ عین میں یہ کام آنکھ جھپکنے کے وقت میں کر گزرتا ہوں۔ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اگر یہ فعل حضرت سلیمان کی جانب سے ہو تو وہ معجزہ ہوتا ہے۔ اگر یہ آصف یا کسی اور ولی کی جانب سے ہوتا ہے تو یہ کرامت ہوگی۔ اور ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوا کرتا ہے۔ قشیری نے کہا: جس نے یہ کہا: الَّذِیۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡكِتٰبِ سے مراد حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں تو اس نے اولیاء کی کرامت کا انکار کیا ہے۔ حضرت سلیمان نے عفریت سے کہا: اَنَا اٰتِیۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡكَ طَرۡفُكَ ان کے نزدیک یہ کام عفریت نے نہیں کیا اس لیے نہ یہ معجزات میں سے ہے اور نہ ہی کرامات میں سے ہے کیونکہ جن تو اس قسم کے افعال کرنے پر قادر ہوتے ہیں ایک حال میں دو جگہ ایک جوہر کے متحقق ہونے کے بارے میں واقع ہونے کا قطعی حکم نہیں لگایا جاتا، بلکہ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرق کی انتہا میں ایک جوہر کو معدوم کر دے پھر دوسری حالت میں اسے لوٹا دے عدم کے بعد، یہی حالت اقصی مغرب میں ہوتی ہے یا درمیانی اماکن کو وہ معدوم فرما دیتا ہے پھر اسے اٹھاتا ہے۔ قشیری نے کہا: وہب نے اسے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے ہوا میں لایا گیا؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور عرش کے درمیان اتنا فاصلہ تھا جتنا فاصلہ کوفہ اور حیرہ کے درمیان تھا۔ امام مالک نے کہا: وہ تخت یمن میں تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام شام میں تھے۔ تفاسیر میں ہے ملکہ بلقیس کے عرش کی جگہ کو پھاڑا گیا پھر اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے نکالا گیا۔ عبداللہ بن شداد نے کہا: زمین کے نیچے سے ایک سوراخ سے عرش ظاہر ہوا۔ کیا ہوا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَهٗ آپ کے پاس ثابت تھا۔ قَالَ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ یہ مدد اور قدرت میرے رب کے فضل سے ہے۔ لِیَبۡلُوَنِیۡۤ اخفش نے کہا: معنی ہے وہ مجھے دیکھے۔ ءَاَشۡكُرُ اَمۡ اَكۡفُرُ دوسرے علماء نے کہا: لِیَبۡلُوَنِیۡۤ کا معنی ہے لیتعبدنی یہ مجاز ہے، ابتلاء کا اصل معنی آزمانا ہے، یعنی وہ مجھے آزمائے کہ میں اس کی نعمت کا شکر بجالاتا ہوں یا میں اس کی

ناشکری کرتا ہوں۔ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ اس کا نفع اس کی ذات کی طرف ہی لوٹتا ہے۔ شکر، تمام نعمت، اس کے دوام اور مزید نعمت کا تقاضا کرتا ہے شکر موجود نعمت کے لیے قید ہوتی ہے اور اس کے ساتھ مفقود نعمت کو حاصل کیا جاتا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ میرا رب شکر سے غنی ہے اور فضل واحسان فرمانے والا ہے۔

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ۝ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ۝ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝

"آپ نے حکم دیا: شکل بدل دو اس کے لیے اس کے تخت کی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حقیقت پر آگاہ ہوتی ہے یا یہ ہو جاتی ہے ان لوگوں سے جو حقیقت کو نہیں پہچانتے۔ سو جب وہ آئی تو اس سے پوچھا گیا: کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ کہنے لگی: یہ تو ہو بہو وہی ہے اور ہمیں اطلاع مل گئی تھی اس واقعہ کی اس سے پہلے اور ہم تو فرمانبردار بن کر حاضر ہوئے ہیں اور روک رکھا تھا اسے (ایمان لانے سے) ان بتوں نے جن کی وہ عبادت کیا کرتی تھی اللہ تعالیٰ کے بعد، بے شک وہ قوم کفار سے تھی"۔

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا اس کی ہیئت بدل دو۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا اوپر والا حصہ نیچے کر دو اور نیچے والا حصہ اوپر کر دو۔ ایک قول یہ کیا گیا: کمی بیشی کے ساتھ اس کو تبدیل کر دو۔ فراء اور دوسرے علماء نے کہا: آپ نے اس کی ہیئت بدلنے کا حکم دیا کیونکہ شیاطین نے آپ سے عرض کی تھی: اس کی عقل میں خرابی ہے، تو آپ نے اسے آزمانے کا ارادہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنوں کو خوف ہوا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے شادی کریں گے تو اس کے بطن سے حضرت سلیمان کا بیٹا پیدا ہوگا۔ تو وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی آل کے لیے ہمیشہ مسخر رہیں گے۔ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کی: وہ عقل کی کمزوری ہے اس کا پاؤں اس طرح ہے جس طرح گدھے کا پاؤں ہوتا ہے۔ فرمایا: نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا تاکہ ہم اس کی عقل کو پہچان لیں۔ جنوں میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مخلص بھی تھے۔ آپ نے پوچھا: میرے لیے اس کے قدم دیکھنا کیسے ممکن ہوگا جب کہ میں اس کو اس کے ننگے کرنے کا سوال بھی نہیں کر سکتا؟ عرض کی: میں اس محل میں پانی چھوڑ دیتا ہوں اور پانی کے اوپر شیشہ لگا دیتا ہوں وہ گمان کرے گی کہ یہ پانی ہے تو وہ اپنے کپڑے کو اوپر اٹھائے گی تو آپ اس کے قدم دیکھ لیں گے۔ یہی وہ صرح ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ فَلَمَّا جَاءَتْ مراد بلقیس ہے قِيلَ اسے کہا گیا: أَهَكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ اس نے اسے اپنے عرش کے ساتھ تشبیہ دی، کیونکہ وہ اسے تالوں میں پیچھے چھوڑ آئی تھی نہ اس نے انکار کیا اور نہ اس کا اقرار کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی کمال عقل سے آگاہ ہو گئے۔ عکرمہ نے کہا: وہ حکیمہ تھی اس نے کہا: كَأَنَّهُ هُوَ مقاتل نے کہا: وہ پہچان گئی لیکن اس نے ان پر شبہ ڈالا جس طرح انہوں نے اس پر شبہ ڈالا تھا۔ اگر اسے کہا جاتا: کیا یہ تیرا عرش ہے؟ تو وہ کہتی: ہاں وہی ہے؛ حسن بن مفضل نے یہی قول کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اس کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ جن آپ کے سامنے مسخر ہیں اسی طرح شیاطین مسخر ہیں تاکہ وہ جان

جائے کہ یہ نبوت ہے اور وہ ایمان لے آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس کے مقابل ہے جو اس نے لڑکوں اور لڑکیوں کے معاملہ کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔

وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بلقیس کا قول ہے، تخت کے بارے میں نشانی سے قبل ہی ہمیں یہ علم عطا کر دیا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت صحیح ہے۔ وَ كُنَّا مُسْلِمِیْنَ ہم اس کے امر کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں ہمیں علم عطا کیا گیا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ بات ہم کئی دفعہ کر چکے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ یعنی ہمیں بلقیس کے آنے سے قبل اس کے اسلام لانے اور مطیع بن کر آنے کا علم عطا کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوم کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ پر وقف اچھا ہے معنی ہے جو وہ سورج اور چاند کی عبادت کرتی تھی اس نے اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے روک دیا۔ مَا محل رفع میں ہے۔ نحاس نے کہا: معنی ہے اس کی غیر اللہ کی عبادت اور اس کی ان چیزوں کی عبادت نے اسے روک دیا کہ وہ جانے جس کو ہم جانتے ہیں اور اس سے کہ وہ اسلام لائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مَا محل نصب میں ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وصدها سلیمان عما كانت تعبد من دون الله یعنی بلقیس کے درمیان اور اسلام کے درمیان رکاوٹ بن گئی۔ یہ بھی جائز ہے کہ معنی ہو وصدها الله، اللہ تعالیٰ نے اسے روک دیا کہ وہ غیر کی عبادت کرے۔ تو عن کو حذف کر دیا گیا اور فعل براہ راست متعدی ہو گیا۔ اس کی مثل واختار موسى قومه ہے اصل میں من قومه تھا۔ سیبویہ نے یہ شعر پڑھا ہے:

ونُبِّئْتُ عبدَالله بالجوِّ أصبحتْ ‏ كِرامًا مواليها لئيمًا صميمُها

یہ گمان کیا کہ اس کے نزدیک معنی ہے نبئت عن عبد الله۔

اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ سعید بن جبیر نے پڑھا اِنَّها یہ محل نصب میں ہے معنی ہے لِأنّها۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ما کا بدل ہو۔ یہ محل رفع میں ہوگا اگر ما، صد کا فاعل ہو۔ اور ہمزہ کے نیچے کسرہ استئناف کے طریقہ پر ہو۔

قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ ؕ۬ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۴﴾

''اسے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ پس جب اس نے دیکھا اس (کے بلوریں فرش) کو تو اس نے خیال کیا یہ گہرا پانی ہے اور اس نے کپڑا اٹھا لیا اپنی دونوں پنڈلیوں سے آپ نے فرمایا: (یہ پانی نہیں) یہ چمکدار محل ہے بلور کا بنا ہوا (اس کی آنکھیں کھل گئیں) کہنے لگی: اے میرے رب! میں (آج تک) ظلم ڈھاتی رہی اپنی جان پر اور (اب) ایمان لائی ہوں سلیمان کے ساتھ اللہ پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے''۔

قِيۡلَ لَهَا ادۡخُلِي الصَّرۡحَ سیبویہ کے نزدیک اس کی تقدیر کلام میں ہے ادخلی إلی الصرح، الی حرف جار کو حذف کر دیا گیا اور فعل کو براہ راست مفعول بہ میں عامل بنایا گیا۔ ابو العباس اس نقطہ نظر میں اس کو غلط قرار دیتا ہے کہا: کیونکہ دخل، مدخول پر دلالت کرتا ہے اس محل کا صحن شیشے کا تھا جس کے نیچے پانی تھا جس میں کشتیاں تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کام اس لیے کیا تا کہ ملکہ بلقیس کو یہ دکھائے کہ آپ کا ملک اس کے ملک سے بڑھ کر ہے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ شیشے کا تھا اس کے پیچھے پانی تھا حَسِبَتۡهُ لُجَّةً، لجۃ کا معنی پانی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صرح کا معنی محل ہے۔ ابو عبیدہ سے مروی ہے جس طرح کہا: تحسب أعلامھن الصروح۔ اس مصرعہ میں الصروح سے مراد محلات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الصرح سے مراد صحن ہے جس طرح کہا جاتا ہے: ھذہ صرحۃ الدار وقاعتھا دونوں کا معنی ایک ہے۔ ابو عبیدہ نے الغریب المصنف میں حکایت بیان کی ہے کہ صرح سے مراد ایسی اونچی عمارت ہے جو زمین سے بلند ہو۔ ممرد کا معنی طویل ہے۔ نحاس نے کہا: اس کی اصل یہ ہے کہ ہر ایسی عمارت جسے ایک ہی دفعہ بنایا گیا ہو اسے صرح کہتے ہیں۔ ان کا قول ہے: لبن صریح ایسا دودھ جس میں پانی کی آمیزش نہ ہو۔ عربوں کے قول سے ہے صرح بالامر، اسی سے ہی عربی صریح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ عمل اس لیے کیا تا کہ جنوں نے ملکہ بلقیس کے بارے میں جو قول کیا تھا اس کی تحقیق کریں کہ ملکہ بلقیس کی ماں جنوں میں سے تھی اور اس کا پاؤں گدھے کے پاؤں جیسا ہے؛ یہ قول وہب بن منبہ نے کیا ہے۔ جب اس نے گہرے پانی کو دیکھا تو گھبرائی اس نے گمان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے غرق کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ اور اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پانی پر ہے اس نے وہ چیز دیکھی جس نے اسے خوفزدہ کر دیا۔ اس کے لیے حکم کی طاعت کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

وَّ كَشَفَتۡ عَنۡ سَاقَيۡهَا تو لوگوں میں سے سب سے خوبصورت پنڈلی والی تھی۔ جنوں نے جو کچھ کہا تھا اس سے وہ سالم تھی، مگر یہ تھا کہ اس کی پنڈلی پر بال زیادہ تھے۔ جب وہ اس حد تک پہنچی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے کہا جب کہ آپ نے اس سے نظر کو پھیر دیا تھا: اِنَّهٗ صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِيۡرَ ممرد سے مراد ہے جس کو رگڑ کر ملائم کر دیا گیا ہو اس سے امرد کا لفظ ہے تمرد الرجل یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد اس کی داڑھی دیر سے آئے: یہ فراء کا قول ہے اسی سے شجرۃ مرداء ہے جس کے پتے نہ ہوں۔ رملۃ مرداء ایسی ریت جو کسی چیز کو نہ اُگائے۔ ممرد کا معنی لمبا بھی ہے قلعہ کو بھی مارد کہتے ہیں۔ ابو صالح نے کہا: کھجور کے درخت کی طرح طویل۔ ابن شجرہ نے کہا: وہ طول و عرض میں وسیع۔ شاعر نے کہا:

غدوتُ صباحا باکرا فوجدتھم قبیل الضحا فی السّابریِّ المُمَرَّدِ

میں صبح صبح چلا تو میں نے چاشت سے پہلے انہیں کھلی زرہوں میں پایا۔

اس موقع پر ملکہ بلقیس نے سر تسلیم خم کر دیا، اس نے اطاعت کی، وہ اسلام لے آئی اور اس نے اپنی جان پر ظلم کا اقرار کیا۔ جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے قدم دیکھے تو آپ نے شیاطین میں سے ناصح سے پوچھا: میرے لیے یہ کیسے ممکن ہوگا کہ جسم کو تکلیف دیئے بغیر میں ان بالوں کو اکھیڑ دوں؟ اس نے چونے کے استعمال کے

بارے میں بتایا۔ اس دن سے بال صفا پاؤڈر اور حمامات کا رواج ہے۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کر لی اور اسے شام میں ٹھہرایا، یہ ضحاک کا قول ہے۔

سعید بن عبدالعزیز نے کتاب النقاش میں فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کر لی اور اسے ملک یمن کی طرف واپس بھیج دیا۔ آپ ہر ماہ ہوا کے دوش پر سوار ہو کر اس کے پاس آتے، ملکہ بلقیس نے ایک بچہ جنا جس کا نام حضرت سلیمان علیہ السلام نے داؤد رکھا جو آپ کے دور میں ہی فوت ہو گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ملکہ بلقیس جہاں بھر کی عورتوں میں سے سب سے خوبصورت پنڈلی والی تھیں وہ جنت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی زوجہ ہوں گی''۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ مجھ سے زیادہ حسین پنڈلیوں والی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو جنت میں اس سے زیادہ خوبصورت پنڈلی والی ہو گی''۔ قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابو موسیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حمامات سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنوائے جب ان کی پشت دیوار کے ساتھ لگی تو اس کی گرمی محسوس ہوئی تو کہا: اواہ من عذاب اللہ پھر ملکہ بلقیس سے شدید محبت کی اور ملک یمن پر اسے باقی رکھا جنوں کو حکم دیا تو انہوں نے ملکہ بلقیس کے لیے تین قلعے بنائے لوگوں نے ان جیسے بلند قلعے نہیں دیکھے تھے سلحون، بینون اور عمران۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام ہر ماہ ایک دفعہ اسے ملنے کے لیے آتے اور تین دن اس کے پاس قیام کرتے۔ شعبی نے بیان کیا ہے کہ حمیر کے لوگوں نے مقبرہ ملوک کو کھودا تو انہوں نے اس میں ایک قبر پائی جس میں ایک عورت مدفون تھی جس پر سونے سے بنے حلے (دو چادروں پر مشتمل لباس) تھے۔ اس کے سر کی جانب سنگ مرمر کی ایک تختی تھی جس میں یہ لکھا ہوا تھا:

یأیها الأقوامُ عُوجُوا معا　وأربعوا فی مَقْبَرِی العِیسَا

لتعلموا أَنِّی تلك التی　قد كنتُ أُدعَى الدهر بَلْقِیسَا

شَیَّدْتُ قصرَ المُلْكِ فی حِمْیَرٍ　قَوْمِی وقِدْمًا كان مأنوسا

وكنتُ فی مُلْكِی و تدبیره　أرْغِمُ فی الله المَعَاطِیسَا

بَعْلِی سلیمانُ النبیُّ الذی　قد كان للتوراة دِرِّیسَا

وسُخِّرَ الریحُ له مركبا　تهبُّ أحیانا رَوَامِیسَا

مع ابن داود النبیّ الذی　قَدَّسه الرحمنُ تَقْدِیسَا

اے اقوام! اکٹھے رہنا اور میرے مقبرہ میں اونٹ باندھنا تا کہ تمہیں علم ہو کہ میں وہ ہوں جسے زمانہ بلقیس کہتا تھا۔ میں نے حمیر ملک کے محل کو مضبوط کیا جب کہ میری قوم قدیم زمانہ سے مانوس تھی۔ میں اپنے ملک اور اس کی تدبیر کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ناکوں کو خاک آلود کر دیتی۔ میرے خاوند حضرت سلیمان علیہ السلام تھے جو تورات کو پڑھنے والے تھے۔ ہوا کو ان کے لیے سواری کے طور پر مسخر کر دیا گیا جو بعض اوقات قبروں پر چلتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے کے ساتھ جس کی رحمٰن نے تقدیس بیان کی ہے۔

محمد بن اسحاق اور وہب بن منبہ نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی نہیں کی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے فرمایا: اپنے خاوند کو منتخب کر لے تو ملکہ بلقیس نے کہا: مجھ جیسی عورت نکاح نہیں کرتی میرے لیے ملک ہے جو پہلے سے ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اسلام میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تو اس نے ہمدان کے بادشاہ کو پسند کیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کی شادی اس سے کر دی اور اسے یمن کی طرف بھیج دیا۔ اور زوبعہ جو یمن کے جنوں کا امیر تھا اسے حکم دیا کہ وہ اس کی اطاعت کرے تو اس نے اس کے لیے کارخانے بنائے وہ امیر رہا یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ ایک قوم کا خیال ہے اس بارے میں کوئی صحیح خبر نہیں نہ اس بارے میں کہ خود شادی کی اور نہ اس بارے میں کہ آپ نے اس کی شادی کسی سے کی۔ ملکہ بلقیس کا شجرہ نسب یہ تھا بلقیس بنت سرح بن ہداہد بن شراحیل بن ادد بن حدر بن سرح بن حرس بن قیس بن صیفی بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح۔ اس کا دادا ہداہد عظیم بادشاہ تھا اس کے چالیس بیٹے ہوئے جو سب کے سب بادشاہ تھے یمن کا پورا علاقہ اس کی مملکت میں شامل تھا۔ اس کا والد سرح اطراف کے بادشاہوں کو کہتا: تم سب سے کوئی بھی میرے ہم پلہ نہیں، اس نے ان میں شادی کرنے سے انکار کر دیا، تو انہوں نے اس کی شادی جنوں کی ایک عورت سے کر دی جسے ریحانہ بنت سکن کہتے تو اس کی ایک بچی بلقمہ پیدا ہوئی اسے بلقیس کہتے ہیں اس بچی کے علاوہ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ملکہ بلقیس کے والدین میں سے ایک جن تھا'' (1)۔ اس کا باپ فوت ہوا تو اس پر قوم نے اختلاف کیا اور دو فرقوں میں بٹ گئی انہوں نے اپنے امور مملکت ایسے آدمی کے سپرد کیے جس کی سیرت بری تھی یہاں تک کہ اس نے اپنی رعیت کی عورتوں سے بدکاری کی، بلقیس کو غیرت نے آلیا اس نے اپنے آپ کو اس بادشاہ پر پیش کیا تو اس حاکم نے بلقیس سے شادی کر لی۔ بلقیس نے اسے شراب پلائی یہاں تک کہ اس کا سر کاٹا اور اپنے گھر کے دروازے پر اسے لٹکا دیا تو لوگوں نے اسے بادشاہ بنا لیا۔ ابوبکر نے کہا: ملکہ بلقیس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو فرمایا: لا یُفلح قوم ولّوا أمرھم إمرأۃ (2) کوئی ایسی قوم فلاح نہیں پا سکتی جنہوں نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیا۔

ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس کے باپ کے جنی سے شادی کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ ایک سرکش بادشاہ کا وزیر تھا جو رعیت کی عورتوں کو غصب کر لیتا۔ وزیر غیور تھا اس نے شادی نہ کی ایک دفعہ راستہ میں وہ ایک آدمی سے ملا جسے وہ پہچانتا نہیں تھا اس نے پوچھا: کیا تیری بیوی ہے؟ اس نے جواب دیا: میں کبھی بھی شادی نہیں کروں گا کیونکہ ہمارے ملک کا بادشاہ مردوں سے ان کی بیویوں کو غصب کر لیتا ہے۔ اس نے کہا: اگر تو میری بیٹی سے شادی کرے تو وہ اسے کبھی بھی غصب نہیں کرے گا۔ وزیر نے کہا: نہیں بلکہ وہ غصب کر لے گا۔ اس نے کہا: ہم جنوں کی قوم سے تعلق رکھتے ہیں وہ ہم پر قادر نہیں ہو سکتا۔ ملکہ بلقیس کے باپ نے اس کی بیٹی سے شادی کر لی تو اس سے اس کی بیٹی بلقیس پیدا ہوئی پھر ماں مر گئی ملکہ بلقیس نے صحراء میں محل بنوایا غلطی سے بلقیس کے والد نے اس کا ذکر کیا۔ بادشاہ تک وہ خبر پہنچی بادشاہ نے اس سے کہا: اے فلاں! تیرے پاس وہ خوبصورت بیٹی

1۔ تفسیر طبری، پارہ نمبر 19، صفحہ 193
2۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر، جلد 2، صفحہ 1050

ہے جب کہ تو اسے میرے پاس نہیں لاتا اور تو عورتوں سے میری محبت کو خوب جانتا ہے پھر اس کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ بلقیس نے بادشاہ کی طرف پیغام بھیجا: میں تیرے سامنے ہوں۔ بادشاہ نے اس کے محل کی طرف جانے کی تیاری کی۔ جب اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اندر داخل ہونے کا قصد کیا تو جنوں کی بیٹیاں جو سورج کی طرح روشن تھیں اس کے سامنے آ گئیں انہوں نے بادشاہ سے کہا: تجھے حیا نہیں آتی، ہماری مالکہ تجھے کہتی ہے: کیا تو ان لوگوں کے ساتھ اپنے اہل پر داخل ہوتا ہے تو بادشاہ نے لوگوں کو واپس جانے کی اجازت دے دی اور اکیلا داخل ہو گیا اس کے داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر دیا اور جوتیاں مار مار کر اسے قتل کر دیا اس کا سر کاٹا اور اس کے لشکر کی طرف اسے پھینک دیا، تو لوگوں نے ملکہ بلقیس کو اپنا حکمران بنا لیا۔ وہ اس طرح حکمران رہی یہاں تک کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی خبر پہنچا دی۔ اس کی وجہ یہ بنی جب حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے کسی پڑاؤ میں اترے ہدہد نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام فروکش ہونے میں مشغول ہو چکے ہیں تو وہ ہدہد آسمان کی طرف بلند ہوا تو اس نے دنیا کا طول و عرض دیکھ لیا اس نے زمین کو شمالاً جنوباً دیکھا اس نے بلقیس کا باغ دیکھا جس میں ہدہد موجود تھا۔ اس ہدہد کا نام عفیر تھا۔ یمن کے عفیر نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے یعفور سے کہا: تو کہاں سے آیا ہے؟ اور کہاں کا ارادہ رکھتا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں شام سے اپنے مالک حضرت سلیمان بن داؤد کے ساتھ آیا ہوں۔ عفیر یمن نے پوچھا: کون سلیمان؟ اس نے جواب دیا: جنوں، انسانوں، شیاطین، پرندوں، وحشیوں، ہواؤں اور زمین و آسمان کے درمیان جو کچھ ہے ان کا بادشاہ۔ یعفور نے پوچھا: تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے جواب دیا: ان شہروں کا جن کی بادشاہ ایک عورت ہے اسے بلقیس کہتے ہیں اس کے زیر حکومت بارہ ہزار چھوٹے حکمران ہیں؟ ہر حاکم کے زیر تسلط ایک لاکھ جنگجو ہیں جو عورتوں اور بچوں کے علاوہ ہیں وہ اس کے ساتھ گیا اور ملکہ بلقیس اور اس کے ملک کو دیکھا اور عصر کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف لوٹ آیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے نماز کے وقت اسے پوچھا تھا اور اسے نہ پایا تھا۔ وہ اس وقت پانی پر تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام پر سورج کی شعاع پڑی تو آپ نے پرندوں کے وزیر سے پوچھا: یہ کس کی جگہ ہے؟ عرض کی: اے اللہ کے نبی! یہ ہدہد کی جگہ ہے۔ پوچھا: وہ کہاں چلا گیا ہے؟ اس نے عرض کی: اللہ تعالیٰ تیرے ملک کو سلامت رکھے! میں نہیں جانتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام غصے ہو گئے۔ فرمایا: لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا پھر آپ نے عقاب کو بلایا وہ پرندوں کا سردار اور ان سے قوی تھا۔ عرض کی: اے اللہ کے نبی! کیا ارادہ رکھتے ہو؟ فرمایا: مجھے اسی وقت ہدہد چاہیے۔ عقاب نے اپنے آپ کو آسمان کی طرف بلند کیا یہاں تک کہ ہوا کے ساتھ جا لگا اس نے دنیا کی طرف دیکھا جس طرح تمہارے سامنے ایک پیالہ ہو، کیا دیکھا کہ ہدہد یمن کی جانب سے آ رہا ہے۔ وہ اس کی طرف نیچے آیا، اس میں اپنا پنجہ گاڑھا، ہدہد نے اسے کہا: میں تجھ سے اس اللہ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جس نے تجھے قدرت دی اور مجھ پر قوت عطا کی مگر تو مجھ پر رحم کرے۔ اس نے کہا: تیرے لیے ہلاکت ہو، تیری ماں تجھ پر روئے اللہ کے نبی نے قسم اٹھائی ہے کہ وہ تجھے عذاب دے گا یا تجھے ذبح کر دے گا۔ پھر وہ اسے لے آیا اس کا گدھوں اور باقی لشکر کے پرندوں نے استقبال کیا۔

سب نے یہی کہا: تیرے لیے ہلاکت ہو اللہ تعالیٰ کے نبی نے تجھے دھمکی دی ہے۔ ہدہد نے کہا: میں کیا اور میری اوقات کیا ہے کیا آپ نے استثناء نہیں کی تھی؟ پرندوں نے کہا: کیوں نہیں۔ انہوں نے کہا: اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ پھر وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اپنا سر اٹھایا ہدہد نے اپنی دنب اور پروں کو تواضع کی خاطر ڈھیلا چھوڑ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: تو اپنی خدمت اور جگہ کو چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا میں تجھے عذاب دوں گا یا تجھے ذبح کروں گا۔ ہدہد نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے نبی! جس وقت آپ اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے اس کو یاد کرو جس طرح میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جلد کانپنے لگی، آپ کانپ گئے اور معاف کر دیا۔ عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہدہد کو ذبح کرنے سے پھیر دیا کیونکہ ہدہد اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا تھا وہ کھانے کو ان کی طرف لے جاتا اور انہیں کھلاتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے کہا: کس چیز نے تجھے دیری میں ڈال دیا؟ تو ہدہد نے وہی کہا جو اللہ تعالیٰ نے ملکہ بلقیس، اس کے عرش اور اس کی قوم کے بارے میں بتایا ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

ماوردی نے کہا: یہ قول کہ بلقیس کی ماں جنی تھی یہ عقول کے لیے عجیب و غریب ہے کیونکہ جنس ایک دوسرے سے مختلف ہیں، طبیعتیں الگ الگ ہیں اور جنسوں میں فرق ہے کیونکہ آدمی جسمانی ہے، جن روحانی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے اور جنوں کو ایسے بھڑکنے والے شعلے سے پیدا کیا ہے جو آگ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس تباین کی موجودگی میں امتزاج ممتنع ہوتا ہے اور اس اختلاف کے ہوتے ہوئے تناسل محال ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ عقل اس کو محال قرار نہیں دیتی، ساتھ ہی ساتھ روایت بھی واقع ہوئی ہے جب خلقت کی اصل کی طرف دیکھا جائے تو اس کی اصل پانی ہے جس طرح وضاحت گزر چکی ہے۔ اس میں کوئی بعید نہیں۔ قرآن حکیم میں ہے: وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (الاسراء: 64) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ (الرحمٰن) اس کی وضاحت سورۃ الرحمٰن میں آئے گی۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ میں نے شرک پر قائم رہتے ہوئے اپنی جان پر ظلم کیا۔ ابن شجرہ نے کہا: سفیان نے کہا: وہ گمان اختیار کر کے ظلم کیا جو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں گمان کیا کیونکہ جب ملکہ بلقیس کو محل میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تو اس نے اسے پانی گمان کیا اور یہ گمان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اسے غرق کرنا چاہتے ہیں۔ جب اس پر یہ امر واضح ہوا کہ یہ تو شیشے کا ملائم محل ہے تو اس کو علم ہو گیا کہ اس نے یہ گمان کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اِنّ کو کسرہ دیا کیونکہ قول کے بعد اس سے کلام کا آغاز ہوا۔ عربوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اسے فتحہ دیتے ہیں تو اس میں قول عمل کرتا ہے۔

وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ جب تو مع کو ساکن پڑھے تو یہ حرف ہے جو معنی کے لیے آیا ہے نحویوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ جب تو اس کو فتحہ دے گا تو اس میں دو قول ہیں (۱) یہ ظرف کے معنی میں اسم ہے (۲) حرف جر ہے مبنی بر فتحہ ہے: یہ نحاس نے کہا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ

يَخْتَصِمُونَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝

''بے شک ہم نے رسول بنا کر بھیجا ثمود کی طرف اس کے بھائی صالح کو کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی تو وہ دو گروہ بن گئے (اور آپس میں) جھگڑنے لگے۔ صالح نے فرمایا: اے میری قوم! کیوں تیزی کرتے ہو برائی کرنے میں نیک کام کرنے سے پہلے تم کیوں نہیں بخشش طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے شاید تم پر رحم کر دیا جائے۔ کہنے لگے: ہم تو براشگون سمجھتے ہیں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو، آپ نے فرمایا: تمہارا براشگون تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے بلکہ تم ایسی قوم ہو جو فتنہ میں مبتلا کر دی گئی ہے''۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ اس کا معنی گزر چکا ہے فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ مجاہد نے کہا: یعنی مومن اور کافر۔ کیا خصومت وہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ (الاعراف) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا جھگڑا یہ تھا کہ ہر فرقہ نے کہا: ہم حق پر ہیں تم حق پر نہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ مجاہد نے کہا: سیئۃ سے مراد عذاب اور حسنۃ سے مراد رحمت ہے۔ معنی ہے تم اس ایمان میں کیوں تاخیر کرتے ہو جو تمہاری طرف ثواب کھینچ کر لاتا ہے۔ اور کفر کو پہلے لاتے ہو جو عذاب کو لازم کرتا ہے کفار انکار کی زیادتی کی وجہ سے کہتے ہیں: ہمارے اوپر عذاب لے آؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم ایسے کام کیوں کرتے ہو جن کے باعث تم عتاب کے مستحق بنتے ہو اس کا مطلب یہ نہیں تم جلد عذاب کے آنے کی تلاش کرتے ہو۔

لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ تم شرک سے اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کیوں نہیں کرتے؟ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ہم نے فال بد لیا۔ شؤم کا معنی نحوست ہے۔ بدفالی سے بڑھ کر کوئی چیز رائے اور تدبیر کو نقصان پہنچانے والی نہیں۔ جو آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ گائے کا ڈکارنا اور کوے کا کائیں کائیں کرنا قضا کو لوٹا سکتا یا مقدور چیز کو دور کر سکتا ہے تو جاہل ہے۔ شاعر نے کہا:

طِيَرَةُ الدهر لا تَرُدُّ قضاءً　　فاعذر الدهرَ لا تشبه بلومِ

أيُّ يوم يَخُصُّه بسعود　　والمنايا ينزلنا فى كل يومِ

ليس يومٌ إلا وفيه سعودٌ　　و نحوسٌ تجرى لقومٍ فقومِ

زمانہ کی بدفالی قضا کو لوٹا نہیں سکتی زمانہ سے معذرت کر لے تو اسے ملامت کے ساتھ تشبیہ نہ دے۔ کون سا دن ہے جو اسے سعادت مندی کے ساتھ خاص کرتا ہے جب کہ موتیں ہر دن نازل ہوتی ہیں۔ کوئی دن نہیں ہے مگر اس میں سعادت مندی

ہوتی ہے اور نحوست قوم کے لیے یکے بعد دیگرے واقع ہوتی ہے۔

عرب سب سے زیادہ فال پکڑنے والے تھے جب وہ سفر کا ارادہ کرتے تو پرندے کو اڑاتے جب وہ دائیں جانب اڑتا تو وہ باعث برکت ہوتا اور اگر وہ بائیں جانب اڑتا تو یہ بدبختی کی علامت ہوتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی کی ہے۔ فرمایا: "پرندوں کو اپنے گھونسلوں میں رہنے دو"(1)۔ اس کی وضاحت سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے۔

قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ تمہارا شگون تم تک پہنچنے والا ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ تمہارا امتحان لیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہیں تمہارے گناہوں کا عذاب دیا جائے گا۔

وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

"اور اس شہر میں نو شخص تھے جو فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے اس علاقہ میں اور اصلاح کی کوئی کوشش نہ کرتے، تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کر لیں کہ شب خون مار کر صالح اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے پھر کہہ دیں گے اس کے وارث سے کہ ہم تو (سرے سے) موجود ہی نہ تھے جب انہیں ہلاک کیا گیا اور (یقین کرو) ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں"۔

وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ حضرت صالح علیہ السلام کے شہر میں جو مجرم ہے۔ تِسْعَةُ رَهْطٍ ان کے اشراف کی اولاد میں سے نو آدمی۔ ضحاک نے کہا: یہ نو افراد اہل مدینہ کے عظماء تھے۔ وہ زمین میں فساد برپا کرتے اور فساد کا حکم دیتے۔ وہ عظیم چٹان کے پاس بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو ان پر الٹ دیا۔ عطا بن ابی رباح نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے وہ دنانیر اور دراہم قرض کے طور پر دیتے یہ زمین میں فساد کی ایک صورت ہے؛ سعید بن مسیب نے یہ کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا فساد یہ تھا وہ لوگوں کی شرمگاہوں کی تاڑ میں رہتے اور خود پر ستر عورت کا اہتمام نہ کرتے۔ اس کے علاوہ کا بھی قول کیا گیا ہے آیت سے جو لازم آتا ہے وہ وہ ہے جو ضحاک وغیرہ نے کہا ہے کہ وہ قوم کے سرداروں اور غنی لوگوں میں سے تھے۔ وہ سب کے سب اہل کفر اور اہل معاصی تھے۔ ان کے امر کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ فساد برپا کرتے تھے اور اصلاح احوال کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ رَهْطٍ جماعت کا نام ہے گویا وہ سردار تھے اور ان میں سے ہر ایک کی لوگ اتباع کیا کرتے تھے رَهْطٍ کی جمع أرهط اور أراهط ہے۔ شاعر نے کہا:

يا بؤس للحرب التي وضعت أراهط فاستراحوا

ہائے جنگ کی سختی جس نے کئی جماعتوں کو پست کر دیا تو انہوں نے آرام پایا۔

یہ مذکورہ لوگ قدار کے ساتھ تھے جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں؛ ابن عطیہ نے یہ ذکر کیا ہے۔

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 25، صفحہ 168، حدیث نمبر 407

میں کہتا ہوں: ان کے اسماء میں اختلاف ہے۔ غزنوی نے کہا: ان کے نام یہ تھے قدار بن سالف، مصدع، اسلم، دسما، ذہیم، ذعما، ذعیم، قتال، صداق۔ ابن اسحاق نے کہا: ان کا سردار قدار بن سالف اور مصدع بن مہرع تھا سات افراد نے ان کی پیروی کی۔ وہ بلع بن میلع، دعیر بن غنم، ذؤاب بن مہرج اور چار افراد ایسے ہیں جن کے نام معروف نہیں۔ زمخشری نے وہب بن منبہ سے ان کے نام نقل کیے ہیں: ہذیل بن عبدرب، غنم بن غنم، رباب بن مہرج، مصدع بن مہرث، عمیر بن کردبہ، عاصم بن مخرمہ، سبیط بن صدقہ، سمعان بن صفی، قدار بن سالف؛ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے میں کوشش کی۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے سرکش لوگ تھے وہ ان کے معززین کے بیٹے تھے۔ سہیلی نے کہا: نقاش نے ان نو افراد کا ذکر کیا جو زمین میں فساد برپا کرتے تھے اور اصلاح احوال نہیں کرتے تھے اور ان کے اسماء ذکر کیے۔ یہ کسی روایت پر منضبط نہیں ہوتے مگر میں اجتہاد اور گمان سے اس کا ذکر کروں لیکن ہم اس کا ذکر کریں گے جن کو ہم نے محمد بن حبیب کی کتاب میں پایا ہے وہ مصدع بن دہر ہے اسے دہم کہا جاتا ہے، قدار بن سالف، ہریم، صواب، ریاب، داب، دعما، ہرما، دعین بن عمیر۔

میں نے کہا: ماوردی نے ان کے اسماء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیے ہیں وہ دعما، دعیم، ہرما، ہریم، داب، صواب، ریاب، مسطح اور قدار ہیں وہ حجر کے علاقہ کے لوگ تھے یہ شام کی سرزمین ہے۔

قَالُوۡا تَقَاسَمُوۡا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهۡلَهٗ یہ جائز ہے کہ تَقَاسَمُوۡا فعل امر پر دلالت کرتا ہو۔ یعنی انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: تم قسم اٹھاؤ۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ فعل ماضی ہو اور حال کا معنی دے رہا ہو۔ گویا کہا: متقاسمین باللہ اس تاویل کی دلیل حضرت عبداللہ کی قراءت ہے۔ یفسدون فی الارض ولا یصلحون تقاسموا باللہ اس میں قالوا نہیں ہے۔

لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهۡلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوۡلَنَّ لِوَلِيِّهٖ عام قراءت دونوں میں نون کے ساتھ ہے۔ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے دونوں میں تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور تاء اور لام کو ضمہ دیا ہے۔ یہ خطاب کے طریقہ پر ہے یعنی انہوں نے اس طرح باہم خطاب کیا؛ ابو عبید نے اسے اختیار کیا ہے۔ مجاہد اور حمید نے دونوں جگہ یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یاء اور لام کو ضمہ دیا اس صورت میں یہ غائب کا صیغہ ہوگا۔ بیات سے مراد رات کے وقت دشمن پر اچانک حملہ کرنا ہے لِوَلِيِّهٖ سے مراد ہے حضرت صالح علیہ السلام کا خاندان جسے قصاص لینے کا حق ہے۔ مَا شَهِدۡنَا مَهۡلِكَ اَهۡلِهٖ یعنی ہم تو یہاں موجود ہی نہ تھے ہم نہیں جانتے کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے اور کس نے اس کے اہل کو قتل کیا ہے؟ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ اس کے قتل کا جو ہم انکار کر رہے ہیں اس میں ہم سچے ہیں۔ مَهۡلِكَ کا معنی ہلاک کرنا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ظرف کا صیغہ ہو۔ عاصم اور سلمی نے میم اور لام کو فتحہ دیا ہے مراد ہلاکت ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ضرب یضرب مضربا یہ ضربا کے معنی میں ہے۔ مفضل اور ابو بکر نے میم کے فتحہ اور لام کے جر کے ساتھ پڑھا ہے۔ تو یہ اسم مکان ہوگا جس طرح مجلس بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ (الانعام: 60) یہاں مرجع سے مراد رجوع ہے۔

وَ مَكَرُوۡا مَكۡرًا وَّ مَكَرۡنَا مَكۡرًا وَّ هُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝۵۰ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكۡرِهِمۡ ۙ اَنَّا دَمَّرۡنٰهُمۡ وَ قَوۡمَهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۝۵۱ فَتِلۡكَ بُيُوۡتُهُمۡ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوۡا ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

''اورانہوں نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے (ہماری تدبیر کو)۔تم (خود ہی) دیکھ لو کیا (ہولناک) انجام ہوا ان کے مکر کا۔ہم نے برباد کر کے رکھ دیا انہیں اور ان کی ساری قوم کو پس یہ ان کے گھر ہیں جو اجڑے پڑے ہیں ان کے ظلم کے باعث۔بے شک اس میں عبرت ہے اس قوم کے لیے جو (کچھ) جانتی ہے اور ہم نے بچالیا انہیں جو ایمان لائے تھے اور (اپنے رب سے) ڈرتے رہتے تھے''۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ان کا مکر وہ تھا جو روایت بیان کی گئی ہے کہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بتادیا تھا کہ تین دنوں میں تم پر عذاب آجائے گا۔ان نو افراد نے اتفاق کیا اور قسم اٹھائی کہ وہ رات کے وقت حضرت صالح علیہ السلام کے گھر جائیں گے اور آپ کو اور آپ کے اہل کو قتل کردیں گے۔انہوں نے کہا: اگر وہ اپنی وعید میں جھوٹا ہے تو جس کا وہ مستحق ہے ہم نے اس پر واقع کردیا ہے اگر وہ سچا ہے تو ہم نے اسے اپنے سے پہلے عذاب دے دیا اور اپنے نفوس کو شفا دے لی؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس رات فرشتے بھیجے انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر کو بھر دیا۔وہ نو افراد اپنی تلواریں سونتے ہوئے حضرت صالح کے گھر آئے فرشتوں نے انہیں پتھر مار کر ہلاک کردیا وہ پتھر دیکھتے تھے اور جو پتھر مار رہا ہے اسے نہیں دیکھتے تھے۔قتادہ نے کہا: وہ تیزی سے حضرت صالح علیہ السلام کی طرف نکلے ان پر ایک فرشتہ مسلط کردیا گیا جس کے ہاتھ میں چٹان تھی تو اس نے ان سب کو قتل کردیا۔سدی نے کہا: وہ ایسی جگہ اترے جو نیچے سے کھوکھلی تھی تو وہ قطعہ زمین ان پر آپڑا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے نیچے ہلاک کردیا۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت صالح علیہ السلام کے گھر کے قریب چھپ گئے تو ان پر چٹان آگری جس نے ان سب کو پیس دیا۔یہ ان کا مکر تھا اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر یہ تھی کہ ان کو بدلہ دیا۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ چیخ کے ساتھ ان سب کو ہلاک کردیا۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام کی ہلاکت حضرت جبریل امین کی چیخ سے ہوئی۔ظاہر بات یہ ہے کہ سب کی ہلاکت ایک عذاب سے ہوئی پھر باقی چیخ یا دمدم سے ہلاک ہوئے۔اعمش، حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق، عاصم، حمزہ اور کسائی انا پڑھا کرتے تھے۔ابن انباری نے کہا: اس مذہب کی بنا پر عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ پر وقف اچھا نہیں کیونکہ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ، کان کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ تو اسے محل رفع میں رکھے یہ عاقبۃ کی اتباع میں ہو۔یہ بھی جائز ہے کہ تو اسے محل نصب میں رکھے؛ یہ فراء کا قول ہے۔کسائی کے قول کے مطابق یہ محل جر میں ہوگا مراد ہوگا بانا دمرناھم، ولانا دمرناھم اسے نصب دینا اس اعتبار سے بھی جائز ہے کہ تو اسے کیف کے محل کے اعتبار سے نصب دے اس اعتبار سے مَكْرِهِمْ پر عطف کرنا صحیح نہ ہوگا ابن کثیر، نافع اور ابو عمرو نے اسے إنا دمرناھم ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔یہ جملہ مستانفہ ہے۔اس مذہب کی بنا پر مکرھم پر وقف اچھا نہیں۔نحاس نے کہا: یہ جائز ہے کہ تو عاقبہ کو نصب دے کہ کان کی خبر ہے اور انا یہ محل رفع میں ہو اس اعتبار سے یہ کان کا اسم ہو یہ بھی جائز ہے

کہ یہ محل رفع میں ہو مبتدا مضمر ہو مقصد عاقبہ کی وضاحت ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ھی أناد مرناھم۔ ابوحاتم نے کہا: حضرت ابی کی قراءت میں أنادمرناھم ہے یہ فتحہ کی تصدیق ہے۔

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا خاوية میں عام قراءت نصب کے ساتھ ہے یہ حال ہے فراء اور نحاس کا نقطہ نظر ہے۔ وہ اپنے اہل سے خالی ہے، برباد ہے وہاں کوئی رہائش رکھنے والا نہیں۔ کسائی اور ابوعبیدہ نے کہا: خَاوِيَةً منصوب ہے ماقبل سے اسے قطع کیا گیا ہے معنی ہوگا فتلك بیوتم الخاویة، جب اس سے الف لام کو الگ کیا گیا تو حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہو گیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الخ (النحل:52) عیسیٰ بن عمر، نصر بن عاصم اور جحدری نے اسے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہ تلك کی خبر ہے۔ بیوتهم یہ تلك کا بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ بیوتهم عطف بیان ہو خاوية یہ تلك کی خبر ہو خاوية کا رفع اس بنا پر بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو، یعنی ھی خاوية یا یہ بیوتهم سے بدل ہو کیونکہ نکرہ کو معرفہ سے بدلا گیا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس کے عذاب سے خوف کھاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت صالح علیہ السلام پر چار ہزار افراد ایمان لائے۔ باقی کو مقاتل کے قول کے مطابق چنے کے دانے کے برابر پھنسی نکلی وہ پہلے روز سرخ تھی پھر اگلے روز وہ زرد ہوگئی پھر تیسرے روز وہ سیاہ ہوگئی اونٹنی کی کونچیں بدھ کو کاٹی گئیں اور ان کی ہلاکت اتوار کو ہوئی۔ مقاتل نے کہا: وہ پھوڑے خالص زرد رنگ کے ہو گئے۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے ان کے درمیان چیخ ماری تو وہ سب ٹھنڈے ہو گئے۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور جو لوگ ان پر ایمان لائے تھے وہ حضرموت کی طرف نکلے جب حضر موت پہنچے تو حضرت صالح علیہ السلام کا وصال ہوگیا تو اس کا نام حضرموت ہوگیا۔ ضحاک نے کہا: پھر چار ہزار افراد نے شہر بسایا جسے حاضورا کہا جاتا؛ جس کی وضاحت اصحاب رس میں گزر چکی ہے۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝

''اور یاد کرو لوط کو جب اس نے اپنی قوم کو فرمایا: کیا تم ارتکاب کرتے ہو بے حیائی کا حالانکہ تم دیکھ رہے ہوتے ہو۔ کیا تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے (اپنی) بیویوں کو چھوڑ کر بلکہ تم تو بڑے نادان لوگ ہو۔ پس نہیں تھا آپ کی قوم کا جواب بجز اس کے کہ انہوں نے کہا: نکال دو آل لوط کو اپنی بستی سے یہ لوگ تو بڑے

پاکباز بنے پھرتے ہیں۔ سو ہم نے بچا لیا لوط کو اور ان کے اہل خانہ کو سوائے ان کی بیوی کے ہم نے فیصلہ کر دیا اس کے متعلق وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی۔ اور ہم نے ان پر خوب پتھر برسائے پس تباہ کن پتھراؤ تھا (بارہا) ڈرائے جانے والوں پر''۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ ہم نے لوط علیہ السلام کو بھیجا یا لوط علیہ السلام کو یاد کرو۔ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ قوم سے مراد اہل سدوم ہیں۔ آپ نے اپنی قوم سے کہا اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ، فاحشہ سے مراد ایسا فعل ہے جو قبیح اور شنیع ہو۔ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ جب کہ تم دیکھتے ہو کہ یہ بے حیائی ہے۔ یہ تمہارا سب سے بڑا گناہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم ایک دوسرے کے پاس جاتے ہو جب کہ تم اسے دیکھ رہے ہوتے ہو۔ وہ سرکشی اور تمرد کی وجہ سے پردہ پوشی بھی نہ کرتے تھے۔ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ اس کی قباحت اور شناعت کی زیادتی کی وجہ سے اس کو دوبارہ ذکر کیا۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ حرمت کے امر یا عقوبت کے امر سے ناواقف ہو۔ خلیل اور سیبویہ نے اَئِنَّكُمْ میں دوسرے ہمزہ کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جہاں تک تحریر کا تعلق ہے تو اس میں قاعدہ یہ ہے کہ تمام صورتوں میں دو الف لکھے جائیں۔ کیونکہ یہ ہمزہ ہے جو کلام کے شروع میں ہے اور اس سے پہلے ہمزہ استفہام کا ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ یہ مردوں کی دبر سے پاکیزہ بنتے ہیں۔ وہ یہ بات حضرت لوط علیہ السلام سے استہزاء کے طور پر کہا کرتے تھے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! انہوں نے بغیر کسی عیب کے ان پر عیب لگایا کہ یہ برے اعمال سے پاکیزہ بنتے ہیں۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ عاصم نے اسے پڑھا قدرنا یعنی تخفیف کے ساتھ پڑھا معنی ایک ہی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: قدرت الشیء قَدْرا و قَدَرا و قدّرتُه۔

وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ یہ اُنذر سے مشتق ہے اس نے انذار کو قبول نہ کیا۔ اس کی وضاحت سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

''فرمایئے: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور سلام ہو اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے چن لیا (بتاؤ) کیا اللہ بہتر ہے یا جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو اور جس نے

اتارا تمہارے لیے آسمان سے پانی پھر ہم نے اگائے اس پانی سے خوش منظر باغات، تمہاری طاقت نہ تھی کہ تم اگا سکتے ان کے درخت، کیا کوئی دوسرا خدا ہے اللہ کے ساتھ؟ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو راہ راست سے پرے ہٹ رہے ہیں بھلا کس نے بنایا ہے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور جاری کر دیں اس کے درمیان نہریں اور بنا دیئے زمین کے لیے (پہاڑوں کے) لنگر اور بنا دی دو سمندروں کے درمیان آڑ، کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ بےعلم ہیں"۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى فراء نے کہا: اہل معانی نے کہا: حضرت لوط علیہ السلام سے کہا گیا ان کی ہلاکت پر الْحَمْدُ لِلّٰهِ کہو۔ اس بات میں علماء کی ایک جماعت نے فراء کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے کہا: یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے، یعنی سابقہ کافر امتوں کی ہلاکت پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو۔ نحاس نے کہا: یہ سب سے بہتر قول ہے۔ کیونکہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس میں جو کچھ ہے سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے سوائے اس کے جس میں معنی غیر کے لیے ہی صحیح ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم کہو: الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى یہاں عباد سے مراد آپ کی امت ہے۔ کلبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی معرفت اور طاعت کے لیے چن لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سفیان نے کہا: اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان آیات کی تلاوت کریں جو اس کی وحدانیت، ہر شے پر اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر براہین ہیں اور آپ آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے جو انبیاء اور چنے ہوئے ہیں ان پر سلام سے کریں اس میں تعلیم حسن ہے اور ادب جمیل پر آگاہی حاصل کرنا ہے دونوں کے ذکر سے برکت حاصل کرنے پر برانگیختہ کرنا ہے اور دونوں کے مکان سے آگاہی حاصل کرنا ہے کہ جو سامعین کو القا کیا جا رہا ہے اسے قبول کیا جائے اور اس کی طرف توجہ کی جائے اور اسے ان کے دلوں کے ہاں ایسے مقام پر رکھا جائے جسے سننے والا پسند کرتا ہے۔

علماء، خطباء اور واعظین کا نسل در نسل یہ معمول چلا آ رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پڑھتے ہیں جب بھی کسی فائدہ بخش علم کا ذکر کرنا ہو، نصیحت کرنی ہو یا خطبہ دینا ہو ان کے شروع میں یہ عمل کیا جاتا ہے۔ بعد کے لوگوں نے ان کی پیروی کی اور اپنی کتب کے اوائل میں یہ چیزیں ذکر کرتے ہیں خواہ وہ فتوحات سے تعلق رکھتی ہوں یا ایسے حادثات کے متعلق ہوں جس کی شان ہو۔

الَّذِيْنَ اصْطَفٰى جس کو اس نے چن لیا اپنی رسالت کے لیے، وہ انبیاء علیہم السلام ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ (الصافات) آللّٰهُ خَيْرٌ ابو حاتم نے اسے دو ہمزوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ نحاس نے کہا: ہم کسی کو نہیں جانتے کہ کسی نے اس کی موافقت کی ہو؟ یہ مدہ استفہام اور خبر کے درمیان فرق کرنے کے لیے آتی ہے یہ توقیف کا الف ہے۔ خَيْرٌ یہاں افضل منك کے معنی میں نہیں ہے، یہ شاعر کے اس قول کی مثل ہے:

أتهجوه　ولست　له　بكفء　فشركما　لخير كما　الفداء

کیا تو اس کی ہجو کرتا ہے جب کہ تو اس کا ہم پلہ نہیں پس تم دونوں میں سے برا تم میں سے اچھے پر قربان ہے۔

اس کا معنی ہے تم میں سے جس میں شر ہے وہ اس پر قربان ہے جس میں خیر ہے۔ یہاں من کا معنی لینا جائز نہیں کیونکہ جب تو نے کہا: فلان شر من فلان تو دونوں میں سے ایک میں شر ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے بھلائی اس میں ہے یا اس میں ہے جس کو تم عبادت میں شریک کرتے ہو۔ سیبویہ نے حکایت بیان کی ہے السعادۃ أحب إلیک أم الشقاء، تجھے سعادت محبوب ہے یا بدبختی؛ جب کہ وہ جانتا ہے کہ سعادت اسے زیادہ محبوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اسم تفضیل کے باب سے ہے۔ معنی ہے اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر ہے یا وہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو، یعنی اس کا ثواب بہتر ہے یا جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان کا عقاب بہتر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں یہ فرمایا وہ اعتقاد رکھتے تھے کہ بتوں کی عبادت میں بہتری ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اعتقاد کے مطابق خطاب فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لفظ استفہام کا ہے اور اس کا معنی خبر یہ ہے۔ ابوعمرو، عاصم اور یعقوب نے اسے پڑھا یشرکون، یاء کے ساتھ تو اس وقت یہ خبر ہوگی۔ باقی قراء نے خطاب کا اعتبار کرتے ہوئے تاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ یہ ابوعبید اور ابوحاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت پڑھتے تو کہتے: بل اللہ خیر و أبقی و أجل و أکرم۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ابوحاتم نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے آلھتکم خیر ام من خلق السموات والارض یہ بحث پہلے گزر چکی ہے معنی ہے جو ان چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ عبادت بہتر ہے یا اس ذات کی عبادت بہتر ہے جس نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا؟ تو یہ پہلے معنی کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اس میں ان کے لیے توبیخ کا معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ان کے معبودوں کے عجز پر تنبیہ ہے۔

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآىِٕقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ، حدیقہ اس باغ کو کہتے ہیں جس کے ارد گرد دیوار ہو۔ بَهْجَةٍ سے مراد خوبصورت منظر ہے۔ فراء نے کہا: حدیقہ سے مراد وہ باغ ہے دیوار جس کی حفاظت کرے اگر دیوار نہ ہو تو اس کو بستان کہتے ہیں۔ وہ حدیقہ نہیں ہے۔ قتادہ اور عکرمہ نے کہا: حدائق سے مراد کھجور کے درخت ہیں جو خوبصورت منظر والے ہوں۔ بَهْجَةٍ سے مراد زینت اور حسن ہے جو بھی اسے دیکھتا ہے خوش ہو جاتا ہے۔

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا، ما نافیہ ہے اس کا معنی فعل سے انہیں روکنا ہے یعنی یہ چیز کوئی زیبا نہیں، یہ ان کے لیے تیار نہیں ہوتا، یہ ان کی قدرت کے تحت داخل نہیں کہ وہ اس کے درخت کو اگائیں کیونکہ وہ اس کی مثل سے عاجز ہیں کیونکہ اس سے مراد کسی شے کو عدم سے وجود کی طرف نکالنا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ استدلال بھی کیا جاتا ہے کہ کسی شے کی تصویر بنانا منع ہے، خواہ اس کی روح ہو یا نہ ہو، یہ مجاہد کا قول ہے اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی کرتا ہے: قال اللہ عزوجل ومن أظلم ممن ذھب یخلق خلقا کخلقی فلیخلقوا ذرۃ او لیخلقوا حبۃ او لیخلقوا شعیرۃ(1)، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس آدمی سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو میری تخلیق

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورۃ الحیوان وتحریم اتخاذ ما فیہ صورۃ، جلد 2، صفحہ 202

جیسی تخلیق بناتا ہے پس چاہیے وہ ایک چیونٹی کو بنائیں، دانہ بنائیں یا جو بنائیں۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' پھر اس حدیث کو ذکر کیا۔ تو یہ ارشاد مذمت، دھمکی اور تقبیح میں ہر اس فرد کو عام ہے جو کہ ایسی شے کی تصویر بناتا ہے جسے اللہ تعالیٰ بنائے اور اس شے کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہت اختیار کرے اللہ تعالیٰ جس کی تخلیق میں منفرد ہے۔ یہ کلام واضح ہے۔ جمہور بھی اس طرف گئے ہیں کہ اس چیز کی تصویر بنانا جائز ہے جس میں روح نہ ہو۔ یہ جائز ہے اور اس کے ساتھ روزی کمانا بھی جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس شخص سے فرمایا تھا جس نے آپ سے تصویر بنانے کے بارے میں پوچھا تھا: اگر تیرے لیے ان تصویروں کے بنانے کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو درختوں اور ایسی چیز کی تصویریں بناؤ جن میں روح نہیں۔ امام مسلم نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ منع کرنا بہتر ہے اس روایت کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ سورۂ سبا میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھر توبیخ کے طریقہ پر کہا: ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے جو اس امر پر اس کی مدد کرتا ہے؟ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ بلکہ وہ ایسی قوم ہیں جو غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حق اور میانہ روی سے اعراض کرتے ہیں یعنی وہ کفر کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الٰہ، مع کے ساتھ مرفوع ہے تقدیر کلام یہ ہے أمع اللہ ویلکم إلہ۔ مَّعَ اللّٰهِ پر وقف کرنا اچھا ہے۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا قرار، مستقر کے معنی میں ہے وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا، خلال کا معنی وسط ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ: فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ (الکہف) وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ اور اس سے مراد پہاڑ ہیں جو زمین کو روکے رکھتے ہیں اور حرمت سے منع کرتے ہیں۔ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا اس کی قدرت سے مانع تاکہ میٹھا، نمکین سے نہ مل جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حاجز کا معنی سلطان ہے، یعنی اپنی قدرت سے سلطان بنا دیا نہ یہ دوسرے کو تبدیل کرتا ہے نہ دوسرا پہلے کو تبدیل کرتا ہے۔ حجز کا معنی روکنا ہے ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ جب یہ ثابت ہے کہ اس پر کوئی غیر قادر نہیں تو وہ ان چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نفع و نقصان نہیں دیتے؟ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی گویا وہ اللہ تعالیٰ سے جاہل ہیں وہ اسے نہیں جانتے جس کے لیے وحدانیت ثابت ہے۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

''بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بے قرار کی فریاد جب وہ اسے پکارتا ہے اور (کون) دور کرتا ہے تکلیف کو اور

(کس نے) بنایا ہے تمہیں زمین میں (اگلوں کا) خلیفہ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تم بہت کم غور و فکر کرتے ہو۔ بھلا کون راہ دکھاتا ہے تمہیں بر و بحر کے اندھیروں میں اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے اپنی (باران) رحمت سے پہلے کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برتر ہے اللہ تعالیٰ ان سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔ بھلا کون ہے جو آغاز کرتا ہے آفرینش کا پھر دوبارہ پیدا کرے گا اسے اور کون ہے جو رزق دیتا ہے تمہیں آسمان سے اور زمین سے؟ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ فرمایئے: (اے مشرکو!) پیش کرو اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد سخت ضرورت والا ہے۔ سدی نے کہا: جس کے پاس کوئی حیلہ اور قوت نہیں۔ ذوالنون مصری نے کہا: جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا سے تعلقات ختم کر دیئے ہوں۔ ابو جعفر اور ابو عثمان نیشاپوری نے کہا: اس سے مراد مفلس ہے۔ سہیل بن عبد اللہ نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھائے تو اس کے پاس طاعت سے کوئی وسیلہ نہ ہو جن کو وہ پیش کرے ایک آدمی مالک بن دینار کے پاس آیا اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے لیے دعا کرنے میں مضطر ہو فرمایا: تو پھر اس سے سوال کر کیونکہ مضطر جب دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے۔ شاعر نے کہا:

وإنّي لأدعو الله والأمرُ ضَيِّقٌ عليّ فما ينفكُّ أن يتفرّجا
ورُبَّ أخٍ سُدَّتْ عليه وُجوهُهُ أصاب لها لما دعا اللهَ مَخْرَجا

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں جب کہ معاملہ مجھ پر تنگ ہے وہ چھٹنے والا نہیں۔ کتنے ہی بھائی ہیں جن پر راستے بند کر دیئے گئے جب اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس نے مخرج پا لیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ مسند ابی داؤد طیالسی میں ابو بکرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجبور کی دعا کے بارے میں فرمایا: "اے اللہ! تیری رحمت کی میں امید کرتا ہوں مجھے ایک لحہ بھی میرے سپرد نہ فرما اور میرے تمام معاملات کی اصلاح فرما تیرے سوا کوئی معبود نہیں" (1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ مجبور آدمی جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کرنے کی ضمانت اٹھائی ہے اپنے بارے میں اس امر کی خبر دی ہے اس میں سبب یہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں پناہ کی ضرورت اخلاص سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور غیر سے قلبی لگاؤ کے ختم ہونے میں جنم لیتی ہے۔ اخلاص کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا موقع اور شان ہوتی ہے۔ وہ مومن سے پایا جائے یا کافر سے، اطاعت شعار سے ہو یا فاجر سے ہو؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (2): حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ما یقول الرجل اذا اصبح، جلد 2، صفحہ 338
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 623

جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (یونس) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ (العنکبوت) ضرورت اور اخلاص کے وقت انہیں جواب دیا جب کہ اسے علم تھا کہ وہ شرک و کفر کی طرف لوٹ چلیں گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (العنکبوت:65) اللہ تعالیٰ مضطر کی دعا کو قبول کرتا ہے جب وہ اضطرار اور اخلاص کا مظاہرہ کر رہا ہوتا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''تین دعائیں قبول ہوتی ہیں ان میں کوئی شک نہیں مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والد جب اپنے بیٹے کے خلاف دعا کرے''۔ صاحب شہاب نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کے علاقہ کی طرف بھیجا: فرمایا ''مظلوم کی بددعا سے بچو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب نہیں''۔ شہاب کی کتاب میں ہے مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ اسے بادل پر سوار کیا جاتا ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ عرصہ بعد''۔ یہ روایت بھی صحیح ہے آجری حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت نقل کرتے ہیں: ''میں اسے واپس نہیں کرتا اگرچہ وہ کافر کے منہ سے نکلے'' (2)۔ مظلوم کی دعا کو قبول کرتا ہے کیونکہ اس کو اپنی ضرورت کے ساتھ اخلاص ہوتا ہے یہ سب کچھ اللہ کے کرم کے تقاضا کے مطابق ہوتا ہے اور اس کے اخلاص کو قبول کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اگرچہ کافر ہو اس طرح اگر وہ اپنے دین میں فاجر ہو فاجر کے فجور اور کافر کے کفر سے اس کے آقا (اللہ) کی مملکت میں کوئی نقص اور ضعف واقع نہیں ہوتا اور مضطر کے لیے جو وہ دعا قبول کرتا ہے اس میں کوئی مانع نہیں ہوتا مظلوم کی دعا اس کے ظالم کے خلاف کیسے قبول ہوتی ہے اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے چاہے تو اسے مغلوب کر دیتا ہے، اس سے بدلہ لیتا ہے یا اس پر کوئی اور ظالم مسلط کر دیتا ہے جو اس پر ظلم کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا (الانعام:129) اس کی دعا کے جلد قبول کرنے کو یوں مؤکد کیا۔ تحمل علی الغمام اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو معین فرماتا ہے کہ وہ مظلوم کی دعا کو لیں، اسے بادل پر رکھیں اور اس کے ساتھ آسمان کی طرف بلند ہو جائیں آسمان دعاؤں کا قبلہ ہے تاکہ تمام ملائکہ اسے دیکھ لیں۔ اس سے مظلوم کی معاونت ظاہر ہوتی ہے اور اس کی دعا کی قبولیت فرشتوں کی جانب سے اس کی سفارش ہوتی ہے۔ مقصد اس پر رحم کرنا ہوتا ہے۔ اس میں ظلم سے ڈرانا مقصود ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، اس کی معصیت اور اس کے امر کی مخالفت ہے جب اس نے اپنے نبی کی زبان سے فرمایا یہ حدیث صحیح مسلم اور دوسری کتب میں ہے۔ یا عبادی إنی حرمت الظلم علی نفسی وجعلته بینکم محرما فلا تظالموا (3)، اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے میں نے اسے تمہارے درمیان حرام کر دیا ہے تم باہم ظلم نہ کیا کرو۔ مظلوم مجبور ہے، مسافر اس کے قریب ہے کیونکہ وہ اپنے اہل اور

1۔ الترغیب والترہیب، باب الترھیب من الظلم و دعاء المظلوم، جلد 3، صفحہ 188 2۔ ایضاً

3۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب تحریم الظلم، جلد 2، صفحہ 319

وطن سے الگ تھلگ ہوتا ہے، دوست اور حمایتی سے الگ تھلگ ہوتا ہے اس کی اجنبیت کی وجہ سے اس کا دل کسی مددگار سے سکون نہیں پاتا۔ مولیٰ کی بارگاہ میں اس کی ضرورت سچی ہوتی ہے اور پناہ لینے میں وہ اخلاص کا مظاہرہ کرتا ہے مضطر آدمی جب دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ اسی طرح والد جب اپنے بیٹے کے بارے میں بددعا کرتا ہے وہ بددعا اس سے صادر نہیں ہوتی جب کہ والد کی اپنی اولاد پر شفقت و مہربانی معلوم و معروف ہے مگر اس وقت وہ بددعا کرتا ہے جب وہ کامل طور پر عاجز ہو جائے اور اس کی ضرورت میں صداقت ہو اور اپنے بیٹے کی طرف سے نیکی سے بالکل مایوس ہو جائے، جب کہ ساتھ ہی ساتھ اس کی طرف سے اذیت ہو پس اس صورت میں اس کی دعا کو جلد قبول کرنا ہی مناسب و موزوں ہے۔

وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ سوٗ کا معنی تکلیف ہے۔ کلبی نے کہا: اس کا معنی ظلم ہے۔ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ، خلفاء سے مراد مکین ہیں وہ ایک قوم کو ہلاک فرما دے اور دوسری کو پیدا فرما دے۔ کتاب نقاش میں ہے یعنی وہ تمہاری اولادوں کو تمہارا نائب بناتا ہے۔ کلبی نے کہا: کفار کا نائب بناتا ہے۔ مومن ان کی زمینوں میں جا کر فروکش ہوتے ہیں اور ان کے کفر کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ یہ توبیخ کے طریقہ پر کہا گویا فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے تم ہلاک ہو۔ اِلٰهٌ یہ مَّعَ کے ساتھ مرفوع ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ اضمار کے ساتھ مرفوع ہو تقدیر کلام یہ ہو گی أإلٰہ مع اللہ یفعل ذلك فتعبدوہ، مَّعَ اللّٰهِ پر وقف اچھا ہے۔

قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ابو عمرو، ہشام اور یعقوب نے یذکرون یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۝ (النحل) وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۝ (یونس) ماقبل اور مابعد کے بارے میں خبر دی۔ ابو حاکم نے اسے اختیار کیا ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے: ویجعلکم خلفاء الارض۔

اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ تمہاری سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرے۔ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ جب تم شہروں کی طرف سفر کرتے ہو تو تم رات اور دن میں ان کی طرف متوجہ ہوتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا: خشکی کے جنگلوں کو بنایا کہ ان کے راستوں کی کوئی علامت نہیں اور سمندر کی موجیں گویا وہ تاریکیاں ہیں کیونکہ ان میں کوئی علامت نہیں ہوتی جس کی مدد سے رہنمائی حاصل کی جاسکے۔

وَ مَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ، بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ سے مراد بارش سے پہلے۔ اس پر اہل تاویل کا اتفاق ہے ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ جو ایسا کرتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ اللہ تعالیٰ ان بتوں سے بلند و بالا ہے جن کو وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وہ اقرار کرتے ہیں کہ وہی خالق و رازق ہے۔ پس ان پر اعادہ کو لازم کیا۔ جب وہ ابتدا پر قادر ہے تو بدیہی بات ہے کہ وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے دوبارہ اٹھانا اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الٰہ بھی ہے جو پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے، پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور دوبارہ اٹھائے گا۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ کوئی دلیل لاؤ کہ واقعی میرا کوئی شریک ہے یا کوئی ایسی دلیل لاؤ جو اس امر کو ثابت کرے کہ ان اشیاء میں سے کسی

شے کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے بھی پیدا کیا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۣ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝

"آپ فرمائیے (خود بخود) نہیں جان سکتے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور وہ (یہ بھی) نہیں سمجھتے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا بلکہ گم ہو گیا ان کا علم آخرت کے متعلق بلکہ وہ تو اس کے بارے میں شک میں ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں"۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ بعض سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے غیب کو مخلوق سے مخفی رکھا کوئی اس پر مطلع (1) نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت کریمہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے برپا ہونے کے بارے میں سوال کیا۔ مَنْ محل رفع میں ہے معنی ہے کہہ دیجئے: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا۔ کیونکہ لفظ اللہ اسم جلالت مَنْ کا بدل ہے، یہ زجاج اور فراء کا قول ہے۔ اِلَّا کے مابعد کو رفع دیا کیونکہ اس سے ماقبل کلام منفی ہے جس طرح اس کا قول ہے ما ذهب احد الا ابوك معنی ایک ہی ہے۔ زجاج نے کہا: جس نے اس کو نصب دی ہے اس نے استثناء کے طور پر نصب دی ہے۔ نحاس نے کہا: جو آدمی منجم کی تصدیق کرتا ہے میں نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے سنا کہا: مجھے خوف آتا ہے کہ وہ آیت کی وجہ سے کفر کا ارتکاب کر رہا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بحث سورۃ الانعام میں مفصل گزر چکی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جس نے یہ گمان کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ کل کیا ہوگا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حجاج کے پاس ایک منجم آیا حجاج نے اسے روک لیا پھر کنکریاں لیں اور انہیں گنا پھر پوچھا: میرے ہاتھ میں کتنی کنکریاں ہیں؟ منجم نے حساب لگایا پھر کہا: اتنی۔ تو درست جواب دیا پھر اسے روک لیا کنکریاں لیں انہیں شمار نہ کیا پوچھا: میرے ہاتھ میں کتنی کنکریاں ہیں؟ اس نے حساب لگایا تو غلطی کی پھر حساب لگایا تو غلطی کی پھر اس نے کہا: اے امیر! میرا گمان ہے تو عدد کو نہیں جانتا۔ حجاج نے کہا: نہیں۔ نجومی نے کہا: تو پھر میں صحیح جواب نہیں دے سکتا۔ اس نے کہا: وجہ کیا ہے؟ نجومی نے کہا: اگر تو انہیں شمار کر لیتا تو یہ غیب کی حد سے نکل جاتا انہیں تو نے شمار نہیں کیا تو یہ غیب ہے قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ یہ بحث سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ یہ اکثر قراء کی قراءت ہے: ان میں عاصم، شیبہ، نافع، یحییٰ بن وثاب، اعمش، حمزہ اور کسائی

1۔ بے شمار غیب کے امور ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے چنے ہوئے بندوں کو آگاہ کیا تو یہ مراد درست ہوگی کہ اس کے بتائے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

ہے۔ ابوجعفر، ابن کثیر، ابوعمرو اور حمید نے بل اَدْرَكَ قراءت کی ہے یہ ادراک سے مشتق ہے۔ عطا بن یسار، اس کے بھائی سلیمان بن یسار اور اعمش نے اسے بل اَدَّرَكَ، ہمزہ کے بغیر اور مشدد پڑھا ہے۔ ابن محیصن نے بل أَادَّرَكَ استفہام کے طریقہ پر قراءت کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بلیٰ قراءت کی یعنی یاء کو ثابت رکھا۔ ادارك ہمزہ قطعی ہے دال مشدد ہے اس کے بعد الف ہے۔ نحاس نے کہا: اس کی اسناد صحیح ہے یہ شعبہ کی حدیث سے ہے جسے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک مرفوع نقل کرتے ہیں۔ ہارون قاری نے روایت نقل کی ہے: ابی کی قراءت بل تدارك علمھم ہے۔ ثعلبی نے حکایت کی ہے ابی کی قراءت میں أم تدارك ہے عرب ام کی جگہ بل اور بل کی جگہ ام رکھتے ہیں جب کلام کے شروع میں استفہام ہو۔ جس طرح شاعر کا قول ہے:

فوالله لا أدرى أسلمى تغولت　　أم القول أم كل إلى حبيب

یہاں ام کل، بل کل کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا: پہلی قراءت اور آخری قراءت کا معنی ایک ہی ہے۔ کیونکہ اذراك کا اصل تدارك ہے دال کو تاء میں ادغام کیا اور الف وصل کو لائے۔ اس کے معنی میں دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے بلکہ ان کا علم آخرت میں مکمل ہو گیا کیونکہ انہوں نے جب ہر چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا جن کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا تو اس کے متعلق ان کا علم مکمل ہو گیا۔ دوسرا قول یہ ہے معنی ہے آخرت کے بارے میں ان کا علم آج پے در پے ہے۔ انہوں نے کہا: وہ ہو گی اور انہوں نے کہا: نہیں ہو گی۔ اس کی دوسری قراءت میں بھی دو معنی ہیں (۱) اس کا معنی ہے آخرت میں کامل ہو گیا؛ یہ پہلے کی مثل ہے۔ مجاہد نے کہا: آخرت کے بارے میں ان کا علم احاطہ کرنے والا ہے، وہ اسے جانتے ہیں جب وہ اسے دیکھیں گے اس وقت اس کا علم انہیں کوئی نفع نہ دے گا، کیونکہ وہ دنیا میں جھٹلانے والے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ انکار کے طریقہ پر ہے؛ یہ ابو اسحاق کا مذہب ہے۔ اس قول کی صحت پر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اس کے بعد بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ یعنی ان کا علم آخرت کے علم کا احاطہ کرنے والا نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ ان کا آخرت کے بارے میں علم کم ہو گیا اور غائب ہو گیا ان کا اس میں کوئی علم نہیں۔ تیسری قراءت بل اذرك یہ بل اذارك کے معنی میں ہے۔ بعض اوقات افتعل اور تفاعل ایک ہی معنی میں ہوتے ہیں اس وجہ سے اذدوجوا کا لفظ صحیح ہوتا ہے جب وہ تزاوجوا کے معنی میں ہو۔ چوتھی قراءت: اس میں ایک ہی قول ہے: اس میں انکار کا معنی پایا جاتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: أأنا قاتلتك؟ تو معنی ہو گا اس نے ادراک نہ کیا؛ اسی کی طرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت لوٹتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بلى اذارك علمهم فى الآخرة یہ لم يدرك کے معنی میں ہے۔ فراء نے کہا: یہ اچھا قول ہے گویا بعث کے انکار والوں کی طرف استہزاء کو متوجہ کیا۔ جس طرح تیرا ایسے آدمی کے بارے میں قول جس کو تو جھٹلاتا ہے: بلى لعمرى قد أدركت السَّلَفَ فأنت تروى مالا أروى کیوں نہیں تو نے اسلاف کو پایا تو روایت کرتا ہے جو میں روایت نہیں کرتا جب کہ تو اس کو جھٹلا رہا ہوتا ہے۔ ساتویں قراءت: بل اذرك ہے لام پر فتحہ ہے فتحہ کی طرف۔ اس لیے عدول کیا ہے کیونکہ یہ خفیف ترین حرکت ہے۔ قطرب سے اس کی مثل قُمِ الَّيْلَ (المزمل: 2) میں مروی ہے، کیونکہ اس میں فتحہ کی طرف عدول کیا گیا ہے۔ اسی طرح وَبِعَ الثوب وغیرہ میں ہے۔ زمخشری نے کتاب

میں کہا: بل اأدَّرَكَ دو ہمزوں کے ساتھ اسے پڑھا گیا ہے اسی طرح بل آأدرك درمیان میں الف ہے بلی أأدرك، أم تدارك، أم أدَّرَكَ یہ بارہ قراءتیں ہیں۔ پھر قراءتوں کی صورتوں کی علتیں بیان کیں۔ کہا: اگر تو کہے بل أأدرك استفہام کے ساتھ قراءت کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا: یہ استفہام انکار کے طریقہ پر ہے ان کے علم کے ادراک کی وجہ سے۔ اسی طرح جس نے پڑھا ام ادرك اور أم تدارك کیونکہ یہ ام ہے جو بل اور ہمزہ کے معنی میں ہے۔ جس نے پڑھا بلی اأدرك استفہام کے طریقہ پر تو معنی ہوگا کیوں نہیں وہ شعور رکھتے ہیں کہ کب ان کو اٹھایا جائے گا؟ اس کے وقوع کے وقت ان کے علم کا انکار کیا۔ جب اس کے واقع ہونے کے وقت اس کے علم کا انکار کیا تو اس کے وقوع کے وقت کا شعور انہیں حاصل نہ ہوا کیونکہ کسی ہونے والی چیز کے وقت کا علم اس چیز کے ہونے کے علم کے تابع ہے۔ فِي الْاٰخِرَةِ یعنی آخرت کے متعلق۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا یعنی دنیا میں اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں: بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ بلکہ وہ اس کے بارے میں دل سے اندھے ہیں۔ اس کا واحد عمو ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عم ہے اصل میں عمیون تھا اجتماع ساکنین کی وجہ سے یاء کو حذف کیا گیا حرکت کے ثقیل ہونے کی وجہ سے حرکت دینا جائز نہیں۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

''اور کفار کہنے لگے: کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی تو کیا ہمیں (پھر) نکالا جائے گا۔ بے شک قیامت کے آنے کا وعدہ ہم سے بھی کیا گیا اور ہمارے باپ دادا سے بھی اس سے پہلے نہیں ہے یہ وعدہ مگر پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے''۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا یعنی مشرکین مکہ۔ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ نافع یہاں اور سورۂ عنکبوت میں اسی طرح قراءت کیا کرتے تھے۔ ابو عمرو نے دونوں استفہاموں کے ساتھ پڑھا ہے مگر ہمزہ میں تخفیف کی ہے۔ عاصم اور حمزہ نے دو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے مگر دونوں ہمزہ کو ثابت رکھتے ہوئے پڑھا ہے۔ دونوں صورتوں میں جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ سب ایک ہی ہے۔ کسائی، ابن عامر، رویس اور یعقوب نے ائنا دو ہمزوں کے ساتھ قراءت کی ہے۔ إننا دو نونوں کے ساتھ اس صورت میں خبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ سورۂ عنکبوت میں دو استفہاموں کے ساتھ ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: قراءت إذا كنا ترابا و آباؤنا ائنا لمخرجون خط کی موافقت، بہت اچھی ہے۔ ابو حاتم نے اس میں اس کے ساتھ معارضہ کیا ہے اور کہا یہ اس کے کلام کا معنی ہے۔ اذا استفہام نہیں آئنا استفہام ہے اس میں ان ہے تو یہ کیسے جائز ہے کہ وہ اس میں عمل کرے جو اس سے قبل استفہام کی حیز میں ہے؟ جب اس میں یہ استفہام ہو تو پھر یہ بہت ہی بعیدی صورتحال ہوگی جب اس کے بارے میں سوال ہو تو یہ اس وجہ سے مشکل ہوگا جو ہم نے ذکر کیا۔

ابو جعفر نے کہا: میں نے محمد بن ولید کو کہتے ہوئے سنا ہم نے ابو العباس سے قرآن کی آیت میں موجود ایک مشکل کے بارے میں سوال کیا وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ

مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝ (سبا) کہا اذا میں ینبئکم کا عمل محال ہے، کیونکہ وہ اس وقت انہیں آگاہ کرے گا۔ اگر اس میں ان کا مابعد اس میں عمل کرے تو معنی صحیح ہوگا اور لغت عرب میں غلط ہے کہ ان کا ماقبل اس کے مابعد میں عمل کرے یہ واضح سوال ہے۔ میری رائے تھی کہ اسے اس سورت میں ذکر کیا جائے جہاں یہ آیت ہے جہاں تک ابو عبید کا تعلق ہے تو وہ نافع کی قراءت کی طرف مائل ہوا ہے اور جنہوں نے دونوں استفہاموں کو جمع کیا ہے ان کا رد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران: 144) اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝ (الانبیاء) سے استدلال کیا ہے؛ یہ ابو عمرو، عاصم، حمزہ، طلحہ اور اعرج کا رد ہے۔ اس سے کوئی چیز لازم نہیں آتی اور آیت میں جو کچھ آیا ہے اس کے مشابہ بھی کوئی چیز نہیں دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ شرط اور اس کا جواب دونوں ایک شے کے قائم مقام ہیں۔ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ کا معنی ہے أفإن مِتَّ خلدوا اس کے مثل أزید منطلق ہے یہ نہیں کہا جاتا أزیدا منطلق کیونکہ یہ دونوں ایک چیز کے قائم مقام ہیں آیت اس طرح نہیں کیونکہ دوسرا جملہ مستقل جملہ ہے۔ اس میں استفہام درست ہے اور پہلا جملہ بھی مستقل کلام ہے اس میں بھی استفہام درست ہے۔ جس نے دوسرے سے استفہام کو حذف کیا اور پہلے میں ثابت رکھا تو اس نے پڑھا ائذا کنا ترابا و اباؤنا اننا دوسرے سے اسے حذف کر دیا کیونکہ کلام میں اس پر دلیل ہے جو انکار کے معنی میں ہے۔

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ سورۂ مومنون میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ انبیاء تحذیر میں مبالغہ کے لیے بعث کے معاملہ کو قریب کر کے پیش کرتے تھے ہر وہ چیز جو آنے والی ہو وہ قریب ہی ہوا کرتی ہے۔

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ۝۶۹ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَ لَا تَكُنْ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ ۝ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

”آپ فرمائیے: سیر و سیاحت کرو زمین میں، پھر اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ کیسا ہولناک انجام ہوا مجرموں کا (اے محبوب!) آپ غمزدہ نہ ہوں ان (کے رویہ) پر اور دل تنگ نہ ہوا کریں ان کے مکر و فریب سے۔ اور وہ پوچھتے ہیں کب (پورا ہوگا) یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو“۔

ان کافروں سے کہو: شام، حجاز اور یمن کے علاقوں میں گھومو، پھرو! اپنے دل اور آنکھوں سے دیکھو جو لوگ رسولوں کو جھٹلاتے ہیں ان کا انجام کیسے ہوا۔ اگر کفار مکہ ایمان نہیں لاتے تو غمگین نہ ہوں اور جو وہ کرتے ہیں ان پر تنگ دل نہ ہوں۔ یہ استہزاء کرنے والوں کے حق میں آیت نازل ہوئی جنہوں نے مکہ مکرمہ کے عذاب کے بارے میں قسم اٹھائی تھی۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا تھا اسے ضِیق کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ سورۂ نحل کے آخر میں بحث گزر چکی ہے۔ وہ کہتے ہیں: وہ کون سا وقت ہے جب ہم پر عذاب آئے گا کیونکہ ہم نے جھٹلایا ہے اگر تم سچے ہو؟

قُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ وَ اِنَّ رَبَّكَ

لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَ مَا مِنْ غَآىِٕبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾

''آپ فرمایئے: قریب ہے کہ تمہارے پیچھے آ گیا ہو اس عذاب کا کچھ حصہ جس کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو۔ اور بے شک آپ کا رب بہت فضل (وکرم) فرمانے والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ اور یقیناً آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور نہیں کوئی پوشیدہ چیز آسمان اور زمین میں مگر اس کا بیان کتاب مبین میں موجود ہے''۔

قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ تمہارے قریب آ گیا ہے بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ مراد عذاب ہے۔ عذاب قریب آ گیا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یہ ردفہ سے مشتق ہے جب وہ اس کی پیروی کرے اور اس کے پیچھے آئے۔ لام داخل ہوا ہے کیونکہ معنی ہے اقترب لهم و دنالکم یا یہ مصدر کے متعلق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے معکم تمہارے ساتھ۔ ابن شجرہ نے کہا: معنی ہے تبعکم اس سے ردف المرأة ہے عورت کا پٹھا کیونکہ یہ اس کا تابع ہوتا ہے۔ اس معنی میں ابوذویب کا قول ہے:

عاد السوادُ بياضاً فی مفارِقهِ لَا مَرحبًا ببياض الشَّيبِ إذ رَدِفَا

سیاہی اس کی مانگ میں سفیدی کی شکل میں لوٹ آئی بڑھاپے کی سفیدی کو کوئی خوش آمدید نہ ہو جب وہ اسے بعد میں لاحق ہو۔

جوہری نے کہا: وأردفه امر یہ ردفہ میں ایک لغت ہے جس طرح تبعہ واتبعہ دونوں کا معنی ایک ہے۔ خزیمہ بن مالک نہدی نے کہا:

إذا الجوزاءُ أردفتِ الثُّرَيَّا ظَننتُ بآل فاطمةَ الظُّنونَا

جب جوزاء ستارہ ثریا کو پیچھے سے آ کر ملا تو میں آل فاطمہ کے بارے میں گمانات کا شکار ہو گیا۔

یہاں فاطمہ بنت یذکر بن عنزہ مراد ہے جو قارظین میں سے ایک تھا۔ فراء نے کہا: رَدِفَ لَكُمْ تمہارے قریب ہو گیا۔ اسی وجہ سے کہا: لَكُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ردفہ اور ردف لہ دونوں ایک معنی میں ہیں لام تاکید کے لیے زائد ہے؛ فراء سے بھی یہ قول منقول ہے جس طرح تو کہتا ہے: نقدته، نقدت له، كلته، وزنته، كلت له، وزنت له اس کی مثل دوسرے افعال ہیں۔ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ مراد عذاب ہے جس کی تم جلدی مچاتے ہو یہ یوم بدر کو واقع ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد عذاب قبر ہے۔ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وہ سزا میں تاخیر کرتا ہے اور رزق میں فراخی پیدا کرتا ہے، اس پر فضل فرمانے والا ہے۔ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ وہ اس کے فضل اور نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتے۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ان کے سینے جس کو چھپائے ہوئے ہیں تیرا رب اسے جانتا ہے

اور جن امور کو وہ ظاہر کرتے ہیں اسے بھی جانتا ہے۔ ابن محیصن اور حمید نے ما تکنُ پڑھا ہے یہ کننت الشیء سے مشتق ہے جب تو اسے چھپائے۔ قصص میں ہے تقدیر کلام ہے تکن صدو رھم علیہ گویا سینوں میں جو چیز پوشیدہ ہے وہ باقی ماندہ جسم کی طرح ہے جس نے تُکِنَ پڑھا جب کہ یہی قراءت معروف ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اکننت الشیئ، جب تو اسے اپنے دل میں چھپائے۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ حضرت حسن بصری نے کہا: یہاں غائبہ سے مراد قیامت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آسمان اور زمین کے عذاب میں سے جو ان سے غائب ہے وہ مراد ہے؛ نقاش نے یہ بیان کیا ہے۔ ابن شجرہ نے کہا: غائبہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے پوشیدہ اور غائب رکھا ہے یہ عام ہے۔ غائبہ کے آخر میں ھاء داخل ہے یہ جمع کی طرف اشارہ ہے تو یہ لوگ جسے پوشیدہ رکھتے ہیں یا اس کا اظہار کرتے ہیں وہ کیسے اس پر مخفی ہوگا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر شے جسے ام الکتاب میں ثبت کیا ہے وہ اسے اجل مؤجل کے لیے نکالتا ہے۔ جس عذاب کی وہ جلدی مچاتے ہیں وہ بھی اجل مضروب ہے وہ وقت نہ پہلے ہوسکتا ہے نہ پیچھے ہوسکتا ہے۔ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا اس کو اس میں ثبت فرما دیا تاکہ ملائکہ میں سے جس کے بارے میں چاہتا ہے اس آگاہ کرے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

"بلاشبہ یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل کے سامنے اکثر ان امور (کی حقیقت) کو جن میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں اور بلاشبہ یہ قرآن سراپا ہدایت اور مجسم رحمت ہے مومنین کے لیے۔ یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان اپنے حکم سے اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا، سو آپ بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ پر۔ بے شک آپ روشن حق پر ہیں۔ بے شک آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو اور نہ آپ سنا سکتے ہیں بہروں کو اپنی پکار جب وہ بھاگے جا رہے ہوں پیٹھ پھیرے ہوئے۔ اور نہیں آپ ہدایت دینے والے (دل کے) اندھوں کو ان کی گمراہی سے نہیں سناتے آپ بجز ان کے جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں پر پھر وہ فرمانبردار بن جاتے ہیں"۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اس لیے کیونکہ انہوں نے بہت سی اشیاء میں اختلاف کیا یہاں تک کہ انہوں نے ایک دوسرے کو لعن طعن کیا معنی ہے یہ قرآن ان کے لیے ان چیزوں کو بیان فرماتا ہے جس میں انہوں نے اختلاف کیا اگر ان کا اس کے بدلہ میں مواخذہ کیا جائے۔ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں تورات و انجیل میں

سے جن میں انہوں نے تحریف کی اور ان کی کتابوں میں سے جو احکام ساقط ہو گئے وَ اِنَّهٗ لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ قرآن ہدایت اور مومنوں کے لیے رحمت ہے مومنوں کو خاص کیا کیونکہ وہ اس سے انتفاع کرنے والے ہیں۔ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ جن امور میں بنی اسرائیل اختلاف کرتے رہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان میں فیصلہ فرمائے گا۔ وہ حق پرست اور باطل پرست میں فیصلہ فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ان کے درمیان دنیا میں ہی فیصلہ فرما دے گا انہوں نے جو تحریف کی اللہ تعالیٰ اسے ظاہر فرما دے گا۔ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ وہ غالب ہے جس کا امر رد نہیں کیا جا سکتا اور اس پر کوئی شے مخفی نہیں۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اپنا امر اس کے سپرد کر دے اور اسی پر بھروسہ کر کیونکہ وہی تیرا مددگار ہے۔ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ تو ظاہر حق پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو صحیح کو جاننا چاہتا ہے اس پر وہ ظاہر کرنے والا ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى موتی سے مراد کفار ہیں کیونکہ انہوں نے تدبر کرنا چھوڑ دیا ہے وہ مردوں کی طرح ہے ان میں کوئی حس اور عقل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ان کفار کے بارے میں ہے جن کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ یعنی ایسے کفار کو دعوت نہیں سنا سکتے جو نصیحت قبول کرنے کے اعتبار سے بہروں کی طرح ہیں۔ جب انہیں بھلائی کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو اعراض کرتے ہیں اور منہ پھیر لیتے ہیں گویا وہ سنتے ہی نہیں۔ اس کی مثل صم بکم عمی ہے جس طرح بات پہلے گزر چکی ہے۔ ابن محیصن، حمید، ابن کثیر، ابن ابی اسحاق اور عباس نے ابو عمرو سے قراءت نقل کی ہے ولا یسمع یاء اور میم پر فتحہ ہے۔ الصم مرفوع ہونے کے اعتبار سے فاعل ہے۔ باقی قراء تسمع قراءت کرتے ہیں یہ أسمعت کا مضارع ہے اور الصم منصوب ہے۔

مسئلہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتی کا انکار کیا اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے مردوں کو اپنا کلام سنایا تھا آپ نے اس امر میں قیاس عقلی سے استدلال کیا ہے اور اس آیت پر وقوف کیا جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما أنتم بأسمع منهم (1) تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اس سے یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ بدر کا واقعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مردوں کی طرف ادراک کی صلاحیت کو لوٹایا ہو جن کی وجہ سے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقالہ سنا ہو اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سننے کی خبر نہ دیتے تو ہم اس ندا کو ان کافروں کے لیے توبیخ کے معنی پر محمول کرتے جو دنیا میں باقی تھے اور مومنوں کے دلوں کی شفا پر محمول کرتے۔

میں کہتا ہوں: امام بخاری رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ عبد اللہ بن محمد نے روح بن عبادہ سے سنا کہا ہم نے سعید بن ابی عروبہ سے انہوں نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت انس بن مالک نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم بدر کو قریش کے چوبیس سرداروں کے بارے میں حکم دیا تو انہیں بدر کے بے آباد کنوؤں میں سے ایک کنویں میں پھینک دیا گیا (2)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی قوم پر غلبہ حاصل کرتے تو وہاں تین دن قیام فرماتے جب بدر میں تیسرا دن تھا تو آپ نے سواری کو تیار کرنے کا حکم دیا تو اس پر کجاوا کس دیا گیا پھر آپ چلے اور آپ کے صحابہ آپ کے پیچھے تھے۔ انہوں نے کہا: ہمارا یہ خیال تھا کہ آپ کسی حاجت کے لیے چلے ہیں یہاں تک کہ آپ اس کنویں کے کنارے کھڑے ہو گئے

1۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 287

2۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ بدر، جلد 2، صفحہ 566

آپ انہیں ان کے ناموں اور ان کے آباء کے ناموں کے ساتھ پکارنے لگے: ''اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا تمہیں یہ بات خوش کرتی ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا ہم نے اسے حق پایا کیا تمہارے رب نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا ہے اس کو حق پایا ہے؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ ایسے جسموں سے گفتگو کر رہے ہیں جن میں روحیں نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! جو میں انہیں کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو''۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول سنایا مقصود انہیں شرمندہ کرنا، ان کی حقارت بیان کرنا، ان سے انتقام لینا، حسرت کا اظہار کرنا اور انہیں شرمندہ کرنا تھا۔ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ امام بخاری نے کہا: عبدہ، ہشام سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے ایک کنویں پر کھڑے ہوئے فرمایا: ''تمہارے رب نے جو وعدہ کیا کیا تم نے اس کو حق پایا ہے؟'' پھر فرمایا: ''آج وہ جان گئے ہوں گے کہ جو میں انہیں کہتا تھا وہ حق ہے''(1)۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی قراءت کی: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى یہاں تک کہ مکمل آیت پڑھی یہ آیت واقعہ بدر اور قبروں کو سلام کرنے کے معارض (2) ہے۔ اور ان روایات کے بھی معارض ہے جن میں یہ تصریح موجود ہے کہ روحیں بعض اوقات قبروں کے کنارے پر ہوتی ہیں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ میت جوتوں کی کھٹکھٹاہٹ کو سنتی ہے جب لوگ اس سے واپس جاتے ہیں اگر میت نہ سنے تو اس کو سلام نہ کیا جائے یہ امر واضح ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کیا ہے۔

وَمَاۤ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ، ضَلٰلَتِهِمْ سے مراد ان کا کفر ہے، یعنی آپ کی قدرت میں نہیں کہ آپ ان کے دلوں میں ہدایت کو تخلیق کریں۔ حمزہ نے اسے وما أنت تهدی العمی عن ضلالتهم پڑھا ہے جس طرح یہ آیت ہے اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ (یونس:43) باقی نے بهادی العمی پڑھا ہے۔ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ سورۂ روم میں اس کی مثل ہے سب نے اس سورت میں بِهٰدِی پر وقف کیا ہے اور روم میں یاء کے بغیر وقف کیا ہے اس میں مصحف کی اتباع کی ہے مگر یعقوب نے دونوں میں یاء پر وقف کیا ہے۔ فراء اور حاتم نے وما انت بهاد العمی پڑھنے کو بھی جائز قرار دیا ہے یہ اصل ہے۔ حضرت عبداللہ کی قراءت وما أنتَ تهدی العُمْیَ ہے۔ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا آپ انہیں ہی سناتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف انہیں سناتے ہیں جسے میں نے سعادت کے لیے پیدا کیا ہے وہ توحید میں مخلص ہیں۔

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ بدر، جلد 2، صفحہ 566

2۔ اگر یوں تعبیر کی جائے کہ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں جو اقوال ہیں وہ توجہ طلب ہیں اگر یہاں موتی حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی میں ہو تو آیت اور احادیث میں ظاہری تعارض باقی نہ رہے گا اور آیت کا ظاہر بھی مجازی معنی کی تائید کرتا ہے مراد جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں مجاز کا قاعدہ قرآن میں اکثر استعمال ہوا ہے۔ (مترجم)

كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

''اور جب ہماری بات کے ان پر پورا ہونے کا وقت آجائے گا تو ہم نکالیں گے ان کے لیے ایک چوپایہ زمین سے جو ان سے گفتگو کرے گا کیونکہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ اور جس روز ہم اکٹھا کریں گے ہر امت سے ایک گروہ جو جھٹلایا کرتا تھا ہماری آیتوں کو تو ان کو (اپنی اپنی جگہ پر) روک لیا جائے گا حتی کہ جب وہ آجائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم نے جھٹلایا میری آیتوں کو حالانکہ تم نے اچھی طرح انہیں جانا بھی نہ تھا یا اس کے علاوہ اور کیا تھا جو تم کیا کرتے تھے اور پوری ہوگی (اللہ کی) بات ان پر بوجہ ان کے ظلم کے تو وہ (اس وقت) بول سکیں گے نہیں، کیا انہوں نے غور نہ کیا کہ ہم نے بنایا ہے رات کو اس لیے تاکہ وہ اس میں آرام کریں اور بنایا ہے دن کو بینا، بے شک اس میں (ہماری قدرت کی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں''۔

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ علماء نے وقوع قول اور دابۃ میں اختلاف کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ کا معنی ہے ان پر غضب ثابت ہو جائے گا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: ان پر فیصلہ لازم ہو چکا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ نیکی کا حکم نہ دیں اور برائی سے نہ روکیں تو ان پر ناراضگی ثابت ہو جائے گی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وقوع قول سے مراد علماء کی موت ہے، علم کا ناپید ہونا اور قرآن حکیم کا اٹھ جانا ہے۔ حضرت عبد اللہ نے کہا: قرآن کے اٹھائے جانے سے پہلے قرآن کی تلاوت کثرت سے کرو۔ لوگوں نے عرض کی: یہ مصاحف اٹھا لیے جائیں گے تو لوگوں کے سینوں میں جو کچھ ہے وہ کیسے اٹھا لیا جائے گا؟ ان پر رات گزاری جائے گی تو صبح کے وقت وہ اس سے خالی ہو جائیں گے وہ لا الہ الا اللہ کو بھول جائیں گے۔ وہ دور جاہلیت کی باتوں اور ان کے اشعار میں واقع ہو جائیں گی یہ وہ وقت ہے جب ان پر فیصلہ واقع ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں: ابو بکر بزار نے اسے بیان کیا ہے عبد اللہ بن یوسف ثقفی، عبد المجید بن عبد العزیز سے وہ موسیٰ بن عبیدہ سے وہ صفوان بن سلیمہ سے وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں: اس گھر کی زیارت کثرت سے کرو قبل اس کے کہ اس کو اٹھا لیا جائے اور لوگ اس کی جگہ کو بھول جائیں اور قرآن کے اٹھائے جانے سے قبل اس کی تلاوت کثرت سے کیا کرو۔ ساتھیوں نے عرض کی: اے ابا عبد الرحمن! یہ مصاحف تو اٹھا لیے جائیں مگر لوگوں کے سینوں میں جو کچھ ہے وہ کیسے اٹھا لیا جائے گا؟ جواب دیا: وہ صبح کریں گے وہ کہیں گے: ہم ایک کلام کیا کرتے تھے اور ایک قول کیا کرتے تھے پھر دور جاہلیت کے شعر اور اس دور کی باتوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ یہ ہی وہ وقت ہے جب ان پر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قول سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ

(السجدہ: 13) وقوع قول سے مراد ان پر عقاب کو لازم کرنا ہے جب وہ لوگ اس حد تک جا پہنچیں گے کہ ان کی توبہ قبول نہ کی جائے اور ان کی کوئی مومن اولاد نہ ہو تو اس وقت قیامت برپا ہو جائے گی؛ قشیری نے اس کو ذکر کیا ہے۔

چھٹا قول یہ ہے: حضرت حفصہ بنت سیرین نے کہا: میں نے ابو العالیہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کی اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ہود: 36) تو گویا میرے چہرے پر پردہ تھا تو وہ پردہ ہٹا دیا گیا۔ نحاس نے کہا: یہ بہت اچھا جواب ہے کیونکہ لوگوں کا امتحان لیا جاتا ہے اور انہیں مہلت دی جاتی ہے کیونکہ ان میں مومن اور صالح لوگ ہوتے ہیں۔ بعض آدمیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ عنقریب ایمان لائیں گے اور توبہ کریں گے اسی لیے انہیں مہلت دی گئی اور ہم کو ان سے جزیہ وصول کرنے کا حکم دیا تھا۔ جب یہ امر زائل ہو گیا تو ان پر قول ثابت ہو گیا تو وہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح ہو گئے اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ہود: 36)

میں کہتا ہوں: تمام اقوال غور و فکر کی صورت میں ایک ہی معنی کی طرف لوٹتے ہیں اس پر دلیل آیت کا آخر ہے۔ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ اسے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ان بھی پڑھا گیا ہے یہ بحث عنقریب آئے گی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین چیزیں ایسی ہیں جب وہ ظاہر ہو جائیں گی تو کسی نفس کو اس کا ایمان کوئی نفع نہ دے گا جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا تھا یا اس نے ایمان کی حالت میں کوئی نیکی نہ کمائی تھی مغرب سے سورج کا طلوع ہونا، دجال کا ظاہر ہونا اور دابۃ الارض کا ظاہر ہونا'' (1)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ اس دابہ کی تعیین، اس کی صفت اور یہ کہاں سے ظاہر ہو گا اس میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کیا ہے ہم یہاں بھی اسے مفصل ذکر کریں گے۔

پہلا قول یہ ہے: اس سے مراد حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا بچہ ہے۔ اور یہ صحیح ترین قول ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کیونکہ ابو داؤد طیالسی نے اپنی مسند میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دابہ کا ذکر کیا فرمایا: ''وہ تین دفعہ زمانے سے نکلے گا وہ دور دراز کے دیہاتی علاقے سے نکلے گا اس کا ذکر قریہ یعنی مکہ مکرمہ تک نہیں پہنچے گا پھر وہ طویل زمانہ تک چھپ جائے گا پھر دوسری دفعہ مکہ مکرمہ سے پہلے سے قریب سے نکلے گا اس کا ذکر دیہاتی علاقوں میں عام ہو جائے گا اور اس کا ذکر مکہ مکرمہ میں داخل ہو جائے گا'' (2)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پھر اسی اثنا میں کہ لوگ سب سے بڑی مسجد میں ہوں گے اس کے خیر کی حرمت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے معزز مسجد مسجد حرام ہے لوگوں کو کسی چیز نے نہ ڈرایا مگر اس چیز نے کہ وہ دابہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان بلبلا رہا ہو گا وہ اپنے سر سے مٹی جھاڑ رہا ہو گا۔ لوگ ایک ایک اور جمعیتوں کی صورت میں اس سے بھاگ جائیں گے مومنوں کی ایک جماعت اپنی جگہ میں ٹھہری رہے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الزمن الذی لایقبل فیہ الایمان، جلد 1، صفحہ 88

2۔ در منثور، جلد 5، صفحہ 219

گی۔ وہ پہچان لیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکیں گے وہ ان سے شروع کرے گا وہ ان کے چہروں کو روشن کر دے گا یہاں تک کہ انہیں بنا دے گا گویا وہ روشن ستارہ ہو۔ وہ زمین میں گھومے پھرے گا کوئی طالب اسے نہیں پکڑ سکے گا اور کوئی بھاگنے والا اس سے نجات نہیں پائے گا یہاں تک کہ آدمی نماز پڑھ کر اس سے پناہ چاہے گا۔ وہ دابہ اس کے پاس اس کے پیچھے سے آئے گا وہ دابہ کہے گا: اب تو نماز پڑھتا ہے؟ وہ دابہ اس کے سامنے آئے گا اور اس کے چہرے پر نشان لگائے گا پھر چلا جائے گا۔ لوگ اموال میں شریک ہو جائیں گے اور شہروں میں صلح کریں گے مومن کافر سے پہچان لیا جائے گا یہاں تک کہ مومن کافر سے کہے گا: میرا حق ادا کرو'۔ اس حدیث میں دلیل کا محل کہ وہ اونٹ کا بچہ ہے وہ یہ قول ہے وھی ترغو وہ بلبلائے گا۔ رغاء یہ اونٹ کا ہی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کیا گیا تو اس کا بچہ بھاگ گیا تھا اس کے لیے ایک پتھر میں سوراخ بن گیا تو وہ اس پتھر کے اندر داخل ہو گیا پھر وہ پتھر اس پر مل گیا وہ بچہ اس پتھر میں ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ پتھر سے نکلے گا۔

روایت بیان کی گئی ہے: وہ ایسا جانور ہے جس کے جسم پر بہت زیادہ بال ہوں گے وہ پایوں والا ہو گا اس کی لمبائی ساٹھ ذراع ہو گی اسے کہا جائے گا: جساسہ؛ یہ حضرت عبداللہ بن عمر کا قول ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ انسان کی شکل میں ہو گا وہ بادلوں میں ہو گا اور اس کے پائے زمین میں ہوں گے۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی: وہ ہر حیوان کی خصوصیات کو جامع ہو گا۔ ماوردی اور ثعلبی نے کہا: اس کا سر بیل کے سر جیسا ہو گا، اس کی آنکھیں خنزیر کی آنکھ جیسی ہوں گی، اس کے کان ہاتھی کے کان جیسے ہوں گے، اس کی گردن شتر مرغ کی گردن جیسی ہو گی، اس کا سینہ شیر کے سینہ جیسا ہو گا، اس کا رنگ چیتے کے رنگ جیسا ہو گا، اس کی ڈھاک بلی کی ڈھاک جیسی ہو گی، اس کی دنب مینڈھے کی دنب جیسی ہو گی، اس کے پائے اونٹ کے پائیوں جیسے ہوں گے ہر دو جوڑوں کے درمیان بارہ ہاتھ ہو گی۔ زمخشری نے کہا: ذراع سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کا ذراع ہے۔ اس دابہ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان کی مہر ہو گی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے مسلمان کے چہرے پر سفید نشان لگائے گا تو اس کا چہرہ سفید ہو جائے گا اور کافر کے چہرے پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی مہر سے نشان لگائے گی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا؛ یہ حضرت ابن زہیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

کتاب نقاش میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: دابہ سے مراد وہ سانپ ہے جو کعبہ کی دیوار سے جھانک رہا تھا جسے عقاب نے اچک لیا تھا جب قریش نے کعبہ کو بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ ماوردی نے محمد بن کعب سے وہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں آپ سے دابہ کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے جواب دیا: خبردار! اللہ کی قسم! اس کی دنب نہ ہو گی جب کہ سانپ کی دنب ہوتی ہے۔ ماوردی نے کہا: اس قول میں ارشاد ہے کہ وہ انسانوں میں سے ہو گا اگرچہ اس کی تصریح نہیں کی گئی۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس لیے بعض متاخر مفسرین نے کہا: زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ دابہ انسان ہو کلام کرتا ہو اہل بدعت اور اہل کفر سے مناظرہ کرتا ہو اور ان سے جدل کرتا ہو تا کہ وہ ختم ہو کر رہ جائیں تا کہ جو ہلاک ہو تو وہ دلیل

سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے تو وہ دلیل سے زندہ رہے۔ ہمارے شیخ امام ابو العباس احمد بن عمر قرطبی اپنی کتاب المفھم میں کہتے ہیں: اس قائل کے نزدیک اقرب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تکلمھم اس تعبیر کی بنا پر یہ کوئی خاص نشانی نہ ہوگی جو خلاف عادت ہو اور یہ ان دس علامتوں میں سے بھی نہ ہو جن کا ذکر حدیث طیبہ میں ہے کیونکہ بدعتیوں کے خلاف مناظرہ کرنے والوں اور استدلال کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے یہ کوئی خاص نشانی نہیں اس لیے اسے دس علامات کے ساتھ ذکر کرنا مناسب نہیں اس کے وجود کی خصوصیت ختم ہوگئی جب قول واقع ہو گیا۔ پھر اس انسان جو مناظر ہے فاضل ہے اور اہل زمین پر عالم ہے اسے انسان کا نام دینے، عالم کا نام دینے یا امام کا نام دینے سے جو عدول کیا گیا یہاں تک کہ اس کا نام دابہ رکھا تو یہ فصحاء کی عادت کے خلاف ہے اور علماء کی تعظیم سے باہر نکلنا ہے یہ عقلاء کا طریقہ نہیں اولیٰ بات وہی ہے جو اہل تفسیر کا قول ہے اللہ تعالیٰ امور کے حقائق کے بارے میں زیادہ آگاہ ہے۔

میں کہتا ہوں: اس دابہ کے بارے میں اشکال کو وہ حدیث ختم کر دیتی ہے جو ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اس لیے اس پر بھروسہ کیجئے۔ کس جگہ سے یہ دابہ نکلے گا اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ مکہ مکرمہ میں جبل صفا سے نکلے گا صفا کا پہاڑ پھٹ جائے گا تو اس سے وہ دابہ نکلے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بھی یہی کہا ہے: اگر میں اس کے نکلنے کی جگہ اپنا قدم رکھنا چاہوں تو میں ایسا کر سکتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی یہ اسی طرح مروی ہے۔ زمین دابہ سے پھٹ جائے گی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہوں گے جب کہ ان کے ساتھ مسلمان سعی کی جگہ کی ایک طرف ہوں گے وہ دابہ صفا سے نکلے گا وہ مومن کی آنکھوں کے درمیان نشان لگائے گا کہ یہ مومن ہے وہ نشان ایسا ہوگا گویا وہ چمکتا موتی ہے کافر کی آنکھوں کے درمیان نشان لگائے گا کہ یہ کافر ہے۔ حدیث میں یہ مذکور ہے کہ وہ بالوں اور پروں والا ہوگا؛ مہدوی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ گھاٹی سے نکلے گا اس کا سر بادلوں سے مس کر رہا ہوگا اور اس کے پاؤں زمین میں ہوں گے وہ باہر نہیں نکلیں گے وہ دابہ نکلے گا جب کہ اس کے ساتھ عصا موسیٰ ہوگا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ تین دفعہ نکلے گا ایک دفعہ وہ جنگل سے نکلے گا پھر چھپ جائے گا پھر وہ دیہاتوں میں ظاہر ہوگا جن میں امراء آپس میں قتال کریں گے یہاں تک کہ خونریزی زیادہ ہو جائے گی ایک دفعہ وہ سب سے بڑی، سب سے معزز، سب سے شرف والی اور سب سے فضیلت والی مسجد سے نکلے گا۔ زمخشری نے کہا: وہ دار بنی مخزوم کے بالمقابل حجر اسود کے سامنے سے مسجد کی دائیں جانب سے نکلے گا کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوں گے اور کچھ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ قتادہ سے مروی ہے: وہ تہامہ سے نکلے گا۔ ایک روایت کی گئی ہے: وہ کوفہ کی مسجد سے نکلے گا جہاں سے حضرت نوح علیہ السلام کا تنور پانی سے ابل پڑا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ طائف سے نکلے گا۔ ابو قبیل نے کہا: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے طائف کی زمین پر پاؤں مارا اور فرمایا: یہاں سے وہ دابہ نکلے گا جو لوگوں سے کلام کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تہامہ کی ایک وادی سے نکلے گا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ شعب اجیاد کی ایک چٹان سے نکلے گا؛ یہ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

یہ بحر سدوم سے نکلے گا؛ یہ وہب بن منبہ کا قول ہے۔ ماوردی نے اپنی کتاب میں ان تین اقوال کا ذکر کیا ہے۔ امام بغوی ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز نے ذکر کیا کہ علی بن جعد، فضل بن مرزوق، رقاشی اغر (یحییٰ بن معین سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: وہ ثقہ ہے) وہ عطیہ عوفی سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ دابہ کعبہ کے سوراخ سے تین دن نکلے گا اور نکلنے میں اتنا تیز ہوگا جتنا گھوڑا تیزی سے دوڑتا ہے اس کا تہائی بھی باہر نہیں نکلے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ صحابہ اور تابعین کے اقوال ہیں جو دابہ کے نکلنے اور اس کی صفت کے بارے میں ہیں یہ مفسرین کے اس قول کو رد کر دیتے ہیں جس میں ہے کہ دابہ انسان ہے وہ کلام کرنے والا ہے وہ اہل بدعت اور اہل کفر سے مناظرہ کرے گا۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دابہ نکلے گا تو وہ لوگوں کی ناکوں پر نشان لگائے گا''۔ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے: تکلمھم یہ تاء کے ضمہ اور لام مشددہ مکسورہ کے ساتھ ہے۔ یہ کلام سے مشتق ہے، یہ عام قرأت ہے اور حضرت ابی کی قراءت اس پر دلالت کرتی ہے جو تنبئھم ہے۔ سدی نے کہا: وہ اسلام کے سوا تمام ادیان کے باطل ہونے کی کلام کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان سے ایسی کلام کرے گا جو ان کو پریشان کر دے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ان سے لکنت والی زبان سے کلام کرے گا وہ ایسی آواز سے کلام کرے گا جس کو قریبی اور بعیدی سب سنیں گے۔ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ وہ دابہ کے نکلنے پر یقین نہیں رکھتے کیونکہ دابہ کا نکلنا بھی آیات میں سے ہے وہ کہے گا: الا لعنة الله على الظالمين خبردار! ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ حضرت ابو زرعہ، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور ابو رجا نے تکلمھم تاء کے فتحہ کے ساتھ کلام کی ہے یہ کلم سے مشتق ہے جس کا معنی زخم ہے۔ عکرمہ نے کہا: یعنی وہ ان کو زخم لگائے گی۔ ابو جوزاء نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ یہ تُكَلِّمُهُمْ یا تَكْلِمُهُمْ ہے انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ ان سے کلام کرے گا اور ان کو زخم لگائے گا وہ مومن سے کلام کرے گا اور کافر و فاجر کو زخم لگائے گا۔ ابو حاتم نے تُكَلِّمُهُمْ جس طرح تو کہتا ہے تُجَرِّحُهُمْ یہ تعبیر اس طرف جاتی ہے کہ یہ تَكْلِمُهُمْ میں کثرت کو ظاہر کرنے کے لیے تفعیل کا وزن لاتے ہیں۔ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ کوفہ کے قراء، ابن ابی اسحاق اور یحییٰ نے ان ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اہل حرمین، اہل شام اور اہل بصرہ نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اِنَّ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: ہمزہ مفتوحہ میں دو قول ہیں اسی طرح ہمزہ مکسورہ میں دو قول ہیں۔ اخفش نے کہا: مراد بانّ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت بانّ ہی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس کا محل نصب ہے کیونکہ فعل اس پر واقع ہو رہا ہے تقدیر کلام یہ ہے تخبرهم أن الناس۔ کسائی اور فراء نے پڑھا اِنّ الناس یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اخفش نے کہا: یہ اس معنی میں ہے تقول إن الناس، الناس سے مراد کفار ہیں۔ بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ مراد قرآن اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ کافر سے ایمان قبول نہیں کرے گا اس دابہ کے نکلنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم میں مومن اور کافر ہی رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا فوج سے مراد جماعت ہے مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا آیات سے مراد قرآن ہے اور ہماری وہ علامات ہیں جو حق پر دال ہیں۔ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ انہیں حساب کی جگہ کی طرف دھکیل کر یا ہانک کر لے جایا جائے گا۔

شماخ نے کہا:

وكَمْ وَزَعْنَا من خَمِيسٍ جَحْفَلٍ

ہم نے کتنے ہی لشکروں کو دھکیلا۔

قتادہ نے کہا: یوزعون ان میں سے پہلے کو آخر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ تم میری ان آیات کو جھٹلاتے ہو جن کو میں نے اپنے رسولوں پر نازل کیا۔ اور ان آیات کو جھٹلاتے ہو جن کو میں نے اپنی توحید پر دلالت بنایا ہے۔ وَ لَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا تم نے ان آیات کے باطل ہونے کا از روئے علم کے احاطہ نہیں کیا یہاں تک کہ تم ان سے اعراض کرو بلکہ تم نے اس سے جاہل بنتے ہوئے استدلال کے بغیر جھٹلایا ہے۔ اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یہ تقریع و توبیخ ہے تم کس لیے عمل کرتے ہو جب تم اس میں بحث نہیں کرتے اور ان میں غور و فکر نہیں کرتے؟ وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا ان کے ظلم یعنی شرک کی وجہ سے ان پر عذاب واجب ہو گیا۔ فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ان کے لیے کوئی عذر اور حجت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور وہ کلام نہ کر سکیں گے؛ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ یعنی وہ قرار حاصل کریں اور سو جائیں۔ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا وہ رزق کے حصول کے لیے اس میں دیکھتا ہے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اپنی الوہیت اور قدرت پر دلیل ذکر کی یعنی کیا وہ ہماری کمال قدرت کو نہیں جانتے کہ وہ ایمان لاتے۔

وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ۝ وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ۝ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ هُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ۝ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''اور جس دن پھونکا جائے گا صور تو گھبرا جائے گا ہر کوئی جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے مگر جنہیں خدا نے چاہا (وہ نہیں گھبرائیں گے) اور سب حاضر ہوں گے اس کی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہوئے اور تو جب (اس روز) پہاڑوں کو دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ یہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے بادل کی سی چال، یہ کاریگری ہے اللہ کی جس نے (اپنی حکمت سے) مضبوط بنایا ہر چیز کو، بے شک وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ جو شخص نیک عمل لے کر آئے گا تو اسے کہیں بہتر اجر ملے گا اس نیک عمل سے اور یہ نیک بندے اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔ اور جو برائی لے کر آئے گا تو ان کو منہ کے بل اوندھا پھینک دیا جائے گا آگ میں (اے بدکارو!) کیا تمہیں بدلہ ملے گا بجز اس کے جو تم عمل کیا کرتے تھے''۔

وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ یوم سے پہلے اذکر هم یاذ کر هم فعل محذوف ہے۔ فراء کا مذہب ہے کہ معنی ہے ذلکم یوم ینفخ فی الصور اس میں حذف جائز ہے۔ صور میں صحیح یہ ہے کہ نور کا ایک قرن ہے جس میں حضرت اسرافیل پھونکیں گے۔ مجاہد نے کہا: یہ بوق کی شکل کا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یمن کی زبان میں صور کا معنی بوق ہے۔ سورۂ انعام میں اس کی وضاحت اور علماء کا نقطہ نظر گزر چکا ہے۔

فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جب آسمانوں کی تخلیق سے فارغ ہوا تو اس نے صور کو پیدا کیا اور حضرت اسرافیل کو دے دیا۔ وہ اسے اپنے منہ پر رکھے ہوئے ہیں اور اپنی نظر عرش کی طرف لگائے ہوئے ہیں وہ انتظار کر رہے ہیں کہ کب اسے پھونکنے کا حکم ملتا ہے'' (1)۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! صور کیا ہے؟ فرمایا: ''اللہ کی قسم! وہ عظیم سینگ ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اس کے دائرہ کا پھیلاؤ آسمان و زمین کی چوڑائی جتنا ہے اس میں تین دفعہ پھونکا جائے گا پہلا نفخہ فزع ہے (۲) نفخہ صعق (۳) اللہ تعالیٰ کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا نفخہ'' حدیث کا ذکر کیا؛ اسے علی بن معبد، طبری، ثعلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن عربی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ میں نے کتاب ''التذکرہ'' میں ذکر کیا ہے اور وہاں ہم نے اس کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ صور میں نفخہ میں اصل یہ ہے کہ نفخے دو ہیں تین نہیں ہیں۔ نفخہ فزع سے مراد نفخہ صعق ہی ہے کیونکہ وہ دونوں امر اس کو لازم ہیں وہ سخت گھبرائیں گے اور اس سے مر جائیں گے یا یہ نفخہ بعث کی طرف راجع ہے؛ یہ امام قشیری اور دوسرے علماء کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ کیونکہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے یہ کہا ہے: مراد نفخہ ثانیہ ہے وہ گھبرائے ہوئے راندہ ہوں گے وہ کہیں گے مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا (یٰسین: 52) وہ ایسے امر کو دیکھیں گے جو انہیں خوفزدہ کر دے گا۔ یہ نفخہ بوق کی آواز کی طرح ہوگا تاکہ تمام مخلوق جزا کے میدان میں جمع ہو جائے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ماوردی نے کہا: وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ یہ قبروں سے اٹھنے کا دن ہے۔ کہا: اس فزع میں دو قول ہیں (۱) ندا کی طرف جلدی کرنا اور اس پر لبیک کہنا، یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے فزعت الیك فی کذا تیری مدد کے لیے میں نے تیری آواز کی طرف جلدی کی (۲) یہاں فزع سے مراد خوف اور حزن کا معہود و معروف فزع ہے، کیونکہ انہیں ان کی قبروں میں پریشان کیا گیا وہ گھبرا گئے اور خوفزدہ ہو گئے؛ یہ دونوں قولوں میں سے زیادہ مناسب ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی احادیث سے ثابت ہونے والی سنت دلالت کرتی ہے کہ دو نفخے ہیں تین نفخے نہیں۔ امام مسلم نے ان دونوں احادیث کو نقل کیا ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کیا ہے۔ انشاء اللہ صحیح یہی ہے کہ نفخے دو ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (الزمر: 68) یہاں استثناء کی ہے جس طرح نفخہ فزع میں استثناء کی ہے یہ اس امر پر حال ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں۔ ابن مبارک نے حضرت حسن بصری سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ پہلے نفخہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو موت دے دے گا اور دوسرے نفخہ کے ساتھ

1۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 25

اللہ تعالیٰ ہر مردہ کو زندہ کر دے گا''۔ اگر یہ قول کیا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان: یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ (النازعات) سے لے کر زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ (النازعات) اس کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ تین نفخے ہیں۔ اسے کہا جائے گا: اس طرح معاملہ نہیں۔ زجرہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے جس کے واقع ہونے پر تمام مخلوق قبروں سے باہر آجائے گی۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، عطا، ابن زید وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ مجاہد نے کہا: دو نفخے ہیں جہاں تک پہلے نفخہ کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ ہر چیز کو موت عطا کر دے گا جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہر چیز کو زندہ کر دے گا۔ عطا نے کہا: الراجفة سے مراد قیامت ہے اور الرادفة سے مراد بعث ہے۔ ابن زید نے کہا: الراجفة سے مراد موت ہے اور الرادفة سے مراد قیامت ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ اس مستثنیٰ میں اختلاف کیا گیا ہے وہ کون ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ''مراد شہداء ہیں ان کے رب کے ہاں انہیں رزق دیا جاتا ہے فزع زندوں کو ہی لاحق ہوتا ہے''۔ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے مراد وہ شہداء ہیں جو عرش کے اردگرد گلے میں تلواریں لٹکائے ہوئے ہیں۔ قشیری نے کہا: مراد انبیاء ہیں جو ان کی جماعت میں شامل ہیں؛ کیونکہ ان کے لیے نبوت کے ساتھ شہادت بھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فرشتے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: فرشتوں کی کچھ جماعتوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو دو نفخوں کے درمیان مریں گے۔ مقاتل نے کہا: مراد حضرت جبریل امین، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور ملک الموت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حورعین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومنین ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ہمارے بعض علماء نے کہا: صحیح یہ ہے کہ ان کی تعیین میں خبر صحیح وارد نہیں سب محتمل ہے۔

میں کہتا ہوں: اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مخفی رہی جس کی تصحیح قاضی ابوبکر بن عربی نے کی یا چاہیے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے، کیونکہ وہ تعیین میں نص ہے اور باقی سب اجتہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کے علاوہ کا ذکر سورۂ زمر میں آئے گا۔ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ یہ فعل ماضی ہے اور يُنْفَخُ مستقبل ہے۔ تو یہ سوال کیا جائے گا فعل ماضی کا عطف فعل مستقبل پر کیسے کیا گیا ہے؟ فراء نے گمان کیا ہے: یہ معنی پر محمول ہے کیونکہ معنی بنتا ہے إذا نفخ في الصور ففزع اور من شاء اللہ یہ استثناء کے طور پر منصوب ہے۔

وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ابو عمرو، عاصم، کسائی، نافع، ابن عامر اور ابن کثیر نے اسے آتوہ پڑھا ہے انہوں نے اسے فعل مستقبل یعنی اسم فاعل کا صیغہ بنایا ہے۔ اعمش، یحییٰ، حمزہ اور حفص نے عاصم سے وکل اتوہ ہمزہ پر زبر مد کے بغیر فعل ماضی کا صیغہ پڑھا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے بھی اسی طرح قراءت کی ہے۔ قتادہ سے مروی ہے: وکل أتاہ داخرین۔ نحاس نے کہا: میری کتاب جو ابو اسحاق سے قراءت میں مروی ہے اس میں ہے جس نے پڑھا وکل اتوا واحد کا صیغہ لفظ کل کے اعتبار سے ہے اور جس نے اسے آتوہ جمع کا صیغہ پڑھا ہے انہوں نے معنی کا اعتبار کیا ہے۔ یہ قول غلط اور قبیح ہے، کیونکہ جب کہا: وکل اتوہ یہ واحد کا صیغہ نہیں یہ جمع کا صیغہ ہے اگر واحد کا صیغہ ہوتا تو فرمان ہوتا أتاہ لیکن جس نے کہا: اتوہ یہ جمع کا صیغہ ہے معنی کا

اعتبار کیا ہے اور ماضی کا صیغہ آیا ہے کیونکہ اس نے اسے فزع کی طرف لوٹایا ہے اور جس نے پڑھا: وکل آتوہ اس نے بھی معنی پر محمول کیا اور کہا: آتوہ یہ ایسا جملہ ہے جو یہاں سے منقطع ہے۔ ابن نصر نے کہا: ابواسحاق سے وہ مروی ہے جو انہوں نے کہا یہی ابواسحاق کی نص ہے وکل أتوہ داخرین اور وہ قراءت کرتے ہیں آتوہ جس نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ وہ کل کے لفظ کا اعتبار کرتے ہیں اور جس نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے تو وہ معنی کا اعتبار کرتے ہیں وہ اس سے یہ ارادہ کرتے ہیں کہ قرآن حکیم اور دوسری چیزوں میں جو کل کی خبر واحد ذکر کی گئی ہے وہ کل کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ہے اور جمع کی صورت میں خبر معنی کے اعتبار سے ہے۔ ابوجعفر نے یہ معنی اخذ نہیں کیا۔ مہدوی نے کہا: جس نے وکل اتوہ داخرین قراءت کی ہے تو وہ اتیان سے فعل ہے اور کل کے معنی کا اعتبار کیا ہے لفظ کا اعتبار نہیں کیا۔ جس نے وکل آتوہ داخرین تو وہ اتی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۞ (مریم) جس نے پڑھا: وکل أتاہ اس نے کل کے لفظ پر محمول کیا ہے معنی کا اعتبار نہیں کیا۔ دٰخِرِيْنَ یہ معنی پر محمول ہے اس کا معنی صاغرین ہے ذلیل ورسوا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ سے مروی ہے سورۂ نحل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جامدۃ سے مراد ہے ٹھہرے ہوئے جب کہ وہ تیزی سے چل رہے ہیں۔ قتبی نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ پہاڑ بہت زیادہ ہیں اور انہیں چلایا جاتا ہے آنکھ کے دیکھنے میں وہ کھڑے ہیں جب کہ وہ چل رہے ہیں اسی طرح ہر عظیم شے اور جمع کثیر ہوتی ہے آنکھ جس سے قاصر ہوتی ہے کیونکہ وہ بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اس کی اطراف میں بہت دوری ہوتی ہے۔ وہ دیکھنے والے کے گمان میں واقف کی طرح ہوتے ہیں جب کہ وہ چل رہے ہوتے ہیں۔ نابغہ نے لشکر کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا:

بِأَرْعَنَ مثلِ الطَّودِ تَحسبُ أنّهمْ وُقوفٌ بحَاجٍ والرِّكَابُ تُهمْلِجُ

ارعن کے مقام پر بڑے ٹیلے کی مانند تو انہیں گمان کرے گا کہ یہ حج کا وقوف ہے اور اونٹ نرم اور تیز چال چل رہے ہیں۔

قشیری نے کہا: یہ یوم قیامت ہے یعنی وہ کثرت کی وجہ سے محسوس ہوتا ہے۔ وہ جامد ہیں آنکھ کے دیکھنے میں کھڑے ہیں اگرچہ وہ بادل کے چلنے کی طرح تیزی سے چل رہے ہیں۔ تیرے بادلوں کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ وہ ٹھہرے ہوئے ہیں جب کہ وہ چل رہے ہیں وہ بادل کے گزرنے کی طرح گزر جاتے ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی باقی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۞ (النباء)

یہ جملہ کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کی مختلف صفات بیان کی ہیں پس اس امر کی طرف لوٹتی ہیں کہ انہیں زمین کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے اور جن چیزوں کو یہ پوشیدہ کیے ہوتے تھے ان کو یہ ظاہر کرتے ہیں؛ ان صفات میں سے پہلی صفات ان کا باہم ٹکرانا اور ریزہ ریزہ ہونا ہے یہ زلزلہ سے قبل ہوگا۔ پھر وہ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے یہ اس وقت ہوگا جب آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جمع کیا فرمایا: يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۞ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۞ (المعارج) تیسری حالت یہ ہے کہ وہ باریک ذرات کی طرح ہو جائیں گے۔ پہلے وہ دھنکی ہوئی

روئی کی طرح تھے پھر وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ چوتھی حالت یہ ہے کہ انہیں اڑا دیا جائے گا کیونکہ احوال متقدمہ کے باوجود وہ اپنی حد پر قائم ہوں گے زمین اس کے نیچے ظاہر نہ ہو گی زمین سے ان پہاڑوں کو اڑا دیا جائے گا تاکہ وہ ظاہر ہو جائے جب انہیں اڑایا جائے گا تو ہواؤں کو ان پر بھیجا جائے گا۔ پانچویں حالت یہ ہوئی کہ ہوائیں پہاڑوں کو روئے زمین سے اٹھا لیں گی اور ہوا میں شعاع کی حیثیت سے انہیں ظاہر کریں گی گویا وہ غبار ہیں۔ جو آدمی دور سے انہیں دیکھے گا تو اس غبار کے گھنا ہونے کی وجہ سے جامد جسم خیال کرے گا۔ وہ حقیقت میں چل رہے ہوں گے مگر ان کا چلنا ہواؤں کے اوپر سے ہو گا، گویا وہ ریزہ ریزہ ہو چکے ہیں اور ان کے اجزاء بکھر چکے ہوں گے۔ چھٹی حالت یہ ہے کہ وہ سراب ہوں جو آدمی ان کی جگہوں کو دیکھے گا تو ان میں سے کوئی چیز نہیں دیکھے گا گویا وہ سراب ہو۔ مقاتل نے کہا: وہ پہاڑ زمین پر واقع ہوں گے تو ان کے ساتھ زمین کو برابر کر دیا جائے گا۔ پھر ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بھی ایک مثال ہے۔ ماوردی نے کہا: ضرب الامثال کے بارے میں تین اقوال ہیں (۱) یہ ضرب المثل ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال دی ہے اسے دیکھنے والا گمان کرتا ہے کہ وہ اپنی جگہ کھڑی ہے جس طرح پہاڑ۔ یہ زوال میں سے اپنا حصہ لے رہی ہوتی ہے جس طرح بادل ہیں، یہ سہیل بن عبداللہ کا قول ہے (۲) یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی بیان کی ہے تو اسے دل میں ثابت گمان کرتا ہے جب کہ اس کا عمل آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہوتا ہے (۳) یہ مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے نفس کی بیان فرمائی ہے جب روح نکلتی ہے اور روح عرش کی طرف جا رہی ہوتی ہے صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ یہ اللہ تعالیٰ کا عمل ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا عمل ہوتا ہے وہ بڑا مضبوط ہوتا ہے۔ تَرَى یہ آنکھ کی رؤیت ہے۔ اگر یہ دل کی رؤیت ہوتی تو فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا یہ اصل میں ترأی ہے ہمزہ کی حرکت راء کو دی را متحرک ہو گئی اور ہمزہ کو حذف کر دیا یہ ہمزہ میں تخفیف کا قاعدہ ہے جب اس کا ماقبل ساکن ہو۔ ورنہ تری کو تخفیف لازم ہوتی۔ اہل کوفہ تحسَبها پڑھتے ہیں یعنی سین پر فتحہ ہے یہی قیاس ہے کیونکہ حَسِبَ یَحْسَبُ سے مشتق ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے برعکس مروی ہے۔ مگر مضارع میں کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے اس وقت یہ فَعِلَ یَفْعِلُ سے مشتق ہے جس طرح نَعِمَ یَنْعِمُ، بَئِسَ یَبْئِسُ اسی طرح یَئِسَ یَبْئِسُ ہے سالم سے نَعِمَ یَنْعِمُ ہے۔ ان حروف کے علاوہ کلام عرب میں یہ باب معروف نہیں۔

وَّ هِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ تقدیر کلام یہ ہے مر مثل مر السحاب صفت کو موصوف کے قائم مقام رکھا اور مضاف کو مضاف الیہ کے قائم مقام رکھا۔ پہاڑوں کو روئے زمین سے اپنی جگہ سے زائل کر دیا جائے گا، انہیں جمع کیا جائے گا اور انہیں چلایا جائے گا جس طرح بادلوں کو چلایا جاتا ہے پھر انہیں توڑا جائے گا اور وہ زمین کی طرف لوٹ آئیں گے۔ جس طرح فرمایا:

وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ (الواقعہ)

صُنْعَ اللّٰهِ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک مفعول مطلق کے طور پر منصوب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّ هِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ اس پر دال ہے کہ اس نے یہ کام کیا۔ اغراء کے طریقہ پر نصب دینا بھی جائز ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت کو دیکھو۔ اس تعبیر کی بنا پر السَّحَابِ پر وقف کیا جائے گا اور پہلی تقدیر کی بنا پر اس پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ اس تقدیر کی بنا پر صُنْعَ اللّٰهِ پر رفع جائز ہے۔

الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ كُلَّ شَیۡءٍ اس نے ہر شے کو محکم کر دیا۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: رحم اللہ من عمل عملا فاتقنه۔ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو عمل کرے تو اسے پختہ کرے (1)۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے ہر چیز سے اچھا۔ اتقان کا معنی پختہ کرنا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے رجل تقن ایسا آدمی جو اشیاء کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو۔ زہری نے کہا: اصل میں یہ ابن تقن ہے، یہ قوم عاد کا ایک آدمی تھا اس کا کوئی تیر ضائع نہ گرتا تو مثال بیان کی گئی؛ یہ جملہ کہا جاتا ہے: أرمی من ابن تقن۔ وہ ابن تقن سے بھی زیادہ تیر انداز ہے۔ پھر ہر وہ آدمی جو اشیاء کا ماہر ہوتا ہے اس کے لیے تقن کا لفظ استعمال کیا جاتا۔ اِنَّهٗ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَفۡعَلُوۡنَ تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ جمہور کی قراءت ہے۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور ہشام نے یاء کے ساتھ قراءت کی ہے۔

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیۡرٌ مِّنۡهَا حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حسنہ سے مراد لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ ابو معشر نے کہا: ابراہیم قسم اٹھایا کرتے تھے باللہ الذی لا الہ الا ھو۔ وہ یہ استثناء نہیں کرتے تھے کہ نیکی لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ہے۔ حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے کہا: ایک آدمی نے غزوہ میں شرکت کی جب وہ کسی جگہ تنہا ہوتا تو کہتا: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ اسی اثنا میں کہ وہ روم کے علاقہ میں جلفاء اور بردی کے علاقہ میں تھا اس نے بلند آواز سے کہا: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ تو ایک آدمی اس پر ظاہر ہوا جو گھوڑے پر سوار تھا جس کے جسم پر سفید لباس تھا۔ اس نے اسے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں اس کی جان ہے! یہ کلمہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیۡرٌ مِّنۡهَا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا: "اللہ سے ڈرو جب تو کوئی برا عمل کرے تو اس کے بعد اچھا عمل بھی کر لے جو اس برائی کو مٹا دے"۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا بھی حسنات میں سے ہے؟ فرمایا: "یہ افضل حسنات میں سے ہے"۔ ایک روایت میں ہے: "ہاں یہ بہترین نیکی ہے"۔ بیہقی نے اسے ذکر کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے جس نے اخلاص اور توحید کے ساتھ اچھا عمل کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے جو تمام فرائض ادا کرے۔

میں کہتا ہوں: جب وہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو ایک حقیقت اور جو اس کی وجہ سے چیزیں لازم ہوتی ہیں ان کو لاتا ہے جس طرح سورۂ ابراہیم میں گزر چکا ہے تو وہ توحید، اخلاص اور فرائض کو لانے والا ہے۔ اس کے لیے خیر ہے فَلَهٗ خَیۡرٌ مِّنۡهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس تک اس کی بھلائی پہنچے گی، یہ مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے خوبصورت جزا ہے وہ جنت ہے۔ یہاں خَیۡرٌ کا کلمہ اسم تفضیل کا نہیں ہے۔ عکرمہ اور ابن جریج نے کہا: جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس کے لیے اس سے خیر ہو تو ایسا نہیں کیونکہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے بہتر کوئی چیز نہیں لیکن اس کے لیے اس کی خیر ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَلَهٗ خَیۡرٌ مِّنۡهَا یہاں خیر اسم تفضیل کا صیغہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا بدلہ بندے کے عمل، اس کے قول اور اس کے ذکر سے بہتر ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رضا بندے کے لیے بندے کے عمل سے بہتر ہو گی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کئی گنا کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک کے بدلہ میں دس گنا عطا فرماتا ہے اور

1۔ الترغیب والترہیب، کتاب التوبہ والزھد، جلد 4، صفحہ 111

تھوڑی مدت کے ایمان کے بدلہ میں ابدی ثواب عطا فرماتا ہے؛ یہ محمد بن کعب اور عبد الرحمن بن زید کا قول ہے۔

وَ هُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ عاصم، حمزہ اور کسائی نے فزع یومئذ اضافت کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے کہا: یہ میرے لیے زیادہ تعجب کا باعث ہے کیونکہ یہ دونوں تاویلوں کو عام ہے کہ اس روز تمام قسم کے خوفوں سے امن ہوگا۔ جب کہا: من فزع یومئذ گویا وہ ایسی فزع ہے جو فزع در فزع سے کم ہے۔ قشیری نے کہا: اسے من فزع تنوین کے ساتھ پڑھا، پھر یہ کہا گیا: اس سے مراد ایک گھبراہٹ ہے، جس طرح فرمایا: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ (الانبیاء: 103) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کثرت ہے کیونکہ یہ مصدر ہے اور مصدر کثرت کی صلاحیت رکھتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر دونوں قرائتیں ایک معنی میں ہیں۔ مہدوی نے کہا: جس نے من فزع یومئذ تنوین کے ساتھ پڑھا اس نے یومئذ کو فزع مصدر سے نصب دی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ فزع کی صفت ہو اور محذوف کے متعلق ہو، کیونکہ مصادر کی خبر اسماء زمان کے ساتھ لگائی جاتی ہے اور ان کے ساتھ صفت لگائی جاتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اسم فاعل کے متعلق ہو جو آمنون ہے۔ اور ظروف میں اضافت بطور مجاز ہوتی ہے جس نے تنوین کو حذف کیا اور میم کو فتحہ دیا تو اس نے اسے مبنی قرار دیا کیونکہ یہ ظرف زمان ہے ظرف زمان میں اعراب معرب کا نہیں ہوتا، جب یہ غیر منصرف کی طرف مضاف ہو یا غیر معرب کی طرف مضاف ہو تو یہ مبنی ہو جاتا ہے۔ سیبویہ نے یہ شعر پڑھا۔

علی حینَ اَلْهَی النَّاسَ جُلُّ اُمُورِهم

جب لوگوں کو ان کے بڑے بڑے امور نے غافل کر دیا۔

محل استدلال حین ہے۔

وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ، سیئہ سے مراد شرک ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام نخعی، حضرت ابو ہریرہ، مجاہد، قیس بن سعد اور حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ اہل تاویل کی جانب سے یہ اجماع ہے کہ حسنہ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور سیئہ سے مراد شرک ہے یہی اس آیت میں تعبیر ہے۔ **فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں پھینک دیا جائے گا۔ ضحاک نے کہا: انہیں پرے پھینکا جائے گا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کببت الاناء میں نے برتن کو اس کے منہ کے بل الٹ دیا۔ اس سے لازم رکب ہے۔ کلام عرب میں بہت ہی کم واقع ہوا ہے۔

هَلْ تُجْزَوْنَ انہیں کہا جائے گا: تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا۔ پھر جائز ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہو اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ مگر تمہیں اپنے اعمال کی جزا۔

اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ؗ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ﴿۹۱﴾ وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

''مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اس (مقدس) شہر کے رب کی جس نے عزت وحرمت والا بنایا ہے اس کو اور اسی کی ہے ہر شے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں شامل ہو جاؤں فرمانبرداروں کے زمرہ میں نیز (یہ بھی کہ) میں تلاوت کیا کروں قرآن کی پس جو ہدایت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت قبول کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے (تو اس کی قسمت)، فرمائیے: میں تو صرف ڈرانے والوں سے ہوں۔ اور آپ کہیے: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں وہ ابھی دکھائے گا تمہیں اپنی نشانیاں تو انہیں پہچان لو گے اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبران کاموں سے جو (اے لوگو!) تم کیا کرتے ہو''۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا مراد مکہ مکرمہ ہے اللہ تعالیٰ نے جس کی حرمت کو عظمت والا بنایا ہے یعنی اسے امن والا حرم بنایا ہے اس میں خون نہیں بہایا جاتا اور اس میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، کسی شکار کو شکار نہیں کیا جاتا، اس میں درخت کو نہیں کاٹا جاتا جس کی وضاحت کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے التی حرمها، بلدة کی صفت پڑھی ہے۔ جماعت کی قراءت الذی ہے یہ محل نصب میں ہے اور رب کی صفت ہے اگر لفظ رب معرف باللام ہوتا تو تو کہتا: المحرمها اگر یہ بلدہ کی صفت ہوتا تو تو کہتا: المحرمها ہو اگر تو کہتا: الذی حرمها تو تو استدلال نہ کر سکتا کہ تو کہتا ھو۔

وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ پیدائش اور ملک کے اعتبار سے ہر شے اسی کی ہے۔ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اس کے حکم کو ماننے والے اس کی وحدانیت کا اقرار کرنے والے۔ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کروں یعنی اسے پڑھوں۔ فَمَنِ اهْتَدٰی اس کے لیے ہدایت کا ثواب ہے۔ وَمَنْ ضَلَّ تو میرے ذمہ تو صرف پیغام حق پہنچانا ہے۔ آیۂ قتال نے اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ نحاس نے کہا: وَاَنْ اَتْلُوَ یہ ان کی وجہ سے منصوب ہے۔ فراء نے کہا: ایک قراءت میں وأن أتل ہے اس کا گمان ہے کہ یہ امر کی وجہ سے جزم کے محل میں ہے اسی وجہ سے اس سے واؤ حذف ہے۔ نحاس نے کہا: ہم کسی کو بھی نہیں جانتے جس نے یہ قراءت کی ہو۔ یہ تمام مصاحف کے خلاف ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اس نے جو نعمتیں کی ہیں اور اس نے جو ہمیں ہدایت عطا فرمائی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے۔ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ تمہاری ذاتوں میں اور تمہارے علاوہ دوسری چیزوں میں اپنی آیات دکھائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ (فصلت:53) فَتَعْرِفُوْنَهَا تم اپنی ذاتوں، آسمانوں اور زمین میں اس کی قدرت اور وحدانیت کے دلائل پہچان لو گے۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ (الذاریات) وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (الذاریات) وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اہل مدینہ، اہل شام اور حفص نے عاصم سے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا تو کلام ایک ہی نظم پر ہو جائے گی۔ باقی قراء نے یاء کے ساتھ صیغہ پڑھا ہے کہ اس کلام کو ماقبل کی طرف لوٹا دیا جائے۔ فَمَنِ اهْتَدٰی تو اس آیت کے بارے میں خبر دی۔ سورت مکمل ہوگئی الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علیہ سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ و سلم۔

سورۃ القصص

آیاتہا ۸۸ ۲۸ سورۃ القصص مکیۃ ۴۹ رکوعاتہا ۹

حضرت حسن بصری، عکرمہ اور عطا کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: مگر ایک آیت مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان نازل ہوئی۔ ابن سلام نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو یہ جحفہ کے مقام پر نازل ہوئی وہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ مقاتل نے کہا: اس میں مدنی آیات یہ بھی ہے اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ٘ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ٘ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ۝ اس کی اٹھاسی آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ یَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ وَ نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ نُرِیَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ۝

"طا، سین، میم، یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ واقعہ ٹھیک ٹھیک ان لوگوں (کے فائدہ) کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ بے شک فرعون متکبر (وسرکش) بن گیا سرزمین (مصر) میں اور اس نے بنادیا وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ وہ کمزور کرنا چاہتا تھا ایک گروہ کو ان میں، یہ ذبح کیا کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑ دیتا ان کی عورتوں کو، بے شک وہ فساد برپا کرنے والوں سے تھا۔ اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنادیا گیا تھا ملک (مصر) میں اور بنادیں انہیں پیشوا اور بنادیں انہیں (فرعون کے تاج وتخت کا) وارث اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون اور ہامان

اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے"۔

طٰسٓمّٓ اس کے متعلق گفتگو گزر چکی ہے۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ تلك محل رفع میں ہے یہ هذه، تلك کے معنی میں ہے آیات اس سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ تلك کی وجہ سے محل نصب میں ہو۔ آیات اس سے بدل ہو تو اس کو نصب دے گا جس طرح تو کہتا ہے: زیدا ضربت۔

الْمُبِيْنِ اس کی برکت اور خیر کو واضح کرنے والی ہے، حق کو باطل سے واضح کرنے والی ہے، حلال کو حرام سے واضح کرنے والی ہے۔ انبیاء کے قصے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو واضح کرنے والی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: بان الشیء و أبان شے واضح ہوگئی۔ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور قارون کے قصہ کا ذکر کیا اور قریش کے مشرکین کے خلاف استدلال کیا۔ اور اس امر کو واضح کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قارون کی رشتہ داری نے قارون کو اس کے کفر کے ساتھ کوئی نفع نہ دیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کی قرابت انہیں کوئی نفع نہ دے گی۔ اس امر کو واضح کیا کہ فرعون نے زمین میں بالادستی اور ظلم کو اپنایا یہ اس کے کفر میں سے ایک صورت تھی اسے چاہیے کہ زمین میں بالادستی سے اجتناب کرتا اسی طرح کثرت مال سے غلبہ حاصل کرنا یہ فرعون اور قارون کی سیرت ہے۔ نَتْلُوْا عَلَيْكَ جبریل امین ہمارے حکم سے تم پر پڑھتے ہیں مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ یعنی دونوں کی خبریں۔ مِنْ بعضیہ ہے مِنْ نَّبَاِ، تتلو کا مفعول ہے یعنی ہم ان کی بعض خبریں تم پر تلاوت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تنبت بالدهن اور بالحق کا معنی ہے اس سچائی کے ساتھ جس میں شک اور جھوٹ نہیں۔ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ اس قوم کے لیے جو قرآن کی تصدیق کرتی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جو ایمان نہ لایا تو یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ یہ حق ہے۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ اس نے تکبر کیا اور جبر کو اپنایا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اس نے اپنے کفر کی وجہ سے اپنے رب کی عبادت سے اپنے نفس میں بڑائی کو پایا اور ربوبیت کا دعویٰ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے ملک اور بادشاہت کی وجہ سے اپنے ماتحت لوگوں سے بڑا اور بلند ہو گیا۔ فِي الْاَرْضِ سے مراد مصر کا علاقہ ہے۔ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا خدمت میں مختلف جماعتیں اور صنفیں بنا دیا۔ اعشیٰ نے کہا:

حتى تراه عليها يبتغي الشيعا

یہاں تک کہ تو اسے اس پر پائے گا کہ وہ جماعتوں کی خواہش کرتا ہے۔

يَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ، طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ضمیر سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ میں يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ (آیت 49) کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کاہنوں نے کہا: ایک بچہ بنی اسرائیل میں پیدا ہوگا تیری بادشاہت اسی کے ہاتھ پر ختم ہو جائے گی یا نجومیوں نے اسے یہ کہا تھا یا اس نے خواب دیکھا تو اس کی یہ تعبیر لی۔

زجاج نے کہا: اس کی حماقت پر تعجب ہے کہ وہ یہ نہ جان سکا کہ اگر کاہن نے سچ بولا ہے تو قتل اسے کوئی نفع نہ دے گا اور

اگر اس نے جھوٹ بولا تو قتل کا کوئی فائدہ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے ان کے کئی گروہ بنا دیئے جنہوں نے بنی اسرائیل کی ہر جماعت کا اس کے عمل پر مذاق اڑایا۔ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ وہ زمین میں عمل، معاصی اور ظلم و جبر کے ساتھ فساد برپا کرنے والا تھا۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ ہم ان پر فضل و احسان فرماتے ہیں اور ہم ان پر انعام کرتے ہیں یہ حکایت گزر چکی ہے وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بھلائی میں قیادت کرنے والے۔ مجاہد نے کہا بھلائی کی طرف دعوت دینے والے۔ قتادہ نے کہا: والی اور بادشاہ۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا (المائدہ: 20) میں کہتا ہوں: یہ عام ہے کیونکہ بادشاہ امام ہوتا ہے اس کی اقتدا کی جاتی ہے۔ وَنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ فرعون کے ملک کے وارث بنانے والے ہیں وہ اس کے وارث بنیں گے اور قبطیوں کے مسکنوں میں رہائش رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا (الاعراف: 137) کا یہی معنی ہے۔

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ ہم انہیں زمین اور اس کے اہل پر قدرت حاصل کرنے والے بنا دیں گے یہاں تک کہ شام اور مصر کے علاقہ پر والی بنا دیا جائے گا۔ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم فرعون کو دکھائیں۔ اعمش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور خلف نے یری یاء کے ساتھ قراءت کی ہے۔ کہ یہ فعل ثلاثی ہے جو رای سے مشتق ہے۔ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مرفوع ہیں کیونکہ یہ فعل کے فاعل ہیں۔ باقی قراء نے نری نون کے ضمہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ فعل رباعی ہے اری، یری سے مشتق ہے یہ سیاق کلام کے مطابق ہے کیونکہ اس سے ماقبل نرید اور اس کے بعد نمکن ہے۔ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ فراء نے ویری فرعون یاء کے ضمہ راء کے کسرہ اور آخری یاء کے فتحہ کے ساتھ قراءت کو جائز قرار دیا ہے معنی ہے اللہ تعالیٰ فرعون کو دکھائے۔ مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں خبر دی گئی کہ ان کی ہلاکت بنی اسرائیل کے ایک آدمی کے ہاتھ پر ہوگی وہ اس وجہ سے بنی اسرائیل سے خوفزدہ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ کچھ دکھا دیا جس سے وہ ڈرتے تھے۔ قتادہ نے کہا: فرعون کا ایک نجومی تھا اس نے کہا: اس سال ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیرا ملک چھین لے گا۔ فرعون نے اس سال بچوں کے قتل کا حکم دے دیا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِــِٕيْنَ ۝ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

"اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ، پھر جب اس کے متعلق تمہیں

اندیشہ لاحق ہو تو ڈال دینا اسے دریا میں اور نہ ہراساں ہونا اور نہ غمگین ہونا یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے۔ پس (دریا سے) نکال لیا اسے فرعون کے گھر والوں نے تاکہ (انجام کار) وہ ان کا دشمن اور باعث رنج والم بنے، بے شک فرعون، ہامان اور ان کے لشکری خطا کار تھے اور کہا فرعون کی بیوی نے: (اے میرے سرتاج!) یہ بچہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرنا شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے اپنا فرزند بنالیں اور وہ (اس تجویز کے انجام کو) نہ سمجھ سکے"۔

وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِيْهِ وحی کا معنی اور اس کے مصداق کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف جو وحی کی گئی ہے اس میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے: یہ قول اس کی نیند میں کیا۔ قتادہ نے کہا: وہ الہام تھا۔ ایک جماعت نے کہا: وہ فرشتہ تھا جو مثالی شکل میں اس کے پاس آیا تھا۔ مقاتل نے کہا: حضرت جبریل امین یہ پیغام لائے تھے۔ اس تعبیر کی بنا پر وہ وحی اعلام تھی الہام نہیں تھا۔ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے وہ نبی نہ تھیں۔ اس کی طرف فرشتے کے بھیجنے کی صورت وہی تھی جس طرح فرشتے نے اقرع، ابرص اور اعمیٰ سے گفتگو کی تھی جس کا ذکر حدیث مشہور میں ہے امام بخاری اور امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے سورۂ براءۃ میں ہم نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی مروی ہے کہ فرشتوں نے لوگوں سے ان کی نبوت کے بغیر کلام کیا۔ عمران بن حصین کو سلام کیا وہ نبی نہیں تھا اس کا نام ایارخا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ کی ماں کا نام ایارخت تھا؛ سہیلی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا نام لوحا بنت ہاند بن لاوی بن یعقوب تھا۔

اَنْ اَرْضِعِيْهِ عمر بن عبدالعزیز نے ان ارضعیہ نون کے کسرہ اور الف وصل کی صورت میں پڑھا ہے۔ ارضع کے ہمزہ کو تخفیف کے طریقہ پر حذف کیا پھر دو ساکنوں کے جمع ہونے کی وجہ سے نون کو کسرہ دیا۔ مجاہد نے کہا: یہ وحی ولادت سے پہلے رضاعت کے بارے میں تھی۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ وحی ولادت کے بعد تھی۔ سدی نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جنا تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ولادت کے بعد اسے دودھ پلائیں اور اس بچے کے ساتھ وہ کچھ کریں جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کیونکہ خوف ولادت کے بعد شروع ہوا تھا۔ ابن جریج نے کہا: انہیں حکم دیا گیا کہ چار ماہ تک ایک باغ میں دودھ پلائیں اور جب اس کے چیخنے کا خوف ہوا (کیونکہ ان کا دودھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کافی نہ تھا) تو اس وقت انہوں نے یہ کہا۔ پہلا قول زیادہ نمایاں ہے مگر دوسرے قول کی تائید فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ کے الفاظ کرتے ہیں اذا یہ زمانہ مستقبل کے لیے آتا ہے روایت بیان کی جاتی ہے انہوں نے بردی لکڑی کا تابوت بنایا اس کے اندر کی جانب تارکول ملا، اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رکھا اور دریائے نیل میں اسے بہا دیا۔ اس کی وضاحت سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب بنی اسرائیل مصر میں بہت زیادہ ہو گئے تو وہ لوگوں پر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے برائیاں کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قبطیوں کو مسلط کر دیا۔ اور انہوں نے بنی اسرائیل کو سخت عذاب میں مبتلا کیا یہاں تک کہ انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر نجات ہوئی۔ وہب نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ

السلام کی تلاش میں ستر ہزار بچے ذبح کیے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: نوے ہزار بچے ذبح کیے۔ یہ روایت کی جاتی ہے جب ولادت کا عمل قریب آیا اور آپ کی ماں کو دردزہ شروع ہوا اور ایک دائی جو بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں پر معین تھی وہ آپ کی والدہ کی مخلص اور محبت کرنے والی تھی۔ آپ کی والدہ نے کہا: ممکن ہے تیری محبت مجھے آج نفع دے اس دائی نے آپ کی والدہ کا علاج کیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام زمین پر آئے تو آپ کی آنکھوں کے درمیان موجود نور نے اسے خوفزدہ کر دیا اس کا ہر جوڑ کانپنے لگا اور آپ کی محبت اس کے دل میں پیوست ہوگئی پھر اس نے کہا: میں تیرے پاس اس لیے آئی تھی کہ تیرے بچے کو قتل کروں اور فرعون کو خبر دوں لیکن میں نے تیرے بیٹے کے لیے ایسی محبت پائی ہے جیسی محبت میں نے کسی کے لیے نہیں پائی اس بچے کی حفاظت کرنا۔ جب دائی نکلی تو فرعون کے جاسوس آ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اسے ایک کپڑے میں لپیٹا اور دہکتے ہوئے تنور میں ڈال دیا وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ تنور اس بچے کے ساتھ کیا کرے گا وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ کی عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے بچے کو تلاش کیا مگر کوئی چیز نہ پائی وہ چلے گئے مگر وہ بچے کی جگہ کو نہیں پہچانتی تھی اس نے تنور سے بچے کے رونے کی آواز سنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ٹھنڈک اور سلامتی والا بنا دیا۔

وَ لَا تَخَافِيْ اس میں دو وجوہ ہیں (۱) تو اس پر غرق ہونے کا خوف نہ کر، یہ ابن زید کا قول ہے۔ (۲) تو اس کے بارے میں ضائع ہونے کا خوف نہ کر۔ **وَ لَا تَحْزَنِيْ** اس میں بھی دو وجوہ ہیں (۱) اس کے فراق پر غمگین نہ ہو؛ یہ ابن زید کا قول ہے (۲) اس کے قتل ہونے کے بارے میں غم نہ کر؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو ایسے تابوت میں رکھا جس کی لمبائی پانچ بالشت اور چوڑائی بھی پانچ بالشت تھی۔ اس کی چابی تابوت کے ساتھ رکھی اور اسے موج کے سپرد کر دیا جب کہ آپ کو چار ماہ تک دودھ پلا چکی تھی۔ دوسرے علماء نے کہا: تین ماہ دودھ پلا چکی تھی۔ کئی دوسرے علماء نے کہا: آٹھ ماہ دودھ پلا چکی تھی؛ یہ کلبی کی حکایت میں ہے۔ حکایت بیان کی گئی ہے جب بڑھئی تابوت بنانے سے فارغ ہوگیا اس نے فرعون کو چغل خوری کی اس نے سپاہی اس کے ساتھ بھیجا جو اسے لے آئے اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں اور دل کو بے نور کر دیا تو وہ راستہ بھول گیا اسے یقین ہوگیا کہ یہ وہی بچہ ہے جس سے فرعون کو خوف ہے تو وہ اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا وہ آل فرعون کا مومن ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تابوت ان کی والدہ کی آنکھوں سے اوجھل ہوگیا شیطان نے ان کو شرمندہ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے دل میں کہا: اگر وہ میرے پاس ذبح کر دیا جاتا اور میں اسے اپنے ہاتھ سے کفن دیتی اور دفن کرتی تو یہ مجھے زیادہ محبوب ہوتا بنسبت اس کے کہ میں نے سمندر میں پھینکا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ** اہل مصر کی طرف رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں۔ اصمعی نے کہا: میں نے ایک بدوی لڑکی کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا۔

استغفر　الله　لذنبي　كلّه　قبّلتُ　إنسانا　بغير　حِلّه
مثل　الغزال　ناعماً　في　دَلّه　فانتصف　الليل　ولم　أصلّه

میں اللہ تعالیٰ سے اپنے ہر گناہ پر معافی مانگتی ہوں میں نے بغیر حلت کے ایک انسان کو بوسہ دیا ہے۔ ہرن کی مانند وہ نازو

ادا میں نرم و نازک تھا رات آدھی ہوگئی اور میں نے اس کی نماز نہیں پڑھی۔

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ تجھے قتل کرے تو کتنی فصیح ہے۔ اس نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ہوتے ہوئے اس کو فصیح شمار کیا جا سکتا ہے وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِيْهِ اللہ تعالیٰ نے اس ایک آیت میں دو امر، دو نہی، دو خبریں اور دو بشارتیں جمع کر دیں۔

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا کیونکہ ان کا اس بچے کو لینا اس امر کی طرف لے جاتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے دشمن ہوں گے اور انہیں غم عطا کریں گے تو لِيَكُوْنَ میں لام عاقبت اور لام صیرورت کا ہوگا؛ کیونکہ انہوں نے تو اس لیے پکڑا تھا تا کہ یہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ اس امر کا انجام یہ تھا کہ یہ ان کے لیے دشمن ہوں گے اور غم کا باعث ہوں گے۔ تو حال کا ذکر مآل کے ساتھ کر دیا۔ جس طرح شاعر نے کہا:

وللمنايا تُرَبِّي كلُّ مُرْضِعَةٍ ودُورُنا لخراب الدهر نَبْنِيها

موتوں کے لیے ہر دودھ پلانے والی پرورش کرتی ہے اور ہم اپنے گھر اس لیے بناتے ہیں کہ زمانہ ان کو کھنڈر بنا دے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فللموت تَغْذُو الوالداتُ سِخَالَهَا كما لخراب الدهر تُبْنَى المساكنُ

مائیں موت کے لیے اپنے بچوں کو غذا دیتی ہیں جس طرح زمانہ کے برباد کرنے کے لیے گھر بنائے جاتے ہیں۔

تعمیر کا انجام بربادی ہے اگرچہ فی الحال اس پر خوش ہوا جاتا ہے۔ التقاط سے مراد طلب اور ارادہ کے بغیر کسی چیز کو پانا۔ عرب جب کسی چیز کو طلب اور ارادہ کے بغیر پاتے ہیں تو کہتے ہیں: التقطه التقاطا۔ لقيت فلانا التقاطا۔ راجز نے کہا:

ومَنْهَلٍ وردتُه التقاطا میں اچانک گھاٹ پر وارد ہوا۔

اسی سے لقطہ ہے۔ سورۂ یوسف میں اس کے احکام کے متعلق اتنی بحث گزر چکی ہے جو اس کے لیے کافی و شافی ہے۔

اعمش، یحییٰ، مفضل، حمزہ، کسائی اور خلف نے وحزنا حاء کے ضمہ اور زاء کے سکون کے ساتھ قراءت کی ہے۔ باقی قراء نے دونوں کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ ابو عبید نے اس کو پسند کیا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: اس میں تفخیم کا قاعدہ جاری ہوتا ہے یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح العَدَم اور العُدْم۔ السَقَم اور السُقْم، الرَشَد اور الرُشْد۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ہامان قبطیوں میں سے اس کا وزیر تھا وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ وہ نافرمان تھے، مشرک تھے اور گناہگار تھے۔

وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَ لَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت آسیہ جو فرعون کی بیوی تھی اس نے تابوت کو پانی میں تیرتے ہوئے دیکھا اس نے حکم دیا کہ اس تابوت کو اس کی طرف لایا جائے اور اسے کھولا جائے اس نے تابوت میں ایک چھوٹا بچہ دیکھا تو اس پر اسے رحم آ گیا اور اس کے دل میں بچے کی محبت پیدا ہوگئی۔ اس نے فرعون سے کہا: یہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ قرة یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے؛ یہ کسائی کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: اس میں

ایک بعیدی توجیہ ہے جسے ابو اسحاق نے ذکر کیا ہے اس نے کہا: یہ مبتدا ہونے کے اعتبار سے مرفوع ہے اس کی خبر لا تقتلوہ ہے یہ بعید اس لیے ہے کیونکہ معنی یہ بنتا ہے یہ معروف ہے کہ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کا یہ معنی بھی کرنا جائز ہے جب یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو تم اسے قتل نہ کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام ولک پر مکمل ہو جاتی ہے۔ نحاس نے کہا: اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت ہے وقالت امراۃ فرعون لا تقتلوہ قرۃ عین لی ولک نصب بھی جائز ہے معنی ہوگا جو چیز میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو اس نے کہا: لا تقتلوہ یہ نہیں کہا: لا تقتلہ، یہ فرعون سے خطاب کر رہی ہے جس طرح جابروں سے خطاب کر رہی ہے اور جس طرح وہ اپنے بارے میں خبر دے رہے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے کہا لا تقتلوہ اسے قتل نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے کسی اور علاقہ سے لایا ہے یہ بنی اسرائیل سے نہیں ہے۔

عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ممکن ہے یہ ہمیں نفع دے اور اس سے بھلائی حاصل کریں یا ہم اسے بچہ بنالیں۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی؛ اس نے فرعون سے وہ بچہ مانگ لیا اور فرعون نے وہ بچہ اسے دے دیا۔

فرعون نے جب خواب دیکھا اور اسے اپنے کاہنوں اور علماء پر پیش کیا جس طرح پہلے گزر چکا ہے انہوں نے اسے کہا: بنی اسرائیل کا ایک بچہ تیری بادشاہت کو برباد کر دے گا۔ اس نے بنی اسرائیل کے بچے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کی رائے تھی کہ ان کی نسل ختم کر دے گا۔ وہ ایک سال تک بچے ذبح کرتا اور ایک سال تک زندہ رکھتا حضرت ہارون علیہ السلام کی ولادت اسی سال ہوئی جس سال وہ بچوں کو زندہ رکھتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اس سال ہوئی جس سال میں اس نے بچوں کو ذبح کرنے کا معمول بنایا ہوا تھا۔

وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ یہ ابتدا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام ہے وہ نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی ہلاکت اس بچے کے سبب سے ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عورت کا کلام ہے یعنی بنی اسرائیل نہیں جانتے کہ ہم نے اسے پکڑ لیا ہے اور وہ نہیں جانتے مگر یہ کہ یہ ہمارا بچہ ہے۔ علماء تاویل نے اس وقت میں اختلاف کیا ہے جس وقت میں فرعون کی بیوی نے کہا تھا: قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَ لَكَ ایک جماعت کا خیال ہے یہ بات اس نے اس وقت کہی جب تابوت کو پکڑا اور اس نے فرعون کو اس کا احساس دلایا جب اس نے فرعون کو بتایا تو فرعون کے ذہن میں گیا کہ یہ بنی اسرائیل میں سے ہے اس نے یہ ارادہ اس لیے کیا تاکہ وہ ذبح سے چھٹکارا پائے۔ اس نے کہا: مجھ پر ذبح کرنے والے لاؤ۔ تو اس کی بیوی نے وہ کہا جس کا ذکر ہوا۔ فرعون نے کہا: جہاں تک میرا تعلق ہے تو یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر فرعون نعم کہہ دیتا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا اور وہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتے'' (1)۔ سدی نے کہا: بلکہ فرعون کی بیوی نے اس کو پالا یہاں تک کہ وہ چلنے پھرنے لگا فرعون نے آپ میں ذہانت دیکھی تو اسے گمان ہوا کہ یہ بنی اسرائیل میں سے ہے اسے اپنے ہاتھ میں اٹھایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور فرعون کی داڑھی کے بال نوچ لیے اس وقت فرعون نے آپ کو ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا اور اس وقت فرعون کی بیوی نے یہ بات کہی۔ اور یاقوت اور انگارہ کے ذریعے اس کا تجربہ کیا تو

1۔ تفسیر طبری، جلد 2، صفحہ 41

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان جل گئی اور لکنت پیدا ہوگئی جس طرح سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔

فراء نے کہا: میں نے محمد بن مروان سے سنا جنہیں سدی کہا جاتا وہ کلبی سے وہ ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت آسیہ نے کہا: قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَ لَكَ پھر کہا: تَقْتُلُوْهُ۔ فراء نے کہا: اس میں تقدیم وتاخیر ہے۔ ابن انباری نے کہا: فراء نے اس پر تقدیم وتاخیر کا قول کیا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کلام یوں ہوتی تقتلونہ یعنی فعل کے آخر میں نون ہوتا کیونکہ فعل مستقبل مرفوع ہوتا ہے یہاں تک کہ اس پر ناصب یا جازم داخل ہو۔ اس میں نون علامت رفع ہوتی ہے۔ فراء نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت اس کی تائید کرتی ہے وقالت امراۃ فرعون لا تقتلوۃ قرۃ عین لی ولك یعنی لا تقتلوہ مقدم ہے۔

وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ ٘ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿ۙ۱۱﴾ وَ حَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴﴾

''اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہوگیا قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دے اس راز کو اگر ہم نے مضبوط نہ کر دیا ہوتا اس کے دل کو تا کہ وہ بنی رہے اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے والی اور اس نے کہا موسیٰ کی بہن سے کہ اس کے پیچھے پیچھے ہولے پس وہ اسے دیکھتی رہی دور سے اور وہ اس (حقیقت کو) نہ سمجھتے تھے اور ہم نے حرام کر دیں اس پر ساری دودھ پلانے والیاں اس سے پہلے تو موسیٰ کی بہن نے کہا: کیا میں پتہ دوں تمہیں ایسے گھر والوں کا جو اس کی پرورش کریں تمہاری خاطر اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہوں تو (اس طرح) ہم نے لوٹا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف تا کہ اسے دیکھ کر اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور (اس کے فراق میں) غمزدہ نہ ہوں اور وہ یہ بھی جان لے کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے اور جب پہنچ گئے موسیٰ اپنے شباب کو اور ان کی نشوونما مکمل ہوگئی تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو''۔

وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، عکرمہ، قتادہ، ضحاک، ابو عمران جونی اور ابو عبیدہ نے فٰرِغًا کا معنی یہ کیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل آپ کے ذکر کے سوا دنیا کی ہر شے کے ذکر سے خالی تھا۔ حضرت حسن بصری نے یہ بھی کہا نیز ابن اسحاق اور ابن زید نے کہا: وہ وحی سے خالی تھی کیونکہ ان کی طرف وحی کی گئی جب اسے حکم دیا گیا کہ وہ اس بچے کو پانی میں پھینک دے وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے کیا وہ یہ

وعدہ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپس اس کی طرف لوٹائے گا اور اسے رسولوں میں سے بنائے گا۔ شیطان نے اسے کہا: اے موسیٰ کی ماں! تو نے یہ تو ناپسند کیا کہ فرعون حضرت موسیٰ کو قتل کرے مگر تو نے خود اسے غرق کر دیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو یہ خبر پہنچی کہ اس کا بیٹا فرعون کے پاس ہے تو عظیم مصیبت نے اسے وہ وعدہ بھلا دیا جو اللہ تعالیٰ نے اس سے کیا تھا۔

ابو عبیدہ نے کہا: فٰرِغًا یعنی غم اور حزن سے خالی، کیونکہ اسے علم ہو چکا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غرق نہیں ہوئے؛ یہ اخفش کا قول بھی ہے۔ علاء بن زیاد نے کہا: فٰرِغًا کا معنی ہے نفرت کرنے والا۔ کسائی نے کہا: بھولنے والا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شدت غم سے متحیر؛ اسے سعید بن جبیر نے روایت کیا ہے۔ ابن قاسم نے مالک سے روایت کیا ہے: اس سے مراد عقل کا چلا جانا ہے۔ معنی ہے جب اس نے یہ سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاتھ پہنچ چکے ہیں تو شدت غم کی وجہ سے اور شدت دہشت کی وجہ سے عقل اڑ گئی۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَفۡـِٕدَتُهُمۡ هَوَآءٌ ؀ (ابراہیم) یعنی خالی، ان کی کوئی عقل نہ تھی۔ جس طرح سورۂ ابراہیم میں پہلے گزر چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل عقول کا مرکز ہوتے ہیں کیا تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں دیکھا: فَتَكُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ يَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ (الحج:46) جس نے فزعا پڑھا ہے اس کی قراءت بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ نحاس نے کہا: سب سے صحیح قول پہلا ہے۔ جنہوں نے وہ قول کیا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ جب آپ کی والدہ کا دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے سوا ہر ذکر سے خالی تھا تو وہ وحی سے بھی فارغ تھا۔ ابو عبیدہ کا قول وہ غم سے خالی تھا، یہ بہت ہی قبیح ہے کیونکہ اس کے بعد اِنۡ كَادَتۡ لَتُبۡدِىۡ بِهٖ لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰى قَلۡبِهَا ہے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: قریب تھا کہ وہ کہتی وا ابناہ ہائے بیٹے۔ فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ، محمد بن سمیقع، ابو العالیہ اور ابن محیصن نے پڑھا فزعا یہ فاء اور عین کے ساتھ ہے۔ یہ فزع سے مشتق ہے۔ یہ اسے خوف تھا کہ کہیں اسے قتل ہی نہ کر دیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھا: قرعا قاف، راء اور عین کے ساتھ۔ آخری دونوں حرف نقطہ کے بغیر ہیں۔ یہ جماعت کی قراءت کی طرف راجع ہے جو فارغا ہے۔ اسی وجہ سے وہ سر جس پر بال نہ ہوں اس کو اقرع کہتے ہیں، کیونکہ وہ بالوں سے فارغ ہوتا ہے۔ قطرب نے حکایت بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے پڑھا فرغا یعنی فاء، راء اور غین معجمہ کے ساتھ یہ الف کے بغیر ہے۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے ھدرا و باطلا یہ جملہ بولا جاتا ہے: دماء ھم بینھم فرغ یعنی ان کے باہم قصاص باطل ہو گئے۔ معنی ہے اس کا دل باطل ہو گیا اور چلا گیا اور وہ یوں ہو گئی کہ اس کا دل ہی نہیں یہ اس غم کی شدت کی وجہ سے ہوا جو اس پر وارد ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ اَصۡبَحَ اس میں دو وجوہ ہیں (۱) اس نے رات کو پانی میں تابوت پھینکا تو دن کے وقت اس کا دل فارغ ہو چکا تھا (۲) اس نے دن کے وقت پھینکا تھا۔ اصبح کا معنی صار ہے۔ جس طرح شاعر نے کہا:

مضی الخلفاء بالأمر الرشید وأصبحت المدینة للولید

خلفاء صحیح امر کے ساتھ چلے گئے اور مدینہ ولید کے لیے رہ گیا۔

اِنۡ كَادَتۡ اصل میں یہ انھا کادت تھا۔ جب ضمیر کو حذف کیا تو نون ساکن ہو گیا یہ ان مخففہ ہے اسی وجہ سے لَتُبۡدِىۡ بِهٖ پر

لام داخل ہے۔ مراد ہے اس کے امر کو ظاہر کر دے یہ بدا یبدو سے مشتق ہے جب وہ ظاہر ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ چینکنے کے وقت چیخی۔ ہائے بیٹے! سدی نے کہا: جب وہ دودھ پلانے کے لیے اٹھاتی اور چھاتی سے لگاتی تو قریب تھا کہ وہ کہتی: یہ میرا بیٹا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو لوگ کہتے موسیٰ بن فرعون۔ ان کی ماں پر یہ بات شاق گزرتی اور ان کا سینہ تنگ ہوتا۔ قریب تھا کہ وہ کہہ اٹھتی: یہ میرا بیٹا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بہ میں ھاء ضمیر وحی کی طرف لوٹ رہی ہے اس کی تقدیر کلام یہ ہے ان کانت لتبدی بالوحی الذی اوحینا الیہا ان نردہ علیہا، قریب تھا کہ وہ اس وحی کو ظاہر کر دیتی جو ہم نے اس کی طرف وحی کی تھی کہ ہم موسیٰ کو اس پر لوٹا دیں گے۔ پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قریب تھا کہ وہ کہتی: میں اس کی ماں ہوں۔ فراء نے کہا: قریب تھا کہ وہ حضرت موسیٰ کا نام ظاہر کر دیتی کیونکہ اس کا سینہ تنگ پڑ تا تھا۔

لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا قتادہ نے کہا: اگر ہم ایمان کے ساتھ اس کا دل مضبوط نہ کرتے۔ سدی نے کہا: اگر ہم عصمت کے ساتھ اس کا دل مضبوط نہ کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہم صبر کے ساتھ اس کا دل مضبوط نہ کرتے ربط علی القلب سے مراد صبر کا الہام ہے۔ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تصدیق کرنے والی ہو جائے جب اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ۔

لَتُبْدِیْ بِهٖ فرمایا: لتبدیہ نہیں فرمایا کیونکہ حروف کی صفات بعض اوقات کلام میں زائد کی جاتی ہیں تو کہتا ہے: اخذت الحبل وبالحبل، یعنی کبھی واسطہ ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی واسطہ ذکر نہیں کیا جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام لتبدی القول بہ ہے۔

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے فرمایا: اس کے پیچھے جاؤ تاکہ تمہیں اس کی خبر سے آگاہی ہو۔ اس کا نام مریم بنت عمران تھا اس کا نام حضرت مریم جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھی کے نام کے موافق تھا؛ سہیلی اور ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے ضحاک سے ذکر کیا ہے: اس کا نام کثمہ تھا۔ سہیلی نے کہا: اس کا نام کلثوم تھا اس کا ذکر زبیر بن بکار نے کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''میں نے محسوس کیا ہے کہ جنت میں اللہ تعالیٰ نے میری شادی تیرے ساتھ ساتھ حضرت مریم بنت عمران، حضرت کلثوم جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہیں اور حضرت آسیہ جو فرعون کی بیوی تھی سے شادی کی'' (1)۔ حضرت خدیجہ نے عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی خبر دی ہے فرمایا: ہاں۔ عرض کی یعنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے عرض کی: بالرفاء والبنین یہ لفظ مبارکباد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ معنی اتفاق اور بیٹوں والا ہونا ہے۔

فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ جنب کا معنی دوری ہے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ اس سے اجنبی ہے۔ شاعر نے کہا:

فَلَا تَحْرِمَنِّی نَائِلًا عن جَنَابَةٍ فَاِنِّی امرؤٌ وسْطَ القِبَابِ غَرِیبُ

1۔ درمنثور، جلد 5، صفحہ 230

دوری کی وجہ سے مجھے عطیہ سے محروم نہ رکھنا بے شک میں بتوں کے درمیان اجنبی آدمی ہوں۔

اصل میں یہ مکان جنب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عن جنب سے مراد جانب ہے۔ نعمان بن سالم نے قراءت کی عن جانب معنی ہے ایک طرف سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے شوق سے۔ ابو عمرو بن علاء نے حکایت بیان کی ہے یہ بنو حزام کی لغت ہے۔ وہ کہتے ہیں: جنبت الیك میں تیرا مشتاق ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عن جنب ان کی ماں ان سے اجنبی ہے۔ کسی طریقے سے وہ نہیں پہچانتے تھے کہ یہ اس کی ماں ہے۔ قتادہ نے کہا: تو ایک طرف سے اس کو دیکھتی رہ گویا تو اس کا ارادہ نہیں رکھتی۔ وہ اس کو عن جنب جیم کے فتحہ اور نون کے سکون کے ساتھ پڑھتے۔ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ کہ یہ اس بچے کی بہن ہے کیونکہ وہ ساحل سمندر پر چلتی رہی یہاں تک کہ اس نے دیکھ لیا کہ انہوں نے اسے پکڑ لیا ہے۔

وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ ہم نے اس کو اس کی ماں اور بہن کے آنے سے منع کر دیا۔ مراضع یہ مرضع کی جمع ہے۔ جس نے مراضیع پڑھا ہے تو یہ مرضاع کی جمع ہے فعال یہ جمع کثرت کے لیے وزن استعمال ہوتا ہے۔ اس وزن میں مذکر و مونث میں فرق کرنے کے لیے ہاء داخل نہیں کی جاتی کیونکہ یہ وزن فعل پر جاری نہیں ہوتا۔ جس نے مرضاعه کہا تو وہ ھاء کے ساتھ مبالغہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے: مطرابة۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو دودھ پلانے والی بھی لائی جاتی حضرت موسیٰ اسے قبول نہ کرتے اس حرمت سے مراد روکنا ہے یہ حرمت شرعی نہیں۔ امرء القیس نے کہا:

جَالَتْ لِتَصرعَنِی فقلت لها اقصری　　اِنِّی امرءٌ صَرْعِی علیكِ حَرَامُ

اس نے چکر لگایا تا کہ وہ پچھاڑ دے میں نے اسے کہا: رک جا میں ایسا آدمی ہوں تجھ پر مجھ کو پچھاڑنا حرام ہے۔

حرام ممتنع کے معنی میں ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے یہ دیکھا تو اس نے کہا: هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ اس کی بات وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ سن کر انہوں نے اسے کہا: تجھے کیسے پتہ ہے؟ ممکن ہے تو اس کے گھر والوں کو پہچانتی ہو؟ اس نے کہا: نہیں مگر وہ بادشاہ کی خوشی کے حریص رہتے ہیں یا اس کی دایہ بننے میں رغبت رکھتے ہیں۔ سدی اور ابن جریج نے کہا: جب اس نے کہا وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ تو اسے کہا گیا: تو اس بچے کے اہل کو پہچانتی ہے تو ہماری اس بارے میں رہنمائی کرو۔ اس نے کہا: میں نے ارادہ کیا ہے کہ وہ بادشاہ کے مخلص ہیں تو اس نے ان کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں پر رہنمائی کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ان کے حکم سے گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو لے آئی۔ بچہ فرعون کے ہاتھ میں تھا وہ شفقت کے انداز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہلا رہا تھا جب کہ وہ دودھ کی طلب میں رو رہا تھا۔ فرعون نے وہ بچہ اسے دے دیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کی خوشبو پائی تو اس کے پستانوں کو قبول کر لیا۔ ابن زید نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا: وهم للملك ناصحون تو انہیں شک پڑ گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اس نے کہا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وہ اس عورت کی تلاش میں مبالغہ سے کام لے رہے تھے جو اس کے پستان کو قبول کر لے۔ انہوں نے کہا: وہ کون ہے؟ اس نے کہا: میری ماں ہے۔ اسے کہا گیا: اس کا دودھ ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی ولادت کے وقت کا دودھ۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی ولادت ایسے سال میں ہوئی

تھی جس سال بچوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ انہوں نے کہا: تو نے سچ بولا ہے اللہ کی قسم! وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ یعنی ان میں شفقت اور اخلاص ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کا دودھ پی لیا تو اس سے کہا گیا: اس نے تیرا دودھ کیسے پی لیا ہے جب کہ اس نے کسی اور کا دودھ نہیں پیا؟ اس نے کہا: میں ایسی عورت ہوں جس کی خوشبو اچھی ہے اور دودھ بھی پاکیزہ ہے۔ میرے پاس کوئی بچہ نہیں لایا جاتا مگر وہ میرا دودھ پی لیتا ہے۔ ابو عمران جونی نے کہا: فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو ہر ایک روز ایک دینار دیا کرتا تھا۔ زمخشری نے کہا: اگر تو یہ کہے اس کے لیے کیسے حلال ہے کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلانے پر اجر لیتی؟ تو میں کہوں گا: وہ اس لیے دینار نہیں لیتی تھی کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت لیتی بلکہ یہ حربی کا مال تھا وہ استباحت کے طریقہ پر مال لے لیتی تھیں۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے دل کو اس پر مہربان کر دیا اور اس بارے میں ہمارا اس سے وعدہ بھی تھا۔ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا تا کہ اپنے بچہ کی وجہ سے اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ وَ لَا تَحْزَنَ اور وہ اپنے بچے کے فراق سے غمگین نہ ہو۔ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ تا کہ اس کے وقوع کو جانے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کے بچے کا اس کی طرف لوٹانا عنقریب ہوگا۔ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی آل فرعون میں سے اکثر نہیں جانتے تھے یعنی وہ تقدیر اور قضاء کے راز سے غفلت میں تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جو بھی وعدہ کرے وہ حق ہے۔

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا سورۃ الانعام میں اَشُدَّ کے بارے میں کلام گزر چکی ہے، ربیعہ اور مالک کا قول ہے: جو اس بارے میں قول کیا گیا ہے بلوغت اس میں اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (النساء: 6) یہ اشد کا آغاز ہے اور اس کی انتہائی عمر چونتیس سال ہے۔ یہ سفیان ثوری کا قول ہے۔ اِسْتَوٰۤى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچے۔ حکم سے مراد نبوت سے قبل حکمت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے دین میں فقہ ہے۔ اس کی وضاحت سورۂ بقرہ وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ سدی کے قول کے مطابق علم سے مراد فہم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نبوت ہے۔ مجاہد نے کہا: مراد فقہ ہے۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مراد اپنے اور اپنے آبا کے دین کا علم۔ بنی اسرائیل کے نو آدمی تھے جو ان کی بات سنتے اور اقتدا کیا کرتے تھے اور ان کے پاس جمع ہوا کرتے تھے۔ یہ نبوت سے قبل ہوا۔

وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا، اپنے بچے کو سمندر میں پھینک دیا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو سچ کر دکھایا۔ ہم نے اس کا بچہ اس کی طرف تحفظ اور شان و شوکت کے ساتھ لوٹا دیا جب کہ وہ آمنہ تھیں پھر ہم نے اسے عقل، حکمت اور نبوت عطا کی اسی طرح ہم ہر محسن کو جزا دیتے ہیں۔

وَ دَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰى حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ٘ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَیْهِ ٘ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ۝

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ۝ فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ۝

''وہ شہر میں داخل ہوئے اس وقت جب بے خبر سو رہے تھے اس کے باشندے پس آپ نے پایا وہاں دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے یہ ایک ان کی جماعت سے تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں سے پس مدد کے لیے پکارا آپ کو اس نے جو آپ کی جماعت سے تھا اس کے مقابلہ میں جو آپ کے دشمن گروہ سے تھا تو سینہ میں گھونسا مارا موسیٰ نے اس کو اور اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ نے فرمایا: یہ کام شیطان کی انگیخت سے ہوا ہے بے شک وہ کھلا دشمن ہے بہکا دینے والا۔ آپ نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر پس بخش دے مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اسے بے شک وہی غفور رحیم ہے۔ عرض کرنے لگے: میرے رب! مجھے ان انعامات کی قسم جو تو نے مجھ پر فرمائے! اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا پھر آپ نے صبح کی اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے تو اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی آج پھر انہیں مدد کے لیے پکارتا ہے۔ موسیٰ نے اسے فرمایا: بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے پس جب آپ نے ارادہ کیا کہ جھپٹ پڑیں اس پر جو ان دونوں کا دشمن تھا وہ کہنے لگا: اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے بھی قتل کر ڈالے جیسے کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا تھا تو نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تو ملک میں بڑا بن جائے اور تو نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو''۔

وَ دَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰى حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس حق کو پہچان لیا جو ان کے دین میں تھا تو قوم فرعون جس حالت پر تھی اس پر عیب لگایا یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عام ہو گئی انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈرایا حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے شہر میں چوری چھپے اور ڈرتے ہوئے داخل ہوئے تھے۔ سدی نے کہا: اس قصہ کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ تعلق تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی سواریوں پر سوار ہوتے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا بیٹا سمجھا جاتا۔ ایک روز فرعون سواری پر سوار ہوا اور مصر کے شہروں میں سے ایک شہر کی طرف چلا جسے ''منف'' کہا جاتا۔ مقاتل نے کہا: یہ مصر سے دو فرسخ کے مقام پر ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے سوار ہونے کا علم ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام بعد میں سوار ہوئے اور قیلولہ کے وقت اس بستی میں جا پہنچے یہ غفلت کا وقت تھا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یہ بھی کہا: یہ عشاء اور عتمہ

(خوب تاریکی) کے درمیان کا وقت تھا۔ ابن اسحاق نے کہا: بلکہ مدینہ سے مراد مصر ہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع پر فرعون کے خلاف اپنے نقطہ نظر کو بیان کیا اور بتوں اور فرعون کی عبادت پر ان پر عیب لگایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک روز شہر کے مکینوں کی غفلت کے موقع پر اس میں داخل ہوئے۔ سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا: دوپہر کے وقت داخل ہوئے جب کہ لوگ سوئے ہوئے تھے۔ ابن زید نے کہا: فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دشمنی کا اظہار کیا اور آپ کو شہر سے نکال دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کئی سال تک اس شہر سے غائب رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے جب کہ لوگ غفلت میں تھے کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو بھول چکے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کے ساتھ کا زمانہ طویل ہو چکا تھا۔ وہ عید کا دن تھا۔

ضحاک نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شہر میں داخل ہونے کے لیے غفلت کا وقت تلاش کیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت کا علم ہو گیا تو آپ اس میں داخل ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک ایسا آدمی مارا گیا تھا جب کہ اس کے قتل کا حکم نہیں ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے بخشش طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا۔ گفتگو میں یہ کہا جاتا ہے: دخلت المدینة حین غفل اھلھا۔ یہ نہیں کہا جاتا: علی حین غفل اھلھا، یہاں علی حرف جار داخل ہوا ہے کیونکہ غفلت ہی مقصود تھی۔ یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح تو کہتا ہے: جئت علی غفلة اگر تو چاہے تو تو کہہ: جئت علی حین غفلة اسی طرح آیت ہے۔ فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ ۫ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ معنی ہے جب دیکھنے والوں نے دونوں کی طرف دیکھا تو کہا: یہ اس کی جماعت میں سے ہے یعنی یہ بنی اسرائیل سے ہے۔ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ اور یہ فرعون کی قوم میں سے ہے فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِيْعَتِهٖ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کو طلب کیا۔ مابعد آیت میں اسی طرح ہے۔ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ یعنی وہ ایک اور قبطی کے خلاف مدد طلب کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی مدد کی کیونکہ مظلوم کی مدد تمام ادیان میں امتوں پر فرض ہوتی ہے اور تمام شریعتوں میں فرض ہے۔

قتادہ نے کہا: قبطی نے ارادہ کیا تھا کہ اسرائیلی کو مجبور کرے کہ وہ فرعون کے مطبخ کے لیے لکڑیاں اٹھا کر لے جائے تو اسرائیلی نے لکڑیاں اٹھانے سے انکار کر دیا۔ تو اس اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی سعید بن جبیر نے کہا: وہ قبطی فرعون کا نانبائی تھا فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى قتادہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا سے اسے مارا۔ مجاہد نے کہا: اپنے ہاتھ سے اسے دھکا دیا۔ وکز، لکز، لھز اور لھد سب کا ایک ہی معنی ہے اس سے مراد ہتھیلی کو جمع کرتے ہوئے ضرب لگانا ہے جس طرح تہتر کا عقد ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے فلکزہ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہے لکز سے مراد جبڑے پر اور وکز سے مراد دل پر گھونسا مارنا ہے۔ ثعلبی نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قراءت میں فنکزہ ہے معنی ایک ہی ہے۔ جوہری نے ابو عبیدہ سے روایت نقل کی ہے لکز سے مراد سینہ پر گھونسا مارنا ہے۔ ابو زید نے کہا: پورے جسم میں گھونسا مارنا۔ لھز سے مراد پورے ہاتھ سے سینے میں گھونسا مارنا ہے جس طرح لکز ہوتا ہے؛ ابو عبیدہ سے یہی مروی ہے۔ ابو زید نے کہا جبڑے اور گردن پر گھونسا مارنا الرجل ملھز میم کے نیچے کسرہ ہے جبڑے اور گردن میں مکہ مارنے

والا۔ اصمعی نے کہا: نکزہ اسے مارا اور دھکا دیا۔ کسائی نے کہا: نھزہ یہ نکزہ اور وکنہ کی طرح ہے، یعنی اسے مارا اور دھکا دیا۔ لھدہ لھدا اس کی ذلت کی وجہ سے اسے دھکا دیا تو وہ دھکا کھانے والوں میں سے ہو گیا۔ اسی طرح لھدہ ہے۔ طرفہ ایک آدمی کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے:

بطیءٍ عن الداعی سریعٍ إلی الخنا ذَلُولٍ بأجماعِ الرجالِ مُلَهَّدِ

وہ داعی سے سستی کرنے والا ہے، فحش کلامی کی طرف جلدی کرنے والا ہے، تمام لوگوں کے سامنے مطیع ہے اور دھکے کھانے والا ہے۔

ملھد کا معنی ہے اسے دھکا دیا جاتا ہے، اسے مشدد کثرت کو ظاہر کرنے کے لیے پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: فلھدنی لھدۃ اوجعنی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دھکا دیا جس نے مجھے تکلیف دی؛ امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہی کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے قتل کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دھکا دیا اسی میں اس کی روح تھی فَقَضٰی عَلَیْہِ کا معنی یہی ہے۔ ہر وہ شے جس پر تو متوجہ ہوا اور اس سے فارغ ہو گیا تو تو نے اس کا معاملہ تمام کر دیا۔ شاعر نے کہا:

قَدْ عَضَّهٗ فَقَضٰی علیہ الْاَشْجَعُ

اس نے اسے کاٹا اور اشجع نے اس کا معاملہ تمام کر دیا۔

قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ یعنی اس نے ورغلایا تو یہ کام واقع ہوا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حال میں اس روز کافر کے قتل کو حلال خیال نہیں کرتے تھے، کیونکہ وہ حالت قتال سے روکنے کی حالت تھی۔ **اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ** جملہ میں خبر کے بعد ضمیر ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس گھونسے پر شرمندہ ہوئے جس میں ایک جان چلی گئی۔ ان کی شرمندگی نے ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی اور اپنے گناہ سے بخشش طلب کرنے پر برانگیختہ کیا۔ قتادہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام پہچان گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس مصیبت سے نجات دینے والا ہے اس لیے استغفار کی۔ پھر لگاتار حضرت موسیٰ علیہ السلام اس عمل کو ذکر کرتے رہے جب کہ ان کو علم ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا ہے، یہاں تک کہ قیامت کے روز وہ کہیں گے: میں نے ایک ایسے نفس کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے اوپر گناہ شمار کیا تھا۔ عرض کی: ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ اسی وجہ سے کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ حکم کے بغیر قتل کرے نیز انبیاء ایسی شفقت کرتے ہیں جیسی شفقت کوئی اور نہیں کرتا۔ نقاش نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کے ارادہ سے اسے قتل نہیں کیا تھا۔ آپ نے اسے گھونسا مارا مقصود اس کو ظلم سے روکنا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ واقعہ نبوت سے پہلے ہوا۔ کعب نے کہا: یہ اس وقت واقع ہوا جب آپ کی عمر بارہ سال تھی۔ اس کے باوجود یہ قتل خطا تھا، کیونکہ گھونسا مارنے سے عموماً قتل واقع نہیں ہوتا۔

امام مسلم نے سالم بن عبداللہ سے روایت نقل کی ہے فرمایا: اے اہل عراق! تم صغیرہ کے بارے میں کتنے ہی سوال کرتے ہو اور کبیرہ پر کتنے ہی سوار ہو جاتے ہو؟ میں نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''فتنہ یہاں سے آئے گا اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا، جہاں سے شیطان کے دو سینگ طلوع ہوں گے تم ایک دوسرے کی گردنیں اڑاؤ گے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آل فرعون میں سے ایک فرد کو خطأ قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا (طٰہٰ: 40)

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ جو معرفت، حکمت اور توحید کی صورت میں تو نے مجھ پر انعام کیا ہے فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ میں کافروں کا مددگار نہیں۔ قشیری نے کہا: بما انعمت علی من المغفرۃ نہیں کہا، کیونکہ یہ وحی سے قبل کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ یہ نہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قتل کے عمل کو معاف کر دیا ہے۔ ماوردی نے کہا: بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ اس میں دو وجوہ ہیں (۱) مغفرت، مہدوی اور ثعلبی نے اسی طرح ذکر کیا ہے مہدوی نے کہا: بما أنعمت علی من المغفرۃ تو نے مغفرت کی صورت میں جو مجھ پر انعام کیا اور مجھے کوئی سزا نہ دی (۲) ہدایت کی صورت میں جو تو نے مجھ پر انعام کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: فَغَفَرَ لَهٗ مغفرت پر دال ہے؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ زمخشری نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان: بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ کے بارے میں جائز ہے کہ یہ قسم ہو اس کا جواب محذوف ہو تقدیر کلام یہ ہو أقسم بانعامك علیّ بالمغفرۃ لأتوبن۔

فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفقت و مہربانی کا سوال ہے، گویا عرض کی: اے میرے رب! تو نے مجھ پر مغفرت کی صورت میں جو انعام کیا ہے اس کے وسیلہ سے مجھے محفوظ رکھ، اگر تو نے مجھے محفوظ رکھا تو میں مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ مجرمین کی مدد سے مراد یا تو فرعون کی صحبت، اس کی جماعت میں شامل ہونا اور اس کے لشکر میں اضافہ کرنا ہے کیونکہ آپ اس کے ساتھ اسی طرح سوار ہوا کرتے تھے جس طرح بچہ والد کے ساتھ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ابن فرعون کہا جاتا یا ایسی مدد ہے جو جرم اور گناہ کی طرف لے جائے، جس طرح اسرائیلی کی مدد جو اسے قتل کی طرف لے گئی جس کا قتل آپ کے لیے حلال نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارادہ کیا اگرچہ میں نے اس قتل میں غلطی کی ہے جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا پھر بھی میں مسلمان کی مجرم کے خلاف مدد کو ترک کرنے والا نہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسرائیلی مومن تھا اور مسلمان کی مدد تمام شریعتوں میں واجب ہے۔ بعض روایات میں ہے: وہ اسرائیلی کافر تھا اس کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے انہ من شیعۃ وہ اسرائیلی تھا دین میں موافقت کا ارادہ نہیں کیا اسی وجہ سے آپ کو شرمندگی ہوئی کیونکہ آپ نے کافر کے خلاف کافر کی مدد کی تھی۔ تو فرمایا: لا اکون بعدھا ظھیرا للکافرین ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خبر نہیں بلکہ دعا ہے اس کا معنی ہوگا؛ اے میرے رب مجھے مجرموں کا مددگار نہ بنا۔

فراء نے کہا: معنی ہے میں کبھی بھی مجرمین کا مددگار نہیں بنوں گا، یہ گمان کیا کہ اس کا یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: اس کا خبر کے معنی میں ہونا زیادہ مناسب ہے اور سیاق کلام کے زیادہ مشابہ ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: لا أعصیك لأنك أنعمت علی میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا کیونکہ تو نے مجھ پر انعام کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حقیقت میں یہ قول ہے نہ کہ وہ جو فراء نے بیان کیا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے استثناء نہ کی تو دوسرے دن ہی آزمائش میں ڈال دیئے گئے استثناء دعا میں نہیں ہوتی یہ نہیں کہا جاتا: اللھم اغفرلی إن شئت اے اللہ! مجھے بخش دے اگر تو چاہے۔ سب سے تعجب والی چیز ہے کہ فراء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی پھر ان سے قول کی حکایت کی۔

میں کہتا ہوں: یہ معنی سورۂ نمل میں ملخص مبین گزر چکا ہے کہ یہ خبر ہے دعا نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے استثناء نہ کی تو انہیں ایک دفعہ پھر آزمائش میں ڈالا گیا یعنی انہوں نے یہ نہ کہا: فلن أکون إن شاء اللہ یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے(1): وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (ہود: 113)

مسئلہ نمبر 2۔ سلمہ بن نبیط نے کہا: عبدالرحمن بن مسلم نے ضحاک کی طرف اہل بخاری کے عطیات بھیجے اور کہا: انہیں عطا کر دیں۔ انہوں نے کہا: مجھے معاف رکھو، وہ لگاتار معذرت کرتے رہے یہاں تک کہ عبدالرحمن نے انہیں اس ذمہ داری سے بری کر دیا۔ ان سے کہا گیا: تم پر کیا حرج تھا کہ تم وہ عطیات انہیں دے دیتے اور ان کے حق میں کچھ کمی نہ کرتے؟ انہوں نے جواب دیا: میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میں ظالموں کی کسی بھی چیز میں کوئی مدد کروں۔ عبداللہ بن ولید وصافی نے کہا میں نے عطاء بن ابی رباح سے کہا: میرا ایک بھائی ہے وہ اپنے قلم سے رزق کماتا ہے جو مال خزانہ میں آتا ہے اور جو نکلتا ہے اس کا حساب رکھتا ہے اس کے عیال بھی ہیں اگر وہ اس ذمہ داری کو چھوڑے تو محتاج ہو جائے اور مقروض ہو جائے۔ پوچھا: سردار کون ہے؟ میں نے جواب دیا: خالد بن عبداللہ قسری۔ فرمایا: کیا تو وہ نہیں پڑھتا جو عبد صالح کہتا ہے: بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہی تو انہیں دوبارہ امتحان میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی، تیرا بھائی ان کی مدد نہیں کرتا اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے۔

عطاء نے کہا: کسی کے لیے بھی حلال نہیں کہ وہ ظالموں کی مدد کرے اس کے لیے نہ حساب کتاب لکھے اور نہ ہی اس کی سنگت اختیار کرے اگر اس نے اس میں سے کوئی بھی عمل کیا تو وہ ظالموں کا مددگار ہو جائے گا۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''قیامت کے روز ایک منادی کرنے والا ندا کرے گا: ظالم کہاں ہیں؟ ظالموں کی مشابہت اختیار کرنے والے کہاں ہیں؟ اور ظالموں کے مددگار کہاں ہیں؟ یہاں تک کہ جس نے ان کی دوات کی روشنائی کو درست کیا یا ان کے لیے قلم چھیلی تو انہیں لوہے کے ایک تابوت میں جمع کیا جائے گا اور جہنم میں پھینک دیا جائے گا''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''جو آدمی کسی مظلوم کے ساتھ چلا تاکہ اس کے ظلم کے خلاف اس کی مدد کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے قدم صراط پر ثبت فرما دے گا جس روز قدم پھسل جائیں گے اور جو آدمی ظالم کے ساتھ چلا تاکہ

1۔ کنز العمال، جلد 6، صفحہ 85، حدیث نمبر 14953

اس کے ظلم پر اس کی مدد کرے اللہ تعالیٰ اس کے قدموں کو پھسلا دے گا جس روز قدم پھسل جائیں گے"۔ حدیث طیبہ میں ہے: "جو ظالم کے ساتھ چلا تو اس نے جرم کیا"۔ ظالم کے ساتھ چلنا جرم نہیں مگر اس صورت میں جب وہ اس کی مدد کرے کیونکہ اس نے ایسے امر کا ارتکاب کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ: 2)

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا سورۂ طٰہٰ اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خوف کیا کرتے تھے۔ یہ ان لوگوں کا رد ہے جو اس کے خلاف قول کرتے ہیں خوف نہ تو معرفت کے خلاف ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے توکل کے خلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نفس کے قتل کی وجہ سے خوفزدہ نہ ہوتے کہ اس پر آپ کا مواخذہ کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنی قوم سے خوف تھا کہ کہیں وہ آپ کو فرعون کے سپرد ہی نہ کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ سے خوف تھا۔ يَتَرَقَّبُ سعید بن جبیر نے کہا: خوف کی وجہ سے مڑ کر پیچھے دیکھتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تلاش کا انتظار کرتے تھے اور اس امر کا انتظار کرتے تھے لوگ جو باتیں کر رہے ہیں۔ قتادہ نے کہا: وہ طلب کی انتظار کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نکلے تاکہ خبر سے آگاہی حاصل کریں۔ اسرائیلی کے علاوہ کسی کو پتہ نہ تھا کہ قبطی کو کس نے قتل کیا ہے۔ اصبح اس کے بارے میں احتمال ہے کہ وہ صار کے معنی میں ہے یعنی جب قتل کیا تو خوفزدہ ہو گئے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس صبح میں داخل ہوئے یعنی اس دن کی صبح میں جو اس دن کے پیچھے تھا۔ خَآئِفًا یہ منصوب ہے کیونکہ یہ اصبح کی خبر ہے اگر تو چاہے تو اسے حال بنا لے تو پھر ظرف خبر کے محل میں ہو گی۔

فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ تو کیا دیکھتے ہیں وہی اسرائیلی جسے گزشتہ روز آپ نے نجات عطا فرمائی تھی وہ ایک قبطی سے جھگڑ رہا ہے جو آپ سے مدد طلب کرنے کا خواہش مند تھا الاستصراخ کا معنی مدد طلب کرنا ہے۔ یہ صراخ سے مشتق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مدد طلب کرنے والا مدد لینے کے لیے چیختا ہے اور آواز نکالتا ہے۔ شاعر نے کہا:

كُنَّا إذَا مَا أتَانَا صارِخٌ فَزِعٌ   كَانَ الصُّراخُ له قرعَ الظَّنَابِيبِ

جب کوئی گھبرایا ہوا مدد طلب کرنے والا ہمارے پاس آتا ہے تو اس کی چیخ معاملہ کو آسان کر دیتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مدد طلب کرنے والا اسرائیلی وہ سامری تھا جسے فرعون کے نانبائی نے مطبخ تک لکڑیاں اٹھانے کا مطالبہ کیا تھا، قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ الَّذِي یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ يَسْتَصْرِخُهٗ خبر کی جگہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ امس اس دن کو کہتے ہیں جو تیرے دن سے پہلے ہو۔ یہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے مبنی بر کسرہ ہے۔ جب اس پر الف لام داخل ہو یا یہ مضاف ہو تو معرب ہو جاتا ہے تو اس کو رفع اور فتحہ کے ساتھ اعراب دیا جاتا ہے؛ یہ اکثر نحویوں کا نقطہ نظر ہے۔ اس میں سے کچھ وہ ہیں جو اس کو مبنی قرار دیتے ہیں جب کہ اس میں الف لام ہو۔ سیبویہ اور دوسرے علماء نے کہا کہ عربوں میں سے کچھ وہ ہیں کہ وہ اس کو رفع کے محل میں خصوصاً غیر منصرف قرار دیتے ہیں بعض اوقات شاعر مجبور ہوتا ہے تو وہ محل جر اور محل نصب میں بھی غیر منصرف قرار دیتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

لقد رأيتُ عجبًا مُذْ أَمْسِ

یہاں اس کو مذ کی وجہ سے جر دی ہے جب کہ عمدہ لغت رفع ہے لغت ثانیہ کی بنا پر اس کو محل جر میں رفع کی جگہ رکھا۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ، غوی کا معنی نقصان اٹھانے والا ہے کیونکہ تو اس کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے جس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو گمراہ ہے جس کی گمراہی واضح ہے میں نے کل تیری وجہ سے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور آج تو مجھے ایک اور کے لیے بلاتا ہے۔ غوی یہ أغوی یُغوی سے فعیل کا وزن ہے۔ یہ مغوی کے معنی میں ہے یہ وجیع اور الیم کی طرح ہے۔ جو موجع اور مولم کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غوی یہ غاوی کے معنی میں ہے تو ایسے آدمی کے ساتھ جنگ کرنے میں گمراہ ہے جس کی شر کو دور کرنے کی تو طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: آپ نے قبطی سے فرمایا اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ یعنی اس اسرائیلی سے خدمت لینے میں تو گمراہ ہے۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اسے پکڑ لیں۔ یوں باب ذکر کیا جاتا ہے بَطَشَ یَبْطِشُ، ضمہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ ایسا فعل ہے جو متعدی نہیں ہوتا۔

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ ابن جبیر نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ وہ قبطی کو پکڑیں تو اسرائیلی نے گمان کیا کہ آپ اسے پکڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں کیونکہ آپ نے اس سے سخت کلامی کی تھی۔ اس اسرائیلی نے کہا: اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ قبطی نے یہ گفتگو سن لی اور راز کو افشا کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسرائیلی نے قبطی کو پکڑنے کا ارادہ کر لیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے منع کیا تو اسرائیلی کو خوف لاحق ہوا تو کہا: اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ

اِنْ تُرِيْدُ، ان ما نافیہ کے معنی میں ہے۔ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ، جبار کا معنی قتال ہے۔ عکرمہ اور شعبی نے کہا: ایک آدمی اس وقت تک جبار نہیں ہو سکتا جب تک وہ دو آدمیوں کو ناحق قتل نہ کرے۔ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ یعنی ان لوگوں میں سے جو لوگوں کے درمیان اصلاح احوال کی کوشش کرتے ہیں۔

وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۞ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۞

"اور آیا ایک آدمی شہر کے آخر گوشہ سے دوڑتا ہوا اس نے (آکر) بتایا: اے موسیٰ! سردار لوگ سازش کر رہے ہیں آپ کے بارے میں کہ آپ کو قتل کر ڈالیں اس لیے نکل جائیے (یہاں سے) بے شک میں آپ کا خیر خواہ ہوں پس آپ نکلے وہاں سے ڈرتے ہوئے (اپنی گرفتاری کا) انتظار کرتے ہوئے عرض کی: میرے رب! بچا لے مجھے ظلم و ستم کرنے والوں سے اور جب آپ روانہ ہوئے مدین کی جانب (تو دل میں) کہنے لگے: امید ہے میرا رب میری رہنمائی فرمائے گا سیدھے راستہ کی طرف"۔

وَ جَآءَ رَجُلٌ اکثر مفسرین کی رائے ہے اس آدمی سے مراد حزقیل بن صبورا ہے جو آل فرعون کا مومن تھا۔ وہ فرعون کا چچا

زاد تھا، ثعلبی نے یہ ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ طالوت تھا؛ یہ سہیلی نے ذکر کیا ہے۔ مہدوی نے قتادہ سے یہ قول نقل کیا ہے: وہ شمعون تھا جو آل فرعون کا مومن تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ شمعان تھا۔ دارقطنی نے کہا: شین کے ساتھ شمعان معروف نہیں مگر وہ آل فرعون کا مومن تھا۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا اس آدمی کو خبر پہنچی تو اس نے کہا: یٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں اس قبطی کے بدلے میں جس کو تو نے گزشتہ کل قتل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایک دوسرے کو حکم دے رہے تھے۔ ازہری نے کہا: ائتمر القوم و تآمروا ان میں سے بعض نے بعض کو حکم دیا۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ (الطلاق: 6)

نمبر بن تولب نے کہا:

أری الناس قد أحدثوا شیمة وفی کل حادثة یؤتمر

میں لوگوں کو دیکھتا ہوں انہوں نے خصلت بنالی ہے ہر حادثہ میں مشورہ کیا جاتا ہے۔

فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ۝ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ وہ تلاش کا انتظار کر رہے تھے۔

قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار اسے کہتے ہیں جس کا وہ ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے جیسے مارنا اور ظلم سے قتل کرنا وہ انجام میں کوئی غور نہیں کرتا اور احسن طریقہ سے دفاع نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد متعظم ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے تواضع نہیں کرتا۔

وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّیْۤ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے، خوفزدہ ہو کر بھاگتے ہوئے مدین کی طرف نکلے ان کے ساتھ نہ کوئی زاد راہ تھا، نہ سواری تھی اور نہ ہی جوتے تھے، اس نسب کی وجہ سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے درمیان تھا، کیونکہ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کی اولاد میں سے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی حالت، راستہ سے ناواقفیت اور زاد راہ وغیرہ سے خالی ہونے کو دیکھا تو اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔ عَسٰى رَبِّیْۤ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ یہ اضطرار کی حالت ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام درخت کے پتوں سے قوت حاصل کرتے آپ یہاں نہ پہنچے یہاں تک کہ آپ کے قدموں کا موزہ بھی گر گیا۔ ابو مالک نے کہا: فرعون نے آپ کی تلاش میں آدمی بھیجے اور انہیں کہا: ان جگہوں سے اسے تلاش کرو جہاں سے پہاڑی راستے الگ ہوتے ہیں، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام راستے سے واقف نہیں۔ ایک فرشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا جو گھوڑے پر سوار تھا اس کے پاس نیزہ تھا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: میرے پیچھے چلو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی پیروی کی تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راستہ دکھا دیا۔ یہ کہا جاتا ہے: اس نے آپ کو نیزہ دیا یہی آپ کا عصا تھا۔ ایک روایت یہ کی جاتی ہے: آپ کا عصا وہ تھا جو آپ نے مدین سے بھیڑ بکریاں چرانے کے لیے حاصل کیا تھا؛ یہ قول اکثر علماء سے مروی ہے اور زیادہ صحیح ہے۔ مقاتل اور سدی نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل امین کو آپ کی طرف بھیجا؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے مدین اور مصر کے درمیان آٹھ ایام کا فاصلہ تھا؛ یہ ابن جبیر اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔ مدین کا ملک فرعون کی حکومت میں شامل نہیں تھا۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۟ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٜ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾

"اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو (اپنے مویشوں کو) پانی پلا رہے ہیں اور دیکھیں اس انبوہ سے الگ تھلگ دو عورتیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں آپ نے پوچھا کہ تم کیوں اس حال میں کھڑی ہو؟ ان دونوں نے کہا: ہم نہیں پلا سکتیں جب تک چرواہے اپنے مویشوں کو لے کر واپس نہ چلے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں تو آپ نے پانی پلا دیا ان (کے ریوڑ) کو پھر لوٹ کر سایہ کی طرف آ گئے اور عرض کرنے لگے: میرے مالک! واقعی میں اس خیر و برکت کا جو تو نے میری طرف اتاری ہے محتاج ہوں کچھ دیر بعد آئی آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک خاتون شرم و حیاء سے چلتی ہوئی (اور آ کر) کہا: میرے والد تمہیں بلاتے ہیں تا کہ تم نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کا تمہیں معاوضہ دیں پس جب آپ ان کے پاس آئے اور اپنا واقعہ ان کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے (تسلی دیتے ہوئے) کہا: ڈرو نہیں تم بچ کر نکل آئے ظالموں (کے پنجہ) سے ان دو میں سے ایک خاتون نے کہا: میرے (محترم) باپ اسے نوکر رکھ لیجئے بے شک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور بھی ہو اور دیانت دار بھی ہو۔ آپ نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں بیاہ دوں تمہیں ایک اپنی دو بچیوں سے بشرطیکہ تو میری خدمت کرے آٹھ سال تک پھر اگر پورے کر دو دس سال تو یہ تمہاری اپنی مرضی اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں تو پائے گا مجھے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا نیک لوگوں سے (جو وعدہ ایفاء کرتے ہیں) موسیٰ نے کہا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے پا گئی

ان دو میعادوں سے جو میعاد میں گزار دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ جو قول و قرار ہم نے کیا ہے اس پر نگہبان ہے''۔

اس میں تئیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام چلتے رہے یہاں تک کہ مدین کے چشمہ پر پہنچے۔ وَرَدَ مَآءَ سے مراد ہے اس تک پہنچ گئے اس کا یہ مطلب نہیں اس میں داخل ہو گئے ورود کا لفظ بعض اوقات مورد میں داخل ہونے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، بعض اوقات اطلاع پانے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی پہنچنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اگرچہ اس میں داخل نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چشمہ پر وارد ہونے سے مراد اس تک پہنچنا ہے۔ اس معنی میں زہیر کا قول ہے:

فَلَمَّا وَرَدْنَ الماءَ زُرْقًا جِمَامُهُ وَضَعْنَ عِصِيَّ الحاضِرِ المُتَخَيِّمِ

جب وہ اس چشمہ پر وارد ہوئیں جس کا لبالب پانی آسمان کے رنگ جیسا نظر آ رہا تھا۔

یہ معانی اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم: 71) میں گزر چکے ہیں۔ مدین غیر منصرف ہے کیونکہ یہ معروف شہر ہے۔

شاعر نے کہا:

رُهبانُ مدينَ لو راوْكِ تَنَزَّلُوا

مدین کے راہب اگر تجھے دیکھ لیتے تو اپنی عبادت گاہوں سے نیچے اتر آتے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسا قبیلہ ہے جو حضرت مدین بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ امۃ سے مراد جمع کثیر ہے۔ يَسْقُوْنَ کا معنی ہے وہ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ مِنْ دُوْنِهِمُ معنی ہے اس جانب سے جس جہت سے آپ آئے تو آپ ان عورتوں تک جا پہنچے قبل اس کے کہ اس جماعت تک پہنچتے۔ آپ نے ان دونوں کو پایا کہ وہ اپنے ریوڑ کو روک رہی ہے۔ اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: فَلَيُذَادَنَّ رجالٌ عن حوضی میرے حوض سے لوگوں کو روکا جا رہا ہوگا۔ بعض مصاحف میں ہے: امراتین حابستین تذودان یہ جملہ بولا جاتا ہے: ذاد یذود جب وہ روکے ذدت الشیء میں نے شے کو روکا؛ شاعر نے کہا:

أَبِيت على باب القَوَافِي كأنَّمَا أَذُودُ بها سِرْبًا من الوحشِ نُزَّعَا

میں قافیوں (شکاری کا گڑھا) کے دروازے پر رات گزارتا ہوں گویا میں وہاں سے وحشی جانوروں کی جماعت کو روکتا ہوں۔ اذود کا معنی ہے میں روکتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تذودان کا معنی ہے وہ دھتکار رہی تھیں؛ شاعر نے کہا:

لقد سَلَبتْ عصاكَ بنو تميم فما تَدْرِي بأيِّ عصًا تَذُودُ

بنو تمیم نے تیرے عصا کو سلب کر لیا ہے تو نہیں جانتا تو کس عصا کے ساتھ دھتکارے گا۔

تذود کا معنی تو دھتکارے گا، تو روکے گا۔ ابن سلام نے کہا: وہ اپنے ریوڑ کو روک رہی تھیں تا کہ لوگوں کے ریوڑ کے ساتھ

مل نہ جائیں۔ مفعول کو حذف کر دیا گیا یا تو مقصد مخاطب کو وہم دلانا ہے یا اس کے علم کی وجہ سے ذکر کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ قوی پانی پلانے والوں کے ڈر سے اپنے ریوڑ کو پانی سے روک رہی تھیں۔ قتادہ نے کہا: وہ لوگوں کو اپنے ریوڑ سے روکے ہوئے تھیں۔ نحاس نے کہا: پہلا معنی زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کے بعد ہے قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ اگر وہ لوگوں کو اپنے ریوڑ سے روک رہی ہوتیں تو وہ یہ خبر نہ دیتیں کہ وہ اپنے ریوڑ کو اس وقت پلاتی ہیں جب چرواہے چلے جائیں گے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس انداز کو دیکھا تو کہا: مَا خَطْبُكُمَا یعنی تمہارا کیا معاملہ ہے؟ رؤبہ نے کہا:

یا عَجَبًا ما خَطْبُه و خَطْبِی

تعجب ہے اس کے اور میرے کام پر۔

ابن عطیہ نے کہا: مصیبت زدہ، مظلوم، جس پر شفقت مقصود ہو یا جو عجیب وغریب کام کرے اس سے سوال کرنے کے لیے لفظ خطب استعمال ہوتا ہے، گویا یہ لفظ شر کے بارے میں سوال کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ دونوں نے اپنے بارے میں بتایا اور یہ بتایا کہ ان کے باپ انتہائی بوڑھے شخص ہیں معنی ہے وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے ریوڑ کے معاملات نہیں سنبھال سکتے اور وہ دونوں بہنیں اپنے ضعف اور طاقت کی کمی کی وجہ سے قوی لوگوں کے ساتھ مزاحمت کی طاقت نہیں رکھتیں۔ ان دونوں کی عادت یہ ہے کہ وہ آہستگی اپناتی ہیں یہاں تک کہ لوگ پانی سے چلے جاتے ہیں اور چشمہ خالی ہو جاتا ہے۔ وہ اس وقت وارد ہوتی ہیں۔ ابن عامر اور ابو عمرو نے پڑھا يَصْدِرُ یہ صَدَرَ سے مشتق ہے یہ ورد کی ضد ہے، یعنی جب چرواہے واپس چلے جاتے ہیں۔ باقی يُصْدِرُ پڑھتے ہیں یہ أَصْدَرَ سے مشتق ہے، یہاں تک کہ ان کے چوپائے پانی سے واپس چلے جاتے ہیں۔ رعاء یہ راعی کی جمع ہے۔ جس طرح تاجر کی جمع تجار، صاحب کی جمع صحاب آتی ہے۔ ایک فرقہ کہتا ہے: کنویں اوپر سے کھلے ہوئے تھے۔ لوگوں کا ازدحام ان دونوں کو روکتا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ ان کے ریوڑ کو پانی پلائیں تو آپ نے لوگوں سے مزاحمت کی اور پانی پلانے میں ان پر غلبہ پایا یہاں تک کہ آپ نے پانی پلایا۔ اسی غلبہ کی وجہ سے ان دونوں میں سے ایک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت سے وصف بیان کیا۔ ایک جماعت نے کہا: وہ حوضوں میں ان کے بچے ہوئے پانی پر آتیں اگر دونوں حوض میں باقی ماندہ پانی پاتیں تو یہی ان کے جانوروں کی سیرابی کا باعث ہوتا اگر اس میں کوئی پانی نہ ہوتا تو ان کا ریوڑ پیاسا رہ جاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان پر ترس آ گیا آپ نے ایک کنویں کا قصد کیا جو اوپر سے ڈھانپا گیا تھا لوگ دوسرے کنویں سے پانی پلا رہے تھے۔ اس کنویں کے پتھر کو سات آدمی ہی اٹھا سکتے تھے۔ یہ ابن زید کا قول ہے۔ ابن جریج نے کہا: دس آدمی اٹھا سکتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تیس آدمی اٹھا سکتے تھے۔ زجاج نے کہا: چالیس آدمی اٹھا سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے اسے اٹھایا اور دونوں عورتوں کے ریوڑ کو پانی پلا دیا۔ اس پتھر کے اٹھانے کی وجہ سے ان میں سے ایک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت کے ساتھ صفت لگائی ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا کنواں ایک تھا۔ آپ نے وہ پتھر چرواہوں کے چلے جانے کے بعد اٹھایا تھا۔ جب کہ دونوں عورتوں کی عادت یہ تھی کہ وہ بچے ہوئے پانی کو پلایا کرتی

تھیں۔ عمرو بن میمون نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، انہوں نے کہا: جب چرواہوں نے پانی پلا لیا تو انہوں نے کنویں پر ایک پتھر رکھ دیا جسے دس آدمی ہی اٹھا سکتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے آپ نے وہ پتھر ہٹایا اور پانی کا ایک ہی ڈول نکالا کسی اور ڈول کی ضرورت نہ رہی تو آپ نے ان کے ریوڑ کو سیراب کر دیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اگر یہ سوال کیا جائے: اللہ کے نبی جو حضرت شعیب علیہ السلام ہیں کے لیے کیسے جائز تھا کہ وہ اس بات پر راضی تھے کہ ان کے جانوروں کو پانی کے لیے ان کی بیٹیاں کام کریں؟ اس کو جواب دیا جائے گا: یہ کوئی ممنوع نہیں۔ دین اس کا انکار نہیں کرتا۔ جہاں تک مروت کا تعلق ہے تو لوگوں کی آراء مختلف ہیں۔ لوگوں کی عادت جدا جدا ہے۔ عربوں کے احوال عجمیوں کے احوال سے مختلف ہیں۔ دیہاتی لوگوں کا رویہ شہریوں سے مختلف ہے، خصوصاً جب مجبوری ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ آپ سمرہ (ببول) درخت کے سایہ کی طرف گئے، یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور اس سوال کی طرف متوجہ ہوئے جو آپ کو کھانا کھلائے اس کا ذکر اس قول میں ہے: اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ آپ نے سات دن سے کوئی کھانا نہیں کھایا تھا، آپ کا پیٹ پشت سے لگ چکا تھا۔ دعا کی اور سوال کی وضاحت نہ کی۔ تمام مفسرین نے اس طرح روایت کیا ہے کہ آپ نے اس کلام میں کھانے کو طلب کیا۔ خیر یہاں کھانے کے معنی میں ہے جس طرح اس آیت میں ہے اور مال کے معنی میں ہے جس طرح فرمایا: اِنْ تَرَكَ خَیْرَا (البقرہ: 180) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ (العادیات) یہ لفظ قوت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جس طرح فرمایا: اَهُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ (الدخان: 37) یہ عبادت کے معنی میں ہے جس طرح فرمایا: وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ (الانبیاء: 73) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بھوک انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور پیٹ میں سبزیاں کھانے سے رنگ زرد پڑ چکا تھا جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے معزز تھے۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ مدین تک نہیں پہنچے تھے یہاں تک کہ پاؤں کے نیچے والے حصے گر چکے تھے۔ اس میں یہ شعور دلایا گیا ہے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حقیر ہے ابو بکر بن طاہر نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ کے بارے میں کہا: میں محتاج ہوں اس چیز کا جو تو نے فضل اور غنا نازل فرمائی کہ تو مجھے اپنے غیر سے غنی کر دے۔

میں کہتا ہوں: اہل تفسیر نے جو کہا وہ اولیٰ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے واسطہ سے آپ کو غنی کر دیا۔

مسئلہ نمبر 4۔ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ اس کلام میں اختصار ہے جس پر یہ کلام ظاہر دلالت کرتا ہے۔ ابن اسحاق یا ابو اسحاق نے یہ کہا ہے: وہ دونوں تیزی سے اپنے باپ کی طرف گئیں ان کا معمول یہ تھا کہ وہ پانی پلانے میں دیری کیا کرتی تھیں۔ دونوں نے اس مرد کے بارے میں بتایا جس نے ان کے ریوڑ کو پانی پلایا تھا۔ آپ نے اپنی بڑی بیٹی کو حکم دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اپنی چھوٹی بیٹی کو حکم دیا کہ وہ اس مرد کو بلا لائے۔ تو وہ بچی آئی جس طرح اس آیت میں ذکر ہے۔ عمر بن میمون نے کہا: وہ ایسی عورتوں میں سے نہ تھی جو مردوں پر جری ہوتی ہیں اور حیلہ گر ہوتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا

ہے: وہ اپنی قمیص کے پلو سے اپنے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھی۔ یہ حضرت عمر بن خطاب نے قول کیا ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے ان دونوں میں سے ایک کا نام لیا اور دوسری کا نام صفور یا تھا یہ دونوں شیرون کی بیٹیاں تھیں اور شیرون ہی حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی پوتیاں تھیں اور حضرت شعیب علیہ السلام کا وصال ہو چکا تھا۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں۔ قرآن کا ظاہر یہی بتاتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا** (اعراف: 85) میں اسی طرح ہے۔ سورۂ شعراء میں ہے **كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۚ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ** (شعراء) قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحاب ایکہ اور اصحاب مدین کی طرف بھیجا۔ سورۂ اعراف میں ان کے باپ کے نام کے بارے میں اختلاف گزر چکا ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ جب وہ لڑکی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پیغام لائی تو آپ اس کے پیچھے ہو لیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے درمیان تین میل کا فاصلہ تھا۔ ہوا چلی تو قمیص جسم کے ساتھ چپک گئی اور اس کی سرین کی کیفیت کو بیان کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے دیکھنے میں گناہ محسوس کیا فرمایا: میرے پیچھے ہو لے اور اپنی آواز کے ساتھ مجھے راستہ کے بارے میں آگاہ کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ابتداءً کہا: میرے پیچھے ہو لے میں عبرانی آدمی ہوں میں عورتوں کی پشت کو نہیں دیکھتا مجھے دائیں بائیں بتا کر راستہ پر میری راہنمائی کرو۔ اس بچی نے آپ کی امانت کے ساتھ جو وصف بیان کیا تھا اس کا سبب یہی تھا: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بلانے والے تک پہنچے اور اپنی تمام سرگزشت سنائی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے اس قول کے ساتھ آپ سے انس کا اظہار کیا: **لَا تَخَفْ ٝ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ** مدین کا علاقہ فرعون کی مملکت سے باہر تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھانا پیش کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں نہیں کھاؤں گا۔ ہم اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ہم اپنا دین زمین بھر سونے کے بدلے میں بھی نہیں بیچتے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا: یہ پانی پلانے کا عوض نہیں بلکہ یہ میرے اور میرے آباء کا معمول ہے کہ ہم مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، کھانا کھلاتے ہیں اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھانا کھایا۔

مسئلہ نمبر 5۔ **قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ** یہ اس امر پر دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اجارہ مشروع تھا اور معلوم و معروف بھی تھا۔ ہر ملت میں یہ اسی طرح ہے۔ یہ انسان کی ضرورت ہے اور لوگوں کے درمیان میل جول کی مصلحت میں سے ہے۔ اصم نے اس میں اختلاف کیا ہے کیونکہ وہ سننے سے بہرہ تھا۔

مسئلہ نمبر 6۔ **اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ** اس میں یہ معنی ہے کہ ولی اپنی بیٹی کسی آدمی پر پیش کرتا ہے یہ مروج سنت ہے۔ مدین کے صالح نے اپنی بیٹی بنی اسرائیل کے صالح کو پیش کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان غنی پر پیش کی۔ ایک عورت نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا۔ یہ اچھی بات ہے کہ مرد اپنی رشتہ دار عورت کسی پر پیش کرے اور ایک عورت اپنے آپ کو صالح مرد پر پیش کرے اس میں سلف صالحین کی اقتدا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت حفصہ بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان سے کہا: اگر تو چاہے تو میں تیرا

نکاح حفصہ بنت عمر سے کر دوں۔ امام بخاری نے تنہا اس روایت کو نقل کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ نکاح کا اختیار ولی کو ہے عورت کا اس میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ مدین کے صالح نے اس کی ذمہ داری کو قبول کیا۔ شہروں کے فقہاء نے یہی قول کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ یہ بحث گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ مشورہ کے بغیر اپنی باکرہ بالغہ کی شادی کر دے، امام مالک کا یہی قول ہے آپ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ یہ اس باب میں قوی اور ظاہر ہے آپ کا اس سے استدلال کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے وہ اسرائیلیات پر اعتماد کرتے تھے۔ جس طرح پہلے گزرا ہے۔ اس مسئلہ میں امام مالک کے قول کی وجہ سے امام شافعی اور دوسرے کثیر علماء نے بھی یہی قول کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جب بچی بالغ ہو جائے تو کوئی آدمی بھی اس کی مرضی کے بغیر شادی نہ کرے کیونکہ وہ مکلف بننے کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ جب وہ چھوٹی ہو تو اس کی مرضی کے بغیر بھی شادی کر سکتا ہے کیونکہ چھوٹی عمر میں نہ اس کا اذن ہے اور نہ اس کی رضا کی کوئی اہمیت ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

مسئلہ نمبر 9۔ اصحاب الشافعی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡكِحَكَ سے یہ استدلال کیا ہے کہ نکاح، لفظ تزویج اور لفظ نکاح پر موقوف ہے۔ یہی قول ربیعہ، ابوثور، ابوعبید، داؤد، امام مالک نے کیا ہے آپ سے یہ قول اختلاف سے مروی ہے ہمارے علماء کا مشہور قول یہ ہے: نکاح ہر لفظ سے منعقد ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: نکاح ہر ایسے لفظ سے منعقد ہو جاتا ہے جو دائمی ملکیت کا تقاضا کرتا ہے۔ جہاں تک شافعیہ کا تعلق ہے ان کے لیے اس آیت میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ ہم سے پہلی امتوں کا حکم ہے اور پہلی شریعتوں کے حکم کو مشہور مذہب کے مطابق وہ حجت تسلیم نہیں کرتے، جہاں تک امام ابوحنیفہ، آپ کے اصحاب، ثوری، حسن بن حی کا تعلق ہے انہوں نے کہا: ہبہ وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے جب اس پر گواہ قائم کر دیئے جائیں کیونکہ طلاق لفظ صریح اور لفظ کنایہ سے واقع ہو جاتی ہے۔ انہوں نے کہا: اس طرح نکاح بھی واقع ہو جاتا ہے۔ انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خصوصی حکم دیا وہ یہ ہے کہ عوض کے بغیر بضع کی ملکیت حاصل نہ کی جائے۔ لفظ ہبہ سے نکاح منع نہیں کیا، ابن قاسم نے ان کی موافقت کی ہے۔ کہا: اگر اس نے اپنی بیٹی ہبہ کی جب کہ وہ اس کے نکاح کا ارادہ کرتا ہو تو پس امام مالک سے اس بارے میں کوئی چیز یاد نہیں رکھتا۔ میرے نزدیک یہ چیز اسی طرح ہے جس طرح بیع کا لفظ استعمال کرنا۔ ابوعمر نے کہا: صحیح یہ ہے کہ ہبہ کے لفظ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، جس طرح نکاح کے الفاظ سے اموال میں سے کسی چیز کا ہبہ نہیں ہوتا نیز نکاح میں وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس پر شہادت دی جا سکے۔ یہ طلاق کی ضد ہے تو اس پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے؟ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نکاح أبحت لك اور أحللت لك کے الفاظ سے منعقد نہیں ہوتا اسی طرح ہبہ کے الفاظ سے عقد نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **استحللتم فروجهن بكلمة الله**(1) تم ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے حکم سے حلال کرو۔ کلمة الله سے مراد قرآن ہے قرآن حکیم میں لفظ ہبہ سے عقد نکاح کا ذکر

1۔ ابن ماجہ، باب حج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 397

نہیں۔ اس میں تزویج اور نکاح کا ذکر ہے۔ لفظ ہبہ کے ساتھ نکاح کے جواز کا قول کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے بعض کا ابطال لازم آتا ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ اس میں یہ دلالت ہے کہ یہاں ایک کو پیش کیا جا رہا ہے عقد نہیں کیا جا رہا ہے، کیونکہ اگر یہ عقد نکاح ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے معقود علیہ کو معین کر دیا جاتا، کیونکہ علماء اگرچہ اس صورت میں بیع کے جواز میں اختلاف کرتے ہیں جب کوئی کہے: بعتك أحد عبدی هذين بثمن كذا میں نے ان دو غلاموں میں سے ایک کو اس قیمت پر تیرے ہاتھ بیچا۔ انہوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ نکاح کے اندر یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں اختیار ہے اور اختیار میں سے کسی چیز کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں۔

مسئلہ نمبر 11۔ مکی نے کہا: اس آیت میں نکاح کے خصوصی احکام ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیوی کو معین نہیں کیا اور عرصہ کے آغاز کو معین نہیں کیا اور اجارہ کو مہر بنایا ہے اور نقد کوئی شے نہیں دی۔

میں کہتا ہوں: یہ وہ چار مسائل ہیں جنہیں گیارہ نمبر مسئلہ اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔

(ا) چار مسائل میں سے ایک تعیین ہے۔ ہمارے علماء نے کہا: جہاں تک تعیین کا تعلق ہے تو یہ اس کے مشابہ ہے کہ یہ متوجہ کرنے کے مرحلہ میں ہو پہلے معاملہ کو مجمل انداز میں پیش کیا اور بعد میں اس کی تعیین کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی شادی صفوریا سے کر دی۔ یہی حضرت شعیب کی چھوٹی بیٹی تھی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر تجھ سے سوال کیا جائے: دونوں مدتوں میں سے کون سی مدت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوری کی تو کہنا ان دونوں میں سے بہتر اور کامل مدت پوری کی۔ اگر تجھ سے سوال کیا جائے: کس عورت سے شادی کی؟ تو کہنا: چھوٹی سے۔ یہی وہ تھی جو اس کے پیچھے آئی اور اس نے کہا: **يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ** ''(1)۔

لیکن قول یہ کیا گیا ہے: بڑی سے پہلے چھوٹی سے شادی کرنے میں حکمت یہ تھی اگرچہ بڑی کو مردوں کی زیادہ ضرورت تھی کیونکہ حضرت شعیب کو توقع تھی کہ وہ اس کی طرف مائل ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیغام لاتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور جب حضرت موسیٰ اس کے باپ کی طرف آ رہے تھے اس وقت اس کے ساتھ چلے تھے اگر حضرت شعیب علیہ السلام اس پر بڑی کو پیش کرتے ممکن تھا کہ وہ اس کے لیے پسندیدگی کو ظاہر کر دیتے جب کہ دل میں کسی غیر کو پوشیدہ رکھے ہوتے۔ اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ بعض روایات میں ہے: آپ نے بڑی سے شادی کی تھی؛ قشیری نے اسے بیان کیا ہے۔

(ب) مدت کے آغاز کا جو ذکر کیا گیا ہے آیت میں ایسی کوئی دلالت نہیں جو اس کے اسقاط کا تقاضا کرے بلکہ اسکے بیان سے یہ خاموش ہے۔ ممکن ہے دونوں نے اسے لکھ لیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے جب عقد ہو گا اس وقت سے اس مدت کا آغاز ہو گا۔

1۔ کنز العمال، جلد 2، صفحہ 33، حدیث نمبر 3021

(ج) اجارہ کے بدلے نکاح یہ تو آیت میں ظاہر ہے۔ یہ ایسا امر ہے جس کو ہماری شرع نے بیان کیا ہے اور اس حدیث میں اس کا ذکر ہے جس کے پاس قرآن کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔ اسے ائمہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی ایک سند میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قرآن حکیم میں سے جسے تو یاد رکھتا ہے" (1)۔ اس نے عرض کی: سورۂ بقرہ اور اس کے بعد والی سورت فرمایا: "اسے بیس آیات کی تعلیم دے دے یہ تیری بیوی ہے"۔ علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اس بارے میں ان کے تین اقوال ہیں (۱) امام مالک نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، ابن قاسم نے اس سے منع کیا ہے، ابن حبیب نے اسے جائز قرار دیا ہے؛ یہ امام شافعی اور آپ کے اصحاب کا قول ہے۔ انہوں نے کہا: یہ جائز ہے کہ حر (آزاد) کی منفعت مہر ہو جس طرح کپڑے سینا، تعمیر کرنا اور قرآن کی تعلیم دینا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: یہ صحیح نہیں اور اس امر کو جائز قرار دیا ہے کہ وہ اس عورت سے شادی کرے اور شرط یہ لگائے کہ اس کا غلام ایک سال تک اس کی خدمت کرے گا یا اسے اپنے گھر میں ایک سال تک رکھے کیونکہ غلام اور گھر مال ہے۔ اپنی بیوی کا خود خدمت کرنا مال نہیں۔

ابو الحسن کرخی نے کہا: اجارہ کے لفظ کے ساتھ عقد نکاح جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ** (النساء: 24) ابوبکر رازی نے کہا: یہ صحیح نہیں کیونکہ اجارہ ایسا عقد ہے جس میں وقت کی تعیین ہوتی ہے اور عقد نکاح دائمی ہوتا ہے۔ یہ آپس میں منافی ہیں۔ ابن قاسم نے کہا: حقوق زوجیت ادا کرنے سے قبل یہ ختم ہو سکتا ہے اور اس کے بعد ثابت ہو جاتا ہے۔ اصبغ نے کہا: اگر اس نے ساتھ ہی کوئی چیز نقد بھی دی تو اس میں اختلاف ہے اگر ساتھ نقد کوئی چیز نہ دی تو یہ اس سے بھی زیادہ شدید ہے۔ اگر اس کو ترک کیا تو یہ ہر حال میں نافذ ہوگا دلیل حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ ہے؛ یہ امام مالک، ابن معاذ اور اشہب کا قول ہے۔ اس مسئلہ میں متاخرین اور متقدمین کی ایک جماعت نے اس آیت پر اعتماد کیا ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا ہے: یہ آیت اجارہ کی صورت میں نکاح کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے عقد صحیح ہے۔ یہ مکروہ ہے کہ اجارہ کو مہر بنایا جائے مناسب یہ ہے کہ مہر مال ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ** (النساء: 24) یہ ہمارے تمام علماء کا قول ہے۔

(د) جہاں تک یہ قول ہے: ودخل ولم ینقد علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ جب عقد کیا اس وقت حقوق زوجیت ادا کیے یا جب ساتھ سفر کیا۔ اگر یہ اس وقت ہوا جب عقد کیا تو کیا کوئی نقد پیش کیا؟ ہمارے علماء نے دخول (حقوق زوجیت ادا کرنا) سے منع کیا یہاں تک کہ وہ کوئی چیز نقد پیش کرے اگرچہ وہ ایک چوتھائی دینار ہو؛ یہ ابن قاسم کا قول ہے۔ اگر نقد دینے سے پہلے دخول کیا تو یہ نافذ ہو جائے گا، کیونکہ ہمارے علماء میں سے متاخرین نے کہا: تمام مہر پہلے دینا یا اس میں سے کچھ پہلے دینا یہ مستحب ہے۔ اگر مہر ریوڑ کو چرانا ہو تو خدمت میں شروع ہونے سے ہی نقد ادائیگی ہوگی۔ اگر دخول اس وقت کیا جب ساتھ سفر کیا تو نکاح میں طویل انتظار جائز ہے، اگرچہ عرصہ کی طوالت شرط کے بغیر ہو۔ اگر شرط کی صورت میں ہو تو یہ جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ غرض صحیح ہو جس طرح حرم میں داخل کرنے کی تیاری کرنا یا بیوی کا حقوق زوجیت کے اہل ہونے کا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی تزویج علی العمل من یعمل، جلد 1، صفحہ 287

انتظار کرنا اگر وہ بالغ نہ ہو اس پر ہمارے علماء نے تصریح کی ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اس آیت میں اجارہ اور نکاح کا اجتماع ہے ہمارے علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے اس بارے میں تین اقوال ہیں (۱) ثمانیہ ابی زید میں کہا: ابتداء مکروہ ہے اگر ایسا ہو گیا تو نافذ ہو جائے گا (۲) امام مالک اور ابن قاسم کا مشہور قول ہے: جائز نہیں، دخول سے قبل اور اس کے بعد فسخ ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں جس طرح باقی ماندہ مختلف عقود ہوتے ہیں (۳) اشہب اور اصبغ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہی صحیح ہے۔ آیت اسی پر دلالت کرتی ہے۔ امام مالک نے کہا: نکاح بیع کے زیادہ مشابہ ہے تو پھر اجارہ اور بیع میں کیا فرق ہے؟ اور بیع اور نکاح میں کیا فرق ہے؟

مسئلہ: اگر اس نے یہ مہر مقرر کیا کہ وہ اپنی بیوی کو مباح شعر کی تعلیم دے تو یہ صحیح ہے؛ یہ مزنی نے کہا ہے۔ وہ شاعر کے قول کی طرح ہے:

يقول العبد فائدتي ومالي وتقوى الله أفضل ما استفادا

بندہ کہتا ہے: ہائے میرا فائدہ اور میرا مال! اللہ کا تقویٰ زیادہ افضل ہے جتنا وہ فائدہ اٹھائے۔

اگر اس نے یہ مہر مقرر کیا کہ وہ ایسے اشعار کی تعلیم دے گا جس میں ہجو اور فحش کلامی ہو تو یہ اسی طرح ہے جس طرح اس نے شراب یا خنزیر کو مہر کے طور پر مقرر کیا۔

مسئلہ نمبر 13۔ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ خدمت کا ذکر مطلق جاری ہوا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: یہ جائز ہے اسے آپ عرف پر محمول کرتے ہیں خدمت کا ذکر کرنا کوئی ضروری نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا ظاہر یہی ہے، کیونکہ یہ اجارہ مطلقہ کا ذکر ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا: یہ جائز نہیں یہاں تک کہ وہ نام لے کیونکہ یہ مجہول ہے۔ امام بخاری نے باب باندھا ہے: باب من استاجر اجیرا فبین له الاجل ولم يبين له العمل۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ مہلب نے کہا: بات اس طرح نہیں جس طرح آپ نے باب باندھا ہے، کیونکہ عمل ان کے نزدیک معلوم تھا کہ پانی پلانا ہے، ہل چلانا ہے اور ریوڑ چرانا ہے اور اس کی مثل جو دیہاتی علاقوں کے کام ہوتے ہیں۔ یہ عمل متعارف تھا۔ اگرچہ معین عمل اور معین مقدار کا ذکر نہ کیا جائے، جس طرح وہ اسے کہتے: انك تحرث كذا من السنة وترعى كذا من السنة تو اتنے سال ہل چلائے گا اور اتنے سال جانور چرائے گا۔ یہ دیہاتی زندگی کا عام معمول ہے۔ جو چیز تمام علماء کے نزدیک جائز نہیں وہ یہ ہے کہ مدت مجہول ہو اور عمل غیر معروف ہو یہ عقد جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ یہ معلوم ہو جائے۔ ابن عربی نے کہا: اہل تفسیر نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ریوڑ چرانے کے عمل کو معین کیا یہ صحیح سند سے مروی نہیں لیکن انہوں نے کہا: مدین کے صالح کا ریوڑ چرانے کے سوا کوئی عمل نہ تھا، تو ان کا جو مال معلوم تھا وہ خدمت کی تعیین کے قائم مقام ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر 14۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ جائز ہے کہ کوئی آدمی چرواہے کو چند معین مہینوں کے لیے اجرت پر

رکھے، اجرت معلوم ہو اس میں معین بھیڑ بکریوں کی بھی رعایت کی جائے اگر معین بکریاں ہوں تو اس میں ہمارے علماء کی تفصیل ہے۔ ابن قاسم نے کہا: یہ جائز نہیں یہاں تک کہ ان بکریوں کے نائب کی شرط لگائی جائے اگر وہ بکریاں مرجائیں۔ یہ بہت ہی کمزور روایت ہے۔ مدین کے صالح نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجرت پر رکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دیکھا اور آپ نے نائب کی شرط نہیں لگائی۔ اگر وہ مطلق ہوں نہ ان کا نام لیا گیا ہو اور نہ ہی وہ معین ہوں تو ہمارے علماء کے نزدیک یہ جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا: ان کی جہالت کی وجہ سے جائز نہیں۔ ہمارے علماء نے عرف پر اعتماد کیا ہے جس طرح ہم نے ابھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کو اتنی مزدوری دی جائے گی جس قدر وہ طاقت رکھتا ہوگا۔ ہمارے بعض علماء نے یہ زائد کہا ہے کہ یہ جائز نہیں یہاں تک کہ مزدور رکھنے والا اس کی قوت کا اندازہ جانتا ہو؛ یہ قول صحیح ہے کیونکہ مدین کے صالح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت کی مقدار کو جانتے تھے کیونکہ آپ نے پتھر اٹھایا تھا۔

مسئلہ نمبر 15۔ امام مالک نے کہا: چرواہے پر کوئی ضمانت نہیں جو جانور ہلاک ہو یا جس کو چوری کیا گیا ہو اس کے بارے میں چرواہے کی بات کو تسلیم کیا جائے گا، کیونکہ وہ وکیل کی طرح امین ہے۔ امام بخاری نے یہ عنوان باندھا ہے۔ باب إذا أبصر الراعي أو الوكيل شاة تموت أو شيئا يفسد فأصلح، يخاف الفساد اور کعب بن مالک کی حدیث کو ذکر کیا جو انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی۔ ان کی بکریاں تھیں جو سلع پہاڑ پر چرائی جاتی تھیں ہماری ایک لونڈی نے ہمارے ریوڑ میں سے ایک بکری دیکھی جو مر رہی تھی اس نے ایک پتھر توڑا اور اس پتھر کے ساتھ اسے ذبح کر دیا۔ اس نے انہیں کہا: نہ کھاؤ یہاں تک کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کروں یا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کوئی آدمی بھیجوں جو آپ سے سوال کرے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا یا آپ نے آدمی بھیجا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ نے کہا: مجھے اس امر نے متعجب کیا کہ وہ لونڈی ہے اور اس نے جانور ذبح کیا ہے۔ مہلب نے کہا: اس میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ چرواہے اور وکیل کی ان امور میں تصدیق کی جائے گی جس پر ہم نے اسے امین بنایا ہے یہاں تک کہ ان دونوں پر خیانت اور جھوٹ کی دلیل ظاہر ہو؛ یہ امام مالک اور جماعت کا قول ہے۔ ابن قاسم نے کہا: جب اسے بکری کے مرجانے کا خوف ہو تو اس نے اس بکری کو ذبح کر دیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا اور جب وہ ذبح شدہ لائے گا تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ دوسرے علماء نے کہا: وہ ضامن ہوگا یہاں تک کہ اس نے جو کچھ کہا وہ واضح ہو جائے۔

مسئلہ نمبر 16۔ ابن قاسم اور اشہب نے اختلاف کیا ہے جب چرواہے نے جانوروں کی ماداؤں پر مالکوں کی اجازت کے بغیر نر چھوڑے تو وہ مادائیں ہلاک ہو گئیں تو ابن قاسم نے کہا: چرواہے پر کوئی ضمانت نہیں کیونکہ نر چھوڑنا مال کی اصلاح اور اس کو بڑھانے میں سے ہے۔ اشہب نے کہا: اس پر ضمانت ہوگی۔ ابن قاسم کا قول حضرت کعب کی حدیث کے زیادہ مشابہ ہے: اس کے اجتہاد سے جو چیز تلف ہو گئی اس میں اس پر کوئی ضمانت نہیں اگر وہ اہل اصلاح میں سے تھا اور اس کے بارے میں یہ معلوم تھا کہ وہ مال پر شفقت کرتا ہے اگر وہ فاسق وفسادی ہو اور صاحب مال نے ارادہ کیا کہ وہ اس سے ضمانت لے تو وہ ضمانت لے سکتا ہے کیونکہ جب اس کا فسق معروف ہو تو اس کی اس بات میں تصدیق نہیں کی جائے گی کہ اس

نے بکری میں موت کے آثار دیکھے تھے۔

مسئلہ نمبر 17۔ یہ منقول نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کیا اجرت تھی؟ لیکن یحییٰ بن سلام نے روایت کی ہے کہ مدین کے صالح نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ اجرت معین کی تھی کہ ہر وہ بچہ جو اپنی ماں کے رنگ کے خلاف پیدا ہوگا وہ ان کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ تو ان کے درمیان اپنا عصا پھینک وہ سب اپنی ماؤں کے رنگ کے خلاف پیدا ہوں گے۔ یحییٰ کے علاوہ دوسرے علماء نے کہا: ہر وہ بچہ جو سیاہ و سفید رنگ والا پیدا ہوگا وہ اس کا ہوگا۔ تو سب نے ایسے ہی بچے جنے۔ قشیری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجرت پر رکھا تو انہیں کہا: فلاں کمرے میں داخل ہو جاؤ اور اس میں پڑے ہوئے عصاؤں میں سے عصا لو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا نکالا یہ وہی عصا تھا جو حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے نکالا تھا۔ انبیاء اس کے وارث چلے آرہے تھے یہاں تک کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: وہ یہ عصا کمرے میں رکھ دے اور دوسرا عصا لے لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کمرے میں داخل ہوئے اور وہی عصا نکالا۔ یہ سلسلہ سات دفعہ ہوا ہر دفعہ آپ کے ہاتھ میں یہی عصا آتا۔ حضرت شعیب علیہ السلام جان گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصی شان ہے جب صبح ہوئی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں کہا: اپنے ریوڑ کو دور لے جانا جہاں سے کئی راستے نکلتے ہیں اور دائیں راستے کو لینا وہاں زیادہ جھاڑیاں نہیں بائیاں راستہ نہ اپنانا کیونکہ وہاں بہت زیادہ جھاڑیاں ہیں اور بڑا سانپ ہے جو جانوروں کو برداشت نہیں کرتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں تک ریوڑ کو لے آئے جہاں سے راستے جدا ہوتے ریوڑ نے بائیں جانب والا راستہ لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں نہ روک سکے۔ حضرت موسیٰ علی السلام سو گئے اژدھا نکلا عصا کھڑا ہو گیا اس کی دونوں شاخیں لوہے کی بن گئیں اس نے اژدھا سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ اس کو مار ڈالا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ آیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو عصا کو خون سے آلودہ پایا اور سانپ کو مرا ہوا دیکھا عشاء کے وقت حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف لوٹ آئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نابینا تھے تو آپ نے بکریوں پر ہاتھ پھیرا تو سبزے کا اثر ان پر نمایاں تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس واقعہ کا سوال کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب کچھ بتا دیا حضرت شعیب علیہ السلام خوش ہو گئے اور کہا: ان جانوروں میں سے جو بھی اس سال کئی رنگوں والا بچے جنے گا تو وہ تیرا ہوگا۔ اس سال تمام بچے مختلف رنگوں والے پیدا ہوئے حضرت شعیب علیہ السلام کو علم ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام و مرتبہ ہے۔

عیینہ بن حصن نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اجرت پیٹ بھر کر کھانا اور اپنی شرمگاہ کی عفت رکھی تھی'' (1)۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں یہ فرمایا تھا: تیرے لیے ان میں سے یعنی ریوڑ کے بچوں میں سے وہ ہوگا جو مختلف رنگوں والا ہو جس میں عزوز، فشوش، کموش، ضبوب اور ثعول نہ ہو۔ ہروی نے کہا: عزوز سے مراد کم دودھ والی، یہ عزاز سے ماخوذ ہے اس سے مراد سخت زمین ہے قد تعززت الشاۃ بکری کم دودھ والی

1۔ درمنثور، جلد 5، صفحہ 239

ہے۔ فشوش جس کا دودھ دوہنے کے بغیر ہی نکلتا رہے، یہ تھن کے سوراخ کے بڑا ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی کی مثل فتوح اور ثرور ہے۔ عربوں کی امثال میں سے ہے: لَاَ فُشَّنَّكَ فَشَّ الْوَطْبِ میں تیرا غصہ اور کبر تیرے سر سے نکال دوں گا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: فَشَّ السقاء، جب اس سے ہوا کو نکال دیا۔ اس معنی میں حدیث ہے: إنّ الشيطان يَفُشّ بين أَلْيَتي أحد كم يُخَيَّلُ إليه أن أحدث شیطان تمہاری دوسرینوں کے درمیان ہلکی سی پھونک مارتا ہے یہاں تک کہ اس آدمی کو خیال ہوتا ہے کہ اس کا وضوٹوٹ گیا ہے۔ کموش سے مراد چھوٹی کھیری والی، اس کو کمیشہ بھی کہتے ہیں۔ اسے یہ نام اس لیے دیا جاتا ہے کیونکہ اس کی کھیری سکڑی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: رجل کمیش الإزار ایسا آدمی جس کا تہبند چھوٹا ہو۔ کشود یہ کموش کی طرح ہے۔ ضبوب اسے کہتے ہیں جس کے تھن کا سوراخ تنگ ہو۔ ضب سے مراد جس کا دودھ دوہنے کے لیے سختی سے نچوڑنا پڑے۔ ثعول سے مراد ایسی بکری ہے جس کا حلمہ زیادہ ہوں حلمہ سے مراد ثُعل ہے اور ثعل سے مراد جس کے دانت زیادہ ہوں۔ اسی زیادتی کو راءول کہتے ہیں: رجل اثعل ثعل سے مراد دودھ کے نکلنے کی جگہ کا تنگ ہونا۔ ہروی نے کہا: حدیث میں قالب لون سے مراد ہے کہ وہ بچہ جو ماں کے رنگ سے مختلف ہو۔

مسئلہ نمبر 18۔ مجہول عوض کے ساتھ اجارہ جائز نہیں ہوتا کیونکہ بھیڑ بکری کا بچہ دینا معلوم نہیں۔ بعض سرسبز و شاداب علاقوں میں بھیڑ بکریوں کا بچہ جننا، اس کی تعداد اور ان کے بچوں کا سلامت رہنا یہ قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے جس طرح مصر وغیرہ کے علاقے۔ مگر یہ ہماری شریعت میں جائز نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غرر سے منع کیا اور مضامین وملاقیح سے بھی منع کیا ہے۔ مضامین سے مراد جو مونث کے بطن میں ہوتے ہیں اور ملاقیح سے مراد جو نروں کی پشت میں ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس شاعر نے کہا:

مَلْقُوحَةً فی بطنِ نابٍ حامِلِ یہاں ملقوحہ کی نسبت مونث سے کی گئی ہے۔

سورۂ حجر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ تاہم راشد بن معمر نے ایک تہائی اور ایک چوتھائی پر ریوڑ کو چرانے میں اجارہ کو جائز قرار دیا ہے۔ ابن سیرین اور عطا نے کہا: کپڑے کے ایک حصہ کے بدلے میں کپڑے کو بنا جاتا ہے؛ امام احمد نے یہی کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔ علماء نے اختلاف کیا ہے کہا: دین، مال اور حسب سب میں ان میں سے بعض کا اعتبار ہوگا۔ صحیح یہ ہے کہ موالی کا نکاح عربی عورت اور قریشی عورت سے جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات: 13) حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف آئے اجنبی مسافر تھے، علاقہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے، خوفزدہ تھے، تنہا تھے، بھوکے تھے، وافر لباس بھی نہ تھا، حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بچی کا نکاح ان سے کر دیا جب آپ کی امانت ان پر ثابت ہوگئی اور آپ نے ان کا حال دیکھ لیا، باقی چیزوں سے اعراض کیا۔ یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ بعض علماء نے کہا: حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف سے جو کچھ ہوا یہ عورت کے مہر کا ذکر نہیں تھا۔ یہ تو اپنے لیے ایک شرط تھی جس طرح بدو لوگ کرتے ہیں وہ اپنی بچیوں کے لیے مہر کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: میرے لیے

فلاں چیز خاص ہے اور مہر کو ترک کر دیتے ہیں اور بغیر مہر کے عقد نکاح کر دیتے ہیں بغیر مہر کے نکاح یہ جائز ہے۔ ابن عربی نے کہا: بدلوگ جو کچھ کرتے ہیں یہ حلوان اور مہر پر زیادتی ہے۔ یہ حرام ہے اور انبیاء کے مناسب نہیں مگر جب ولی اپنے لیے کوئی شرط ذکر کرے علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے جسے خاوند اپنے آپ سے نکالتا ہے اور عورت کے قبضہ میں نہیں دیتا۔ اس کے بارے میں دو قول ہیں (۱) یہ جائز ہے (۲) یہ جائز نہیں۔ میرے نزدیک متقسیم صحیح ہے کیونکہ عورت اس سے خالی نہ ہوگی وہ باکرہ ہوگی یا ثیبہ ہوگی۔ اگر ثیبہ ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ نکاح اس کے اپنے قبضہ میں ہے ولی کا کام صرف ایجاب وقبول کی ذمہ داری ادا کرنا ہے جس طرح وکیل بیع کی صورت میں عوض لیتا ہے اسی طرح ولی بھی عوض لے سکتا ہے۔ اگر وہ باکرہ ہو تو عقد ولی کے اختیار میں ہے گویا اس نے نکاح میں بیوی کے علاوہ کسی اور کے لیے عوض مقرر کیا یہ باطل ہے۔ اگر ایسا ہوا تو حق زوجیت سے پہلے یہ ختم ہو جائے گا اور حقوق زوجیت کے بعد ثابت رہے گا یہ مشہور روایت ہے۔ الحمدللہ

مسئلہ نمبر 21۔ جب شرط ذکر کی اور اس کے بعد حسن معاشرت کے طور پر کوئی اضافی چیز ذکر کی تو ہر ایک اپنے اپنے حکم پر جاری ہوگی۔ دوسری پہلے کے ساتھ لاحق نہ ہوگی اور فرض ونفل کا کوئی اشتراک نہیں ہوگا، اسی وجہ سے عقود میں متفقہ شروط لکھی جاتی ہیں پھر کہا جاتا ہے: تطوع بکذا شرط اپنی جگہ جاری ہوگی اور نفل اپنے حکم پر جاری ہوگا۔ واجب نفل سے الگ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت شعیب علیہ السلام کے الفاظ میں حسن ہے جو انہوں نے عقد کے نکاح کے حوالے سے کہا: انکحہ ایاہ یہ اس سے اولیٰ ہے: انکحھا ایاہ اس کی وضاحت سورۂ احزاب میں آئے گی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے آٹھ سال بطور شرط ذکر کیے اور دس سال بطور حرمت ذکر کیے۔

مسئلہ نمبر 22۔ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ جب حضرت شعیب علیہ السلام کی گفتگو ختم ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی توثیق کی اور اسے پختہ کرنے کے انداز میں اس کے معنی کو مکرر کیا کہ شرط آٹھ سالوں میں ہوگی۔ اَیَّمَا یہ کلمہ استفہام ہے، قَضَیْتُ کی وجہ سے منصوب ہے۔ الْاَجَلَیْنِ یہ اس لیے مجرور ہے کیونکہ ای کا کلمہ اس کی طرف مضاف ہے۔ تازائدہ ہے تاکید کے لیے ہے، اس میں شرط کا معنی موجود ہے اس کا جواب فَلَا عُدْوَانَ میں ہے۔ عُدْوَانَ کا لفظ لا کی وجہ سے منصوب ہے۔ ابن کیسان نے کہا: ما محل جر میں ہے ای اس کی طرف مضاف ہے۔ یہ نکرہ ہے اور الْاَجَلَیْنِ اس سے بدل ہے، اسی طرح فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران: 159) میں ہے یعنی رحمۃ یہ ما سے بدل ہے۔ کلبی نے کہا: وہ کوشش کرتے کہ قرآن میں کسی چیز کو زائد نہ بنائیں اور اس کی کوئی ایسی توجیہ کریں جو اس کو زیادتی سے خارج کر دے۔ حضرت حسن بصری نے ایما یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ جمہور علماء کی قراءت ہے: عدوان میں عین مضموم ہے۔ ابوحیوۃ نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی ہے مجھ پر کوئی گرفت نہ ہوگی اور مجھ سے زیادہ عمل کا مطالبہ نہیں ہوگا۔ عدوان سے مراد غیر واجب امر میں تجاوز کرنا۔ حجج سے مراد سال ہیں؛ شاعر نے کہا:

لمن الدیار بقنة الحجر　أقوین من حِجج ومن دھر

پہاڑ کی چوٹی پر کس کے گھر ہیں جو سالوں اور زمانہ سے قوی ہیں۔

حجج کا واحد حجہ ہے۔

وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول میں سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عورت کے والد کے قول میں سے ہے۔ دونوں صالح ہستیوں نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنانے پر اکتفا کیا مخلوقات میں سے کسی کو گواہ نہیں بنایا۔ علماء نے نکاح میں گواہ بنانے کو واجب قرار دیا ہے۔ یہ تیئیسواں مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 23۔ اس کے بارے میں دو قول ہیں (۱) نکاح دو گواہوں سے ہی منعقد ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی قول ہے۔ امام مالک نے کہا: نکاح گواہوں کے بغیر بھی منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ عقد معاوضہ ہے اس میں گواہ بنانا شرط نہیں ہے اس میں اعلان اور تصریح شرط ہے آپ نے نکاح اور بدکاری میں فرق دف بجانے کے ساتھ کیا ہے۔ یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں تفصیلی گزر چکا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے ایک اسرائیلی سے سوال کیا کہ وہ اسے ایک ہزار دینار ادھار دے تو دوسرے نے کہا: گواہ لے آؤ جن کو میں گواہ بناؤں۔ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے۔ دوسرے نے کہا: کوئی ضامن لے آؤ تو پہلے نے کہا: اللہ تعالیٰ ضامن کافی ہے۔ دوسرے نے کہا: تو نے سچ بولا ہے اور وہ دینار قرض کے طور پر دے دے (1)۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

''پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کر دی اور (وہاں سے) چلے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر تو آپ نے دیکھی طور کی ایک طرف آگ، آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا: تم ذرا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں لے آؤں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا آگ کی کوئی چنگاری تا کہ تم اسے تاپ سکو''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ سعید بن جبیر نے کہا: نصرانیوں میں سے ایک آدمی نے مجھ سے پوچھا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی؟ میں نے کہا: میں نہیں جانتا یہاں تک کہ میں حبر العرب (عربوں کے عالم) یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آؤں اور ان سے سوال کروں، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے سوال کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں مدتوں میں اکمل مدت کو پورا کیا۔ تو میں نے اس نصرانی کو بتا دیا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! اس نے سچ بولا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں جبرئیل امین سے پوچھا تو جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال پورے کیے۔ طبری نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال پورے کیے اور اس کے بعد دس سال پورے کیے؛ اسے حکم بن ابان نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ ضعیف ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الکفالہ، جلد 1، صفحہ 306

مسئلہ نمبر 2۔ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں دلیل ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو جہاں چاہے لے جا سکتا ہے کیونکہ مرد کو عورت پر قوامیت کی فضیلت اور درجہ کی زیادتی حاصل ہے، مگر اس صورت میں کہ خاوند عورت کے لیے اپنے اوپر کوئی چیز لازم کرے مومن کی پہچان شرطوں کو پورا کرنے سے ہوتی ہے جن شرطوں کو پورا کیا جاتا ہے ان میں سے سب سے پختہ شرط وہ ہے جس کے ذریعے تم شرمگاہوں کو اپنے اوپر حلال کرتے ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا اس بارے میں گفتگو سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔ جذوۃ میں عام قراء ت جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ حمزہ اور یحییٰ نے اسے ضمہ دیا ہے۔ عاصم، سلمی اور زر بن حبیش نے اسے فتحہ دیا ہے۔ جوہری نے کہا: جِذوۃ، جُذوۃ اور جَذوۃ سب کا معنی ایسا انگارہ ہے جو بھڑک رہا ہو۔ اس کی جمع جِذًا، جُذًا اور جَذًا ہے۔ مجاہد نے اللہ تعالیٰ کے فرمان جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ کی تفسیر میں کہا: انگارے کا ٹکڑا۔ یہ تمام عربوں کی لغت میں ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: جذوۃ یہ جذمۃ کی طرح ہے، اس سے مراد لکڑی کا بڑا ٹکڑا ہے۔ اس کی ایک جانب آگ ہو یا نہ ہو۔ ابن مقبل نے کہا:

بَاتَتْ حَوَاطِبُ لَيْلَى يَلْتَمِسْنَ لَهَا جَزْلَ الْجِذَا غَيْرَ خَوَّارٍ وَلَا دَعِرِ

لیلیٰ کی لکڑہاریوں نے رات گزاری اس کے لیے بڑی بڑی لکڑیوں کو تلاش کرتے ہوئے جو چیری گئی تھیں اور ان کو جلانے کی صورت میں ان سے دھواں وغیرہ بھی نہ نکلتا تھا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

وألقى على قَيْسٍ مِنَ النَّار جِذْوَةً شديدًا عليها حَمْيُها ولهيبُها

اس نے قیس پر آگ کا ایسا ٹکڑا پھینکا جس کی تپش اور اس کا شعلہ شدید تھا۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

''پس جب آپ وہاں گئے تو ندا دی وادی کے دائیں کنارہ سے اس بابرکت مقام میں ایک درخت سے کہ اے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی ہوں اللہ جو رب العالمین ہے''۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا، ھا ضمیر سے مراد درخت ہے ضمیر کو اسم سے مقدم کیا۔ نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ پہلا اور دوسرا من ابتداء غایت کے لیے ہے آپ کو ندا وادی کی جانب سے درخت کی جانب سے آئی۔ مِنَ الشَّجَرَةِ یہ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ سے بدل اشتمال ہے، کیونکہ درخت وادی کے کنارے پر اگا ہوا تھا۔ شاطی الوادی اور شط الوادی دونوں کا معنی اس کی جانب ہے۔ جمع شطان اور شواطی آتی ہے؛ قشیری نے اسے ذکر کیا ہے۔ جوہری نے کہا: شاطی الاودیۃ کہا جاتا ہے اس کی جمع نہیں بنائی جاتی۔ شاطأت الرجل جب تو ایک کنارے پر چلے اور وہ دوسرے کنارے پر چلے۔ الْاَيْمَنِ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہاڑ کی دائیں جانب سے۔ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ اشہب عقیلی نے پڑھا فی البقعۃ ان کا قول بقاع یہ بقعۃ پر دلالت کرتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے: جفنۃ جفان جس نے بقعۃ کہا اس نے جمع بقع ذکر کی جس طرح

غرفة کی جمع غرف آتی ہے۔

مِنَ الشَّجَرَةِ درخت کی جانب سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ درخت علیق کا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ببول کا درخت تھا۔ اور ایک قول یہ کیا گیا: وہ عوسج کا درخت تھا۔ اسی درخت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا؛ زمخشری نے یہ ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ عناب کا درخت تھا۔ عوسج کا درخت جب بڑا ہو جائے تو اس کو غرقد کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے: یہ یہودیوں کا درخت ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور ان یہودیوں کو قتل کر دیں گے جو دجال کے ساتھ ہوں گے تو یہودیوں میں سے کوئی آدمی درخت کے پیچھے نہیں چھپے گا مگر وہ درخت بول پڑے گا۔ وہ درخت کہے گا: اے مسلمان! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے اور اس کو قتل کرو مگر غرقد کا درخت نہیں بولے گا کیونکہ یہ یہودیوں کا درخت ہے (1)؛ امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے۔ مہدوی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرش کے اوپر سے کلام کی اور جس طرح چاہا درخت سے اپنا کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سنایا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے انتقال اور زوال کی صفت ذکر کی جا سکتی اس کی مثل مخلوق کی صفات ہیں۔

ابو المعالی نے کہا: اہل معانی اور اہل حق کہتے ہیں اللہ تعالیٰ جس سے کلام فرمائے اور اسے رتبہ عالی اور غایت قصوی کے ساتھ خاص کرے تو وہ انسان اس کے کلام قدیم کا ادراک کر لیتا ہے جو کلام حروف، اصوات، عبارات، نغمات اور لغات کی اقسام سے پاک ہوتا ہے، جس طرح کہ جس شخص کو کرامات کی منازل کے لیے طے کیا، اس پر اپنی نعمتیں مکمل کیں اور اپنے دیدار سے نوازا اس نے اپنے رب کا دیدار، اجسام کی مماثلث اور حوادث کے احکام سے منزہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا مثل نہیں۔ امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں میں سے دوسرے منتخب افراد کو اپنی کلام کے ساتھ خاص کیا۔ الاستاذ ابو اسحاق نے کہا: اہل حق نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ایسی صلاحیت پیدا فرما دی جس کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام کا ادراک کر لیا۔ کلام کے سماع میں یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت تھی اللہ تعالیٰ تمام مخلوق میں ایسی صلاحیت پیدا کرنے پر قادر ہے علماء نے اس بات میں اختلاف کیا ہے۔ کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج کو اللہ تعالیٰ کا کلام سنا؟ کیا جبریل امین نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں: دونوں میں سے ایک کا طریقہ قطعی روایت کا ہونا ہے اور یہ تو مفقود ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مخلوق کا اسے سننا قرآن کی قراءت کے وقت اس معنی میں ہے کہ انہوں نے ایسی عبارت سنی جس کے ساتھ وہ اس کے معنی کو پہچان گئے بعینہ اس کے کلام کو نہیں سنا۔ عبداللہ بن سعد بن کلاب نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا قدیمی کلام سنا جو پیدا کی گئی آوازوں میں تھا اللہ تعالیٰ نے جنہیں بعض اجسام میں ثبت کر دیا تھا۔

ابو المعالی نے کہا: بلکہ یہ ضروری ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے خرق عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ کے کلام کے ادراک کو تسلیم کیا جائے۔ اگر یہ قول نہ کیا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کوئی تخصیص نہ رہے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب فی قتال المسلمین مع الیہود، جلد 2، صفحہ 396

سے کلام کی، جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام سنایا۔ ان کے لیے علم ضروری پیدا فرمایا یہاں تک کہ انہیں علم ہو گیا کہ جو کچھ انہوں نے سنا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جس ذات نے اس سے کلام کیا اور جس ذات نے اسے ندا کی وہ رب العالمین ہے۔ اقاصیص میں وارد ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں نے تمام اعضاء کے ساتھ اپنے رب کا کلام سنا اور میں نے اسے اپنی جہتوں میں سے کسی ایک جہت سے اسے نہیں سنا۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

اَنْ یّٰمُوْسٰۤی ان محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جر محذوف ہے اصل کلام یوں تھی بِاَن یا، موسیٰ۔

اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ اللہ تعالیٰ نے غیر کے رب ہونے کی نفی کی ہے۔ اس کلام کے ذریعے آپ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے لوگوں میں سے ہو گئے رسولوں میں سے نہ ہوئے کیونکہ وہ رسول نہ ہوئے مگر اس کے بعد کہ آپ کو رسالت کا حکم دیا اور رسالت کا حکم اس کلام کے بعد ہوا۔

وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾

"اور (ذرا) ڈال دو (زمین پر) اپنے عصا کو، اب جو اسے دیکھا تو وہ اس طرح لہرا رہا تھا جیسے وہ سانپ ہو آپ پیٹھ پھیر کر چل دیے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (آواز آئی) اے موسیٰ! سامنے آؤ اور ڈرو نہیں یقیناً تم (ہر خطرہ سے) محفوظ ہو"۔

وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ اس کا عطف اَنْ یّٰمُوْسٰۤی پر ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ نمل اور سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔ مُدْبِرًا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اسی طرح وَّ لَمْ یُعَقِّبْ کا حال ہے یہ بھی حال ہونے کی حیثیت میں محل نصب میں ہے۔ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ وہب نے کہا: اسے کہا جائے گا جہاں تھے واپس چلے جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس لوٹے اور اپنے جبے کا حصہ اپنے ہاتھ میں لپیٹا فرشتے نے آپ سے کہا: مجھے بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف کرے جس سے تو بچتا ہے تو کیا تیرا ہاتھ لپیٹنا تجھے نفع دے گا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: نہیں لیکن میں ضعیف ہوں میں ضعف سے پیدا کیا گیا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ کو ننگا کیا اور اسے سانپ کے منہ میں داخل کر دیا تو وہ سانپ عصا بن گیا۔ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ جس سے تو ڈرتا ہے اس سے تو امن میں ہے۔

اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ؗ وَّ اضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡىِٕهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَ اَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ ۟ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ

اِلَیۡکُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ اَنۡتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَکُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ ۝

''ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید (چمکتا ہوا) بغیر کسی تکلیف کے اور رکھ لے اپنے سینہ پر اپنا ہاتھ خوف دور کرنے کے لیے تو یہ دو دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف (لے جانے کے لیے) بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں۔ آپ نے عرض کی: میرے رب! میں نے تو قتل کیا تھا اس میں سے ایک شخص کو پس میں ڈرتا ہوں کہیں وہ مجھے قتل نہ کر ڈالیں اور میرا بھائی ہارون وہ زیادہ فصیح ہے مجھ سے گفتگو کرنے میں تو اسے بھیج میرے ساتھ میرا مددگار بنا کر تا کہ وہ میری تصدیق کرے میں ڈرتا ہوں کہ مجھے جھٹلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم مضبوط کریں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور ہم عطا کریں گے تمہیں ایسا غلبہ (اور شوکت) کہ وہ تمہیں (اذیت) نہیں پہنچا سکیں گے ہماری نشانیوں کے باعث تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب آئیں گے''۔

اُسۡلُكۡ یَدَكَ فِیۡ جَیۡبِكَ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے وَّاضۡمُمۡ اِلَیۡكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهۡبِ من حرف جار ولّی کے متعلق ہے یعنی ولیٰ مدبرا من الرهب۔ حفص، سلمی، عیسیٰ بن عمر اور ابن ابی اسحاق نے مِنَ الرَّهۡبِ راء کے فتحہ اور ہاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عامر، کوفہ کے قراء نے سوائے حفص کے راء کے ضمہ اور ہاء کی جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے راء اور ہاء دونوں کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَیَدۡعُوۡنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا (الانبیاء: 90) یہ سب لغتیں ہیں اور معنی خوف ہے۔ معنی ہے جب تیرے ہاتھ کا معاملہ اور اس کی شعاع تجھے پریشان کرے تو اسے اپنے گریبان میں داخل کرو اور اسے لوٹاؤ تو جس طرح وہ پہلے تھا اس طرح ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا ہاتھ اپنے سینے کے ساتھ ملانے کا حکم دیا تو اس کی وجہ سے سانپ کا خوف ختم ہو گیا؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ ضحاک نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جس کے دل میں خوف ہوتا پھر وہ اپنا ہاتھ داخل کرتا اور اسے اپنے سینے پر رکھتا تو اس کا خوف ختم ہو جاتا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ ایک کاتب آپ کے سامنے لکھ رہا تھا اس کی ہوا خارج ہو گئی وہ شرمندہ ہوا، وہ اٹھا اور اپنا قلم زمین پر مارا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے فرمایا: اپنا قلم اٹھاؤ اور اپنے ہاتھ کو سینہ پر رکھو تیری روح خوش ہو جائے گی۔ میں کسی اور سے اسے اتنا نہیں سنتا جتنا میں یہ آواز اپنے آپ سے سنتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنا ہاتھ اپنے سینے پر مارتا کہ تیرے سینے میں جو خوف ہے اللہ تعالیٰ اسے دور کر دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خوف کی وجہ سے کانپتے تھے یا تو آل فرعون سے یا سانپ سے۔ ضم جناح سے مراد سکون ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ (الاسراء: 24) اس سے مراد نرمی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝ (الشعراء) یعنی ان پر نرمی کیجئے۔ فراء نے کہا: جناح سے مراد عصا لیا ہے۔ بعض اہل معانی نے

کہا: الرھب سے مراد حمیر اور بنی حنیفہ کی لغت میں آستین ہے۔ مقاتل نے کہا: ایک بدوی عورت نے مجھ سے کوئی چیز مانگی جب کہ میں کھانا کھا رہا تھا میں نے ہتھیلی بھری اور اس کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کہا: ھا ھنا فی رھبی وہ اپنی آستین کا ارادہ کر رہی تھی یعنی میری آستین میں ڈالو۔ اصمعی نے کہا: میں نے ایک بدو کو دوسرے کو کہتے ہوئے سنا: اعطنی رھبتہ میں نے اس سے رہب کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: آستین۔ اس تعبیر کی صورت میں معنی ہوگا اپنا ہاتھ اپنے جسم کے ساتھ جمع کرو اور اسے آستین سے نکالو کیونکہ آپ نے عصا پکڑا جب کہ ان کا ہاتھ ان کی آستین میں تھا۔ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مراد دایاں ہاتھ ہے کیونکہ جیب (گریبان) بائیں پر ہوتی ہے؛ قشیری نے یہ ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: علماء نے جو تفسیر بیان کی ہے کہ ہاتھ کو سینے پر رکھنے کا امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گریبان سینے پر ہوتا ہے۔ سورۃ النور میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ زمخشری نے کہا: یہ عجیب تفسیر ہے کہ حمیر کی لغت میں رہب سے مراد آستین ہے وہ کہتے ہیں: اعطنی مما فی رھبك کاش میں جانتا کہ لغت میں یہ کیسے درست ہو سکتا ہے؟ کہا: اس نے قابل اعتماد لوگوں سے سنا ہے جن کی زبان پر رضامندی کا اظہار کیا جاتا ہے پھر کاش میں جانتا کہ آیت میں اس کا کیا موقع ہے اور کیسے قرآن کے باقی ماندہ کلمات کے ساتھ مفصل تطبیق ہوگی؟ اس کی وجہ یہ ہے جس رات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کا شرف حاصل کیا اس وقت ان کے جسم پر اون کا جبہ تھا جس کی آستینیں نہیں تھیں۔ قشیری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ اس سے مراد دونوں ہاتھ ہیں اگر ہم کہیں: سانپ کے خوف سے امن کا ارادہ کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ اس سے مراد ہے آستینیں چڑھالو اور تیاری کر لو تاکہ تو رسالت کا بوجھ اٹھالے۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے کہا گیا ہے اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ یعنی تو رسولوں میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ (النمل) ابن بحر نے کہا: اس تاویل کی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قول کے ساتھ رسول بن گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قول کے ساتھ رسول بنے: فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ برھانان سے مراد ید بیضا اور عصا ہے۔ ابن کثیر نے نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اس میں تخفیف کی ہے۔ ابو عمارہ نے ابوالفضل سے وہ ابو بکر سے وہ ابن کثیر سے روایت نقل کرتے ہیں فذانیك یعنی تشدید اور یاء کے ساتھ۔ ابو عمرو سے یہ بھی مروی ہے کہ بنو ہذیل کی لغت فذانیك ہے قریش کی لغت فذانك ہے جس طرح ابو عمرو اور ابن کثیر نے قراءت کی ہے۔ اس کی علت میں پانچ قول ہیں (1) ایک قول یہ کیا گیا: نون کو شد اس الف کے عوض دی گئی ہے جو اس ذالك میں ساقط ہے جو ذا مرفوع کا تثنیہ ہے۔ اس کو رفع ابتدا کی وجہ سے دیا گیا ہے ذا کا الف محذوف ہے کیونکہ اس پر الف تثنیہ داخل ہے۔ اجتماع ساکنین کی طرف توجہ نہیں کی کیونکہ اس کا اصل فذانك ہے پہلے الف کو نون مشددہ کے عوض حذف کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تشدید، تاکید کے لیے ہے جس طرح انہوں نے اس میں لام کو داخل کیا۔

کلبی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے جس نے اس کو شد دی ہے اس نے اس کی بنیاد اس آدمی کی لغت پر رکھی ہے جس واحد میں ذلك کہا جب یہ بنا ہے تو نون تثنیہ کے بعد اس نے لام کو ثابت رکھا پھر لام کو نون میں مدغم کر دیا یہ اس آدمی کے

ہے جس نے دوسرے حرف کو پہلے میں ادغام کا قول کیا ہے، جب کہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ پہلے کو دوسرے حرف میں ادغام کیا جائے، مگر کوئی اس میں مانع ہو تو دوسرے حرف کو پہلے حرف میں مدغم کیا جاتا ہے۔ جو علت اس کے مانع ہے کہ پہلے حرف کو دوسرے حرف میں مدغم کیا جائے وہ یہ ہے کہ اگر ایسا کیا جائے تو اس نون کی جگہ جو تثنیہ پر دلالت کرتی ہے اس کی جگہ لام مشدد ہو جاتا ہے تو تثنیہ کا لفظ ہی بدل جاتا ہے تو اس وجہ سے دوسرے حرف کو پہلے حرف میں مدغم کر دیا جاتا ہے تو وہ نون مشدد ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہ اس کے منافی ہے تو نون سے قبل لام کو ثابت رکھا پھر پہلے حرف کو دوسرے میں ادغام کیا جس طرح ادغام کا طریقہ ہے تو وہ نون مشدد ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کو شد اس لیے دی گئی تا کہ اس کے درمیان اور اس اسم ظاہر کے درمیان فرق کیا جائے اضافت جس کے نون کو ساقط کر دیتی ہے، کیونکہ ذان کا لفظ مضاف نہیں کیا جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسم معرف اور اس اسم کے درمیان فرق کرنے کے لیے اسے شد دی گئی ہے۔ اللذان اور ھذان کی تشدید میں یہی علت ہے۔ ابو عمرو نے کہا: ابو عمرو نے اس حرف کو تشدید کے ساتھ خاص کیا ہر تثنیہ میں یہ قاعدہ جاری نہیں کیا جو اس جنس سے تعلق رکھتا ہو، کیونکہ اس کے حروف تھوڑے ہیں تو اسے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ جس نے اسے فذانیک یاء کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ نون میں تخفیف ہے تو اس کے نزدیک اصل فذانك تشدید کے ساتھ ہے دوسرے نون کو یاء سے بدل دیا، کیونکہ ایک جنس کے حروف کو ناپسند کیا ہے جس طرح علماء نے کہا: لا املاہ یہ اصل میں لا املہ تھا۔ دوسرے لام کو الف سے بدل دیا۔ جس نے نون مشدد کے بعد یاء پڑھا تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ اس نے نون کے کسرہ میں اشباع کا قاعدہ جاری کیا تو اس سے یاء نے جنم لیا۔

فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیجئے۔ یہ أردأته سے مشتق ہے جس کا معنی ہے میں نے اس کی مدد کی۔ ردء کا معنی مدد ہے۔ شاعر نے کہا:

ألم تر أنّ أصرم كان ردئی وخیرَ النّاسِ فی قُلٍّ ومال

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اصرم میرا مددگار ہے مال ہو یا نہ ہو وہ بہترین انسان ہے۔

نحاس نے کہا: قد اردأہ، ردأہ، دونوں کا معنی مدد کرنا ہے۔ تخفیف کے طریقہ پر ہمزہ کو ترک کر دیا؛ نافع نے یہی قرأت کی ہے۔ یہ مہموز کے معنی میں ہے۔ مہدوی نے کہا: عربوں کے اس قول سے ہمزہ کو ترک کرنا جائز ہے اردی علی المأۃ ہو سے زائد، گویا معنی ہے اسے میرے ساتھ بھیجئے تا کہ میری تصدیق میں اضافہ ہو؛ یہ مسلم بن جندب نے قول کیا ہے؛ شاعر کے شعر میں یہ الفاظ ہیں:

وأسمر خَطِّيًا كَانَ كُعوبه نوی القَسْب قد أردیٰ ذراعا علی العَشْر

مقام خط کے نیزے گویا ان کی گرہ ٹھوس خشک کھجور کی گٹھلی ہے وہ نیزہ دس ہاتھ سے ایک ذراع زائد ہے۔

ماوردی نے اسے اس طرح بیان کیا ہے۔ غزنوی اور جوہری نے صحاح میں قد أرمی ذکر کیا ہے۔ کہا: القسب سے مراد سخت ہے القسب خشک کھجور ہے گٹھلی کی سختی منہ میں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ کہا: شاعر نیزہ کی تعریف کرتا ہے۔ جوہری نے

کہا: رَدُؤَ الشیء یردؤ رداءۃ فھو ردیٔ یعنی وہ فاسد ہے۔ اردأتہ میں نے اسے فاسد کیا۔ اردأتہ میں نے اس کی مدد کی۔ تو کہتا ہے: اردأتہ بنفسی میں اس کا مددگار تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ۔ نحاس نے کہا: وقد حکی رَدَأتُہ، ردءا و جمع ردء، ارداء۔ ردء کی جمع ارداء ہے۔ عاصم اور حمزہ نے یصدقنی رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے اسے جزم دی ہے؛ یہ ابو حاتم کا پسندیدہ قول ہے۔ یہ دعا کے جواب میں ہے۔ ابو عبید نے أرسلہ میں جو ہاضمیر ہے اس سے حال ہونے کی وجہ سے رفع پسند کیا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ارسلہ ردءا مصدقا حالۃ التصدیق جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ (المائدہ: 114) تَكُوْنُ، کائنۃ کے معنی میں ہے یہ حال ہے جو استقبال کی طرف پھیر دیا گیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ردءا کی صفت ہے۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ جب میرا کوئی وزیر یا مددگار نہ ہو کیونکہ وہ میری بات سمجھنے والے نہیں۔ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا: ہم تیرے بھائی کے ذریعے تجھے قوت بہم پہنچائیں گے۔ یہ تمثیل ہے کیونکہ ہاتھ کی قوت بازو کے ساتھ ہی ہوتی ہے؛ طرفہ نے کہا:

بَنِي لُبَيْنَى لستُمُ بيدٍ إِلَّا يدًا ليست لها عَضد

اے بنی لبینی تم ہاتھ نہیں ہو مگر ایسا ہاتھ جس کا بازو نہ ہو۔

اچھی دعا کے موقع پر یہ کہا جاتا ہے: شد اللہ عضدك اس کی ضد میں کہا جاتا ہے: فت اللہ فی عضدك اللہ تعالیٰ تیرے بازو کو مضبوط کرے۔ اللہ تعالیٰ تیرے بازو کو ریزہ ریزہ کرے۔

وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا سلطان سے مراد حجت اور برہان ہے۔ فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا وہ تم دونوں کو اذیت نہیں دے سکتے بِاٰيٰتِنَآ تم ہماری آیات کی وجہ سے محفوظ و مامون رہو گے۔ جائز ہے کہ اِلَيْكُمَا پر وقف کیا جائے کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے ربما و من اتبعکما الغالبون بایاتنا، یہ اخفش اور طبری کا قول ہے۔ مہدوی نے کہا: اس صورت میں صلہ موصول پر مقدم ہوتا ہے مگر یہ مقدر کیا جائے انتما غالبان بایاتنا انما و من اتبعکما الغالبون یہاں آیات سے مراد آپ کے باقی معجزات ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾

''پھر جب آئے فرعونیوں کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہماری روشن نشانیاں لے کر انہوں نے کہا: نہیں ہے یہ مگر جادو گھڑا ہوا اور ہم نے نہیں سنیں اس قسم کی باتیں اپنے پہلے آباء و اجداد کے زمانہ میں اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو اس کی بارگاہ سے (نور) ہدایت لے کر آیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ اس کا انجام اچھا ہوگا بے شک بامراد نہیں ہوتے ظلم و ستم کرنے والے (یہ سن کر) فرعون نے کہا: اے اہل دربار! میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لیے میرے سوا کوئی اور خدا ہے پس آگ جلا میرے لیے اے ہامان! اور اس پر اینٹیں پکوا میرے لیے ایک اونچا محل تعمیر کر شاید (اس پر چڑھ کر) میں سراغ لگا سکوں موسیٰ کے خدا کا اور میں تو اس بارے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے اور تکبر کیا ہے اس نے اور اس کی فوجوں نے زمین میں ناحق اور وہ یہ گمان کرتے رہے کہ انہیں ہماری طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ پس ہم نے پکڑ لیا اسے اور اس کے لشکریوں کو اور پھینک دیا انہیں سمندر میں دیکھو! کیسا (ہولناک) انجام ہوا ظلم و ستم کرنے والوں کا۔ اور ہم نے بنایا تھا انہیں ایسے پیشوا جو بلا رہے تھے (اپنی رعایا کو) آگ کی طرف اور روز محشر ان کی مدد نہیں کی جائے گی اور ہم نے ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن بھی ان کا شمار ملعونوں میں ہوگا''۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ حضرت موسیٰ علیہ السلام واضح اور ظاہر آیات لائے۔ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى انہوں نے کہا: یہ گھڑا ہوا جھوٹ ہے۔ وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْۤ اٰبَآىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیات جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توحید کے اثبات میں استدلال کیا ہے جو دلائل عقلیہ سے تعلق رکھتی ہیں ہم نے انہیں اپنے آباء سے تو نہیں سنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیات سے مراد معجزات ہیں۔

وَقَالَ مُوْسٰى عام قراءت واؤ کے ساتھ ہے۔ مجاہد، ابن کثیر اور ابن محیصن نے واؤ کے بغیر قال قراءت کی ہے اہل مکہ کے مصحف میں یہ اس طرح ہے رَبِّيْۤ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى، ھدی سے مراد رشاد ہے۔ مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عاصم کے علاوہ کوفہ کے قراء نے یکون یاء کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے عَاقِبَةُ الدَّارِ یعنی دار جزا اِنَّهٗ ہا ضمیر امر و شان ہے لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کلام اور انا ربکم الاعلی کے قول کے درمیان چالیس سال کا عرصہ حائل ہے۔ اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے بلکہ اسے علم تھا کہ اس کا وہاں رب ہے جو اس کا اور اس کی قوم کا خالق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزخرف: 87) اس نے کہا: فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ میرے لیے اینٹیں پکاؤ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ قتادہ نے کہا: فرعون وہ پہلا شخص ہے جس نے اینٹیں پکوائیں اور ان سے عمارت بنوائی۔

جب فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ وہ اس کے لیے محل بنائے تو ہامان نے مزدور جمع کیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے پچاس ہزار مستری جمع کیے معاونین اور مزدور اس کے علاوہ تھے اس نے اینٹیں پکانے، چونا تیار کرنے، لکڑی چیرنے اور کیل لگانے کا حکم دے دیا۔ انہوں نے محل بنایا، محل کو خوب اونچا کیا اور اسے پختہ کیا جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا کوئی عمارت اس تک نہیں پہنچتی تھی۔ عمارت بنانے والا اس کی چوٹی پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے آزمانے کا ارادہ کیا۔ سدی نے حکایت بیان کی ہے: فرعون اس چھت پر چڑھا اور ایک تیر آسمان کی طرف پھینکا وہ تیر خون میں لت پت واپس آیا۔ اس نے کہا: میں نے (حضرت) موسیٰ کے الٰہ کو قتل کر دیا ہے۔ روایت بیان کی جاتی ہے: اللہ تعالیٰ نے اس کی اس گفتگو کے موقع پر جبریل امین کو بھیجا حضرت جبریل امین نے اپنا پر مارا تو اس نے محل کے تین ٹکڑے کر دیئے۔ ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر پڑا جس کی وجہ سے ان کے دس لاکھ سپاہی مارے گئے ایک ٹکڑا سمندر میں جا گرا اور ایک ٹکڑا مغرب میں جا گرا اور وہ تمام ہلاک ہو گئے جنہوں نے اس محل کے بنانے میں کام کیا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کی صحت کو خوب جانتا ہے۔

وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ یہاں ظن سے مراد شک ہے۔ اس نے شک کرتے ہوئے انکار کیا کیونکہ اس نے ایسے دلائل دیکھے جن کا سمجھنا عقل مند پر کوئی مشکل نہ تھا۔

وَ اسْتَكْبَرَ هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فرعون نے خود اور اس کے لشکروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اپنے آپ کو بڑا خیال کیا۔ **فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ**، بغیر الحق سے مراد سرکشی ہے یعنی اس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہ تھی جس کے ساتھ وہ ان معجزات کا دفاع کر سکتا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ **وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ** انہوں نے گمان کیا کہ نہ ان کے لیے معاد ہے اور نہ ہی دوبارہ اٹھانا ہے۔ نافع، ابن محیصن، شیبہ، حمید، یعقوب، حمزہ اور کسائی نے لایَرجعون پڑھا یعنی یاء پر فتحہ اور جیم کے نیچے کسرہ ہے، اس بنا پر کہ یہ معروف کا صیغہ ہے۔ باقی قراء نے یُرجعون مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یہ ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ پہلا قول ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ **فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ** وہ ستائیس لاکھ تھے۔ **فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ** ہم نے انہیں نمکین سمندر میں پھینک دیا۔ قتادہ نے کہا: مصر سے آگے ایک سمندر ہے جسے اساف کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اس میں غرق کیا۔ وہب اور سدی نے کہا: وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں غرق کیا وہ بحر قلزم کی ایک جانب تھی جسے بطن جزیرہ کہا جاتا۔ وہ آج تک غصے میں ہے۔ مقاتل نے کہا ہے: مراد دریائے نیل ہے۔ یہ قول ضعیف ہے۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ **فَانْظُرْ** اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم دیکھیے۔ **كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ** ان کے امر کا انجام کیسے ہوا؟ **وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً** ہم نے انہیں زعماء بنا دیا ہے جن کی کفر پر پیروی کی جاتی ہے ان پر ان کا بوجھ ہے اور ان کا بوجھ ہوتا ہے جو ان کی پیروی کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کی سزا زیادہ ہو جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم میں سے ایسے سردار بنا دیئے جو ان میں سے بے وقوفوں کے سردار تھے تو وہ جہنم کی طرف دعوت دیتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایسے ائمہ تھے جن کی اتباع عبرت والے کرتے اور ان سے صاحب بصیرت نصیحت حاصل کرتے۔ **یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ** جہنمیوں کے عمل کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ **وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ** قیامت کے روز ان کی مدد نہ کی جائے گی۔

وَ اَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ہم نے بندوں کو حکم دیا کہ ان پر لعنت کریں تو جو بھی ان کا ذکر کرے تو ان پر لعنت کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی ہم نے ان پر لعنت کو لازم کیا یعنی خیر سے دوری کو لازم کیا۔ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ جس کو ہلاک کیا گیا ہو اور ان پر ناراضگی کی گئی ہوئی؛ یہ ابن کیسان اور ابو عبیدہ کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کے چہروں کے سیاہ ہونے اور آنکھوں کے نیلے ہونے کے ساتھ ان کی شکلیں ہی بدل گئی ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دور کیے گئے لوگوں میں سے ہوں گے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: قبحه الله یعنی اسے یہ بھلائی سے الگ کر دیا گیا۔ قبحه و قبحه جب اسے قبیح بنا دیا۔ ابو عمرو نے کہا: قبحت وجهه جب شد نہ ہو تو اس کا معنی بھی قبحت ہی ہے یعنی مجرد اور مزید فیہ دونوں بابوں سے معنی ایک ہی ہے؛ شاعر نے کہا:

أَلَا قَبَّحَ اللهُ البراجِمَ كُلَّها　　وقَبَّحَ يَرْبوعا و قَبَّحَ دَارِمَا

اللہ تعالیٰ تمام براجم کو بھلائیوں سے دور کرے یربوع اور دارم کو بھلائی سے دور کرے۔

یَوْمَ کو نصب اس لیے دی ہے کیونکہ یہ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا کے محل پر محمول ہے(1)۔ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ حرف عطف کا ذکر نہیں یعنی حرف عطف سے مستغنی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں حرف عطف نہیں: سَیَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ (الکہف: 22) یہ بھی جائز ہے کہ یوم میں عامل مضمر ہو جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓىِٕكَةَ لَا بُشْرٰى یَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ (الفرقان: 22) یہ بھی جائز ہے کہ یوم میں عامل هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ہے اگرچہ ظرف متقدم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مجاز کے قاعدہ کے مطابق مفعول ہو گویا فرمایا: واتبعناهم فی هذه الدنیا لعنة یوم القیامة۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

''اور ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اس کے بعد کہ ہم نے ہلاک کر دیا تھا پہلی (نافرمان) قوموں کو (یہ کتاب) لوگوں کے لیے بصیرت افروز اور سراپا ہدایت و رحمت تھی تا کہ وہ نصیحت قبول کریں''۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ، الکتاب سے مراد تورات ہے، یہ قتادہ کا قول ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ پہلی کتاب ہے یعنی تورات جس میں فرائض، حدود اور احکام نازل ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں کتاب سے مراد مثانی سبع میں سے چھ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اسے مرفوع روایت کیا ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کسی قوم، قرن (زمانہ کے لوگ) امت اور اہل قریہ کو آسمان کے عذاب سے ہلاک کیا اور نہ ہی زمین کے عذاب سے ہلاک کیا۔

1۔ درمنثور، جلد 5، صفحہ 235

جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل کیا سوائے اس بستی کے جن کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا تھا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہیں دیکھتے: وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى ''۔ مراد قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود کے بعد۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بعد اس کے کہ ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا اور قارون کو زمین میں دھنسایا۔ بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ یعنی ہم نے اسے کتاب دی جو بصیرتیں ہیں یعنی وہ اس سے بصیرت حاصل کریں۔ وَ هُدًى جو آدمی اس پر عمل کرے اس کو گمراہی سے ہدایت دینے والی ہے وَّ رَحْمَةً جو اس پر ایمان لائے اس کے لیے رحمت۔ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ تا کہ اس نعمت کو یاد کریں اور دنیا میں اپنے ایمان پر قائم رہیں اور آخرت میں اپنے ثواب پر اعتماد کریں۔

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَ مَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۙ وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ﴿۴۵﴾

''اور آپ نہیں تھے (طور کی) مغربی سمت میں جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف (رسالت) کا حکم بھیجا اور نہ آپ گواہوں میں شامل تھے لیکن ہم نے پیدا فرمائیں کئی قومیں (یکے بعد دیگرے) اور کافی لمبا عرصہ گزر گیا ان پر (اور انہوں نے عہد خداوندی بھلا دیا) اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے تا کہ آپ پڑھ کر سناتے انہیں ہماری آیتیں لیکن ہم ہی رسول بنا کر بھیجنے والے تھے''۔

وَ مَا كُنْتَ اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم آپ نہیں تھے بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ پہاڑ کی مغربی جانب؛ شاعر نے کہا:

أعطاكَ من أعطى الهُدَى النَّبِيَّا نُورًا يَزِينُ المِنبَرَ الغربِيَّا

جس نے سراپا ہدایت نبی عطا کیا اس نے تجھے ایسا نور عطا کیا جو منبر کی مغربی جانب کو مزین کرتا ہے۔

اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ جب ہم نے اسے اپنے امر اور اپنی نہی کا مکلف بنایا اور اپنا عہد اس پر لازم کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آپ کا امر پہنچایا اور ہم نے تیرا ذکر اچھے انداز میں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اِذْ قَضَیْنَاۤ کا معنی ہے یعنی ہم نے خبر دی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بہترین امت ہے وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ تو حاضرین میں سے نہ تھا۔

وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عہد اور امر کو بھلا دیا۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ الخ (الحدید: 16) اس کا ظاہر واجب کرتا ہے کہ اس وقت ہمارے نبی کا ذکر جاری ہوا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے مبعوث فرمائے گا، لیکن مدت لمبی ہو گئی سختی غالب آ گئی اور قوم اس کو بھول گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی اور ہم نے اس کی قوم سے عہد لیے پھر زمانہ طویل ہو گیا اور انہوں نے کفر کیا تو ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کا مجدد بنا کر بھیج دیا اور مخلوق کو

اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا بنا کر بھیج دیا۔

وَ مَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ آپ ان میں مقیم نہ تھے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام ان کے درمیان مقیم تھے۔ عجاج نے کہا:

فباتَ حیث یدخلُ الثَّوِیُّ اس نے وہاں رات گزاری جہاں اقامت کرنے والا مہمان داخل ہوتا ہے۔

تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا انہیں وعدہ اور وعید یاد دلائیں۔ وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ہم نے تجھے اہل مکہ میں بھیجا اور ہم نے تجھے ایسی کتاب دی جس میں یہ خبریں ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو آپ انہیں نہ جانتے ہوتے۔

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴۶

”اور آپ (اس وقت) طور کے کنارہ پر بھی نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) ندا فرمائی لیکن یہ آپ کے رب کی محض رحمت ہے (کہ اس نے آپ کو ان حالات پر آگاہ کر دیا) تا کہ آپ (قہر الٰہی سے) ڈرائیں اس قوم کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے شاید وہ نصیحت قبول کریں“۔

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا جس طرح آپ مکان کی غربی جانب نہیں تھے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا اسی طرح آپ طور کی جانب بھی نہیں تھے جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی جب وہ ستر افراد کے ساتھ وقت مقررہ پر آئے تھے۔ عمرو بن دینار نے مرفوع روایت نقل کی ہے: ندا کی گئی: اے امت محمد! میں نے تمہاری دعا قبول کی قبل اس کے کہ تم دعا کرو اور میں نے تمہیں عطا کر دیا قبل اس کے کہ تم مجھ سے سوال کرو (1)۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہی فرمان ہے: وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے امت محمد! میں نے تمہاری دعا قبول کر لی قبل اس کے کہ تم مجھ سے دعا کرو اور میں نے تمہیں عطا کیا قبل اس کے کہ تم مجھ سے سوال کرو، تمہاری مغفرت طلب کرنے سے پہلے میں نے تمہیں بخش دیا اور تمہارے رحم طلب کرنے سے پہلے تم پر رحم کیا (2)۔ وہب نے کہا: اس کی وجہ یہ بنی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کی امت کی فضیلت کا ذکر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے امت محمد! تو انہوں نے اپنے آباء کی پشتوں سے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تمہاری عرض داشت کو پورا کیا قبل اس کے کہ تم مجھ سے دعا کرو۔ اس تعبیر کی بنا پر معنی ہوگا: آپ طور کی جانب نہیں تھے جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی اور ہم نے اسے تیری امت کو ندا کی اور ہم نے تیرے لیے اور تیری امت کے لیے قیامت تک جو کچھ لکھ دیا ہے اس کے بارے میں اسے خبر دی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 96　　2۔ ایضاً

وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ یعنی جو ہم نے کہا ہے یہ تمہارے اوپر اپنی جانب سے رحمت کے طور پر کیا ہے۔ اخفش نے کہا: رَّحْمَةً مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہے لکن رحمناك رحمة۔ زجاج نے کہا: یہ مفعول لاجلہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ فعل ذلك بك لاجل الرحمة۔ نحاس نے کہا: آپ نے انبیاء کے واقعات کا مشاہدہ نہ کیا اور نہ ہی انہیں آپ پر بیان کیا گیا لیکن ہم نے تجھے مبعوث کیا اور ہم نے رحمت کے لیے تیری طرف وحی کی۔ کسائی نے کہا: کان کی خبر ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے لکن کان رحمة رفع دینا بھی جائز ہے یہ اس معنی میں ہے ھی رحمة۔ زجاج نے کہا: رفع جائز ہے اس معنی کا اعتبار کرتے ہوئے لکن فعل ذلك رحمة۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ قوم سے مراد عرب ہیں آپ نے ان اخبار کا مشاہدہ نہیں کیا لیکن ہم نے انہیں تیری طرف وحی کیا ان پر رحمت کرتے ہوئے جن کی طرف آپ کو بھیجا گیا ہے تا کہ آپ ان کے ذریعے انہیں ڈرائیں۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

وَ لَوْلَاۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝۴۷ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَاۤ اُوْتِيَ مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَ لَمْ يَكْفُرُوْا بِمَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَ قَالُوْۤا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ۝۴۸

"(اور ان کی وجہ یہ ہے) کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب پہنچے انہیں کوئی مصیبت ان اعمال کے باعث جو انہوں نے کیے ہیں تو وہ یہ نہ کہنے لگیں کہ اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تا کہ ہم پیروی کرتے تیری آیات کی اور ہم ہو جاتے ایمان لانے والوں سے۔ پھر جب آ گیا ان کے پاس حق ہماری جناب سے تو وہ کہنے لگے: کیوں نہ دیئے گئے انہیں اس قسم کے معجزے جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے (ان نابکاروں سے پوچھو) کیا انہوں نے انکار نہیں کیا تھا ان معجزات کا جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے اس نے کہا: (موسیٰ و ہارون) دو جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں نیز انہوں نے کہا تھا: ہم ان تمام کا انکار کرتے ہیں"۔

وَ لَوْلَاۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ، ھم ضمیر سے مراد قریش ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد یہودی ہیں۔ مُّصِيْبَةٌ اس سے مراد عقوبت اور انتقام ہے۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اس سے مراد کفر اور معاصی ہیں۔ ایدی کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ عموماً کمائی اس سے واقع ہوتی ہے۔ لَوْلَاۤ کا جواب محذوف ہے۔ ان کے سابقہ گناہوں کی وجہ سے انہیں کیوں عذاب نہیں پہنچا۔ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ ،لولا، ھلا کے معنی میں ہے۔ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا ہم نے رسول کیوں نہیں بھیجے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے کیوں عذاب کو جلدی نہیں بھیجا؟ رسولوں کو مبعوث کرنا، کفار کے عذر کو ختم کرنے کے لیے ہے جس طرح سورۃ الاسراء اور سورۃ طٰہٰ کے آخر میں گزر چکا ہے۔ فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ فعل کو نصب تخصیص کے جواب کے طور پر ہے۔ وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فعل کا عطف فنتبع پر ہے۔ مومنین سے مراد تصدیق کرنے والے ہیں۔ اس آیت سے اس نے استدلال کیا ہے

جس نے یہ کہا: عقل ایمان اور شکر کو واجب کر دیتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ یہ عقاب کا موجب ہے کیونکہ وجوب رسولوں کی بعثت سے قبل ثابت ہو چکا تھا۔ یہ عقل سے بھی جانا جا سکتا ہے۔ قشیری نے کہا: صحیح یہ ہے کہ کلام محذوف یوں ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو نئے رسول بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی، یعنی یہ کفار معذور نہیں کیونکہ ان تک سابقہ شریعتیں پہنچ چکی ہیں اور توحید کی دعوت بھی پہنچ چکی ہے لیکن زمانہ طویل ہو گیا اگر ہم ان کو عذاب دیتے تو ان میں سے کوئی کہنے والا کہتا: رسولوں کا زمانہ طویل ہو گیا۔ یہ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ عذر ہے جب کہ ان کے لیے کوئی عذر نہیں کیونکہ انہیں رسولوں کی بعثت کی خبر پہنچی ہے لیکن ہم نے عذر کو مکمل طور پر ختم کر دیا اور بیان کو مکمل کر دیا، پس اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھے ان کی طرف مبعوث کیا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ وہ کس بندے کو بیان اور حجت کے اکمال اور رسولوں کی بعثت کے بعد ہی سزا دے گا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا حق سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ قَالُوْا یعنی کفار مکہ نے کہا: لَوْلَاۤ اُوْتِیَ مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰی، لولا، ھلا کے معنی میں ہے مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ سے مراد عصا اور ید بیضا ہے اور تورات کی طرح آپ کو قرآن حکیم اکٹھے کیوں نازل نہیں کیا گیا؛ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پہنچ چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوَ لَمْ یَكْفُرُوْا بِمَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا، ساحران سے مراد انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیے ہیں جن دونوں نے باہم جادو پر تعاون کیا معاذ اللہ۔ کلبی نے کہا: قریش نے یہودیوں کی طرف پیغام بھیجا اور ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ان کے معاملہ کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا: ہم تورات میں آپ کی نعت اور صفت پاتے ہیں۔ جب جواب ان تک پہنچا۔ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ایک قوم کا خیال ہے: یہودیوں نے مشرکوں کو تعلیم دی اور انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھو آپ کو اس طرح کی چیزیں کیوں نہ عطا کی گئیں جس طرح کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئیں، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ہی دفعہ تورات دی گئی تھی۔ یہ استدلال یہودیوں پر وارد ہوتا ہے یعنی کیا ان یہودیوں نے یہ کہہ کر اس چیز کا انکار نہیں کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں یہ کہا تھا: ھما ساحران یہ دونوں جادوگر ہیں۔

اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ہم ان میں سے ہر ایک کا انکار کرنے والے ہیں۔ کوفیوں نے پڑھا سحران یہ الف کے بغیر ہے مراد انجیل اور قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تورات اور فرقان ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تورات اور انجیل ہے؛ یہ ابورزین کا قول ہے۔ باقی قراء نے ساحران الف کے ساتھ پڑھا ہے اس میں تین اقوال ہیں (1) مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؛ یہ مشرکین عرب کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری کا قول ہے (۲) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہیں؛ یہ یہودیوں کا قول ہے جو انہوں نے ان دونوں کی رسالت کی ابتدا کے موقع پر کیا تھا؛ یہ قول سعید بن جبیر، مجاہد اور ابن زید کا قول ہے۔ تو استدلال ان کے خلاف ہوگا۔ یہ تعبیر اس امر پر دال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَوْلَاۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌ میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے لولا ان تصیبھم مصیبة لما جددنا بعثة الرسل کیونکہ یہودیوں نے نبوتوں کا اعتراف کیا لیکن انہوں نے تحریف کی، تبدیلی کی اور عقاب کے مستحق ہو

گئے اور کہا: ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ان کے تمام عذر ختم کر دیئے (۳) مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ آج یہودیوں کا قول ہے؛ قتادہ نے یہی قول کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا تمام یہودیوں نے اس چیز کا انکار نہیں کیا جو تورات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور اس تورات میں ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی۔ اس تورات میں انجیل اور قرآن کا ذکر ہے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور دونوں کتابوں کو سحر خیال کیا۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَ لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

"آپ فرمایئے: تم لے آؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس سے جو زیادہ ہدایت بخش ہو ان دونوں (قرآن و تورات) سے تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہوئے۔ پس اگر وہ قبول نہ کریں آپ کے اس ارشاد کو تو جان لو کہ وہ صرف اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی راہنمائی کے بغیر بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو، اور ہم مسلسل بھیجتے رہے ان کی طرف اپنا کلام تا کہ وہ نصیحت قبول کریں"۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم کہو: اے مشرکوں کی جماعتو! جب تم نے ان دونوں کتابوں کا انکار کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو پس اس کی اتباع کروں گا تا کہ تمہارے لیے بھی کفر میں کوئی عذر ہو۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اس میں سچے ہو کہ وہ دونوں جادوگر ہیں یا تم ایسی کتاب لاؤ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔ یہ کوفیوں کی قراءت سحران کو قوت بہم پہنچاتی ہے۔ اتبعہ، فراء نے کہا: یہ رفع کے ساتھ ہے کیونکہ کتاب کی صفت ہے اور کتاب نکرہ ہے کہا: جب اسے جزم دی جائے جو اس میں ایک صورت ہے تو وہ شرط کی صورت میں ہوگی۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم اگر وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کتاب نہ لا سکیں فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ تو یہ جان لو کہ وہ اپنے دلوں کی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور جس چیز کو وہ اچھا خیال کرتے ہیں اور شیطان جس چیز کو ان کے لیے محبوب بنا کر پیش کرتا ہے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ کوئی اس سے بڑھ کر گمراہ نہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔

وَ لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ یعنی ایک کے بعد دوسرا قول بھیجا اور ایک رسول کے بعد دوسرا رسول مبعوث کیا۔ حضرت حسن

بصری نے پڑھا: وَصَلنا یہ مخفف ہے۔ ابو عبیدہ اور اخفش نے کہا: وصلنا کا معنی ہے ہم نے مکمل کیا جس طرح تو کسی چیز کو مکمل کرتا ہے۔ ابن عیینہ اور سدی نے کہا: ہم نے بیان کیا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا۔ مجاہد نے کہا: ہم نے تفصیل بیان کر دی، اس طرح وہ قراءت بھی کرتے تھے۔ ابن زید نے کہا: ہم نے ان کے لیے دنیا کی خبر آخرت کی خبر کے ساتھ ملا دی گویا وہ دنیا میں ہی آخرت میں ہیں۔ اہل معانی نے کہا: اس کا معنی والینا اور تابعنا ہے یعنی ہم نے قرآن کو نازل کیا اس کا بعض بعض کے پیچھے ہیں، کبھی وعدہ، کبھی وعید، کبھی قصے، کبھی عبرتیں، کبھی نصاح اور کبھی مواعظ ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں اور کامیاب ہو جائیں۔ اس کی اصل وصل الحبال بعضها ببعض ان کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنا۔ شاعر نے کہا:

فقل لبنی مروان ما بال ذِمّةٍ وحبلٍ ضعيفٍ ما يزال يُوَصَّلُ

بنی مروان سے کہو: اس ذمہ اور کمزور رسی کا کیا ہے جس کو جوڑا ہی نہیں جاتا۔

امرؤ القیس نے کہا:

درير كَخُذروف الوليد أمَرّه تَقَلُّبُ كَفّيه بخيطٍ مُوَصَّلِ

محل استدلال موصل ہے۔

لَهُمُ میں ضمیر قریش کے لیے ہے؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ یہود کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان سب کے لیے ہے۔ یہ آیت ان لوگوں کا رد ہے جس نے یہ کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن اکٹھا کیوں نہ دیا گیا۔

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں غور و فکر کریں اور آپ پر ایمان لے آئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ غور و فکر کریں اور اس سے ڈریں کہ ان پر ایسا ہی عذاب نہ نازل ہو جائے جو ان سے قبل لوگوں پر نازل ہوا؛ یہ علی بن عیسیٰ نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شاید وہ بتوں کی عبادت چھوڑ کر قرآن سے نصیحت حاصل کریں؛ نقاش نے یہ حکایت بیان کی ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾

''جن کو ہم نے عطا فرمائی کتاب (نزول) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لائے ہیں اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے تھے''۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ یہ خبر دی بنی اسرائیل میں سے جنہیں کتاب دی گئی ان میں سے ایک قوم قرآن کے نازل ہونے سے پہلے قرآن پر ایمان رکھتی تھی۔ جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت سلمان اور نصاریٰ کے علماء میں سے جو مسلمان ہوئے وہ بھی اس میں داخل ہیں وہ چالیس لوگ تھے۔ وہ حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ مدینہ طیبہ آئے تھے بتیس آدمی حبشہ سے آئے تھے اور آٹھ آدمی شام سے آئے تھے وہ نصاریٰ کے ائمہ تھے ان میں بحیرا

راہب، ابرہہ، اشرف، عامر، ایمن، ادریس اور نافع تھے۔ ماوردی نے یہی نام ذکر کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ اور بعد والی آیت نازل کی ہے اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت تمیم داری، حضرت جارود عبدی اور حضرت سلمان فارسی کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ اسلام لائے اور ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت رفاعہ قرظی سے مروی ہے: یہ آیت دس آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی، میں ان میں سے ایک ہوں۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت حضرت نجاشی اور ان کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی نجاشی نے بارہ آدمی بھیجے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجلس میں بیٹھے ابوجہل اور اس کے ساتھی قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے وفد کے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھے تو ابوجہل اور اس کے ساتھی ان کے پیچھے ہو لیے ابوجہل نے انہیں کہا: اللہ تعالیٰ تمہارے جیسے قافلہ کو خائب و خاسر کرے اور تمہارے جیسے وفد کو قباحت میں ڈالے تم تھوڑی دیر بھی نہ ٹھہرے کہ تم نے ان کی تصدیق کر دی ہم نے تم سے بڑھ کر کوئی وفد زیادہ احمق اور زیادہ جاہل نہیں دیکھا انہوں نے ابوجہل کو جواب دیا: سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ہم اپنے نفوس کو ہدایت کے نوازنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ یہ بحث سورۂ مائدہ میں واذا سمعوا ما انزل الی الرسول کے تحت گزر چکی ہے۔ ابوالعالیہ نے کہا: یہ ایسی قوم ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی قبل اس کے کہ آپ کو مبعوث کیا جاتا جب کہ ان میں سے بعض نے آپ کو پایا۔ مِنْ قَبْلِهٖ قرآن سے پہلے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے۔ هُمْ بِهٖ ہا ضمیر سے مراد قرآن ہے یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے یُؤْمِنُوْنَ۔

وَ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ جب ان پر قرآن حکیم پڑھا جاتا ہے وہ کہتے ہیں: اس میں جو کچھ ہے ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ اس کے نزول سے پہلے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے موحد تھے اور ایمان رکھنے والے تھے کہ عنقریب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جائے گا اور آپ پر قرآن حکیم نازل کیا جائے گا۔

اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؗ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ؗ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ﴿۵۵﴾

''یہ لوگ ہیں جنہیں دیا جائے گا ان کا اجر دو مرتبہ بوجہ اس کے صبر کے اور دور کرتے ہیں نیکی کے ساتھ برائی کو نیز اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اور جب وہ سنتے ہیں کسی بیہودہ بات کو تو منہ پھیر لیتے ہیں اس سے اور کہتے ہیں: ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں تم سلامت رہو ہم جاہلوں (سے الجھنے) کے خواہاں نہیں ہیں''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین قسم کے افراد ایسے ہیں جنہیں دوگنا اجر دیا جائے گا (۱) اہل کتاب میں سے آدمی جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا، آپ کی اتباع کی اور آپ کی تصدیق کی۔ اس کے لیے دو اجر ہیں (۲) مملوک غلام جس نے اللہ تعالیٰ کے حق کو اور اپنے آقا کے حق کو ادا کیا اس کے لیے دو اجر ہیں (۳) ایک مرد جس کی ایک لونڈی تھی۔ اس نے اسے غذا دی اور اچھی غذا دی اسے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا پھر اسے آزاد کیا اور اس سے شادی کی تو اس کے لیے دو اجر ہیں'' (1)۔ شعبی نے خراسان سے کہا: یہ حدیث بغیر کسی شے کے لے لو جب کہ ایک آدمی اس سے کم درجہ کی حدیث کے لیے مدینہ طیبہ تک کا سفر کیا کرتا تھا۔ اسے امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ ہمارے علماء نے کہا: جب ان میں سے ہر ایک دو جہتوں سے دو امور کا مخاطب بنا تو ان میں سے ہر ایک دو اجروں کا مستحق ہوا۔ کتابی اپنے نبی کی جانب سے مخاطب تھا پھر ہمارے نبی کی جانب سے اسے خطاب کیا گیا اس نے اس دعوت کو قبول کیا اور اس کی پیروی کی تو اس کے لیے دو ملتوں کا اجر ہے۔ اس طرح غلام وہ اللہ تعالیٰ کی جہت سے مامور ہے اور اپنے سید کی جانب سے مامور ہے اور لونڈی کا مالک، جب اس نے وہ فرائض ادا کیے جسے اپنی لونڈی کی تربیت کے اور ادب کے حوالے سے خطاب کیا گیا تھا تو اس نے اسے تربیت کے ساتھ زندہ کیا پھر جب اس نے اسے آزاد کیا اور پھر اس سے شادی کی تو آزادی کے احیاء کے ساتھ زندہ کیا پھر اسے اپنے ساتھ لاحق کر لیا تو اس نے وہ امور سرانجام دیے جن کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ تو ہر ایک کے لیے دو اجر ہیں پھر ہر ایک اجر کو کئی گنا کر دیا جائے گا۔ ایک نیکی دس گنا ہے تو اس کے اجروں کو بھی کئی گنا کر دیا جائے گا، اسی وجہ سے کہا گیا: ہر وہ غلام جو اپنے آقا کا حق ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق آزاد یعنی مالک کے حق سے زیادہ ہے یہی وہ چیز ہے جسے ابو عمر بن عبد البر اور دوسرے علماء نے پسند کیا ہے۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مملوک غلام جو اپنی اصلاح کرنے والا ہو اس کے لیے دو اجر ہیں'' (2)۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں ابو ہریرہ کی جان ہے اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد، حج اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کا تصور نہ ہوتا تو میں اس کو پسند کرتا کہ میں مرتا اس حال میں کہ میں مملوک ہوتا۔ سعید بن مسیب نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حج نہ کیا یہاں تک کہ ان کی ماں مر گئی مقصد ماں کی خدمت تھی۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک مملوک کے لیے کتنا اچھا ہے کہ وہ فوت ہو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اچھی طرح کرتا ہو اور اپنے آقا کی خدمت اچھی طرح کرتا ہو اس غلام کے لیے کتنا اچھا ہے'' (3)۔

مسئلہ نمبر 2۔ بِمَا صَبَرُوا اپنی ملت پر صبر کرنے میں یہ عام ہے پھر اس عمل اور اس اذیت سے جو وہ کفار وغیرہ سے پاتے ہیں پر صبر کرتے ہیں۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 86

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب صحبۃ الممالیک، جلد 2، صفحہ 53 3۔ ایضاً

مسئلہ نمبر 3۔ وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وہ برائی کو نیکی سے دور کرتے ہیں۔ درات یہ اس وقت بولتے ہیں جب تو دفاع کرے۔ درء کا معنی دور کرنا ہے۔ حدیث میں ہے: ''حدود کو شبہات کے ساتھ دور کرو'' (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ برداشت اور اچھی کلام کے ساتھ اذی کو دور کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ توبہ اور استغفار کے ساتھ گناہوں کو دور کرتے ہیں۔ پہلی تعبیر کی صورت میں یہ مکارم اخلاق کا وصف ہے یعنی جوان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ نرمی کرتے ہیں اور اچھے قول کے ساتھ پیش آتے ہیں اس کے ساتھ وہ برائی کو دور کرتے ہیں یہ آیت صلح ہے یہ ابتداء اسلام میں تھا یہ وہ آیت ہے جسے آیت سیف نے منسوخ کر دیا ہے اور کفر کے سوا کے لیے اس کا حکم باقی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت قیامت تک بجالاتی رہے گی۔ اسی معنی میں حضرت معاذ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اتبع السیئۃ الحسنۃ تمحھا و خالق الناس بخلق حسن (2) برائی کے پیچھے نیکی لاؤ جو اس برائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے ملو۔ خلق حسن میں سے یہ بھی ہے کہ ناپسندیدہ چیز اور اذیت کو دور کرو ظلم پر اس سے اعراض اور نرم گفتگو کے ساتھ صبر کرو۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی کہ وہ اپنے اموال طاعات اور شرع کے احکام میں خرچ کرتے ہیں۔ اس میں صدقات پر برانگیختہ کیا گیا ہے بعض اوقات روزے اور نماز کی صورت بدنی صدقہ ہوتا ہے پھر لغو سے اعراض کرنے پر ان کی مدح کی، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (الفرقان) مشرک جو انہیں اذیت دیتے اور گالیاں دیتے اس کو سنتے تو یہ اس سے اعراض کرتے یعنی اس میں مشغول نہ ہوتے۔ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ یہ کلام ایک دوسرے سے لاتعلق ہونے کی بنا پر ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ (الفرقان) یعنی ہمارے لیے ہمارا دین اور تمہارے لیے تمہارا دین ہے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ یعنی تمہیں ہم سے امن ہے ہم جنگ نہیں کرتے اور ہم تمہیں گالیاں نہیں دیتے یہاں سلام کا کوئی ذکر نہیں۔ زجاج نے کہا: یہ قتال کا حکم آنے سے قبل کا معاملہ ہے۔ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ہم انہیں جھگڑے، بات لوٹانے اور باہم گالی دینے کے لیے طلب نہیں کرتے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

''بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں البتہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو''۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ زجاج نے کہا: مسلمانوں کا اس بارے میں اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ مفسرین کی بڑی تعداد کا اتفاق ہے کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ امام بخاری اور مسلم کی حدیث ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سورۂ براءۃ میں گزر چکی ہے۔ ابوروق نے کہا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ میں اشارہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ وَهُوَ اَعْلَمُ

1۔ تاریخ بغداد، جلد 9، صفحہ 303
2۔ الترغیب والترہیب، کتاب التوبہ والزھد، جلد 4، صفحہ 109

بِالْمُهْتَدِيْنَ مجاہد نے کہا: جس کے حق میں ہدایت کو مقدر کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَنْ اَحْبَبْتَ کا معنی ہے جس کی ہدایت پانے کو آپ پسند کرتے ہیں۔ جبیر بن مطعم نے کہا: وہ وحی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کی جاتی اس کو کسی نے نہیں سنا صرف حضرت ابوبکر صدیق نے اسے سنا کیونکہ انہوں نے حضرت جبریل امین کو یہ کہتے ہوئے سنا: اے محمد! پڑھو اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔

وَ قَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝

''اور انہوں نے کہا: اگر ہم اتباع کریں ہدایت کا آپ کی معیت میں تو ہمیں اچک لیا جائے گا ہمارے ملک سے، کیا ہم نے بسا نہیں دیا حرم میں جو امن والا ہے کھچے چلے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل یہ رزق ہے ہماری طرف سے لیکن ان کی اکثریت کچھ نہیں جانتی۔ اور ہم نے کتنے شہر برباد کر دیے جب وہ فخر کرنے لگے اپنی خوش حالی پر پس یہ ہیں ان کے گھر جن میں سکونت نہیں کی گئی ان کے بعد مگر بہت کم عرصہ اور (آخر کار) ہم ہی ان کے وارث بنے''۔

وَ قَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا یہ مشرکین مکہ کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قریش میں سے یہ بات حرث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف قرشی نے کی: اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم جانتے ہیں کہ تیرا قول حق ہے لیکن ہمیں یہ خوف کہ عرب ہمیں اپنی سرزمین (مکہ) سے اچک لیں یہ خوف اس سے روکتا ہے کہ ہم تیرے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں اور تجھ پر ایمان لائیں گے، کیونکہ وہ سب ہمارے خلاف مجتمع ہیں اور ہم میں ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں یہ ان کی حجت بازیوں میں سے تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی حجت بازیوں کا جواب دیا اور کہا: اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا، آمنا یہاں ذا امن کے معنی میں ہے اس کی وجہ یہ تھی عرب دور جاہلیت میں ایک دوسرے سے غارت گری مچاتے تھے، ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے اور اہل مکہ حرم کی حرمت کی وجہ سے امن میں ہوتے جہاں بھی ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ بیت اللہ کی حرمت کی وجہ سے انہیں امن دیا۔ ان سے ان کے دشمن کو روکا پس انہیں ڈرنا چاہیے کہ عرب ان کے ساتھ جنگ میں ان کی حرمت کو حلال سمجھیں گے۔ تخطف سے مراد تیزی سے اچک لینا ہے، یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم میرے حرم میں امن میں ہوتے ہو، تم میرا رزق کھاتے ہو اور میرے غیر کی عبادت کرتے ہو۔ کہا: تم اس وقت خوف کھاتے ہو جب تم میری عبادت کرو گے اور مجھ پر ایمان لاؤ گے۔

يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ تمام سرزمین اور تمام ملکوں کے پھل اس کی طرف جمع کیے جاتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: جبی الماء فی الحوض اس نے پانی کو حوض میں جمع کیا۔ جابیہ

سے مراد بڑا حوض ہے۔ نافع اسے تجبی تاء کے ساتھ پڑھتے۔ یہ ثمرات کی وجہ سے ہے باقی قراء نے کل شیء کی وجہ سے یاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے۔ کہا: اسم مونث اور فعل کے درمیان فاصلہ حائل ہے نیز ثمرات جمع ہیں، یہ مونث حقیقی نہیں۔

رِزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا یعنی ہماری جانب سے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے، یعنی وہ استدلال سے غافل ہیں، یعنی وہ ذات جس نے زمانہ گزشتہ میں حالت کفر میں انہیں رزق دیا ہے اور انہیں امن دیا ہے اگر وہ اسلام لائے تب بھی انہیں رزق دے گا اور حالت اسلام میں کفار کو ان سے روکے گا۔ رِزْقًا مفعول لاجلہ کی وجہ سے منصوب ہے مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے نصب دینا جائز ہے کیونکہ تجبی کا معنی ترزق ہے۔ اس کو یجنی پڑھنا بھی جائز ہے یہ جنا سے مشتق ہے یہ الی حرف جار کے ساتھ متعدی ہے جس طرح تیرا قول ہے: یجنی الی فیه، فجنی الی الخافة۔ خافہ سے مراد دانوں کے لیے برتن ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا اس آدمی کے لیے اس امر کو واضح کیا جو یہ گمان کرتا ہے کہ اگر وہ ایمان لایا تو عرب اس سے قتال کریں گے ایمان کے ترک کرنے میں خوف بہت زیادہ ہے کتنی ہی قومیں ہیں جنہوں نے کفر کیا پھر ان پر ہلاکت واقع ہوئی۔ بطر سے مراد نعمت کے بدلے میں سرکشی کرنا ہے؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ مَعِيْشَتَهَا سے مراد فی معیشتها ہے جب فی کو حذف کیا تو فعل متعدی ہو گیا؛ یہ مازنی اور زجاج کا قول ہے، جس طرح اس ارشاد میں حرف جار حذف ہے: وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا (الاعراف: 155) فراء نے کہا: یہ تفسیر کے طور پر منصوب ہے اسی طرح فرمایا: جس طرح تو کہتا ہے أبطرت مالك وبطرته، اس کی مثل اس کے ہاں یہ ہے اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (البقرہ: 130) اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا (النساء: 4) بصریوں کے نزدیک اسم معرفہ کو نصب دینا محال ہے کیونکہ تفسیر اور تمیز کا مطلب یہ ہے کہ واحد نکرہ ہو جو جنس پر دلالت کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بطرت کی وجہ سے منصوب ہے بطرت کا معنی ہے جہلت جاہل اور ناواقف ہے، معنی ہے وہ بستی اپنی معیشت پر شکر بجالانے سے جاہل ہے۔

فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ان کے اہل کے ہلاک ہونے کے بعد کچھ مسکن ہی آباد ہوئے اکثر برباد ہو گئے۔ استثناء مساکن کی طرف راجع ہے، یعنی بعض میں رہائش رکھی جاتی ہے؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ اس پر اعتراض کیا گیا اور کہا گیا: اگر استثناء مساکن کی طرف لوٹتی تو ارشاد یوں ہوتا: الا قلیل کیونکہ تو کہتا ہے: القوم لم تضرب الا قلیل قلیل کو رفع دیا جاتا ہے کیونکہ مارے جانے والے افراد تھوڑے ہوتے ہیں۔ جب تو نصب دے گا تو قلیل، ضرب کی صفت ہو گی۔ یعنی تھوڑا مارا گیا۔ تو اس وقت معنی ہو گا وہ ایسے مساکن ہیں جن میں مسافر ہی رہائش پذیر ہوتے اور وہ لوگ جو اس راستہ سے گزرے وہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے یعنی ان کے بعد تھوڑی ہی رہائش رکھی گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس طرح کہا، یعنی ان میں مسافر یا راہ گزر وہی ایک دن یا دو دن رہا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ یعنی ان کی ہلاکت کے بعد انہیں ان کا نائب بنایا گیا (1)۔

1۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 113

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾

''اور نہیں ہے آپ کا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو یہاں تک کہ بھیجے ان کے مرکزی شہر میں کوئی رسول جو پڑھ کر سنائے وہاں کے رہنے والوں کو ہماری آیتیں اور نہیں ہیں ہم ہلاک کرنے والے بستیوں کو مگر یہ کہ ان کے بسنے والے ظالم ہوں۔ اور جو چیز دی گئی ہے تمہیں تو یہ سامان ہے دنیوی زندگی کا اور اس کی زیب و زینت ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور دیرپا ہے، کیا تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ (تم خود سوچو) آیا وہ (نیک بخت) جس کے ساتھ ہم نے وعدہ کیا ہے بہت اچھا وعدہ اور وہ اس کو پانے والا بھی ہے اس (بدبخت) کی مانند ہوسکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا سامان دیا ہے پھر وہ (اس چند روزہ آزمائش کے بعد) روز قیامت (مجرموں کے کٹہرے میں) پیش کیا جائے گا''۔

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى یعنی ایسی بستیاں جن کے اہل کافر ہیں۔ حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا ہمزہ کے ضمہ اور اس کے کسرہ کے ساتھ اسے پڑھا گیا ہے کسرہ جر کی اتباع میں ہے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ رَسُوْلًا مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْۤ اُمِّهَا سے مراد ان میں سے سب سے بڑی۔ رَسُوْلًا ایسا رسول جو انہیں خبردار کرے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ان کے اوائل میں (1)۔

میں کہتا ہوں: مکہ مکرمہ اپنی حرمت اور اولیت کی بنا پر سب سے عظیم بستی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ (آل عمران: 96) رسول کی بعثت کے لیے ان بستیوں میں سے بڑی کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ رسولوں کو اشراف کی طرف مبعوث کیا جاتا ہے وہ شہروں میں رہتے ہیں یہ اردگرد کی بستیوں کے لیے ام کا درجہ رکھتی ہے۔ سورۂ یوسف کے آخر میں یہ معنی گزر چکا ہے۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا، یتلو صفت کے محل میں ہے یہ تالیا کے معنی میں ہے یعنی وہ رسول انہیں بتاتا ہے کہ عذاب ان پر نازل ہوگا اگر وہ ایمان نہ لائیں۔ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اضافت کی وجہ سے مھلکی کی نون گر گئی ہے جس طرح ظالمی انفسم میں نون اضافت کی وجہ سے گر گئی ہے۔ اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ یعنی میں نے انہیں ہلاک نہیں کیا مگر وہ کفر پر اصرار کی وجہ سے ہلاکت کے مستحق ہوگئے تھے کیونکہ ان کے تمام عذر ختم کر دیئے گئے تھے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے عدل اور ظلم سے مبرا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 261

ہونے کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک نہیں کرتا مگر اس وقت جب وہ ظلم کے ساتھ ہلاکت کے مستحق ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کے ظالم ہونے کے باوجود انہیں ہلاک نہیں کرتا مگر حجت کی تاکید اور رسولوں کی بعثت کے ساتھ اتمام حجت کے بعد ہی ہلاک کرتا ہے۔ ان کے احوال سے آگاہی کو ان کے خلاف حجت و دلیل نہیں بنا تا اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ ان کو ہلاک کرے جب کہ وہ ظالم نہ ہوں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝ (ہود) اس آیت میں ظلم کا لفظ ذکر کیا ہے اس بنا پر کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرتا جب کہ وہ اصلاح کرنے والے ہوتے تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر ظلم ہوتا جب کہ اس کی حالت ظلم کے منافی ہے یہی اس کی حکمت کا تقاضا ہے اس پر حرف نفی اور لام کے ساتھ دلالت کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (البقرہ: 143)

وَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ، تم ضمیر سے مراد اہل مکہ ہیں فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا تم اپنی زندگی کے عرصہ میں اس سے لطف اندوز ہوئے ہو یا اپنی زندگی میں ایک عرصہ تک یا تو تم اس سے الگ ہو جاتے ہو یا وہ تم سے زائل ہو جاتی ہے۔ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى اللہ تعالیٰ کے ہاں جو کچھ ہے وہ افضل اور دائمی ہے۔ اس سے مراد دار آخرت ہے اور یہ جنت ہے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم اتنی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے کہ باقی رہنے والی چیز فانی سے افضل ہوتی ہے۔ ابو عمرو نے اسے یعقلون یاء کے ساتھ پڑھا ہے (1)۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے یہی پسندیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ ہاء ضمیر سے مراد جنت اور اس میں جو ثواب ہے كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اسے وہ عطا کیا جس کا ارادہ کیا۔

ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ آگ میں حاضر ہوگا۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ لَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ (الصافات) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور ابو جہل بن ہشام کے بارے میں نازل ہوئی۔ محمد بن کعب نے کہا: یہ حضرت حمزہ اور حضرت علی اور ابو جہل اور عمار اور ولید کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عمار اور ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی؛ یہ سدی کا قول ہے۔ قشیری نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ آیت عموماً مومن اور کافر کے بارے میں نازل ہوئی۔ ثعلبی نے کہا: خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ آیت ہر کافر کے بارے میں نازل ہوئی جس نے دنیا میں عافیت اور غنا سے فائدہ اٹھایا آخرت میں اس کے لیے آگ ہے۔ اور یہ اس مومن کے بارے میں نازل ہوئی جس نے دنیا کی مصیبتوں پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر بھروسہ کیا اور اس کے لیے آخرت میں جنت ہے۔

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَاۤ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْۤا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝ وَ قِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 294

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ۞ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۞ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ۞

''اور اس دن اللہ انہیں آواز دے گا تو فرمائے گا: کہاں ہیں وہ شریک جنہیں تم (میرا شریک) گمان کیا کرتے تھے، کہیں گے وہ لوگ جن پر عذاب کا فرمان ثابت ہو چکا: اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ جنہیں ہم نے گمراہ کیا۔ ہم نے انہیں بھی گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے ہم (ان سے) بیزار ہو کر تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ ہماری پوجا نہیں کیا کرتے تھے۔ اور (انہیں) کہا جائے گا: (لو) اب پکارو اپنے شریکوں کو تو وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور دیکھ لیں گے عذاب تو کیا اچھا ہوتا اگر وہ ہدایت یافتہ ہوتے اور اس دن اللہ تعالیٰ آواز دے گا انہیں پھر پوچھے گا: تم نے کیا جواب دیا تھا (ہمارے) رسولوں کو تو اندھی ہو جائیں گی ان پر خبریں اس دن پس وہ (مارے دہشت کے) ایک دوسرے سے کچھ پوچھ نہ سکیں گے۔ تو وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے یقیناً وہ کامیاب و کامران لوگوں میں ہوگا''۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو ندا کرے گا۔ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ میرے شریک کہاں ہیں جنہیں تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہاری مدد کریں گے اور تمہاری سفارش کریں گے؟

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ ان پر عذاب کا حکم ثابت ہو چکا وہ سردار ہیں، یہ کلبی کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد شیاطین ہیں رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ہم نے انہیں گمراہی کی طرف دعوت دی انہیں کہا جائے گا: کیا تم نے ان کو گمراہ کیا؟ انہوں نے کہا: اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا وہ مراد لیتے ہیں ہم نے انہیں گمراہ کیا جس طرح ہم گمراہ تھے۔ تَبَرَّاْنَاۤ اِلَيْكَ ہم میں سے بعض نے بعض سے براءت کا اظہار کیا۔ شیاطین ان سے براءت کا اظہار کر دیتے ہیں جو ان کی اطاعت کرتے ہیں اور سرداران سے براءت کا اظہار کر دیتے ہیں جنہوں نے ان سے اس امر کو قبول کیا تھا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۞ (الزخرف)

وَقِيْلَ کفار سے کہا جائے گا ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ دنیا میں جن کی تم عبادت کرتے رہے ان سے مدد طلب کرو تا کہ وہ تمہاری مدد کریں اور تم سے عذاب کو دور کر دیں۔ فَدَعَوْهُمْ انہوں نے معبودان باطلہ سے مدد طلب کی۔ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ بتوں نے انہیں کوئی جواب نہ دیا اور انہوں نے بتوں سے کوئی نفع نہ اٹھایا۔ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ۔ زجاج نے کہا: لو کا جواب محذوف ہے معنی ہے اگر وہ ہدایت پاتے تو ہدایت انہیں نجات عطا کرتی اور عذاب کی طرف نہ لوٹتے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ ہدایت حاصل کرتے تو انہیں نہ بلاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جب

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 114

انہوں نے عذاب کو دیکھا تو انہوں نے پسند کیا کاش وہ دنیا میں ہدایت پاتے یہ اس وقت کہیں گے جب وہ قیامت کے روز عذاب دیکھیں گے۔

مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ اللہ تعالیٰ انہیں ارشاد فرمائے گا: تم نے ان انبیاء کو کیا جواب دیا تھا جن کو تمہاری طرف مبعوث کیا گیا جب انہوں نے تمہیں پیغام پہنچایا فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ ان پر دلائل مخفی ہو گئے؛ یہ مجاہد کا قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان پر حجت تمام کردی تھی قیامت کے روز ان کے لیے کوئی عذر اور حجت نہیں ہوگی (1)۔ الْاَنْۢبَآءُ کا معنی اخبار ہے۔ ان کی حجتوں کو انباء کا نام دیا کیونکہ وہ خبریں ہیں جو وہ دیتے۔ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ وہ ایک دوسرے سے دلائل کے بارے میں نہیں پوچھیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلائل کو باطل کر دیا، یہ ضحاک کا قول ہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: لا یتساءلون وہ دلیل کے بارے میں ایک دوسرے سے بات نہیں کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس لمحہ ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے۔ وہ اس ساعت کی ہولناکی کی وجہ سے نہ جانیں گے کہ کیا جواب دیں۔ پھر وہ جواب دیں گے جس طرح ان کے قول کی خبر دی: واللہ ربنا ما کنا مشرکین۔ مجاہد نے کہا: وہ انساب کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے کہ اس کے گناہوں میں سے کس چیز کو اٹھائے؟ ابن عربی نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔

فَاَمَّا مَنْ تَابَ جس نے شرک سے توبہ کی وَاٰمَنَ جس نے تصدیق کی وَعَمِلَ صَالِحًا فرائض کو ادا کیا اور نوافل کثرت سے ادا کیے فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ وہ سعادت کو پانے والے ہوں گے۔ جب فعل عسی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو اس سے مراد وجوب ہوگا۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۶۸ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۶۹ وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

"اور آپ کا رب پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے (جسے چاہتا ہے) نہیں ہے انہیں کچھ اختیار، اللہ تعالیٰ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو چھپائے ہوتے ہیں ان کے سینے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہی اللہ ہے نہیں کوئی معبود بجز اس کے، اسی کو زیبا ہے ہر قسم کی تعریف دنیا میں اور آخرت میں اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ یہ ان شرکاء کے ذکر کے ساتھ متصل ہے جن کی انہوں نے عبادت کی اور انہوں نے شفاعت کے لیے انہیں اختیار کیا۔ شفعاء میں اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے مشرکین کا اس میں کوئی اختیار نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ولید بن مغیرہ کا جواب ہے جب اس نے کہا: لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ (الزخرف: 31)

1۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 115
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 262

یعنی اس نے اپنے آپ کو اور طائف سے عروہ بن مسعود ثقفی کو عظیم خیال کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ یہودیوں کا جواب ہے جب انہوں نے کہا: اگر جبریل امین کے علاوہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام لانے والا ہوتا تو ہم اس پر ایمان لے آتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تیرا رب مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے طاعت کے لیے چن لیتا ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: معنی ہے تیرا رب مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے نبوت کے لیے چاہتا ہے پسند کر لیتا ہے۔ نقاش نے بیان کیا ہے: معنی ہے اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرماتا ہے اور اپنے دین کے مددگار پسند کر لیتا ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: کتاب البزار میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح اور مرفوع روایت ہے: ''اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور مرسلین کے علاوہ میرے صحابہ کو عالمین پر چن لیا ہے اور میرے صحابہ میں سے میرے لیے چار صحابہ کو چن لیا ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم (2)۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں میرے صحابہ بنایا ہے اور میرے تمام صحابہ میں خیر ہے، میری امت کو تمام امتوں پر چن لیا ہے اور میری امت میں سے چار قرون کو میرے لیے چن لیا ہے''۔ سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے وہ وہب بن منبہ سے وہ اپنے باپ سے اس آیت وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ چوپاؤں میں سے بکری، پرندوں میں سے کبوتر، وَ يَخْتَارُ پر وقف تام ہے۔ علی بن سلیمان نے کہا: یہ وقف تام ہے یہ جائز نہیں کہ مایختار کی وجہ سے محل نصب میں ہو کیونکہ اگر یہ محل نصب میں ہوتا تو فعل اس سے پہلے نہ ہوتا۔ کہا: اس میں قدریہ کا رد ہے۔ نحاس نے کہا: کلام وَ يَخْتَارُ پر مکمل ہو جاتی ہے یعنی وہ رسولوں کو چن لیتا ہے۔

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ جن کو وہ پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بھیجتا۔ ابو اسحاق نے کہا: وَ يَخْتَارُ یہ وقف تام ہے اور پسندیدہ ہے یہ بھی جائز ہے کہ ما، یختار کی وجہ سے منصوب ہو معنی ہے وہ اسے چنتا ہے جس میں ان کا اختیار ہوتا ہے۔ قشیری نے کہا: صحیح پہلا قول ہے کیونکہ ان سب کا وَ يَخْتَارُ کے وقف پر اتفاق ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ اہل سنت کے مذہب کے زیادہ مناسب ہے۔ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ میں ما تمام اشیاء کے لیے نفی عام ہے کہ اس میں بندے کے لیے کوئی چیز ہو سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسے حاصل کرے۔ زمخشری نے کہا: مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ یہ یختار کا بیان ہے کیونکہ اس کا معنی ہے جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اسی وجہ سے حرف عطف ذکر نہیں کیا۔ معنی ہے افعال میں اختیار اسی کا ہے اور وہ ان میں حکمت کی وجوہ کو خوب جانتا ہے یعنی مخلوق میں سے کوئی ایسا نہیں جو اس پر اختیار رکھتا ہو۔ زجاج اور دوسرے علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے کہ ما، یختار کی وجہ سے منصوب ہو (3)۔ طبری نے اس کا انکار کیا ہے کہ ما نافیہ ہو، تاکہ یہ معنی نہ ہو کہ زمانہ گزشتہ میں ان کا کوئی اختیار نہیں تھا اور زمانہ مستقبل میں ان کے لیے اختیار ہوگا، کیونکہ نفی کی صورت میں کلام پہلے نہیں گزری (4)۔ مہدوی نے کہا: یہ لازم نہیں آتا کیونکہ ما حال اور استقبال کی نفی کرتا ہے جس طرح لیس اسی وجہ سے ما، لیس کا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 262
2۔ کنز العمال، جلد 11، صفحہ 635، حدیث نمبر 33094
3۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 115
4۔ تفسیر طبری، جلد 207، صفحہ 116

سائل کرتا ہے اور کیونکہ آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسی طرح نازل ہوتیں جس قسم کے سوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیے جاتے اور جیسے اعمال پر وہ مصر ہوتے اگرچہ یہ چیز نص میں نہیں ہے، طبری کے نزدیک آیت کی تقدیر یہ ہے و یختار لولایتہ الخیرۃ من خلقہ کیونکہ مشرکین اپنے بہترین اقوال چنتے اور انہیں اپنے معبودوں کے لیے مختص کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ یعنی اپنی مخلوق میں سے جسے ہدایت کے لیے چنتا ہے جس کے متعلق اس کے علم میں پہلے سے سعادت موجود ہوتی ہے جس طرح مشرک اپنے اموال میں سے بہترین اموال اپنے معبودوں کے لیے مختص کرتے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر ما ذوی العقول کے لیے ہوگا اور یہ الذی کے معنی میں ہوگا۔ الْخِيَرَةُ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ لَهُمُ اس کی خبر ہے اور جملہ کان کی خبر ہے۔ اس کے مشابہ تیرا قول ہے: کان زید ابوہ منطلق اس میں ضعف ہے کیونکہ کلام میں ایسی ضمیر نہیں ہے جو کان کے اسم کی طرف لوٹے مگر اس صورت میں کہ حذف کو مقدر کیا جائے تو یہ دوری کی وجہ سے جائز ہوگا۔ طبری نے جو کہا ہے اس کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ ثعلبی نے کہا: ما نافیہ ہے یعنی انہیں اللہ تعالیٰ پر کوئی اختیار نہیں (1)۔ یہ زیادہ صحیح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (الاحزاب: 36) محمود وراق نے کہا:

توکّل على الرحمن فی کل حاجةٍ　　أردتَ فإنّ الله یقضی ویقدِر

إذا ما یرِدْ ذوالعَرش أمرا بعبدہ　　یصبْه وما للعبد ما یتخیر

وقد یهلك الإنسانُ من وجهِ حِذْرہ　　وینجو بحمد الله من حیث(2) یحذر

جس امر کا بھی تو ارادہ کرے اللہ تعالیٰ پر توکل کر بے شک اللہ تعالیٰ ہی قضا و قدر کا مالک ہے۔ جب عزت والا اپنے بندے کے متعلق کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے وہ پہنچا دیتا ہے بندے کا کوئی اختیار نہیں۔ بعض اوقات انسان احتیاط کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا ہے اور جو احتیاط نہیں کرتا بحمد للہ وہ نجات پا جاتا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

العبدُ ذو ضَجَرٍ والربُّ ذو قَدَرٍ　　والدّهرُ ذو دُوَلٍ والرِّزْقُ مقسومُ

والخیرُ أجمعُ فیما اختار خالقُنا　　وفی اختیار سواہ اللّومُ والشُّومُ

بندہ پریشان ہونے والا ہے اور رب قدرت والا ہے زمانہ چکر لگانے والا ہے اور رزق تقسیم کیا جا چکا ہے۔ ہمارا خالق جس کو اختیار کرے بھلائی اس میں زیادہ جمع ہے اس کے سوا کے اختیار میں ملامت اور نحوست ہے۔

بعض علماء نے کہا: کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ دنیا کے امور میں سے کسی امر کا ارادہ کرے یہاں تک کہ وہ اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے وہ بندہ دو رکعت نماز نفل استخارہ پڑھے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ قُلْ يٰۤاَيُّهَا

1۔ تفسیر ثعلبی، جلد 3، صفحہ 280، دار احیاء التراث العربی

2۔ شاید صحیح من لیس یحذر ہے سیاق اس کی تائید کرتا ہے اور توکل کا مفہوم بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

الکٰفِرُوْنَ پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے بعض مشائخ نے یہ پسند کیا کہ وہ پہلی رکعت میں وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ اور دوسری رکعت میں وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (الاحزاب:36) یہ سب حسن ہے۔ پھر سلام کے بعد یہ دعا مانگے۔ وہ وہ دعا ہے جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام امور میں ہمیں استخارہ کی تعلیم دیتے تھے۔ جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ فرماتے: تم میں سے جب کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو فرضوں کے علاوہ دو رکعت نماز ادا کرے پھر یہ دعا کرے (1)۔

اللھم إنی أستخیرك بعلمك و أستقدرك بقدرتك و أسئالك من فضلك العظیم فإنك تقدر ولا أقدر و تعلم ولا أعلم و أنت علام الغیوب اللّٰھم ان کنت تعلم إن ھذا الامر خیرلی فی دینی و معاشی و عاقبة أمری او قال فی عاجل امری و آجله فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارك لی فیه اللّٰھم ان کنت تعلم إن ھذا الأمر شرلی فی دینی و دنیای و معاشی و عاقبة امری او قال فی عاجل امری و آجله۔ فأصرفه عنی و أصرفنی عنه و أقدر لی الخیر حیث کان ثم رضنی به

''اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کا طالب ہوں، میں تیری قدرت سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تیرے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں تو قادر ہے، میں قادر نہیں، تو جانتا ہے، میں نہیں جانتا، تو علام الغیوب ہے اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے دین، میری معاش اور میرے امر کے انجام کے اعتبار سے بہتر ہے یا فرمایا: میرے امر کے جلدی واقع ہونے یا دیر سے واقع ہونے میں میرے لیے بہتر ہے تو اسے میرے حق میں مقدر فرما دے اور اسے میرے لیے آسان کر دے پھر میرے لیے اس میں برکت رکھ دے اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے لیے میرے دین، میری دنیا، میری معاش اور میرے امر کے انجام کے اعتبار سے برا ہے یا فرمایا: میرے امر کے جلد وقوع پذیر ہونے یا دیر سے واقع ہونے کے اعتبار سے (برا ہے) تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے جہاں کہیں بھلائی ہے اسے میرے حق میں مقدر کر دے پھر مجھ سے راضی ہو جا''۔

پھر وہ اپنے کام اور حاجت کا ذکر کرے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر کا ارادہ فرماتے تو فرماتے میرے لیے خیر کو پسند فرما اور میرے لیے اسے چن لے حضرت انس نے روایت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس جب کسی امر کا ارادہ کرے تو اس کے متعلق سات دفعہ اپنے رب سے خیر کا طالب ہو پھر دیکھ تیرا دل کس طرف مائل ہے کیونکہ خیر اس میں ہے۔

علماء نے کہا: اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس کا دل تمام قسم کے وساوس سے فارغ ہو یہاں تک کہ وہ کسی امر کی طرف

1۔ صحیح بخاری، باب الدعاء والاستخارہ، جلد 2، صفحہ 944

مائل نہ ہو تو اس وقت اس کا دل جس کی طرف سبقت لے جائے اس پر عمل کرے، کیونکہ بھلائی اسی میں ہے ان شاء اللہ۔ اگر وہ سفر کا قصد کرے تو اپنے سفر کے لیے جمعرات یا پیر کا انتخاب کرے اس میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کا ارادہ کر رہا ہو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے قول حق کے ساتھ پاکی بیان کی۔ فرمایا: سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى وہ پاک ہے مقدس ہے وہ بزرگ و برتر ہے۔ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ ابن محیصن اور حمید نے تکن تاء کے فتحہ اور کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے(1)۔ سورۂ نمل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدح بیان کی وہ عالم الغیب والشهادة ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ وَ هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ ٘ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ وہ وحدانیت میں منفرد ہے تمام محامد اس کے لیے ثابت ہیں حکم اس کا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِیْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

"آپ فرمائیے: بھلا اتنا تو سوچو اگر بنا دے اللہ تعالیٰ تم پر رات ہمیشہ کے لیے قیامت کے دن تک تو کون سا خدا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو لا دے تمہیں روشنی۔ کیا تم سن نہیں رہے۔ فرمائیے: بھلا اتنا تو سوچو اگر بنا دے اللہ تعالیٰ تم پر دن ہمیشہ کے لیے اور قیامت تک تو کون سا خدا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو لا دے تمہیں رات جن میں تم آرام کر سکو کیا تمہیں (کچھ) نظر نہیں آتا۔ اور محض اپنی رحمت سے اس نے بنا دیا تمہارے لیے رات اور دن کو تاکہ تم آرام کرو رات میں اور تلاش کرو (دن میں) اس کے فضل (رزق) سے اور تاکہ شکر گزار بنو"۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا سرمد سے مراد دائمی ہے، اسی معنی میں طرفہ کا قول ہے:

لعمرك ما أمري علیّ بغُمّة　　نهاري ولا لیلي علیّ بسَرْمَد

تیری زندگی کی قسم! میرا معاملہ مجھ پر چھپا ہوا نہیں میرا دن اور میری رات مجھ پر ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے معیشت کے اسباب کو مسخر کر دیا تاکہ وہ اس کی نعمتوں کا شکر بجا لائیں۔ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ ؕ کون نور لائے گا جس میں تم اپنی روزی تلاش کرو گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کون دن لائے گا جس میں تم اپنے رزق کے اسباب کو دیکھ سکو گے اور اس میں پھل اور نباتات درست ہوں گے۔ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ کیا تم فہم اور قبول والا سننا نہیں سنتے۔ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 296

تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ جس رات میں تم تھکاوٹ سے آرام پاتے ہو۔

اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ غیر کی عبادت سے تم غلطی میں ہو جب تم نے اقرار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا دن اور رات کے لانے پر کوئی قادر نہیں تو پھر تم اس کے ساتھ کیوں شرک کرتے ہو؟

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ فیہ میں ضمیر رات اور دن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر ان کے لیے ہے جو رات اور دن ہے۔ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ دن میں تم اس کا رزق طلب کرو۔ یہاں فیہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

''اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں آواز دے کر فرمائے گا: کہاں ہیں وہ جنہیں تم میرا شریک خیال کرتے تھے اور ہم نکالیں گے ہر امت سے گواہ پھر (ان امتوں کو) ہم کہیں گے: لے آؤ اپنی دلیل تو وہ جان لیں گے کہ بے شک حق اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور گم ہو جائیں گے ان سے جو افتراء وہ باندھا کرتے تھے''۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ حالوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ضمیر کا اعادہ کیا۔ وہ ایک دفعہ ندا کرتے ہیں تو انہیں کہا جاتا تھا: اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ وہ بتوں کو بلائیں گے تو وہ انہیں جواب نہ دیں گے تو ان کی حیرت ظاہر ہوگی۔ پھر وہ دوبارہ ندا کریں گے اور خاموش ہو جائیں گے۔ یہ توبیخ اور رسوائی کی زیادتی ہے۔ یہ ندا اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہ ہوگی؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کفار سے کلام نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (البقرہ: 174) لیکن اللہ تعالیٰ انہیں ایسے امور کا حکم دے گا جو ان کو شرمندہ کر دے گا اور لاجواب کرے گا۔ اور مقام حساب میں ان پر حجت تمام کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ احتمال ہے کہ ندا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یہ اس وقت ہوگا جب انہیں کہا جائے گا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ (المومنون) اللہ تعالیٰ نے شرکائی کا لفظ ذکر کیا ہے کیونکہ وہ بتوں کے لیے اپنے اموال میں سے حصہ مختص کیا کرتے تھے۔

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا شہید سے مراد نبی ہے؛ یہ مجاہد سے مروی ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آخرت کے عادل ہیں جو بندوں پر گواہی دیں گے کہ وہ دنیا میں یہ عمل کرتے رہے۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (النساء) ہر امت کا شہید اس کا وہ رسول ہے جو اس امت پر گواہی دے گا۔ شہید سے مراد حاضر ہے یعنی ہم نے ان کے اس رسول کو حاضر کیا جو رسول ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 297

فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ برہان سے مراد حجت ہے۔ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ انہیں علم ہو گیا کہ انبیاء جو لائے ہیں وہ سچ ہے۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ ان سے چلا گیا اور باطل ہو گیا مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ جو وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتے رہے کہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۤ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

"بے شک قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں سے تھا پھر اس نے سرکشی کی ان پر اور ہم نے دے دیئے تھے اسے اتنے خزانے کہ ان کی چابیاں (اپنے بوجھ سے) جھکا دیتی تھیں ایک طاقت ور جتھہ (کی کمروں) کو جب کہا اسے اس کی قوم نے: زیادہ خوش نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اترانے والوں کو، طلب کر (اس مال و زر) سے جو دیا ہے تجھے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر اور نہ فراموش کر اپنے حصہ کو دنیا سے اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور نہ خواہش کر فتنہ وفساد کی ملک میں یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو"۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الشوریٰ:36) تو اس امر کو واضح کیا کہ قارون کو مال عطا کیا گیا، اس نے اس کے ساتھ دھوکہ کھایا اور مال و دولت قارون کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ نہیں رکھے گا جس طرح فرعون کو معصوم نہیں رکھے گا۔ اے مشرکو! تم تعداد اور مال میں قارون اور فرعون سے تعداد میں زیادہ نہیں ہو گے۔ فرعون کو اس کے لشکروں اور اموال نے کوئی فائدہ نہ دیا اور قارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رشتہ داری اور مال نے کوئی نفع نہ دیا۔ نخعی، قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد تھا یہی قارون بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب موسیٰ بن عمران بن قاہث ہے(1)۔ ابن اسحاق نے کہا: وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ماں، باپ دونوں کی طرف سے چچا تھا(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ان کا خالہ زاد تھا۔ یہ عجمہ اور معرفہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے جو فاعول کے وزن پر عجمی ہو اس میں الف، لام اچھا نہیں ہوتا وہ معرفہ ہو تو منصرف نہیں ہوتا اور نکرہ میں منصرف ہوتا ہے۔ اگر اس میں الف لام اچھا ہو تو وہ منصرف ہو گا اگر یہ مذکر کا اسم ہو جس طرح طاؤس اور راقود ہے۔ زجاج نے کہا: اگر قارون قرنت الشیء سے ماخوذ ہو تو یہ منصرف ہو گا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 264 2۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 117

فَبَغٰی عَلَیۡهِمۡ اس کی بغاوت یہ تھی کہ اس نے اپنے کپڑے کی لمبائی ایک بالشت زیادہ رکھی ہوئی تھی؛ یہ شہر بن حوشب کا قول ہے حدیث طیبہ میں ہے: لا ینظر اللہ إلی من جر إزارہ بطرا (1) جس آدمی نے تکبر کرتے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کی سرکشی سے مراد یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی بغی سے مراد اپنے مال اور اولاد کی زیادتی کی وجہ سے لوگوں کو حقیر جاننا، یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی بغی سے مراد اللہ تعالیٰ نے اسے جو خزانے دیے اس نے انہیں اپنی طرف منسوب کیا کہ اس نے یہ اموال اپنے علم اور حیلہ سے حاصل کیے ہیں؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بغی سے مراد اس کا یہ قول ہے جب نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے اور مذبح وقربان ہارون کو حاصل ہے تو میرے لیے کیا ہے؟ یہ روایت بیان کی جاتی ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں لے کر سمندر سے گزرے اور رسالت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوئی اور امامت حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے ہوئی جو قربانی پیش کرتا ہے اور ان میں سردار ہوتا قربانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے بھائی کے لیے مختص کر دیا۔ قارون نے دل میں ناراضگی پائی اور ان دونوں سے حسد کیا۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: امر تم دونوں کے لیے ہے میرے لیے کچھ بھی نہیں میں کب تک صبر کروں گا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں تیری تصدیق نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو معجزہ لے آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک اپنا عصا لائے آپ نے ان سب کا گٹھا بنایا اور انہیں اس قبہ میں ڈال دیا جس قبہ میں آپ پر وحی نازل ہوتی تھی وہ رات کو اپنے عصا کی حفاظت کرتے رہے انہوں نے صبح کی تو حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا ہل رہا تھا اور اس کے سبز پتے بھی تھے۔ وہ اخروٹ کے درخت کا تھا۔ قارون نے کہا: جو کچھ تو کرتا ہے وہ جادو سے زیادہ تعجب کا باعث نہیں۔ تو اس نے یہ کہہ کر ان پر ظلم کیا۔

یحییٰ بن سلام اور ابن مسیب نے کہا: قارون مال دار آدمی تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے بنی اسرائیل پر عامل تھا اس نے ان پر تعدی کی اور ان پر ظلم کیا وہ ان میں سے ایک تھا۔

ساتواں قول یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے زانی کو رجم کرنے کا حکم دیا تو قارون نے ایک بدکار عورت کا قصد کیا اور اسے مال دیا اور اسے برانگیختہ کیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دعویٰ کرے کہ حضرت موسیٰ نے اس کے ساتھ بدکاری کی ہے اور اسے حاملہ کر دیا ہے۔ یہ امر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گراں گزرا آپ نے اس عورت سے اس اللہ کی قسم اٹھوائی جس نے بنی اسرائیل کے لیے سمندر پھاڑا اور جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی کہ تو سچ بولے، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا اس نے کہا: پس گواہی دیتی ہوں کہ تو بری ہے اور قارون نے مجھے مال دیا اور مجھے برانگیختہ کیا کہ میں وہ کہوں جو میں نے کہا، آپ سچے ہیں اور قارون جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قارون کا معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر دیا اور زمین کو حکم دیا کہ تو اس کی اطاعت کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے جب کہ وہ زمین کو کہہ

1۔ صحیح بخاری، باب من جر ثوبہ، جلد 2، صفحہ 861

رہے تھے: اے زمین! اس کو پکڑ لے اے زمین! تو اس کو پکڑ لے، زمین اسے آہستہ آہستہ پکڑتی رہی جب کہ وہ مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ اے موسیٰ! یہاں تک کہ وہ خود، اس کا گھر اور اس کے ساتھی جو اس کے مذہب پر تھے وہ زمین میں دھنس گئے۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی: میرے بندوں نے تجھے مدد کے لیے پکارا تو نے ان پر رحم نہیں کیا اگر وہ مجھے بلاتے تو مجھے اپنے قریب پاتے اور دعا قبول کرنے والا پاتے۔ ابن جریج نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ہر روز وہ انسان کی قامت کے برابر زمین میں دھنستا رہے گا۔ وہ قیامت تک زمین کی پست ترین سطح تک نہیں پہنچیں گے۔

ابن ابی الدنیا نے کتاب الفرج میں ذکر کیا ہے: ابراہیم بن راشد، داؤد بن مہران سے وہ ولید بن مسلم سے وہ مروان بن جناح سے وہ یونس بن میسرہ بن حلبس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ قارون حضرت یونس علیہ السلام سے سمندر کی تاریکیوں میں ملا تو قارون نے حضرت یونس علیہ السلام کو ندا کی اس نے کہا: اے یونس! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو تو پہلے قدم پر ہی اسے پائے گا کہ وہ تیری طرف رجوع فرمائے گا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اسے فرمایا: تجھے توبہ سے کس چیز نے روکا؟ اس نے کہا: میری توبہ میرے چچا زاد بھائی کے سپرد کر دی گئی تو اس نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حدیث میں ہے: قارون جب ساتویں زمین کی قرارگاہ تک پہنچے گا تو حضرت اسرائیل صور میں پھونک دیں گے؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

سدی نے کہا: اس بدکار عورت کا نام سبرتا ہے، قارون نے اسے دو ہزار درہم دیئے تھے (1)۔ قتادہ نے کہا: قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سمندر طے کیا اس کے حسن صورت کی وجہ سے تورات میں اسے منور نام دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ کے دشمن نے منافقت کی جس طرح سامری نے منافقت کی۔

وَاٰتَیْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ عطا نے کہا: قارون نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بہت سے خزانے پائے (2)۔ ولید بن مروان نے کہا: وہ کیمیا گری کا کام کرتا تھا (3)۔ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر ما کا صلہ ہے اور ما، آتینا کا صلہ ہے۔ نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا: کوئی صلہ کے بارے میں جو کہتے ہیں وہ کتنی ہی قبیح بات ہے الذی اور اس کے اخوات کا صلہ اِنّ اور اِنّ کے معمول کو بنانا جائز نہیں قرآن حکیم میں مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ اس میں مفاتح مفتح کی جمع ہے۔ مفتح اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ تالے کو کھولا جاتا ہے جس نے مفتاح کہا اس نے مفاتیح کہا ہے جس نے کہا: یہ خزانے ہیں تو اس کا واحد مفتح ہے جو میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اس بارے میں جتنے بھی اقوال کیے گئے ہیں ان میں سے سب سے بہترین معنی یہ ہے کہ اپنے بوجھ کی وجہ سے ان کو جھکا دے جب باء مفتوحہ ہوگی تو باء داخل ہوگی، جس طرح انہوں نے کہا: ھو یذھب بالبؤس ویذھب البؤس تو وہ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ ہوگا (4) یعنی مشقت سے اٹھی، جس طرح تیرا قول ہے: قم بنا یعنی ہمیں یوں بنا دو کہ ہم اٹھیں۔ یوں باب ذکر کیا جاتا ہے نَاءَ یَنُوْٓءُ نَوْءًا جب وہ مشکل سے اٹھے۔ شاعر نے کہا:

تنوء بأخراها فلأيا قيامها وتمشي الهوينى عن قريب فتبهر

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 265 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 266

وہ اپنی سرین کو اٹھاتی ہے تو اس کا قیام دیر سے ہوتا ہے وہ نرمی سے قریب جگہ تک چلتی ہے اور ہانپنے لگتی ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

أخذتُ فلم أملك و نُؤتُ فلم أقُمْ كأنِّ من طول الزمان مقيَّدُ

میں کوئی چیز پکڑتا ہوں تو اس پر قبضہ نہیں کر سکتا میں اٹھنے کی کوشش کرتا ہوں تو میں اٹھ نہیں پاتا گویا میں طویل عرصہ سے مقید ہوں۔

اناءنی جب اس نے مجھے بوجھل کر دیا، یہ ابوزید سے مروی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا قول لَتَنُوْٓأُ بِالْعُصْبَةِ اس میں قلب کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے۔ لتنوٴ بها العصبة یعنی اس کے ساتھ اٹھتا ہے۔ ابوزید نے کہا: نسئوت بالحمل جب میں بوجھ کے ساتھ اٹھا۔ شاعر نے کہا:

إذا وجدنا خَلفًا بئس الخَلف عبدًا إذا ما ناء بالحِمل وقف

جب ہم نے خلف پایا تو وہ غلام کتنا برا خلف تھا جب اس نے بوجھ اٹھایا تو چلنے سے رک گیا۔

پہلی تعبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو صالح اور سدی کے قول کا معنی ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ نحاس نے اسے پسند کیا ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: ذهبت به، أذهبته جئت به واجأته۔ نؤت به وأنأته۔ مجرد حرف جار باء کے ساتھ اور باب افعال سے فعل کا معنی ایک ہی ہے جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے: له عندی ما ساءه وناءه تو یہ اتباع کے قاعدہ سے ہے ضروری یہ تھا کہ وہ کہتا: اناءه اس کی مثل هنانی الطعام و مرأنی ہے میرے لیے کھانا مبارک ہوا۔ وأخذه ما قدُم وما حدُث پرانا اور نیا اس نے لے لیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ نائی بمعنی بعد سے ماخوذ ہے۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

يَنأَوْنَ عنا وماتَنْأى مودّتُهم فالقلبُ فيهم رهينٌ حيثما كانوا

وہ ہم سے دور ہوتے ہیں اور ان کی محبت دور نہیں ہوتی وہ جہاں کہیں بھی ہوں گے دل ان کے قبضہ میں ہے۔

بدیل بن میسرہ نے لینوٴ یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس وقت اس کا فاعل الواحد یا المذکور ہوگا معنی پر اسے محمول کیا۔ ابو عبیدہ نے کہا: میں نے رؤبۃ بن عجاج سے اس کے اس شعر کے بارے میں کہا:

فيها خطوطٌ من سوادٍ و بَلَقْ كأنه في الجِلدِ تَوْلِيعُ البَهَقْ

اس میں سیاہ اور سفید لکیریں ہیں گویا جلد میں برص کے مرض کو پھیلا دیا گیا ہے۔

اگر تو نے خطوط کا ارادہ کیا ہے تو تجھے کہنا چاہیے: کانها اگر تو نے سواد اور بلق کا ارادہ کیا ہے تو تو کہہ: کانهما اس نے کہا: میں نے سب کا ارادہ کیا ہے۔ عصبہ کے معنی میں اختلاف ہے جس سے مراد ایسی جماعت ہے جو ایک دوسرے کے لیے عصبیت کا اظہار کرتی ہے اس کے بارے میں گیارہ قول ہیں: (۱) تین آدمی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، ان سے یہ قول بھی مروی ہے کہ اس سے مراد تین سے لے کر دس تک کے افراد ہیں (1)۔ مجاہد نے کہا: یہاں عصبہ سے مراد پندرہ سے بیس تک

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 117

کے افراد ہیں (1)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: دس سے لے کر پندرہ تک کے افراد ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: پانچ سے لے کر دس تک کے افراد ہیں۔ پہلا شعبی، دوسرا قول قشیری اور ماوردی کا اور تیسرا قول مہدوی کا ہے۔ ابو صالح، حکم بن عتیبہ، قتادہ اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد چالیس افراد ہیں (2)۔ سدی نے کہا: دس سے لے کر چالیس تک کے افراد ہیں؛ یہ قتادہ کا بھی قول ہے۔ عکرمہ نے کہا: کچھ علماء وہ ہیں جو کہتے ہیں چالیس اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو کہتے ہیں ستر: یہ ابو صالح کا قول ہے کہ عصبہ سے مراد ستر افراد ہیں۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ پہلا قول ثعلبی نے اس سے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ساٹھ افراد ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد چھ یا سات افراد ہیں۔ عبد الرحمن بن زید نے کہا: تین سے لے کر نو تک یہی "نفر" ہے۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد دس افراد ہیں (3) کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا: **وَنَحْنُ عُصْبَةٌ** (یوسف: 8) یہ مقاتل کا قول ہے۔ خیثمہ نے کہا: میں نے انجیل میں پایا قارون کے خزانوں کی چابیاں ستر پنج کلیان خچروں کا وزن تھا۔ وہ ان چابیوں کے بوجھ کی وجہ سے جھک جاتی تھیں ان میں سے کوئی چابی ایک انگلی سے بڑی نہیں تھی۔ ہر چابی کے لیے ایک خزانہ تھا اگر وہ خزانہ اہل بصرہ پر تقسیم کیا جاتا تو انہیں کافی ہو جاتا۔ مجاہد نے کہا: وہ چابیاں اونٹ کے چمڑے سے بنائی گئی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ گائے کے چمڑے کی تھیں تاکہ اس کے لیے ہلکی پھلکی ہوں۔ قشیری نے ذکر کیا: جب وہ سفر پر روانہ ہوتا تو وہ ستر خچروں پر لادی جاتیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ پچاس خچروں پر لادی جاتیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کی چابیوں سے مراد اس کے برتن ہیں۔ ابو صالح نے اسی طرح کہا ہے کہ مفاتح سے مراد خزانے ہیں؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ بنی اسرائیل کے مومنوں نے اسے کہا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: یہاں قوم سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ فراء نے کہا: یہ جمع کا صیغہ ہے مراد واحد ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ** (آل عمران: 173) یہاں الناس سے مراد نعیم بن مسعود ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ **لَا تَفْرَحْ** تو تکبر نہ کر **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ** اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا؛ یہ مجاہد اور سدی کا قول ہے۔ شاعر نے کہا:

ولستُ بِمِفْرَاحٍ إذا الدهرُ سَرَّنِي

جب زمانہ مجھے خوش کرے تو میں تکبر کرنے والا نہیں۔

زجاج نے کہا: معنی ہے تو مال پر خوش نہ ہو کیونکہ مال پر خوش ہونے والا اس کا حق ادا نہیں کرتا۔ بشر بن عبد اللہ نے کہا: **لَا تَفْرَحْ** کا معنی ہے تو فساد برپا نہ کر۔ شاعر نے کہا:

إذا أنتَ لم تبرح تؤدّي أمانةً　　وتحملُ أخرى أفرحتك الودائعُ

جب تو ابھی امانت ادا نہیں کرتا اور دوسری امانت لے لیتا ہے تو ودیعتیں تجھے خراب کریں گی۔

ابو عمرو نے کہا: أفرحه الدين کا معنی ہے قرض نے اسے بوجھل کر دیا۔ زجاج نے کہا: الفرحين اور الفارحين دونوں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 266　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

برابر ہیں۔ فراء نے دونوں میں فرق کیا ہے۔ کہا: الفرحین کا معنی ہے جو خوشی کی حالت میں ہو۔ الفارحین جو زمانہ مستقبل میں خوش ہوں گے اور گمان کیا اسی کی مثل طمع اور طامع ہے میت اور مائت ہے۔ یہ کلام اس کے خلاف دلالت کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (الزمر) یہاں اللہ تعالیٰ نے مائت نہیں فرمایا۔ مجاہد نے یہ بھی کہا ہے: لَا تَفْرَحْ کا معنی ہے تو بغاوت نہ کر (1)۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ اللہ تعالیٰ بغاوت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ابن بحر نے کہا: اللہ تعالیٰ بخل کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (2)۔

وَ ابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ اللہ تعالیٰ نے تجھے جو دنیا عطا کی ہے اس میں دار آخرت کو طلب کرے اور دار آخرت سے مراد جنت ہے۔ مومن کا حق یہ ہے کہ دنیا کو ایسے امور میں صرف کرے جو اسے آخرت میں نفع دیں وہ تکبر اور سرکشی میں دنیا کو صرف نہ کرے۔

وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ان میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور علماء کا نقطہ نظر ہے (3): تو اپنی عمر ضائع نہ کر کہ تو اپنی دنیا میں عمل صالح نہ کرے کیونکہ آخرت کے لیے عمل کیا جاتا ہے انسان کا نصیب اس کی عمر اور اس میں اس کا عمل صالح ہے۔ اس تاویل کی صورت میں کلام نصیحت میں شدت ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے کہ تو اپنی دنیا میں سے اپنا حصہ ضائع نہ کر جیسے تو حلال سے لطف اندوز ہو اور اس کی طلب کر جب کہ تیری نظر تیری دنیا کی عاقبت کے لیے ہو۔ اس تاویل کی بنا پر کلام میں کچھ نرمی ہے اور اس امر کے حصول کی تگ و دو کرنا ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے یہ ان چیزوں میں سے ہے جس کا استعمال نصیحت کے ساتھ واجب ہے تا کہ سختی کی وجہ سے انسان دور ہی نہ ہو جائے؛ یہ ابن عطیہ کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ دونوں تاویلیں ایسی ہیں جن کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اس قول میں جمع کر دیا ہے: أحرث لدنیاك كأنك تعيش أبدا و اعمل لآخرتك كأنك تموت غدا اپنی دنیا کے لیے تگ و دو کرو گویا تو ہمیشہ زندہ رہے گا اور اپنی آخرت کے لیے کوشش کر گویا تو کل ہی مر جائے گا (4)۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: زائد کو آگے بھیج دو اور جو ضرورت پوری کرے اس کو روک لو۔ امام مالک نے کہا: اس سے مراد بغیر اسراف کے کھانا اور پینا ہے (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نصیب سے مراد کفن ہے یہ متصل وعظ ہے، گویا انہوں نے کہا: تو نہ بھول کہ تو اپنا تمام مال چھوڑ جائے گا مگر اپنا حصہ جو کفن ہے۔ اس کی مثل شاعر کا قول ہے:

نَصِيْبُك مما تجمعُ الدهرَ كلَّه رداء أن تُلْوَى فيهما و حَنُوط

جو تمام زمانہ جمع کرتا ہے اس میں سے تیرا حصہ دو چادریں ہیں جن میں تجھے لپیٹا جاتا ہے اور تیرا حصہ حنوط ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 267 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 299 5۔ ایضاً

هی القناعة لاتبغی بها بدلا　　فیها النعیم وفیها راحة البدن
أنظر لمن ملك الدنیا بأجمعها　　هل راح منها بغیر القطن والکفن

یہ قناعت ہے جس کے بدلے تو بدل نہیں چاہتا اس میں نعمتیں ہیں اور اس میں بدن کی راحت ہے اسے دیکھ جو تمام دنیا کا مالک بن گیا۔ کیا اس نے روئی اور کفن کے بغیر کسی چیز سے راحت پائی؟

ابن عربی نے کہا: اس بارے میں میرے پاس سب سے عمدہ قتادہ کا قول ہے: تو اپنا حلال حصہ نہ بھول، یہ دنیا میں سے تیرا حصہ ہے۔ یہ کتنا اچھا قول ہے؟

وَ اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر اور اس کی عبادت کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر انعام کیا ہے اسی معنی میں حدیث طیبہ ہے ما الاحسان احسان کیا ہے (1)؟ فرمایا: أن تعبد الله کأنك تراہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مساکین کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم ہے۔ ابن عربی نے کہا: اس میں بے شمار اقوال ہیں ان سب کا جامع یہ قول ہے: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی طاعت میں استعمال کرو۔ امام مالک نے کہا: بغیر اسراف کے کھانا اور پینا۔ ابن عربی نے کہا: میرا خیال ہے امام مالک نے ان لوگوں کا رد کرنے کا ارادہ کیا ہے جو عبادت اور بدحالی میں غلو کرتے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حلوہ (میٹھی چیز) کو پسند فرماتے، شہد پیتے، بھنی ہوئی چیز استعمال کرتے اور ٹھنڈا پانی پیا کرتے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ نافرمانیاں نہ کیا کرو۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ اَوَ لَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَ لَا یُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ۝

''یہ (دولت و ثروت) اس علم کی وجہ سے جو میرے پاس ہے کیا اس (مغرور) کو اتنا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالیں اس سے پہلے قومیں جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں، اور نہیں دریافت کیے جائیں گے مجرموں سے ان کے گناہ''۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ مراد علم تورات ہے یہ اس سے روایت کیا گیا ہے جو تمام لوگوں میں سے زیادہ قاری ہیں اور ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ وہ ان ستر علماء میں سے ایک تھا جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے میقات کے لیے منتخب کیا تھا۔ ابن زید نے کہا: مجھے یہ اس لیے عطا کیا گیا کیونکہ وہ میری فضیلت اور اس کی مجھ سے رضا سے آگاہ تھا (2)۔ قول: عِنْدِیْ اس کا معنی ہے میرے ہاں اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ خزانے عطا کیے ہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اپنی فضیلت کی وجہ سے میں ان کا مستحق ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مجھے یہ عطا کیا گیا ہے کہ میرے پاس تجارت اور کمائی کے مختلف ذرائع ہیں: یہ علی بن عیسیٰ کا نقطہ نظر ہے (3) اسے یہ علم نہیں تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے مال کمانے کو آسان نہ کرتا تو یہ اموال اس

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 27　　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 268　　3۔ ایضاً

کے پاس جمع نہ ہوتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیونکہ میرے پاس سونے کے کام کا علم ہے۔ اس نے علم کیمیا کی طرف اشارہ کیا۔ نقاش نے بیان کیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے کیمیا کی صنعت کا حضرت یوشع کو ایک تہائی اور حضرت ہارون کو ایک تہائی علم عطا کیا۔ قارون نے ان دونوں کے ساتھ دھوکہ کیا جب کہ وہ اس وقت حضرت موسیٰ پر ایمان رکھتا تھا یہاں تک کہ ان دونوں کے پاس جو علم کیمیا تھا وہ بھی سیکھ لیا اور کیمیا کا عمل کیا تو اس کے اموال بہت زیادہ ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تین افراد کو علم کیمیا سکھایا یوشع بن نون، کالب بن یوحنا اور قارون؛ زجاج نے پہلے قول کو پسند کیا اور اس کے قول کا انکار کیا جس نے کہا: وہ کیمیا کا عمل کرتا تھا۔ اس نے کہا: کیمیا باطل ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بہن کو علم کیمیا سکھایا جو قارون کی بیوی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے قارون کو علم سکھایا؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اَوَ لَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ یعنی عذاب کے ساتھ ہلاک کیا۔ مِنَ الْقُرُوْنِ گزشتہ کافر امتوں میں سے۔ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا مال زیادہ جمع کرنے والے تھے۔ اگر مال فضیلت پر دلالت کرتا تو انہیں ہلاک نہ کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قوت سے مراد آلات ہیں اور جمع سے مراد اعوان و انصار ہیں۔ کلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے قارون کے لیے خبردار کرنے کے طریقہ پر واقع ہوئی ہے، یعنی کیا قارون نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل کن امتوں کو ہلاک کیا؟

وَ لَا یُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ان سے سوال رضامندی طلب کرنے کے لیے نہیں ہوگا جس طرح فرمایا: وَ لَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ (الجاثیہ) وَ اِنْ یَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِیْنَ ﴿۲۴﴾ (فصلت) ان سے سوال ان کو شرمندہ کرنے کے لیے ہو گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَوَ رَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾ (الحجر) یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے (1)۔ مجاہد نے کہا: ملائکہ کل قیامت کے روز مجرموں سے سوال نہیں کریں گے کیونکہ وہ ان کو ان کے چہروں سے ہی پہچان لیں گے (2)۔ قیامت کے روز انہیں سیاہ چہروں اور نیلی آنکھوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ قتادہ نے کہا: مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ وہ ظاہر ہوں گے اور کثیر ہوں گے، بلکہ وہ بلاحساب آگ میں داخل ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس امت کے مجرموں سے سابقہ امتوں کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا جن کو دنیا میں عذاب دیا گیا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: سابقہ امتوں میں سے جن کو بھی ہلاک کیا وہ ان کے گناہوں کو جانتے ہوئے ہلاک کیا ان کے گناہوں کو پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

1۔ الماوردی، جلد 4، صفحہ 268 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 300

"الغرض (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے بڑی زیب وزینت کے ساتھ کہنے لگے وہ لوگ جو آرزومند تھے دنیوی زندگی کے: اے کاش! ہمیں بھی اسی قسم کا (جاہ وجلال) نصیب ہوتا جیسے دیا گیا ہے قارون کو واقعی وہ تو بڑا خوش نصیب ہے اور کہا ان لوگوں نے جنہیں (دنیا کی بے ثباتی کا) علم دیا گیا تھا: حیف تمہاری عقل پر! اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لیے جو ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے اور نہیں مرحمت کی جاتی یہ نعمت بجز صبر کرنے والوں کے"۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ، عَلٰی قَوْمِهٖ سے مراد بنی اسرائیل پر ہے۔ اس حالت میں جو اس نے دنیاوی زندگی کے سامان میں سے جس میں زینت دیکھی اس کے ساتھ وہ ان پر نکلا یعنی کپڑے چوپائے اور عید کے دن بناؤ سنگھار۔ غزنوی نے کہا: مراد ہفتہ کا دن ہے فِیْ زِیْنَتِهٖ یہ مع زینتہ کے معنی میں ہے۔ شاعر نے کہا:

إذا ما قلوب القومِ طارت مخافةً   من الموت أرسوا بالنفوس المواجد

شعر میں بالنفوس، مع النفوس کے معنی میں ہے وہ ستر ہزار پیروکاروں کے ساتھ نکلا جن کے جسم پر عصفر سے رنگے ہوئے کپڑے تھے۔ وہ پہلا شخص تھا جس کے لیے کپڑوں کو عصفر سے رنگا گیا تھا۔

سدی نے کہا: وہ ہزار سفید رنگ کی لونڈیوں، سفید خچروں پر نکلا جن خچروں پر سونے کی زینیں تھیں اور ارجوانی (سرخ) کپڑے ان پر پڑے ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سرخ خچروں پر نکلا۔ مجاہد نے کہا: سفید تر کی گھوڑوں پر نکلا جن پر سرخ زینیں تھیں ان کے بدنوں پر عصفر سے رنگے کپڑے تھے۔ یہ پہلا دن تھا جس میں عصفر سے رنگ کپڑے دیکھے گئے۔ قتادہ نے کہا: وہ چار ہزار سواریوں پر نکلا جن پر سوار لوگوں نے سرخ کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے۔ ان جانوروں میں سے ایک ہزار سفید خچر تھے جن پر سرخ کپڑے ڈالے گئے تھے۔ ابن جریج نے کہا: وہ سیاہی مائل سفید رنگ کے خچروں پر نکلا جن پر سرخ رنگ کے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ تین سو لونڈیاں تھیں جو سیاہی مائل سفید رنگ کے خچروں پر سوار تھیں جن کے جسموں پر سرخ رنگ کے کپڑے تھے۔ ابن زید نے کہا: وہ ستر ہزار افراد میں نکلا جن پر عصفر بوٹی سے رنگے ہوئے کپڑے تھے (1)۔ کلبی نے کہا: وہ سبز کپڑوں میں نکلا اللہ تعالیٰ نے وہ کپڑا جنت سے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا۔ قارون نے یہ کپڑا (2) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چوری کر لیا تھا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کی زینت سرخ رنگ تھی۔

میں کہتا ہوں: قرمز سرخ رنگ جو ارجوان کی مثل ہوتا ہے ارجوان لغت میں سرخ رنگ کو کہتے ہیں؛ قشیری نے اس کو ذکر کیا ہے۔ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ، حَظٍّ عَظِیْمٍ سے مراد دنیا کا وافر حصہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس وقت کے مومنوں کا قول ہے۔ انہوں نے دنیا میں رغبت کی بنا پر اس کے مال کی مثل کی آرزو کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسے لوگوں کا قول ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی اس میں رغبت رکھتے تھے وہ کفار تھے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 269

2۔ یہ جتنے بھی اقوال ذکر کیے گئے ہیں اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں اس لیے کوئی حتمی بات نہیں کی جاسکتی۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ بنی اسرائیل کے علماء نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے قارون کے مکان کو حاصل کرنے کی خواہش کی تھی: وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ اللہ تعالیٰ کے ثواب سے مراد جنت ہے لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ یعنی اعمال صالحہ یا آخرت میں جنت صرف انہیں کو ملے گی جو اللہ تعالیٰ کی طاعت پر صبر کریں گے۔ یہاں ضمیر ذکر کرنا جائز ہے کیونکہ ثَوَابُ اللّٰهِ سے یہی مراد ہے۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ اَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ ۚ لَوْ لَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

''پس ہم نے غرق کر دیا اسے بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں تو نہ تھی اس کے حامیوں کی کوئی جماعت جو (اس وقت) اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اور وہ خود بھی اپنا انتقام نہ لے سکا۔ اور صبح کی ان لوگوں نے جو کل تک اس کے مرتبہ کی آرزو کر رہے تھے یہ کہتے ہوئے: (اوہو!) اب پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑھ دیتا، اوہو! (اب پتہ چلا) کہ کفار بامراد نہیں ہوتے''۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ مقاتل نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا تو زمین نے اسے نگل لیا بنی اسرائیل نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اس لیے ہلاک کیا ہے تاکہ اس کے مال کا وارث بن جائے، کیونکہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے، اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا اور تین دن کے بعد اس کے تمام اموال کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ تیرے بعد زمین کو کسی کی اطاعت کرنے کا حکم نہیں دوں گا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: خَسَفَ الْمَكَانُ يَخْسِفُ خُسُوفًا۔ مکان زمین میں چلا گیا۔ خسف اللہ بہ الارض خسفًا اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں غائب کر دیا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ وہ زمین میں دھنس گیا، اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ خسوف القمر سے مراد چاند کا گرہن لگ جانا ہے۔ ثعلب نے کہا: كَسَفَتِ الشَّمْسُ، خَسَفَ الْقَمَرُ یہ عمدہ کلام ہے۔ خسف کا معنی نقصان ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رضی فلان بالخسف وہ کم حصہ پر راضی ہو گیا۔

فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ فئۃ سے مراد جماعت اور جتھہ ہے۔ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ اس پر خسف کی صورت میں جو عذاب نازل ہوا اس سے بچنے والا نہیں تھا۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ قارون ہر روز انسان کی قامت کے برابر نیچے جاتا ہے یہاں تک کہ جب زمین کی انتہائی گہرائی تک جا پہنچے گا تو حضرت اسرافیل صور پھونک دیں گے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَ اَصۡبَحَ الَّذِیۡنَ تَمَنَّوۡا مَکَانَہٗ بِالۡاَمۡسِ وہ اس آرزو پر شرمندہ ہوں گے۔ یَقُوۡلُوۡنَ وَیۡکَاَنَّ اللّٰہَ، وی حرف ندامت ہے۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے ان میں سے سب سے اچھا قول خلیل، سیبویہ، یونس اور کسائی کا قول ہے قوم متنبہ ہوئی یا انہیں متنبہ کیا گیا انہوں نے کہا: وی۔ عربوں میں شرمندگی کا اظہار کرنے والا شرمندگی کے دوران وی کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ جوہری نے کہا: وی کلمہ تعجب ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: ویك، وی لعبد الله۔ تجھ پر تعجب ہے، اللہ کے بندے پر تعجب ہے۔ بعض اوقات وی کا لفظ کان مخففہ اور مشددہ پر داخل ہوتا ہے تو کہتا ہے: وَیۡکَاَنَّ اللّٰہَ۔ خلیل نے کہا: یہ مفصولہ ہے تو کہتا ہے: وی پھر نئے سرے سے کلام شروع کرتا ہے اور تو کہتا ہے: کان۔ ثعلبی نے کہا: فراء نے کہا: یہ کلمہ تقریر ہے جس طرح تیرا قول ہے: أما تری إلی صنع الله و إحسانه کیا تو اللہ تعالیٰ کی کاری گری اور اس کے احسان کی طرف نہیں دیکھتا۔ یہ ذکر کیا کہ ایک بدوی عورت نے اپنے خاوند سے کہا: این ابنك ویك اس نے جواب دیا: وی کأنه وراء البیت یعنی کیا تو اسے دیکھتی نہیں وہ گھر کے پیچھے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ویك کلمہ ابتدا اور کلمہ تحقیق ہے؟ اس کی تقدیر کلام یہ ہے ان اللہ یبسط الرزق۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلمہ تنبیہ ہے آلا کی جگہ استعمال ہوتا ہے جس طرح آلا تفعل اور أما کے قائم مقام ہوتا ہے جو تیرے قول: اما بعد میں ہے، شاعر نے کہا:

سَأَلَتَانِی الطلاقَ إذ رَأَتَانِی   قَلَّ مالی قد جِئْتُمانِی بِنُکْرٍ(1)

وَیْ کَأَنْ مَنْ یَکُنْ له نَشَبٌ یُحِبُ   وَمَنْ یَفْتَقِرْ یَعِشْ عَیْشَ ضُرِّ

ان دونوں نے مجھ سے طلاق کا سوال کیا جب انہوں نے مجھے دیکھا کہ میرا مال کم ہوگیا ہے تحقیق تم عجیب مطالبہ لائی ہو۔ خبردار جب آدمی کے پاس مال ہو اس سے محبت کی جاتی ہے اور جو فقیر ہوتا ہے وہ تکلیف کی زندگی بسر کرتا ہے۔

قطرب نے کہا: یہ اصل میں ویلك ہے اس کا لام حذف ہوگیا اور کاف جو خطاب کا ہے اس کے ساتھ ملا دیا گیا۔ عنترہ نے کہا:

ولقد شَفَی نفسی وأبرأَ سُقْمَها   قَوْلُ الفوارِسِ وَیْكَ عَنْتَرُ أَقْدِمِ(2)

میرے نفس کو شفا دی اور اس کی بیماری کو ٹھیک کر دیا شاہسواروں کے اس قول نے: تو ہلاک ہوا اے عنتر! آگے بڑھو۔

نحاس اور دوسرے علماء نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ معنی صحیح نہیں کیونکہ قوم ایک فرد کو خطاب نہیں کرتی کہ وہ اسے کہے: ویلك اگر یہ ایسے ہوتا تو انه کسرہ کے ساتھ ہوتا نیز ویلك سے لام حذف کرنا جائز نہیں۔ ان میں سے بعض نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ویلك اعلم انه تو اعلم کو مضمر کر دیا۔ ابن اعرابی نے کہا: ویکان الله اعلم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے الم تر ان الله۔ قتبی نے کہا: اس کا معنی ہے رحمة لك؛ یہ حمیر کی لغت میں ہے۔ کسائی نے کہا: وی اس میں تعجب کا معنی ہے(3)۔ اس سے یہ بھی مروی ہے کہ وی پر وقف ہے اور کہا: یہ تعجب کا کلمہ ہے۔ جس نے کہا: ویك اور کاف پر وقف کیا تو اس کا معنی ہے خوش ہو جا کیونکہ اللہ تعالیٰ رزق کو فراخ کرنے والا ہے اور خوش ہو جا کیونکہ کافر فلاح نہیں پائیں گے۔ یہ بھی مناسب ہے کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 140   2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 270   3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 302

کاف حرف خطاب ہو یہ اسم نہ ہو کیونکہ وی ان کلمات میں سے نہیں جن کو مضاف کیا جاتا ہے اسے اکٹھے لکھا جاتا ہے جب اس کا استعمال زیادہ ہوا اسے مابعد کے ساتھ ایک چیز بنا دیا گیا۔

لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا اگر اللہ تعالیٰ ایمان اور رحمت کے ساتھ ہم پر احسان نہ فرماتا اور قارون جس بغاوت اور تکبر پر تھا اس سے ہمیں محفوظ نہ رکھتا لَخَسَفَ بِنَا تو وہ ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ اعمش نے پڑھا لولا من اللہ علینا۔ حفص نے پڑھا لخسف بنا تو یہ معروف کا صیغہ ہے۔ باقی قراء نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے؛ یہ ابو عبیدہ کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ عبداللہ کی قراءت لا نخسف بنا جس طرح تو کہتا ہے: انطلق بنا اسی طرح اعمش اور طلحہ بن مصرف نے قراءت کی۔ ابو حاتم نے دو وجوہ سے جماعت کی قراءت کو پسند کیا ہے ان دونوں میں سے ایک قول ہے: فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ۔ دوسرا قول: لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ اس کے قریب اسم ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزَى الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

''یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس (کی نعمتوں) کو ان لوگوں کے لیے جو خواہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی اور نہ فساد برپا کرنے کی اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے جو کرتا ہے نیکی تو اس کے لیے بہتر صلہ ہے اس نیکی سے اور جو ارتکاب کرتا ہے برائی کا تو نہ بدلہ دیا جائے گا انہیں جنہوں نے بدکاریاں کیں مگر اتنا جتنا انہوں نے کیا''۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ مراد جنت ہے اسم اشارہ بعید کا ذکر اس کی تعظیم اور تفخیم شان کے لیے ہے یعنی وہ جس کا ذکر تو نے سنا اور تجھ تک اس کا وصف پہنچا۔ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ یعنی ایمان اور مومنین پر بلندی اور تکبر کا ارادہ نہیں کرتے۔ وَ لَا فَسَادًا معاصی پر عمل کرنا؛ یہ ابن جریج اور مقاتل کا نقطہ نظر ہے۔ عکرمہ اور مسلم بطین نے کہا: فساد سے مراد ناحق مال لینا ہے (1)۔ کلبی نے کہا: غیر اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دینا ہے (2)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: اس سے مراد انبیاء اور مومنین کو قتل کرنا ہے۔

وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ضحاک نے کہا: عاقبۃ سے مراد جنت ہے۔ ابو معاویہ نے کہا: الذی لا یرید علوا سے مراد وہ ہے جو دنیا کی ذلت پر جزع فزع نہیں کرتا اور اس میں عزت حاصل کرنے کے لیے مقابلہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان میں سے سب سے بلند وہ ہے جو ان میں سے سب سے متواضع ہے اور آخرت میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہوگا جو آج ان سب سے زیادہ عاجزی کو لازم کرنے والا ہوگا۔ سفیان بن عیینہ نے اسماعیل بن خالد سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی بن

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 271 2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 262

طالب رضی اللہ عنہما مساکین کے پاس سے گزرے جو کھانے کے ٹکڑے کھا رہے تھے حضرت علی بن طالب نے انہیں سلام کیا تو مساکین نے انہیں کھانے کی دعوت دی تو آپ نے اس آیت کو تلاوت کیا: تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ پھر آپ سواری سے اترے اور ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ پھر فرمایا: میں نے تمہاری دعوت قبول کی اور اب تم بھی میری دعوت قبول کرو آپ انہیں اپنے مکان پر لے آئے انہیں کھانا کھلایا، انہیں لباس پہنایا اور پھر روانہ کیا۔

ابوالقاسم طبرانی سلیمان بن احمد نے اسے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن احمد بن حنبل اپنے باپ سے وہ سفیان بن عیینہ سے روایت نقل کرتے ہیں اور اس روایت کو ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الدَّارُ الْاٰخِرَةُ کا لفظ ثواب اور عقاب کو شامل ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس گھر سے وہی فائدہ اٹھاتا ہے جو تقویٰ کو اختیار کرے اور جو تقویٰ اختیار نہ کرے تو یہ گھر اس کے لیے نہیں کیونکہ وہ دار اس کو نقصان دیتا ہے اور اسے نفع نہیں دیتا۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا سورۂ نمل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ عکرمہ نے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ معنی ہے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لایا اس کے لیے اس میں سے خیر ہے۔ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ سیئہ سے مراد شرک ہے فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وہ ایسی سزا دیتا ہے جو اس کے عمل کے لائق ہو۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

"(اے محبوب!) یقیناً وہ (قادر مطلق) جس نے آپ پر قرآن کی تبلیغ فرض کی ہے آپ کو واپس لے جائے گا جہاں آپ چاہتے ہیں آپ فرمائیے: میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو آیا ہدایت یافتہ ہو کر اور اسے بھی جو کھلی گمراہی میں ہو۔ اور آپ کو تو یہ امید نہ تھی کہ نازل کی جائے گی آپ کی طرف کتاب مگر یہ محض رحمت ہے آپ کے رب کی (جو آپ کو صاحب قرآن بنادیا) تو آپ ہرگز کافروں کے مددگار نہ بنیں اور (خیال رہے) وہ ہرگز نہ روکیں آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے اس کے بعد کہ وہ اتاری گئیں آپ کی طرف اور بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف اور ہرگز نہ ہو جانا شرک کرنے والوں سے۔ اور نہ پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، اسی کی حکمرانی ہے اور اس کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا"۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ سورت کا اختتام اپنے نبی کو بشارت دیتے ہوئے کیا کہ وہ حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ کی طرف اپنے دشمنوں پر غلبہ دیتے ہوئے لوٹائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آپ کو جنت کی بشارت ہے؛ پہلا قول اکثر علماء کا ہے؛ یہ حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابن عباس، مجاہد وغیرہم کا قول ہے (1)۔ قتبی نے کہا: معاد الرجل سے مراد اس کا ملک و شہر ہے کیونکہ وہ وہاں سے جاتا ہے پھر واپس لوٹ آتا ہے۔ مقاتل نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاش کے خوف سے غیر معروف راستہ سے غار ثور سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے۔ جب راستے تک پہنچے اور جحفہ میں فروکش ہوئے تو مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے راستہ سے آگاہ ہوئے تو مکہ مکرمہ کے مشتاق ہوئے تو جبریل امین نے آپ سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ یعنی مکہ مکرمہ کی طرف غلبہ دیتے ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت جحفہ کے مقام پر نازل ہوئی۔ یہ نہ مکی ہے نہ مدنی ہے (2)۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: اِلٰى مَعَادٍ سے مراد موت تک ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے نیز عکرمہ، زہری اور حضرت حسن بصری سے مروی ہے معنی ہے تجھے یوم قیامت کی طرف لوٹانے والا ہے؛ یہ زجاج کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: میرے اور تیرے درمیان یوم قیامت ہے، کیونکہ اس میں لوگ زندہ لوٹیں گے۔ فرض کا معنی ہے اس نے نازل کیا۔ مجاہد، ابو مالک اور ابو صالح سے اِلٰى مَعَادٍ کا معنی جنت تک نقل کیا ہے؛ یہ حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (3)، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیلۃ المعراج کو اس میں داخل ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ آپ کے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام اس سے نکلے تھے۔

قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ کفار مکہ سے کہو: جب انہوں نے یہ کہا تھا: انك لفی ضلال مبین

رَبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کہ میں گمراہ ہوں یا تم گمراہ ہو۔

وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤى اِلَیْكَ الْكِتٰبُ تو نہیں جانتا کہ ہم تجھے مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجیں گے اور تجھ پر قرآن نازل کریں گے۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ کسائی نے کہا: یہ مستثنیٰ منقطع ہے، اِلّا، لکن کے معنی میں ہے۔ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ یعنی کفار کے مددگار نہ بنو۔ سو اس سورت میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَ لَا یَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ یعنی ان کے اقوال، ان کا جھوٹ اور ان کی اذیت تجھے نہ روکے، ان کی طرف متوجہ نہ ہو جائیے اور اپنے معاملہ پر گامزن رہیے۔ یعقوب نے یصدنك نون کی جزم کے ساتھ پڑھا۔ اسے یُصِدُّنَّكَ بھی پڑھا گیا ہے یہ أصدہ جو صدہ کے معنی میں ہے سے مشتق ہے یہ بنو کلب کی لغت میں ہے۔

شاعر نے کہا:

أناس أصدوا الناس بالسیف عنهم

وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے لوگوں کو تلوار کے ساتھ ان سے روکا۔

وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اپنے رب کی توحید کی طرف دعوت دو یہ اپنے ضمن میں ایک دوسرے سے لاتعلقی کے معنی کو لیے ہوئے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 303 | 2۔ ایضاً | 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 272

ہے۔ یہ سب آیۃ سیف سے منسوخ ہے۔ اس آیت کا سبب وہ دعوت ہے جو قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بتوں کی تعظیم کی دعوت دی۔ اسی موقع پر شیطان نے آپ کی آرزو میں غرانیق (1) کا معاملہ ڈالا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو کیونکہ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** ہے، تمام معبودوں کی نفی ہے اور اس کی عبادت کا اثبات ہے۔ **كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ**۔ مجاہد نے کہا: **اِلَّا وَجْهَهٗ** سے مراد ہے **اِلَّا هُوَ**۔ صادق نے کہا: مگر اس کا دین۔ ابو العالیہ اور سفیان نے کہا: مراد ہے الا ما ارید به وجهه قربت کے ساتھ جس کا قصد کیا جائے (2)۔ شاعر نے کہا:

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ذَنْبًا لستُ مُحْصِيَه رَبَّ العباد إليه الوَجْهُ والْعَمَلُ(3)

میں اللہ تعالیٰ سے گناہ کی بخشش کا طالب ہوں جو بندوں کا پالن ہار ہے میں ان گناہوں کو شمار نہیں کر سکتا اسی کے لیے میری ذات اور میرا عمل ہے۔

محمد بن یزید نے کہا: ثوری نے مجھے بیان کیا کہ میں نے ابو عبیدہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: **كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ** کے بارے میں سوال کیا فرمایا: **اِلَّا وَجْهَهٗ** جس طرح تو کہتا ہے: لفلان وجه فی الناس فلاں کی لوگوں میں شان و شوکت ہے۔ **لَهُ الْحُكْمُ** دنیا و آخرت میں اس کا حکم ہے۔ **وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ** زجاج نے کہا: **وَجْهَهٗ** مستثنیٰ کے طور پر منصوب ہے اگر یہ قرآن کے علاوہ میں ہوتا تو **اِلَّا وَجْهُهٗ** مرفوع ہوتا۔ معنی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔ جس طرح فرمایا:

وكلُّ أخٍ مُفارِقُهُ أخوه لَعَمْرُ أبيكَ إلّا الفَرْقَدانِ

ہر بھائی اپنے بھائی سے جدا ہونے والا ہے تیرے باپ کی قسم مگر فرقدان۔

وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ اسی کی طرف تم کو لوٹایا جائے گا۔

1۔ تحقیق سے ثابت ہے کہ غرانیق والا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 273 3۔ ایضاً

سورۃ العنکبوت

آیاتہا ۶۹ ۲۹ سورۃ العنکبوت مکیۃ ۸۵ رکوعاتہا ۷

حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور حضرت جابر کے نزدیک تمام سورت مکی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دو قولوں میں سے ایک قول (2) اور حضرت قتادہ کے نزدیک یہ تمام سورت مدنی ہے۔ ان کے دوسرے قول اور یہی یحییٰ بن سلام کا قول ہے کہ یہ سورت مکی ہے مگر اس کی پہلی دس آیات مدنی ہیں (3)، کیونکہ وہ آیات مدینہ طیبہ میں ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یہ کہا: یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان نازل ہوئیں یہ ننانوے آیات ہیں (4)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۳﴾

”الف، لام، میم۔ کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں: ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا اور بے شک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے پس اللہ تعالیٰ ضرور دیکھے گا (ایمان کے) جھوٹے (دعویداروں) کو“۔

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾ سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات کے بارے میں بات گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے میں اللہ، بہتر جانتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سورت کا نام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قرآن کا نام ہے۔ اَحَسِبَ میں ہمزہ استفہام کا ہے مراد تقریر و توبیخ ہے۔ حَسِبَ کا معنی ظن ہے۔ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا محل نصب میں ہے جس کو نصب حَسِبَ نے دی ہے۔ سیبویہ کے قول کے مطابق یہ اور اس کا صلہ دو مفعولوں کے قائم مقام ہیں۔ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا میں ان دو توجیہوں میں سے ایک توجیہ کے مطابق محل نصب میں ہے۔ معنی ہے لأن یقولوا، بأن یقولوا، علی أن یقولوا۔

دوسری جہت کی بنا پر اس میں تکرار ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا احسبوا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا: النَّاسُ سے مراد مومنوں کی قوم ہے (5) جو مکہ مکرمہ میں تھے قریش کے کفار

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 274　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً　5۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 365

اسلام قبول کرنے کی وجہ سے انہیں اذیتیں اور تکالیف دیا کرتے تھے، جس طرح حضرت سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ، حضرت ولید بن ولید، حضرت عمار بن یاسر، حضرت یاسر ان کے والد، ان کی والدہ حضرت سمیہ اور بنی مخزوم کے کچھ افراد وغیرہ۔ یہ آیت نازل ہوئی تا کہ تسلی دے اور تعلیم دے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں میں یہی معمول ہے کہ وہ مومنوں کو آزماتا ہے اور فتنہ میں ڈالتا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اگر چہ یہ آیت اسی سبب سے نازل ہوئی یا اس معنی میں جو اقوال ہیں ان میں نازل ہوئی۔ یہ حضرت محمد ﷺ کی امت میں باقی ہے اس کا حکم آخر زمانہ تک موجود رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آزمائش مسلمانوں کی سرحدوں میں باقی رہے گی کبھی کسی کو گرفتار کر لیا جائے گا، کبھی دشمن کی جانب سے کوئی اذیت پہنچے گی اس کے علاوہ بھی صورتحال ہو سکتی ہے۔ اگر ہر جگہ کا اعتبار کیا جائے تو بھی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ بیماریاں واقع ہوں اور مختلف قسم کے امتحان واقع ہوں، لیکن وہ مصیبت جو قریش کی جانب سے واقع ہوئی اس کے مشابہ وہ ہے جو سرحد پر دشمن کی جانب سے واقع ہو سکتی ہے جس کا ذکر ہم نے ابھی کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: انہوں نے جو کہا کتنا اچھا کہا، جو کہا سچ کہا۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت حضرت مہجع جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا اس کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ یہ غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی جانب سے پہلا شہید تھا۔ عامر بن حضرمی نے اسے تیر مارا اور اسے شہید کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر فرمایا: سید الشھداء مھجع وھو اول من یدعی الی باب الجنۃ من ھذہ الامۃ، شہیدوں کا سردار مہجع ہے یہ اس امت کا وہ پہلا شخص ہے جسے جنت کے دروازے کی طرف دعوت دی جائے گی۔ اس کے والدین اور اس کی بیوی نے اس پر جزع فزع کی تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

شعبی نے کہا: اس سورت کا آغاز ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوا (2) جو مسلمانوں میں سے مکہ مکرمہ میں تھے نبی کریم ﷺ کے صحابہ نے حدیبیہ سے انہیں خط لکھے کہ تمہارا اسلام کا اقرار کرنا قبول نہ کیا جائے گا یہاں تک کہ تم ہجرت نہ کرو وہ نکلے تو مشرکوں نے ان کا پیچھا کیا اور انہیں اذیتیں دیں تو ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی تو صحابہ نے انہیں خط لکھے کہ ان کے بارے میں فلاں فلاں آیت نازل ہوئی ہے تو انہوں نے کہا: ہم نکلیں گے اگر کسی نے ہمارا پیچھا کیا تو ہم اس سے جنگ کریں گے۔ مشرکوں نے ان کا پیچھا کیا تو انہوں نے ان سے جنگ کی ان میں سے کچھ قتل ہوئے اور کچھ نجات پا گئے۔ تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا (النحل: 110)

وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ کہ ان کا امتحان نہ لیا جائے گا۔ کیا ان لوگوں نے گمان کر لیا ہے، جنہوں نے مشرکوں کی اذیتوں سے گھبراہٹ کا اظہار کیا کہ ان کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ کہہ دیں کہ ہم مومن ہیں اور ان کے امان، ذات اور اموال میں امتحان نہ لیا جائے گا جس سے ان کے ایمان کی حقیقت واضح ہو جائے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ہم نے گزشتہ لوگوں کو بھی آزمایا جس طرح حضرت خلیل کو آگ میں پھینکا گیا اور جس طرح

1۔ جامع اسباب النزول، سورۂ عنکبوت، صفحہ 257
2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 365

کہ وہ قوم جو اللہ تعالیٰ کے دین کی وجہ سے آریوں سے چیر دی گئی تو وہ اس سے نہ پلٹے۔ امام بخاری نے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں شکایت کی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے سائے میں چادر کو تکیہ بنائے ہوئے تھے ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے مدد طلب نہیں کریں گے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے دعا نہیں کریں گے؟ فرمایا: ''تم سے قبل ایک آدمی کو پکڑا جاتا زمین میں اس کے لیے گڑھا کھودا جاتا آری لائی جاتی، اسے اس کے سر پر رکھ دیا جاتا تو اس کو نصف نصف کر دیا جاتا اس کے گوشت اور ہڈیوں کو لوہے کی کنگی سے جسم سے الگ کیا جاتا تو یہ عمل اسے اس کے دین سے نہ پھیر سکتا۔ اللہ کی قسم! یہ امر مکمل ہو کر رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا، تو اسے کسی چیز کا خوف نہ ہوگا سوائے اللہ اور ریوڑ پر بھیڑیئے کے لیکن تم تو جلدی مچا رہے ہو'' (1)۔

امام ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ کو سخت بخار تھا میں نے اپنا ہاتھ آپ پر رکھا تو میں نے لحاف کے اوپر سے اپنے ہاتھ میں آپ کے جسم کی حرارت کو پایا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آپ پر کس قدر شدید ہے؟ فرمایا: ''ہمارے لیے اسی طرح آزمائش کئی گنا ہوتی ہے اور ہمارے لیے کئی گنا اجر ہوتا ہے'' (2)۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سے از روئے آزمائش کے کون سب سے سخت ہیں؟ فرمایا: ''انبیاء''۔ میں نے عرض کی: پھر کون؟ فرمایا: ''پھر صالحین (3)۔ ان میں سے کسی کو فقر سے آزمایا جاتا ہے وہ کوئی چیز نہیں پاتے مگر عباء جسے پھاڑ کر وہ گریبان بنا لیتا ہے ان میں سے کوئی آزمائش سے یوں خوش ہوتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی ایک خوشحالی سے خوش ہوتا ہے''۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سے کون سخت مصیبت والا ہوتا ہے؟ فرمایا: ''انبیاء، پھر درجہ میں ان سے نیچے پھر درجہ میں ان سے نیچے ایک آدمی کو اس کے دین کے حساب سے آزمائش میں ڈالا جاتا ہے آزمائش بندے کے ساتھ رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اسے یوں کر چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر چلتا ہے تو اس پر کوئی خطا نہیں ہوتی'' (4)۔

عبد الرحمن بن زید نے روایت کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک وزیر تھا ایک دن وہ سوار ہوا تو ایک درندے نے اسے پکڑ لیا اور اسے کھا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! تیرے دین میں میرا وزیر، بنی اسرائیل پر میرا نائب اور ان میں میرا خلیفہ تو نے اس پر ایک درندہ مسلط کر دیا تو وہ درندہ اسے کھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں اس کا میرے ہاں بلند مرتبہ تھا میں نے اس کا کوئی عمل ایسا نہ پایا جو اسے اس مقام تک پہنچائے تو میں نے اسے اس آزمائش میں ڈالا تو یہ عمل اسے اس مقام تک پہنچا دے گا۔ وہب نے کہا: میں نے حواری کی ایک کتاب میں دیکھا جب اللہ تعالیٰ تجھے آزمائش کے راستہ پر چلائے تو آنکھ کو ٹھنڈا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے انبیاء اور صالحین کے راستہ پر چلایا ہے اور جب تجھے خوشحالی کے راستہ پر چلائے تو اپنی ذات پر رو تحقیق تجھے ان کے راستہ سے مختلف راستہ پر چلایا گیا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، باب علامات النبوۃ، صفحہ 510
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 411، حدیث نمبر 4024
3۔ الترغیب والترہیب، صفحہ 282، حدیث نمبر 16
4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء، صفحہ 411

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا تا کہ جو ایمان میں سچے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دکھائے۔ سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ زجاج نے کہا: تا کہ اللہ تعالیٰ صادق کے صدق کو اس کی جانب سے صدق کے وقوع کو جانے جب کہ اللہ تعالیٰ صادق کو کاذب سے ان دونوں کی تخلیق سے پہلے بھی جانتا ہے لیکن یہاں ارادہ اس علم کے وقوع کا ہے جس پر جزا دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ صادق کے صدق کو واقع اور اس کے وقوع کو واقع ہونے والا جانتا ہے جب کہ وہ پہلے ہی جانتا ہے کہ ایسا وقوع ہوگا۔ نحاس نے کہا: اس میں دو قول ہیں (۱) صَدَقُوْا یہ صدق سے مشتق ہے اور الْكٰذِبِيْنَ کذب سے مشتق ہے جو صدق کی ضد ہے۔ معنی ہوگا انہوں نے جو سچ بولا اللہ تعالیٰ اسے واضح فرمائے گا۔ انہوں نے کہا تھا: ہم مومن ہیں اور اس کی مثل اعتقاد کیا۔ جب انہوں نے اس کے خلاف اعتقاد رکھا تو انہوں نے جھوٹ بولا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صَدَقُوْا یہ صدق سے مشتق ہے جو صلب ہے اور الْكٰذِبِيْنَ یہ کذب سے مشتق ہے جس کا معنی شکست کھانا ہے تو معنی ہوگا اللہ تعالیٰ انہیں جانے جو جنگ میں ثابت قدم رہے اور جنہوں نے شکست کھائی۔ جس طرح شاعر نے کہا:

لَيْثٌ بِعَثَّرَ يَصْطَادُ الرجالَ إذا ... ما اللَّيْثُ كَذَّبَ عن أقرانه صَدَقَا

عثر کے مقام پر شیر بہادروں کا شکار کرتا ہے وہ اس وقت بہادری کا مظاہرہ کرتا ہے جب شیر اپنے ہم پلہ افراد سے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

لَيَعْلَمَنَّ کے لفظ کو فَلَيُبَيِّنَنَّ کی جگہ مجازاً ذکر کیا۔ جماعت کی قراءت فليعلمن یاء اور لام کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یاء کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ اسی معنی کی وضاحت کرتی ہے جو نحاس نے کہا: یہ لفظ تین معانی کا احتمال رکھتا ہے (۱) ان صادقین اور کاذبین کو ان کے ثواب اور عقاب کی منازل اور دنیا میں جو ان کے اعمال تھے آخرت میں انہیں آگاہ کر دے (۲) مفعول اوّل محذوف ہے اس کی تقدیر یہ ہوگی لوگوں اور عالم کو ان صادقین اور کاذبین پر آگاہ کر دے یعنی انہیں رسوا کر دے اور انہیں مشہور کر دے۔ صادقین خیر میں اور کاذبین شر میں مشہور ہو جائیں۔ یہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہوگا (۳) یہ فعل علامت سے مشتق ہے یعنی ہر طائفہ کے لیے ایک علامت بنا دے جس کے ساتھ وہ مشہور ہو جائے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی طرف اشارہ کرتی ہے: من أسر سريرة ألبسه الله رداءها (1) "جس نے راز کو پوشیدہ رکھا اللہ تعالیٰ اسے چادر زیب تن کرائے گا"۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

1۔ البحر المحیط، جلد 4، صفحہ 306

''کیا خیال کر رکھا ہے انہوں نے جو کر رہے ہیں برے کرتوت کہ وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ جو شخص امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے ملنے کی تو (وہ سن لے) کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا وقت ضرور آنے والا ہے اور وہی ہر بات سننے والا ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اور جو شخص کوشش کرتا ہے (حق کو سربلند کرنے کی) تو وہ اپنے فائدے کے لیے ہی کوشاں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ غنی ہے تمام کائنات سے اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے تو ہم دور کر دیں گے ان سے ان کی برائیوں (کی نحوست) کو اور ہم انہیں بہت عمدہ بدلہ دیں گے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ، السَّيِّاٰتِ سے مراد شرک ہے اَنْ يَّسْبِقُوْنَا وہ ہماری گرفت سے نکل سکتے ہیں اور ہمیں عاجز کر سکتے ہیں قبل اس کے کہ ہم ان کا مواخذہ کریں ان اعمال کا جو وہ کرتے رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الَّذِيْنَ سے مراد ولید بن مغیرہ، ابوجہل، اسود، عاص بن ہشام، شیبہ، عتبہ، ولید بن عتبہ، عقبہ بن ابی معیط، حنظلہ بن ابی سفیان اور عاص بن وائل ہیں۔ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ انہوں نے اپنے رب کی صفات میں جو یہ فیصلہ کیا وہ کتنا برا فیصلہ ہے کہ اس پر سبقت لی جا سکتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ مَا محل نصب میں ہے یہ ساء شیئا او حکما یحکمون کے معنی میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مَا محل رفع میں ہو معنی ہوگا ساء الشیء او الحکم حکمھم؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ ابن کیسان نے ان دو تقدیروں کے علاوہ دو اور تقدیریں مقدر کی ہیں۔ (1) مَا يَحْكُمُوْنَ شئ واحد کی جگہ ہے جس طرح تو کہتا ہے: اعجبنی ما صنعت، یہاں ما صنعك، صنیعك کے معنی میں ہے مَا اور فعل مصدر کے حکم میں ہیں اور محل رفع میں ہیں۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ساء حکمھم، دوسری تقدیر یہ ہے کہ مَا کا اعراب میں کوئی محل نہ ہو۔ یہ سَآءَ کے اسم کے قائم مقام ہے اسی طرح نعم اور بئس ہے۔ ابوالحسن بن کیسان نے کہا: میں اس امر کو پسند کرتا ہوں کہ جہاں تک میں قادر ہوں کہ میں مَا کا کوئی محل بناؤں (1)۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران: 159) اسی طرح فَبِمَا نَقْضِهِمْ (النساء: 155) اور اسی طرح اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ (القصص: 28) ان تمام مواقع پر مَا محل جر میں ہے اور اس کا مابعد اس کے تابع ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً (البقرہ: 26) اس میں مَا محل نصب میں ہے اور بعوضۃ اس کے تابع ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ، يَرْجُوْ یہ یخاف کے معنی میں ہے ہذلی شہد اتارنے والے کے بارے میں کہتا ہے،

اذا لسعتہ النحل لا یرج لسعھا

جب شہد کی مکھیاں اسے ڈستی ہیں تو وہ ان کے ڈنگوں سے نہیں ڈرتا۔

اہل تفسیر نے اس پر اجماع کیا ہے کہ معنی ہے جو آدمی موت سے ڈرتا ہے تو وہ عمل صالح کرے کیونکہ موت کا آنا ضروری ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ زجاج نے کہا: يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ کا معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید رکھتا ہے (2)۔ مَنْ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 306 2۔ ایضا

مبتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہے۔ کَانَ یہ خبر کے محل میں ہے۔ یہ شرط کی وجہ سے محل جزم میں ہے۔ یَرْجُوْا کان کی خبر کی جگہ اور جزا فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ جو آدمی دین میں جہاد کرتا ہے، کفار سے قتال اور طاعات کے اعمال پر صبر کرتا ہے۔ تو وہ اپنے لیے ہی کوشاں ہوتا ہے، یعنی ان کا سب کا ثواب اسے ہی ملے گا۔ ان میں سے کسی چیز کا نفع اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال سے غنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جو آدمی اپنی ذات کے لیے اس کے دشمن سے جہاد کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے جہاد کی کوئی ضرورت نہیں۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جنہوں نے تصدیق کی وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ہم مغفرت کے ساتھ ان کو ڈھانپ لیں گے۔ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ان کے احسن اعمال جو طاعات ہیں کا بدلہ دیں گے۔ پھر یہ کہا گیا: یہ احتمال موجود ہے ان کی ہر وہ معصیت بخش دے گا جو انہوں نے حالت شرک میں کی۔ اور حالت اسلام میں جو انہوں نے اعمال حسنہ کیے ان پر ان کو ثواب دیا جائے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ کفر اور اسلام دونوں میں ان سے واقع ہونے والی سیئات کو بخش دے گا اور حالت کفر و اسلام میں انہوں نے جو نیکیاں کیں ان پر انہیں بدلہ دیا جائے گا۔

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ۝

"اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اگر وہ یہ کوشش کریں تیرے ساتھ کہ تو شریک بنائے کسی کو میرا جس کے متعلق تجھے کوئی علم نہیں تو (اس بات میں) ان کی اطاعت نہ کر، میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے پھر میں آگاہ کروں گا تمہیں ان اعمال سے جو تم کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کیے تو ہم ضرور شامل کریں گے انہیں نیکوں (کے زمرہ) میں"۔

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ امام ترمذی نے اس بارے میں روایت کی ہے۔ فرمایا: میرے بارے میں چار آیات نازل ہوئیں۔ اور واقعہ ذکر کیا۔ حضرت سعد کی والدہ نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے نیکی کا حکم نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں کھانا نہیں کھاؤں گی اور میں پانی نہیں پیوں گی یہاں تک کہ میں مر جاؤں یا تو کفر کرے۔ کہا: جب لوگ اس کو کھانا کھلانے کا ارادہ کرتے تو اس کے منہ میں لکڑی دیتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ حضرت سعد سے مروی ہے کہ میں اپنی ماں کے ساتھ بڑی نیکی کرتا میں اسلام لایا تو اس نے کہا: تو اپنے دین کو چھوڑے گا یا میں نہ کھاؤں گی اور نہ پیوں گی یہاں تک کہ میں مر جاؤں تو تجھے میری وجہ

1۔ جامع ترمذی، ابواب فضائل القرآن عن رسول اللہ، جلد 2، صفحہ 150

2۔ سنن ترمذی، باب من سورۃ العنکبوت، حدیث نمبر 3113، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سے عار دلائی جائے گی اور کہا جائے گا: اے اپنی ماں کے قاتل! وہ ایک دو دن اسی طرح رہی۔ میں نے کہا: اے میری ماں! اگر تیری سو جانیں ہوں اور وہ ایک ایک نفس نکلیں تب بھی میں اس دین کو نہیں چھوڑوں گا، چاہے تو کھا چاہے تو نہ کھا۔ جب اس نے یہ دیکھا تو اس نے کھانا کھا لیا اور یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت عیاش بن ابی ربیعہ جو ابو جہل کا ماں کی جانب سے بھائی تھا کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کی ماں نے بھی اسی طرح کیا۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: یہ آیت تمام امت کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ صدیق کے علاوہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی آزمائش پر صبر نہیں کرتا۔ حُسْنًا بصریوں کے نزدیک تکریر کے طور پر منصوب ہے یعنی وصینا حسنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ماقبل کلام سے قطع کے طور پر منصوب ہے اس کی تقدیر یہ ہوگی وصیناہ بالحسن، جس طرح تو کہتا ہے: وصیته خیرا، وصیته بالخیر۔ اہل کوفہ نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ووصینا الانسان ان یفعل حسنا فَیُقَدَّر له فعلٌ۔ ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا کہ وہ اچھا عمل کرے تو اس کے لیے فعل مقدر کر دیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

عَجِبتُ من دَهْمَاء إذ تَشكونَا(2)　　ومن أبي دَهْمَاءَ إذ يُوصِينَا

خيرًا بها كأننا خافونا

میں اس گروہ پر متعجب ہوتا ہوں جو ہماری شکایت کرتا ہے اور جماعت کے سردار سے متعجب ہوتا ہوں جو ہمیں وصیت کرتا ہے کہ ہم ان کے ساتھ حسن سلوک کریں گویا وہ ہمارے ماں جائے ہیں۔

تقدیر کلام یہ ہے: یوصینا أن نفعل بها خیرا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَطَفِقَ مَسْحًا (ص: 33) تقدیر کلام یہ ہے: یمسح مسحا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے: ووصینا أمرا ذا حسن صفت کو موصوف کے قائم مقام رکھا گیا تھا، مضاف کو حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کی جگہ رکھ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے ألزمناہ حسنا ہم نے اس پر اچھا کام لازم کیا۔ عام قراءت حاء کے ضمہ اور سین کے سکون کے ساتھ ہے۔ ابو رجاء، ابو عالیہ اور ضحاک نے حاء اور سین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، جحدری نے احسانا مفعول مطلق کے طور پر پڑھا ہے، اسی طرح حضرت ابی کے مصحف میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: ووصینا الإحسان أن تحسن الیهما احسانا یہ وصینا کے ساتھ منصوب نہیں کیونکہ اس کے پہلے ہی دو مفعول موجود ہیں۔ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ والدین کی طاعت میں وعید ہے یعنی جو ان کی اطاعت نہ کرے اور اس امر کا انکار کرے اس کے لیے وعید ہے۔ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ۝ مومنین کی حالت کی تمثیل کو مکرر ذکر کیا تاکہ نفوس میں حرکت پیدا کی جائے تاکہ یہ لوگ بھی ان کے مراتب کو حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ معنی میں مبالغہ کے طور پر لام ذکر کی یعنی وہ لوگ صالحیت میں انتہا اور اس کی آخری حد کو پانے والے ہیں جب مومن کے لیے یہ حکم حاصل ہو جاتا ہے تو اس کا ثمرہ اور جزا بھی حاصل ہو جاتی ہے جو جنت ہے۔

1۔ صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، سعد بن ابی وقاص، جلد 2، صفحہ 281　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 308

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَىِٕنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝

''اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے اللہ تعالیٰ پر پھر جب ستایا جائے اسے راہ خدا میں تو بنا لیتا ہے لوگوں کی آزمائش کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر اور اگر آ جائے نصرت آپ کے رب کی طرف سے تو وہ کہنے لگتے ہیں: ہم تو تمہارے ساتھ تھے کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہر اس چیز کو جو لوگوں کے سینوں میں (پنہاں) ہے اور ضرور دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور ضرور دیکھ لے گا منافقوں کو''۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی جو کہتے تھے: ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ فَاِذَاۤ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ فتنہ سے مراد اذیت ہے۔ كَعَذَابِ اللّٰهِ جس طرح آخرت میں اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے تو وہ اس پر ایمان لانے سے مرتد ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس سے یوں جزع فزع کرتا ہے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے جزع فزع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اذیت پر صبر نہیں کرتا۔

وَ لَىِٕنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اگر تیرے رب کی جانب سے مومنوں کو مدد پہنچے گی تو یہ مرتد کہیں گے: ہم تمہارے ساتھ ہیں جب کہ وہ جھوٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی نسبت ان کے سینے میں جو کچھ ہے اس کو خوب جانتا ہے۔ مجاہد نے کہا: ایسے لوگوں کے بارے میں آیت نازل ہوئی جو اپنی زبانوں سے ایمان رکھتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں کوئی آزمائش یا ان کی ذاتوں میں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں (1)۔ ضحاک نے کہا: یہ آیت مکہ مکرمہ میں موجود منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ ایمان لاتے اور جب انہیں اذیت دی جاتی تو شرک کی طرف لوٹ جاتے۔ عکرمہ نے کہا: کچھ لوگ تھے جو اسلام لے آئے تھے مشرکوں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ ان کے ساتھ بدر کی طرف نکلیں تو ان میں سے بعض قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (النحل: 28) تو مدینہ طیبہ کے مسلمانوں نے مکہ مکرمہ میں موجود مسلمانوں کی طرف خط لکھا وہ نکلے تو پیچھے سے مشرکوں نے انہیں آلیا تو بعض آزمائش میں مبتلا ہو گئے تو یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی (2)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت عیاش بن ابی ربیعہ کے حق میں نازل ہوئی وہ مسلمان ہوا، ہجرت کی پھر اسے اذیت دی گئی اور اسے مارا گیا تو وہ مرتد ہو گیا۔ اسے ابو جہل اور حرث نے تکلیفیں دیں یہ دونوں ماں کی جانب سے اس کے بھائی تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پھر وہ بعد میں طویل عرصہ تک زندہ رہا اور بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ قتادہ نے کہا: یہ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جن کو مشرکین نے مکہ مکرمہ کی طرف واپس کیا (3)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 154 2۔ ایضاً، جلد 20، صفحہ 155 3۔ ایضاً

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَ لْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ٝ وَ لَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾

''اور کہا کافروں نے ایمان والوں سے: تم چلو ہماری راہ پر اور ہم اٹھالیں گے تمہارے گناہوں (کے بوجھ) کو اور وہ نہیں اٹھا سکتے ان کے گناہوں سے کچھ بھی وہ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ، اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ اور ان سے باز پرس ہوگی قیامت کے دن ان (جھوٹوں) کے متعلق جو وہ گھڑا کرتے تھے''۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا، سَبِيْلَنَا سے مراد ہمارا دین ہے۔ وَ لْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ امر کی وجہ سے فعل مضارع کو جزم دی گئی۔ فراء اور زجاج نے کہا: یہ شرط و جزا کی تاویل میں امر ہے۔ مراد اگر تم ہمارے دین کی اتباع کرو تو ہم تمہاری خطاؤں کو اٹھالیں گے۔ جس طرح شاعر نے کہا:

فقلتُ ادعی وأدعُ فإنّ أندَی لصوتٍ أن يُنادِیَ داعِيانِ(1)

میں نے کہا: اگر تو بلائے تو میں بھی بلاؤں گا بے شک زیادہ اونچی آواز اس وقت ہوتی ہے جب دو بلانے والے دعوت دیں۔ شعر میں ادعی وادع شرط و جزا کی صورت میں ہیں ان دعوتِ دعوتُ۔

مہدوی نے کہا: اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ کا اس کے بعد وقوع، معنی پر حمل کرنے کی وجہ سے ہے، کیونکہ معنی ہے اگر تم ہمارے دین کی اتباع کرو تو ہم تمہاری خطاؤں کو اٹھائیں گے۔ جب صیغہ امر معنی میں خبر کی طرف راجع ہوتا ہے تو اس پر تکذیب واقع ہوتی ہے جس طرح خبر پر واقع ہوتی ہے۔ مجاہد نے کہا: قریش میں سے مشرکوں نے کہا: ہمیں اور تمہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ اگر تم پر کوئی بوجھ ہوا تو وہ ہم پر ہوگیا، یعنی جو تم پر لازم ہوگا وہ ہم پر لازم ہوگا۔ یہاں حمل حمالہ کے معنی میں ہے یعنی ذمہ داری اٹھانے کے معنی میں ہے یہ پشت پر اٹھانے کے معنی میں نہیں ہے۔ روایت کی گئی ہے: یہ قول کرنے والا ولید بن مغیرہ ہے۔

وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ان کی حسنات سے فارغ ہونے کے بعد اس کے گناہ ان کے ذمہ کردیئے جائیں گے جن پر انہوں نے ظلم کیا تھا اس کا معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ سورۂ آل عمران میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت ابو امامہ باہلی نے کہا: قیامت کے روز ایک آدمی لایا جائے گا جب کہ اس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اس سے لگا تار قصاص لیا جاتا رہے گا یہاں تک کہ اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی پھر اس سے مطالبہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے بندے سے قصاص (بدلہ) لو۔ فرشتے عرض کریں گے: اس کی تو نیکیاں باقی نہیں رہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: مظلوم کی برائیاں اس سے لے لو اور اس کے ذمہ کردو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ کی تلاوت کی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 156

قتادہ نے کہا: جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور جس نے اس پر عمل کیا اس کا بوجھ بھی اس پر ہوگا، ان کے بوجھوں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ (النحل: 25) اس کی مثل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من سن فی الاسلام سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من اوزارهم شیٔ،(1) جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ شروع کیا تو اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور اس کا بھی بوجھ ہوگا جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا جب کہ ان کے بوجھوں میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی؛ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے راویوں سے روایت مروی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس آدمی نے ہدایت کی طرف دعوت دی اس کی پیروی کی گئی اور اس پر عمل کیا گیا تو اس کے لیے ان کے اجروں کی مثل اجر ہوگا جنہوں نے اس کی اتباع کی، ان کے اجروں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ جس داعی نے گمراہی کی طرف دعوت دی اس کی پیروی کی گئی اور اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو اس پر ان کے بوجھوں کی مثل بوجھ ہوگا جنہوں نے اس کی اتباع کی ان کے بوجھوں میں سے کچھ بھی کمی نہ کی جائے گی''۔ پھر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ۔

میں کہتا ہوں: یہ مرسل ہے، یہ ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنی ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نقل کیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کا متن یہ ہے: أيما داع دعا إلى ضلالة فاتبع فإن له مثل اوزار من اتبعه ولا ينقص من اوزارهم شيئا وأيما داع دعا إلى هدى فاتبع فإن له مثل أجور من اتبعه ولا ينقص من أجورهن شيئا ابن ماجہ نے اسے سنن میں نقل کیا ہے۔ جو بھی داعی گمراہی کی طرف دعوت دے تو اس کی اتباع کی جائے تو اس کے لیے ان کے بوجھوں کی مثل بوجھ ہوگا جنہوں نے اس کی اتباع کی اور ان کے بوجھوں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی اور جو بھی دعوت دینے والا ہدایت کی طرف دعوت دے تو اس کی اتباع کی جائے تو اس کے لیے ان کے اجروں کی مثل اجر ہوگا جنہوں نے اس کی اتباع کی اور ان کے اجروں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

اس باب میں حضرت ابو جحیفہ اور حضرت جریر سے مروی حدیث بھی ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ظالم کے مددگار ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اس کے بدعتی ہیں جب ان بدعتیوں کی اتباع کی جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نئے نئے کام کرنے والے جب ان کے بعد ان پر عمل کیا جائے۔ معنی قریب قریب ہے حدیث سب کو جامع ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

1۔ صحیح مسلم، باب الحث على الصدقة، جلد 1، صفحہ 327

2۔ ابن ماجہ، باب من سن سنة حسنة الخ، حدیث نمبر 202، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

''اور بے شک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو وہ ٹھہرے رہے ان میں پچاس کم ہزار سال، آخر کار آ لیا انہیں طوفان نے اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔ پس ہم نے نجات دے دی نوح کو اور کشتی والوں کو اور ہم نے بنا دیا اس کشتی کو ایک نشانی سارے جہان والوں کے لیے''۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جائے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بھی انبیاء کو کفار کی وجہ سے آزمایا گیا تو انہوں نے صبر کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ وہ پہلے رسول تھے جن کو زمین کی طرف مبعوث کیا گیا۔ سورۂ ہود میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے کہ زمین کفر سے بھر چکی تھی۔ کسی نبی نے اپنی قوم سے ایسی تکالیف نہ اٹھائیں جیسی تکالیف حضرت نوح علیہ السلام نے اٹھائیں، جس طرح حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سورۂ ہود میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

قتادہ نے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ''سب سے پہلے جو نبی بھیجا گیا وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے'' (1)۔ قتادہ نے کہا: انہیں جزیرہ سے مبعوث کیا گیا۔ ان کی عمر کتنی تھی اس میں اختلاف ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی عمر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہے۔ قتادہ نے کہا: انہیں دعوت دینے سے قبل حضرت نوح علیہ السلام تین سو سال تک رہے۔ اور تین سو سال تک دعوت دی اور طوفان کے بعد تین سو پچاس سال تک رہے (3)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا آپ اپنی قوم کے درمیان نو سو پچاس سال تک رہے اور لوگوں کے غرق ہونے کے بعد ساٹھ سال تک رہے، یہاں تک کہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور لوگ عام ہو گئے (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول یہ بھی مروی ہے: آپ کو جب مبعوث کیا گیا تو آپ کی عمر اڑھائی سو سال تھی اور آپ اپنی قوم میں نو سو پچاس سال تک رہے اور طوفان کے بعد دو سال تک رہے۔ وہب نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو سال تھی۔ کعب احبار نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار بیس سال تھی (5)۔ عون بن ابی شداد نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا جب کہ آپ کی عمر تین سو پچاس سال تھی۔ آپ اپنی قوم میں نو سو پچاس سال تک رہے اور طوفان کے بعد تین سو پچاس سال تک رہے آپ کی عمر ایک ہزار، چھ سو پچاس سال تھی (6)؛ حضرت حسن بصری سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: جب ملک الموت حضرت نوح علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے آیا۔ پوچھا: اے نوح! تم دنیا میں کتنے عرصہ رہے؟ فرمایا: مبعوث ہونے سے پہلے تین سو سال ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم میں اور طوفان کے بعد ساڑھے تین سو سال۔ ملک الموت نے کہا: تو نے دنیا کو کیسے پایا؟ حضرت نوح نے کہا: اس گھر کی طرح جس کے دو دروازے ہیں ایک میں سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل گیا۔

حضرت انس سے حدیث مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 108 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 278 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً

کی قوم کی طرف مبعوث کیا جب مبعوث کیا تو عمر اڑھائی سو سال تھی آپ اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک رہے اور طوفان کے بعد اڑھائی سو سال تک رہے (1)۔ جب ملک الموت ان کے پاس آیا، تو پوچھا: اے نوح! اے انبیاء میں سب سے بڑے! اے طویل عمر والے! اے وہ جس کی دعائیں قبول ہوتی تھیں! تو نے دنیا کو کیسے پایا؟ آپ نے فرمایا: اس آدمی کی طرح جس نے ایک گھر بنایا جس کے دو دروازے تھے وہ ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے ایک میں داخل ہوا تھوڑا سا بیٹھا پھر دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ ابن وردی نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام نے سرکنڈے کا ایک گھر بنایا، آپ سے عرض کی گئی: کاش آپ اس کے علاوہ بھی گھر بنا لیتے۔ فرمایا: یہ اس کے لیے کثیر ہے جس نے مرنا ہے۔ اور مہاجر نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک بالوں سے بنے ایک خیمہ (گھر) میں رہے۔ ان سے عرض کی گئی: اے اللہ کے نبی! کوئی گھر ہی بنا لیجئے۔ فرمایا: میں آج یا کل مر جاؤں گا۔ وہب بن منبہ نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام پر پانچ سو سال گزر گئے آپ عورتوں کے قریب نہ گئے۔ یہ محض موت کے ڈر سے ہوا۔ مقاتل اور جویبر نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام جب بوڑھے ہو گئے آپ کی ہڈیاں نرم ہو گئیں۔ عرض کیا: اے میرے رب! میں کب تک کدو کاوش کرتا رہوں گا؟ فرمایا: اے آدم! یہاں تک کہ تیرا ختنہ کیا ہوا بچہ پیدا ہو۔ تو دس بطنوں (ایک دفعہ جب عورت کو حمل ہو تو اسے بطن کہتے ہیں) کے بعد نوح (2) کی پیدائش ہوئی اس وقت ان کی عمر نو سو چالیس سال تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی عمر نو سو ساٹھ سال تھی؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا نسب یوں ہے نوح بن لامک متوشلخ بن ادریس وہ اخنوخ بن یرد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم ہیں (3)۔ حضرت نوح علیہ السلام کا نام سکن تھا ان کا نام سکن اس لیے رکھا گیا کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد لوگ آپ کی بارگاہ سے سکون حاصل کرتے تھے۔ وہ لوگوں کے جد اعلیٰ تھے ان کی اولاد میں سام، حام اور یافث تھے۔ سام کی اولاد میں عرب، فارسی اور رومی ہیں ان سب میں خیر ہے۔ حام کی اولاد میں قبطی، حبشی اور بربر ہیں۔ یافث کی اولاد میں ترک، صقالبہ اور یاجوج ماجوج ہیں۔ ان میں کوئی خیر نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سام کی اولاد میں سفید اور گندم گو ہیں، حام کی اولاد میں سیاہ اور تھوڑے سفید ہیں، یافث کی اولاد میں ترک اور صقالبہ زرد اور سرخ ہیں۔ ان کا چوتھا بیٹا تھا جو کنعان تھا جو غرق ہو گیا تھا۔ عرب اسے یام کہتے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو نوح کہتے، کیونکہ آپ نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم پر نوحہ کیا، آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے۔ جب انہوں نے کفر کیا تو حضرت نوح علیہ السلام ان پر روئے اور ان پر نوحہ کیا۔ قشیری ابو القاسم عبد الکریم نے اپنی کتاب التخبیر میں ذکر کیا: یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا نام یشکر تھا لیکن حضرت نوح علیہ السلام اپنی خطا پر بہت زیادہ روئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: اے نوح! تو کتنے عرصہ تک نوحہ کرتا رہے گا؟ اس وجہ سے آپ کا نام نوح پڑ گیا۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 256　2۔ معروف قول یہی ہے۔

3۔ یہ قول محل نظر ہے کیونکہ بعد میں وضاحت آ رہی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام لمک بن متوشلخ کے بیٹے تھے۔

آپ کی خطا کون سی تھی؟ فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام ایک کتے کے پاس سے گزرے آپ نے اپنے دل میں کہا: یہ کتنا قبیح ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی اس سے بہتر تو بنا دے۔

یزید رقاشی نے کہا: آپ کا نام نوح اس وجہ سے ہوا کیونکہ آپ نے اپنی ذات پر طویل عرصہ تک نوحہ کیا۔ اگر کہا جائے یہ کیوں فرمایا: اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا اسے تسعمائۃ و خمسین عاما نہیں فرمایا۔ اس میں دو جواب ہیں (۱) مقصود عدد کی کثرت کو بیان کرنا ہے۔ الف کا ذکر لفظ اور عدد میں کثیر ہے (۲) یہ روایت کی گئی ہے کہ آپ کو ایک ہزار سال عمر عطا کی گئی تو آپ نے پچاس سال اپنے ایک بیٹے کو عطا کر دیئے۔ جب وفات کا وقت آیا تو ہزار پورا کرنے کی طرف راجع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے ذکر کیا کہ کمی اس (نوح علیہ السلام) کی جہت سے ہے۔

فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ حضرت ابن عباس، حضرت سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا: طوفان سے مراد بارش ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: غرق ہونا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد موت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے (2)، اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

أفناهم طوفانُ موتٍ جارف (3)

تباہی مچانے والی موت کے طوفان نے انہیں فنا کر دیا۔

نحاس نے کہا: یہ ہر اس شے کے لیے طوفان کا لفظ بولا جا سکتا ہے جو تمام کا احاطہ کر لے وہ بارش ہو، قتل ہو۔ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ یہ جملہ حال بن رہا ہے۔ اَلْفَ سَنَةٍ ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا یہ مستثنیٰ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ سیبویہ کے نزدیک مفعول کے قائم مقام ہے مفعول کی طرح اس سے استغناء ہے، جہاں تک مبرد ابو العباس محمد بن یزید کا تعلق ہے اس کے نزدیک یہ مفعول محض ہے۔ گویا تو نے کہا: استثنیت زیدا۔

تنبیہ: حسان بن غالب بن نجیح ابو القاسم مصری مالک بن انس سے وہ زہری سے وہ ابن مسیب سے وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت جبریل امین میرے ساتھ حضرت عمر کی فضیلت میں مذاکرہ کیا کرتا تھا میں نے پوچھا: اے جبریل! حضرت عمر کی فضیلت کہاں تک پہنچی ہے؟ اس نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں آپ کے ساتھ اتنا عرصہ رہوں جتنا عرصہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں رہے ہیں آپ کے سامنے حضرت عمر کی فضیلت بیان نہیں کر سکتا''۔ اسے خطیب ابوبکر احمد بن ثابت بغدادی نے ذکر کیا۔ کہا: حسان بن غالب مالک سے روایت کرنے میں منفرد ہے، اس کی حیثیت ثابت نہیں۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ اصحاب السفینہ کا عطف ہاء ضمیر پر ہے۔ وَ جَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ، جَعَلْنٰهَاۤ میں ہاء ضمیر سفینہ، عقوبۃ یا نجات کے لیے ہے اس بارے میں تین اقوال ہیں۔

وَ اِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 279　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۸﴾ اَوَ لَمْ یَرَوْا كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۱۹﴾

''اور ابراہیم کو یاد کرو جب آپ نے فرمایا اپنی قوم کو کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرتے رہو، یہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ تم تو پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی اور تم گھڑا کرتے ہو نرا جھوٹ، بے شک جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ مالک نہیں تمہارے رزق کے پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق اور اس کی عبادت کیا کرو اور اس کا شکر ادا کیا کرو اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) جھٹلایا (اپنے نبیوں کو) ان امتوں نے بھی جو تم سے پہلے تھیں اور رسول پر فرض نہیں بجز اس کے کہ وہ (اللہ کا) حکم صاف طور پر پہنچا دے۔ کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کس طرح آغاز فرماتا ہے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کا پھر وہ (کس طرح) اس کا اعادہ کرتا ہے، بلاشبہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے''۔

وَ اِبْرٰهِیْمَ کسائی نے کہا: **اِبْرٰهِیْمَ** کا لفظ انجینا کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اس کا عطف ہا ضمیر پر ہے۔ کسائی نے اسے جائز قرار دیا ہے کہ اس کا عطف نوح پر ہے معنی ہے ہم نے ابراہیم کو بھیجا۔ ایک تیسرا قول ہے کہ یہ اذکر فعل کی وجہ سے منصوب ہو۔ **اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ** اللہ تعالیٰ کی ذات کو عبادت میں خاص کرو۔ **وَ اتَّقُوْهُ** اس کے عقاب اور اس کے عذاب سے ڈرو۔ **ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ** بتوں کی عبادت سے یہ بہتر ہے **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** اگر تم جانتے ہو۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا اوثان کا معنی بت ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: صنم اسے کہتے ہیں جو سونے، چاندی اور تانبے کا بنایا جاتا ہے اور وثن جو گچ یا پتھر سے بنایا جاتا ہے۔ جوہری نے کہا: وثن سے مراد بت ہے اس کی جمع وُثن اور اوثان آتی ہے جس طرح اُسد اور اوساد۔ **وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا** حضرت حسن بصری نے کہا: **تَخْلُقُوْنَ** کا معنی ہے تم تراشتے ہو (1)۔ معنی ہے تم بتوں کی عبادت کرتے ہو جب کہ تم خود ان کو بناتے ہو۔

مجاہد نے کہا: الافک سے مراد جھوٹ ہے معنی ہے تم بتوں کی عبادت کرتے ہو جب کہ تم جھوٹ گھڑتے ہو (2)۔ ابو عبدالرحمٰن نے **تَخَلَّقُوْنَ** قراءت کی ہے اسے تُخلقون پڑھا گیا ہے یہ خلق سے کثرت کے معنی میں ہے اور تخلقون یہ تخلق سے مشتق ہے۔ جو تکذب اور تخرص کے معنی میں ہے۔ اسے افکا بھی پڑھا گیا ہے اس میں دو وجوہ ہیں: یہ مصدر ہو

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 257 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 311

جس طرح کذب اور لعب ہے افك اس سے مخفف ہے جس طرح کذب اور لعب ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے یہ فعل کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے یعنی خلقا إفکا یعنی ذا افك و باطل۔ أوثانا یہ تعبدون کی وجہ سے منصوب ہے اور ما کافہ ہے۔ قرآن کے علاوہ میں اوثان کو رفع دینا بھی جائز ہے کہ ما ان کا اسم ہے تعبدون اس کا صلہ ہے اسم کے لمبا ہونے کی وجہ سے ضمیر کو حذف کر دیا۔ اور اوثان کو ان کی خبر بنا دیا۔ وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا یہ فعل کی وجہ منصوب ہے کسی اور کی وجہ سے منصوب نہیں۔ اس طرح لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ یعنی تم اپنے رزق کے لیے اپنی رغبتوں کو الله تعالیٰ کی طرف پھیر دو صرف اسی سے سوال کرو کسی غیر سے سوال نہ کرو۔ وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے، یعنی جھٹلانا کفار کی عادت ہے رسولوں پر صرف تبلیغ لازم ہے۔

اَوَ لَمْ یَرَوْا كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ عام قراءت یاء کے ساتھ ہے یہ خبر اور اس کی توبیخ کے لیے ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ابو عبید نے کہا: امتوں کے ذکر کے لیے یاء کے ساتھ پڑھا گویا فرمایا: اولم یر الامم کیف۔ ابوبکر، اعمش، ابن وثاب، حمزہ اور کسائی نے پڑھا تروا اس وقت یہ خطاب کا صیغہ ہوگا، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا یہ کہا گیا ہے: وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا قریش کو خطاب ہے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نہیں۔ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ہا ضمیر سے مراد خلق اور بعث ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا الله تعالیٰ پھلوں کو کیسے پیدا فرماتا ہے وہ زندہ ہو جاتے ہیں پھر فنا ہو جاتے ہیں پھر الله تعالیٰ انہیں دوبارہ پیدا فرماتا ہے یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے، اسی طرح انسان کی تخلیق کا آغاز فرماتا ہے پھر اس سے بچے کی پیدائش کے بعد ہلاک کر دیتا ہے اس کے بچے سے بچہ جنم لیتا ہے۔ اس طرح باقی حیوانات بھی ہیں جب تم نے ابداء اور ایجاد پر اس کی قدرت کو دیکھ لیا تو وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ کیونکہ جب وہ کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے فرماتا ہے: کن فیکون۔

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۚ﴿۲۰﴾ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ اِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ؗ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ۠﴿۲۲﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ لِقَآئِهٖۤ اُولٰٓئِكَ یَىِٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِیْ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّ یَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ؗ وَّ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿ۙ۲۵﴾

''فرمائیے: سیر و سیاحت کرو زمین میں اور غور سے دیکھو کس طرح اس نے خلق کی ابتدا فرمائی پھر اللہ تعالیٰ (اسی طرح) پیدا فرمائے گا دوسری بار، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے اور نہیں ہو تم بے بس کرنے والے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں (بھاگ کر) اور نہ آسمان میں (پناہ لے کر) اور نہیں ہے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی ملاقات کا وہ لوگ مایوس ہو گئے میری رحمت سے، اور وہی لوگ ہیں جن کے لیے عذاب الیم ہے آپ کی قوم سے کوئی جواب نہ بن آیا بجز اس کے کہ انہوں نے کہا کہ اسے قتل کر ڈالو یا اسے جلا دو سو بچا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے بے شک اس واقعہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (و پیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانہ آتش (جہنم) ہو گا اور نہیں ہو گا تمہارا کوئی مددگار''۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ اے محمد! تم انہیں کہو زمین میں گھومو، پھرو۔ **فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ** دیکھو تو اللہ تعالیٰ نے کیسے مخلوق کو پیدا کیا جب کہ تعداد میں وہ کثیر ہیں، ہیئتیں مختلف ہیں، زبان، رنگ اور طبیعتیں مختلف ہیں تم سابقہ قوموں کے مسکن، گھر اور آثار دیکھو اللہ تعالیٰ نے کیسے انہیں ہلاک کیا تا کہ تم اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کو پہچانو۔

ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ابو عمرو اور ابن کثیر نے النشاۃ شین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا اور دونوں لغتیں ہیں جس طرح رأفة اور رآفة۔ جوہری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش کو پیدا کیا، اسم نشاۃ اور نشاءۃ مد کے ساتھ ہے، یہ ابو عمرو بن علاء سے مروی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ اپنے عدل کے ساتھ جس کو عذاب دینا چاہتا ہے۔ **وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ** اور اپنے فضل کے ساتھ جس پر رحم کرنا چاہتا ہے۔ **وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ** اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔ **وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ** فراء نے کہا: معنی ہے یعنی نہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں۔ عربی لغت میں یہ امر مبہم ہے کیونکہ دوسرے حصے میں ضمیر ظاہر نہیں؛ یہ حدیث حضرت حسان کے قول کی طرح ہے:

فمن يَهجو رسول اللهِ منكم　　ويَمدحُهٗ و يَنصرُهٗ سَواءُ(1)

تم میں سے جو رسول اللہ کی ہجو کرے اور جو آپ کی مدح اور مدد کرے وہ برابر ہیں۔

یہاں اس سے و من یمدحہ و ینصرہ سواء کا ارادہ کیا ہے، من کو مضمر کیا؛ یہ عبد الرحمن بن زید کا قول ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ** ۞ (الصافات) یہاں بھی اصل میں من لہ تھا، من مضمر ہے۔ معنی ہے اللہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 312

تعالیٰ کو اہل زمین زمین میں اور اہل سماء آسمان میں عاجز نہیں کر سکتے اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں۔ قطرب نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ولا فی السماء لو کنتم فیھا یعنی نہ آسمان میں اگر تم آسمان میں ہوتے، جس طرح تو کہتا ہے: لا یفوتنی فلان بالبصرۃ ولاھا ھنا معنی ہے اگر وہ بصرہ چلا جائے تب بھی میری گرفت سے باہر نہیں ہو سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ نہ زمین میں بھاگ جانے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ وہ آسمان میں بھاگ جانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ مبرد نے کہا: معنی ہے اور نہ وہ جو آسمان میں ہیں اس بنا پر کہ من موصولہ نہیں ہے، بلکہ نکرہ ہے۔ فِي السَّمَآءِ اس کی صفت ہے۔ صفت کو موصوف کے قائم مقام رکھا۔ علی بن سلیمان نے اس کارد کیا اور کہا: یہ جائز نہیں اور کہا: من جب نکرہ ہو تو اس کی صفت کا لگانا ضروری ہے تو اس کی صفت صلہ کی طرح ہوگی۔ موصول کا حذف اور صلہ کا ترک جائز نہیں۔ معنی ہے لوگوں کو اسی چیز کے ساتھ خطاب کیا گیا جس کی وہ عقل رکھتے تھے۔ معنی ہے اگر تم آسمان میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ کو عاجز نہ کر سکتے، جس طرح فرمایا: وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النساء:78)

وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ، نصیرٌ بھی جائز ہے کیونکہ محل رفع کا ہے اور من زائدہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ لِقَآىِٕهٖ آیات سے مراد قرآن ہے یا ادلہ اور اعلام میں سے جن کو قائم کیا گیا۔ اُولٰٓىِٕكَ يَىِٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ رحمت سے مراد جنت ہے، اس کو ان کی طرف منسوب کیا گیا معنی ہے ان کو مایوس کر دیا گیا۔ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی جانب سے جملہ معترضہ کے طور پر ہیں تاکہ اہل مکہ کو یاد دلایا جائے اور انہیں نصیحت کی جائے، پھر خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کی طرف لوٹتا ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو ان کا جواب یہ تھا اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ پھر انہوں نے آپ کو جلانے پر اتفاق کیا۔ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ یعنی آگ کی اذیت سے نجات دی۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ یعنی اس بڑی آگ سے آپ کو نجات دینے میں، یہاں تک کہ آگ میں جب آپ کو پھینکا گیا تو اس نے آپ کو نہ جلایا۔ لَاٰيٰتٍ عام قراءت جواب کی باء کی نصب کے ساتھ ہے کیونکہ یہ کان کی خبر ہے۔ اَنْ قَالُوا یہ محل رفع میں ہے یہ کان کا اسم ہے۔ سالم افطس اور عمرو بن دینار نے جواب کا لفظ رفع کے ساتھ پڑھا ہے(1) کہ یہ کان کا اسم ہے اور ان خبر کے محل میں ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ وقال یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا حفص اور حمزہ نے مودۃ بینکم پڑھا ہے۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور کسائی نے مودۃٌ بینکم قراءت کی ہے۔ اعمش نے ابو بکر سے وہ عاصم، ابن وثاب اور اعمش سے مودۃٌ بینکم قراءت کی ہے باقی قراء نے مودۃً بینکم قراءت کی ہے۔

جہاں تک ابن کثیر کی قراءت ہے تو اس میں تین توجیہیں ہیں، زجاج نے ان میں سے دو کا ذکر کیا ہے۔

مودۃ کا لفظ ان کی خبر کی وجہ سے مرفوع ہے اور ما، الذی کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہے: ان الذی اتخذتموہ من دون اللہ اوثانا مودۃ بینکم دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ مبتدا مضمر ہو کہ تقدیر کلام یہ ہوگی: ھی مودۃ او تلک مودۃ بینکم

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 312

معنی ہے تمہارے الہ یا تمہاری جماعت تمہارے درمیان محبت ہے۔ ابن انباری نے کہا: اوثانا یہ وقف اس کے لیے اچھا ہے جس نے مودۃ کو رفع دیا اس تقدیر کی بنا پر ذلك مودة بينكم جس نے مودۃ کو اس بنا پر رفع دیا کہ یہ ان کی خبر ہے وہ اس پر وقف نہیں کرے گا۔

تیسری توجیہ یہ ہے جس کو اس نے ذکر نہیں کیا کہ مودۃ کا لفظ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور فی الحیاۃ الدنیا اس کی خبر ہو۔ جہاں تک مودۃ کے لفظ کو بینکم کی طرف مضاف کرنے کا تعلق ہے تو بینکم کو اسم بنایا جائے گا مگر یہ ظرف نہ ہو گا۔ نحوی کہتے ہیں: اسے مجاز کی بنا پر مفعول بہ بنایا ہے۔ سیبویہ نے حکایت بیان کی ہے: یا سارق اللیلۃ اہل الدار اس کی طرف مضاف کرنا جائز نہیں اس حال میں کہ یہ ظرف ہے وہ ایسی علت ہے جس کے ذکر کا یہ محل نہیں جس نے مودۃ کو رفع دیا اور اسے تنوین دی تو یہ اس معنی کی بنا پر ہے جو ذکر کیا گیا۔ بینکم ظرف ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ جس نے مودۃ کو رفع دیا اور اسے تنوین نہ دی اس نے اس کو مفعول بنایا کیونکہ اتخذ کا فعل اس پر واقع ہو رہا ہے۔ انما ایک حرف ہے اس نے اسے الذی کے معنی میں نہیں بنایا۔ مودۃ کو اس وجہ سے نصب دینا بھی جائز ہے کہ یہ مفعول لاجلہ ہے جس طرح تو کہتا ہے: جئتك ابتغاء الخير، وقصدت فلانا مودة له، بينم کو مجرور پڑھنا بھی جائز ہے۔ جس نے مودۃ کو تنوین دی اور اسے نصب دی تو یہ اس تاویل کی بنا پر ہے جس کو ذکر کیا گیا بینکم منصوب ہے، اضافت کے بغیر ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے مودۃ بینکم اور مودة بينكم پڑھا اس نے اوثانا پر وقف نہیں کیا۔ اس نے الحیاۃ الدنیا پر وقف کیا آیت کا معنی ہے تم نے بتوں کو یوں بنا دیا ہے کہ اس پر باہم محبت کرتے ہو اور دنیاوی زندگی میں ان کی عبادت پر باہم محبت کرتے ہو۔ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا بت اپنے عبادت گزاروں اور سردار اپنے تابعداروں سے براءت کا اظہار کر دیں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝ (الزخرف) وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ یہ بتوں کے عبادت گزاروں کو خطاب ہے وہ ان میں سے سردار ہوں یا پیروکار ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں بت داخل ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: 98)

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

”تو ایمان لائے ان پر لوط۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف بے شک وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا پوتا) اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب اور ہم نے دیا ان کو ان (کی جانثاری) کا اجر اس دنیا میں اور بلاشبہ وہ آخرت میں (صالحین کے زمرہ) میں ہوں گے“۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ حضرت لوط علیہ السلام وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی جب آگ کو

آپ پر ٹھنڈی اور سلامتی والا پایا۔ ابن اسحاق نے کہا: حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے جب کہ حضرت لوط، حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بھانجے تھے حضرت سارہ بھی آپ پر ایمان لائیں جب کہ وہ آپ کی چچازاد تھیں۔

وَ قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ نخعی اور قتادہ نے کہا، جس نے کہا: اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں (1)۔ قتادہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوثا سے ہجرت کی یہ سواد کوفہ کا ایک دیہات تھا پہلے حران کی طرف ہجرت کی پھر شام کی طرف ہجرت کی آپ کے ساتھ آپ کے بھتیجے حضرت لوط بن ہاران بن تارخ تھے اور آپ کی بیوی حضرت سارہ تھیں (2)۔ کلبی نے کہا: حران کے علاقہ سے فلسطین کے علاقہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ وہ پہلے شخص ہیں کہ آپ نے کفر کے علاقہ سے ہجرت کی۔ مقاتل نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی، جب کہ آپ کی عمر پچھتر سال تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے کہا اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ وہ حضرت لوط علیہ السلام تھے۔ بیہقی نے قتادہ سے ذکر کیا: جس نے سب سے پہلے اپنے اہل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ قتادہ نے کہا: میں نے حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابوحمزہ یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف نکلے جب کہ ان کے ساتھ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ان کی خبر دیر سے پہنچی قریش کی ایک عورت آئی اس نے کہا اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے آپ کا داماد دیکھا جب کہ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ بھی تھی۔ پوچھا: ''ان دونوں کو کس حال میں دیکھا''۔ اس نے عرض کی: میں نے انہیں دیکھا اس نے اپنی بیوی کو ایک گدھے پر بٹھا رکھا تھا جو اس دبابہ (ایسا جانور جو آہستہ چلتا ہے) سے تعلق رکھتا تھا جب کہ وہ اس جانور کو ہانک رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دونوں کا اللہ ساتھی ہے حضرت عثمان، حضرت لوط علیہ السلام کے بعد پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنے اہل کے ساتھ ہجرت کی''۔ بیہقی نے کہا: یہ پہلی ہجرت میں ہوا، جہاں تک حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کا تعلق تھا (3)۔ واقدی نے یہ گمان کیا ہے: یہ بعثت کے پانچویں سال ہوئی۔ اِلٰى رَبِّیْ میرے رب کی رضا کی طرف اور جس کی طرف اس نے مجھے حکم دیا۔ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۶﴾ ہجرت کے متعلق گفتگو سورۃ النساء اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ اللہ تعالیٰ نے اولاد کے ساتھ ان پر احسان کیا۔ حضرت اسحاق بچے اور حضرت یعقوب کو پوتے کی صورت میں عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کے بعد حضرت اسحاق عطا فرمایا اور حضرت اسحاق کے بعد حضرت یعقوب عطا فرمایا۔ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں کیا مگر آپ کی نسل سے ہی مبعوث کیا۔ کتاب کو واحد ذکر کیا کیونکہ مصدر کا ارادہ کیا جس طرح نبوت ہے۔ مراد تورات، انجیل اور فرقان ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ سب پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نوازشات ہوں۔

وَ اٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا دنیا میں اجر کی صورت یہ ہے کہ تمام ادیان والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات پر ایمان

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 314
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 281
3۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، الھجرۃ الاولیٰ الی الحبشہ، جلد 2، صفحہ 66

رکھتے ہیں؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ سفیان نے حمید بن قیس سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت سعید بن جبیر نے ایک انسان کو حکم دیا کہ وہ عکرمہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بارے میں پوچھے وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا عکرمہ نے جواب دیا: تمام ادیان والے دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں: وہ ہم سے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس نے سچ بولا۔ قتادہ نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً (النحل: 122) مراد عاقبت، عمل صالح اور اچھی تعریف؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام ادیان والے اس کی پیروی کرتے ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا اکثر انبیاء ان کی اولاد میں سے ہیں وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ، فِی الْاٰخِرَةِ صلہ میں داخل نہیں یہ وضاحت ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ دین حق پر صبر کرنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتدا پر برانگیختہ کیا جائے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ٛ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَ تَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا ٚ لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَ لَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ ٙ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ لَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

"اور (ہم نے) لوط کو رسول بنا کر بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو کہ نہیں پہل کی تم سے اس (بے حیائی) کی طرف کسی نے دنیا بھر میں۔ کیا تم بدفعلی کرتے ہو مردوں کے ساتھ اور ڈاکے ڈالتے ہو عام راستوں پر اور اپنی کھلی مجلس میں گناہ کرتے ہو تو نہیں تھا کوئی جواب آپ کی قوم کے پاس بجز اس کے کہ انہوں نے کہا: اے لوط! لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم (اپنے دعویٰ) میں سچے ہو۔ آپ نے عرض کی: میرے مالک! میری مدد فرما ان فسادی لوگوں کے مقابلہ میں۔ اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے انہوں نے بتایا کہ ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس گاؤں کے باشندوں کو، بے

1۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 167

شک یہاں کے رہنے والے بڑے ظالم تھے۔ آپ نے کہا: اس میں تو لوط بھی رہتا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی: ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں ہم ضرور بچالیں گے اسے اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہے۔ اور جب آئے ہمارے فرشتے لوط (علیہ السلام) کے پاس تو بڑے غمزدہ ہوئے ان کی آمد سے اور دل تنگ ہوئے اور (انہیں پریشان دیکھ کر) فرشتوں نے کہا: نہ خوفزدہ ہو اور نہ رنجیدہ خاطر ہم نجات دینے والے ہیں تجھے اور تیرے کنبہ کو سوائے تمہاری بیوی کے وہ پیچھے رہ جانوں والوں میں ہے۔ بے شک ہم اتارنے والے ہیں اس بستی کے باشندوں پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور بے شک ہم نے باقی رہنے دیئے اس بستی کے کچھ واضح آثار ان لوگوں (کی عبرت) کے لیے جو عقل مند ہیں"۔

وَ لُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ کسائی نے کہا: معنی ہے ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کو نجات دی یا ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا۔ کہا: یہ توجیہ میرے لیے زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ معنی ہو لوط کو یاد کرو کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کو شرمندہ کرتے ہوئے اور ڈراتے ہوئے کہا: اِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمۡ بِهَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ، ائنکم اس میں قراءت اور اس کی وضاحت سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔

وَ تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِيۡلَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ڈاکو تھے؛ یہ ابن زید نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے راستوں سے لوگوں کو اٹھا لیتے تھے؛ ابن شجرہ نے اسے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عورتوں سے مردوں کی طرف عدول کرنے سے نسل کو قطع کرنا ہے؛ یہ وہب بن منبہ کا قول ہے وہ مردوں کی وجہ سے عورتوں سے مستغنی ہو گئے۔

میں کہتا ہوں: شاید یہ سب بیماریاں ان میں موجود تھیں وہ ڈاکہ مارا کرتے تھے تاکہ اموال کو حاصل کریں اور بدفعلی کریں اور جس وجہ سے وہ عورتوں سے مستغنی ہو جاتے۔ وَ تَاۡتُوۡنَ فِيۡ نَادِيۡكُمُ الۡمُنۡكَرَ، النادی سے مراد مجلس ہے وہ منکر جو کیا کرتے تھے اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے: وہ عورتوں کو کنکریاں مارا کرتے تھے، وہ اجنبی اور باہر سے آنے والے کو حقیر سمجھتے۔ حضرت ام ہانی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے، حضرت ام ہانی نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ تَاۡتُوۡنَ فِيۡ نَادِيۡكُمُ الۡمُنۡكَرَ کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا: "جو ان کے پاس سے گزرتا وہ اس کو کنکریاں مارا کرتے تھے اور اس کا مذاق اڑایا کرتے، یہی وہ منکر عمل تھا جو وہ کیا کرتے تھے (1)" اسے ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے، نحاس، ثعلبی، مہدوی اور ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے؛ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت معاویہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اپنی مجالس میں بیٹھا کرتی اور ہر آدمی کے پاس ایک پیالہ ہوتا جس میں مارنے کے لیے کنکریاں ہوتیں جب کوئی ان کے پاس سے گزرتا تو وہ اس پر کنکری پھینکتے جس کی کنکری اس

1۔ جامع ترمذی، سورۂ عنکبوت، جلد 2، صفحہ 150۔ ایضاً، حدیث نمبر 3114، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کو لگتی تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہوتا"۔ یعنی وہ اس کو بدکاری کے لیے لے جاتا۔ تو یہی اللہ تعالیٰ کے فرمان سے مراد ہے: وَ تَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ۔ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابن عباس، قاسم بن ابی بزہ اور قاسم بن محمد نے کہا: وہ اپنی مجالس میں گوز کرتے تھے (1)۔ منصور نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے: وہ اپنی مجالس میں مردوں سے خواہش پوری کیا کرتے تھے اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوتے تھے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: ان کا یہ معمول تھا وہ کبوتروں سے کھیلتے، انگلیوں کو مہندی سے رنگتے، سیٹیاں بجاتے اور تمام امور میں حیاء کو پس پشت ڈالتے۔

ابن عطیہ نے کہا: یہ امور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بعض نافرمانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان چیزوں سے رکنا واجب ہے۔ مکحول نے کہا: اس امت میں قوم لوط کے اخلاق میں سے دس باتیں پائی جاتی ہیں: مصطگی کو چبانا، انگلیوں کو مہندی سے رنگنا، تہبند کھول دینا، انگلیوں کے چٹخارے نکالنا، وہ پگڑی جو سر کے اردگرد لپیٹی جاتی ہے، انگلیوں کا جال بنانا، بندوق جس کے ساتھ کسی چیز کو پھینکا جاتا ہے، سیٹی بجانا، کنکری مارنا، لواطت کا عمل کرنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں فاحشہ کے علاوہ بھی گناہ تھے (2) ان میں سے ایک یہ تھا کہ وہ باہم ظلم کرتے، ایک دوسرے کو گالیاں دیتے، مجالس میں گوز مارتے، کنکریاں مارتے، نرد اور شطرنج کھیلتے، رنگے ہوئے کپڑے پہنتے، وہ مرغوں کو لڑاتے، اپنی انگلیوں کو مہندی لگاتے، مرد عورتوں کا لباس پہنتے اور عورتیں مردوں کا لباس پہنتیں، وہ ہر گزرنے والے پر ٹیکس لگاتے، ان سب برائیوں کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے یہ پہلے لوگ تھے جن سے مردوں سے بدفعلی اور عورتوں کے ساتھ ہم جنسی کا فعل صادر ہوا۔ جب حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں ان قبائح سے روکا تو وہ آپ کو جھٹلانے اور جھگڑنے کی طرف لوٹ آئے۔ انہوں نے کہا: ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ یہ نہیں ہوگا اور نہ وہ اس پر قادر ہے۔ انہوں نے یہ بات نہیں کی مگر وہ حضرت لوط علیہ السلام کے جھوٹا ہونے کے اعتقاد پر سخت تھے۔

فطرت میں یہ صحیح نہیں کہ معاند یہ کہے پھر حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے رب سے مدد طلب کریں اور اللہ تعالیٰ ان پر عذاب کے فرشتے بھیج دے۔ پہلے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دے رہے تھے کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی ان کی قوم کے خلاف مدد کرنے کے لیے آئے ہیں، جس کی وضاحت سورۂ ہود وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ اعمش، یعقوب، حمزہ اور کسائی نے لننجینه واهله کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے اسے شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر، ابو بکر، حمزہ اور کسائی نے اِنَّا مُنْجُوْكَ وَاَهْلَكَ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے (3)۔ باقی قراء نے اسے شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ انجی اور نجی دونوں ایک لغت ہیں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ابن عامر نے اسے اِنَّا مُنَزِّلُوْنَ تشدید کے ساتھ پڑھا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس کی قراءت ہے۔ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ قتادہ نے کہا: اس آیت سے مراد وہ پتھر ہے جو باقی رکھا گیا (4)؛ یہ ابو العالیہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس امت کی ایک جماعت کو اس کے ساتھ رجم کیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 282 2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 315 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 173

نے کہا: یہ ان کے کھنڈر گھروں کے آثار ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد روئے زمین پر سیاہ پانی ہے۔ یہ سب باقی ہے اس میں کوئی تعارض نہیں۔

وَ إِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝

''اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو آپ نے کہا: اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور امید رکھو پیچھے آنے والے دن کی اور ملک میں فتنہ وفساد برپا نہ کرو۔ پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو آلیا انہیں زلزلہ (نے بسوں) نے پس صبح ہوئی تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنے کے بل گرے پڑے تھے''۔

وَ إِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا یعنی ہم نے مدین کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔ سورۂ اعراف اور ہود میں ان کا ذکر اور ان کے فساد کا ذکر گزر چکا ہے۔ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ یونس نحوی نے کہا: اس آخرت سے ڈرو جس میں اعمال پر جزا ہے۔ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ یعنی کفر نہ کرو کیونکہ کفر ہر فساد کی جڑ ہے۔ عثو اور عثی۔ شدید ترین فساد ہے عَثِیَ یَعْثَی اور عَثَا یَعْثُو دونوں کا معنی ایک ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ یعنی یوم آخرت کی تصدیق کرو کیونکہ لوگ اس کا انکار کرتے تھے۔

وَ عَادًا وَّ ثَمُودَا۟ وَ قَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسَٰكِنِهِمْ ۖ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَٰنُ أَعْمَٰلَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَ كَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ۝

''اور (ہم نے برباد کیا) عاد اور ثمود کو اور واضح ہیں تمہارے لیے ان کے مکانات اور آراستہ کر دیا ان کے لیے شیطان نے ان کے (برے) عملوں کو اور روک لیا انہیں راہ (راست) سے حالانکہ وہ اچھے بھلے سمجھدار تھے''۔

وَ عَادًا وَّ ثَمُودَا۟ کسائی نے کہا: بعض نے کہا: یہ سورت کے آغاز کی طرف راجع ہے، یعنی ہم نے ان کو آزمایا جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اور ہم نے عاد اور ثمود کو آزمایا۔ انہوں نے کہا: مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ اس کا عطف فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ پر ہو یعنی رجفہ نے عاد اور ثمود کو پکڑ لیا۔ زجاج نے یہ گمان کیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے و أهلكنا عادا و ثمودا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے عاد کو یاد کرو جب ہم نے ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلایا اور ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور قوم ثمود کی طرف ہم نے حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تو ہم نے صیحہ کے ساتھ انہیں ہلاک کر دیا، جس طرح ہم نے عاد کو بانجھ ہوا کے ساتھ ہلاک کیا۔

وَ قَد تَّبَيَّنَ لَكُم اے کفار کی جماعت! مِّن مَّسَٰكِنِهِمْ حجر اور احقاف میں ان کی ہلاکت کے آثار ہیں۔ تَّبَيَّنَ کا فاعل

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 138

حذف ہے۔ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ شیطان نے ان کے خسیس اعمال کو مزین کیا تو انہوں نے ان اعمال کو بلند گمان کیا۔ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ یعنی حق کے راستہ سے انہیں روک لیا۔

وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ اس میں دو قول ہیں (۱) وہ گمراہی میں بڑی بصیرت رکھنے والے تھے؛ یہ مجاہد کا قول ہے (۲) وہ بصیرت والے تھے انہوں نے براہین کے ظاہر ہونے کی وجہ سے حق کو باطل سے پہچان لیا تھا۔ یہ قول زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ کہا جاتا ہے: فلان مستبصر جب وہ کسی شے کو حقیقت کے طور پر پہچان لے۔ فراء نے کہا: وہ دانش مند اور صاحب بصیرت تھے ان کی بصیرتوں نے ان کو نفع نہ دیا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے کیا جو کیا جب کہ ان کے لیے یہ واضح ہو چکا تھا کہ ان کا انجام عذاب ہے۔

وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ۫ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ مَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

"اور (ہم نے ہلاک کر دیا) قارون، فرعون اور ہامان کو اور بلاشبہ تشریف لائے ان کے پاس موسیٰ روشن دلیلوں کے ساتھ پھر بھی وہ غرور تکبر کرتے رہے زمین میں اور وہ (ہم سے) آگے بڑھ جانے والے نہ تھے پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا اس کے گناہ کے باعث پس ان میں سے بعض پر ہم نے برسائے پتھر اور ان میں سے بعض کو آلیا شدید کڑک نے اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا زمین میں اور بعض کو ہم نے (دریا میں) ڈبو دیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے تھے"۔

وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ کسائی نے کہا: اگر تو چاہے تو یہ عاد پر محمول ہو۔ اس میں ہوا جو ہوا۔ اگر تو چاہے تو فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ پر محمول کرے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وصدھم قارون و فرعون و ھامان۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے ان کو ہلاک کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس رسل آئے۔

فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ انہوں نے زمین میں حق اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر کیا۔ وَ مَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ وہ ہماری گرفت سے بچ جانے والے نہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کفر کی طرف سبقت لے جانے والے نہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کفر کی طرف سبقت لے جانے والے نہ تھے بلکہ ان سے پہلے بے شمار لوگ کفر کی طرف سبقت لے جانے والے تھے تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ کسائی نے کہا: فکلا، اخذنا کی وجہ سے منصوب ہے یعنی ہم نے ہر کسی کو اس کے گناہ کی وجہ سے

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 138

پکڑ لیا۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا مراد قوم لوط ہے۔ حاصب سے مراد ایسی ہوا ہے جو سنگریزے لاتی ہے حصباء سے مراد چھوٹے سنگریزے ہیں۔ یہ لفظ ہر عذاب میں استعمال ہوتا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ مراد قوم ثمود اور مدین ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ، من سے مراد قارون ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا، من سے مراد قوم نوح اور قوم فرعون ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ ظلم کرے، کیونکہ اسی نے ان کو ڈرایا، انہیں مہلت دی، ان کی طرف رسولوں کو مبعوث کیا اور ان کے عذر کو ختم کر دیا۔

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ ۚ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ ۘ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿٤٣﴾

''ان نادانوں کی مثال جنہوں نے بنا لیے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور دوست، مکڑی کی سی ہے اس نے (جالے کا) گھر بنایا اور (تم سب جانتے ہو) کہ تمام گھروں سے کمزور ترین مکڑی کا گھر ہوا کرتا ہے کاش! وہ بھی اس (حقیقت) کو جانتے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس چیز کو وہ پوجتے ہیں اس کو چھوڑ کر اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے۔ اور یہ مثالیں ہیں ہم بیان کرتے ہیں انہیں لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے اور نہیں سمجھتے انہیں مگر اہل علم''۔

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ ۚ اتَّخَذَتْ بَيْتًا اخفش نے کہا: کمثل العنکبوت پر وقف تام ہے۔ پھر اس کے قصہ کو بیان کیا اور کہا: اتخذت بیتا۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے، کیونکہ اتخذت بیتا یہ عنکبوت کا صلہ ہے، گویا فرمایا: کمثل التی اتخذت بیتا موصول کے بغیر صلہ پر وقف اچھا نہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح فرمایا: كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا (الجمعہ: 5) یحمل، حمار کا صلہ ہے یحمل کی بجائے حمار پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ فراء نے کہا: یہ ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے لیے بیان کی ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کو معبود بناتا ہے جو نہ نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان دیتے ہیں جس طرح مکڑی کا گھر نہ اسے گرمی سے بچاتا ہے اور نہ ہی ٹھنڈ سے بچاتا ہے۔ عنکبوت پر وقف اچھا نہیں کیونکہ اس کا گھر جو اسے کسی چیز سے نہیں بچاتا اس کی تشبیہ کا قصد کیا تو معبودان باطلہ جو نہ نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان، ان کو اس کے گھر کے ساتھ تشبیہ دی۔

وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ گھروں میں سے سب سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ۔ لو، بیت العنکبوت کے متعلق ہے، یعنی اگر وہ جانتے کہ بتوں کی عبادت مکڑی کے گھر بنانے کی طرح ہے جو انہیں کچھ نفع نہیں

دیتی تو وہ اس کی عبادت نہ کرتے یہ ان کی مثال ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کاش وہ جانتے کہ مکڑی کا گھر تو کمزور ہے۔ نحویوں نے کہا: عنکبوت کے آخر میں تاء زائدہ ہے کیونکہ یہ تصغیر اور جمع بناتے وقت گر جاتی ہے، یہ لغت ہے، فراء نے حکایت بیان کی کہ یہ مذکر ہے اور یہ کہا:

علی هَطّالهم منهمْ بُيوتٌ كأنّ العنكبوتَ قد ابْتناها(1)

ان کے پہاڑ پر گھر ہیں۔ گویا عنکبوت نے انہیں بنایا۔ محل استدلال قد ابتناها ہے۔ اسے علی هطالهم منهم بیوتٌ روایت کیا گیا ہے۔ جوہری نے کہا: هطال پہاڑ کا نام ہے عنکبوت معروف کیڑا ہے جو ہوا میں باریک اور ہلکا سا جالا بنتا ہے۔ اس کی جمع عناکیب، عَنَاكِب، عِكَاب، عُكُب اور أَعْكُب آتی ہے اسے عَنْكَب اور عَكَنْبَاة بھی حکایت کیا جاتا ہے؛ شاعر نے کہا:

كأنما يَسقطُ من لُغَامِها بيتُ عَكَنْبَاةٍ على زِمَامِها

محل استدلال عکنباۃ ہے۔ اس کی تصغیر بنائی جاتی ہے تو عُنَيْكِب کہا جاتا ہے یزید بن میسرہ سے مروی ہے کہ عنکبوت شیطان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسخ کیا(2)۔ عطا خراسانی نے کہا: عنکبوت نے دو دفعہ جالا بنایا ایک دفعہ حضرت داؤد علیہ السلام پر جب جالوت آپ کی تلاش میں تھا اور ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وجہ سے اس کے قتل سے منع کیا گیا ہے(3)۔ حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے فرمایا: اپنے گھروں کو مکڑی کے جالوں سے پاک کرو کیونکہ گھروں میں اس کا چھوڑنا فقر کو لازم کرتا ہے۔ اور خمیر نہ دینا یہ بھی فقر لاتا ہے(4)۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ، ما یہ الذی کے معنی میں ہے۔ من یہ بعضیہ ہے۔ اگر تاکید کے لیے زائدہ ہوتا تو معنی بدل جاتا۔ معنی ہے جس کی وہ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ضعف کو جانتا ہے۔ عاصم، ابو عمرو اور یعقوب نے پڑھا یدعون یاء کے ساتھ پڑھا(5)؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ پہلے امتوں کا ذکر ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے یہ خطاب کا صیغہ ہے۔

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا یہ مثال اور اس کے علاوہ سورۂ بقرہ، سورۂ حج اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہیں۔ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ہم انہیں بیان کرتے ہیں۔ وَ مَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ اسے اللہ تعالیٰ سے آگاہی رکھنے والے ہی سمجھتے ہیں جس طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: العالم من عقل عن الله فعمل بطاعته واجتنب سخطه عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا عرفان رکھتا ہو، اس کے احکام کی طاعت کرتا ہو اور اس کی ناراضگی سے بچتا ہو(6)۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۞

"پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ بے شک اس میں (اس کی قدرت کی) نشانی ہے ایمان والوں کے لیے"۔

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 138 2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 376 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 383
4۔ ایضاً 5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 318 6۔ تفسیر بغوی

حق سے مراد عدل و انصاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنی کلام اور قدرت کے ساتھ، یہی حق ہے۔ آیۃ سے مراد علامت اور دلالت ہے۔ مومنین سے مراد تصدیق کرنے والے ہیں۔

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

''آپ تلاوت کیجئے اس کتاب کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور نماز صحیح ادا کیجئے بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے اور واقعی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اُتْلُ تلاوت اور اس کو معمول بنانے کا حکم ہے، سورۂ طٰہٰ میں اس آدمی کے لیے وعید گزر چکی ہے جو اس سے اعراض کرتا ہے کتاب کے مقدمہ میں اس پر برانگیختہ کیا گیا ہے۔ کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو ہے۔ اقامۃ الصلاۃ سے مراد نماز کو اس کے اوقات میں اس کی قراءت، رکوع، سجود، قعود، تشہد اور تمام شروط کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے، اس لیے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں جو درمیان کے گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أرأیتم لو أن نهرا باب أحدکم فیغتسل من کل یوم خمس مرات هل یبقی من درنه شیء قالوا لا یبقی من درنه شیء۔ قال فذلك مثل الصلوات الخمس یمحوا الله بهن الخطایا (1) بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس میں وہ ہر روز پانچ دفعہ غسل کرے کیا میل باقی رہ جائے گی۔ صحابہ نے عرض کی: میل میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی، فرمایا: اس کی مثل پانچ نمازیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔ امام ترمذی نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں الصلاۃ سے مراد قرآن ہے۔ معنی ہے جو قرآن نماز میں تلاوت کیا جاتا ہے وہ فحشاء، منکر، زنا اور معاصی سے روکتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی معنی میں صحیح حدیث ہے۔ ''نماز میں نے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دی ہے'' (3)۔ مراد سورۃ فاتحہ کی قراءت ہے۔ حماد بن ابی سلیمان، ابن جریج اور کلبی نے کہا: بندہ جب تک نماز میں ہوتا ہے وہ فحشاء اور منکر پر عمل نہیں کرتا، یعنی جب تک تو نماز میں ہے اس وقت تک نماز تجھے روکتی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ تو ابہام میں رکھنے والی بات ہے (4) یہ تعبیر اس روایت میں کیسے درست ہوگی جسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ انصار

1۔ جامع ترمذی، باب صلوات الخمس، جلد 2، صفحہ 110

2۔ جامع ترمذی، باب مثل صلوات الخمس، حدیث 2794، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 170　　4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 320

میں سے ایک نوجوان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا وہ فواحش اور چوری میں سے جس کا موقع پاتا اسے نہ چھوڑتا اسے کر گزرتا (1)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان الصلاۃ ستنھاہ نماز عنقریب اسے روک دے گی۔ تھوڑا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ اس نے توبہ کر لی اور اس کا حال اچھا ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں نے تم کو کہا نہیں تھا'' (2)۔

مسئلہ نمبر 3۔ آیت کی ایک تیسری تاویل بھی ہے جسے محققین نے پسند کیا ہے اور مشائخ صوفیہ نے بھی یہی کہا ہے اور مفسرین نے اس کا ذکر کیا ہے: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ سے مراد نماز پر دوام اختیار کرنا اور اس کی حدود کو قائم کرنا ہے پھر اس کے حکم سے باخبر کیا کہ نماز پڑھنے والے اور اس کی بجا آوری کرنے والے کو فحشاء اور منکر سے روکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قرآن حکیم کی تلاوت پائی جاتی ہے جو نصیحت پر مشتمل ہوتی ہے اور نماز نمازی کے تمام بدن کو مشغول رکھتی ہے جب نمازی نماز کی جگہ داخل ہوتا ہے، خشوع کرتا ہے، اپنے رب کے حضور عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور اس امر کو یاد کرتا ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور کھڑا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات اس پر مطلع ہے اور اسے دیکھ رہی ہے اس کا نفس اس کے لیے خالص ہو جاتا ہے اور مطیع ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب اس کو ڈھانپ لیتا ہے، اس کے اعضاء پر اس کی ہیبت ظاہر ہو جاتی ہے اس میں کوئی کمی نہیں آتی یہاں تک دوسری نماز کا وقت ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ بہترین حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ ان روایات کا یہی معنی و مفہوم ہے کیونکہ مومن کی نماز ایسے ہی ہونی چاہیے۔

میں کہتا ہوں: خصوصاً اگر وہ اپنے نفس کو احساس دلائے کہ اس کا یہ عمل اس کا آخری عمل بھی ہو سکتا ہے یہ مقصود میں زیادہ بلیغ اور مراد میں کامل ہو سکتا ہے۔ موت کا کوئی معین وقت نہیں، کوئی مخصوص زمانہ نہیں، کوئی معلوم مرض نہیں۔ یہ ایسی بات ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ بعض سلف صالحین سے مروی ہے کہ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ان پر کپکپی طاری ہو جاتی، ان کا رنگ زرد پڑ جاتا اس بارے میں ان سے بات کی گئی فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں، جب میں دنیا کے بادشاہوں کے سامنے کھڑا ہوں تو میرا یہ حال ہوتا ہے تو بادشاہوں کے بادشاہ کے ساتھ میرا حال کیا ہونا چاہیے۔ یہ نماز روکتی ہے خصوصاً فحشاء اور منکر سے روکتی ہے جس کی نماز جو اس کے اردگرد گھومتی ہے جس میں کوئی خشوع نہیں ہوتا، نہ نصیحت ہوتی ہے اور نہ ہی فضائل اس میں ہوتے ہیں جس طرح ہماری نماز ہوتی ہے کاش یہ جائز بھی ہو جائے تو وہ ایسی نماز ہے جو نمازی کو اس کے مقام پر ہی چھوڑے رکھتی ہے جہاں کہیں بھی وہ ہو اگر وہ نافرمانی کے راستے پر گامزن ہو، جو معصیت اس کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہے تو نماز اس کو اس حال میں چھوڑے رکھتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دوری میں آگے ہی بڑھتا جاتا ہے اس معنی میں وہ حدیث بھی ہے حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور اعمش سے مروی ہے: جس کی نماز اسے فحشاء اور منکر سے نہ روکے وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی دوری میں ہی اضافہ کرتی ہے۔

یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت حسن بصری نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایت کیا ہے اس کی سند صحیح نہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 377 2۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 2، صفحہ 447

ابن عطیہ نے کہا: میں نے اپنے باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا جب ہم نے تحقیق کی اور اس کے معنی میں غور و فکر کیا تو یہ کہنا جائز ثابت نہ ہوا کہ کوئی یہ کہے کہ نفس نماز اسے اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہے گویا یہ معصیت ہے(1)۔ جو معنی اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنے میں موثر نہیں، بلکہ یہ نماز اس کو اس کے حال اور معاصی پر چھوڑے رکھتی ہے وہ منکر ہو، فحشاء اور بعد ہو نماز اس میں اضافہ نہیں کرتی مگر اس بعد پر اسے قائم رکھتی ہے جو اس کا راستہ تھا، گویا ایسی نماز نے اسے اللہ تعالیٰ سے دور کیا جب اللہ تعالیٰ کے بعد سے اسے نہ روکا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی: فلاں آدمی کثرت سے نماز پڑھا کرتا تھا آپ نے فرمایا: یہ نماز نفع نہیں دیتی مگر اسے جو اس کی اطاعت کرے(2)۔

میں کہتا ہوں: خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث لم تزدہ من اللہ إلا بعدا کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں اضافہ کا باعث ہوتی ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ فحشاء اور منکر کے مرتکب کی نماز کی کوئی قدر و منزلت نہیں کیونکہ معاصی اس بندے پر غالب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر کے معنی میں خبر ہے، یعنی نمازی کو فحشاء اور منکر سے رک جانا چاہیے نماز بذات خود اس سے نہیں روکتی بلکہ یہ رکنے کا سبب ہے۔ یہ اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ (جاثیہ:29) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ۞ (الروم)

مسئلہ نمبر 4۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ اللہ تعالیٰ تمہیں جو ثواب عطا فرماتا ہے اور جو تمہاری ثنا فرماتا ہے وہ تمہارے ذکر، جو تم عبادت میں اور اپنی نماز میں اس کا کرتے ہو، اس سے بڑھ کر ہے، یہ بھی حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابو درداء، حضرت ابوقرہ، حضرت سلمان رضی اللہ عنہم اور حضرت حسن بصری نے کہا ہے: یہی طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کی حدیث میں نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا ذکر کرتا ہے وہ اس ذکر سے بڑھ کر ہے جو تم اس کا ذکر کرتے ہو"(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنی نماز میں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہو اور قرآن حکیم کی قراءت میں جو اس کا ذکر کرتے ہو وہ ہر شے سے افضل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر جو دوام کی صورت میں کیا جائے یہ فحشاء اور منکر سے روکنے میں نماز سے بڑھ کر ہے۔ ضحاک نے کہا: وہ چیز جو حرام ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور اس کو چھوڑ دینا یہ سب سے عظیم ذکر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے فحشاء اور منکر سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے۔ یہاں اکبر کبیر کے معنی میں ہے۔

ابن زید اور قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر شے سے بڑھ کر ہے یعنی ان تمام عبادات سے افضل ہے جس میں ذکر نہ ہو(4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا ذکر معصیت سے روکتا ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا ہو وہ اس کی موافقت نہیں کرتا۔

ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کا معنی مطلق ہے یہی انسان کو فحشاء اور منکر سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 319　2۔ ایضاً
3۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 181　4۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 140

روکتا ہے ذکر کا وہ جز جو نماز میں ہے وہ یہ عمل کرتا ہے اس طرح جو نماز کے علاوہ ہے وہ بھی یہی عمل کرتا ہے کیونکہ رکنا اس سے نہیں ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذاکر ہو اور اس پر نگاہ رکھے ہوئے ہو اس کا ثواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے یاد کرے جس طرح حدیث طیبہ میں ہے: من ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی و من ذکرنی فی ملإ ذکرتہ فی ملإ خیر منھم (1) جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اس کو دل میں یاد کرتا ہوں اور جو کسی مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ذکر ایسی مجلس میں کرتا ہوں جو ان سے بہتر ہوتی ہے۔ نماز میں جو حرکات ہیں نہی میں ان کا کوئی اثر نہیں۔ نافع ذکر وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ علم، دل کی توجہ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر امر سے فارغ ہونے کی صورت میں ہو۔ وہ ذکر جو زبان سے تجاوز نہیں کرتا تو اس کا رتبہ اور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کے ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ ہدایت اور نور علم سے اسے نوازتا ہے۔ یہ حقیقت میں بندے کا اپنے رب کے ذکر کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ: 152) آیت کا باقی ماندہ حصہ وعید اور مراقبہ پر برانگیختہ کرتا ہے۔

وَ لَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖۗ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَ مِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾

"اور (اے مسلمانو!) بحث مباحثہ نہ کیا کرو اہل کتاب سے مگر شائستہ طریقہ سے مگر وہ جنہوں نے ظلم کیا ان سے اور تم کہو: ہم ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا ہماری طرف اور اتارا گیا تمہاری طرف اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اس کے سامنے گردن جھکانے والے ہیں۔ اور (اے حبیب!) اس طرح ہم نے نازل کی آپ کی طرف کتاب پس وہ جنہیں ہم نے دی تھی کتاب (تورات) وہ ایمان لاتے ہیں قرآن پر اور صرف اہل مکہ سے بھی کئی لوگ ایمان لا رہے ہیں قرآن پر اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا مگر کفار"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ لَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ کی تعبیر میں اختلاف کیا ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ آیت محکم ہے اہل کتاب سے مجادلہ اس طریقہ سے کرنا جائز ہے جو احسن ہے مراد یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی جائے، حجج اور آیات پر آگاہ کیا جائے یہ امید رکھتے ہوئے کہ وہ ایمان کی دعوت قبول کریں گے۔ یہ مجادلہ سختی اور شدت کی صورت میں نہ ہو۔ اس تعبیر کی بنا پر معنی یہ ہوگا: اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ اس کا معنی ہے مگر وہ جو تم پر ظلم کریں۔ ورنہ ظلم کا کلمہ عام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اہل کتاب میں سے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ان کے ساتھ جھگڑا نہ کرو، جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی جو ایمان لائے۔ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ یعنی ان چیزوں میں موافقت

1۔ جامع ترمذی، ما جاء فی جامع الدعوات من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2، صفحہ 200

کرنے کے ساتھ جو وہ پہلی قوموں کی خبریں تمہیں بیان کریں اور اس طرح کے دوسرے معاملات۔ اس تاویل کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان میں سے کفر پر باقی رہیں، جس طرح بنوقریظہ، بنونضیر وغیرہم میں سے جو لوگ کفر پر ہیں اور دھوکہ کیا۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ آیت محکم ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت آیت قتال سے منسوخ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (توبہ: 29) یہ قتادہ کا قول ہے: اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے بچہ بنایا۔ اور کہا: یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ (المائدہ: 64) اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ (آل عمران: 181) یہ سب مشرک ہیں جنہوں نے جنگ کی اور جزیہ ادا نہ کیا تو ان سے انتقام لو۔ نحاس اور دوسرے علماء نے کہا: جس نے یہ استدلال کیا کہ یہ آیت منسوخ ہے تو اس نے یہ استدلال کیا کہ یہ آیت مکی ہے اس وقت تو قتال فرض ہی نہ تھا اور نہ ہی جزیہ کا مطالبہ تھا اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی اور حکم تھا۔ مجاہد کا قول اچھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ منسوخ ہیں مگر ایسی خبر کے ساتھ جو عذر کو ختم کر دے یا کوئی عقلی دلیل ہو؛ ابن عربی نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ اس کا معنی ہے مگر وہ لوگ جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ شروع کی تو ان کے ساتھ جدال تلوار کے ساتھ ہوگا یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں یا جزیہ دیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور اہل اسلام کے لیے عربی زبان میں اس کی تفسیر بیان کرتے (1)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو''۔ اور یہ کہا: اس پر ایمان لائے جو اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف نازل کیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے: اہل کتاب سے کوئی چیز نہ پوچھو وہ تمہاری صحیح رہنمائی نہیں کریں گے وہ خود گمراہ ہو چکے ہیں یا تو تم حق کو جھٹلاؤ گے یا باطل کی تصدیق کرو گے (2)۔ بخاری شریف میں ہے حمید بن عبدالرحمن نے حضرت معاویہ سے وہ مدینہ طیبہ میں موجود قریش سے روایت نقل کرتے ہیں (3) اور کعب الاحبار کا ذکر کیا: اگرچہ یہ ان میں سے سب سے سچا ہے جو اہل کتاب میں سے تم پر بیان کرتے ہیں اس کے باوجود ہم اس پر جھوٹ کو پرکھتے ہیں اور آزماتے ہیں۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾

''اور نہ آپ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ ہی اسے لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے (اگر آپ لکھ پڑھ سکتے) تو ضرور شک کرتے اہل باطل''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، جلد 2، صفحہ 1094

2۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، جلد 27، صفحہ 103

3۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تسئلوا اهل الکتاب عن شیء، جلد 2، صفحہ 1094

مسئلہ نمبر 1۔ وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ۔ قَبْلِهٖ کی ضمیر کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے جو قرآن ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس سے قبل اسے نہیں پڑھتے تھے اور اہل کتاب سے اختلاف نہیں کرتے تھے، بلکہ ہم نے اسے اعجاز کے انتہائی درجہ پر فائز فرما کر غیوب کا ضامن بنا کر اور دوسرے مقاصد کے لیے اسے نازل کیا۔ اگر آپ کتاب پڑھتے ہوتے اور حروف لکھا کرتے لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ تو اہل کتاب میں سے باطل پرست شک میں مبتلا ہو جاتے اور ان کے شک کی کوئی وجہ بھی ہوتی۔ وہ کہتے: ہم نے اپنی کتابوں میں تو اسے امی پایا ہے جو نہ لکھتا ہے اور نہ پڑھتا ہے پس یہ وہ نہیں۔ مجاہد نے کہا: اہل کتاب اپنی کتابوں میں پاتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ لکھتے ہیں اور نہ پڑھتے ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

نحاس نے کہا: یہ قریش کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل ہے کیونکہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے، نہ لکھتے اور نہ ہی اہل کتاب کے ساتھ میل جول رکھتے اور نہ ہی مکہ مکرمہ میں کوئی اہل کتاب تھا جو ان کے پاس انبیاء اور امتوں کی خبریں لاتا۔ پس ریب اور شک زائل ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ نقاش نے اس آیت کی تفسیر میں امام شعبی سے یہ ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا یہاں تک کہ آپ نے لکھا اور ابو کبشہ سلولی کی حدیث کو بھی ذکر کیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصن کا صحیفہ پڑھا اور اس کا معنی بیان کیا (1)۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ سب ضعیف ہے اور باجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول بھی اسی سے متعلق ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو صلح حدیبیہ کے متعلق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا کو فرمایا: ہمارے درمیان معاہدہ لکھو: بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله (2) مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر ہم جانتے کہ تو اللہ کا رسول ہے تو ہم آپ کی اتباع کرتے۔ ایک روایت میں تابعناك کی جگہ بایعناك کے الفاظ ہیں بلکہ لکھو محمد بن عبداللہ، حضرت علی شیر خدا کو حکم دیا کہ وہ اس کو مٹا دے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کی قسم! میں اسے نہیں مٹاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے اس کی جگہ دکھاؤ''۔ حضرت علی شیر خدا نے وہ جگہ دکھائی اور حضور نے اسے مٹا دیا۔ اور ابن عبداللہ لکھا۔ ہمارے علماء کہتے ہیں: اس کا ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسول اللہ کا کلمہ اپنے ہاتھ سے مٹایا اور اس کی جگہ ابن عبداللہ لکھا۔ امام بخاری نے اس سے بھی ظاہر روایت ذکر کی ہے۔ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوب لیا اور لکھا (3)۔ ایک اور سند سے یہ اضافہ کیا: آپ اچھی طرح نہیں لکھتے تھے۔ ایک جماعت نے کہا: اس کے ظاہر سے کتابت کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے اپنے ہاتھ سے لکھا ان میں سے سمنانی، ابوذر اور باجی ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے میں قدح کا باعث نہیں اور وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ کے خلاف نہیں اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: انا امة امية لا نكتب ولا نحسب (4) کے خلاف ہے۔ ہم ایسے لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ ہی حساب جانتے ہیں بلکہ انہوں نے اسے معجزات میں ایک اور اضافہ کے طور پر دیکھا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 322　2۔ صحیح مسلم، باب صلح الحديبية، جلد 2، صفحہ 105

3۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 452　4۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 256

ہے۔ اور آپ کی صداقت اور رسالت کی صحت پر اظہار کے طور پر دیکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے کتابت سیکھے بغیر کتابت کی اور نہ ہی اس کے اسباب کو حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور آپ کے قلم پر ایسی حرکات جاری کیں جن سے ایسے خطوط عیاں ہوتے جن کا مفہوم ابن عبداللہ تھا جس نے بھی اسے پڑھا۔ یہ عادت کے خلاف تھا۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ سیکھے اور اکتساب کے بغیر اولین و آخرین کا علم رکھتے تھے۔ یہ آپ کے معجزات میں بلیغ ترین اور فضائل میں سب سے عظیم ہے۔ اس کے ساتھ آپ سے امی کا نام زائل نہیں ہوتا، اسی وجہ سے اس حالت میں راوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہتا ہے: ولا یحسن ان یکتب آپ اچھی طرح نہیں لکھتے تھے۔ پس لکھنے کے باوجود امی کا نام باقی رہا۔

ہمارے شیخ ابو العباس احمد بن عمر نے کہا: اندلس کے کثیر فقہاء اور دوسرے علماء نے اس کا انکار کیا۔ انکار میں شدت کا اظہار کیا اور اس کے قائل کی طرف کفر کی نسبت کی ہے۔ کفر کی یہ نسبت کرنا علوم نظریہ کے نہ ہونے اور مسلمانوں کو کافر قرار دینے پر عدم آگاہی پر دلیل ہے وہ اس بات کو نہ سمجھ سکے کیونکہ مسلمان کو کافر قرار دینا اس کے قتل کی طرح ہے جس طرح صحیح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث آئی ہے خصوصاً ایسے آدمی پر ایسا الزام دینا جس کے فضل، علم اور امامت پر لوگ گواہی دیتے ہوں کہ یہ مسئلہ قطعی نہیں بلکہ جس پر انحصار ہے وہ اخبار احاد صحیحہ کا ظاہر ہے مگر عقل اس کو محال قرار نہیں دیتی شریعت میں بھی کوئی ایسی قطعی دلیل نہیں جو اس کے وقوع کو محال قرار دے۔

میں کہتا ہوں: بعض متاخرین نے کہا: جس نے یہ کہا یہ خارق للعادۃ امر کی نشانی ہے تو اسے کہا جائے گا: یہ ایسی نشانی ہوتی جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اگر یہ کسی اور آیت کے مناقض نہ ہوتی وہ یہ ہے کہ آپ امی ہیں آپ لکھتے نہیں آپ کے امی امت میں امی ہونے سے حجت قائم ہو جاتی ہے، انکار کرنے والوں کو خاموش کرایا جا سکتا ہے اور شبہ ختم ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کیسے آپ کے ہاتھ کو یہ موقع دیتا کہ وہ لکھے اور ایک علامت بنے آیت تو یہ ہوتی وہ ہاتھ نہ لکھتا۔ معجزات کے بارے میں یہ محال ہے کہ وہ ایک دوسرے کا مقابلہ کریں۔ کتب واخذ القلم کا معنی ہے آپ نے اپنے کاتبوں میں سے کسی کو حکم دیا کہ وہ لکھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چھبیس کاتب تھے۔

مسئلہ نمبر 3۔ قاضی عیاض نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں لکھا کرتے تھے (1) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: الق الدواۃ وحرف القلم واقم الباء وفرق السین ولا تعور المیم وحسن اللہ ومد الرحمن وجود الرحیم دوات رکھو اور قلم کو باریک کرو، باء کو لمبا کر کے لکھو، سین دندانے دار لکھو اور میم کو کانا کر کے نہ لکھو، اللہ کو خوبصورت لکھو، رحمن کو مد سے لکھو اور رحیم کو عمدگی سے لکھو۔

قاضی عیاض نے کہا: اس چیز کو ذہن نشین کر لو، اگرچہ یہ روایت ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ یہ کوئی بعید نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم دیا گیا ہو اور قراءت کتابت سے آپ کو روک دیا گیا ہو۔

میں کہتا ہوں: اس باب میں یہی صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں لکھا ایک حرف بھی نہیں لکھا آپ نے کاتب کو لکھنے کا حکم

1۔ صحیح مسلم، کتاب الدجال، جلد 2، صفحہ 400

دیا اسی طرح آپ نے (کسی صحیفہ کو) نہیں پڑھا اور نہ ہی ہجے کیے۔ اگر یہ کہا جائے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا تو آپ نے ہجے کیے فرمایا: "اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ک، ا، ف، ر (1)؟ جب کہ تم کہتے ہو کہ معجزہ اس صورت میں قائم ہے کہ آپ امی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا امة امية لا نكتب ولا نحسب ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب جانتے ہیں تو پھر یہ کس طرح؟ اس کا جواب وہ چیز ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ کی حدیث میں بیان کی ہے حدیث قرآن کی طرح ہے جس کا بعض بعض کی تفسیر بیان کرتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: "اسے ہر مومن کاتب اور غیر کاتب پڑھتا ہے" (2)۔ اس میں غیر کاتب جو امیوں میں سے ہے پر نص قائم کی ہے جو امر جلی ہے اس میں یہ سب سے واضح ہے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

"بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں جو ان کے سینوں میں محفوظ ہیں جنہیں علم دیا گیا اور ظالموں کے بغیر ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کر سکتا"۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ اس سے مراد قرآن ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: فراء نے حضرت عبد اللہ کی قراءت میں گمان کیا ہے بل هي آيات بينات معنی ہے بلکہ قرآن کی آیات، آیات بینات ہیں (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کی مثل هٰذَا بَصَآىِٕرُ (الاعراف: 203) ہے اگر یہ جائز ہے تو اس کی مثل هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ (الکہف: 98) بھی جائز ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس امت کو حفظ کی صلاحیت سے نوازا گیا اس امت سے پہلے کے لوگ اپنی کتابوں کو دیکھ کر ہی پڑھا کرتے تھے۔ جب وہ اسے بند کرتے تو سوائے انبیاء کے کوئی انہیں یاد رکھنے والا نہ ہوتا۔ حضرت کعب نے اس امت کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا: یہ علماء و حکماء ہیں اور فقہ میں انبیاء ہیں۔ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی یہ قرآن اس طرح نہیں جس طرح باطل پرست کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے یا شعر ہے بلکہ یہ ایسی علامات اور دلائل ہیں جن کی مدد سے اللہ کا دین، اس کے احکام کی پہچان ہوتی ہے۔

یہ ان لوگوں کے سینوں میں اس طرح ہے جن کو علم عطا کیا گیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور مومنین ہیں وہ اسے یاد کرتے ہیں اور پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے علم سے صفت بیان کی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے ذہنوں سے اللہ تعالیٰ کے کلام، انسانوں اور شیاطین کے کلام میں امتیاز کیا ہے۔ قتادہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ھو ضمیر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مراد اہل کتاب ہیں جو اپنے ہاں کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت ہے آپ امی ہیں نہ پڑھتے ہیں اور نہ ہی لکھتے ہیں، لیکن انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور انہوں نے بات کو چھپا دیا، یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ اس قول کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت اور ابن سمیقع کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الدجال، جلد 2، صفحہ 400

2۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، من معجزاته الباهرة، جلد 1، صفحہ 506　　3۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 10

قراءت ہے بل هذا آیات بینات حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیات تھے ایک آیت نہ تھے کیونکہ آپ دین کے معاملہ میں آیات کثیرہ پر دلالت کرتے تھے، اسی وجہ سے فرمایا: بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ آیات بینات والے ہیں تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ، ظالمون سے مراد کفار ہیں کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور جو پیغام حق آپ لائے اس کا انکار کیا۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَ لَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ شَهِیْدًا ۚ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

''اور انہوں نے کہا: کیوں نہ اتاری گئیں ان پر نشانیاں ان کے رب کی طرف سے۔ آپ فرمایئے: نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اتاری ہے کتاب جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے مومنوں کے لیے۔ آپ فرمایئے: کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ، وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں باطل پر اور انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا وہی لوگ گھاٹے میں ہیں''۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ یہ مشرکوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قول ہے۔ اس کا معنی ہے ان پر ایسی آیت کیوں نازل نہیں ہوئی جیسی آیات انبیاء پر نازل ہوئیں؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے کا معجزہ دیا گیا۔ قُلْ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں کہہ دیجئے۔ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ معجزات تو اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو لاتا ہے، جب چاہتا ہے انہیں بھیج دیتا ہے یہ میرے قبضہ میں تو نہیں۔

وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ابن کثیر، ابوبکر، حمزہ اور کسائی نے آیۃ پڑھا (1)۔ باقی قراء نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے؛ یہ ابوعبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قل انما الآیات عند اللہ۔

اَوَ لَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْ یہ ان کے قول: لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ کا جواب ہے کیا مشرکوں کے لیے آیات میں سے یہ معجزہ کتاب کافی نہیں جس کے ساتھ آپ نے انہیں چیلنج کیا کہ وہ اس کی مثل لے آئیں یا اس کی ایک سورت کی مثل لے آئیں تو وہ عاجز آ گئے۔ اگر آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام والے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 322

معجزات لے آتے تو وہ کہتے: یہ جادو ہے اور ہم جادو کو نہیں پہچانتے۔ کلام ان کی قدرت میں تھی اس کے باوجود وہ معارضہ سے عاجز آ گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس آیت کا سبب نزول وہ روایت ہے جسے ابوعیینہ نے عمرو بن دینار سے وہ حضرت یحییٰ بن جعدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ آپ کے ہاتھ میں کتاب تھی فرمایا: ''کسی قوم کی گمراہی کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اس چیز سے اعراض کرے جو ان کا نبی ان کے پاس لایا اور اس چیز کی طرف رغبت کریں جسے ان کے نبی کے علاوہ کوئی اور نبی لایا ہے یا اس کی طرف رغبت کریں جو ان کی کتاب کے علاوہ کوئی اور کتاب لائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا'' (1)۔ اسے ابو محمد دارمی نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔

اہل تفسیر نے اسے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اسی کی مثل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا: ''اگر حضرت موسیٰ بن عمران زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری پیروی کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوتا'' (2)۔ اس کی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن کے ساتھ غیر سے غنی نہ ہوا''۔ یعنی اس کے ساتھ غیر سے مستغنی نہ ہوا۔ امام بخاری کی اس آیت کی تفسیر میں یہی تاویل ہے۔ جب قرآن کے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں رب العالمین کی طرف سے ملتی ہیں تو کتاب کے کلام میں جو کچھ ہے اس کو کثرت سے پڑھو اس (قرآن) کو چھوڑ کر غیر کی طرف رغبت کرنا گمراہی، خسارہ اور دھوکہ اور نقصان ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ، ذلك سے مراد قرآن ہے، لَرَحْمَةً دنیا اور آخرت میں رحمت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دنیا میں رحمت ہے کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو گمراہی سے بچایا ہے۔ وَّ ذِكْرٰی دنیا میں نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے ان کی حق کی طرف رہنمائی کی۔ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ شَهِیْدًا جو لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں ان سے کہہ دیجئے: اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے میں جو دعویٰ کرتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ قرآن اس کی کتاب ہے وہ میری صداقت کی گواہی دیتا ہے۔ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اس پر کوئی شے مخفی نہیں۔ یہ ان کے خلاف استدلال ہے تو اس نے ان کے بارے میں جو گواہی دی ہے وہ صحیح ہے کیونکہ وہ اس کے علم کا اقرار کرتے ہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی گواہی کا بھی اقرار کریں۔ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ یحییٰ بن سلام نے کہا: باطل سے مراد ابلیس ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بتوں کی عبادت ہے؛ یہ ابن شجرہ نے کہا ہے وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ کیونکہ وہ اس کے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور اس کی کتابوں کو جھٹلاتے ہیں اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفر سے مراد جو انہوں نے بتوں کو اس کا شریک ٹھہرایا اور اس کی طرف اولاد اور اضداد کو منسوب کیا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ وہ آخرت میں اپنی ذاتوں اور اپنے اعمال میں خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔

وَ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ لَوْ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَ لَیَاْتِیَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِیْطَةٌ

1۔ سنن دارمی، من لم یر کتابۃ الحدیث، جلد 1، صفحہ 102، حدیث نمبر 484

2۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 338 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 289 4۔ ایضاً

بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَ يَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

''وہ آپ سے جلدی عذاب نازل ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو آ جاتا ان پر عذاب اور (اپنے وقت پر) وہ ان پر اچانک آئے گا اور انہیں ہوش تک نہ ہوگا۔ وہ آپ سے جلدی عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں (ذرا سی دیر ہے) جہنم یقیناً گھیر لے گا ان کافروں کو جس دن ڈھانپ لے گا انہیں عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: لو اب چکھو اپنے کرتوتوں کا مزہ''۔

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے انکار کی زیادتی کے طور پر کہا: وہ عذاب ہم پر جلدی لے آیئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات کہنے والا النضر بن حارث اور ابوجہل تھا۔ دونوں نے کہا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (الانفال: 32) اور ان کا یہ کہنا: رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ (ص)

اللہ کا فرمان: وَ لَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى اگر عذاب کے نازل ہونے میں معین وقت نہ ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ہے جو میں نے تم سے وعدہ کیا کہ میں تیری قوم کو عذاب نہ دوں گا اور قیامت تک انہیں مہلت دوں گا۔ اس کی وضاحت اس ارشاد میں ہے: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ (القمر: 46) ضحاک نے کہا: یہ دنیا میں ان کی عمروں کی مدت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اجل مسمی سے مراد نفخہ اولیٰ ہے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ وقت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت اور ان کے عذاب کے لیے مقدر کیا ہے؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ غزوۂ بدر کے موقع پر قتل ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے ہر عذاب کے لیے ایک اجل مقرر ہے نہ وہ پہلے ہوگی اور نہ ہی موخر ہوگی، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ (الانعام: 67) لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ یعنی وہ عذاب جس کی وہ جلدی مچاتے تھے وہ انہیں آ پہنچے گا۔ وَ لَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً اس کا معنی اچانک ہے۔ وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ جب عذاب ان پر نازل ہوگا تو وہ اس کا علم نہ رکھیں گے۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ جو آپ سے عذاب کے جلد لانے کا مطالبہ کرتے ہیں جب کہ ان کے لیے جہنم تیار کی گئی ہے وہ انہیں ہر حال میں گھیرے گی، تو پھر جلدی مچانے کا کیا فائدہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ یہ آیت حضرت عبداللہ بن ابی امیہ اور اس کے مشرک ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے یہ کہا تھا: اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا (الاسراء: 92)

يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا تعلق ماقبل کلام سے ہے یعنی جس روز انہیں عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے آ پہنچے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب انہیں ڈھانپ لے گا تو جہنم ان کو گھیر لے گی۔ وَ مِنْ تَحْتِ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 290

اَرْجُلِهِمْ فرمایا: یہ مقاربہ کے لیے ہے ورنہ غشیان عموماً اوپر سے ہوتا ہے؛ جس طرح شاعر نے کہا:

عَلَفْتُهَا تِبْنًا وماءً ا بارِدا

میں نے اسے گھاس کھلائی اور ٹھنڈا پانی پلایا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لقد كان قوادَ الجيادِ إلى العِدَا　　عليهن غابٌ من قَنًى ودروع

دشمن کی طرف جانے والے گھوڑوں کی قیادت کرنے والوں پر نیزوں اور زرہوں کا جنگل تھا۔

وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا اہل مدینہ اور اہل کوفہ نے نقول پڑھا۔ باقی قراء نے یاء کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ الله تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ (الرعد: 43) یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ملک موکل انہیں کہے: ذوقوا دونوں قرائتیں ایک ہی معنی کی طرف راجع ہیں، یعنی فرشتہ ہمارے حکم سے کہے گا: تم چکھو۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۞ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۞ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۤ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞

"اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے ہو! میری زمین بڑی کشادہ ہے سو تم میری عبادت کیا کرو۔ ہر ایک موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر ہماری طرف ہی تم لوٹائے جاؤ گے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہیں ہم ٹھہرائیں گے جنت کے بالا خانوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے کتنا عمدہ صلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا وہ جنہوں نے (ہر حال میں) صبر کیا اور صرف اپنے رب پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں اور کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق الله تعالیٰ رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمہیں بھی اور وہ سب باتیں سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ یہ آیت نازل ہوئی تا کہ جو مومن مکہ مکرمہ میں ہیں انہیں ہجرت پر پرانگیختہ کیا جائے، یہ مقاتل اور کلبی کا قول ہے (1)۔ الله تعالیٰ نے انہیں اپنی زمین کی وسعت کی خبر دی اور یہ بتایا کہ ایسے علاقہ میں رہنا جہاں کفار کی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑے یہ درست نہیں، بلکہ درست یہ ہے کہ وہ الله تعالیٰ کے صالح بندوں کے ساتھ اس کی زمین میں الله تعالیٰ کی عبادت کو تلاش کرے یعنی اگر تمہیں ایمان کے اظہار میں تنگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو مدینہ کی طرف

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 383

ہجرت کر جاؤ وہ وسیع ہے کیونکہ وہاں توحید کا اظہار کرنا ممکن ہے۔ ابن جبیر اور عطا نے کہا: جہاں بھی ظلم اور منکر ہو وہاں اس آیت کا حکم مرتب ہوگا اور ایسے ملک کی طرف ہجرت کرنا لازم ہوگا جہاں حق ہو؛ یہ امام مالک کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: میری زمین وسیع ہے پس ہجرت کر جاؤ اور جہاد کرو۔ مطرف بن شخیر نے کہا: معنی ہے میری رحمت وسیع ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: میرا رزق تمہارے لیے وسیع ہے اسے زمین میں تلاش کرو۔ سفیان ثوری نے کہا: جب تو ایسے علاقے میں ہو جہاں مہنگائی ہو تو اس کے علاوہ کسی ایسے علاقہ کی طرف ہجرت کر جاؤ جہاں تیرا تھیلا ایک درہم کے بدلے میں روٹیوں سے بھر جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے میری زمین جو جنت کی زمین ہے وہ وسیع ہے۔

فَاعْبُدُوْنِ میری عبادت کرو تا کہ میں تمہیں اس کا مالک بنا دوں۔ فَاِيَّایَ فَاعْبُدُوْنِ، ایای یہ فعل مضمر کے ساتھ منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے فاعبدوا ایای فاعبدون یہ ایک فعل کی وجہ سے دوسرے فعل سے مستغنی ہوگیا۔ فایای میں فاء شرط کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: ان ضاق بکم موضع فایای فاعبدون فی غیرہ لأن أرضی واسعۃ۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ یہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ یہاں اسے ذکر کیا یہ دنیا کے امر اور اس کے خوف کو حقیر ثابت کرنے کے لیے ہے، گویا بعض مومنوں نے انجام کے بارے میں یہ سوچا کہ اپنے وطن مکہ سے نکلنے میں یہ ہوسکتا ہے کہ وہ مر جائے، اسے بھوک آئے یا اس طرح کی کوئی مصیبت آ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے معاملہ کی حقارت بیان کی، یعنی تم لامحالہ مرو گے اور ہماری طرف اٹھائے جاؤ گے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کی طرف ہجرت اور اس کے احکام کی بجا آوری کی طرف جلدی کرنی چاہیے۔ پھر ان مومنوں سے وعدہ کیا جو عمل کرتے ہیں کہ انہیں جنت میں رہائش دی جائے گی مقصود اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں برانگیختہ کرنا ہے اس جزا کا ذکر کیا جس کو وہ پائیں گے پھر اس ارشاد کے ساتھ ان کی صفت بیان کی: الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ابو عمر، یعقوب، جحدری، ابن اسحاق، ابن محیصن، اعمش، حمزہ، کسائی اور خلف نے یا عبادی یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا۔ باقی قراء نے اس یاء کو فتحہ دیا۔ اِنَّ اَرْضِیْ ابن عامر نے اسے فتحہ دیا اور باقی نے یاء کو سکون دیا۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من فر بدینہ من أرض إلی أرض ولو قید شبر استوجب الجنۃ وکان رفیق محمد وابراھیم علیھما السلام (1) جو اپنے دین کو بچانے کی خاطر ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف بھاگے اگرچہ بالشت بھر ہی ہو تو وہ جنت کا مستحق بن جاتا ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رفیق ہوگا۔

ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ سلمی اور ابوبکر نے عاصم سے یہ قراءت نقل کی۔ یرجعون یعنی یاء کے ساتھ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا بعض نے یہ اشعار پڑھے:

الموتُ فی کلِّ حینٍ یَنشُدُ الکَفنَا　و نحن فی غفلۃٍ عمّا یُرادُ بِنَا

1۔ تفسیر کشاف

لا تَرکَنَنَّ إلی الدّنیا وزَهرتِها　　وان تَوشَّحتَ من أثوابها الحَسَنَا

أین الأحبۃُ والجیرانُ ما فَعَلُوا　　أین الذین هُمُو کانوا لها سَکَنَا

سقاهُمُ الموتُ کأسًا غیرَ صافیۃٍ　　صیّرهم تحت أطباقِ الثّرَی رُهُنَا

موت ہر لحہ کفن کا ذکر کرتی ہے اور ہمارے بارے میں جو ارادہ کیا جا رہا ہے ہم اس سے غافل ہیں۔ تو دنیا اور اس کی ترو تازگی کی طرف مائل نہ ہو اگرچہ تو اس سے اچھے کپڑے زیب تن کیے ہوئے ہو۔ محبوب اور پڑوسی کہاں ہیں انہوں نے جو کچھ کیا وہ کہاں ہیں جن کے یہ مکانات تھے۔ موت نے انہیں ایسا جام پلا دیا جو صاف نہ تھا موت نے انہیں مٹی کے نیچے رہن رکھ دیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا حضرت ابن مسعود، اعمش، یحییٰ بن وثاب، حمزہ اور کسائی نے لَنُثْوِيَنَّهُمْ باء کی جگہ ثاء کے ساتھ قراءت کی ہے (1) اس سے مراد اقامت ہے یعنی ہم انہیں ایسے کمرے عطا کریں گے جس میں یہ قیام کریں گے۔ رویس نے یعقوب، جحدری اور سلمی سے لَيُبَوِّئَنَّهُمْ نون کی جگہ یاء کے ساتھ قراءت کی ہے۔ باقی قراء نے نون کے ساتھ قراءت کی ہے یعنی ہم انہیں ٹھہرائیں گے۔ غرفا یہ غرفۃ کی جمع ہے اس سے مراد بالائی کمرہ ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جنتی اہل غرف کو اپنے اوپر یوں دیکھیں گے جس طرح تم روشن ستارہ دیکھتے ہو جو مشرق و مغرب کے افق میں باقی ماندہ دیکھتے ہو“ (2)۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ انبیاء کی منازل ہیں کوئی اور ان تک نہیں پہنچ سکتا؟ فرمایا: ”کیوں نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی“۔

امام ترمذی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جنت میں بالا خانے ہیں جن کے باہر والے حصے اندر سے اور اندر والے حصے باہر سے دکھائی دیتے ہیں“ (3)۔ ایک بدو اٹھا، عرض کی: یا رسول اللہ! یہ کن کے لیے ہوں گے؟ فرمایا: ”یہ ان کے لیے ہوں گے جو اچھی گفتگو کرے، کھانا کھلائے، ہمیشہ روزے رکھے اور راتوں کو نماز پڑھے، جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں“۔ ہم نے کتاب ”تذکرۃ“ میں کچھ زائد چیزیں ذکر کی ہیں؛ الحمد للہ۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ واحدی نے یزید بن ہارون سے وہ حجاج بن منہال سے وہ زہری یعنی عبد الرحمن بن عطا سے وہ عطا سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گرا ہوا پھل چننے لگے، اس سے کھانے لگے۔ فرمایا: ”اے ابن عمر! تجھے کیا ہو گیا ہے تو کھاتا نہیں؟“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے طلب نہیں۔ فرمایا: ”لیکن مجھے طلب ہے یہ چوتھی صبح ہے میں نے کھانا چکھا تک نہیں اگر میں چاہتا تو اپنے رب سے دعا کرتا تو وہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 324　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمها واهلها، جلد 2، صفحہ 378

3۔ جامع ترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ، جلد 2، صفحہ 75

مجھے قیصر و کسریٰ کے ملک جیسا ملک عطا کر دیتا، اے ابن عمر! تیرا کیا حال ہو گا جب تو ایسی قوم میں باقی رہے گا جو سال بھر کا رزق چھپا کر رکھیں گے اور یقین ان کا کمزور ہو گا"۔ فرمایا: تھوڑا وقت بھی نہیں گزر رہا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی: وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ ۖ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

میں کہتا ہوں: یہ روایت ضعیف ہے اس کو ضعیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے لیے سال بھر کا رزق ذخیرہ کرتے۔ امام بخاری اور امام مسلم اس پر متفق ہیں۔ صحابہ کرام بھی ایسا کیا کرتے تھے جب کہ وہ مقتدی تھے، اہل یقین تھے اور بعد میں آنے والے متقین اور متوکلین کے امام تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں مومنین سے فرمایا جب مشرکوں نے انہیں اذیتیں دیں: "مدینہ طیبہ کی طرف نکل چلو، ہجرت کرو اور ظالموں کے پڑوس میں نہ رہو"۔ عرض کی: وہاں ہمارا کوئی گھر نہیں، کوئی جانتا نہیں اور نہ ہی وہاں ہمارا کوئی ایسا رشتہ دار ہے جو ہمیں کھانا کھلائے اور ہمیں پانی پلائے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ یعنی اس کے پاس ذخیرہ کیا ہوا رزق نہیں ہوتا، اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارا دار ہجرت میں رزق عطا فرمائے گا؛ یہ پہلے قول سے زیادہ مشابہ ہے۔ کأین کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ یہ ای ہے اس پر کاف تشبیہ داخل ہے اور اس میں کم کا معنی پیدا ہو گیا ہے۔ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک اس کی تقدیر عدد کی طرح ہے، یعنی چوپاؤں میں سے کثیر تعداد۔ مجاہد نے کہا: یعنی پرندے اور چوپائے جو اپنے منہ سے کھاتے ہیں اور کوئی چیز اٹھا کر نہیں لاتے (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اس وقت ہی کھاتے ہیں اور کل کے لیے ذخیرہ نہیں کرتے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لا تحمل رزقها وہ اپنے رزق پر قادر نہیں اللہ یرزقها جہاں بھی جائیں اللہ تعالیٰ انہیں رزق عطا فرماتا ہے وہ تمہیں بھی رزق عطا فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: حمل، حمالہ کے معنی میں ہے۔ نقاش نے حکایت بیان کی ہے: مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے آپ کھاتے اور ذخیرہ نہ کرتے (3)۔

میں کہتا ہوں: یہ تعبیر کچھ بھی نہیں کیوں کہ دابہ کا لفظ مطلق ہے عرف میں اس کا استعمال آدمی پر نہیں ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے ہو گا؟ سورۃ النمل میں یہ بحث گزر چکی ہے؟ وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ (النمل: 82) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: دواب سے مراد ہر وہ حیوان ہے جو رینگتے ان میں سے انسان، چیونٹی اور چوہے کے سوا کوئی بھی خوراک کا ذخیرہ نہیں کرتا۔ بعض لوگوں سے یہ مروی ہے کہ میں نے بلبل کو دیکھا وہ اپنے دامن میں ذخیرہ کر رہی تھی۔ عقعق کو مخابئ کہا جاتا ہے مگر وہ اسے بھول جاتا ہے۔

اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ حریص اور جو رزق میں توکل کرتا ہے، رغبت کرنے والے اور قانع، حیلہ کرنے والے اور عاجز میں برابری کرتا ہے تاکہ محنت کرنے والا دھوکہ میں مبتلا نہ ہو جائے کہ وہ اپنی کوشش کی وجہ سے رزق دیا جائے گا اور عاجز تصور نہ کرے کہ عجز کی وجہ سے اسے رزق سے روک دیا جائے گا۔ صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: لو انکم توکلون علی اللہ حق توکله لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا و تروح بطانا اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے جس طرح توکل کرنے کا حق تھا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 293　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

تو وہ تمہیں رزق دیتا جس طرح وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے وہ صبح خالی پیٹ جاتے ہیں اور بھرے پیٹ واپس آتے ہیں۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وہ تمہاری دعا اور قول کو سنتا ہے کہ ہم مدینہ طیبہ میں ایسی کوئی چیز نہیں پاتے جس کو ہم خرچ کریں اور تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے بھی جانتا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾

''اور (اے حبیب!) اگر آپ پوچھیں ان (مشرکوں) سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور کس نے فرمانبردار بنایا ہے سورج اور چاند کو تو وہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پھر وہ کہاں توحید سے پھرے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ جب مشرکوں نے مسلمانوں کو فقر کی عار دلائی اور کہا: اگر تم حق پر ہوتے تو تم فقراء نہ ہوتے یہ ملمع سازی تھی۔ کفار میں بھی فقراء تھے اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو زائل فرمایا۔ اس طرح اس کا قول جس نے یہ کہا: اگر ہم ہجرت کریں تو ہم ایسی کوئی چیز نہ پائیں جس کو ہم خرچ کریں، یعنی جب تم نے اس چیز کا اعتراف کرلیا کہ اللہ تعالیٰ ان اشیاء کا خالق ہے تو تم رزق میں کیسے شک کرتے ہو جس کے قبضۂ قدرت میں کائنات کی تخلیق ہے تو وہ بندے کو رزق دینے سے عاجز نہیں۔ اسی وجہ سے اپنے اس ارشاد کے ساتھ اس کو ملایا ہے: اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ۔ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ تم کیسے میری توحید کا انکار کرو گے اور میری عبادت سے پھرو گے؟ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ یعنی ایمان اور کفر کے ساتھ رزق کا امر مختلف نہیں ہوتا رزق میں وسعت اور اس میں کمی اس کی جانب سے ہے اس لیے فقر کی وجہ سے عار نہیں دلائی جاسکتی۔ ہر شے قضا و قدر کے ساتھ ہے اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ وہ تمہارے احوال اور امور سے آگاہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مال میں کمی یا وسعت جو مناسب ہے اس کے بارے میں وہ جانتا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

''اور اگر آپ پوچھیں ان سے کہ کس نے اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کر دیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے بنجر بن جانے کے بعد تو ضرور کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے، آپ فرمائیے: الحمد للہ (حق واضح ہوگیا) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں، اور نہیں یہ دنیوی زندگی مگر لہو و لعب اور دار آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جسے موت

نہیں) کاش! وہ اس حقیقت کو جانتے''۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً یعنی بادل سے بارش۔ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا اس کو خشک سالی اور اس کے اہل کے قحط میں مبتلا ہونے کے بعد۔

لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ یعنی جب تم نے اس کا اقرار کر لیا تو تم اس کے ساتھ کیوں شرک کرتے ہو اور دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہو۔ جب وہ اس پر قادر ہے تو مومنوں کو غنی کرنے پر بھی قادر ہے تو تاکید کے لیے اسے مکرر ذکر کیا۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ یعنی اس کی قدرت پر جو دلائل اور براہین واضح کیے گئے اس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لیکن اکثر ان دلائل میں تدبر نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اقرار کیا اس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پانی کے نازل کرنے اور زمین کو زندہ کرنے پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

وَ مَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ یعنی دنیاوی زندگی ایسی چیز ہے جس کے ساتھ لہو ولعب کیا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اغنیاء کو جو دنیا عطا فرماتا ہے وہ ایسی چیز ہے جو زائل ہو جاتی ہے جس طرح کھیل کود اس کی کوئی حقیقت نہیں اس میں کوئی ثبات نہیں۔ بعض نے کہا: دنیا اگر تیرے لیے باقی رہی تو تو اس کے لیے باقی نہیں رہے گا۔ یہ اشعار پڑھے:

تروحُ لنا الدنیا بغیرِ الذی غَدَتْ و تَحدثُ من بعدِ الأمور أمورُ

وتجرِی اللیالی باجتماعٍ وفُرقةٍ وتطلُعُ فیها أنجمٌ و تَغورُ

فمن ظنّ أنّ الدهر باقٍ سرورہ فذاكَ محالٌ لا یَدُومُ سرورُ

عَفَا اللهُ عمّن صَیَّرَ الهمَّ واحدًا وأیقن أن الدائراتِ تَدورُ

دنیا شام کو ہمارے لیے ایسی چیز لاتی ہے جو اس کے برعکس ہے جس کو صبح لائی تھی اور اس کے بعد نئے امور جنم لیتے ہیں۔ راتیں اجتماع اور فرقت کے ساتھ رواں رہتی ہیں اور اس میں ستارے طلوع ہوتے ہیں اور چھپ جاتے ہیں جس نے یہ گمان کیا کہ زمانے کی خوشی باقی رہنے والی ہے یہ محال ہے اس کی خوشی ہمیشہ نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے جس نے غم ایک ہی بنا لیا ہے اور اس نے یقین کر لیا ہے کہ حادثات گردش کرتے رہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ سب کچھ امور دنیا کے متعلق ہے وہ مال ہو، جاہ وحشمت ہو، ضرورت سے زائد لباس ہو، وہ ضرورت جس پر زندگی کا انحصار ہے اور طاعات پر قوت ہے ان میں سے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں تو وہ آخرت کی چیزوں میں سے ہیں وہ باقی رہیں گی، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّ یَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۟ (الرحمن) یعنی جس کے ساتھ اس کے لیے ثواب اور رضا کو چاہا جاتا ہے۔ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ یعنی باقی رہنے والی زندگی کا گھر جو نہ زائل ہو اور نہ اس میں موت آئے۔ ابوعبیدہ نے گمان کیا ہے: حیوان، حیاۃ اور حیی جب حاء کے کسرہ کے ساتھ ہو تو سب ایک معنی میں ہیں (1)۔ جس طرح فرمایا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 293

قد تری إذ الحیاۃ حیی

تو جانتا ہے کہ حیاۃ حی (زندگی) ہے۔ دوسرے علماء کہتے ہیں: حی یہ جمع کا صیغہ ہے فعول کے وزن پر ہے جس طرح عصی۔ حیوان کا لفظ ہر زندہ چیز پر واقع ہوتا ہے۔ حیوان جنت میں ایک چشمہ بھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حیوان کی اصل حَیَیَان ہے ایک یاء کو واؤ سے بدل دیا کیونکہ دو حرف ایک جنس کے اکٹھے آئے ہیں۔ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ کاش وہ جانتے کہ یہ اس طرح ہے۔

فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ ۚۙ وَ لِیَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

''پھر جب سوار ہوتے ہیں کشتی میں تو دعا مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے خاص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے ذہن کو، پھر جب وہ سلامتی سے پہنچا تا ہے انہیں خشکی پر تو اسی وقت وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔ وہ ناشکری کر لیں جو نعمت ہم نے انہیں دی اور لطف اٹھالیں (اس سے) وہ عنقریب جان لیں گے (حقیقت کو)''۔

فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْكِ، فلک سے مراد کشتیاں ہیں جب وہ کشتیوں میں سوار ہوئے اور انہیں غرق ہونے کا خوف ہوا۔ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ اپنی نیتوں میں صادق بنتے ہوئے انہوں نے دعا کی بتوں کی عبادت اور ان کے پکارنے کو چھوڑا فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ جب اللہ تعالیٰ انہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اوروں کو پکارتے ہیں جب کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا شرک یہ ہے کہ ان میں سے ایک قائل یہ کہتا ہے: لولا اللہ والرئیس الملاح لغرقنا اگر اللہ، رئیس یا ملاح نہ ہوتا تو ہم غرق ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو نجات عطا فرمائی ہے اس کے فعل کو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان تقسیم کرتے ہیں۔

لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ ۚۙ وَ لِیَتَمَتَّعُوْا ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں دونوں لام لام کی ہیں، مراد ہے لکی یکفروا ولکی یتمتعوا ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ تا کہ ان کے شرک کا ثمرہ یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کریں اور دنیا سے لطف اندوز ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لام امر ہیں جس کا معنی تہدید اور وعید ہے یعنی ہم نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں اور تمہیں جو سمندر سے نجات عطا فرمائی ہے اس کا انکار کرو۔ اس کی دلیل حضرت ابی کی قراءت وتمتعوا ہے۔ ابن انباری نے کہا: اعمش، نافع اور حمزہ کی قراءت اس کو قوت بہم پہنچاتی ہے۔ وہ ولیتمتعوا لام کے جزم کے ساتھ ہے۔ نحاس نے کہا: ولیتمتعوا لام کی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لام امر ہو کیونکہ لام امر میں اصل کسرہ ہے، مگر یہ ایسا امر ہے جس میں تہدید کا معنی پایا جاتا ہے۔ جس نے ولیتمتعوا لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اس نے اسے لام کی نہیں بنایا، کیونکہ لام کی ساکن پڑھنا جائز نہیں۔ یہ ابن کثیر، مسیبی، قالون کی نافع سے، حمزہ، کسائی اور حفص کی عاصم سے روایت ہے باقی قراء نے لام کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی

ہے۔ ابو العالیہ نے لیکفروا بما آتیناھم فتمتعوا فسوف تعلمون قراءت کی اس میں تہدید اور وعید ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ ۝ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْكٰفِرِیْنَ ۝

”کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ اچک لیا جاتا ہے لوگوں کو ان کے آس پاس سے کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگایا یا حق کو جھٹلایا جب وہ اس کے پاس آیا، کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانا کفار کے لیے“۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا عبد الرحمن بن زید نے کہا: حرم سے مراد مکہ مکرمہ ہے وہ قریش ہیں مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں امن دیا(1)۔ وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ضحاک نے کہا: وہ ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو قیدی بنا لیتے ہیں(2)۔ خطف کا معنی تیزی سے اچک لینا ہے۔ سورۂ قصص اور دوسری صورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ نعمت یاد دلائی تاکہ وہ اس کی اطاعت بجالائیں یعنی میں نے ان کے لیے امن والا حرم بنایا جس میں وہ قید، غارت گری اور قتل سے امن میں ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں خشکی میں نجات عطا فرمائی ہے جس طرح سمندر میں انہیں نجات عطا فرمائی۔ وہ خشکی میں شرک کرتے ہیں اور سمندر میں شرک نہیں کرتے؛ یہ ان کے احوال کے تناقص پر تعجب کا اظہار ہے۔ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ قتادہ نے کہا: باطل سے مراد شرک ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: باطل سے مراد ابلیس ہے وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ(3)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نعمت سے مراد عافیت ہے۔ ابن شجرہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا احسان اور عطا مراد ہے(4)۔ ابن سلام نے کہا: اس سے مراد وہ ہدایت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے۔ نقاش نے کہا: مراد بھوک میں انہیں کھانا کھلانے اور خوف سے امن دینے کا وہ انکار کرتے ہیں(5)۔ یہ تعجب وانکار ہے جو استفہام کے طریقہ پر کلام آئی ہے۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا اور اس کا بچہ تسلیم کیا اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ جب بھی کوئی برا فعل کیا تو کہا: وَجَدْنَا عَلَیْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا (الاعراف:28) ہم نے اپنے آباء کو ایسا کرتے ہوئے پایا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا۔ اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ یحییٰ بن سلام نے کہا: بالحق سے مراد قرآن ہے(6)۔ سدی نے کہا: مراد توحید ہے(7)۔ ابن شجرہ نے کہا: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ یہ قول دونوں قولوں کو جامع ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 325 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 294 4۔ ایضاً
5۔ ایضاً 6۔ ایضاً 7۔ ایضاً

اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ مثوی سے مراد مستقر ہے یہ استفہام تقریر ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۶۹﴾

"اور جو (بلند ہمت) مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لیے ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہر وقت) محسنین کے ساتھ ہے"۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا یعنی جنہوں نے کفار سے ہماری رضا کی خاطر جہاد کیا۔ سدی وغیرہ نے کہا: یہ آیت جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ جہاد عرفی سے پہلے نازل ہوئی (1)۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی رضا کی خاطر عام جہاد ہے۔ حضرت حسن بن ابی الحسن نے کہا: یہ آیت عبادت گزاروں کے حق میں نازل ہوئی (2)۔ حضرت ابن عباس اور ابراہیم بن ادہم نے کہا: یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی جو جسے جانتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من عمل بما علم علمه الله مالم یعلم (3) جو اس پر عمل کرے جسے وہ جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی تعلیم دیتا ہے جسے وہ نہیں جانتا۔ بعض علماء نے اسے اس ارشاد کی طرف منسوب کیا ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَیُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرہ:282) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: جس چیز کے علم سے ہم جاہل ہیں اس کے علم سے ہمیں اس چیز نے روک دیا جو ہم اس چیز پر عمل کرنے سے کوتاہی کرتے ہیں جس کا ہم علم رکھتے ہیں اگر ہم جو کچھ جانتے ہیں اس کے بعض پر بھی عمل کرتے تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس چیز کا علم عطا فرما دیتا کہ ہمارے بدن اس کو اٹھا نہ سکتے (4)۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَیُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرہ:282) ابوسلیمان دارمی نے کہا: آیت میں جہاد کا مصداق صرف کفار سے جہاد نہیں بلکہ اس سے مراد دین کی مدد ہے اور باطل پرستوں کا رد ہے، ظالموں کا قلع قمع کرنا ہے، معروف کی نصیحت کرنا ہے اور منکر سے منع کرنا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کی طاعت میں نفوس کا مجاہدہ ہے اور یہی جہاد اکبر ہے۔ سفیان بن عیینہ نے حضرت ابن مبارک سے کہا: جب تو لوگوں کو دیکھے کہ وہ اختلاف میں پڑ گئے ہیں تو مجاہدین اور سرحدوں کی حفاظت کرنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَنَهْدِیَنَّهُمْ۔ ضحاک نے کہا: آیت کا معنی ہے جنہوں نے ہجرت میں جہاد کیا ہم انہیں ایمان پر ثابت قدم رہنے کے راستوں کی طرف ہدایت عطا فرمائیں گے (5)۔ پھر فرمایا: دنیا میں سنت ایسے ہی ہے جس طرح آخرت میں جنت۔ جو آخرت میں جنت میں داخل ہو گیا وہ سلامتی پا گیا۔ اسی طرح وہ آدمی جو دنیا میں سنت کو لازم پکڑتا ہے وہ سلامت رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا: جو لوگ ہماری اطاعت میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اپنے ثواب کے راستوں کی طرف ہدایت عطا فرمائیں گے۔ یہ قول طاعت کے عموم کی وجہ سے تمام اقوال کو شامل ہے، اسی کی مثل حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قول ہے فرمایا: حکمت کہتی ہے جو مجھے تلاش کرلے اور مجھے نہ پائے تو وہ مجھے دو مواقع پر تلاش کرے۔ (۱) جس چیز کو جانتا ہے اس میں سے اچھی پر عمل کرے (۲) جو چیز جانتا ہے اس میں سے بری سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 326 2۔ ایضاً 3۔ الحلیۃ ابونعیم حدیث انس بن مالک

4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 326 5۔ ایضاً

اجتناب کرے۔ حضرت حسن بن فضل نے کہا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے مراد ہے جن کو ہم نے ہدایت عطا فرمائی وہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہماری رضا کی خاطر جہاد کیا۔

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا مراد جنت کا راستہ ہے؛ یہ سدی کا قول ہے۔ نقاش نے کہا: اللہ تعالیٰ انہیں دین حق کی توفیق نصیب فرماتا ہے۔ یوسف بن اسباط نے کہا: معنی ہے ہم ان کی نیتوں، صدقات، نمازوں اور روزوں کو خالص کر دیں گے (1)۔ وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ لام تاکید کا ہے مع پر دو وجوہ میں سے ایک وجہ سے داخل ہوا ہے (۱) مع اسم ہو اور لام تاکید اسماء پر داخل ہوتا ہے (۲) یہ حرف ہے اور اس پر لام داخل ہوا ہے کیونکہ اس میں استقرار کا معنی پایا جاتا ہے، جس طرح تو کہتا ہے: ان زیدا لفی الدار، مع کو جب تو ساکن پڑھے تو یہ حرف نہیں ہوگا کوئی اور چیز نہ ہوگی۔ جب تو اس کو فتحہ دے تو یہ جائز ہے کہ اسم ہو اور حرف ہو۔ اکثر علماء کی رائے میں یہ حرف ہے جو معنی کے لیے آیا۔ احسان اور محسنین کی وضاحت سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔

انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت، نصرت، معونت، حفظ اور ہدایت کے ساتھ حاصل ہوتی ہے اور سب مخلوق کو معیت احاطہ اور قدرت کے ساتھ حاصل ہوتی ہے دونوں معیتوں میں بڑا فرق ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 326

سورة الروم

آیاتہا ۶۰ ۳۰ سورۃ الروم مکیۃ ۸۴ رکوعاتہا ۶

سورۂ روم تمام کی تمام مکی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اس کی ساٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ

''الف، لام، میم، ہرا دیئے گئے رومی پاس کی زمین میں اور وہ ہار جانے کے بعد ضرور غالب آئیں گے چند برس کے اندر، اللہ ہی کا حکم ہے پہلے بھی اور بعد بھی اور اس روز خوش ہوں گے اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی مدد سے، وہ مدد فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی سب پر غالب ہے ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ امام ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے جب بدر کا دن تھا تو رومی ایرانیوں پر غالب آئے اس امر نے مومنوں کو خوش کیا تو یہ آیات نازل ہوئیں (1)۔ فرمایا: مومن رومیوں کے ایرانیوں پر غالب آنے سے خوش ہو گئے۔ کہا: یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ نصر بن علی جہضمی نے غَلَبَتِ الرُّوْمُ پڑھا (2) اور اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مکمل روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: یہ غَلَبت اور غُلِبت ہے (3)۔ مشرک یہ پسند کرتے تھے کہ ایرانی رومیوں پر غالب آئیں کیونکہ وہ بت پرست تھے۔ مسلمان یہ پسند کرتے تھے کہ رومی ایرانیوں پر غالب آئیں کیونکہ وہ اہل کتاب تھے۔ مشرکوں نے اس کا ذکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا اور حضرت ابوبکر صدیق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا، فرمایا: ''خبردار وہ عنقریب غالب آئیں گے''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر ان سے کیا۔ مشرکوں نے کہا: ہمارے اور اپنے درمیان اس کی مدت معین کرو اگر ہم غالب رہے تو ہمارے لیے یہ ہوگا۔ اگر تم غالب رہے تو تمہارے لیے یہ ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے پانچ سال کی مدت کا تعین کیا رومی اس عرصہ میں ایرانیوں پر غالب نہ آئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا

1۔ جامع ترمذی، سورۂ روم، جلد 2، صفحہ 150 2۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ الروم، حدیث نمبر 3117، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 296

ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تونے اس سے زیادہ کا عرصہ کیوں نہیں معین کیا میرا خیال ہے تو نے دس سال کیوں نہیں معین کیا (1)“۔ ابوسعید نے کہا: بضع سے مراد دس سے کم ہے۔ فرمایا: پھر بعد میں رومی غالب آ گئے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ سے یہی مراد ہے۔ سفیان نے کہا: میں نے سنا وہ ایرانیوں پر بدر کے روز غالب آئے۔ ابوعیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے (2)۔ اور اسے نیار بن مکرم اسلمی سے بھی روایت کیا ہے۔ کہا: جب یہ آیات نازل ہوئیں ان دنوں میں ایرانی رومیوں پر غالب تھے۔ مسلمان یہ پسند کرتے تھے کہ رومی ایرانیوں پر غالب آئیں کیونکہ مسلمان اور وہ اہل کتاب تھے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ قریش یہ پسند کرتے تھے کہ ایرانی رومیوں پر غالب آئیں کیونکہ مشرک اور ایرانی اہل کتاب نہیں تھے اور نہ کسی دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان رکھتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ کے اطراف میں چیخ چیخ کر یہ آیات سنا رہے تھے: الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ ہمارے اور تمہارے درمیان شرط ہے تیرا صاحب یہ گمان کرتا ہے کہ رومی چند سالوں میں فارس پر غالب آ جائیں گے کیا ہم تیرے ساتھ باہم شرط نہ باندھ لیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں۔ یہ واقعہ شرط باندھنے کی حرمت سے پہلے کا ہے۔ حضرت ابوبکر اور مشرکوں نے شرط لگائی۔ اور رہن کے طور پر کوئی چیزیں رکھ دیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: تو بضع سے کتنے سال مراد لیتا ہے تین سال یا نو سال؟ تو ہمارے اور اپنے درمیان درمیانی مدت مقرر کر و جس پر تو اپنی شرط کا اختتام چاہتا ہے انہوں نے آپس میں چھ سال مقرر کر دیئے رومیوں کے غلبہ سے قبل چھ سال گزر گئے، مشرکوں نے حضرت ابوبکر صدیق کا رہن شدہ مال لے لیا جب ساتواں سال داخل ہوا تو رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے۔ مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر چھ سال مقرر کرنے پر عیب لگایا۔ کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بِضْعِ سِنِيْنَ فرمایا۔ کہا: اس موقع پر بے شمار لوگ مسلمان ہو گئے۔ ابوعیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے (3)۔ قشیری، ابن عطیہ اور دوسرے علماء نے کہا: جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیق مشرکوں کے پاس گئے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات خوش کرتی ہے کہ رومی غالب آئیں؟ کیونکہ ہمارے نبی نے ہمیں خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ چند سالوں میں عنقریب غالب آئیں گے۔ ابی بن خلف اور اس کے بھائی امیہ نے آپ کو کہا: ایک قول یہ کیا جاتا ہے ابوسفیان بن حرب نے کہا: اے ابا فصیل! وہ کنایہ کے طور پر ”ابا بکر“ کی جگہ یہ استعمال کرتے تھے۔ آؤ ہم شرط باندھ لیں اور اس کے لیے کوئی چیز رہن کے طور پر رکھ لیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے ان کے ساتھ شرط باندھ لی اور مال رہن کے طور پر رکھ لیا۔

1۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 1، صفحہ 276

2۔ جامع ترمذی، باب و من سورۃ الروم، حدیث نمبر 3117، ضیاء القرآن پبلی کیشنز	3۔ ایضاً، حدیث نمبر 3118

قتادہ نے کہا: یہ واقعہ اس وقت ہوا جب ابھی قمار حرام نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے رہن کے طور پر پانچ اونٹنیاں رکھیں اور مدت تین سال مقرر کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے رہن کے طور پر تین اونٹنیاں رکھیں پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بتایا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو نے اس کے لمبے عرصے کو کیوں پیش نظر نہیں رکھا، کیونکہ بضع تین، نو اور دس کے درمیان ہوتا ہے بلکہ واپس جاؤ رہن کے مال میں اضافہ کرو اور ان سے مدت بھی زیادہ لو'' (1)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے اونٹنیاں سو کر دیں اور عرصہ نو سال کر دیا۔ رومی اس کے دوران غالب آ گئے۔ امام شعبی نے کہا: وہ نو سال میں غالب آ گئے۔ قشیری نے کہا: روایات میں مشہور یہ ہے کہ رومیوں کا غلبہ اس وقت سے ساتویں سال میں ہوا تھا جس وقت ایرانی رومیوں پر غالب آئے تھے۔ ممکن ہے شعبی سے جس نے روایت کی ہے اس سے سات سے نو میں تصحیف ہوئی ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ اونٹنیاں سات سے نو کیں۔ یہ کہا جاتا ہے: یہ کسریٰ ابرویز کی آخری فتح تھی جس میں اس نے قسطنطنیہ کو فتح کیا یہاں تک کہ اس میں ایک آتشکدہ بنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی تو آپ کو بری لگی تو اللہ تعالیٰ نے ان دو آیات کو نازل فرمایا۔ نقاش اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا تو ابی بن خلف نے انہیں پکڑ لیا اور کہا: مجھے رہن کا کوئی ضامن دیجئے اگر رومی مغلوب رہیں تو حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے بیٹے عبدالرحمن کو ضامن بنایا جب ابی نے احد کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو عبدالرحمن نے اس سے ضامن طلب کیا تو اس نے ضامن دیا۔ پھر ابی مکہ مکرمہ میں اس زخم کی وجہ سے مر گیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لگایا تھا۔ رومی صلح حدیبیہ کے موقع جب کہ شرط باندھے نو سال گزرے تھے ایرانیوں پر غالب آئے۔ امام شعبی نے کہا: ابھی وہ عرصہ نہیں گزرا تھا یہاں تک کہ رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے مدائن میں باندھے اور وہاں رومیہ بنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ابی پر شرط میں غالب رہے۔ اور اس کے وارثوں سے شرط کا مال لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسے صدقہ کر دو'' تو انہوں نے اس کو صدقہ کر دیا۔ مفسرین نے کہا: رومیوں کے ایرانیوں پر غلبہ کا سبب ایک عورت تھی وہ فارس میں رہتی وہ بادشاہوں اور بہادروں کو ہی جنا کرتی تھی۔

کسریٰ نے کہا: میرا ارادہ ہے کہ میں تیرے بیٹوں میں سے ایک کو اس لشکر پر امیر مقرر کروں جس کو میں رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے تیار کر رہا ہوں۔ اس عورت نے کہا: یہ ہرمز ہے جو لومڑی سے مکار اور شکرے سے زیادہ محتاط ہے یہ فرخان ہے جو تلوار سے تیز اور تیر سے زیادہ پار ہونے والا ہے۔ یہ شہر بزان ہے یہ فلاں سے زیادہ حلم والا ہے اس کا انتخاب کر لے۔ کہا: اس نے حلیم کو منتخب کر لیا اور اسے اس لشکر کا سپہ سالار بنا دیا وہ اہل فارس کے ساتھ رومیوں کی طرف چلا اور رومیوں پر غالب رہا۔ عکرمہ اور دوسرے علماء نے کہا: شہر بزان جب رومیوں پر غالب آ گیا اس نے ان کے گھروں کو برباد کر دیا یہاں تک کہ خلیج تک جا پہنچا۔ اس کے بھائی فرحان نے اسے کہا: میں نے اپنے آپ کو کسریٰ کے تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔

1۔ شرح مشکل الآثار، باب فی البضع ما ھو، جلد 7، صفحہ 441

کسریٰ نے شہر بزان کی طرف لکھا: میرے پاس فرخان کا سر بھیج دو تو اس نے ایسا نہ کیا کسریٰ نے ایرانیوں کی طرف خط لکھ بھیجا: میں نے تم پر فرخان کو امیر مقرر کیا ہے اور شہر بزان کو معزول کر دیا ہے اور فرخان کی طرف خط لکھا جب وہ لشکر کا والی بن جائے تو وہ شہر بزان کو قتل کر دے۔ فرخان نے شہر بزان کے قتل کا ارادہ کیا تو شہر بزان نے اسے کسریٰ کے تین خط نکال کر دیئے جن میں وہ فرخان کے قتل کا اسے حکم دیتا ہے۔ شہر بزان نے فرخان سے کہا: کسریٰ نے تین خط لکھے کہ میں تجھے قتل کر دوں میں نے تیرے معاملہ میں ہمیشہ اس کے حکم کو ٹال دیا، کیا تو مجھے ایک خط کی وجہ سے قتل کرتا ہے؟ اس نے حکومت اپنے بھائی کے سپرد کر دی۔ شہر بزان نے قیصر جو رومیوں کا بادشاہ تھا کی طرف خط لکھا، دونوں نے کسریٰ کے خلاف تعاون کا فیصلہ کیا۔ رومی فارس پر غالب آ گئے اور کسریٰ مر گیا۔ حدیبیہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو مسلمان تھے وہ سب خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مقصود ہے۔ اَدْنَى الْاَرْضِ سے مراد شام کا علاقہ ہے۔ عکرمہ نے کہا: اذرعات کا علاقہ ہے؛ یہ عرب اور شام کے علاقہ کے درمیان کا علاقہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیصر نے ایک امیر بھیجا جس کا نام تحنس تھا اور کسریٰ نے شہر بزان کو بھیجا ان کا مقابلہ اذرعات اور بصرہ میں ہوا یہ عرب اور عجم کی سرزمین کے شام کا قریبی علاقہ ہے۔ مجاہد نے کہا: مراد جزیرہ ہے یہ عراق اور شام کے درمیان کا علاقہ ہے۔ مقاتل نے کہا: مراد اردن اور فلسطین کا علاقہ ہے(1)۔ ادنیٰ کا معنی سب سے قریب ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اگر واقعہ اذرعات میں ہوا تو مکہ کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ قریب ترین علاقہ ہے(2) اس کا ذکر امرؤ القیس نے کیا ہے:

تنورتها من أذرعات وأهلُها يثرِبَ أدنى دارِها نظر عالِ(3)

اگر واقعہ جزیرہ میں ہو تو قیاس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کسریٰ کے علاقہ کے زیادہ قریب ہے۔ اگر یہ واقعہ اردن میں ہوا تو یہ رومیوں کے علاقہ کے زیادہ قریب ہے۔ جب یہ واقعہ ہوا اور رومی مغلوب ہو گئے تو کفار خوش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بشارت دی کہ رومی عنقریب مغلوب ہوں گے اور جنگ میں انہیں فتح نصیب ہوگی۔

سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری، حضرت علی بن ابی طالب اور معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہم نے غَلَبَتِ الرُّوْمُ غین اور لام کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ یوم بدر کو جو واقعہ ہوا وہ یہ تھا کہ رومی غالب آئے یہ امر قریش کے کفار پر شاق گزرا اور مسلمان اس سے خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خوشخبری دی کہ وہ چند سالوں میں پھر فتح حاصل کریں گے۔ ابوحاتم نے اس تاویل کا ذکر کیا ہے۔ ابوجعفر نحاس نے کہا: اکثر لوگوں کی قراءت غُلِبَتِ الرُّوْمُ غین کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ حضرت ابوعمر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دونوں نے غلب الروم پڑھا اور دونوں نے سیغلبون قراءت کی ہے۔ ابوحاتم نے حکایت بیان کی ہے کہ عصمہ نے ہارون سے روایت کی کہ یہ اہل شام کی قراءت ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں: یہ عصمہ ضعیف ہے اور ابوحاتم اکثر اس سے حکایت کرتے ہیں۔ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قراءت غلبت غین کے ضمہ کے ساتھ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 327 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

ہے۔اس اخبار میں حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل ہے کیونکہ رومیوں پر ایرانیوں نے غلبہ پایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبر دی کہ چند سالوں میں رومی ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے اور مومن اس سے خوش ہوں گے، کیونکہ رومی اہل کتاب ہیں یہ امر علم غیب سے تعلق رکھتا تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیا جس سے وہ آگاہ نہیں تھے اور حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ شرط لگائیں اور شرط میں اضافہ کریں پھر شرط لگانا حرام قرار دیا گیا اور قمار کی حرمت کے ساتھ شرط لگانے کو منسوخ کر دیا۔ ابن عطیہ نے کہا: غین کے ضمہ کے ساتھ قراءت زیادہ صحیح ہے (1)۔ اس پر اجماع کیا ہے کہ قراءت سیغلبون یاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اس سے مراد رومی ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیغلبون کو یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اس قراءت میں اس معنی کا قلب ہے جس معنی کی روایات تائید کرتی ہیں۔

ابوجعفر نحاس نے کہا: جس نے قراءت کی سَیُغْلَبُوْنَ اس کے نزدیک معنی ہوگا یعنی ایرانی غلبہ کے بعد مغلوب ہو جائیں گے۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ رومیوں کا مقابلہ ان سے غزوہ بدر کے دن ہوا جس طرح حضرت ابوسعید خدری کی حدیث میں ہے جو ترمذی شریف میں موجود ہے۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے مقام پر ہوا۔ اور خبر بیعت رضوان کے دن پہنچی، یہ عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: دونوں دنوں میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نصیب ہوئی؛ علماء نے ذکر کیا ہے۔

رومیوں کے غلبہ اور ان کے بارے میں غلبہ کی خواہش پر مسلمانوں کی خوشی کی وجہ یہ تھی کہ رومی مسلمانوں کی طرح اہل کتاب تھے اور ایرانی بت پرست تھے۔ جس کی وضاحت حدیث میں پہلے گزر چکی ہے۔

نحاس نے کہا: ایک اور قول بھی ہے اور وہ زیادہ بہتر ہے ان کی خوشی کی وجہ یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو پورا کیا، کیونکہ اس میں نبوت پر دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ کچھ سالوں میں یہ ہوگا تو اسی طرح ہوا۔ ابن عطیہ نے کہا: اس کی یہ علت بیان کرنا بھی مناسب ہے جس کا تقاضا محبت کی نظر کرتی ہے کہ چھوٹا دشمن مغلوب ہو جائے کیونکہ وہ معونت میں ہلکا ہوتا ہے۔ جب بڑا دشمن غالب آتا ہے تو خوف زیادہ ہوتا ہے۔ اس معنی میں غور وفکر کے ساتھ ہی ساتھ رسول اللہ ﷺ دین کے غلبہ اور وہ شریعت جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا اس کے غلبہ، امتوں پر آپ کے غلبہ کی امید رکھتے تھے، نیز کفار یہ ارادہ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایسا حاکم مسلط کر دے گا جو ان کو تہس نہس کر دے گا اور حضور ﷺ سے کفار کو آرام پہنچائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی خوشی اسی وجہ سے تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی مدد کی، کیونکہ جبریل امین نے نبی کریم ﷺ کو یوم بدر کو اس کی خبر دی؛ قشیری نے اسے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال بھی موجود ہے کہ ان کی خوشی ان سب چیزوں کے مجموعہ سے ہو وہ اس لیے خوش ہوتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے دشمنوں پر غلبہ دیا، رومی بھی غالب آ گئے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ بھی پورا کیا۔ ابوحیوہ شامی اور محمد بن سمیقع

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 327

نے مِنۡ بَعۡدِ غَلۡبِهِمۡ لام کے سکون کے ساتھ قراءت کی ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں؛ جس طرح ظَعْن اور ظَعَن۔
فراء نے گمان کیا ہے کہ اصل من بعد غلبتهم ہے تاء کو حذف کر دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ (الانبیاء:73) میں تاء حذف ہے یہ اصل میں اقامة الصلاة ہے۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے یہ اہل نحو میں کثیر تعداد پر امر مشتبہ نہیں کیونکہ اقام الصلاة مصدر ہے۔ فعل میں کیونکہ حرف میں قاعدہ جاری ہوتا ہے اس لیے مصدر میں بھی قاعدہ جاری ہوگا۔ یہ تاء محذوف حرف علت کے عوض ہے۔ غلب اس میں کوئی حرف علت نہیں اس سے کوئی چیز حذف نہیں۔ اصمعی نے حکایت بیان کی ہے طَرَدَ طَرَدًا، جَلَبَ جَلَبًا، حَلَبَ حَلَبًا، غَلَبَ غَلَبًا اس میں کون سا حذف ہے۔ کیا یہ جائز ہوگا کہ کہا جائے: اَکَلَ اَکلًا اور جو اس کے مشابہ افعال ہیں کیا اس میں حذف ہے؟
فِيۡ بِضۡعِ سِنِيۡنَ، بِضۡع میں ہاء حذف ہے تاکہ مذکر اور مونث میں فرق کیا جائے۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ یوسف میں گزر چکی ہے اور سنینَ میں نون مفتوح ہے کیونکہ یہ جمع سالم ہے عربوں میں سے کچھ کہتے ہیں فِيۡ بِضۡعِ سِنِيۡنَ جس طرح وہ کہتے ہیں: غسلین یہ جائز ہے کہ سنة کی جمع اس طرح بنادی جائے جس طرح ذوالعقول کی جمع واؤ نون اور یاء نون سے بنائی جاتی ہے کیونکہ اس سے کوئی چیز حذف ہے تو یہ جمع اس نقص کے عوض میں ہو جو نقص اس کے واحد میں ہے، کیونکہ سنة کی اصل سنہة یا سنوة ہے۔ اس کے سین کو کسرہ دیا گیا تاکہ اس امر پر دلالت ہو کہ اس کی جمع قیاس سے خارج ہے؛ یہ بصریوں کا قول ہے۔ فراء پر لازم ہوگا کہ وہ اس کو ضمہ دے کیونکہ وہ کہتا ہے: ضمہ واؤ پر دلیل ہے۔ دو قولوں میں سے ایک قول میں سنة کی واؤ کو حذف کیا گیا ہے ہم کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتے جو اس کو ضمہ دیتا ہے۔
لِلّٰهِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ وہ اپنی قدرت میں منفرد ہے عالم میں جو بھی غلبہ وغیرہ واقع ہوتا ہے وہ بھی اس کی جانب سے، اس کے ارادہ سے اور اس کی قدرت سے ہی ہوتا ہے۔ فرمایا: لِلّٰهِ الۡاَمۡرُ احکام کا نفاذ اسی کی شان ہے۔ من قبل و من بعد تقدیر کلام یہ ہے: من قبل هذه الغلبة و من بعدها ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے ہر شے سے پہلے ہر شے کے بعد۔ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ دونوں ظرفیں ہیں مبنی بر ضمہ ہیں کیونکہ یہ جن کی طرف مضاف ہیں ان کے حذف کی وجہ سے یہ معرفہ ہیں اس مضاف الیہ کی وجہ سے جو حذف ہے اس کو یہ دونوں اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں۔
یہ اسماء کی تعریف کے خلاف ہیں۔ تضمین میں یہ دونوں حروف کے مشابہ ہیں پس یہ دونوں مبنی ہیں دونوں ضمہ کے ساتھ خاص ہیں کیونکہ یہ دونوں منادی مفرد کے مشابہ ہیں جب یہ نکرہ ہوں اور انہیں مضاف کیا جائے تو ان کی بناء (مبنی ہونا) زائل ہو جاتا ہے، اسی طرح یہ دونوں ہیں تو ان دونوں کو ضمہ دیا گیا اور کہا جاتا ہے: مِنۡ قَبۡلٍ وَ مِنۡ بَعۡدٍ کسائی نے بنی اسد کے ایک آدمی سے یہ حکایت بیان کی ہے۔ لِلّٰهِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلٍ وَ مِنۡ بَعۡدُ پہلا ظرف کا کلمہ مجرور اور غیر منون ہے اور دوسرا مضموم تنوین کے بغیر ہے۔
فراء نے اسے مِنۡ قَبۡلِ وَ مِنۡ بَعۡدِ حکایت کی ہے۔ تنوین کے بغیر مجرور ہیں۔ نحاس نے اس کا انکار کیا اور اس کو رد کیا ہے۔ فراء نے اپنی کتاب میں کہا: قرآن میں کثیر اشیاء ہیں جن میں غلطی (1) واضح ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے

1۔ یہ فراء کی خرافات ہیں نحاس نے انہیں کا انکار کیا اور رد کیا ہے۔ مترجم

گمان کیا کہ اسے من قبلِ و من بعدِ پڑھنا جائز ہے یہ بھی جائز ہے من قبلٍ و من بعدٍ کیونکہ یہ دونوں نکرہ ہیں۔ زجاج نے کہا: معنی ہے متقدم اور متاخر۔

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ اس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ اپنے اولیاء میں سے جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، کیونکہ اس کی مدد اس کے اولیاء کی اس کے دشمنوں کے خلاف غلبہ کی صورت میں مختص ہے۔ جہاں تک اس کے دشمن جو اس کے اولیاء کے خلاف غلبہ پاتے ہیں وہ اس کی مدد نہیں وہ تو آزمائش ہے ہاں اسے ظفر کہا جا سکتا ہے وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ وہ انتقام لینے میں غالب ہے اور اطاعت کرنے والوں پر رحم کرنے والا ہے۔

وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾

"یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ وہ جانتے ہیں دنیوی زندگی کے ظاہری پہلو کو اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں"۔

وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ کیونکہ اس کا کلام سچا ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ وہ کفار ہیں وہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد مشرکین مکہ ہیں۔ وَعْدَ اللّٰهِ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے وعد ذلك وعدا پھر وہ جتنا جانتے ہیں اس کی مقدار کو بیان کیا۔ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وہ اپنی معاش اور دنیا کے امر کو جانتے ہیں۔ وہ کب فصل کاشت کریں، کب کاٹیں، کیسے درخت لگائیں اور کیسے عمارت بنائیں؟ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد محلات بنانا، نہریں کھودنا اور درخت لگانا ہے۔ معنی ایک ہی ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو شیاطین امور دنیا میں سے ان کی طرف القاء کرتے ہیں جب کہ انہوں نے آسمان دنیا سے انہیں چوری چھپے سنا تھا؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ظاہر و باطن ہے جس طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ (الرعد: 33)

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ظاهر الحياة الدنيا کے زیادہ مناسب ہے یہاں تک کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اللہ کی قسم! ان میں سے ایک کا دنیا کے بارے میں علم اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ وہ درہم کی چھان بین کرتا ہے تو وہ تجھے اس کے وزن کے بارے میں آگاہ کرتا ہے اور وہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھ سکتا۔ ابو العباس مبرد نے کہا: کسریٰ نے اپنے دنوں کی تقسیم کی ہوئی تھی اس نے کہا: ہوا والا دن نیند کے لیے مناسب ہے، بادل والا دن شکار کے لیے مناسب ہے، بارش والا دن شراب پینے اور لہو و لعب کے لیے مناسب ہے اور دھوپ والا دن ضروریات کے لیے مناسب ہے۔ ابن خالویہ نے کہا: وہ دنیا کی سیاست کے بارے میں جو وہ بہتر جانتے تھے یہی ان دنیا کی زندگی میں سے ظاہر کو جاننا ہے۔ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ وہ آخرت کے بارے میں علم اور عمل سے غافل ہیں۔ ان میں سے بعض نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 299 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 300

ومن البلیۃ أن تری لک صاحبا فی صورۃ الرجل السمیع المبصر

فطن بکل مصیبۃ فی مالہ واذا یصاب بدینہ لم یشعر

یہ بھی آزمائش میں سے ہے کہ تو اپنے لیے ایک ایسا ساتھی پائے جو انسان کی شکل میں سننے والا دیکھنے والا ہو۔ وہ اپنے مال میں ہر مصیبت کو سمجھ جاتا ہے۔ اور جب اس کے دین میں مصیبت آتی ہے تو اسے محسوس نہیں ہوتا۔

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝

''کیا انہوں نے کبھی غور نہیں کیا اپنے جی میں جنہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت تک کے لیے اور بلاشبہ اکثر لوگ اپنے رب کی ملاقات کے سخت منکر ہیں''۔

فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ یہ تفکر کی ظرف ہے یہ مفعول نہیں یَتَفَکَّرُوْا حرف جر کے ساتھ اس کی طرف متعدی ہے کیونکہ ان کو حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی ذاتوں میں سوچ و بچار کریں انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ آسمان، زمین اور اپنی ذاتوں میں فکر و نظر کو استعمال کریں یہاں تک کہ انہیں علم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور دوسری چیزوں کو حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے۔ زجاج نے کہا: کلام میں حذف ہے یعنی فیعلموا کیونکہ کلام میں اس پر دلیل ہے اِلَّا بِالْحَقِّ فراء نے کہا: معنی ہے حق کے لیے یعنی ثواب اور عقاب کے لیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مگر اقامت حق کے لیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بالحق کا معنی عدل کے ساتھ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حکمت کے ساتھ؛ معنی قریب قریب ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: بِالْحَقِّ وہ حق ہے اور حق کے لیے اسے پیدا کیا۔ وہ اس کی توحید اور قدرت پر دلالت ہے۔ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى آسمانوں اور زمین کے لیے ایک وقت مقرر ہے، جس وقت پر پہنچ کر وہ ختم ہو جائیں گے وہ یوم قیامت ہے۔ یہ فنا پر تنبیہ ہے، اس بات پر تنبیہ ہے کہ ہر مخلوق کے لیے ایک وقت مقرر ہے، محسن کے ثواب اور مسیٔ کے عقاب پر تنبیہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَجَلٍ مُّسَمًّى سے مراد ہے جو بھی پیدا کیا اسے ایسے وقت میں پیدا کیا اس کا نام رکھا کہ اللہ تعالیٰ اس شے کو اس وقت میں پیدا فرمائے گا۔

وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ لام تاکید کے لیے ہے تقدیر کلام یہ ہے لکافرون بلقاء ربھم اس میں تقدیم و تاخیر ہے لکافرون بالبعث بعد الموت۔

وہ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہیں۔ تو کہتا ہے: ان زیدا فی الدار لجالس اگر تو کہے: ان زیدا لفی الدار لجالس تو یہ بھی جائز ہے اگر تو کہے: ان زیدا جالس لفی الدار تو یہ بھی جائز نہیں ہوگا کیونکہ لام اس لیے لایا جاتا ہے تا کہ اس کے ساتھ ان کے اسم اور اس کی جزا کی تاکید لائی جائے جب تو ان دونوں کو لا چکے تو یہ جائز نہیں کہ تو اس لام کو لائے اس طرح اگر تو کہے: ان زید الجالس لفی الدار یہ بھی جائز نہیں۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَاۤ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؕ۝۹

"کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ دیکھتے کیا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے وہ زیادہ تھے ان سے زور میں اور انہوں نے خوب ہل چلائے زمین میں اور انہوں نے اسے آباد کیا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے آباد کیا اور آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر پس نہ تھی اللہ کی یہ شان کہ وہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے تھے"۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا اپنی آنکھوں اور دلوں سے دیکھیں۔ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ یعنی زمین کو زراعت کے لیے الٹ پلٹ کیا کیونکہ اہل مکہ کاشتکار نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تُثِيْرُ الْاَرْضَ (البقرہ: 71)

وَ عَمَرُوْهَاۤ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا ان لوگوں نے اسے آباد کیا اس سے بڑھ کر جس قدر ان لوگوں نے اسے آباد کیا ان کی عمارت اور مدت کی طوالت نے انہیں کوئی نفع نہ دیا وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ بینات سے مراد معجزات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد احکام ہیں انہوں نے کفر کیا اور ایمان نہ لائے۔ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ انہیں ان گناہوں کے بغیر، رسولوں کے مبعوث کیے بغیر اور دلیل کے بغیر ہلاک کرے وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ وہ شرک اور نافرمانی کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰

"آخر کار ان کا انجام جنہوں نے برائی کی تھی بہت برا ہوا کیونکہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو اور وہ ان کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے"۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰۤى، السُّوْٓاٰۤى یہ سوء سے فعلی کا وزن ہے یہ اسوء کا مونث ہے جس کا معنی قبیح ترین ہے جس طرح حسنی یہ احسن کا مونث ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے یہاں نار (جہنم) مراد ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اَسَآءُوا کا معنی ہے انہوں نے شرک کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ دلالت کرتا ہے۔ السوئی جہنم کا نام ہے جس طرح حسنی جنت کا نام ہے۔ اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اصل میں لأن کذبوا تھا؛ یہ کسائی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اصل میں بان کذبوا تھا۔ نافع ابن کثیر اور ابوعمرو نے پڑھا ثم کان عاقبۃ الذین یہ رفع کے ساتھ کان کا اسم ہے اسے مذکر ذکر کیا کیونکہ اس کی تانیث غیر حقیقی ہے۔ السوئی کان کی خبر ہے۔ باقی قراء نے کان کی خبر کی وجہ سے اسے منصوب پڑھا ہے۔ السوئی یہ رفع کے ساتھ کان کا اسم ہے یہ بھی جائز ہے کہ اس کا اسم التکذیب ہو تقدیر

کلام یہ ہوگی۔ ثم کان التکذیب عاقبۃ الذین اساءوا اور السوءی یہ اساءوا کا مفعول مطلق ہوگا یا محذوف کی صفت ہوگا، یعنی الخلۃ السوءی اعمش سے مروی ہے۔ انہوں نے پڑھا ثم کان عاقبۃ الذین أساء والسوء یعنی السوء پر رفع پڑھا۔ نحاس نے کہا: اسوء سے مراد شدید ترین شر ہے السوءی اس سے فعلی کا وزن ہے۔ اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ آیات اللہ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: مراد عذاب ہے جو ان پر نازل ہوگا۔ ضحاک نے کہا: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں (1)۔ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ وہ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑪ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑫ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآىِٕهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑬

''اللہ تعالیٰ ابتدا کرتا ہے تخلیق کی پھر (فنا کرنے کے بعد) دوبارہ پیدا کرے گا اسے پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جس روز برپا ہوگی قیامت مجرموں کی آس ٹوٹ جائے گی اور نہیں ہوں گے ان کے لیے ان کے شریکوں میں سے شفاعت کرنے والے اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے''۔

ابوعمرو اور ابوبکر نے یرجعون یاء کے ساتھ پڑھا اور باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے یبلس لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا لغت میں معروف یہ ہے أبلس الرجل جب وہ خاموش ہو جائے اور اس کی محبت منقطع ہو جائے، اور اسے امید نہ ہو کہ اس کے لیے حجت ہو، اس کے قریب قریب تحیر ہے جس طرح حجاج نے کہا:

یا صاحِ هل تَعرِفُ رَسْمًا مُكْرَسا قال نعم أعرفه و أبلسا (2)

اے میرے ساتھی! کیا تو رسم مکرسی جانتا ہے اس نے کہا ہاں میں اسے پہچانتا ہوں اور متحیر ہو گیا۔

بعض نحویوں کا خیال ہے کہ ابلیس اس سے مشتق ہے وہ متحیر ہو گیا کیونکہ اس کی صحبت منقطع ہو گئی اگر بات اس طرح ہوتی جس طرح اس نے کہا تو یہ اسم منصرف ہوتا جب کہ قرآن میں یہ غیر منصرف ہے۔ زجاج نے کہا: مبلس سے مراد ایسی خاموش ہے جس کی حجت منقطع ہو جائے اور ہدایت پانے سے مایوس ہو جائے۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآىِٕهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہوں نے جن کی عبادت کی شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ كٰفِرِيْنَ انہوں نے کہا: وہ معبود نہیں انہوں نے معبودوں سے براءت کا اظہار کر دیا اور معبودوں نے ان سے براءت کا اظہار کر دیا جس طرح پہلے کئی مواقع پر گزر چکا ہے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ⑭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ⑮

''اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس دن وہ جدا جدا ہو جائیں گے تو وہ جو ایمان لائے تھے اور نیک عمل کرتے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 301 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 331

رہے تھے وہ باغ (جنت) میں مسرور (اور محترم) ہوں گے"۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ یعنی مومن کافروں سے جدا ہو جائیں گے۔ پھر اس امر کی وضاحت کی کہ وہ کیسے جدا جدا ہوں گے فرمایا: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا نحاس نے کہا: میں نے زجاج کو کہتے ہوئے سنا: اما کا معنی ہے جس بحث میں ہم پڑے ہوئے ہیں اس کو چھوڑ دو اور کسی دوسری بات میں شروع ہو جاؤ؛ سیبویہ نے اسی طرح کہا ہے۔ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ضحاک نے کہا: روضہ سے مراد باغ ہے اور ریاض سے مراد باغات ہیں۔ ابو عبید نے کہا: روضہ اسے کہتے ہیں جو نشیبی جگہ میں ہو جب وہ بلند جگہ ہو تو اسے ترعۃ کہتے ہیں۔ ایک اور عالم نے کہا: بہترین روضہ وہ ہوتا ہے جو وہ بلند جگہ پر ہو۔ اعشی نے کہا:

مَا رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْحَزْنِ مُعْشِبَةٌ　خَضْرَاءُ جَادَ عَلَيْهَا مُسْبِلٌ هَطِلُ(1)

يُضَاحِكُ الشَّمْسَ مِنْهَا كَوْكَبٌ شَرِقٌ　مُؤَزَّرٌ بِعَمِيمِ النَّبْتِ مُكْتَهِلُ

يَوْمًا بِأَطْيَبَ مِنْهَا نَشْرَ رَائِحَةٍ　وَلَا بِأَحْسَنَ مِنْهَا إِذْ دَنَا الْأُصُلُ

اونچی جگہ کے باغوں سے بڑھ کر کوئی باغیچہ جو گھاس والا ہو سرسبز و شاداب ہو جس پر موسلا دھار بارش نے سخاوت کی ہو پانی سے لبریز کلیاں سورج کے گرد گھومتی ہیں جنہوں نے مکمل نباتات کا تہبند باندھ رکھا ہے اور وہ نباتات اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے کوئی دن اس سے بڑھ کر زیادہ خوشبو والا نہیں ہوتا اور نہ ہی عصر کے وقت اس سے زیادہ جمال والا ہوتا ہے۔

روضہ نہیں کہا جاتا مگر جب اس میں گھاس ہو اگر اس میں گھاس نہ ہو اور وہ بلند جگہ پر ہو تو اسے ترعہ کہتے ہیں۔ ترعۃ کی تعبیر میں اور اقوال بھی ہیں۔ قشیری نے کہا: عربوں کے نزدیک روضہ سے مراد تالاب کے اردگرد سبزیاں ہیں عربوں کے ہاں اس سے حسین ترین چیز کوئی نہیں ہوتی۔ جوہری نے کہا: اس کی جمع روض اور ریاض آتی ہے واؤ یاء ہو گئی ہے کیونکہ اس کا ماقبل مکسور ہے۔ روض جب پانی کی مشکیزہ میں اس کے نصف تک ہو اور حوض میں روضہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی اس کے نچلے حصہ کو ڈھانپے ہوئے ہو۔ ابو عمرو نے شعر پڑھا:

وَرَوْضَةٍ سَقَيْتُ مِنْهَا نِضْوَتِيْ

کتنے ہی تالاب ہیں جن سے میں نے اپنی سواری کو سیراب کیا۔

يُحْبَرُوْنَ ضحاک اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے ان کی عزت کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر انعام کیا جائے گا؛ یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خوش ہوں گے۔ سدی نے کہا: وہ خوش ہوں گے۔ عربوں کے ہاں حبرہ سے مراد سرور و فرحت ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔ جوہری نے کہا: حبر سے مراد حبور ہے جس کا معنی سرور ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: حَبَرَهُ يَحْبُرُهُ حَبْرًا وَحَبْرَةً۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ یعنی ان پر انعام کیا جائے گا، ان کی تعظیم کی جائے گی اور وہ خوش ہوں گے۔ رجل یحبور یفعول کا وزن ہے جو حبور سے مشتق ہے۔ نحاس نے کہا: کسائی نے حکایت بیان کی ہے حبرته، میں نے اس کی تعظیم کی میں نے اس پر انعام کیا۔ میں نے علی بن

1۔ تفسیر طبری، جز 21-22، صفحہ 33　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 331

سلیمان کو کہتے ہوئے سنا۔ یہ عربوں کے اس قول سے مشتق ہے: علی اسنانہ حبرۃ یعنی اس کے دانتوں پر اثر ہے۔ یحبرون ان پر نعمتوں کا اثر ہے۔ حبر اس سے مشتق ہے۔ شاعر نے کہا:

لا تملأ الدلو و عَرِّق فیھا   أما تری حَبارَ من یَسْقیھا

ڈول کو نہ بھر اس میں کچھ جگہ خالی چھوڑ کیا جو پانی پلاتا ہے اس کی فضیلت کو نہیں جانتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اصل تحبیر ہے جس کا معنی "تحسین" ہے یحبرون جس کو حسین بنایا جاتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان حسین الحبر و السبر جب وہ جمیل اور اچھی حالت والا ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: فلاں حسن الحبر و السبر یہ گویا تیرے اس قول کا مصدر ہے حبرتُہ حَبْرًا جب تو اس کو حسین بنائے۔ پہلا اسم ہے۔

اسی معنی میں حدیث ہے: یخرج رجل من النار ذھب حبرہ و سبرہ ایک آدمی جہنم سے نکلے گا تو اس کا حسن جا چکا ہوگا۔

یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا: فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ کا معنی ہے وہ جنت میں غنا سنیں گے؛ یہ اوزاعی کا قول ہے۔ کہا: جب جنتی سماع شروع کریں گے تو جنت میں کوئی درخت نہیں ہوگا مگر وہ تسبیح و تقدیس کے ساتھ اس نغمہ کا جواب دے گا۔ اوزاعی نے کہا: حضرت اسرافیل سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی اچھی آواز والا نہیں جب وہ شروع کریں گے تو ساتوں آسمان والے اپنی نمازیں اور تسبیحات ترک کر دیں گے (1)۔

امام اوزاعی کے علاوہ دوسرے علماء نے کہا: جنت میں کوئی درخت نہیں ہوگا مگر وہ اس کا جواب دے گا۔ کوئی پردہ اور دروازہ نہیں ہوگا مگر اس میں ارتعاش پیدا ہوگا اور وہ کھل جائے گا کوئی حلقہ نہیں رہے گا مگر مختلف آوازوں کے ساتھ بجنے لگے گا۔ اور سونے کی جھاڑیوں میں سے کوئی جھاڑی نہ بچے گی مگر ان کے تنوں سے آواز واقع ہوگی اور وہ تنے بانسری کے نغمے الاپنے لگیں گے، حور عین میں سے کوئی لونڈی نہ رہے گی مگر وہ اپنے نغمے الاپنے لگے گی اور پرندے اپنی سریلی آوازوں میں گانے لگیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو وحی کرے گا کہ انہیں جواب دو اور میرے ان بندوں کو سناؤ جنہوں نے اپنے کانوں کو شیاطین کے مزامیر سے پاک رکھا وہ مختلف روحانی سروں اور آوازوں کے ساتھ جواب دیں گے آوازیں مل جائیں گی تو سب ایک ہی مخلوط آواز بن جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے داؤد! میرے عرش کے پائے کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور میری بزرگی بیان کرو۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے رب کی بزرگی ایسی آواز سے بیان کرنے میں شروع ہو جائیں گے جو تمام آوازوں پر غالب آ جائے گی، انہیں جلا بخشے گی اور لذت کئی گنا بڑھ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے: فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ، ترمذی حکیم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

ثعلبی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو نصیحت فرمایا کرتے (2)۔ آپ نے جنت اور اس میں جو کچھ بیویاں اور نعمتیں ہیں ان کا ذکر کیا، لوگوں کے پیچھے ایک بدو بیٹھا ہوا تھا اس نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا جنت میں سماع ہے؟ فرمایا: "ہاں۔ اے بدو! جنت میں ایک نہر ہوگی جس کے دونوں کناروں پر باکرہ عورتیں ہوں

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 292
2۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 471

گی جو پتلی کمروں والی ہوں گی جو مختلف آوازوں میں گانا گائیں گی۔ جس کی مثل مخلوق نے نہ سنا ہوگا یہ جنت کے نعمتوں میں سے افضل نعمت ہوگی"۔ ایک آدمی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا؟ وہ کیا نغمے گائیں گی؟ فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی تسبیح"۔ خمصانیہ سے مراد جن کا لباس اعلیٰ، پتلی کمر اور نچلے والا دھڑ ضخیم۔

میں کہتا ہوں: یہ سب نعیم، سرور اور اکرام میں سے ہے اقوال میں کوئی تعارض نہیں یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کیا نسبت رکھتے ہیں۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (السجدہ: 17) جس کا ذکر آئے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فیھا مالا عین رأت ولا أذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر اس میں ایسی نعمتیں ہوں گی جن کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا ہوگا، کسی کان نے نہیں سنا ہوگا اور کسی انسان کے دل پر اس کا کھٹکا بھی نہ ہوا ہوگا۔ یہ روایت کی گئی ہے: "جنت میں ایسے درخت ہیں جن پر چاندی کی گھنٹیاں ہوں گی جب اہل جنت سماع کا ارادہ کریں گے اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے ایک ہوا بھیجے گا وہ گھنٹیاں ایسی آواز کے ساتھ قرأت کریں گی اگر اہل دنیا اس کو سنیں تو خوشی سے مر جائیں" (1)۔ یہ زمخشری نے ذکر کیا۔

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

"اور جنہوں نے کفر کیا تھا اور جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو تو وہ عذاب میں حاضر رکھے جائیں گے"۔

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ سے مراد بعث ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ وہ عذاب میں مقیم رہیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جمع ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ نازل ہوں گے، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اذا حضر احدکم الموت یہاں بھی موت نازل ہوگی؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے، معنی قریب قریب ہے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

"سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں نیز (پاکی بیان کرو) سہ پہر کو جب تم دوپہر کرتے ہو"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ اس میں تین قول ہیں (۱) ان اوقات میں عبادت کے امر اور نماز پر برانگیختہ کرنے کے ساتھ مومنوں کو خطاب ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآن میں پانچ نمازوں کا ذکر ہے (2)۔ آپ سے عرض کی

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 471　2۔ تفسیر طبری، جز 21-22، صفحہ 35

گئی کہاں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ اس سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہے۔ وَ حِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ مراد صبح کی نماز ہے۔ وَ عَشِیًّا عصر کی نماز۔ وَّ حِیۡنَ تُظۡہِرُوۡنَ مراد ظہر کی نماز ہے؛ یہ ضحاک اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا یہ قول ہے: آیت میں چار نمازوں پر تنبیہ ہے مغرب، صبح، عصر اور ظہر۔ علماء نے کہا عشاء ایک اور آیت میں ہے۔ وہ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ (ہود: 114) اور پردہ کے اوقات میں ہے۔ نحاس نے کہا: اہل تفسیر کا کہنا ہے کہ یہ آیت فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَ حِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ نمازوں کے متعلق ہے۔ میں نے حضرت علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا اس کی حقیقت میرے پاس ہے نمازوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو کیونکہ تسبیح نماز میں ہوتی ہے۔ یہ دوسرا قول ہے۔ تیسرا قول ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ پہلا قول ذکر کیا ہے اس میں لفظ ہے: اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھو جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔ نماز کو تسبیح کا نام دینے کی دو وجہیں ہیں: (۱) نماز رکوع اور سجود میں تسبیح کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے (۲) یہ سبحه سے ماخوذ ہے سبحہ کا معنی نماز ہے۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تکون لهم سبحة يوم القيامة قیامت کے روز ان کی نماز ہوگی (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات پر حمد کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وَ لَہُ الۡحَمۡدُ کا معنی ہے نماز اسی کے لیے ہے کیونکہ نماز حمد کی قراءت کے ساتھ خاص ہے۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے حمد اللہ تعالیٰ کی ایک قسم کی تعظیم ہے، اس کی عبادت پر برانگیختہ کرتا ہے اور اس کی نعمت کے دوام پر دلیل ہے۔ یہ نماز کے علاوہ ایک قسم ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ نماز مغرب سے اس کا ذکر شروع کیا کیونکہ رات دن پر مقدم ہوتی ہے سورۂ اسراء میں ظہر کی نماز سے شروع کیا کیونکہ یہ پہلی نماز ہے جو جبریل امین نے پڑھی۔ ماوردی نے کہا: رات کی نماز کو تسبیح کے نام اور دن کی نماز کو حمد کے نام کے ساتھ خاص کیا کیونکہ انسان کو دن کے وقت میں مختلف کاموں میں ادھر ادھر جانا پڑتا ہے۔ جو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کو واجب کرتے ہیں۔ رات میں خلوت ہوتی ہے جو تمام برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پاکی کو واجب کرتے ہیں، اسی وجہ سے دن کے وقت حمد خاص ہوئی اس کے ساتھ دن کی نماز کا نام رکھا اور رات کے وقت تسبیح خاص ہوئی اس کے ساتھ رات کی نماز کا نام رکھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ عکرمہ نے پڑھا ہے حینًا تمسون و حینًا تصبحون اصل کلام یوں ہے حینا تمسون فيه و حينا تصبحون فيه تخفیف کے لیے فیه کو حذف کر دیا۔ اس میں گفتگو اسی طرح ہے جس طرح اس ارشاد میں گفتگو ہے: وَ اتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡـًٔا (البقرہ: 48) وَ عَشِیًّا جوہری نے کہا: العشی والعشية سے مراد مغرب کی نماز سے رات کے ایک تہائی کا وقت ہے تو کہتا ہے: أتيته عشية أمس وعشى أمس، عشی کی تصغیر عُشَيّان ہے۔ یہ اپنے مکبر سے خلاف قیاس ہے، گویا انہوں نے اس کی تصغیر عشیان بنائی۔ اس کی جمع عُشَيَّانات ہے۔ اس کی تصغیر میں عشيشيان ہے جمع عُشَيْنِيَات ہے عشية کی تصغیر عشيتية ہے جمع عُشَيْشِيَات ہے۔ عشاء کسرہ اور مد کے ساتھ عَشِی کی مثل ہے عشاء ان

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 303

سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہے۔ ایک قوم کا خیال ہے۔ عشاء سے مراد سورج کے زوال سے لے کر طلوع فجر تک کا وقت ہے۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا:

غدونا غدوۃ سحرا بلیل　　عِشاء بعد ما انتصف النہار

اس شعر میں بھی عشاء کا لفظ نصف النہار کے بعد سے لے کر اگلے دن کی صبح تک کا لیا گیا ہے۔

ماوردی نے کہا: مساء اور عشاء کے درمیان فرق یہ ہے کہ مساء سے مراد سورج کے غروب ہونے کے بعد تاریکی کا شروع ہونا ہے (1)۔ عشاء سے مراد دن کا آخری پہر ہے جب سورج غروب ہونے کے لیے جھکے۔ یہ عشاء العین سے ماخوذ ہے جس سے مراد آنکھ کے نور کا کم ہونا ہے جس طرح سورج کا نور کم ہو جاتا ہے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾

"نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور یونہی (قبروں سے) تمہیں نکالا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کو بیان کیا یعنی جس طرح اس نے زمین کو زندہ کیا اس سے نباتات کو نکال کر، جب کہ اس کا نام ونشان نہ تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ اٹھانے کے ساتھ زندہ کرے گا۔ اس میں قیاس کی صحت پر دلیل ہے۔ سورۂ آل عمران میں يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ کی وضاحت گزر چکی ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۚ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 304

''اور اس (کی قدرت کی) نشانیوں میں سے (ایک یہ) ہے کہ اس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر تم اچانک بشر بن کر (زمین میں) پھیل رہے ہو اور اس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں تا کہ تم سکون حاصل کرو ان سے اور پیدا فرما دیئے تمہارے درمیان محبت اور رحمت (کے جذبات) بے شک اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے نیز تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف، بے شک اس میں بھی نشانیاں ہیں اہل علم کے لیے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا سونا رات کے وقت اور دن کے وقت اور تمہارا تلاش کرنا اس کے فضل کو، بلا شبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو (غور سے) سنتے ہیں اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دکھاتا ہے تمہیں بجلی ڈرانے اور امید دلانے کے لیے اور اتارتا ہے آسمان سے پانی اور زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل مند ہیں۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ قائم ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے پھر جب بلائے گا تمہیں زمین سے تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے۔ اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کے تابع فرمان ہیں''۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ اس کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کی علامات میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہارے جد اعلیٰ کو مٹی سے پیدا کیا اور فرع اصل کی طرح ہوتی ہے۔ سورۃ الانعام میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ ان محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے اسی طرح اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا۔

ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ پھر تم عقلاء ہو، بامعنی کلام کرتے ہو، ایسے امور میں تصرف کرتے ہو جو تمہاری معاش کا سہارا ہیں اس کی یہ شان نہیں کہ وہ تمہیں عبث پیدا کرے جو اس پر قادر ہے وہ عبادت اور تسبیح کا اہل ہے۔ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا یعنی عورتیں جن سے تم سکون حاصل کرتے ہو۔ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ مردوں کے نطفہ سے اور اپنی جنس سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت حوا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا کیا: یہ قتادہ کا قول ہے(1)۔ وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: مودۃ سے مراد جماع ہے اور رحمت سے مراد ولد ہے؛ یہ قول حضرت حسن بصری نے بھی کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مودۃ اور رحمۃ سے مراد ان کے دلوں کا ایک دوسرے پر مہربانی کرنا ہے۔ سدی نے کہا: مودۃ سے مراد محبت اور رحمۃ سے مراد شفقت ہے۔ یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: مودۃ سے مراد مرد کا اپنی عورت سے محبت کرنا ہے اور رحمۃ سے مراد مرد کا اپنی عورت کے بارے میں رحیم ہونا کہ اسے کوئی اذیت پہنچائے۔ یہ کہا جاتا ہے: مرد کی اصل زمین ہے اس میں زمین کی قوت ہے اس میں شرمگاہ ہے جس سے اس کی تخلیق کا آغاز ہوا تو اسے ضرورت تھی کہ جس سے وہ سکون حاصل کرے عورت کو پیدا کیا گیا تا کہ مرد اس سے سکون حاصل

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 305

کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ اور فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا مرد کو عورت سے پہلا فائدہ جو ہوتا ہے وہ یہ ہے اسے عورت سے سکون حاصل ہوتا ہے کیونکہ مرد میں قوت کا جوش ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب شرمگاہ اس میں موجود ہے تو پشت کا پانی اس کی طرف ہیجان کرتا ہے تو مرد عورت سے ہی سکون حاصل کرتا ہے اور عورت کے ذریعے وہ اس ہیجان سے خلاصی پاتا ہے۔ عورتوں کے بضع مردوں کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ (الشعراء: 166) اللہ تعالیٰ نے مردوں کو آگاہ کیا کہ عورتوں کا وہ حصہ مردوں کے لیے پیدا کیا گیا تو عورت پر لازم ہے کہ خاوند جب بھی اسے دعوت دے وہ اسے پیش کر دے۔ اگر وہ ایسا کرنے سے رک جاتی ہے تو وہ ظالم اور حرج عظیم میں مبتلا ہے۔ تیرے لیے وہ حدیث کافی ہے جو صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! جو مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر آنے کی دعوت دیتا ہے وہ عورت اس کے پاس آنے سے انکار کر دیتی ہے تو آسمان میں جو بھی ہے وہ اس پر ناراض ہو جاتا ہے یہاں تک کہ خاوند اس عورت پر راضی ہو جائے'' (1)۔ ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں: ''جب ایک عورت اپنے خاوند کے بستر سے علیحدہ رات گزارتی ہے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ صبح کرتی ہے'' (2)۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وہ اعتراف کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ زبان منہ میں ہوتی ہے اس کی کئی لغتیں ہیں: عربی، عجمی، ترکی اور رومی۔ رنگوں کا اختلاف صورتوں میں ہوتا ہے سفید، سیاہ، سرخ۔ تو کسی کو نہیں دیکھے گا مگر تو اس کے اور اس کے غیر میں فرق کر لے گا۔ یہ نطفہ کے افعال نہیں، یہ والدین کے افعال میں سے نہیں، کسی نہ کسی فاعل کا ہونا ضروری ہے تو اس سے معلوم ہو گیا کہ فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے مدبر اور باری (خالق) ہونے پر قطعی دلیل ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ اس میں نیک و بد کے لیے نشانیاں ہیں۔ حفص نے اسے للعالمین لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ عالم کی جمع ہے۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس آیت میں تقدیم و تاخیر کا قاعدہ ہے۔ معنی ہے اس کی آیات میں سے ہے کہ تم رات کو سو جاتے ہو اور دن کے وقت اس کا فضل تلاش کرتے ہو۔ النہار سے پہلے حرف جار کو حذف کر دیا گیا کیونکہ یہ اللیل کے ساتھ متصل ہے اور النہار کا عطف اللیل پر ہے۔ واؤ عاطفہ حرف جر کے قائم مقام ہو جاتا ہے جب وہ معطوف علیہ کے ساتھ متصل ہو خصوصاً اسم ظاہر میں۔ رات کے وقت نیند و موت پر دلیل بنایا اور دن کے وقت تصرف کو بعث پر دلیل بنایا۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ یہاں سماع سے مراد تفہیم اور تدبر کا سماع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حق سنتے ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ وعظ کو سنتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قرآن سنتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان سب سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جب قرآن پڑھا جاتا اور وہ حاضر ہوتے تو وہ اپنے کانوں کو بند کر لیتے یہاں

1۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 1، صفحہ 464 2۔ ایضاً

تک کہ وہ اسے نہ سنتے، اللہ تعالیٰ نے ان دلائل کو ان پر واضح کیا۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے اُن یریکم، اُن کو حذف کر دیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے۔ طرفہ نے کہا:

أَلَا أَيُّهٰذَا اللَّائِمِي أَحْضُرُ الْوَغَى وأن أشهَدَ اللذّاتِ هل أنت مُخْلِدِي(1)

اے مجھے ملامت کرنے والے کہ میں جنگ میں حاضر ہوتا ہوں اور لذات میں حاضر ہوتا ہوں کیا تو مجھے ہمیشہ کی زندگی عطا کر سکتا ہے؟

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے یریکم البرق من آیاته وہ اپنی آیات میں سے تمہیں بھی دکھاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے ومن آیاته آیة یریکم بها البرق اس کی آیات میں سے ایسی آیت ہے جو تمہیں بجلی دکھاتی ہے۔ جس طرح شاعر نے کہا:

وما الدّهر إلّا تارتان فمنهما أموتُ و أُخرَى أبتغي العيش أكدَحُ(2)

زمانہ نہیں مگر دو باریاں ان میں ایک میں مرتا ہوں اور دوسری باری میں زندگی کے لیے تگ و دو کرتا ہوں۔ شعر میں بھی تقدیم و تاخیر ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی آیات میں سے ہے وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے اپنی آیات سے ڈرانے اور طمع دلانے کے لیے؛ یہ زجاج کا قول ہے، پس جملہ کا عطف جملہ پر ہے۔ خَوْفًا مسافر کو خوف دلانے وَّ طَمَعًا اور مقیم کو امید دلانے کے لیے؛ یہ قتادہ کا قول ہے(3)۔ ضحاک نے کہا: کڑک سے خوف اور بارش میں طمع دلانے کے لیے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: سردی سے خوف کہ کہیں کھیتی ہلاک ہی نہ ہو جائے(4)۔ وَّ طَمَعًا اور بارش میں طمع کے لیے کہ وہ کھیتی کو زندہ کرے۔ ابن بحر نے کہا: خوف اس چیز کا کہ بجلی ایسی بجلی نہ ہو جو نظروں کو اچک ہی نہ لے اور بارش نہ برسائے اور بارش برسانے کی طمع(5)۔ شاعر کا شعر پڑھا:

لا يكن برقُك برقًا خُلَّبًا إنّ خير البرق ما الغيث معه(6)

تیری بجلی برق خلب نہ ہو بہترین بجلی وہ ہوتی ہے جس کے ساتھ بارش بھی ہو۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فقد أرِدُ المياهَ بغير زاد سوى عدّى لها برق الغمام

برق خلب اسے کہتے ہیں جس میں بارش نہیں ہوتی گویا وہ دھوکہ کرنے والی ہوتی ہے اسی معنی میں اسے کہا جاتا ہے جو وعدہ کرے اور اسے پورا نہ کرے: إنما أنت كبرق خلب۔ خلب ایسے بادل کو بھی کہتے ہیں جس میں بارش نہ ہو۔ یوں بھی کہا جاتا ہے: برق خلب یعنی مضاف مضاف الیہ کی صورت میں۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 333 — 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 334

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 307 — 4۔ ایضاً — 5۔ ایضاً — 6۔ ایضاً

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيِ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ اس کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ان محل رفع میں ہے جس طرح یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ آسمانوں کا قیام اور ان کا ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ بغیر ستونوں کے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کی تدبیر اور اس کی حکمت کے ساتھ، یعنی اللہ تعالیٰ مخلوق کے منافع کے لیے بغیر ستونوں کے انہیں روکے ہوئے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مخلوق کے منافع کے لیے بغیر ستونوں کے روکے ہوئے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بامرہ سے مراد باذنہ ہے معنی ایک ہی ہے۔

ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ وہ ذات جس نے یہ اشیاء بنائیں وہ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہیں تمہاری قبروں سے اٹھائے۔ مراد یہ ہے اس کا وجود تیزی سے ہوتا ہے اس میں کسی قسم کا توقف اور ٹھہراؤ نہیں ہوتا جس طرح اس بلانے والے کو بلایا جانے والا جواب دیتا ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہو، جس طرح کسی قائل نے کہا:

دَعَوْتُ كُلَيبا باسمه فكأنما دَعَوْتُ برأس الطَّوْد أو هو أسرع

میں نے کلیب کو اس کے نام سے بلایا گویا میں نے صدائے بازگشت کو دعوت دی یا اس سے بھی وہ تیز تھا۔

راس الطود سے مراد وہ صدائے بازگشت لیتا ہے یا وہ پتھر جو لڑھکتا ہے۔ اس کا عطف السموات اور الارض پر ثم سے کیا کیونکہ اس امر سے جو وقوع پذیر ہوگا وہ بہت ہی عظیم ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا ایسی چیزوں پر قادر ہونا یہ بھی اس کی عظمت پر دلیل ہے۔ وہ یہ فرمائے گا: یا اهل القبور قوموا اے قبر الو! اٹھ کھڑے ہو۔ تو اولین و آخرین میں سے کوئی روح نہ ہوگی مگر وہ دیکھنے لگے گی، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ (الزمر)

پہلا اذا جو اِذَا دَعَاكُمْ میں ہے شرط کے لیے ہے اور دوسرا اذا جو اِذَاۤ اَنْتُمْ میں ہے مفاجات کے لیے ہے۔ یہ اس فاء کے قائم مقام ہے جو جواب شرط میں ہوتی ہے قراء کا یہاں تاء کے فتحہ میں جو تخرجون میں ہے سب کا اتفاق ہے سورۂ اعراف میں جو تاء ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے اہل مدینہ نے اسے ومنها تخرجون تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اہل عراق نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اسی کی طرف میلان رکھتے ہیں دونوں معنی قریب قریب ہیں مگر اہل مدینہ نے سیاق کلام کی وجہ سے دونوں میں فرق کیا ہے۔ سورۂ اعراف میں سیاق کلام ضمہ کے زیادہ مشابہ ہے، یعنی جب وہ تمہیں دعوت دے گا تو تم نکل پڑو گے یعنی تم اطاعت کرو گے تو فعل ان کے مناسب ہے۔ یہ نکلنا اس وقت ہوگا جب حضرت اسرافیل دوسرا نفخہ پھونکیں گے جس طرح پہلے گزرا اور بعد میں آئے گا۔ اسے تخرجون تاء کے ضمہ اور اس کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، زمخشری نے اسے ذکر کیا اور اس پر کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا اور جو ہم نے فرق بیان کیا ہے اس کا ذکر بھی نہیں کیا؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ، خلق، ملک اور بندہ ہونے کے اعتبار سے آسمان و زمین اسی کے ہیں۔

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: كلّ قنوت في القرآن فهو طاعة قرآن حکیم میں جہاں بھی قنوت کا لفظ ہے اس سے مراد طاعت ہے۔ نحاس نے کہا: وہ اقرار کرتے ہیں اس کی طاعت کرتے ہیں۔ ایک قول

یہ کیا گیا ہے: قٰنِتُوْنَ وہ عبودیت کا اقرار کرتے ہیں خواہ وہ قولا ہو یا دلالۃ ہو؛ یہ قول عکرمہ، ابو مالک اور سدی کا ہے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قانتون کا معنی ہے اس کی نماز پڑھتے ہیں (2)۔ ربیع بن انس نے کہا: اس کا معنی ہے قیامت کے روز اس کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے (3)، جس طرح فرمایا: یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶﴾ (المطففین) اس روز لوگ حساب کے لیے کھڑے ہوں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سب یہ گواہی دیں گے کہ وہ ہر ایک اس کا بندہ ہے (4)۔ سعید بن جبیر نے کہا: قٰنِتُوْنَ کا معنی ہے وہ مخلص ہوں گے (5)۔

وَ هُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾

''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے اس کے لیے اور اسی کے لیے برتر شان ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے''۔

وَ هُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ پیدائش کا آغاز کرنے سے مراد رحم میں اس کی ولادت سے قبل نطفہ کو رحم کے ساتھ چسپاں کرنا ہے، جہاں تک اس کے اعادہ کا تعلق ہے تو موت کے بعد بعث کے لیے دوسرے نفخہ کے ساتھ اسے زندہ کرنا ہے انسان کی پیدائش کا آغاز جو معلوم ہے اسے اس کے اعادہ پر دلیل بنایا ہے جو مخفی ہے یہ غائب کا شاہد پر استدلال کرنا ہے۔ پھر اسے اپنے اس ارشاد کے ساتھ موکد کیا: وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم یبدی الخلق کو ابداء یبدئ سے قراءت کی ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَ یُعِیْدُ ﴿۱۳﴾ (البروج) عام قراءت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ (الاعراف) ھون، ھین کے معنی میں ہے یعنی دوبارہ زندہ کرنا اس پر آسان ہے: یہ ربیع بن خثیم اور حضرت حسن بصری کا قول ہے (6)۔ ھون یہ ھیّن کے معنی میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی چیز کسی شے کے مقابلہ میں آسان نہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: جس نے اھون کی تعبیر یہ کی کہ ایک شے دوسری شے پر فضیلت رکھتی ہے اس کا قول اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ مردود ہے۔ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۳۰﴾ (النساء) اور اس فرمان کے ساتھ مردود ہے۔ وَ لَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا (البقرہ: 255) عرب افعل کے صیغہ کو فاعل پر محمول کرتے ہیں۔ اسی معنی میں فرزدق کا قول ہے:

إن الذی سَمَكَ السماء بنی لنا بیتًا دعائمه أعز وأطول

وہ ذات جس نے آسمان بنایا اس نے ہمارے لیے ایسا گھر بنایا جس کے ستون مضبوط اور طویل ہیں۔

اس شعر میں أعز اور اطول، عزیزۃ طویلۃ کے معنی میں ہیں۔ ایک اور شاعر نے کہا:

لَعَمْرُكَ ما أدری وانی لأوجل علی أیّنا تَعْدُو المنیّة أوّل

تیری زندگی کی قسم! میں نہیں جانتا جب کہ میں ڈر رہا ہوں کہ ہم میں سے کس پر پہلے موت آ جائے گی۔ شعر میں اوجل سے مراد وجل ہے۔ ابو عبیدہ نے یہ شعر پڑھا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 309 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 310

إنِّي لَأَمْنَحُكَ الصُّدُودَ وَإِنَّنِي　　قَسَمًا إِلَيْكَ مَعَ الصُّدُودِ لَأَمْيَلُ

میں تجھے بے توجہی دوں گا تیری قسم! میں اس بے توجہی کے باوجود مائل ہوں۔

اس شعر میں بھی اميل، مائل کے معنی میں ہوگا۔

احمد بن یحییٰ نے یہ شعر پڑھا:

تَمَنَّى رِجَالٌ أَنْ أَمُوتَ وَإِنْ أَمُتْ　　فَتِلْكَ سَبِيلٌ لَسْتُ فِيهَا بِأَوْحَدِ

لوگ میری موت کی آرزو کرتے ہیں اگر میں مر گیا تو وہ ایسا راستہ ہے جس میں میں تنہا نہیں۔

اس شعر میں بھی اوحد، واحد کے معنی میں ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

لَعَمْرُكَ إِنَّ الزِّبْرِقَانَ لَبَاذِلٌ　　لِمَعْرُوفِهِ عِنْدَ السِّنِينَ وَأَفْضَلُ

تیری زندگی کی قسم! زبرقان مال خرچ کرنے والا ہے اس کی نیکی کئی سالوں تک فضیلت رکھتی ہے۔

یہاں بھی افضل، فاضل کے معنی ہے۔ اس کے معنی میں ان کا قول ہے: الله اکبر اس کا معنی ہے الله کبیر۔ معمر نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے حضرت عبدالله بن مسعود کی قراءت میں ہے: وهو عليه هين مجاہد، عکرمہ اور ضحاک نے کہا: معنی ہے الله تعالیٰ پر دوبارہ زندہ کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے آسان ہے (1)۔ اگرچہ سب امور الله تعالیٰ پر آسان ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ ضرب المثل ہے جو الله تعالیٰ نے بندوں کے لیے بیان فرمائی ہے (2)۔ ارشاد فرمایا: مخلوقات پر شے کو لوٹانا اس کی ابتدا سے آسان ہوتا ہے تو چاہیے کہ جو تمہارے نزدیک اور تمہارے درمیان شروع کرنے پر قادر ہے اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: علیہ میں ضمیر مخلوقین کے لیے ہو، یعنی مخلوق پر آسان ہو۔ ان پر ایک چیخ ماری جائے گی وہ اٹھ کھڑے ہوں گے اور انہیں کہا جائے گا: ہو جاؤ تو وہ ہو جائیں گے یہ ان پر آسان ہو جائے گا کہ وہ نطفہ ہوں، جما ہوا خون ہوں پھر مضغہ ہوں پھر جنین ہوں پھر طفل ہوں پھر غلمان ہوں پھر جوان ہوں پھر مرد و عورت ہوں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قطرب نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اهون کا معنی ہے زیادہ آسان۔

ربیع بن خثیم نے کہا: **وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ** سے مراد ہے الله تعالیٰ پر کوئی چیز غالب نہیں۔ عکرمہ نے کہا: کفار نے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے بارے میں تعجب کا اظہار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: **وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَى** الله تعالیٰ نے جو بھی ارادہ کیا وہ ہو گیا۔ خلیل نے کہا: مثل سے مراد صفت ہے۔ یعنی اس کی اعلیٰ شان ہے۔ **فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ** جس طرح فرمایا: **مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ** (الرعد: 35) یہاں مثل سے مراد صفت ہے۔ اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ مجاہد سے مروی ہے: **الْمَثَلُ الْأَعْلَى** سے مراد **لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ** کا قول ہے۔ اس کا معنی ہے جس کے لیے اعلیٰ وصف ہے وہ ارفع ہے جس کی صفت وحدانیت ہے۔ قتادہ نے بھی اسی طرح کہا: مثل اعلیٰ یہ **لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ** کی شہادت ہے۔ اس کی تائید الله تعالیٰ کا یہ

1۔ تفسیر طبری، جز 21-22، صفحہ 43　　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 310

فرمان کرتا ہے: ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (الروم:28) جس کی وضاحت ہم ابھی کریں گے ان شاء اللہ۔ زجاج نے کہا: وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مثال بیان کی ہر ایسی چیز میں جو مشکل ہے اور آسان ہے؛ وہ پہلی تفسیر کا ارادہ کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کی مثل کوئی بھی نہیں (1)۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

''اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لیے ایک مثال تمہارے ہی حالات میں سے (یہ بتاؤ) کیا تمہارے غلام تمہارے حصہ دار ہوتے ہیں اس مال میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے یوں کہ تم (اور وہ) اس میں برابر کے حصہ دار بن جاؤ حتی کہ تم ڈرنے لگو ان سے جیسے تم ڈرتے ہو آپس میں ایک دوسرے سے، یوں ہم کھول کر بیان کرتے ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لیے جو عقل مند ہے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فرمایا: مِّنْ اَنْفُسِكُمْ پھر فرمایا: مِّنْ شُرَكَآءَ پھر فرمایا: مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ پہلا من ابتدائیہ ہے گویا فرمایا: اس نے مثال اخذ کی اور تمہارے جو سب سے زیادہ قریبی شے ہے اس سے مثال کو اخذ کیا وہ تمہاری ذاتیں ہیں۔ دوسرا من تبعیض کے لیے ہے، تیسرا من زائدہ ہے استفہام کی تاکید کے لیے ہے۔ آیت قریش کے کفار کے لیے نازل ہوئی۔ وہ تلبیہ میں کہا کرتے تھے لبیك لا شريك لك إلا شريكا هولك تملكه و ما ملك؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ ایسی ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے لیے بیان فرمائی ہے۔ معنی ہے کیا تم میں سے کوئی راضی ہے کہ اس کا مملوک اس کے مال اور نفس میں اس کی مثل ہو جب تم خود اس بات پر اپنے لیے راضی نہیں ہو تو تم نے اللہ تعالیٰ کے لیے کیسے شریک بنا لیے؟

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے کہا: یہ آیت مخلوق میں شرکت میں اصل ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور احتیاج کی اللہ تعالیٰ سے نفی میں اصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ تو ضروری ہے کہ وہ کہیں: تو نے جو ہمیں رزق دیا ہے ہمارے غلام ہمارے شریک نہیں۔ انہیں کہا جاتا: تو یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ تم اپنے آپ کو اپنے غلاموں کی مشارکت سے پاک ہونے کا کہتے ہو اور میرے بندوں کو میری مخلوق میں میرا شریک بنا دیتے ہو۔ یہ حکم فاسد ہے، قلت نظر کا باعث ہے اور دل کے اندھا ہونے پر دال ہے۔ جس کے سردار مالک ہیں جب کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں تو یہ امر باطل ہو گیا کہ عالم میں کوئی ایسی چیز بھی ہو

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 310

جو اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے کسی چیز میں شریک ہو۔ جب وہ ایک ہی باقی ہے تو یہ محال ہو گیا کہ اس کا کوئی شریک ہو کیونکہ شرکت معاونت کا تقاضا کرتی ہے جب کہ ہم ایک دوسرے کے مال اور عمل میں معاونت کے محتاج ہیں قدیم ازلی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے منزہ ہے۔

یہ ایک مسئلہ طالب کے لیے اس چیز سے افضل ہے کہ وہ فقہ کا ایک پورا دیوان یاد کرے کیونکہ تمام عبادات بدنیہ درست نہیں ہوتیں مگر اسی صورت میں جب اس مسئلہ کو دل میں ثبت کیا جائے، اسی نقطہ کو یاد کرلو۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

”بلکہ پیروی کرتے رہے ظالم اپنی (نفسانی) خواہشات کی بغیر کسی دلیل کے۔ پس کون ہدایت دے سکتا ہے جسے (پیہم نافرمانی کے باعث) اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اور ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں“۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ جب حجت ان پر قائم ہوگئی تو یہ ذکر کیا کہ وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ ان کی عبادت میں اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں اور اس میں اسلاف کی تقلید کرتے ہیں فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کردے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں، اس آیت میں قدریہ کا رد ہے۔ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ان کا کوئی مددگار نہیں۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

”پس آپ کریں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑلو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے، کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا اللہ کی تخلیق میں، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے“۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ زجاج نے کہا: فطرۃ یہ منصوب ہے معنی ہے اتبع فطرۃ اللہ۔ کہا: کیونکہ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ کا معنی ہے دین حنیف کی اتباع کرو اور اللہ تعالیٰ کی فطرت کی اتباع کرو۔ طبری نے کہا: فطرۃ اللہ مفعول مطلق ہے(1)۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ کے معنی میں ہے، کیونکہ اس کا معنی ہے: فطر اللہ الناس علی ذلک فطرۃ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کا معنی ہے اس اللہ کے دین کی اتباع کرو جس نے لوگوں کو اپنے لیے پیدا کیا، اس قول کی بناء پر وقف حنیفا پر تام ہے۔ پہلے دو قولوں کی بنا پر یہ متصل ہوگا۔ حنیفا پر وقف نہیں ہوگا۔ فطرۃ کو دین کا نام دیا کیونکہ لوگوں کو اس کے لیے پیدا کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان

1۔ تفسیر طبری، جز 21-22، صفحہ 49

ہے: وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ (الذاریات) یہ کہا جاتا ہے: علیہا، لہا کے معنی میں ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (الاسراء: 7) فَاَقِمْ وَجْهَكَ کے ساتھ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ دین مستقیم کے لیے اپنے رخ کو سیدھا کرنے کا حکم ہے، جس طرح فرمایا: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ (الروم: 43) اس سے مراد دین اسلام ہے۔ اقامۃ الوجہ سے مراد مقصد اور قوت کو اعمال دین میں تگ و دو کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ وجہ کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ یہ انسان کے حواس کو جامع ہے اور انسان کا اشرف حصہ ہے۔ اہل تاویل کا اتفاق ہے کہ اس خطاب میں امت بھی داخل ہے۔ حنیفا کا معنی ہے اعتدال پر ان تمام تحریف شدہ اور منسوخ ادیان سے اعراض کرتے ہوئے۔

مسئلہ نمبر 2۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر بچے کو فطرت پر پیدا کیا گیا'' (1)۔ ایک روایت میں ہے: ''اس ملت پر پیدا کیا گیا اس کے والدین اسے یہودی بناتے ہیں، اسے نصرانی بناتے ہیں اور اسے مجوسی بناتے ہیں جس طرح چوپایہ ایک مکمل چوپایہ جنم دیتا ہے کیا تم اس میں کوئی چیز کٹی ہوئی پاتے ہو''۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے: چاہو تو یہ آیت پڑھو فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۭ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔

ایک روایت میں ہے: ''یہاں تک کہ تم اسے کاٹتے ہو'' صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں بتائیے جو چھوٹی عمر میں فوت ہو جاتا ہے؟ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں خوب جانتا ہے جو وہ عمل کرنے والے تھے''۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ علماء نے اس فطرت کے معنی میں اختلاف کیا ہے جو کتاب و سنت میں مذکور ہے اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں: (1) اس سے مراد اسلام ہے؛ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن شہاب اور اس کے علاوہ دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ان علماء نے کہا: علماء تاویل میں سے عام سلف صالحین کا یہی نقطہ نظر ہے۔ انہوں نے آیت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور حضرت عیاض بن حمار مجاشعی کی حدیث اس کی تائید کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز لوگوں سے کہا: ''کیا میں تمہیں بیان نہ کروں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مجھے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کو حنیف پیدا کیا۔ انہیں ایسا مال عطا کیا جو حلال تھا اس میں کوئی حرام نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو مال عطا کیا اس کو انہوں نے حلال و حرام بنا دیا''۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے استدلال کیا ہے: ''پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں'' (2)۔ ان پانچ چیزوں میں مونچھیں کاٹنا شمار کیا، یہ اسلام کے طریقوں میں سے ہے، اس تاویل کی بنا پر حدیث کا معنی ہو گا: اللہ تعالیٰ نے بچے کو کفر سے پاک اس میثاق پر پیدا کیا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت سے لیا جب انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے لیا، جب وہ بالغ ہونے سے پہلے مر جائیں تو وہ جنت میں ہوں گے؛ وہ مسلمانوں کی اولاد ہوں یا کفار کی اولاد ہوں۔

دوسرے علماء نے کہا: فطرت سے مراد وہ آغاز ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کا آغاز کیا یعنی جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں

1۔ صحیح مسلم، کل مولود یولد علی الفطرۃ، جلد 2، صفحہ 336　2۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، جلد 2،

تخلیق فرمایا یعنی انہیں زندگی، موت، سعادت اور شقاوت کے لیے پیدا کیا اور بالغ ہونے کے بعد جس کی طرف وہ لوٹیں گے۔ علماء نے کہا: کلام عرب میں فطرت سے مراد شروع کرنا ہے اور فاطر سے مراد شروع کرنے والا ہے۔ انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا کہ فاطر السموات والارض سے کیا مراد ہے یہاں تک کہ دو بدو ایک کنویں کے بارے جھگڑتے ہوئے میرے پاس آئے، ایک نے کہا: میں نے اس کے کھودنے کی ابتدا کی۔ مروزی نے کہا: حضرت امام احمد بن حنبل اس قول کی طرف جاتے تھے پھر اس کو ترک کیا۔ ابو عمر نے اپنی کتاب "التمہید" میں کہا امام مالک نے اپنے موطا میں کہا: اسلوب ہے آپ نے باب القدر میں کچھ آثار نقل کیے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کا اس میں یہ مذہب تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ انہوں نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو کعب قرظی سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مروی ہے: فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ (الاعراف:30) کہا: اللہ تعالیٰ نے جس مخلوق کو گمراہی کے لیے پیدا کیا تو اسے گمراہی کی طرف لوٹا دے گا اگرچہ وہ ہدایت کے اعمال کرے اور اللہ تعالیٰ نے جس مخلوق کو ہدایت کے لیے پیدا کیا ہے اسے ہدایت کی طرف پھیر دے گا اگرچہ وہ گمراہی کے کام کرے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی تخلیق گمراہی پر کی اس نے فرشتوں کے ساتھ سعادت کے اعمال کیے پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی طرف لوٹا دیا جس کے لیے اسے پیدا کیا تھا۔ فرمایا: کان من الکافرین۔

میں کہتا ہوں: سورۃ الاعرف میں کعب کا قول گزر چکا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث سے اس کی ہم معنی روایت آئی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انصار کے ایک بچے کی نماز جنازہ کی دعوت دی گئی، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اسے مبارک ہو یہ تو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑی ہے، اس نے برا عمل نہیں کیا اور نہ اس حد تک پہنچا (1)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عائشہ! کیا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جنت کے اہل کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا جب کہ وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے اور جہنم کے اہل کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا جب کہ وہ آباء کی پشتوں میں تھے"۔ ابن عامر نے اسے سنن میں نقل کیا ہے۔ ابو عیسیٰ ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت نقل کی ہے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں فرمایا: "کیا تم جانتے ہو یہ دونوں کتابیں کیا ہیں؟" ہم نے عرض کی: نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مگر یہ کہ آپ ہمیں خبر دیں، وہ کتاب جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی اس کے بارے میں فرمایا: "یہ رب العالمین کی جانب سے کتاب ہے اس میں جنتیوں کے نام ہیں، ان کے آباء کے نام ہیں اور ان کے قبائل کے نام ہیں پھر آخر تک ان کا اجمالی ذکر کیا۔ ان میں نہ اضافہ ہوگا اور نہ ان میں کمی ہوگی" (2)۔ حدیث کا ذکر کیا۔ اس کے بارے میں فرمایا: حدیث حسن ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: کل مولد یولد علی الفطرۃ سے عموم مراد نہیں۔ الناس سے مراد مومن ہیں اگر تمام لوگوں کو اسلام پر

1۔ صحیح مسلم، باب فی معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ، جلد 2، صفحہ 337

2۔ جامع ترمذی، ابواب القدر، جلد 2، صفحہ 36۔ ایضاً، حدیث نمبر 2067، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پیدا کیا جاتا تو کوئی بھی کفر نہ کرتا۔ یہ ثابت ہے کہ اس نے کچھ لوگوں کو آگ کے لیے پیدا کیا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ (الاعراف: 179) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی صلب سے ذریت کو سیاہ اور سفید نکالا۔ اس بچے کے بارے میں فرمایا جسے حضرت خضر نے قتل کیا: ''جس روز اسے پیدا کیا گیا کافر ہی پیدا کیا گیا''۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی جب کہ دن بلند تھا۔ اس میں ہے ہم نے اس میں سے جو یاد رکھا وہ یہ ہے کہ فرمایا: ''خبردار! بنی آدم کو مختلف طبقات میں پیدا کیا گیا ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کو مومن کی حیثیت سے پیدا کیا جاتا ہے، وہ مومن کی حیثیت سے زندہ رہتا ہے اور مومن کی حیثیت سے مرتا ہے ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جن کو کافر کی حیثیت سے پیدا کیا جاتا ہے، کافر کی حیثیت سے زندہ رکھا جاتا اور کافر کی حیثیت سے مرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کو مومن کی حیثیت سے پیدا کیا جاتا ہے وہ مومن کی حیثیت سے زندہ رہتے ہیں اور کافر کی حیثیت سے مرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو کافر کی حیثیت سے زندہ رہتے ہیں اور مومن کی حیثیت سے مرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اچھی قضا اور اچھی طلب والے ہوتے ہیں''(1)۔

حماد بن زید بن سلمہ نے مسند طیالسی میں اسے ذکر کیا ہے۔ علی بن زید، ابونضرہ سے وہ حضرت ابو سعید خدری سے روایت نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا: عربوں کی زبان میں عموم خصوص کا معنی اکثر استعمال ہوتا ہے۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے: تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ (الاحقاف: 25) جب کہ اس نے آسمان اور زمین کو ہلاک نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (الانعام: 44) ان پر رحمت کے دروازے نہیں کھولے گا۔ اسحاق بن راہویہ حنظلی نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا (یونس: 105) یہ کلام مکمل ہو جاتی ہے، پھر فرمایا: فِطْرَتَ اللّٰهِ تقدیر کلام یہ ہے فطر اللہ الخلق فطرۃ اما بجنۃ او نار اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا یا تو جنت کے لیے یا جہنم کے لیے۔ اسی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اشارہ کرتا ہے: کل مولود یولد علی الفطرۃ اسی وجہ سے فرمایا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ہمارے شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جس نے کہا: اس سے مراد سعادت اور شقاوت کا پہلے سے ہونا ہے تو یہ اسی فطرت کے مناسب ہے جو قرآن میں مذکور ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ جہاں تک حدیث میں اس لفظ کا تعلق ہے تو وہ نہیں؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی ماندہ حدیث میں خبر دی کہ اس میں تغیر و تبدل ہو جاتا ہے۔

اہل فقہ اور اہل نظر میں سے ایک طائفہ نے کہا: فطرت سے مراد وہ خلقت ہے جس پر بچے کو پیدا کیا گیا کہ وہ اپنے رب کو پہچان لے، گویا فرمایا: یہ بچے کو ایسی خلقت پر پیدا کیا گیا جس کی مدد سے وہ اپنے رب کی پہچان کر سکتا ہے جب وہ معرفت کی حد تک پہنچتا ہے مراد ایسی خلقت ہے جو بہائم کی خلقت سے مختلف ہے جو جانور اپنی خلقت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت تک نہیں پہنچتے۔ انہوں نے یہ استدلال کیا کہ فطرت سے مراد خلقت ہے۔ فاطر سے مراد خالق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (فاطر: 1) مراد ان کا خالق ہے، اسی طرح یہ ارشاد ہے: وَ مَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ

1۔ جامع ترمذی، ابواب الفتن، جلد 2، صفحہ 42

الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ (یٰسین:22) یہاں بھی فطرنی، خلقنی کے معنی میں ہے یعنی جس نے مجھے پیدا کیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِیۡ فَطَرَهُنَّ (الانبیاء:56) جس نے انہیں پیدا کیا۔ علماء نے کہا: فطرۃ سے مراد خلقت ہے، فاطر کا معنی خالق ہے۔ انہوں نے اس چیز سے انکار کیا ہے کہ بچے کو کفر، ایمان، معرفت یا انکار پر پیدا کیا جائے۔ انہوں نے کہا: بچہ عموماً خلقت، طبع اور ڈھانچہ کے اعتبار سے سلامتی پر ہوتا ہے اس کے ساتھ ایمان، کفر، انکار اور معرفت نہیں ہوتی جب بالغ ہونے کے بعد وہ امتیاز کے قابل ہوتے ہیں تو وہ کفر و ایمان کا اعتقاد اپناتے ہیں۔ انہوں نے حدیث میں اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: کما تنتج البھیمة بھیمة جمعاء یعنی سالمة ھل تحسون فیھا من جدعاء جس طرح ایک جانور کامل بچہ جنم دیتا ہے کیا تم اس میں کسی چیز کو کٹا ہوا محسوس کرتے ہو، یعنی کیا تم اس کو کان کٹا دیکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دلوں کو چوپاؤں سے تشبیہ دی کیونکہ وہ کامل بچے کو جنم دیتے ہیں اس میں کوئی نقص نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ان کے کان اور ناک کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اور انہیں یہ نام دیئے جاتے ہیں: بحائر، سوائب۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اسی طرح بچوں کے دل میں جب وہ جنم لیتے ہیں تو ان کے لیے کفر ہوتا ہے اور نہ ہی ایمان، معرفت ہوتی ہے اور نہ ہی انکار جس طرح چرنے والے چوپائے، جب بالغ ہوتے ہیں تو شیاطین انہیں حیران اور مبہوت کر دیتے ہیں تو ان میں سے اکثر کافر ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے کم افراد کو محفوظ و مامون رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا: اگر بچے ابتدا سے ہی کفر و ایمان میں سے کسی چیز پر پیدا کیے جاتے تو وہ اس سے کبھی بھی منتقل نہ ہوتے، جب کہ ہم انہیں پاتے ہیں کہ وہ ایمان والے ہوتے ہیں پھر وہ کفر کرتے ہیں عقلی دلیل کے اعتبار سے یہ محال ہے کہ بچہ ولادت کے وقت کفر و ایمان کی سمجھ رکھتا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے حال میں پیدا کیا ہے کہ وہ اس وقت کچھ بھی نہیں سمجھتے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡــٴًـا (النحل:78) جب وہ کسی بھی چیز کو کچھ نہ جانتا تو اس سے کفر و ایمان، معرفت و انکار محال ہے۔

ابو عمر عبد البر نے کہا: فطرت کا معنی جس پر بچے کو پیدا کیا جاتا ہے۔ ان میں سے یہ صحیح ترین قول ہے۔ اس بارے میں دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝ (الطور) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُلُّ نَفۡسٍۢ بِمَا كَسَبَتۡ رَهِيۡنَةٌ ۝ (المدثر) جو عمل کے وقت تک نہ پہنچا وہ کسی چیز کا ذمہ دار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ۝ (الاسراء) جب علماء نے اس پر اتفاق کیا تو دنیا میں حدود و قصاص اور گناہ ان سے اٹھا دیئے گئے ہیں تو آخرت میں تو بدرجہ اولیٰ ان کے لیے ایسا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

یہ محال ہے کہ فطرت مذکورہ سے مراد اسلام ہو جس طرح ابن شہاب نے کہا، کیونکہ اسلام اور ایمان زبان سے قول، دل کا اعتقاد اور اعضاء کے ساتھ عمل ہے بچے سے یہ معدوم ہے عقل مند آدمی اس سے جاہل نہیں، جہاں تک اوزاعی کا قول ہے: میں نے زہری سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا جس کے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا لازم ہو گیا اس کی جانب سے بچہ کافی ہوگا کہ اسے آزاد کر دے جب کہ وہ ابھی دودھ پیتا ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، کیونکہ وہ فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوا۔

اس کی آزادی اس کے نزدیک جائز ہے جو اس تعبیر کو جائز سمجھتا ہے کیونکہ اس کا حکم اس کے والدین کا حکم ہے۔ دوسرے علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے کہا: اگر غلام آزاد کرنا واجب ہو تو اس میں ایسا غلام ہی آزاد کیا جا سکتا ہے جو روزہ رکھتا اور نماز پڑھتا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۞ (الاعراف) اور حدیث طیبہ: ان یختم اللہ للعبد بما قضاہ لہ وحدہ علیہ میں کوئی ایسی دلیل نہیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ مومن یا کافر کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ عقول گواہ ہیں کہ اس وقت میں وہ ایمان و کفر کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتا۔ وہ حدیث جس میں آیا ہے: ان الناس خلقوا علی طبقات یہ ان احادیث میں سے نہیں جس پر طعن نہ ہو کیونکہ علی بن زید بن جدعان اس کو روایت کرنے میں منفرد ہے۔ شعبہ پر اعتراض کیا جاتا ہے، ساتھ ہی ساتھ یولد مومنا میں یہ احتمال موجود ہے کہ مراد ہو اسے جنم دیا جاتا ہے تاکہ وہ مومن ہو، اسے جنم دیا جاتا ہے تاکہ وہ کافر ہو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے علم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: خلقت هولاء للجنة و خلقت هولاء للنار میں اس سے بڑھ کر کچھ نہیں جس پر ان کا خاتمہ ہوگا اس کی ان کے بارے میں رعایت کی جائے گی؛ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ اپنی طفولیت میں جنت یا جہنم کے مستحق ہیں یا وہ کفر و ایمان کی سمجھ بوجھ رکھتے تھے۔

میں کہتا ہوں: ابو عمرو نے جو نقطہ نظر اختیار کیا ہے اور اس کے لیے دلیل پیش کی ہے کئی محققین اس کی طرف گئے ہیں، ان میں ابن عطیہ بھی ہے اور ہمارے شیخ ابو العباس بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اس لفظ کی تفسیر میں جس چیز پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد خلقت اور وہ ہیئت ہے جو طفل کے نفس میں ہوتی ہے وہ نفس اس کے لیے تیار کیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مصنوعات کو امتیاز دیا جا سکے، اس کے ذریعے اس کے رب ہونے پر استدلال کیا جا سکے، شرائع کو پہچانا جا سکے اور اس پر ایمان لایا جا سکے، گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے چہرے کو اس دین کے لیے سیدھا کر لو جو دین حنیف ہے یہی اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے لیکن اسے عوارض لاحق ہوتے رہتے ہیں اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ ہر بچے کو فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے اس کے والدین اسے یہودی بناتے ہیں یا نصرانی بناتے ہیں۔

ابوین کا ذکر یہ اس عوارض کی مثال ہے جو کثرت سے واقع ہوتے ہیں۔ ہمارے شیخ نے اپنی عبارت میں کہا: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے دل بنائے جو قبول حق کی اہلیت رکھتے ہیں جس طرح ان کی آنکھیں اور کان بنائے جو دیکھی جانے والی اور سنی جانے والی چیزوں کو قبول کرتے ہیں جب تک وہ اس قبول اور اس اہلیت پر باقی رہتی ہے وہ حق اور دین اسلام کو پانے والی ہیں یہی دین حق ہے۔ اس معنی کی صحت پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے: کما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء هل تحسون فيها من جدعاء یعنی جو یا یا اپنے بچے کو کامل اور آفات سے محفوظ پیدا کرتا ہے اگر اسے اس خلقت پر چھوڑا جاتا تو وہ کامل اور عیوب سے بری ہوتا لیکن اس میں تصرف کیا جاتا ہے اس کے کان کاٹ دیے جاتے ہیں، اس کے چہرے پر نشان لگا دیا جاتا ہے۔ اس پر آفات اور نقائص طاری ہوتے ہیں تو وہ اصل سے نکل جاتا ہے۔ اسی طرح انسان ہے یہ ایسی تشبیہ ہے جو واقع ہے

اور اس کی وجہ واضح ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول پہلے قول کے معنی میں موافق ہے اور یہ ادراک کے بعد ہے جب انہوں نے امور دنیا کو سمجھ لیا اور اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر اس سے موکد ہوگئی جو واضح آیات ان پر قائم کی گئیں جیسے آسمانوں، زمین، سورج، چاند، خشکی، تری کی تخلیق اور رات اور دن کا اختلاف۔ جب ان میں ان کی خواہشات نے اپنا کردار ادا کیا شیاطین ان کے پاس آ گئے انہوں نے انہیں یہودیت اور نصرانیت کی طرف دعوت دی تو وہ ان کی خواہشات کو دائیں بائیں لے گئے۔ اگر وہ چھوٹی عمر میں مر جاتے تو وہ جنت میں ہوتے۔ مراد تمام بچے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو آپ کی پشت سے چھوٹی چیونٹیوں کی صورت میں باہر نکالا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا (الاعراف: 172) جب وہ اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کر چکے اور یہ اقرار کر چکے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر انہیں واپس ان کی پشتوں کی طرف لوٹا دیا، پھر ماں کے پیٹ میں اس کے شقی یا سعید ہونے کے بارے میں لکھ دیا جاتا ہے جس طرح کتاب اول میں تھا۔ جو آدمی کتاب اول میں شقی تھا اسے زندگی گزارنے کا موقع دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر قلم جاری ہوتا ہے تو وہ شرک کر کے اس میثاق کو توڑ دیتا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر اس سے لیا گیا۔ جو آدمی کتاب اول میں سعید تھا اسے مہلت دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس پر قلم جاری ہوتا ہے تو وہ سعید ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کے بچوں میں سے جو فوت ہو جاتا ہے جب کہ اس پر قلم جاری ہو تو وہ اپنے آباء کے ساتھ جنت میں ہوتا ہے۔ جو مشرکوں کی اولاد میں سے ہوتا ہے اس پر قلم جاری ہونے سے پہلے ہی وہ مر جاتا ہے تو وہ اپنے آباء کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ کیونکہ وہ پہلے میثاق پر ہی فوت ہو گئے جو ان سے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر لیا گیا تھا اور میثاق کو توڑا نہ گیا۔ اہل تاویل کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے؛ یہ تمام احادیث میں تطبیق کرنے والی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: اللہ اعلم بما کانوا عاملین مراد ہے اگر وہ بالغ ہوتے۔ اس تاویل پر امام بخاری کی حدیث دلالت کرتی ہے جو آپ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حدیث طویل ہے جو حدیث رؤیاء ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: واما الرجل الطویل الذی فی الروضة فابراهیم علیه السلام وأما الولدان حوله فکل مولود یولد علی الفطرة(1) وہ طویل آدمی جو روضہ میں ہوگا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے اور ان کے ارد گرد بچے ہوں گے وہ بچے جنہیں فطرہ پر پیدا کیا گیا۔ عرض کی گیا: یا رسول اللہ! مشرکوں کی اولاد؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اور مشرکوں کی اولاد''۔ یہ ایسی نص ہے جو اختلاف کو ختم کر دیتی ہے۔ یہ وہ صحیح ترین چیز ہے جو باب میں روایت کی گئی ہے اس کے علاوہ احادیث میں علل ہیں۔ ائمہ احادیث فقہاء نہیں؛ یہ ابو عمر بن عبد البر کا قول ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے

1۔ الترغیب والترہیب، سورۂ روم، باب من تاخیر الصلوٰة عن وقتها، جلد 1، صفحہ 388

رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: ''ان کی نیکیاں نہیں کہ انہیں بدلہ دیا جائے تو وہ جنت کے بادشاہوں میں سے ہو جائیں۔ ان کی برائیاں نہیں کہ انہیں سزا دی جائے تو وہ جہنمیوں میں سے ہو جائیں وہ جنتیوں کے خادم ہیں'' (1)۔ یحییٰ بن سلام نے اسے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے ہم نے کتاب ''التذکرۃ'' میں اس کی خوب وضاحت کی ہے۔ ہم نے مؤطا مالک بن انس کی شرح کتاب ''المقتبس'' میں اسے ذکر کیا ہے جسے ابو عمر نے ذکر کیا ہے۔ الحمدللہ

اسحاق بن راہویہ نے ذکر کیا یحییٰ بن آدم، جریر بن حازم سے وہ ابو رجاء عطاردی سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں اس امت کا معاملہ ہمیشہ قریب قریب رہے گا یا ایسا کلمہ ذکر کیا جو ان کے مشابہ ہے یہاں تک کہ وہ اطفال اور تقدیر کے بارے میں کلام کریں گے یا غور و فکر کریں گے۔ یحییٰ بن آدم نے کہا: میں نے اس کا ذکر ابن مبارک سے کیا: فرمایا: کیا انسان جہالت پر خاموش رہ سکتا ہے؟ میں نے کہا: کیا آپ کلام کا حکم دیتے ہیں؟ کہا: وہ خاموش ہو گئے۔ ابوبکر وراق نے کہا: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا اس سے مراد فقر و فاقہ ہے۔ یہ اچھی کلام ہے کیونکہ وہ ولادت سے لے کر موت تک محتاج ہوتا ہے، ہاں اور آخرت میں (بھی)۔

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ یہ ایسی فطرت ہے خالق کی جانب سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، کسی صورت میں امراس کے خلاف نہیں ہوتا۔ جس کو اس نے سعید پیدا کیا وہ بدبخت نہیں ہوگا اور جس کو شقی پیدا کیا وہ سعید نہیں ہوگا۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی؛ یہ قتادہ، ابن جبیر، ضحاک، ابن زید اور نخعی کا قول ہے (2)۔ انہوں نے کہا: معتقدات میں یہی معنی ہے۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے معنی ہے: چوپاؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی تبدیلی درست نہیں کہ ان کے نروں کو خصی کر دیا جائے معنی ہے کہ حیوانوں میں سے خصی کرنے سے نہی ہے۔ یہ بحث سورۂ نساء میں گزر چکی ہے۔

ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وہ درست فیصلہ ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (3)۔ مقاتل نے کہا: وہ واضح حساب ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الدِّیْنُ الْقَیِّمُ سے مراد دین اسلام ہے، وہی دین قیم اور مستقیم ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ وہ غور و فکر نہیں کرتے کہ وہ یہ جان لیں کہ ان کا خالق و معبود ہے اور قدیمی الٰہ ہے اس کی قضا سبقت لے جا چکی ہے اور اس کا حکم نافذ ہو چکا ہے۔

مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَاتَّقُوْهُ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

''(اے غلامان مصطفیٰ! تم بھی اپنا رخ اسلام کی طرف کر لو) اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے اور قائم کرو نماز کو اور نہ ہو جاؤ (ان) مشرکوں میں سے جنہوں نے پارہ پارہ کر دیا اپنے دین کو اور خود گروہ

1۔ التذکرۃ فی احوال الموت، ماجاء فی اطفال المسلمین والمشرکین، جلد 2، صفحہ 681
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 312 3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 313 4۔ ایضاً

گروہ ہو گئے، ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اسی پر خوش ہے''۔

مُنِيبِينَ إِلَيْهِ اس کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: توبہ اور اخلاص کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ یحییٰ بن سلام اور فراء نے کہا: وہ اس کی طرف متوجہ ہونے والے ہیں۔ عبدالرحمن بن زید نے کہا: اس کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: گناہوں سے توبہ کر کے اس کی طرف لوٹنے والے ہیں، اسی معنی میں ابو قیس بن اسلت کا قول ہے:

فإن تابوا فإن بني سليم وقومهم هوازن قد أنابوا(1)

اگر انہوں نے توبہ کی تو بنی سلیم اور ان کی قوم ہوازن نے توبہ کی۔

معنی ایک ہی ہے: کیونکہ نَابَ، تَابَ، ثَابَ اور آبَ سب کا معنی لوٹنا ہے۔ ماوردی نے کہا: انابہ کی اصل میں دو قول ہیں: (۱) اس کا معنی کاٹنا ہے، اسی سے ناب کا اسم ہے کیونکہ وہ کاٹنے والا ہوتا ہے، گویا انابہ سے مراد طاعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ہو رہنا (۲) اس کا معنی لوٹنا ہے، یہ نَابَ يَنُوبُ سے ماخوذ ہے جب وہ یکے بعد دیگرے لوٹے، اسی سے نوبہ ہے کیونکہ اس سے مراد عادت کی طرف لوٹنا ہے۔ جوہری نے کہا: أَنَابَ إِلَى اللهِ کا معنی ہے أَقْبَلَ وَتَابَ، نوبہ یہ نوب کا واحد ہے تو کہتا ہے: جاءت نوبتك ونابتك وهم يتناوبون النوبة فيما بينهم في الماء وغيرہ تیری باری آ گئی وہ پانی وغیرہ میں باری کرتے ہیں یہ حال کی حیثیت میں منصوب ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: فَأَقِمْ وَجْهَكَ کا معنی ہے اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے تم اپنے چہروں کو سیدھا کر لو۔ فراء نے کہا: معنی ہے اپنے اور جو آپ کے ساتھ ہیں وہ توبہ کرتے ہوئے اپنے چہرے سیدھے کر لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ماقبل کلام سے قطع کرتے ہوئے اسے نصب دی ہے یعنی فاقم وجهك وأنت وامتك المنيبين اليه کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو امر ہے وہ آپ کی امت کے لیے امر ہے؛ یہ کتنا اچھا ہے مُنِيبِينَ إِلَيْهِ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ (الطلاق: 1)

وَاتَّقُوهُ اس سے ڈرو اور اس نے تمہیں جو حکم دیا ہے اس کی اطاعت کرو۔ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ اس امر کو واضح کیا کہ عبادت نفع نہیں دیتی مگر اخلاص کے ساتھ ہی نفع دیتی ہے اسی وجہ سے فرمایا: وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ یہ بحث سورۃ النساء، اور الکہف وغیرہ میں مفصل گزر چکی ہے۔

مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اہل قبلہ میں سے اہل الاہواء، اور اہل البدع ہیں۔ سورۃ الانعام میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

ربیع بن انس نے کہا: الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ سے مراد یہود و نصاریٰ میں سے اہل کتاب ہیں؛ یہ قتادہ اور معمر کا قول ہے۔ حمزہ اور کسائی نے پڑھا فارقوا دينهم۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی بھی یہی قراءت ہے وہ دین جس کی اتباع ضروری تھی اس میں انہوں نے تفرقہ کیا۔ وہ توحید ہے۔ وَكَانُوا شِيَعًا وہ کئی گروہ تھے؛ یہ کلبی کا قول ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کئی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 313 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 314 3۔ ایضاً

دین تھے؛ یہ مقاتل کا قول ہے (1)۔ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ وہ خوش وخرم تھے کیونکہ انہوں نے حق کو نہ پہچانا جب کہ ان پر لازم تھا کہ وہ حق کو پہچانتے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرائض کے نازل ہونے سے پہلے کا مرحلہ تھا۔ تیسرا قول ہے: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا بعض اوقات اس کی نافرمانی سے خوش ہوتا ہے، یہی کیفیت شیطان اور ڈاکوؤں وغیرہ کی ہوتی ہے، اللہ بہتر جانتا ہے۔ فراء نے گمان کیا کہ کلام وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ پر مکمل ہو اور معنی ہو ان میں سے جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ کیا وہ کئی گروہ تھے۔ یہ جملہ مستانفہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ کلام ماقبل کے ساتھ متصل ہو۔ نحاس نے کہا: جب یہ کلام ماقبل کے ساتھ متصل ہو تو بصریوں کے نزدیک حرف کے اعادہ کے ساتھ بدل ہوگا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ (اعراف: 75) اگر یہ حرف کے بغیر ہو تو بھی جائز ہے۔

وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

''اور جب پہنچتی ہے لوگوں کو کوئی تکلیف تو پکارنے لگتے ہیں اپنے رب کو رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف پھر جب (ان کی فریاد کو قبول فرما کر) چکھاتا ہے انہیں رحمت اپنی جناب سے تو یکا یک ایک گروہ ان میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے''۔

وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ، ضُرٌّ سے مراد قحط اور شدت ہے۔ دَعَوْا رَبَّهُمْ وہ اپنے رب سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے یہ عذاب اٹھالے۔ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنے دل سے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، وہ شرک نہیں کرتے۔ اس کلام کا معنی تعجب ہے اللہ تعالیٰ کے نبی نے مشرکوں پر تعجب کا اظہار کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے جب کہ ان پر پے در پے دلائل واقع ہوتے ہیں یعنی جب ان کفار کو مرض یا شدت میں سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو دعوت دیتے ہیں یعنی جو مصیبت ان پر نازل ہوتی ہے وہ اس کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد لیتے ہیں وہ صرف اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کسی اور (بتوں) کی طرف متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ بتوں کے ہاں تکلیف سے رفع کی کوئی صورت نہیں۔

ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً، رَحْمَةً سے مراد عافیت اور نعمت ہے اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ عبادت میں اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٙ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

''(اچھا) ناشکری کرلیں اس نعمت کی جو ہم نے دی ہے انہیں پس (اے ناشکرو!) لطف اٹھالو تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہوجائے گا''۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 314

لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لام کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لام امر ہے اس میں تہدید کا معنی پایا جاتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ (الکہف: 29) فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ اس میں تہدید اور وعید ہے۔ حضرت عبداللہ کے مصحف میں ہے ولیتمتعوا ہم نے انہیں اس پر قادر بنایا تاکہ وہ لطف اندوز ہوں۔ یہ غائب کی خبر ہے جس طرح لِیَكْفُرُوْا ہے مصحف کے خط کے مطابق غائب کی خبر دینے کے بعد خطاب ہے، اے یہ کرنے والو! لطف اندوز ہولو۔

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ یَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ یُشْرِكُوْنَ ۝

''کیا ہم نے اتاری ہے ان پر کوئی دلیل پس وہ گواہی دیتی ہے اس شرک (کی سچائی) کی جو وہ کرتے ہیں''۔

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا یہ ایسا استفہام ہے جس میں توقیف کے معنی ہیں۔ ضحاک نے کہا: سُلْطٰنًا سے مراد کتاب ہے (1)؛ یہ قول قتادہ اور ربیع بن انس نے کیا ہے۔ مجازاً کلام کی نسبت کتاب کی طرف کی ہے۔ فراء نے یہ گمان کیا کہ عرب سلطان کو مونث قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں: قضت به علیك السلطان جہاں تک بصریوں کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک مذکر بنانا افصح ہے۔ قرآن حکیم میں بھی اسی طرح آیا ہے، ان کے نزدیک تانیث جائز ہے کیونکہ یہ حجت کے معنی میں ہے۔ ایسی حجت ہے جو تمہارے شرک کے بارے میں گویا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس بنیدہ اور ضحاک کا بھی قول ہے۔ علی بن سلیمان نے ابوالعباس محمد بن یزید سے روایت نقل کی ہے کہ سلطان، سلیط کی جمع ہے، جس طرح رغیف کی جمع رغفان ہے اس کی تذکیر جمع کے معنی میں اور اس کی تانیث جماعت کے معنی میں ہے۔ سلطان کے بارے میں کلام آل عمران میں مفصل گزر چکی ہے۔ سلطان سے مراد جس کے ساتھ انسان اپنی ذات سے ایسا امر دور کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ عقوبت کا مستحق ہوتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ (النمل)

وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ ۝

''اور جب ہم چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت کا (مزہ) تو وہ اس پر پھولے نہیں سماتے اور اگر پہنچتی ہے انہیں کوئی تکلیف بوجہ ان کرتوتوں کے جو آگے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں''۔

وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا رحمت سے مراد سبزی، وسعت اور عافیت ہے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے (2)۔ نقاش نے کہا: مراد نعمت اور بارش ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد امن ہے۔ معنی قریب قریب ہے۔ فَرِحُوْا بِهَا ھا ضمیر سے مراد رحمت ہے۔ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ، سَیِّئَةٌ سے مراد آزمائش اور عقوبت ہے: یہ مجاہد کا قول ہے (3)۔ سدی نے کہا: بارش کا نہ ہونا ہے۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ انہوں نے جو نافرمانیاں کیں۔ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ وہ رحمت اور وسعت و کشادگی سے مایوس ہو جاتے ہیں؛ یہ جمہور کا نقطۂ نظر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قنوط سے مراد راز داری میں اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 315　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

کے فرائض کو ترک کرتا ہے۔ قَنِط یَقْنِطُ یہ عام قراءت ہے قَنَطَ یَقْنِطُ یہ ابو عمرو، کسائی اور یعقوب کی قراءت ہے۔ اعمش نے قَنِطَ یَقْنِطُ دونوں میں کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے جس طرح حَسِبَ یَحْسِبُ آیت کافر کی صفت ہے، وہ تنگی کے وقت مایوس ہوتا ہے اور نعمت کے وقت اتراتا ہے۔ جس طرح کہا:

کحمار السُّوء إن أعلفته رَمَحَ النَّاس وإن جاع نهق

برے گدھے کی طرح ہے اگر تو اسے چارہ کھلائے تو لوگوں کو لاتیں مارتا ہے اور اگر بھوکا ہو تو ہینگتا ہے۔

بے شمار لوگ جن کے دل میں ایمان راسخ نہیں ہوا ان کی یہی حالت ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ جہاں تک مومن کا تعلق ہے وہ نعمت کے وقت اپنے رب کا شکر بجالاتا ہے اور تکلیف کے وقت اس سے امید رکھتا ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

"کیا انہوں نے (بارہا) مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے)، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لے آتے ہیں"۔

جس کے لیے چاہتا ہے دنیا میں بھلائی کو وسیع کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے، اس لیے کوئی ضروری نہیں کہ فقر انہیں مایوسی کی طرف دعوت دے۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ؗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾

"پس دو رشتہ دار کو اس کا حق نیز مسکین اور مسافر کو یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو رضائے الٰہی کے طلب گار ہیں اور وہی لوگ دونوں جہانوں میں کامیاب ہوں گے"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ جب یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں کمی کر دیتا ہے۔ جس کا رزق وسیع کیا گیا اس کو حکم دیا کہ وہ فقیر کو اس کی ضرورت کی چیز پہنچائے تا کہ غنی کے شکر کا امتحان لیا جائے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ اور آپ کی امت ہے کیونکہ اس نے فرمایا: ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ رشتہ داروں کو رشتہ داری کی وجہ سے مال دینے کا حکم دیا بہترین صدقہ وہ ہوتا ہے جو قریبی رشتہ دار کو دیا جائے، اس میں صلہ رحمی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریبی رشتہ داروں کو صدقہ دینے کو غلام آزاد کرنے پر فضیلت دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا جب کہ آپ نے ایک نو عمر لونڈی آزاد کی تھی: "اگر تو یہ اپنے نہالی رشتہ داروں کو دے دیتی تو تیرے لیے

زیادہ اجر ہوتا''(1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت کی تعبیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت میراث سے منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ منسوخ نہیں بلکہ قریبی رشتہ داروں کے حق میں ہر حال میں نیکی کرنا لازم ہے؛ یہ قول صحیح ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: صلہ رحمی اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرض ہے یہاں تک کہ مجاہد نے کہا: کسی ایسے آدمی کا صدقہ قبول نہیں جس کا قریبی رشتہ دار محتاج ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قربیٰ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی ہیں۔ پہلا زیادہ صحیح ہے کیونکہ ان کا حق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں واضح ہے۔ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی (انفال: 41)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قریبی رشتہ داروں کو دینے کا حکم استحباب کے طریقہ پر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حَقَّهٗ سے مراد خوشحالی میں ہمدردی کرنا ہے اور تنگ دستی میں اچھا قول کرنا ہے۔

وَ الْمِسْكِیْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو سائل گردش کناں ہو اس کو کھانا کھلا۔ ابن سبیل سے مراد مہمان ہے۔ ضیافت کو فرض قرار دیا۔ یہ تمام مباحث اپنے اپنے مقام پر مفصل گزر چکی ہے۔ الحمدللہ

مسئلہ نمبر 3۔ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ حق دینا روکنے سے افضل ہے جب اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور تقرب کا ارادہ کیا جائے۔ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وہ اپنے مطلب کو پانے والا ہے یعنی آخرت کا ثواب۔ سورۃ البقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا۠ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

''اور جو روپیہ تم دیتے ہو بیاج پر تاکہ وہ بڑھتا رہے لوگوں کے مالوں میں (سن لو) اللہ کے نزدیک یہ نہیں بڑھتا اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو رضائے الٰہی کے طلب گار بن کر پس یہی لوگ ہیں (جو اپنے مالوں کو) کئی گنا کر لیتے ہیں''۔

وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا۠ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ جب اس چیز کا ذکر کیا جس کے ساتھ اس کی رضا کا ارادہ کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر بدلہ عطا فرماتا ہے اس کے علاوہ صفت کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ جمہور کی قراءت ہے آتیتم یہ مد کے ساتھ ہے معنی ہے أعطیتم جو تم دیتے ہو۔ ابن کثیر، مجاہد اور حمید نے مد کے بغیر پڑھا ہے معنی ہے جو تم ربا کا عمل کرو تاکہ وہ بڑھے جس طرح تو کہتا ہے: آتیت صوابا و آتیت خطاء تو نے صحیح کام کیا اور تو نے غلط کام کیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مد پر اتفاق کیا ہے وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ ربا کا معنی زیادتی ہے (2)۔ سورۂ بقرہ میں اس کا معنی گزر چکا ہے، وہاں وہ حرام ہے یہاں حلال

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فضل الصدقۃ، جلد 1، صفحہ 323　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 339

ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں: اس میں ایک قسم حلال ہے اور اس میں ایک قسم حرام ہے (1)۔ عکرمہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ میں کہا: ربا کی دو قسمیں ہیں ربا حلال اور ربا حرام۔

جہاں تک حلال ربا کا تعلق ہے اس سے مراد وہ ہے جو ہدیہ کے طور پر دیا جائے اور جو اس سے افضل ہو اس کو طلب کیا جائے۔ اس آیت میں ضحاک سے مروی ہے: اس سے مراد حلال ربا ہے جو ہدیہ کے طور پر دیا جائے تا کہ اس سے جو افضل ہو وہ ہدیہ کے طور پر اسے لوٹایا جائے نہ اس کے حق میں ہو اور نہ اس کے خلاف ہو۔ اس میں اس کے لیے اجر نہیں اور اس میں اس پر کوئی گناہ نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا مراد کسی آدمی کو ہدیہ دینا جس کے ساتھ وہ یہ امید رکھتا ہو کہ اسے اس سے افضل لوٹایا جائے، یہ ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں بڑھتی، اس کے مالک کو اجر نہیں دیا جاتا لیکن اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اسی معنی میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس، ابن جبیر، طاؤس اور مجاہد نے کہا: یہ آیت ہبۃ الثواب میں نازل ہوئی۔ ابن عطیہ نے کہا: انسان جو ایسا کام کرتا ہے تا کہ اسے بدلہ دیا جائے جیسے سلام یا جو بھی اس کے قائم مقام جاری ہو تو یہ ایسی چیز ہے جس میں کوئی گناہ نہیں، کوئی اجر نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پر کوئی بڑھوتری نہیں (2)؛ یہی قول قاضی ابوبکر بن عربی نے کیا۔ نسائی کی کتاب میں حضرت عبدالرحمن بن علقمہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ثقیف کا وفد آیا، ان کے پاس ہدیہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ ہدیہ ہے یا صدقہ ہے، اگر ہدیہ ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنی چاہیے اور ضرورت کو پورا کرنے کی نیت کرنی چاہیے اگر صدقہ ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنی چاہیے'' (3)۔ انہوں نے عرض کی: نہیں بلکہ یہ ہدیہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ہدیہ قبول کر لیا آپ ان کے ساتھ بیٹھ گئے وہ آپ سے سوال کرتے اور آپ ان سے سوال کرتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا اور ابراہیم نخعی نے بھی یہ کہا ہے: یہ ایسے لوگوں کے بارے میں آیت نازل ہوئی جو اپنے قریبی رشتہ داروں اور اپنے بھائیوں کو مال دیتے تا کہ انہیں نفع حاصل ہو، وہ مال دار ہو جائیں اور ان پر مال دینے والوں کی فضیلت ثابت ہو جائے، اور ان کے مال زیادہ ہو جائیں تا کہ انہیں نفع حاصل ہو (4)۔ شعبی نے کہا: آیت کا معنی ہے جس انسان نے کسی انسان کی کسی چیز کے ساتھ خدمت کی اور اس کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کیا تا کہ اس کے ساتھ دنیا میں نفع اٹھائے تو وہ نفع جس کے بدلے میں اس نے خدمت کی اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ نہیں بڑھتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حرام ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿۶﴾ (المدثر) (5) آپ کو اس چیز سے منع کیا کہ کوئی چیز آپ عطا کریں اور اس کے عوض میں زیادہ چیز لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے

1۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1491   2۔ الجواہر الحسان، جلد 2، صفحہ 547

3۔ سنن نسائی، کتاب العمری، عطیۃ المرأۃ بغیر اذن زوجھا، جلد 2، صفحہ 141

4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 339   5۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1492

اس سے مراد حرام شدہ ربا ہے۔ **فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ** کا، اس قول کی بنا پر معنی ہے اس کے لینے والے کے بارے میں حکم نہیں بلکہ یہ حکم اس کے لیے ہے جس سے وہ مال لیا گیا۔ سدی نے کہا: یہ آیت بنو ثقیف کے ربا کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ وہ سود کا کاروبار کیا کرتے تھے اور قریش ان کے ساتھ معاملہ کیا کرتے تھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: آیت کا صریح معنی اس آدمی کے بارے میں ہے جو کوئی چیز ہبہ کرتا ہے اور بدلہ میں لوگوں سے زیادہ مال کا طالب ہوتا ہے۔ مہلب نے کہا: علماء نے اس آدمی کے بارے میں اختلاف کیا جو آدمی ہبہ کرتا ہے اور اس کے بدلے میں بدلہ کا طالب ہوتا ہے اور کہا: میں نے بدلہ کا ارادہ کیا۔ امام مالک نے کہا: اس میں غور و فکر کیا جائے گا۔ اگر وہ جس موہوب لہ سے بدلہ کا طالب ہے وہ ایسا ہی ہے تو اس کے لیے وہ ہوگا جس طرح فقیر غنی کو ہبہ کرے، خادم صاحب کو ہبہ کرے، کوئی آدمی اپنے امیر اور اس سے بالا کو ہبہ کرے یہ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: اس کے لیے بدلہ نہ ہوگا جب اس نے شرط نہ لگائی ہو، یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے فرمایا: بدلہ کے لیے ہبہ باطل ہے یہ اسے کوئی نفع نہ دے گا، کیونکہ یہ مجہول ثمن کے بدلے میں بیع ہے۔ کوفہ کے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہبہ اصل میں بطور نفل ہے اگر ہم اس میں عوض کو واجب کر دیں تو اس میں فضل و احسان کا معنی باطل ہو جائے گا اور وہ معاوضات کے معنی میں ہو جائے گا۔ عربوں نے لفظ بیع اور لفظ ہبہ میں فرق کیا ہے انہوں نے لفظ بیع کو اس کے لیے خاص کیا ہے جس میں وہ عوض کا مستحق ہوتا ہے اور ہبہ اس کے خلاف ہے۔ ہماری دلیل وہ روایت ہے جسے امام مالک نے موطا میں روایت کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس آدمی نے کوئی ہبہ کیا اس کی رائے تھی کہ یہ بدلہ کے طور پر ہے تو وہ ہبہ کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے یہاں تک کہ وہ بلا عوض ہدیہ پر راضی ہو جائے۔

اسی کی مثل حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ہبہ تین قسم کے ہیں: (۱) ایسا ہبہ جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کیا جائے (۲) ایسا ہبہ جس سے لوگوں کی رضا کا ارادہ کیا جائے (۳) ایسا ہبہ جس سے بدلہ کا ارادہ کیا جائے۔ بدلہ کے لیے جو ہبہ دیا جائے تو ہبہ کرنے والا اسے واپس لے سکتا ہے جب اسے بدلہ نہ دیا جائے۔ امام بخاری نے یہ عنوان باندھا ہے باب المكافاة فى الهبة(1) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے اور اس پر بدلہ دیا کرتے تھے، ہدیہ دینے والی اونٹنی پر بدلہ دیا اور اس اونٹنی کے مالک نے جب بدلہ طلب کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہ کیا اور بدلہ کے لیے راضی ہونا پسند کیا جب کہ وہ بدلہ ہدیہ کی قیمت پر زائد تھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے جو ذکر کیا اور ہبہ کی جو تفصیل بیان کی ہے وہ صحیح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ میں تین احوال سے خالی نہیں: (۱) وہ ہبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہو اور اللہ تعالیٰ سے ہی بدلہ کا طالب ہو (۲) وہ اس کے ذریعے لوگوں کی رضا چاہتا ہے وہ ریاکاری کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اس ہبہ کی وجہ سے اس کی ثنا کریں (۳) وہ موہوب لہ سے اس کے ساتھ بدلہ کا ارادہ کرتا ہے۔ اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ نبی کریم

1۔ صحیح بخاری، باب المكافاة فى الهبة

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الأعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی (1) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ہر آدمی کے لیے وہ کچھ ہے جس کی وہ نیت کرے۔ جب ایک آدمی اپنے ہبہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کرے اور اس کی بارگاہ سے ثواب چاہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے فضل و رحمت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۔

اسی طرح وہ آدمی جو اپنے قریبی رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے تاکہ وہ غنی ہو جائے اور وہ کسی پر بوجھ نہ بنے تو اس میں بھی نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر وہ اس کے ساتھ دنیا چاہتا ہے تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہوگا۔ اگر وہ اس کی مدد اس لیے کرتا ہے کیونکہ اس کا اس پر حق قرابت ہے اور ان کے درمیان رشتہ داری ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا (2)۔

اور وہ شخص جو اپنے ہبہ کے ساتھ لوگوں کی رضا چاہتا ہے مقصود ریاکاری ہے تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اس کی وجہ سے اس کی ثنا کریں تو اس کے ہبہ میں اس کے لیے کوئی نفع نہیں، نہ دنیا میں بدلہ ہے اور نہ آخرت میں اجر ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى ۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ (البقرہ: 264)

جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو موہوب لہ سے بدلہ کا طالب ہے تو اس کے لیے وہ کچھ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا۔ ابن قاسم کا مذہب ہے: اگر وہ شخص جس کو وہ چیز ہبہ کے طور پر دی گئی وہ ہبہ کرنے والے کو ایسی چیز نہ دے جو اس کی قیمت کی حامل ہو یا اس سے زیادہ قیمت پر وہ راضی ہو تو ہبہ واپس کر سکتا ہے؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے قول کا ظاہر وہی ہے۔

واضح میں مطرف کا قول بھی یہی ہے: ہبہ ایسی چیز ہو جس کی اصل قائم رہنے والی ہو اگر زائد ہو جائے یا کم ہو جائے تو واہب کو اس میں رجوع کا حق ہے اگرچہ موہوب لہ اسے اس میں زیادہ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ ایسی چیز ہو جس کی اصل باقی رہنے والی ہے وہ متغیر نہ ہو تو جو چاہے لے لے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے قیمت لازم ہوگی جس طرح نکاح تفویض میں ہوتا ہے اگر ہبہ کے فوت ہونے کے بعد مقابلہ ہو تو اس کے لیے بالاتفاق قیمت ہی ہوگی؛ یہ ابن عربی کا قول ہے (3)۔

مسئلہ نمبر 4۔ لِّیَرْبُوَاۡ جمہور قراء سبعہ نے اسے پڑھا لیربوا یعنی یاء کے ساتھ پڑھا۔ فعل ربا کی طرف منسوب ہے۔ صرف نافع نے تاء کے ضمہ اور واؤ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے یہ مخاطب کا صیغہ ہے معنی ہوگا تم زیادتی والے ہو؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، قتادہ اور شعبی کی قراءت ہے۔ ابو حاتم نے کہا: یہ ہماری قراءت ہے۔ ابو مالک نے لتربوھا تانیث کی ضمیر کے ساتھ لکھا ہے۔ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وہ نہ بڑھتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ اس پر بدلہ دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اسی کو قبول فرماتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہوتا ہے۔ سورۃ النساء میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مِّنْ زَكٰوةٍ سے مراد صدقہ ہے۔ تو یہ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ یہی وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور اسے دس گنا یا اس سے زیادہ بڑھا دیتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَ لَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ (الحدید) فرمایا: وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ

---

1 صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، جلد 1، صفحہ 2 2۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1491 3۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 1492

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ (البقرہ:265) فرمایا: فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ یہ نہیں فرمایا: فانتم المضعفون کیونکہ خطاب کے صیغہ سے غیب کے صیغہ کی طرف رجوع کیا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ (یونس:22)

مضعفین کے معنی میں دو قول ہیں: (۱) ان کے لیے نیکیوں کو کئی گنا کر دیا جاتا ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا (۲) ان کے لیے خیر اور نعمتوں کو کئی گنا بڑھا دے گا یعنی وہ اصحاب اضعاف ہیں جس طرح یہ کہا جاتا ہے: فلان مضعف یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کے اونٹ طاقتور ہوں یا اس کے ساتھی طاقتور ہوں۔ فلان مسمن اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کے اونٹ موٹے ہوتے ہیں۔ فلان معطش اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کے اونٹ پیاسے ہوں۔ فلان مضعف جب اس کے اونٹ کمزور ہوں۔ اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللھم إنی أعوذ بك من الخبیث المخبث الشیطان الرجیم (1) مخبث اسے کہتے ہیں جسے خبث لاحق ہو۔ یہ کہا جاتا ہے: فلان ردی وہ خود ردی ہے فلان مردی اس کے ساتھی ردی ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۠

"اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں رزق دیا پھر (مقررہ وقت پر) تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا، کیا تمہارے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں میں سے بھی کوئی ہے جو کر سکتا ہو ان کاموں میں سے کوئی، پاک ہے اللہ تعالیٰ (ہر عیب سے) اور بلند ہے ان سے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں"۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ یہ کلام مبتدا اور خبر ہے کلام مشرکوں کے خلاف استدلال کی طرف لوٹ رہی ہے۔ وہ خالق، رازق، زندگی عطا کرنے والا اور موت دینے والا ہے۔ پھر استفہام کے طریقہ پر کہا: هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ یعنی اس کے شریکوں میں سے تو کوئی بھی کچھ نہیں کرتے۔ پھر اپنی انداد، اضداد، بیوی اور اولاد سے پاکی بیان کی۔ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ شرکاء کی نسبت ان کی طرف کی کیونکہ وہ شرک انہیں الہ اور شرکاء نام دیا کرتے تھے اور اپنے اموال کے لیے مختص کرتے ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۝

"پھیل گیا ہے فساد بر اور بحر میں بوجہ ان کرتوتوں کے جو لوگوں نے کیے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ چکھائے انہیں کچھ سزا ان کے (برے) اعمال کی شاید وہ باز آجائیں"۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ علماء نے فساد بر اور بحر کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ قتادہ اور سدی نے کہا: فساد کا معنی

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، ما یقول عند الخلاء، جلد 1، صفحہ 26۔ ایضاً، حدیث نمبر 294، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

شرک ہے؛ یہ سب سے بڑا فساد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور مجاہد نے کہا: زمین میں فساد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کا اپنے بھائی کو قتل کرنا ہے۔ قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کر دیا تھا۔ بحر میں فساد سے مراد یہ ہے کہ وہ بادشاہ جو ہر کشتی کو غصب کر لیتا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فساد سے مراد قحط، نباتات کی کمی اور برکت کا چلا جانا ہے، اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرمایا: اس سے مراد بندوں کے اعمال کی وجہ سے برکت کا کم ہو جانا ہے تاکہ وہ توبہ کر لیں۔ نحاس نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں سے بہترین تعبیر ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ بحر میں فساد سے مراد یہ ہے کہ بندوں کے گناہوں کی وجہ سے اس کے شکار کا ختم ہو جانا (2)۔ عطیہ نے کہا: جب بارش کم ہوتی ہے تو اس کی گہرائی میں کمی آ جاتی ہے (3)، شکاری پریشان ہو جاتے ہیں اور سمندر کے جانور اندھے ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب آسمان سے بارش ہوتی ہے تو سمندر میں سیپیاں کھل جاتی ہیں بارش کا جو قطرہ ان میں گرتا ہے تو وہ موتی بن جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فساد سے مراد بھاؤ کی کساد بازاری اور معاش کی قلت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فساد سے مراد نافرمانیاں، ڈاکہ زنی اور ظلم ہے، یعنی یہ عمل زراعت، عمارات اور تجارت میں مانع ہے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔

بر اور بحر لغت اور لوگوں کے ہاں معروف و مشہور ہیں ان سے مراد وہ نہیں جو بعض لوگوں نے کہا کہ بر سے مراد لسان ہے، بحر سے مراد دل ہے کیونکہ زبان پر جو چیز ہوتی ہے وہ ظاہر ہوتی ہے اور دل میں جو چیز ہوتی ہے وہ مخفی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بر سے مراد جنگل و صحرا اور بحر سے مراد بستیاں ہیں؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ عرب شہروں کو بحار کہتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: بر سے مراد ستونوں والے ہیں اور بحر سے مراد بستیوں اور سبزہ زاروں والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بر سے مراد وہ شہر اور بستیاں والے ہیں جو دریا کے کنارے نہ ہوں اور بحر سے مراد وہ شہر اور بستیاں ہیں جو دریا کے کنارے ہوں (4)؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ فرمایا: خبردار اللہ کی قسم! وہ بحر تمہارا یہ نہیں بلکہ ہر بستی جو جاری پانی پر ہو تو وہ بحر ہوتا ہے (5)؛ یہی معنی نحاس نے بھی کیا ہے: کہا اس کے معنی میں دو قول ہیں: (1) خشک سالی جنگلوں اور دیہاتوں میں غالب آ جائے اور فی البحر سے مراد مدن البحر۔ جو شہر دریاؤں کے کناروں پر آباد ہوں۔ جس طرح ہے وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82)۔ یہاں بھی القریۃ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ فساد سے مراد ہے بارش کم ہو گئی اور بھاؤ بڑھ گئے۔

بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ یہاں بعض سے پہلے عقاب کا لفظ محذوف ہے۔ الَّذِيْ عَمِلُوْا دوسرا قول یہ ہے: معاصی غالب آ گئیں کہ ڈاکے پڑنے لگے اور ظلم عام ہو گیا یہ حقیقت میں فساد ہے۔ پہلا معنی مجاز ہے مگر دوسرے جواب کی شرط پر کلام میں حذف اور اختصار ہو گا جس حذف پر مابعد کلام دلالت کرے گا۔ معنی ہے خشکی اور تری میں معاصی غالب آ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں بارش روک دیا اور ان کے بھاؤ بڑھ گئے تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بعض اعمال

1۔ معالم التنزیل، جلد 1، صفحہ 401
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 547
3۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 58
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 317
5۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 57

کا عقاب چکھائے۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ممکن ہے وہ توبہ کریں۔ آیت میں **بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا** کہا کیونکہ بڑی جزا آخرت میں ہوگی۔ قراءت لیذیقھم یاء کے ساتھ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نون کے ساتھ قراءت کی ہے: یہ سلمی، ابن محیصن، قنبل اور یعقوب کی قراءت ہے جو برائے تعظیم ہے، یعنی ہم انہیں ان کے بعض اعمال کی سزا چکھائیں گے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝

"(اے محبوب!) آپ (انہیں) فرمایئے سیر و سیاحت کرو زمین میں اور دیکھو کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے، ان میں سے اکثر مشرک تھے"۔

اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کہیے: زمین میں گھومو پھرو تاکہ پہلے لوگوں کے احوال سے عبرت حاصل کر سکو اور دیکھو کہ رسولوں کو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ۝

"پس کر لو اپنا رخ اس دین قیم کی طرف اس سے پہلے کہ آ جائے وہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جسے ٹلنا نہیں، اس روز یہ لوگ جدا جدا ہو جائیں گے"۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ زجاج نے کہا: اپنے ارادہ کو سیدھا رکھو اور اپنی جہت کو دین قیم کی اتباع کی طرف رکھو۔ دین قیم سے مراد اسلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے حق واضح کرو، معذرت پیش کرنے میں مبالغہ سے کام لو جو کام کر رہے ہو اس میں مشغول رہو اور ان پر غمگین نہ ہو۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ اسے ان سے نہیں لوٹائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ اسے نہیں لوٹائے گا تو کسی کے بس میں نہ ہوگا کہ اس کو واپس کر سکے۔ سیبویہ کے علاوہ کے نزدیک لا مرد لہ بھی جائز ہے، سیبویہ کے نزدیک یہ تعبیر بعید ہے، مگر اس صورت میں کہ کلام میں عطف ہو۔ مراد یوم قیامت ہے۔ **يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے وہ بکھر جائیں گے۔ شاعر نے کہا:

وكنا كندمانَيْ جذيمة حقبةً ... من الدهر حتى قيل لن يتصدعا(1)

ہم جذیمہ کے ایک عرصہ تک ندیم رہے یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگا: وہ جدا نہیں ہوں گے۔

اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ۝** (الروم) اور **فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ** ... (شوریٰ)

اصل یتصدعون ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تصدع القوم جب وہ بکھر جائے، اسی سے الصداع مشتق ہے کیونکہ یہ سر کے اجزاء

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 318

کو بچھا رہا ہے۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ۙ

''جس نے کفر کیا تو اس پر ہے اس کے کفر کا وبال اور جنہوں نے نیک عمل کیے تو وہ اپنے لیے ہی راہ ہموار کر رہے ہیں''۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ کفر سے پہلے جزاء کا لفظ محذوف ہے۔ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ وہ اپنے لیے عمل صالح کے بدلہ میں بستر، مسکن اور قرار کو تیار کریں گے، اسی سے مھد الصبی ہے۔ مہاد سے مراد فراش ہے قد مھدت الفراش مھدا میں نے بستر کو بچھایا۔ تمھید الامور سے مراد ان کو درست کرنا ہے۔ تمھید العذر سے مراد عذر کو پیش کرنا اور اس کو قبول کرنا ہے۔ التمھد کا معنی قدرت حاصل کرنا ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے: فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ یعنی قبر میں بستر بچھاتے ہیں۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ

''تا کہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اپنے فضل و کرم سے بے شک وہ پسند نہیں کرتا کفار کو''۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ اپنے لیے بستر بچھاتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے بدلہ عطا کرے، یعنی اس کلام کا تعلق تمھدون لانفسھم کے ساتھ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا تعلق یصدعون کے ساتھ ہے کلام یوں ہو گی: یصدعون لیجزیھم اللہ تا کہ کافر کو مسلمان سے الگ کر دے۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

''اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو (بارش کا) مژدہ سناتے ہوئے نیز تا کہ وہ تمہیں چکھائے اپنی رحمت سے اور تا کہ چلیں کشتیاں اس کے حکم سے اور تا کہ تم طلب کرو اس کے فضل سے اور تا کہ تم شکر ادا کرو''۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ اس کی کمال قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجے بارش کی خوشخبری دینے والیاں کیونکہ ہوائیں بارش سے پہلے آتی ہیں۔ سورۃ الحجر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ وَّ لِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ رحمت سے مراد بارش اور سرسبز و شادابی ہے۔ وَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ تا کہ ہواؤں کے چلنے کے ساتھ سمندر میں کشتیاں چلیں۔ بِاَمْرِهٖ کو زیادہ کیا کیونکہ ہوائیں کبھی چلتی ہیں مگر موافق نہیں ہوتیں، اس لیے ضروری ہے کہ کشتیوں کو ساحل پر باندھا جائے اور ان کے روکنے کا حیلہ کیا جائے۔ بعض اوقات ہوائیں چلتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشتیوں کو غرق کر دیتی ہیں۔ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ یہاں فضل سے مراد تجارت سے رزق ہے۔ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ توحید اور اطاعت کے ساتھ ان نعمتوں

پر شکر بجالاؤ۔ یہ سب کچھ مفصل گزر چکا ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

''اور بے شک ہم نے بھیجے آپ سے پہلے پیغمبران کی قوموں کی طرف پس وہ لے کر آئے ان کے پاس روشن دلیلیں پس ہم نے بدلہ لیا ان سے جنہوں نے جرم کیے، اور ہمارے ذمہ پر ہے اہل ایمان کی امداد فرمانا''۔

بینات سے مراد معجزات اور روشن دلائل ہیں۔ انہوں نے کفر کیا تو ہم نے کفر کرنے والے سے انتقام لیا۔ حقا، کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور نصر، کان کا اسم ہے۔ ابوبکر حقا پر وقف کرتے، تقدیر کلام یہ ہے کان عقابنا حقا پھر فرمایا: عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ مبتدا اور خبر ہے یعنی اس نے خبر دی کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اور ہماری خبر بھی خلاف واقع نہیں ہوسکتی۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَذُبُّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ يَرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (1)۔

جو مسلمان بھی اپنے بھائی کی عزت کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے کہ قیامت کے روز اس سے جہنم کی آگ کو دور کردے۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی؛ نحاس، ثعلبی، زمخشری وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَ يَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝

''اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پس اللہ تعالیٰ پھیلا دیتا ہے اسے آسمان پر جس طرح چاہتا ہے اور کر دیتا ہے اسے ٹکڑے ٹکڑے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ ٹپکنے لگتی ہے اس میں پھر جب وہ پہنچا تا ہے اسے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے اس وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں اگرچہ وہ بندے اس سے پہلے کہ ان پر بارش ہوتی مایوس ہو چکے تھے''۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ ابن محیصن، ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے الریح کو واحد پڑھا ہے باقی قراء نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ ابو عمر نے کہا: ریح کا لفظ جہاں بھی رحمت کے معنی میں ہو وہ جمع کا صیغہ ہے اور جو عذاب کے معنی میں ہو وہ واحد ہے۔ سورۂ بقرہ وغیرہ میں آیت کا معنی گزر چکا ہے۔

كِسَفًا یہ کسفۃ کی جمع ہے جس کا معنی قطعہ ہے۔ حضرت حسن بصری، ابو جعفر، عبد الرحمن الاعرج اور ابن عامر نے کسفا سین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے یہ بھی کسفۃ کی جمع ہے جس طرح کہا جاتا ہے: سدرۃ و سدر اس قراءت کی بنا پر وہ ضمیر

1۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، ما جاء فی الذب عن عرض المسلم، جلد 2، صفحہ 15

جو اس کے بعد ہے اس کی طرف لوٹے گی، یعنی تو بارش کو دیکھے گا جو بادل کے درمیان سے نکلتی ہے کیونکہ جمع اور واحد کے درمیان صرف ہاء کا ہی فرق ہے اس لیے اسے مذکر ذکر کرنا اچھا ہے۔ ضحاک، ابو العالیہ اور ابن عالیہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فترى الودق يخرج من خلله پڑھا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ خلل، خلال کی جمع ہے۔

فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ ہا ضمیر سے مراد بارش ہے۔ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ وہ بارش کے نازل ہونے سے خوش ہوتے ہیں۔ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ وہ اس سے قبل مایوس اور رنجیدہ ہو چکے تھے، ان پر غم عیاں تھا کیونکہ ان سے بارش رک چکی تھی۔ مِّنْ قَبْلِهٖ اخفش کے نزدیک یہ مکرر ہے، تاکید کے لیے آئی ہے، اکثر نحویوں کا یہی قول ہے، یہ نحاس کا قول ہے۔

قطرب نے کہا: پہلا قبل انزال اور دوسرا بارش کے لیے ہے اس کی وضاحت یہ ہوگی اِن کانوا من قبل التنزیل من قبل المطر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر بارش نازل ہونے سے پہلے کھیتی سے پہلے، زراع پر بارش دلالت کرتی ہے کیونکہ کھیتی بارش کے سبب سے ہی ہوتی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے: فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا (الروم: 51) جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے بادل سے پہلے، اس کو دیکھنے سے قبل، اس قول کو نحاس نے پسند کیا ہے یعنی بادل دیکھنے سے قبل۔ لَمُبْلِسِیْنَ یعنی مایوس۔ سحاب کا ذکر گزر چکا ہے۔

فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

"پس (چشم ہوش سے) دیکھو رحمت الٰہی کی علامتوں کی طرف (تمہیں پتہ چلے گا) کہ وہ کیسے زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد، بے شک وہی خدا مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے"۔

فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ یعنی بارش کی طرف دیکھو یعنی عبرت اور استدلال کی نظر سے دیکھو یعنی اس سے یہ استدلال کرو کہ جو اس پر قادر ہے تو وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ ابن عامر، حفص، حمزہ اور کسائی نے آثار جمع کا صیغہ پڑھا ہے باقی قراء نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے، کیونکہ یہ مفرد کی طرف مضاف ہے۔ اٰثٰرِ، یُحیی کا فاعل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فاعل اللہ تعالیٰ کا اسم ہو۔ جس نے آثار جمع کا صیغہ پڑھا ہے تو وہ اس لیے ہے کہ رحمت سے مراد کثرت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (النحل: 18)۔ جحدری، ابو حیوہ اور دوسرے علماء نے پڑھا: کیف تحیی الارض تاء کے ساتھ پڑھا ہے تانیث لفظ رحمة کے اعتبار سے ہے کیونکہ رحمت کا اثر اس کے قائم مقام ہوتا ہے، گویا یہ بھی رحمت ہی ہے یعنی رحمت زمین اور آثار کو زندہ کرتی ہے۔ جس نے یاء کے ساتھ یُحیی پڑھا ہے تو فاعل اللہ تعالیٰ، بارش اور اثر ہوگا۔ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ معنی پر محمول کرتے ہوئے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ لفظ، لفظ استفہام ہے اور حال خبر

ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: فانظرالی اثر رحمۃ اللہ محییۃ للأرض بعد موتھا۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ شاہد سے غائب پر استدلال ہے۔

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ۝

''اور اگر ہم بھیجتے ایسی ہوا (جس کے اثر سے) وہ دیکھتے اپنے سرسبز کھیتوں کو کہ زرد ہو گئے ہیں تو اس کے باوجود وہ کفر پر اڑے رہتے''۔

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا یا ضمیر سے مراد الریح ہے اور الریح کو مذکر پڑھنا بھی جائز ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: ہر مونث جو غیر حقیقی ہو اسے مذکر قرار دینا ممتنع نہیں جس طرح أعجبنی الدار اور اس کے مشابہ جو دوسرے جملے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرأوا السحاب۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ضمیر سے مراد الزرع ہے، یہی اثر ہے معنی ہوگا وہ اثر کو زرد دیکھیں گے۔ کھیتی کے سبز ہونے کے بعد اس کا زرد ہونا اس کے خشک ہونے پر دال ہے، اسی طرح سحاب اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بارش نہیں برسائے گا اور ہوا لاقحہ کا عمل نہیں کرے گی۔

لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ یعنی لَيَظَلُّنَّ فعل مضارع کی جگہ فعل ماضی ذکر کرنا اچھا ہے کیونکہ کلام میں مجازاة کا معنی ہے اور مجازاة مستقبل میں نہیں ہوتا، یہ خلیل وغیرہ کا قول ہے۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

''پس آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اپنی پکار خصوصاً جب وہ پیٹھ پھیر کر چل رہے ہوں۔ اور نہ آپ ہدایت دے سکتے ہیں اندھوں کو ان کی گمراہی سے، آپ نہیں سنا سکتے مگر انہیں جو ایمان لائے ہماری آیتوں پر بس وہ گردن جھکائے ہوئے ہیں''۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دلائل کو واضح کر دیا لیکن وہ کفر میں اپنے اسلاف کی تقلید سے محبت کرتے ہیں اس وجہ سے ان کی عقول مردہ ہیں اور ان کی بصیرتیں ناپید ہو گئی ہیں انہیں یہ پیغام حق سنانا اور انہیں ہدایت آپ کے لیے ممکن نہیں (1) یہ قدریہ کا رد ہے۔ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا یعنی آپ مومنوں کو ہی وعظ سنا سکتے ہیں جو توحید کے دلائل کو توجہ سے سنتے ہیں اور میں نے ان کے لیے ہدایت کو تخلیق فرمایا ہے۔ سورۂ نمل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ یہاں بِهٰدِ الْعُمْيِ کا لفظ یاء کے بغیر واقع ہوا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ

1۔ آیات کی تفسیر سے یہ عیاں ہے کہ مردوں، بہروں اور اندھوں سے مراد وہ ہیں جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں یہاں یہ الفاظ اپنے حقیقی معنی میں نہیں۔ (مترجم)

قُوَّةٍ ضَعۡفًا وَّ شَيۡبَةً ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡقَدِيۡرُ ۝

''اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں (ابتدا میں) کمزور پیدا فرمایا پھر عطا کی (تمہیں) کمزوری کے بعد قوت پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دے دیا، پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا بڑی قدرت والا ہے''۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ ضَعۡفٍ انسان کی ذات میں موجود اس کی قدرت پر ایک اور استدلال کا ذکر کیا کہ وہ عبرت حاصل کرے۔ مِّنۡ ضَعۡفٍ کا معنی ہے کمزور نطفہ سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِّنۡ ضَعۡفٍ کا معنی ہے کمزور حالت میں۔ اس سے مراد ہے جب وہ ابتدا میں طفولت اور چھوٹی عمر میں تھے۔ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضَعۡفٍ قُوَّةً مراد جوانی ہے۔ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ ضَعۡفًا مراد بڑھاپا ہے۔ عاصم اور حمزہ نے اسے پڑھا سب میں ضاد مفتوح ہے۔ باقی قراء نے ضاد پر ضمہ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔

ضمہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لغت ہے۔ ضعفا یہ ضمہ کے ساتھ خاص ہے۔ ارادہ یہ کیا کہ دونوں لغتوں کو جمع کر دے۔ فراء نے کہا: ضاد پر ضمہ یہ قریش کی لغت ہے اور فتحہ یہ بنوتمیم کی لغت ہے۔ جوہری نے کہا: الضَعف اور الضُعف یہ قوت کی ضد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الضعف جب ضاد کے فتحہ کے ساتھ ہو تو رائے میں کمزوری کو کہتے ہیں اور ضمہ کے ساتھ ہو تو جسم میں کمزوری کو کہتے ہیں۔ اسی معنی میں وہ حدیث ہے جو اس آدمی کے بارے میں ہے جو بیوع میں دھوکہ کھا جاتا تھا انہ یبتاع وفی عقدتہ ضعف (1) وہ خرید وفروخت کرتا ہے اور اس کے عقد کرنے میں کمزوری ہے۔ وَّ شَيۡبَةً یہ الشیب کی طرح مصدر ہے۔ مصدر سب کے لیے کافی ہے، اسی طرح ضعف اور قوت میں قول ہے۔ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ قوت وضعف میں سے جو چاہتا ہے اسے پیدا کرتا ہے۔ وَهُوَ الۡعَلِيۡمُ وہ تدبیر کو جانتا ہے اور اپنے ارادہ میں قوی ہے (2)۔ کوفہ کے نحویوں نے ضعف عین کے فتحہ کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ ہر اس لفظ میں ہے جس کا عین یا لام کلمہ حرف حلقی ہو۔

وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُقۡسِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۙ مَا لَبِثُوۡا غَيۡرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوۡا يُؤۡفَكُوۡنَ ۝

''اور جس روز قیامت قائم ہوگی قسمیں اٹھائیں گے مجرم کہ نہیں ٹھہرے وہ (دنیا میں) مگر ایک گھڑی یونہی وہ (پہلے بھی) غلط بیانی کیا کرتے تھے''۔

وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُقۡسِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ مشرک قسم اٹھائیں گے۔ مَا لَبِثُوۡا غَيۡرَ سَاعَةٍ اس میں عذاب قبر کا رد نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی سندوں سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اور پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ ان روایات میں سے ایک یہ ہے جسے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زوجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! مجھے میرے خاوند جو رسول اللہ ہیں، میرے باپ حضرت ابوسفیان اور

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاجارۃ، باب فی الرجل یقول فی البیع لا خلابۃ، جلد 2، صفحہ 138 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 322

میرے بھائی حضرت معاویہ (کی زندگی) سے لطف اندوز کر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تحقیق تو نے بیان کی گئی آجال اور تقسیم کیے گئے رزقوں کے بارے میں پوچھا بلکہ تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر کہ وہ تجھے عذاب جہنم سے پناہ دے اور عذاب قبر سے پناہ دے'' (1)۔ یہ احادیث مشہورہ میں سے ہے جنہیں امام بخاری، امام مسلم اور دوسرے محدثین نے بیان کیا ہے۔ ہم نے ان تمام احادیث کو کتاب ''التذکرۃ'' میں ذکر کر دیا ہے۔

مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ میں دو قول ہیں: (۱) یوم قیامت سے قبل بے ہوشی کا ہونا ضروری ہے اسی وجہ سے انہوں نے کہا: مالبثنا غیر ساعۃ ہم ساعت بھر رہے۔ (۲) مراد وہ دنیا لیتے ہیں کیونکہ وہ زائل اور منقطع ہونے والی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا۝ (النازعات) گویا وہ دن کی کچھ گھڑیاں ٹھہرے ہیں اگرچہ انہوں نے امور غیب پر اور اس چیز پر قسم اٹھائی جس کو نہیں جانتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ وہ دنیا میں جھوٹ بولا کرتے تھے (2)۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: افک الرجل جب اسے صدق اور خیر سے پھیر دیا جائے۔ ارض ما فوکۃ ایسا علاقہ جس سے بارش کو روک دیا گیا ہو۔ اہل نظر کی ایک جماعت نے گمان کیا کہ قیامت میں جھوٹ جائز نہیں کیونکہ وہ اس میں ہوں گے جب کہ قرآن اس کے برعکس پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ جس طرح انہیں ان کی قسموں میں حق سے پھیر دیا گیا کہ وہ صرف ایک لحہ بھر اس میں ٹھہرے اسی طرح وہ دنیا میں حق سے پھیر دیئے گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۝ (المجادلہ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا (الانعام: 23)

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ٝ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝۵۶

''اور کہیں گے وہ لوگ جنہیں علم اور ایمان دیا گیا (انہیں) کہ تم ٹھہرے رہے نوشتہ الٰہی کے مطابق روز حشر تک پس یہ (آ گیا) ہے یوم محشر لیکن تم نہیں جانتے تھے''۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ، الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ملائکہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد انبیاء ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد امتوں کے علماء ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد اس امت کے مومن ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تمام مومن ہیں یعنی کافر مومنوں سے کہیں گے، مقصود ان کا رد کرنا ہوگا: تم اپنی قبروں میں یوم بعث تک رہے۔ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ میں فا شرط محذوف کے جواب کے لیے ہے جس پر کلام دلالت کرتی ہے۔ معنی یہ بنتا ہے: ان کنتم منکرین البعث فھذا یوم البعث۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، باب بیان ان الآجال والارزاق وغیرھا، جلد 2، صفحہ 338 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 323

یعقوب نے بعض قراء سے بیان کیا جب کہ یہ حضرت حسن بصری کی قراءت ہے اِلٰی یَوْمِ الْبَعَثِ یعنی عین متحرک ہے۔
یہ ان تمام الفاظ میں قاعدہ جاری ہوتا ہے جس میں حرف حلقی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ مراد اللہ کے حکم میں۔
ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ بنے گی قال الذین أوتوا العلم فی کتاب الله والإیمان لقد لبثتم الی یوم البعث،(1) یہ مقاتل، قتادہ اور سدی کا قول ہے۔ قشیری نے کہا: اس تعبیر کی بناء پر اُوْتُوا الْعِلْمَ، کِتٰبِ اللّٰهِ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی وہ لوگ جن کے حق میں کتاب میں علم کا فیصلہ کیا گیا۔

فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ یعنی یہ وہ دن ہے جس کا تم انکار کرتے تھے۔

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ۝

''پس اس دن نہ نفع دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور نہ انہیں اجازت ہوگی کہ توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لیں''۔

قیامت کا علم اور اس دن کی معذرت انہیں کوئی نفع نہ دے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب مومنوں نے ان کو رد کر دیا انہوں نے دنیا کی طرف لوٹ جانے کا سوال کیا اور انہوں نے معذرت پیش کی تو ان کا عذر قبول نہ کیا گیا۔

وَ لَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ان کی وہ حالت نہیں جو رجوع کرنے والے کی ہوتی ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: استعتبته فاعتبنی میں نے اس سے رضا کو طلب کیا پس اس نے مجھے راضی کر لیا۔ یہ اس صورت میں ہے جب تو اس پر جنایت کرنے والا ہو اعتبته کی حقیقت یہ ہے تو نے اس کی ناراضگی کو زائل کیا سورۂ فصلت میں اس کا بیان آئے گا۔ عاصم، حمزہ اور کسائی نے فیومئذ لاینفع یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ لَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ۝

''اور بے شک ہم نے بیان فرمائی ہے لوگوں (کے بھلے) کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال اور اگر آپ لے آئیں ان کے پاس کوئی نشانی تو (جواباً) یہی کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا: نہیں ہو تم مگر باطل پرست یونہی مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ دلوں پر جو (حق کو) نہیں جانتے سو آپ صبر فرمائیں بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور آپ کو پھسلا نہ دیں (راہ حق سے) وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے''۔

وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ہر قسم کی مثال جو ان کی رہنمائی کرتی ہے جس کے وہ محتاج ہیں اور انہیں توحید اور رسولوں کی صداقت پر آگاہ کرتی ہے۔ وَ لَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ آیہ سے مراد معجزہ ہے جس طرح سمندر کا پھٹنا، عصا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 323

اور دوسرے معجزات۔ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ کافر مومنوں کو کہیں گے: تم باطل اور جادو کی اتباع کرتے ہو۔ کَذٰلِکَ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہونے والی آیات کو نہیں سمجھتے، اسی طرح یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو توحید کے ادلہ کو نہیں جانتے۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ان کی اذیتوں پر صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ تیری مدد فرمائے گا۔ وَّ لَا یَسْتَخِفَّنَّكَ تجھے تیرے دین سے نہ پھسلا دیں جو یقین نہیں رکھتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد نضر بن حارث ہے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مراد آپ کی امت ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: استخف فلان فلانا فلاں نے فلاں کو حقیر جانا یہاں تک کہ اسے سرکشی میں اپنی اتباع پر برانگیختہ کیا، یہ نہی کی وجہ سے محل جزم میں ہے اسے نون ثقیلہ کے ساتھ موکد کیا تو اسے مبنی برفتحہ بنا دیا گیا جس طرح دو چیزوں کو مبنی برفتحہ بنایا جاتا ہے جب ان میں سے ایک کو دوری کی طرف مضاف کیا جاتا ہے۔ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ یہ محل رفع میں ہے عربوں میں سے کچھ کہتے ہیں الاذن یہ محل رفع میں ہے۔ سورۂ فاتحہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

سورۃ لقمان

ایاتہا ۳۴　۳۱ سورۃ لقمٰن مکیۃ ۵۷　رکوعاتہا ۴

دو آیتوں کے سوا یہ سورت مکی ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کے شروع سے دو آیتوں کے آخر تک ان دونوں میں سے پہلی وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سورت کی تین آیات (مدنی ہیں) باقی سورت مکی ہے ان میں سے پہلی وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ ہے اس کی کل چونتیس آیات ہیں (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۙ﴿۲﴾ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓىِٕكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

''الف، لام، میم۔ یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی، سراپا ہدایت اور رحمت ہے نیکوکاروں کے لیے، وہ جو صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور یہی لوگ ہیں جو آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہیں یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی توفیق سے، اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں کامران ہیں''۔

الٓمّٓ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ سورتوں کے آغاز میں کلام گزر چکی ہے۔ تِلْكَ یہ محل رفع میں ہے کیونکہ مبتدا مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہے ھذہ تلك۔ یہ بھی پڑھا جاتا ہے تیك اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ یہ تلك کا بدل ہے۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکیم سے مراد محکم ہے، یعنی اس میں کوئی خلل اور کوئی تناقض نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حکمت والا ہے۔ اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حاکم ہے۔

هُدًى وَّ رَحْمَةً یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اس کی مثل هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً (اعراف: 73) یہ دونوں مدنیوں، ابوعمرو، عاصم اور کسائی کی قراءت ہے۔ حمزہ نے ھدی و رحمۃ کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس کی دو وجوہ ہو سکتی ہے: (۱) مبتدا مضمر ہے کیونکہ یہ پہلی آیت ہے (۲) یہ تلك کی خبر ہے۔ محسن وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہو، اگر بندہ اسے نہ دیکھ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دین میں محسن ہیں۔ دین سے مراد اسلام ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (النساء: 125) الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ یہ صفت ہے موصوف سے الگ ہونے کی بنا پر یہ محل رفع میں ہے جو اس معنی میں ہے ھم الذین۔ نصب اعنی مضمر

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 345

ہونے کی وجہ سے ہے اس آیت اور اس کے بعد والی آیات میں گفتگو سورۂ بقرہ وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

''اور کئی ایسے لوگ بھی ہیں جو بیوپار کرتے ہیں (مقصد حیات سے) غافل کر دینے والی باتوں کا تاکہ بھٹکاتے رہیں راہ خدا سے (اس کے نتائج بد سے) بے خبر ہو کر اور اس کا مذاق اڑاتے رہیں یہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ من محل رفع میں مبتدا ہے لَهْوَ الْحَدِيْثِ اس سے مراد غنا ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس وغیرہما کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: یہ کتاب وسنت سے ممنوع ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے من یشتری ذا لھو او ذات لھو یعنی مضاف محذوف ہے جس طرح وَ سْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) یہاں بھی الْقَرْيَةَ سے پہلے اہل کا لفظ محذوف ہے یا تقدیر کلام یہ ہے: لما کان إنما اشتراھا یشتریھا و یبالغ فی ثمنھا کانه اشتراھا للھو۔

میں کہتا ہوں: یہ ان تین آیات میں سے ایک ہے جن سے علماء نے استدلال کیا کہ غنا مکروہ ہے اور اس سے علماء نے منع کیا ہے۔ دوسری آیت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۝ (النجم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قبیلہ حمیر کی زبان میں اس سے مراد غنا ہے یعنی غَنّی لنا یعنی ہمارے لیے گانا گا۔ تیسری آیت وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ (الاسراء: 64) مجاہد نے کہا: غنا اور مزامیر ہے۔ سورۃ الاسراء میں اس کے بارے میں یہ بات گزر چکی ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابوامامہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: لا تبیعوا القینات ولا تشتروھن ولا تعلموھن ولا خیر فی تجارۃ فیھن و ثمنھن حرام (1) اس کی مثل میں یہ آیت نازل ہوئی۔ گانا بجانے والی لونڈیاں نہ بیچو، انہیں نہ خریدو اور انہیں اس کی تعلیم نہ دو ان کی تجارت میں کوئی بھلائی نہیں ان کی قیمت حرام ہے۔ ابوعیسیٰ نے کہا: یہ حدیث غریب ہے، یہ قاسم سے وہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں قاسم ثقہ ہے علی بن یزید کو حدیث میں کمزور قرار دیا جاتا ہے، یہ محمد بن اسماعیل کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے یہی تفسیر مروی ہے اور مجاہد نے بھی یہی بیان کیا ہے، ابوالفرج جوزی نے حضرت حسن بصری، سعید بن جبیر، قتادہ اور نخعی سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں، اس آیت کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ قول ان سب سے اعلیٰ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تین دفعہ باللہ الذی لا الہ الا ھو کے ساتھ قسم اٹھائی کہ اس سے مراد غنا ہے (2)۔ سعید بن جبیر نے ابوصہبا بکری سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ کے بارے میں

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۂ لقمان، جلد 2، صفحہ 151　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 3

پوچھا گیا: فرمایا: اس سے مراد غنا ہے اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! اس قسم کو تین دفعہ دہرایا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد گانا ہے۔ عکرمہ، میمون بن مہران اور مکحول سے اسی طرح مروی ہے۔ شعبہ اور سفیان نے حکم سے اور حماد نے ابراہیم سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: غنا (گانا) دل میں نفاق کو جنم دیتا ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے اور یہ اضافہ کیا کہ آیت میں لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے مراد گانا سننا اور اسی طرح کی باطل چیزوں کو سننا ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے مراد گانا بجانے کے آلات اور گانا ہے (1)۔ قاسم بن محمد نے کہا: غنا باطل ہے اور باطل جہنم میں ہے۔ ابن قاسم نے کہا: میں نے امام مالک سے اس بارے میں پوچھا، فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ (یونس: 32) یہ حق ہے (2)۔ امام بخاری نے یہ عنوان باندھا ہے باب کل لهو باطل إذا شغل عن طاعة الله ومن قال لصاحبه تعال أقامِرْك (3) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا امام بخاری کا قول: اذا شغل عن طاعة الله یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے ماخوذ ہے۔ حضرت حسن بصری سے بھی یہ مروی ہے اس سے مراد: کفر اور شرک ہے۔ ایک قوم نے ایسی باتوں کی بھی تاویل کی ہے جن کے ساتھ اہل باطل اور اہل لعب، لہو ولعب کا شکار رہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی (4)۔ اس نے عجمیوں کی کتابیں رستم اور اسفند یار خریدیں۔ وہ مکہ مکرمہ میں بیٹھا کرتا جب قریش اسے کہتے: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ کہا ہے، تو وہ اس سے ہنستا اور قریش کو فارس کے بادشاہوں کے قصے بیان کرتا اور وہ کہتا: میری یہ کہانی (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات سے اچھی ہے۔ فراء، کلبی اور دونوں کے علاوہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ گانا گانے والی لونڈیاں خریدتا وہ کسی ایسے آدمی کو نہ پاتا جو اسلام قبول کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے اپنی لونڈی کی طرف لے جاتا وہ لونڈی سے کہتا: اسے کھانا کھلاؤ، اسے مشروب پلاؤ اور اسے نغمہ سناؤ۔ اور وہ کہتا: یہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت دیتے ہیں یعنی نماز، روزہ اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا؛ یہ قول اور پہلا قول شراء میں ظاہر ہے۔

ایک طائفہ کا کہنا ہے: اس آیت میں شراء مجازی معنی میں ہے۔ یہ آیت قریش کی باتوں، اسلام کے بارے میں ان کے لہو ولعب اور باطل میں ان کے داخل ہونے کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن عطیہ نے کہا: جس فعل کا کرنا واجب تھا اس کو ترک کرنا اور ان منکرات کو بجالانا ان کا شراء ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى (البقرہ: 16) انہوں نے ایمان کے بدلے میں کفر حاصل کیا یعنی کفر کو ایمان سے بدل لیا اور کفر کو ایمان پر ترجیح دی۔ مطرف نے کہا: شراء لہو الحدیث سے مراد لہو الحدیث کو پسند کرنا ہے۔ قتادہ نے کہا: ممکن ہے وہ اس میں اپنا مال خرچ نہ کرے لیکن اس کا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 345
2۔ موطا امام مالک، کتاب الجامع، ماجاء فی النرد، صفحہ 724
3۔ صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب کل لہو باطل، جلد 2، صفحہ 932
4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 346

سنا اس کو خریدنا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس باب میں جو کچھ کہا گیا ہے پہلا قول زیادہ اچھا ہے کیونکہ اس کے بارے میں حدیث مرفوع ہے صحابہ اور تابعین کا قول ہے۔ اس میں ثعلبی اور واحدی نے حضرت ابوامامہ کی حدیث میں اضافہ کیا ہے: ''جو آدمی گانے کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر شیطانوں کو بھیج دیتا ہے۔ ان میں سے ایک ایک کندھے پر ہوتا ہے اور دوسرا دوسرے کندھے پر ہوتا ہے وہ لگا تار اسے اپنے پاؤں مارتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ خاموش ہو جاتا ہے'' (1)۔

امام ترمذی اور دوسرے محدثین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ فرمایا: دو ملعون اور فاجر آوازیں ہیں میں ان دونوں سے منع کرتا ہوں صوت مزمار و رنة شیطان عند نغمة و مرح و رنة عند مصیبة لطم خدود و شق جیوب۔(2) بانسری کی آواز اور شیطانی آواز وہ نغمہ اور اترانے کے وقت آواز نکالنا اور مصیبت کے وقت آواز نکالنا ہے رخساروں پر طمانچہ مارنا اور گریبان پھاڑنا ہے۔

جعفر بن محمد اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے وہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے آلات لہو ولعب کے توڑنے کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے'' (3)۔ اسے ابو طالب غیلانی نے نقل کیا ہے۔ ابن بشران عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے لہو و لعب اور طبل کو توڑنے کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے'' (4)۔ امام ترمذی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب میری امت پندرہ عمل کرے گی تو اس پر آزمائش اترے گی۔ ان میں سے یہ امور ذکر کیے: جب وہ گانا بجانے والی لونڈیوں اور آلات لہو ولعب کو اپنا لیں گے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وظهرت القِیان والمعازِف گانے بجانے والی لونڈیاں اور آلات لہو ولعب غالب آجائیں گے (5)۔

ابن مبارک نے مالک بن انس سے وہ محمد بن منکدر سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو کسی لونڈی کے پاس بیٹھا تاکہ اس سے گانا سنے تو قیامت کے روز اس کے کان میں سیسہ ڈال دیا جائے گا'' (6)۔ اسد بن موسیٰ، عبد العزیز بن ابی سلمہ سے وہ محمد بن منکدر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا: ''میرے وہ بندے کہاں ہیں جو اپنی ذاتوں اور کانوں کو لہو ولعب اور شیطان کے آلات سے بچاتے تھے، انہیں کستوری کے باغات میں اتار دو اور انہیں خبر دو کہ میں نے ان پر اپنی رضا اتار دی ہے'' (7)۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 3، صفحہ 491-490

2۔ جامع ترمذی، کتاب الجنائز، ما جاء فی الرخصة فی البکاء علی المیت، جلد 1، صفحہ 119۔ ایضاً، حدیث نمبر 926، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 226، حدیث نمبر 40689　　4۔ ایضاً، جلد 15، صفحہ 216، حدیث نمبر 40640

5۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، ما جاء فی علامة حلول المسخ والخسف، جلد 2، صفحہ 44

6۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 221-220، حدیث نمبر 40669　　7۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1493

ابن وہب نے مالک سے وہ محمد بن منکدر سے اس کی مثل روایت نقل کرتے ہیں۔

اور المسک کے قول کے بعد یہ اضافہ کیا ''پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا'' انہیں میری حمد، میرا شکر اور میری ثنا سناؤ اور انہیں بتاؤ کہ ان پر کوئی خوف نہیں اور وہ غمگین نہ ہوں گے''۔ یہی معنی حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی حدیث مرفوع سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے مغنی کی آواز کو توجہ سے سنا تو اسے اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ روحانیوں کو سنیں۔ عرض کی گئی: روحانیون کون ہیں؟ یا رسول اللہ! ﷺ فرمایا: ''اہل جنت کے قاری'' (1)۔ اسے ترمذی حکیم ابوعبداللہ نے ''نوادر الاصول'' میں نقل کیا ہے، ہم نے اسے کتاب ''التذکرۃ'' میں امثلہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ''جس نے دنیا میں شراب پی آخرت میں اس کو نہیں پیے گا'' (2)۔ ''جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں اس کو نہیں پہنے گا'' (3)۔ اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جس طرح ہم نے انہیں بیان کیا ہے۔ مکحول نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی مر جائے اور اس کے پاس مغنیہ لونڈی ہو تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھو''۔

ان آثار وغیرہا کی وجہ سے علماء نے کہا: گانا گانا حرام ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ عام علماء کے نزدیک اس سے مراد معتاد غنا ہے جو نفوس کو حرکت دے اور ان نفوس کو خواہش نفس، غزل، مجول اور بے حیائی پر برانگیختہ کرے جو ساکن کو حرکت دے اور پوشیدہ جذبہ کو بھڑکائے۔ جب یہ نوع شعر میں ہو تو اس میں عورتوں کا ذکر ان کے محاسن کا ذکر، شراب کا ذکر اور محرمات کا ذکر کرے اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ سب کا اتفاق ہے کہ یہ لہو ہے اور غنا مذموم ہے مگر جو اس سے محفوظ ہو تو خوشی کے اوقات میں تھوڑا بہت جائز ہے جس طرح شادی، عید، اور اعمال شاقہ پر چستی دلانا، جس طرح غزوہ خندق کے موقع پر ہوا، اونٹوں کو تیز چلانے کے موقع پر ہوا اور حضرت سلمہ بن اکوع کا واقعہ ہے۔ جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جسے صوفیاء نے آج اپنا لیا ہے کہ ہمیشہ آلات لہو ولعب سے سنتے ہیں جن میں مختلف قسم کے آلات استعمال ہوتے ہیں تو وہ حرام ہے۔ ابن عربی نے کہا: جہاں تک جنگ کی طبل کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ نفوس کو مضبوط کرتا ہے اور دشمن کو خوفزدہ کرتا ہے۔ چرواہے کے مزمار میں تردد ہے۔ دف مباح ہے۔

جوہری نے کہا: بعض اوقات چرواہے کی بنسری جس کے ساتھ گانا گاتا ہے اسے ہیرعد اور ہراعہ کہتے ہیں۔ قشیری نے کہا: نبی کریم ﷺ جس روز مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو نبی کریم ﷺ کے سامنے دف بجایا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جھڑکنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے ابا بکر! انہیں چھوڑ دو تا کہ یہودی جان لیں کہ ہمارا دین وسعت والا ہے'' (4)۔ بچیاں دف بجاتیں اور کہتیں: ہم بنی نجار کی بچیاں ہیں حضرت محمد ﷺ کتنے اچھے پڑوسی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نکاح کے موقع پر طبل دف کی طرح ہے اسی طرح وہ آلات جو نکاح کے اعلان کا باعث ہوں ان کا استعمال

1۔ نوادر الاصول، صفحہ 154
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاشربہ، من شرب الخمر فی الدنیا، صفحہ 250
3۔ ایضاً، کتاب اللباس، صفحہ 264
4۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 214، حدیث نمبر 40628

اس میں جائز ہے جب کہ کلام اچھی ہو اس میں رفث نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ ہمیشہ کے لیے غنا میں مصروف رہنا بے وقوفی ہے اس کے ساتھ شہادت رد کر دی جائے گی۔ اگر وہ گانے میں ہمیشہ مشغول نہ رہتا ہو تو اس کی شہادت رد نہیں کی جائے گی۔ اسحاق بن عیسیٰ طباع نے ذکر کیا۔ کہا: میں نے امام مالک بن انس سے پوچھا: اہل مدینہ غنا میں سے کسی چیز کی رخصت دیا کرتے تھے۔ فرمایا: ہمارے ہاں فاسق لوگ یہ کام کیا کرتے تھے۔

ابوطیب بن عبداللہ طبری نے ذکر کیا کہا: جہاں تک امام مالک بن انس کا تعلق ہے آپ نے گانا گانے اور اس کو سننے سے منع کیا ہے۔ فرمایا: جب کوئی آدمی لونڈی خریدے اور اسے گانا گانے والا پائے تو عیب کی وجہ سے اسے لوٹا دے؛ یہ عام اہل مدینہ کا مذہب ہے مگر ابراہیم بن سعد، ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان سے ذکریا ساجی نے ذکر کیا ہے کہ وہ اس میں کوئی حرج نہ دیکھا کرتے تھے۔ ابن خویز منداد نے کہا: جہاں تک امام مالک کا تعلق ہے ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ صناعت (فن) کو جانتے تھے جب کہ آپ کا مذہب یہ ہے کہ وہ حرام ہے، ان سے مروی ہے کہ آپ نے کہا: میں نے اس صناعت (فن) کو سیکھا جب کہ میں نوجوان تھا، میری ماں نے مجھے کہا: اے بیٹے! یہ فن اس کے لیے مناسب ہوتا ہے جو خوبصورت چہرے والا ہو اور تو اس طرح نہیں ہے لہٰذا تم تو علوم دینیہ کو حاصل کرو تو میں نے حضرت ربیع کی صحبت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر رکھ دی۔

ابوطیب طبری نے کہا: جہاں تک امام اعظم ابوحنیفہ کا تعلق ہے آپ نبیذ کے پینے کو مباح جاننے کے باوجود غنا کو مکروہ جانتے تھے۔ اور غنا کے سماع کو گناہ شمار کرتے تھے، اہل کوفہ کا مذہب بھی یہی ہے، جیسے ابراہیم، شعبی، حماد اور ثوری وغیرہ۔ اس مسئلہ میں ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس کے مکروہ ہونے اور اس سے منع کرنے کے بارے میں اہل بصرہ کے درمیان میں کوئی اختلاف معروف نہیں، مگر وہ روایت جو عبیداللہ بن حسن عنبری سے مروی ہے کہ آپ اس میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے۔ جہاں تک امام شافعی کا تعلق ہے فرمایا: غنا مکروہ ہے اور باطل کے مشابہ ہے۔ جس نے اس عمل کو کثرت سے کیا تو وہ بے وقوف ہے اس کی گواہی کو رد کر دیا جائے گا۔ ابوفرج جوزی نے امام احمد بن حنبل سے تین روایات نقل کی ہیں: (۱) ہمارے اصحاب نے ابوبکر خلال اور ان کے صاحب عبدالعزیز سے غنا کی اباحت کا ذکر کیا۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ ان کے دور میں جو زہدیہ قصائد پڑھے جاتے تھے امام احمد اسے مکروہ نہیں کہتے اسی قول کو اس پر محمول کیا جائے گا۔ اس پر یہ واقعہ بھی دلالت کرتا ہے کہ آپ سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو مر گیا اس نے اپنے پیچھے ایک بچہ اور مغنیہ لونڈی چھوڑی بچہ اس لونڈی کو بیچنے کا محتاج ہوا فرمایا: اسے بیچا جائے گا کہ وہ سادہ لونڈی ہے نہ کہ اس شرط پر بیچا جائے گا کہ وہ مغنیہ ہے۔ آپ سے عرض کی گئی: وہ تیس ہزار کے ہم پلہ ہے اگر اسے سادہ عام لونڈی کی حیثیت سے بیچا جائے تو وہ بیس ہزار کے برابر ہے؟ فرمایا: اسے نہ بیچا جائے مگر اس شرط پر کہ وہ سادہ لونڈی ہے۔ ابوالفرج نے کہا: امام احمد نے یہ قول اس لیے کیا کیونکہ یہ لونڈی زہد والے قصائد نہیں پڑھا کرتی تھی بلکہ ایسے اشعار پڑھا کرتی تھی جو عشق و محبت کے جذبات کو بھڑکانے والے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ گانا گانا ممنوع ہے اگر یہ عمل ممنوع نہ ہوتا تو یتیم پر اس کے مال کو ضائع کرنا جائز نہ ہوتا، یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: عندی خمر لایتام؟ میرے پاس یتیموں کا شراب پڑا ہوا ہے؟ فرمایا: ''اسے بہا دو'' (1)۔ اگر اس کو درست کرنا جائز ہوتا تو یتیموں کے مال کو ضائع کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ طبری نے کہا: مختلف شہروں کے علماء نے غنا کی کراہت اور اس سے روکنے پر اتفاق کیا ہے۔ ابراہیم بن سعد اور عبید اللہ عنبری نے جماعت سے اختلاف کیا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علیکم بالسواد الاعظم (2) ومن فارق الجماعة مات میتة جاھلیة سواد اعظم کو لازم پکڑو جو جماعت سے الگ ہوا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ ابوالفرج نے کہا: ہمارے اصحاب میں سے قفال نے کہا: مغنی اور رقاص کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔

میں کہتا ہوں: یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ امر جائز نہیں تو اس پر اجرت جائز نہیں۔ ابو عمر بن عبداللہ نے اس عمل (گانا گانے) پر اجرت لینے کو حرام قرار دیا ہے۔ سورۃ الانعام میں وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ (59) کے ضمن میں بحث گزر چکی ہے تیرے لیے وہ کافی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: جہاں تک لونڈیوں کے گانے کے سننے کا تعلق ہے تو مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی لونڈی کا نغمہ سنے کیونکہ اس پر اس کی کوئی چیز حرام نہیں نہ اس کے ظاہر سے کوئی چیز حرام ہے اور نہ اس کے باطن میں سے کوئی چیز حرام ہے تو اس کی آواز سے لذت حاصل کرنا کیسے حرام ہوگا؟ مگر عورتوں کا مردوں کے سامنے آنا، ان کے پردہ کو پامال کرنا اور بے حیائی کی بات سننا جائز نہیں جب وہ ایسی چیز کی طرف نکلے جو حلال نہ ہو اور جائز نہ ہو تو اس کو ابتدا سے منع کر دیا جائے گا اور اس کو جڑ سے اکھیڑ دیا جائے گا (3)۔ ابوالطیب طبری نے کہا: ایسی عورت سے جو محرم نہ ہو تو اصحاب شافعی نے کہا: یہ جائز نہیں؛ وہ عورت آزاد ہو یا لونڈی ہو۔ کہا: امام شافعی نے فرمایا: لونڈی کا مالک اگر گانا سننے کے لیے عورتوں کو بھی جمع کرے تو وہ سفیہ ہوگا اور اس کی شہادت رد کر دی جائے گی۔ پھر اس میں سخت گفتگو کی۔ فرمایا: وہ بدکاری ہے اس کے مالک کو بے وقوف قرار دیا جائے گا کیونکہ اس نے لوگوں کو باطل کی طرف دعوت دی ہے اور جو لوگوں کو باطل کی طرف بلائے تو وہ سفیہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 5۔ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ عام قراءت یاء کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی غیر کو صراط مستقیم سے گمراہ کر دے جب وہ دوسروں کو گمراہ کرے تو خود بھی گمراہ ہوا۔ ابن کثیر، ابن محیصن، حمید، ابو عمرو، رویس اور ابن ابی اسحاق نے یاء کے فتحہ کے ساتھ لازم پڑھا ہے تاکہ خود صراط مستقیم سے گمراہ ہو۔

وَّ یَتَّخِذَهَا هُزُوًا دو مدنی قراء، ابو عمرو اور عاصم کی قراءت رفع کی صورت میں ہے اس کا عطف من یشتری پر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو۔ اعمش، حمزہ اور کسائی نے اسے ویتخذھا نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس کا عطف لِیُضِلَّ پر ہے دونوں صورتوں میں بِغَیْرِ عِلْمٍ پر وقف مستحسن نہیں اور هُزُوًا پر عطف ہوگا۔ یَتَّخِذَهَا میں ہا ضمیر آیات سے کنایہ ہے۔ یہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب البیوع، ماجاء فی بیع الخمر والنھی عن ذالک، جلد 1، صفحہ 155

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب السواد الاعظم، صفحہ 292۔ ایضاً، حدیث نمبر 3939، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ احکام القرآن از ابن العربی، جلد 3، صفحہ 1494

بھی جائز ہے کہ یہ السبیل سے کنایہ ہو کیونکہ السبیل کا لفظ مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ سخت عذاب ہوگا جو انہیں ذلیل و رسوا کر دے گا۔ شاعر نے کہا:

ولقد جذعت إلى النصارى بعد ما　لَقِيَ الصليبُ من العذاب مهينا

میں نے نصاریٰ کی پناہ لی بعد اس کے کہ صلیب نے ذلت والا عذاب پایا۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْۤ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

''اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اسے ہماری آیتیں تو منہ پھیر لیتا ہے تکبر کرتے ہوئے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں جیسے اس کے دونوں کان بہرے ہیں سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں''۔

اٰيٰتُنَا سے مراد قرآن ہے۔ وَلّٰى کا معنی اس نے اعراض کیا۔ مُسْتَكْبِرًا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ وَقْرًا بوجھ اور گرانی ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے خوشیوں والے باغات ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ کا یہ سچا وعدہ ہے، اور وہی سب پر غالب ہے بڑا دانا ہے''۔

جب کفار کے عذاب کا ذکر کیا تو مومنوں کے لیے نعمتوں کا بھی ذکر کیا۔ خٰلِدِيْنَ کا معنی ہے ہمیشہ ہمیشہ۔ وَعْدَ اللّٰهِ یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ ایسا سچا وعدہ ہے جس میں کوئی خلاف ورزی نہ ہوگی۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

''اس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر جنہیں تم دیکھ سکو اور کھڑے کر دیئے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تاکہ زمین ڈولتی نہ رہے ساتھ تمہارے اور پھیلا دیئے ہیں اس میں ہر قسم کے جانور اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی، پس اگائے ہم نے زمین میں ہر نوع کے نفیس جوڑے یہ تو ہے اللہ کی تخلیق (اے مشرکو!) اب ذرا دکھاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے اس کے سوا؟ (کچھ بھی نہیں) مگر یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں''۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا، تَرَوْنَهَا یہ محل جر میں ہے جو عمد کی صفت ہے ممکن ہے وہاں ستون تو ہوں لیکن

دکھائی نہ دیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ السَّمٰوٰتِ سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہو اور وہاں کوئی ستون نہیں۔ نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا، بہتر یہ ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو اور وہاں کوئی ستون نہ ہوں؛ یہ مکی کا قول ہے اور بغیر عمد تمہ کے طور پر کلام ہو۔ اس بارے میں گفتگو سورۃ الرعد میں گزر چکی ہے۔ وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ، رَوَاسِيَ سے مراد مضبوط پہاڑ ہیں۔ اَنْ تَمِيْدَ یہ محل نصب میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کراھیۃ أن تمید کوفیہ یہ کلام مقدر کرتے ہیں معنی ہے لئلا تمید۔

وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ کا معنی ہے من کل لون حسن ہر اچھی قسم۔ امام شعبی نے اسے لوگوں پر محمول کیا ہے کیونکہ وہ زمین سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور ان میں سے جو جنت کی طرف جائے گا وہ کریم ہے اور ان میں سے جو آگ کی طرف جائے گا وہ لئیم (کمینہ) ہوگا، دوسرے علماء نے یہ تاویل کی کہ نطفہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے قرآن کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے۔

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ یہ مبتدا اور خبر ہے اور خلق مخلوق کے معنی میں ہے یہ جس کا میں نے ذکر کیا ہے تم آنکھوں سے اس کا معائنہ کرتے ہو۔ خَلْقُ اللّٰهِ یعنی اللہ کی مخلوق، یعنی اللہ تعالیٰ نے شریک کے بغیر اس کو پیدا کیا۔ فَاَرُوْنِيْ اے مشرکوں کی جماعتو! مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ یعنی بتوں نے کسے پیدا کیا؟ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ بلکہ مشرک واضح خسارے میں ہیں۔ ما استفہامیہ ہے جو محل رفع میں ہے اور اس کی خبر ذا ہے جو الذی کے معنی میں ہے اور خلق کا مفعول ضمیر محذوف ہے جو ھاء محذوفہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے فأرونی ای شیء خلق الذین من دونہ، جملہ أرونی کی وجہ سے محل نصب میں ہے خلق کے ساتھ ھاء ضمیر مضمر کی ہے جو الذین کی طرف لوٹ رہی ہے۔ مراد ہے مجھے ایسی اشیاء دکھاؤ جن کو غیر اللہ نے پیدا کیا۔ اس قول کی بنا پر تو کہتا ہے: ماذا تعلمت أنحو أم شعر تو نے کیا سیکھا علم نحو یا علم شعر۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما محل نصب میں ہے جس کو نصب أرونی دے رہا ہے اور ذا زائدہ ہے۔ اس تاویل کی بنا پر تو کہتا ہے: ماذا تعلمت أنحوا أم شعرا تو نے کیا سیکھا علم نحو یا شعر کا علم؟۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَ مَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫

''اور ہم نے عنایت فرمائی لقمان کو حکمت (ودانائی اور فرمایا) اللہ کا شکر ادا کرو اور جو شکر ادا کرتا ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اپنے بھلے کے لیے اور جو کفران نعمت کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ غنی ہے حمید ہے''۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ لقمان اور الحکمۃ دونوں مفعول ہیں۔ لقمان منصرف نہیں کیوں کہ اس کے آخر میں الف، نون زائدتان ہے، تو یہ اس فعلان کے مشابہ ہو گیا جس کی مونث فعلی ہے تو یہ معرفہ میں منصرف نہ ہوگا کیونکہ یہ دوسرا أثقل ہو گا۔ نکرہ کی صورت میں یہ منصرف ہوگا کیونکہ دو ثقلوں میں سے ایک زائل ہو چکا ہے، یہ نحاس کا قول ہے۔ یہ لقمان بن باعوراء بن ناحور بن تارح وہی آذر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ (1) تھا۔ محمد بن اسحاق نے یہی نسب ذکر کیا ہے۔ ایک قول

1۔ جب کہ محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ آزر آپ کا چچا تھا اور آپ کے والد کا نام تارخ تھا۔ آذر اور تارح دو افراد ہیں ایک نہیں۔

یہ کیا گیا ہے: وہ لقمان بن عنقاء بن سرون ہے وہ نوبیا تھا جو اہل ایلہ سے تعلق رکھتا تھا؛ سہیل نے اسے ذکر کیا ہے۔ وہب نے کہا: وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے۔

مقاتل نے کہا: یہ ذکر کیا گیا کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے خالہ زاد تھے (1)۔ زمخشری نے کہا: وہ لقمان بن باعوراء ہیں جو حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے یا خالہ زاد ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ آذر کی اولاد میں سے ہیں وہ ہزاروں سال تک زندہ رہے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کو پایا اور ان سے علم سیکھا وہ حضرت داؤد سے پہلے فتویٰ دیا کرتے تھے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے تو آپ نے فتویٰ دینا چھوڑ دیا تو آپ سے عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا: اَلَا اَكْتَفِي إِذْ كُفِيتُ جب معاملہ مجھے کفایت کرتا ہے تو میں اکتفا کیوں نہ کروں۔

واقدی نے کہا: وہ بنی اسرائیل میں قاضی تھے۔ سعید بن مسیب نے کہا: حضرت لقمان مصر کے حبشیوں میں سے تھے بڑے ہونٹوں والے تھے اللہ تعالیٰ نے اسے حکمت سے نوازا اور نبوت سے محروم رکھا (3)؛ جمہور اہل تاویل کا یہی نقطہ نظر ہے۔ وہ ولی تھے نبی نہ تھے۔ عکرمہ اور شعبی نے ان کے نبی ہونے کا قول کیا ہے اس تعبیر کی بنا پر حکمت کا معنی نبوت ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ساتھ حکیم تھے۔ یہی قول اعتقاد، دین و عمل میں سمجھ کے اعتبار سے درست ہے وہ بنی اسرائیل میں قاضی تھے، سیاہ رنگ کے تھے، پاؤں پھٹے ہوئے تھے، بڑے ہونٹوں والے تھے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''حضرت لقمان نبی نہیں تھے وہ ایسے بندے تھے جو بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے اور اچھا یقین رکھنے والے تھے اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے محبت کی۔ اس پر حکمت کا احسان کیا اور اسے اختیار دیا کہ اسے خلیفہ بنا دے جو حق کے ساتھ فیصلہ کرے۔ حضرت لقمان نے عرض کی: اے میرے رب! اگر تو نے مجھے اختیار دیا ہے تو میں عافیت کو قبول کرتا ہوں اور آزمائش کو ترک کرتا ہوں اگر تو نے میرے بارے حتمی فیصلہ فرما دیا ہے تو سر تسلیم خم ہے بے شک تو مجھے معصوم رکھے گا'' (4)۔ ابن عطیہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے اس کا اضافہ کیا ہے۔ فرشتوں نے اسے آواز دی حضرت لقمان انہیں دیکھ رہے تھے، اے لقمان کیوں؟ کہا: حاکم سخت ترین منزل پر ہوتا ہے مظلوم ہر جانب سے اسے ڈھانپے ہوتا ہے اگر اس کی مدد کی جائے تو وہ نجات پانے کے لائق ہے اگر خطا کرے تو جنت کے راستہ کو بھول جائے۔ جو دنیا میں ذلیل ہو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ دنیا میں معزز ہو جو آخرت پر دنیا کو اختیار کرتا ہے دنیا اس پر غضب ناک ہو جاتی ہے اور وہ آخرت کو بھی نہیں پاتا۔ فرشتے اس کی اچھی گفتگو سے متعجب ہوتے وہ سوئے تو انہیں حکمت دی گئی وہ بیدار ہوئے تو حکمت کی باتیں کر رہے تھے۔ ان کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو اس امر کے بارے میں ندا کی گئی تو انہوں نے خلافت کو قبول کر لیا۔

حضرت لقمان نے جو شرط لگائی اس شرط کا ذکر حضرت داؤد علیہ السلام نے نہ کیا تو آپ سے کئی دفعہ خطا ہوئی۔ سب

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 409　2۔ تفسیر کشاف، جلد 3، صفحہ 492

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 331　4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 347

خطاؤں کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ حضرت لقمان علیہ السلام اپنی حکمت کے ساتھ ان کی مدد کرتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے انہیں کہا: اے لقمان! تیرے لیے مبارک ہو تجھے حکمت سے نوازا گیا اور تجھ سے آزمائش دور کر دی گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو خلافت عطا کی گئی اور انہیں بلا اور فتنہ سے آزمایا گیا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کو نبوت اور حکمت میں اختیار دیا تو آپ نے نبوت پر حکمت کو ترجیح دی۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے جب کہ وہ سوئے ہوئے تھے حضرت جبریل امین نے ان پر حکمت کو بکھیر دیا۔ آپ نے صبح کی تو حکمت کی باتیں کر رہے تھے۔ آپ سے عرض کی گئی: تو نے نبوت پر حکمت کو کیسے اختیار کیا جب کہ تیرے رب نے تجھے اختیار دیا تھا ہے؟ فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ مجھے نبوت کو بطور فرض لازم کرتا تو میں اس معاملہ میں اس سے مدد کا طالب ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا تو مجھے خوف ہوا کہ میں نبوت کے فرائض کی ادائیگی میں کمزور نہ پڑ جاؤں تو حکمت مجھے زیادہ محبوب تھی (1)۔

ان کے پیشہ میں اختلاف کیا گیا ہے۔ وہ درزی تھے؛ یہ سعید بن مسیب کا قول ہے۔ آپ نے ایک حبشی سے کہا: تو اس پر غم نہ کر کہ تو حبشی ہے (2)، لوگوں میں سے بہترین تین حبشی تھے۔ حضرت بلال، حضرت مہجع جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور حضرت لقمان۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہر روز اپنے آقا کے لیے لکڑیوں کا ایک گٹھا لاتے تھے۔ آپ نے ایک ایسے آدمی سے کہا جو آپ کو دیکھ رہا تھا: اگر تو مجھے اس لیے دیکھ رہا ہے کہ میرے ہونٹ موٹے ہیں ان کے درمیان سے نرم گفتگو نکلتی ہے۔ اگر تو مجھے اس لیے دیکھتا ہے کہ میں سیاہ رنگ کا ہوں تو میرا دل سفید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ چرواہا تھا ایک آدمی نے اسے دیکھا جو اسے پہلے سے جانتا تھا اس نے اسے کہا: تو فلاں کا غلام نہیں؟ حضرت لقمان نے کہا: کیوں نہیں؟ اس نے کہا: جو میں دیکھتا ہوں وہ تجھ تک کیسے پہنچا؟ فرمایا: اللہ کی تقدیر، میرا امانت کو ادا کرنا، سچی بات کرنا اور لایعنی باتوں کو ترک کرنا؛ یہ قول عبد الرحمٰن بن زید نے حضرت جابر سے نقل کیا ہے۔ خالد ربعی نے کہا: وہ بڑھی تھے۔ ان کے آقا نے کہا: میرے لیے ایک بکری ذبح کرو اور میرے پاس اس میں دو اچھے ٹکڑے لے کر آؤ۔ حضرت لقمان اس کے پاس زبان اور دل لائے۔ آقا نے اسے کہا: اس بکری میں ان دو چیزوں سے اچھی چیز نہیں تھی؟ حضرت لقمان خاموش رہے پھر آقا نے اسے ایک اور بکری ذبح کرنے کا حکم دیا اور کہا: اس میں سے خبیث ترین ٹکڑے پھینک دو تو حضرت لقمان نے اس میں سے زبان اور دل کو پھینک دیا۔ آقا نے آپ سے کہا: میں نے تجھے حکم دیا کہ تو میرے پاس اس میں سے عمدہ ترین ٹکڑے لے آ تو تو میرے پاس زبان اور دل لایا اور میں نے تجھے حکم دیا کہ تو ان میں سے خبیث ترین ٹکڑے پھینک دے تو تو نے زبان اور دل کو پھینک دیا۔ حضرت لقمان نے آقا سے کہا: جب یہ پاکیزہ ہوں تو ان دونوں سے پاکیزہ تر چیز کوئی نہیں اور جب یہ خبیث ہوں تو ان دونوں سے بڑھ کر کوئی خبیث نہیں (3)۔

میں کہتا ہوں: یہ معنی کئی مرفوع احادیث سے ثابت ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1495　2۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 79

3۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 64

''خبردار جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جائے تو تمام جسم درست ہو جاتا ہے اور جب فاسد ہو جائے تو تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ خبردار! وہ دل ہے''(1)۔ زبان کے بارے میں بے شمار صحیح اور مشہور آثار آتے ہیں۔ ان میں سے ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جسے اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کے شر سے بچایا وہ جنت میں داخل ہو گیا جو دو جبڑوں کے درمیان ہے اور جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے''(2)۔ حضرت لقمان کی حکمت کی بے شمار باتیں مروی ہیں ان میں سے یہ ہے آپ سے پوچھا گیا: لوگوں میں سے کون سب سے برا ہے؟ فرمایا: جو اس کی پرواہ نہ کرے کہ لوگ اسے برا خیال کریں۔

میں کہتا ہوں: اس کے ہم معنی مرفوع روایت بھی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری امت میں سے ہر ایک سلامتی میں ہے مگر جو اعلانیہ بدکاری کرے اعلانیہ بدکاری میں سے یہ ہے کہ ایک آدمی رات کے وقت کوئی عمل کرے پھر وہ صبح کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی ہو تو وہ کہتا ہے: اے فلاں! میں نے گزشتہ رات یہ یہ کیا۔ اس نے رات گزاری جب کہ اس کا رب اس کی پردہ پوشی کر رہا تھا وہ صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے پردہ کو چاک کرنے والا تھا(3)؛ اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا؛ امام بخاری نے اسے نقل کیا۔ وہب بن منبہ نے کہا: میں نے حضرت لقمان کی حکمت کی اتنی باتیں پڑھی ہیں جو دس ہزار باب سے بڑھ کر ہیں۔ روایت بیان کی جاتی ہے: حضرت لقمان، حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بن رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو یوں نرم کر دیا تھا جس طرح مٹی ہوتی ہے ارادہ کیا کہ آپ سے پوچھیں تو حکمت نے انہیں آلیا اور خاموش ہو گئے جب حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے مکمل کر لیا اور زرہ کو پہنا کہا: تو جنگ کا کتنا اچھا لباس ہے۔ حضرت لقمان نے کہا: خاموشی حکمت ہے اس پر عمل کرنے والے کم ہی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے انہیں کہا: تجھے جو حکیم کہا گیا وہ درست ہے۔

اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ اس میں دو تقدیریں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ان مفسرہ ہو، معنی ہوگا ہم نے اسے کہا تو شکر بجالا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ محل نصب میں ہے اور فعل اس کے صلہ میں داخل ہے جس طرح سیبویہ نے بیان کیا ہے: كتبت إليه أن قم مگر یہ توجیہ اس کے نزدیک بعید ہے۔ زجاج نے کہا: معنی ہے تحقیق ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے پس اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ وہ ہمارا شکر بجالانے کی وجہ سے حکیم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کے شکر سے مراد اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہو اس کی طاعت کرنا(4)۔ اس کی لغوی اور معنوی حقیقت کے بارے میں قول سورۂ بقرہ وغیرہ میں گزر چکا ہے۔

وَ مَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اپنے لیے ہی عمل کرتا ہے کیونکہ ثواب کا نفع اسی طرف لوٹتا ہے۔ **وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ** جس نے نعمتوں کا انکار کیا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بیان نہ کیا تو اللہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، فصل من استبرأ لدينه، جلد 1، صفحہ 13

2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، حفظ اللسان، جلد 2، صفحہ 958

3۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، ستر المومن على نفسه، جلد 2، صفحہ 896

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 332

تعالیٰ اپنی مخلوق کی عبادت سے غنی ہے اور مخلوق کے ہاں حمد کیا گیا ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: اپنی مخلوق سے غنی اور اپنے افعال میں محمود ہے (1)۔

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾

''اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اسے نصیحت کرتے ہوئے: اے میرے پیارے فرزند! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا، یقیناً شرک ظلم عظیم ہے''۔

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ سہیلی نے کہا: ان کے بیٹے کا نام ثاران تھا؛ یہ طبری اور قتبی کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: اس کا نام شکم تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام انعم تھا (2)؛ یہ نقاش نے حکایت بیان کی ہے۔ قشیری نے کہا: ان کا بیٹا اور ان کی بیوی دونوں کافر تھے آپ ان دونوں کو لگاتار نصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گئے۔

میں کہتا ہوں: اس امر پر اللہ تعالیٰ کا فرمان لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ بھی دلالت کرتا ہے۔

صحیح مسلم اور دوسری کتب میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہا (3): جب یہ آیت اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الانعام: 82) نازل ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ پر بڑا شاق گزرا انہوں نے کہا: ہم میں سے کون ایسا شخص ہے جو اپنے آپ پر ظلم نہیں کرتا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جیسا تم گمان کرتے ہو بات اس طرح نہیں بلکہ ظلم سے مراد ہے جو حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو بے شک شرک ظلم عظیم ہے''۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت لقمان علیہ السلام کا کلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خبر ہے حضرت لقمان علیہ السلام کی کلام سے منقطع ہے اور ظاہری طور پر متصل ہے تاکہ معنی کی تاکید کا فائدہ دے، اس چیز کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے کہ جب یہ آیت اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ڈر گئے انہوں نے عرض کی: ہم میں سے کس نے ظلم نہیں کیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ان کے خوف کو سکون ہو گیا۔ ان کے خوف کو سکون اس لیے ہوا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خبر ہے۔ بعض اوقات خوف کو سکون اس لیے حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کے بارے میں ذکر کرے جس کی صفت حکمت اور سداد سے لگائے۔

اِذْ محل نصب میں ہے اس سے پہلے اذکر فعل محذوف ہے۔ زجاج نے اپنی کتاب جو قرآن کے متعلق ہے میں یہ کہا: اذ، آتینا کی وجہ سے محل نصب میں ہے معنی ہو گا تحقیق ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی جب اس نے کہا۔ نحاس نے کہا: میں اسے غلط گمان کرتا ہوں کیونکہ کلام میں واؤ ہے جو اس سے مانع ہے۔ اور کہا: یابنی یاء کے کسرہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے کیونکہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 333 2۔ ایضاً

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، صدق الایمان و اخلاصہ، جلد 1، صفحہ 77

یہ یاء محذوفہ پر دال ہے۔ جس نے اسے فتحہ دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک فتحہ خفیف ترین حرکت ہے۔ سورۂ ہود میں اس بارے میں قول گزر چکا ہے۔

یٰبُنَیَّ کا قول حقیقت میں مصغر نہیں اگرچہ لفظ میں اس کے وزن پر ہے۔ یہ نرمی پیدا کرنے کے لیے ہے جس طرح ایک آدمی کو کہا جاتا ہے: یا اخی اور بچے کو کہتے ہیں: یا کویس۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

''اور ہم نے تاکیدی حکم دیا انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے شکم میں اٹھائے رکھا ہے اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کے باوجود اور اس کا دودھ چھوٹنے میں دو سال لگے (اسی لیے ہم نے حکم دیا) کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا (آخرکار) میری طرف ہی (تمہیں) لوٹنا ہے۔ اور اگر وہ دباؤ ڈالیں تم پر کہ تو میرا شریک ٹھہرائے اس کو جس کا تجھے علم تک نہیں تو ان کا یہ کہنا نہ مان البتہ گزران کر وان کے ساتھ دنیا میں خوبصورتی سے اور پیروی کرو اس کے راستہ کی جو میری طرف مائل ہوا پھر میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے پس میں آگاہ کروں گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے''۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ یہ دونوں آیات حضرت لقمان علیہ السلام کی وصیت کے درمیان جملہ معترضہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بھی ان چیزوں میں شامل ہے جو حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی، یعنی حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو اور شرک کرنے میں اپنے والدین کی اطاعت نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طاعت کی وصیت کی ان تمام امور میں جو شرک نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا: ہم نے حضرت لقمان علیہ السلام سے کہا ان چیزوں میں جو ہم نے حضرت لقمان علیہ السلام کو حکمت عطا کی۔ اور ہم نے انسان کو والدین کے حسن سلوک کی وصیت کی یعنی ہم نے اسے کہا: اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ اور ہم نے اسے کہا: ہم نے انسان کو وصیت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: تو شرک نہ کرنا اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی یعنی ہم نے لوگوں کو اس کا حکم دیا۔ اور حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو اس کا حکم دیا، قشیری نے ان اقوال کا ذکر کیا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں

آیات حضرت سعد بن ابی وقاص کے حق میں نازل ہوئیں، جس طرح سورت عنکبوت میں گزرا ہے؛ مفسرین کی ایک جماعت کا یہی نقطہ نظر ہے۔

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ والدین کی طاعت کو گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور فرض عین کو ترک کرنے میں ملحوظ خاطر نہیں رکھا جائے گا ہاں مباح امور میں ان دونوں کی طاعت لازم ہوگی اور ان کی وجہ سے مندوب طاعات کو ترک کرنا مستحسن ہے۔ اسی میں جہاد کفایہ کا امر ہے۔ حالت نماز میں ماں بلائے تو اس کی آواز پر لبیک کہنا یہ بھی ٹھیک ہے کیونکہ نماز کا اعادہ ممکن ہے جب کہ یہ مندوب سے قوی ہے، لیکن اس امر کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ ماں کی ہلاکت کا خوف ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کے دوسرے امور جو نماز کے قطع کرنے کو مباح کر دیتے ہیں۔ یہ ندب سے اقویٰ نہیں۔ حضرت حسن بصری نے اس تفصیل میں مخالفت کی ہے فرمایا: اگر اس کی ماں شفقت کی وجہ سے عشاء کی نماز میں حاضر ہونے سے روکے تو وہ اس کی اطاعت نہ کرے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب اللہ تعالیٰ نے ماں کو، حمل کا ذکر کرنے کے ساتھ اور رضاعت کا ذکر کرنے کے ساتھ اس کے درجہ کو خاص کیا تو اس طرح ماں کو تین درجے حاصل ہو گئے اور باپ کے لیے ایک درجہ ہو گیا۔ اسی کے مشابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جب ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں عرض کی: میں کس کے ساتھ نیکی کروں؟ فرمایا: ''اپنی ماں کے ساتھ''۔ عرض کی: پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا: ''اپنی ماں کے ساتھ''۔ عرض کی: پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا: ''اپنی ماں کے ساتھ''۔ عرض کی: پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا: ''اپنے باپ کے ساتھ'' (1)۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیکی میں سے چوتھا حصہ باپ کے لیے بنایا جس طرح اس آیت میں ہے۔ یہ سب باتیں سورۂ سبحان میں گزر چکی ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ ماں نے اسے اپنے پیٹ میں اٹھایا اسی طرح ہر روز اس کی کمزوری میں اضافہ ہوتا جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عورت خلقت میں کمزور ہے پھر حمل اس کو کمزور کر دیتا ہے۔ عیسیٰ ثقفی نے اسے پڑھا وَهَنًا عَلٰى وَهَنٍ دونوں جگہ ہاء پر فتحہ ہے حضرت ابو عمرو سے مروی ہے دونوں ایک ہی معنی میں ہیں۔ قعنب جوام صاحب کا بیٹا ہے نے کہا:

هل للعواذل من ناهٍ فَيَزْجُرَها إن العواذل فيها الأَيْنُ والوَهَنُ (2)

کیا ملامت کرنے والیوں کو کوئی روکنے والا ہے کہ وہ انہیں جھڑ کتا ان ملامت کرنے والیوں میں تھکن اور کمزوری ہے۔

محل استدلال الوهن ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: وَهَنَ يَهِنُ، وَهُنَ يوهُنُ، وهِن يهِن جس طرح وَرِمَ يرِم ہوتا ہے۔ وهنا مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے؛ قشیری نے اسے ذکر کیا۔ نحاس نے کہا: مفعول ثانی کی حیثیت سے منصوب ہے حرف جر ساقط ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے حملته بضعف علی ضعف جمہور نے پڑھا وَفِصَالُهٗ حضرت حسن بصری اور یعقوب نے پڑھا وَفَصْلُه یہ دونوں لغتیں ہیں، یعنی دودھ چھڑانا دو سالوں میں ہے۔ فصال سے مقصود دودھ چھڑانا ہے اس کی غایت اور انتہا کا ذکر کیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: انفصل عن كذا وہ ممتاز ہو گیا؛ اسی وجہ سے فصیل کہتے ہیں۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلہ، ما جاء فی بر الوالدین، جلد 2، صفحہ 12
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 334

مسئلہ نمبر 4۔ احکام اور خرچہ میں تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ رضاعت کی مدت دو سال ہے جہاں تک دودھ کی حرمت کا تعلق ہے ایک فرقہ نے ایک سال مقرر کیا ہے نہ کم اور نہ زیادہ، ایک فرقہ کا خیال ہے دو سال اور جو اس کے ساتھ مہینے ملے ہوتے ہیں جب دودھ پلانے میں اتصال ہو۔ ایک جماعت کا خیال ہے: اگر بچے کو دو سال سے قبل دودھ چھڑا دیا گیا اور اس بچے نے دودھ چھوڑ دیا اگر اس نے اس کے بعد دو سالوں کے دوران دودھ پیا تو یہ دودھ حرمت ثابت نہیں کرے گا۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اَنِ اشْكُرْ لِیْ، ان زجاج کے قول کے مطابق محل نصب میں ہے۔ اس کا معنی ہے ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی کہ میرا شکر بجالاؤ۔ نحاس نے کہا: ان میں سے سب سے عمدہ قول ہے کہ ان مفسرہ ہو معنی ہے ہم نے اسے کہا: میرا شکر بجالاؤ اور اپنے والدین کا شکر بجالاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نعمت ایمان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ اور تربیت کی نعمت پر والدین کا شکر بجالاؤ۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: جس نے پانچ نمازیں پڑھیں تو اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور جس نے نمازوں کے بعد اپنے والدین کے لیے دعا کی اس نے ان کا شکر ادا کیا(1)۔

مسئلہ نمبر 6۔ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ آیت اور اس سے قبل والی آیت حضرت سعد بن ابی وقاص کے حق میں نازل ہوئیں جب آپ اسلام لائے ان کی والدہ جو حمنہ بنت ابی سفیان بن امیہ تھی اس نے قسم اٹھائی کہ وہ کھانا نہیں کھائے گی جس طرح ماقبل آیت کی تفسیر میں گزرا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہے مصاحبا معروفا یہ جملہ بولا جاتا ہے: صاحبتُه مصاحبة و مصاحبا، معروفا سے مراد جو اچھا ہو۔

آیت اس امر پر دلیل ہے کہ کافر والدین اگر وہ فقیر ہوں تو مال سے جتنا ممکن ہو ان کی مدد کرنی لازم ہے نرم گفتگو اور نرمی سے اسلام کی طرف دعوت دینا لازم ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی جب ان کے پاس ان کی خالہ یا رضاعی ماں آئی تھی انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میری ماں میرے پاس آئی ہے جب کہ وہ راغبہ ہے کیا میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ فرمایا: ''ہاں''، راغبہ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ اسلام سے اعراض کرنے والی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک ظاہر معنی یہ ہے وہ صلہ رحمی میں رغبت رکھتی ہے اگر اس کو حاجت نہ ہوتی تو حضرت اسماء کی خدمت میں حاضر نہ ہوتی۔ حضرت اسماء کی والدہ کا نام قتیلہ بنت عبد العزیٰ بن عبد اسد تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبد الرحمن کی والدہ قدیمی مسلمان تھیں(2)۔

مسئلہ نمبر 8۔ وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ تمام عالم کے لیے وصیت ہے، گویا مامور انسان ہے۔ اَنَابَ اس کا معنی مائل ہونا اور کسی شے کی طرف لوٹنا ہے۔ یہ انبیاء اور صالحین کا راستہ ہے۔ نقاش نے حکایت بیان کی ہے: جن کو حکم دیا گیا ہے

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 410
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 349

وہ حضرت سعد ہیں۔ والذی اناب سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ کہا: جب حضرت ابوبکر صدیق مسلمان ہوئے تو حضرت سعد، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت سعید اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم ان کے پاس آئے اور پوچھا: آپ ایمان لے آئے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ تو آپ کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآىِٕمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ (الزمر: 9) جب ان چھ افراد نے یہ سنا تو وہ بھی ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وَ الَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِۙ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ (الزمر: 17) (1) ایک قول یہ کیا گیا ہے: الذی اناب سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: جب حضرت سعد اسلام لائے تو ان کے ساتھ ان کے دو بھائی عامر اور عویمر بھی اسلام لے آئے ان میں صرف عتبہ مشرک رہ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کیا کہ جو قبور میں ہیں ان کو دوبارہ اٹھائے گا، جزا کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہوگا اور اللہ تعالیٰ چھوٹے بڑے اعمال پر آگاہ ہے (2)۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝

''(لقمان نے کہا) پیارے فرزند! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر وزنی ہو یا پھر وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں (چھپی) ہو تو لے آئے گا اسے اللہ تعالیٰ، بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے''۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹے! یہ قول حضرت لقمان علیہ السلام کا ہے اس قول کے ذریعے حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے آگاہ کرنا چاہا (3)۔ یہ وہ آخری حد تھی جس کو سمجھانا ممکن تھا، کیونکہ خردلہ کے بارے میں کہا جاتا ہے: حس اس کے وزن کا ادراک نہیں کرسکتی، کیونکہ یہ ترازو کو نہیں جھکاتا، یعنی اگر ان مواقع پر رائی کے دانہ کے برابر رزق ہو اللہ تعالیٰ اسے لے آتا ہے اور وہاں تک پہنچاتا ہے جس کا یہ رزق ہوتا ہے، یعنی رزق کا ایسا اہتمام نہ کر یہاں تک کہ تو اس کے ساتھ فرائض سے غافل ہو جائے اور جس نے میری طرف رجوع کیا ہے اس کے راستہ کی اتباع سے غافل ہو جائے۔

میں کہتا ہوں: اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن مسعود کو ارشاد ہے: لا تکثر همك ما يُقَدَّرُ يكون وما تُرزق يأتيك (4) اپنی کدوکاوش کو زیادہ نہ کرو جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا اور جو تیرے حق میں رزق مقدر کیا گیا ہے وہ تجھ تک پہنچ جائے گا۔ اس آیت نے اس امر کو بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا اپنے علم سے احاطہ کیے ہوئے ہے، اس نے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 349
2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 350
3۔ ایضاً
4۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 109، حدیث نمبر 505

ہر شے کو شمار کر رکھا ہے، وہ پاک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت لقمان کے بیٹے نے اپنے باپ سے اس دانہ کے بارے پوچھا جو سمندر کے تہہ میں پڑا ہوتا ہے کیا اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے؟ تو حضرت لقمان نے اس آیت کے معنی میں جواب دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اس نے اعمال، معاصی اور طاعات کا ارادہ کیا، یعنی اگر نیکی یا خطا دانہ برابر ہو اللہ تعالیٰ اسے بھی لے آئے گا یعنی جس انسان سے اس کا وقوع مقدر ہے وہ اس سے فوت نہ ہوگی۔ اس معنی کے اعتبار سے موعظہ میں امید اور خوف حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وضاحت کی طرف منسوب ہے پہلے قول میں امید اور خوف نہیں ہے۔

مِثْقَالَ حَبَّةٍ اس سے مراد ہے جو جواہر کے مناسب ہے یعنی دانہ کی مقدار اور اعمال کے مناسب ہو، یعنی جسے دانہ کے برابر مماثلت کے طریقہ پر وزن کیا جاتا ہے۔ جس نے کہا: یہ جواہر میں سے ہے اس کی تائید اس کا قول کرتا ہے جو عبدالکریم جزری کی قراءت ہے فَتَكِنَّ کاف کے کسرہ اور نون کی تشدید کے ساتھ ہے یہ کن سے مشتق ہے جس سے مراد ڈھانپی ہوئی چیز ہے اس کا اسم مضمر ہے اس کی تقدیر یوں ہوگی اِن تَكُ تاء کے ساتھ مثقال سے اوپر جو کہ کان کی جر کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا اسم مضمر ہے اس کی تقدیر مسالتك ہے جس طرح روایت کی گئی ہے یا اس کا اسم المعصیۃ والطاعۃ ہے؛ یہ دوسرے قول کے اعتبار سے ہے۔ اس کی صحت پر ابن لقمان کا اپنے باپ کے لیے قول دلالت کرتا ہے: اے میرے باپ! اگر میں ایسی جگہ کوئی غلطی کروں جہاں مجھے کوئی نہ دیکھ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے کیسے جانے گا؟ حضرت لقمان علیہ السلام نے اسے کہا: **يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ** ان کا بیٹا مضطرب ہی رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔

اِنَّهَاۤ کی ضمیر ضمیر قصہ ہے، جس طرح تو کہتا ہے: انها هند قائمة یعنی اگر وہ عمل دانہ برابر ہو۔ بصری اسے جائز خیال کرتے ہیں: انها زید ضربته یعنی ہاء ضمیر سے مراد قصہ ہو۔ کوفی اسے مونث میں ہی جائز سمجھتے ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ نافع نے پڑھا: مثقال یعنی مرفوع پڑھا ہے۔ اس اعتبار سے تك، خردله کے معنی کی طرف لوٹے گی، یعنی اِن تك حبة من خردل۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مثقال کی طرف ایسا فعل منسوب کیا جس میں تانیث کی علامت ہے اس حیثیت سے کہ وہ مثقال مونث کی طرف مضاف ہے وہ مثقال اسی کی جنس سے ہے لان مثقال الجنة من الخردل امام سيئة او حسنة کیونکہ رائی کے دانہ کے وزن کے برابر یا تو برائی ہوگی یا نیکی ہوگی جس طرح فرمایا **فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا** (الانعام: 160) یہاں عشر کو مونث ذکر کیا (کیونکہ یہ اپنی تمیز کے خلاف استعمال ہوتا ہے) اگرچہ مثل کا لفظ مذکر ہے کیونکہ یہاں امثال سے حسنات کا ارادہ کیا؛ جس طرح شاعر کا قول ہے۔

مَشَيْنَ کما اهتزت رِماحٌ تسفّهتْ　　أعالِيهَا مَرُّ الرياحِ النَّواسِمِ(1)

جب وہ چلتی ہیں تو وہ اپنی چال میں جھومتی ہیں اور دہری ہوتی ہیں گویا وہ نیزے ہیں جن کو کھڑا کیا گیا ہے جن پر ہوائیں چل رہی ہیں تو وہ جھول رہے ہیں اور دہرے ہو رہے ہیں۔ محل استدلال تسفهت ہے جس کا فاعل مر مصدر ہے، یہاں تک

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 350

تقع کے معنی میں ہے اس لیے یہ خبر کا تقاضا نہیں کرتا۔

فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام کا معنی تفہیم میں مبالغہ کرنا اور انتہا کو پہنچنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت ایسی چیز تک پہنچتی ہے جو تہہ در تہہ چٹانوں میں ہو، جو آسمانوں میں ہو اور جو زمین میں ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں صخرہ سے مراد سات زمینوں کے نیچے چٹان ہے جس پر زمین ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسی چٹان ہے جو حوت مچھلی کی پشت پر ہے (1)۔ سدی نے کہا: یہ ایسی چٹان ہے جو آسمان اور زمین میں نہیں، بلکہ سات زمینوں سے ماوراء ہے اس پر ایک فرشتہ کھڑا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ ان آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ سے کفایت ہو جاتی ہے۔ یہ ایسا قول ہے جو ممکن ہے یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ تاکید ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ (العلق) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا (الاسراء: 1)

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ۝۱۷

''میرے پیارے بچے نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو اور صبر کیا کرو اس مصیبت پر جو تمہیں پہنچے، بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ اپنے بیٹے کو طاعات میں سے عظیم طاعت کی وصیت کی وہ نماز، معروف کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے۔ اس سے یہ ارادہ کرتا ہے کہ پہلے خود اس کو بجا لائے اور منکر سے رکے یہاں یہ لفظ تمام طاعات اور فضائل کو جامع ہے۔ جس نے بھی کہا، بہترین کہا:

وابدأ بنفسك فانهها عن غيّها   فإذا انتهت عنه فأنت حكيم

اپنی ذات سے شروع کرو اور اسے سرکشی سے روکو جب نفس اس سے رک گیا تو تو حکیم ہے۔

ان اشعار کا ذکر سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ یہ ارشاد تقاضا کرتا ہے کہ تجھے منکر کو ختم کرنے پر برانگیختہ ہونا چاہیے اگرچہ تجھے ضرر پہنچے۔ یہ اس امر کا شعور دلانا ہے کہ منکر کو ختم کرنے والے کو بعض اوقات اذیت دی جاتی ہے۔ یہ مقدار ندب اور استحباب کے طریقہ پر ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر قوت کے اعتبار سے ہے جہاں تک اس کے لزوم کا تعلق ہے تو ایسا نہیں (2)۔ یہ بحث سورۂ آل عمران اور سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں آپ کو دنیا کے مصائب پر صبر کا حکم دیا گیا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 337   2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 351

ہے جس طرح امراض وغیرہ ہوتی ہیں اور یہ حکم دیا گیا کہ گھبراہٹ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معصیت کی طرف نہ نکلیں۔ یہ اچھا قول ہے کیونکہ یہ عام ہے۔

مسئلہ نمبر3۔ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ مشکلات پر صبر کیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نماز قائم کرنا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے، یعنی یہ ان امور میں سے ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ مراد ہو کہ یہ مکارم اخلاق اور محتاط لوگوں جو نجات کے راستے پر چلنے والے ہیں ان کے امور میں سے ہیں۔ ابن جریج کا قول زیادہ صحیح ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿18﴾

''اور (تکبر کرتے ہوئے) نہ پھیر لے اپنے رخسار کو لوگوں کی طرف سے اور نہ چلا کر زمین میں اتراتے ہوئے، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا کسی گھمنڈ کرنے والے، فخر کرنے والے کو''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر1۔ نافع، ابوعمرو، حمزہ، کسائی اور ابن محیصن نے تصاعر صاد کے بعد الف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی یہ باب تفاعل سے ہے ابن کثیر، عاصم، ابن عامر، حضرت حسن بصری اور مجاہد نے تصعر پڑھا ہے جوزی نے تصعر صاد کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی قریب قریب ہے۔ صعر کا معنی باقی ہونا ہے۔ اس معنی میں بدو کا قول ہے: قد أقام الدهر صعري، بعد أن أقمت صعره

زمانے نے میرے جھکاؤ کو سیدھا کر دیا بعد اس کے کہ میں نے اس کا جھکاؤ سیدھا کیا تھا۔ اسی معنی میں عمرو بن حنی تغلبی کا قول ہے:

وكنا إذا الجبار صَعر خدّه أقمنا له من مَيْله فَتقوَّمِ(1)

جب جبار اپنے رخسار کو پھیر لیتا ہے تو ہم اس کے میلان کو سیدھا کر دیتے ہیں تو وہ سیدھا ہو جاتا ہے۔

طبری نے اسے فتقوما پڑھا۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ شعر کا قافیہ مخفوض (مجرور) ہے۔ ایک اور شعر میں ہے: أقمنا له من خدّه المتصعر ہم اس کے مڑے ہوئے رخسار کو سیدھا کر دیتے ہیں۔

ہروی نے کہا: ولا تصاعر یعنی تکبر کرتے ہوئے ان سے اعراض نہ کیجئے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے اصاب البعیر صَعَر وَصَیَدٌ جب اونٹ کو کوئی ایسی بیماری لگے جس سے اس کی گردن مڑ جائے۔ متکبر کو کہا جاتا ہے: فیه صعرٌ و صیدٌ۔ لا تصعر کا معنی ہے اپنے رخسار کو ہمیشہ موڑے نہ رکھ۔ حدیث طیبہ میں ہے: یاتی علی الناس زمان لیس فیهم إلا أصعر او ابتر لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا جس زمانہ میں لوگوں میں متکبر اور بے نسل کے سوا کوئی نہ ہوگا۔ اصعر اسے کہتے ہیں جو تکبر کی وجہ سے منہ موڑے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 351

ہوئے ہو، مراد کمینے لوگ ہیں جن کا کوئی دین نہ ہوگا۔ حدیث طیبہ میں ہے: کل صعار ملعون ہر متکبر ملعون ہے(1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ آیت کا معنی ہے: آپ اپنے رخسار کو لوگوں پر تکبر کرتے ہوئے، فخر کرتے ہوئے اور انہیں حقیر جانتے ہوئے ایک طرف نہ کرو؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت کا قول ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جب تیرے سامنے کسی کا ذکر کیا جائے تو تو اپنی باچھ کو ایک طرف کر لے گویا تو اس کو حقیر جانتا ہو، معنی ہے تواضع کرتے ہوئے، انس ومحبت کرتے ہوئے ان کی طرف توجہ کیجئے جب ان میں سے چھوٹے سے چھوٹا بھی آپ سے بات کرے تو اس کی بات توجہ سے سنیے یہاں تک کہ وہ اپنی بات مکمل کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح عمل فرمایا کرتے تھے(3)۔

میں کہتا ہوں: اسی معنی میں وہ روایت ہے جسے امام مالک نے ابن شہاب سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں فرمایا: ''باہم بغض نہ رکھا کرو ایک دوسرے سے اعراض نہ کیا کرو، باہم حسد نہ کیا کرو اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ، کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن تک لاتعلق رہے''(4)۔ حدیث میں موجود لفظ التدابر کا معنی ہے اعراض کرنا، کلام، سلام وغیرہ ترک کرنا۔ اعراض کو تدابر کا نام دیا گیا کیونکہ جس سے تو بغض کرتا ہے تو اس سے اعراض کرتا ہے اور اپنی پشت کو اس کی طرف کر لیتا ہے، اسی طرح وہ تیرے ساتھ اسی طرح کرتا ہے۔ جس سے تو محبت کرتا ہے تو اپنا منہ اس کی طرف کر لیتا ہے اور تو اس کے بالمقابل ہوتا ہے تاکہ تو اس سے خوش ہو اور وہ تجھ سے خوش ہو۔ جو آدمی اپنا رخسار پھیر لیتا ہے اس میں تدابر کا معنی موجود ہے، مجاہد نے بھی اس کے ساتھ تفسیر بیان کی ہے۔ ابن خویز منداد نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ سے مراد ہے گویا اللہ تعالیٰ نے منع کیا کہ انسان اپنے آپ کو بغیر ضرورت کے ذلیل کرتا رہے اس کی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: لیس للانسان ان یذل نفسہ (5) انسان کے لیے مناسب نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل ورسوا کرے۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا تکبر کرتے ہوئے زمین میں چلے۔ مَرَحًا مصدر ہے حال کی جگہ واقع ہے۔ سورۃ الاسراء میں بحث گزر چکی ہے۔ اس کا معنی چستی اور خوشی سے چلنا جب کہ کوئی کام اور حاجت نہ ہو۔ اس اخلاق و کردار والے فخر کو لازم پکڑتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں۔ مرح اسے کہتے ہیں جو اپنی چال میں تکبر کرتا ہے۔ یحییٰ بن جابر کائی، ابن عائذ ازدی سے وہ غضیف بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں اور عبداللہ بن عبید بن عمیر بیت المقدس آئے۔ کہا: ہم حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کے پاس بیٹھے میں نے انہیں کہتے ہوئے سنا: قبر بندے سے کلام کرتی ہے جب اسے قبر میں رکھا جاتا ہے وہ بندے کو کہتی ہے: اے انسان! تجھے کس چیز نے میرے بارے میں دھوکے میں رکھا؟ کیا تجھے علم نہیں تھا میں تنہائی کا گھر ہوں؟ کیا تو نہیں جانتا میں تاریکی کا گھر ہوں؟ کیا تو نہیں جانتا میں حق کا گھر ہوں؟ اے انسان

1۔ النہایۃ فی غریب الحدیث، جلد 3، صفحہ 31
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 351
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1497
4۔ موطا امام مالک، حسن الخلق، ماجاء فی الھجرۃ، صفحہ 706
5۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، الامر بالمعروف و النھی عن المنکر، صفحہ 298

تجھے کس چیز نے میرے بارے میں دھوکہ میں مبتلا کیا؟ تو میرے اردگرد متکبر بنتے ہوئے چلا کرتا تھا۔

ابن عائذ نے کہا: میں نے غضیف سے کہا: اے ابا اسماء فداد سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اے بھتیجے! بعض اوقات جو تیری چال ہوتی ہے۔ ابوعبید نے کہا: معنی ہے زیادہ مال والا اور تکبر والا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے کپڑے کو گھسیٹا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا'' (1)۔ فَخُوۡرٍ اسے کہتے ہیں جو اسے عطا کیا گیا ہے اس کو شمار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا نہیں لاتا؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ اس سے مراد نسب پر اور دوسرے امور میں فخر کرنا۔

وَ اقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ وَ اغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِکَ ؕ اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ﴿۱۹﴾

''اور میانہ روی اختیار کر اپنی رفتار اور دھیمی کر اپنی آواز بے شک سب سے وحشت انگیز آواز گدھے کی آواز ہے''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ اقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ جب مذموم اخلاق سے منع کیا تو اخلاق کریمہ کو آپ کے لیے بیان کیا جن اخلاق کریمہ کو اپنانا چاہیے۔ فرمایا: وَ اقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ اس میں میانہ روی اپناؤ۔ قصد سے مراد تیزی اور سستی کی درمیانی حالت ہے بعض مرنے کا بہانہ کرنے والوں کے چلنے کی طرح رینگ رینگ کر نہ چلو اور چالاکوں کی طرح اچھل اچھل کر نہ چلو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تیز رفتاری مومن کے رعب کو ختم کر دیتی ہے'' (2)۔ جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے کہ حضور ﷺ جب چلا کرتے تو تیز چلا کرتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں قول: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ چلتے تو تیز چلتے تو اس سے مراد وہ تیزی تھی جو بناوٹی مرنے والے کی چال سے بڑھ کر ہوتی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ جس کی یہ صفت ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت بیان کی ہے جس کی وضاحت سورۂ فرقان میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ اغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِکَ اپنی آواز کو پست رکھو یعنی آواز بلند کرنے میں تکلف سے کام نہ لو اور اتنی آواز بلند کرو جتنی ضرورت ہو، کیونکہ ضرورت سے زائد آواز کو بلند کرنا یہ تکلف ہے جو اذیت دیتا ہے۔ سب سے مراد تواضع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موذن سے فرمایا جس نے اپنی طاقت سے بڑھ کر آواز کو بلند کرنے کا تکلف کیا: مجھے خوف ہوا کہ تیرا مریطاء پھٹ جائے گا موذن حضرت ابومحذورہ سمرہ بن معیر تھے مریطاء سے مراد ناف سے لے کر شرمگاہ تک کا حصہ ہے (3)۔

مسئلہ نمبر 3۔ اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ان میں سے قبیح ترین اور وحشت ناک ہے۔ اس معنی میں یہ جملہ ہے: اتانا بوجه منکر وہ ہمارے پاس ناپسندیدہ چہرے کے ساتھ آیا۔ گدھا بلیغ مذمت اور گالی میں ضرب الشال کے طور پر استعمال ہوتا ہے اسی طرح اس کا ہینگنا۔ وہ ان کے الگ ذکر کو برائی خیال کرتے ہیں وہ اس کا ذکر کنایہ کے انداز میں

1۔ صحیح بخاری، فضائل الصحبہ، قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلاً، جلد 1، صفحہ 517

2۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 412، حدیث نمبر 41620 3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1498

کرتے ہیں اور صراحت کے ساتھ ذکر کرنے سے اعراض برتتے ہیں، وہ کہتے ہیں: الطویل الاذنین گدھا۔ جس طرح وہ گندی چیزوں کا ذکر صراحت سے نہیں کرتے۔ اس امر کو خلاف ادب سمجھا گیا ہے کہ صاحب مروت لوگوں کی مجلس میں گدھے کا ذکر کیا جائے۔ عرب ننگ و عار کی وجہ سے گدھے پر سواری نہیں کرتے تھے اگرچہ انہیں پیدل بھی چلنا پڑتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور تواضع کی خاطر اس پر سوار ہو جاتے۔

مسئلہ نمبر 4۔ آیت میں اس امر پر دلیل ہے کہ گفتگو میں اور ناراضگی کے وقت آواز کو بلند کرنا قبیح ہے کیونکہ گدھوں کی آواز قبیح ہے کیونکہ ان کی آواز بلند ہوتی ہے۔ صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''جب تم گدھے کے ہینگنے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو کیونکہ انہوں نے شیطان کو دیکھا ہے'' (1)۔ یہ بھی مروی ہے: گدھا نہیں ہینگتا اور کتا نہیں بھونکتا مگر وہ شیطان کو دیکھتا ہے''۔ سفیان ثوری نے کہا: ہر شی کی آواز تسبیح ہے مگر گدھوں کی آواز (2)۔ عطا نے کہا: گدھوں کا ہینگنا ظالموں کے خلاف بددعا ہے (3)۔

مسئلہ نمبر 5۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ادب ہے کہ لوگوں کے سامنے ان کو ذلیل سمجھتے ہوئے چیخنے کو ترک کیا جائے یا مطلق چیخنے کو ترک کیا جائے۔ عرب بلند آواز پر فخر کیا کرتے تھے ان میں سے جس کی آواز شدید ہوتی تو وہ زیادہ معزز ہوتا۔ اور ان میں سے جس کی آواز پست ہوتی تو وہ ذلیل ہوتا۔ ان کے شاعر نے کہا:

جهير الكلام جهير العُطاس جهير الرّواء جهير النّعَم

میرا ممدوح اونچی گفتگو کرنے والا، زوردار چھینک مارنے والا، خوبصورت چہرے والا اور بہت زیادہ اونٹوں والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس جاہلیت کے خلق سے اس ارشاد کے ساتھ منع کیا (4): اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ یعنی اگر آواز کی وجہ سے کسی سے ڈرا جاتا تو گدھے سے ڈرا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو مثال میں برابر کر دیا (5)۔

مسئلہ نمبر 6۔ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ لام تاکید کے لیے ہے۔ صوت کے لفظ کو واحد ذکر کیا اگرچہ یہ جماعت کی طرف مضاف ہے کیونکہ یہ مصدر ہے مصدر کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ صات یَصُوت صَوْتا و ھو صائت کا مصدر ہے یوں بھی کہا جاتا ہے: صوّت یصوت فھو مصوّت رجل صاتٌ ایسا آدمی جس کی آواز شدید ہو، جس طرح ان کا قول ہے: رجل مالٌ و نالٌ ایسا آدمی جس کا مال و منال زیادہ ہو۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًی وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ۝ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، خیر المال غنم، جلد 1، صفحہ 466
2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 412
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 341
4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 352
5۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 279

اَوَ لَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمانبردار بنا دیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور تمام کر دی ہیں اس نے تم پر ہر قسم کی نعمتیں ظاہری بھی اور باطنی بھی اور بعض ایسے نادان لوگ بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں (رسول کریم سے) اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہ ان کے پاس علم ہے نہ ہدایت اور نہ کوئی روشن کتاب۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو پیروی کریں گے اس کی جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو کیا وہ (انہیں کی اتباع کریں گے) خواہ شیطان انہیں (اسی طرح) دعوت دے رہا ہو بھڑکتے ہوئے عذاب کی''۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر کیا جو اس نے انسانوں پر کی ہیں اور یہ کہ اس ذات پاک نے انسانوں کے لیے ان تمام چیزوں کو مسخر کر دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں جیسے سورج، چاند، ستارے اور فرشتے جو ان کی نگہداشت کرتے ہیں اور ان کے منافع ان کی طرف کھینچ کر لا رہے ہیں۔

وَ مَا فِي الْاَرْضِ یہ پہاڑوں، درختوں، پھلوں اور جن چیزوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا ان سب کو شامل ہے۔ وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ اس نے تم پر اپنی نعمتوں کو مکمل کیا۔ حضرت ابن عباس اور یحییٰ بن عمارہ نے سین کی بجائے صاد سے پڑھا ہے، کیونکہ حروف مستعلیہ سین کو اس کی پستی سے اس کی بلندی کی طرف کھینچتے ہیں اور اسے صاد کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔

النعم یہ نعمت کی جامع ہے جس طرح سورۃ کی جمع سور آتی ہے سدرہ اور سدر دال کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ نافع، ابوعمر اور حفص کی قراءت ہے۔ باقی قراء نے نعمۃ مفرد کا صیغہ پڑھا ہے۔ اور مفرد کا صیغہ بھی کثرت پر دلالت کرتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم: 34) صحیح سندوں سے یہی ثابت ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی اسلام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا جب کہ انہوں نے اس آیت کے بارے میں پوچھا تھا: ''الظاھرۃ سے مراد اسلام اور تیری شکل و صورت میں سے جو حسن ہے وہ مراد ہے اور الباطنہ سے مراد جو تیرے برے اعمال میں سے تجھ پر پوشیدہ ہیں'' (1)۔

نحاس نے کہا: اس کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بارے میں کہا: وَ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (المائدہ: 6) فرمایا: تمہیں جنت میں داخل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی بندے پر کامل نعمت یہ ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے جب اسلام کے معاملہ کا انجام جنت ہے تو اسے نعمت کا نام دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظاھرۃ سے مراد صحت اور کمال خلق ہے اور باطنہ سے مراد معرفت اور عقل ہے۔ محاسبی نے کہا: ظاھرۃ سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں اور باطنۃ سے مراد اخروی نعمتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظاھرۃ سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آنکھوں سے دیکھی جائیں جیسے مال، جاہ و حشمت، لوگوں میں جمال، طاعت کی توفیق اور باطنہ سے مراد وہ ہیں جسے انسان اپنے نفس میں پاتا ہے۔ اللہ

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 279

تعالیٰ کی معرفت، حسن یقین اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے جو آفات دور کرتا ہے۔ ماوردی نے اس بارے میں تیرہ اقوال ذکر کیے ہیں سب اس طرف لوٹتے ہیں۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ اس کا معنی سورۃ الحج وغیرہ میں داخل ہے۔ یہ ایک یہودی کے حق میں آیت نازل ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا عرض کی: یا محمد! مجھے اپنے رب کے بارے میں بتائیے؟ وہ کس چیز کا ہے؟ ایک بجلی آئی جس نے اسے مار ڈالا، یہ مجاہد کا قول ہے۔ سورۃ الرعد میں بھی یہ بحث گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ کہا کرتا تھا: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وہ کسی دلیل کے بغیر خصومت کرتا ہے۔ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ واضح کتاب۔ شیطان اس کی طرف جو القا کرتا ہے اس کے ساتھ وہ خصومت کرتا ہے۔ وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ (الانعام: 121) شیطان انہیں یہی القا کرتا ہے کہ وہ اپنے آباء کی پیروی کریں، جس طرح مابعد آیت میں ہے۔ اَوَ لَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ یعنی شیطان انہیں عذاب سعیر کی طرف دعوت دے تب بھی وہ اس کی پیروی کریں گے۔

وَ مَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾

"اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے درآنحالیکہ وہ محسن ہو تو بے شک اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا مضبوط حلقہ کو اور اللہ کی طرف ہی ہے تمام کاموں کا انجام"۔

وَ مَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ جو اپنی عبادت اور ارادہ کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرتا ہے۔

وَ هُوَ مُحْسِنٌ کیونکہ عبادت احسان اور دل کی معرفت کے بغیر کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ (طٰہٰ: 112) حضرت جبریل امین کی حدیث میں ہے عرض کی: مجھے احسان کے بارے میں بتائیے؟ فرمایا: "تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اگر ایسا نہ ہو سکے تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے" (2)۔

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عروہ وثقی سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے (3)۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ حضرت علی شیر خدا، سلمی اور عبد اللہ بن مسلم بن یسار نے اسے ومن یسلِّم پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: يُسْلِمْ اس میں زیادہ معروف ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ (آل عمران: 20) اس کا معنی ہے: میں نے اپنی عبادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قصد کیا۔ یسلّم کثرت کی بناء پر ہے، مگر سلمت، دفعت کے معنی میں مستعمل ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: سلمت فی الحنطة بعض اوقات یہ جملہ بولا جاتا ہے: اسلمت۔ زمخشری نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 343	2۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 12

3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 343

حضرت علی شیر خدا نے اسے وَمَنْ يُسَلِّمْ شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أسلِم أمرك، سلِّم أمرك إلى الله معاملہ اللہ کے سپرد کر دو۔

اگر تو کہے: کیا وجہ ہے اسے الی کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے جب کہ اسے اس ارشاد میں لام کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے۔ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (البقرہ: 112) میں جواب دوں گا جب اسے لام کے ساتھ متعدی کیا جائے اس نے پوری ذات اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر دی۔ اور جب الی کے ساتھ متعدی ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے کہ اس نے اپنا آپ اس کے سپرد کر دیا ہے، جس طرح کوئی سامان کسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں مراد اس پر بھروسہ کرنا اور ایک چیز اس کے سپرد کرنا ہے (1)۔ وَ اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ اس کا انجام اللہ کے سپرد ہے۔

وَ مَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝

''اور جس نے کفر کیا تو نہ غمزدہ کرے آپ کو اس کا کفر، ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پس ہم آگاہ کریں گے انہیں جو انہوں نے کیا تھا، بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں (چھپا) ہے۔ ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر، پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف''۔

فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا کا مطلب ہے کہ ہم انہیں بدلہ دیں گے۔ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ہم دنیا میں انہیں تھوڑے عرصہ کے لیے باقی رکھیں گے جس سے وہ لطف اندوز ہوں گے۔ ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ پھر ہم انہیں پناہ دیں گے اور ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے۔ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ اس سے مراد عذاب جہنم ہے۔ من کا لفظ واحد اور جمع سب کے لیے موزوں ہے اسی وجہ سے فرمایا: کُفْرُہ پھر فرمایا مرجعهم اور مابعد معنی کے اعتبار سے ہے۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

''اور اگر دریافت کریں ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے، فرمائیے: الحمدللہ (حق واضح ہو گیا) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے یقیناً اللہ ہی بے نیاز ہے (اور) ہر تعریف کے لائق''۔

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ وہ اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے تو وہ اس کے علاوہ کسی اور کی کیوں عبادت کرتے ہیں؟ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اس نے ہماری جو اپنے دین کی طرف راہنمائی کی اس پر الحمدللہ اس ذات کے علاوہ کسی اور کے لیے حمد نہیں۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ وہ نظر و فکر نہیں کرتے اور تدبر نہیں کرتے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب ملکیت اور خلق

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 499

کے اعتبار سے اسی کا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی مخلوق سے اور ان کی عبادت سے غنی اور بے نیاز ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تا کہ بندوں کو نفع پہنچائے۔ وہ اپنی صفت پر حمد کے لائق ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

''اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر اسے (مزید) سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی ختم نہیں ہوں گے اللہ کی باتیں، بے شک اللہ سب پر غالب، بڑا دانا ہے''۔

جب مشرکین کے خلاف استدلال کیا ہے جس کے ساتھ استدلال کیا ہے تو اس امر کو واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کے کلام کے معانی ختم نہیں ہوں گے ان کی کوئی انتہا نہیں۔ قفال نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے اس امر کو ذکر کیا کہ اس ذات پاک نے ان کے لیے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کو ان کے لیے مسخر کر دیا ہے اور ان پر اپنی نعمتیں بہائی ہیں تو اس امر پر بھی آگاہ کیا کہ اگر درخت قلمیں ہوتے اور سمندر روشنائی ہوتی اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت کے عجائبات کو لکھا جاتا جو عجائبات اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے تو وہ عجائبات ختم نہ ہوتے۔

قشیری نے کہا: ان کلمات کے معنی کو مقدورات کی طرف پھیرنا اور آیت کو کلام قدیم پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔ مخلوق کی تو کوئی نہ کوئی انتہا ہوگی، جب اس کی مقدورات کی انتہا سے نفی کر دی گئی تو یہ اس انتہا کی بھی نفی ہوگی جو مستقبل میں اس کی ایجاد کی تقدیر سے متعلق ہو۔ یہی وہ چیز ہے جسے موجود محصور کر دے اور اس کا شمار کر دے تو اس کے لیے انتہا ہونا ضروری ہے۔ تحقیق یہی ہے کہ قدیم کی کوئی انتہا نہیں۔ سورۂ کہف کے آخر میں كَلِمٰتُ اللّٰهِ کے معنی کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

ابوعلی نے کہا: کلمات سے مراد (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) وہ چیز ہوگی جو تحت القدرت ہو نہ کہ اس سے مراد وہ چیز ہوگی جو وجود کی طرف نکل چکی ہے یعنی موجود ہو چکی ہو(1)۔ یہ اس کی مثل ہے جو قفال نے کہا: غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات کے معانی کی کثرت کو بیان کرنا ہے۔ یہ فی نفسها غیر متناہی ہیں۔ متناہی چیز کے ساتھ امر کو انسان کے ذہن کے قریب کیا ہے کیونکہ یہ وہی غایت ہے انسان کثرت میں سے جس سے آگاہ ہے اس سے مراد یہ نہیں کہ اگر اس سے زیادہ کلام اور سمندر ہوں تو وہ ختم ہو جائیں گے۔ آیت کے نزول کا معنی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کلمات سے مراد قدیم کلام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت کا سبب یہ ہے کہ یہودیوں نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اس آیت کا مصداق کیسے ہو سکتے ہیں وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (الاسراء) جب کہ ہم کو تورات عطا کی گئی جس میں اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کے احکام ہیں اور آپ کے ہاں یہ بھی ہے کہ یہ ہر چیز کا بیان ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تورات کثیر میں سے قلیل ہے(2)'' اور یہ آیت نازل ہوئی، آیت مدنی ہے۔ ابوجعفر نحاس نے کہا: یہ بات واضح ہے کہ یہاں کلمات سے مراد علم اور حقائق الاشیاء ہیں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 354　2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 353

کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوقات جو آسمانوں اور زمین میں ہیں ان کو پیدا کرنے سے پہلے بھی علم رکھتا تھا وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو ذرہ کا وزن رکھتی ہیں، تمام اجناس کا علم رکھتا ہے، ان میں جو مال اور اعضاء ہیں ان کو بھی جانتا ہے، درخت میں جو پتے ہیں انہیں بھی جانتا ہے اس میں شکل وصورت کی جو اقسام بنتی ہیں انہیں جانتا ہے اس میں جو تصرف کیا جاتا ہے جیسے ذائقہ اور رنگ ان کو جانتا ہے۔ اگر وہ ہر جانور کا رنگ نام رکھ دے، قلیل وکثیر میں سے جو جانتا ہے ان کے نام رکھ لے، اس پر جو احوال متغیر ہوں گے، ہر زمانہ میں ان میں جو اضافہ ہوگا ان سب کے نام رکھ دے ہر درخت کو الگ واضح کر دے، اس سے جو شاخیں پھوٹتی ہیں اس کو واضح کر دے اور ہر زمانہ میں اس سے جو خشک ہوتا ہے اس کو مقدر کر دے پھر ان میں سے ہر ایک پر بیان اس چیز کو لکھے اللہ تعالیٰ ان میں سے جس کا احاطہ کیے ہوئے ہے پھر سمندر اس بیان کی سیاہی بن جائے جسے اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کے بارے میں بیان کیا ہے بعد میں سات اور سمندروں سے اس کی مدد کی جائے تو وہ بیان ان اشیاء سے زیادہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: یہ قفال کے قول کا معنی ہے ان شاء اللہ۔ یہ اچھا قول ہے۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے قریش نے کہا: یہ کلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے عنقریب مکمل ہو جائے گی، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ سدی نے کہا: قریش نے کہا: محمد کا کلام کتنا ہی زیادہ ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ جمہور کی قراءت رفع کے ساتھ ہے یہ مبتدا ہے اس کی خبر جملہ میں اس کے بعد ہے اور جملہ حال کے محل میں ہے۔ گویا فرمایا: والبحر هذه حاله سیبویہ نے بھی کلام اسی طرح مقدر کی ہے۔ ایک نحوی نے کہا: اس کا عطف ان پر ہے کیونکہ وہ مبتدا ہونے کی حیثیت میں محل رفع میں ہے۔ ابو عمرو اور ابن ابی اسحاق نے اسے والبحر منصوب پڑھا ہے اس کا عطف ما پر ہے جو ان کا اسم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اگر سمندر اس میں اضافہ کرتا۔ ابن ہرمز اور حضرت حسن بصری نے یمدہ پڑھا ہے جو امدۃ سے مشتق ہے۔ ایک فرقہ کا کہنا ہے: دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے: مجرد کا لفظ اس وقت بولتے ہیں جب ایک چیز کا بعض بعض میں اضافہ کرے جس طرح تو کہتا ہے: مد النیل الخلیج یعنی نیل نے اس میں اضافہ کر دیا۔ أمد الشیٔ جب ایک چیز دوسری چیز کا جز نہ ہو۔ یہ بحث سورۂ بقرہ اور آل عمران میں گزر چکی ہے۔ جعفر بن محمد نے پڑھا: والبحر مداده، ما نفدت کلمات اللہ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ یہ بھی بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہاں بحر سے مراد میٹھا پانی ہے جو قلموں کو اگاتا ہے جہاں تک نمکین پانی کا تعلق ہے تو وہ قلموں کو نہیں اگاتا۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۸

”نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے“۔

ضحاک نے کہا: تم سب کی تحقیق ایک نفس کی تخلیق کی طرح ہی ہے اور قیامت کے روز تمہارا اٹھانا ایک نفس کے اٹھانے کی طرح ہوگا۔ نحاس نے کہا: نحویوں نے یہی مقدر کیا ہے کہ تم سب کو پیدا کرنا ایک نفس کے پیدا کرنے کی طرح ہوگا، یعنی لفظ خلق

مقدر ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے: وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) مجاہد نے کہا: کیونکہ وہ قلیل اور کثیر کے لیے فرماتا ہے كُنْ فَيَكُوْنُ (الانعام: 73) ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے (1)۔ یہ آیت ابی بن خلف، ابی الاسدین، منبہ اور نبیہ جو حجاج بن سباق کے بیٹے تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں مختلف مراحل سے گزار کر پیدا کیا پہلے نطفہ، پھر جما ہوا خون، پھر گوشت کا لوتھڑا پھر ہڈیاں۔ پھر آپ کہتے ہیں: ہمیں ایک لحہ میں کامل صورت میں پیدا کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کیونکہ بندوں پر جو چیز مشکل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ پر کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ اس کا پوری کائنات کو پیدا کرنا ایک نفس کے پیدا کرنے کی طرح ہے (2)۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ یعنی جو وہ کہتے ہیں بَصِیْرٌ اور دیکھنے والا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝

"کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اس نے کام میں لگا دیا ہے سورج اور چاند کو ہر ایک چل رہا ہے (اپنے مدار میں) وقت مقرر تک اور یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے۔ یہ ہیں اس کی قدرت کے کرشمے تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ ہی حق ہے اور بلاشبہ جنہیں وہ پکارتے ہیں اس کے سوا وہ سب باطل ہیں اور بلاشبہ اللہ ہی بڑی شان والا بزرگ ہے"۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ اس کے بارے میں گفتگو سورۃ الحج اور سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ اوقات کا اندازہ لگانے اور منافع کی تکمیل کے لیے طلوع وغروب کے ساتھ انہیں مسخر کرایا (2)۔ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى حضرت حسن بصری نے کہا: مراد یوم قیامت ہے (3)۔ قتادہ نے کہا: اجل مسمی سے مراد اس کے طلوع وغروب کا وقت ہے نہ اس سے تجاوز کرتا ہے اور نہ اس سے پہلے طلوع وغروب کرتا ہے (4)۔ وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ یعنی جو ان چیزوں پر قادر ہے تو ضروری ہے کہ وہ ان چیزوں کو جاننے والا ہو اور ان اشیاء کو جاننے والا تمہارے اعمال کا جاننے والا ہو۔ عام قراءت تعملون تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ ہے۔ سلمی، نصر بن عاصم اور دوری نے ابو عمرو سے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے یہ خطاب نہیں خبر ہے۔ ذلك اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے کیا تاکہ تم جان لو اور اقرار کرو ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ باطل ہے۔ باطل سے مراد شیطان ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: باطل سے مراد ہے بتوں میں سے جن کو بھی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ وہ مقام و مرتبہ میں بلند اور بادشاہت میں بڑا ہے (5)۔

1۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 210
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 345
3۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 280
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 346
5۔ ایضاً

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾

''کیا تم ملاحظہ نہیں کرتے کہ کشتی چلتی ہے سمندر میں محض اس کی مہربانی سے تاکہ وہ دکھائے تمہیں اپنی (قدرت) کی نشانیاں بے شک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے''۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ، فلک سے مراد کشتیاں ہیں۔ تَجْرِيْ یہ جملہ خبر بن رہا ہے۔ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ تم پر جو وہ مہربانی فرماتا ہے اور تم پر جو رحمت فرماتا ہے کہ تمہیں اس سے خلاصی عطا فرماتا ہے۔ ابن ہرمز نے بنعمات اللہ قراءت کی۔ یہ نعمة کی جمع ہے اس کا معنی سلامتی ہے؛ اصل یہ تھا کہ عین کو حرکت دی جاتی پھر اسے ساکن کر دیا گیا۔ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ، من بعضیہ ہے یعنی تاکہ تمہیں کشتیوں کو چلتے ہوئے دکھائے؛ یہ یحییٰ بن سلام نے کہا۔ ابن شجرہ نے کہا: مِّنْ اٰيٰتِهٖ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جو نشانیاں تم دیکھتے ہو۔ نقاش نے کہا: اللہ تعالیٰ انہیں جو رزق عطا فرماتا ہے(1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سمندر کی چابی کشتیاں ہیں اور زمین کی چابی راستے ہیں اور آسمان کی چابی دعا ہے(2)۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ جو آدمی اس کی قضا پر صبر کرتا ہے اور اس کی نعمتوں پر شکر بجا لاتا ہے۔ اہل معانی نے کہا: مومنوں میں سے جو بھی اس صفت کے حامل ہیں اس کا ارادہ کیا، کیونکہ صبر اور شکر ایمان کی خصلتوں میں سے سب سے فضیلت والی خصلتیں ہیں۔ آیت کا معنی علامت ہے اور علامت یہ مومن کے سینے میں ظاہر نہیں ہوتی یہ ظاہر ہوتی ہے جو بلا پر صبر کرے اور خوشحالی پر شکر کرے۔ شعبی نے کہا: صبر نصف ایمان ہے شکر نصف ایمان ہے، یقین کامل ایمان ہے کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں دیکھا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ (الذریات)(3) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''ایمان کے دو حصے ہیں نصف صبر ہے اور نصف شکر ہے''(4)۔

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

''اور جب ڈھانپ لیتی ہیں انہیں پہاڑوں جیسی موجیں اس وقت پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خاص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے عقیدہ کو پھر جب بچا لاتا ہے انہیں ساحل تک تو ان میں سے (چند ہی) حق پر رہتے ہیں اور نہیں انکار کرتا ہماری آیتوں کا مگر ہر وہ شخص جو غدار (اور) ناشکرا ہے''۔

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ مقاتل نے کہا: پہاڑوں کی مانند۔ کلبی نے کہا: بادلوں کی مانند(5)؛ یہ قتادہ کا قول ہے یہ ظلة کی جمع ہے موج کو اس کے ساتھ تشبیہ اس کے بڑے اور بلند ہونے کی وجہ سے دی۔ نابغہ نے سمندر کی تعریف میں کہا:

یماشیهن أخضر ذو ظلال علی حافاته فلق الدنان(6)

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 348 2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 280 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 347
4۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 36، حدیث نمبر 61 5۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 416 6۔ المحرر الوجیز، جلد 7، صفحہ 355

موج کو ظلل کے ساتھ تشبیہ دی موج واحد ہے اور ظلل جمع ہے کیونکہ موج آہستہ آہستہ آتی ہے اور اس کا بعض بعض پر سوار ہو جاتا ہے جس طرح پہاڑ ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جمع کے معنی میں ہے اس کو جمع کا صیغہ نہیں بنایا گیا کیونکہ یہ مصدر ہے اس کا اصل معنی حرکت اور ازدحام ہے اسی سے ماج البحر اور الناس یموجون ہے۔ کعب نے کہا:

فجئنا إلى موج من البحر وسطه　　أحابيش منهم حاسد و مقنع

ہم سمندر کی موج کی طرف آئے جس کے وسط میں حبشی تھے۔ ان میں سے کچھ حاسد اور کچھ سر جھکائے ہوئے تھے۔

محمد بن حنفیہ نے اسے پڑھا موج کالظلال یہ ظل کی جمع ہے: دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اس کی وحدانیت کا اعلان کرتے ہوئے وہ اپنے بچاؤ کے لیے الله تعالیٰ کے سوا کسی سے دعا نہیں کرتے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ یعنی جب سمندر سے نجات عطا کی (1)۔ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سمندر میں الله تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کرنے والے ہیں۔ نقاش نے کہا: وعدہ میں عدل کرنے والے ہیں۔ سمندر میں الله تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا خشکی میں اس کو پورا کرنے والے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مُقْتَصِدٌ کا معنی ہے مومن ہیں اور توحید و طاعت کو اپنانے والے ہیں (2)۔ مجاہد نے کہا: قول میں درست ہیں اور کفر کو چھپانے والے ہیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں حذف ہے، معنی اس طرح ہے ان میں سے کچھ حق پرست ہیں اور کچھ کافر ہیں محذوف پر الله تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے:

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ختار کا معنی دھوکہ ہے۔

ختر کا معنی بہت ہی برا دھوکہ ہے، عمرو بن معدیکرب نے کہا:

فإنك لو رأيت أبا عمير　　ملأت يديك من غدر وختر(4)

اگر تو ابو عمیر کو دیکھے گا تو تو اپنے ہاتھوں کو دھوکہ سے بھر لے گا۔

اعشیٰ نے کہا:

بالأبلق الفَرْدِ من تَيماء منزلُهُ　　حِصنٌ حَصين و جارٌ غيرُ ختار

جوہری نے کہا: ختر کا معنی دھوکہ ہے۔ یوں جملہ بولا جاتا ہے: ختره فهو ختار۔ ماوردی نے کہا: یہ جمہور کا قول ہے: عطیہ نے کہا: اس سے مراد انکار کرنے والا ہے یوں جملہ بولا جاتا ہے: خَتَرَ يَخْتُرُ و يَخْتِرُ خَتْرًا۔ قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے، جحد الآیات سے مراد آیات کے ایمان کا انکار کرنا اور الجحد بالآیات سے مراد ان کے دلائل کا انکار کرنا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٙ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۳۳

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 348　　2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 281
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 348　　4۔ ایضاً

''اے لوگو! ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ نہ بدلہ دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ ہی بیٹا بدلہ دے گا اپنے باپ کی جانب سے کچھ بھی، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور نہ دھوکہ دے تمہیں دنیوی زندگی اور نہ فریب میں مبتلا کرے تمہیں اللہ سے وہ بڑا مکار دھوکہ باز''۔

یَاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ، النَّاسُ سے مراد مومن اور کافر ہے، یعنی اس سے ڈرو اور اس کی وحدانیت کا انکار نہ کرو۔ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ٘ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْــًٔا سورۂ بقرہ وغیرہ میں یجزی کا معنی گزر چکا ہے اگر یہ کہا جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس کے ایسے تین بیٹے فوت ہو جائیں جو بلوغت کی عمر کو نہ پہنچے ہوں انہیں جہنم کا عذاب نہیں پہنچے گا مگر قسم پوری کرنے کے لیے'' (1)۔ فرمایا: ''جس آدمی کو ان بیٹیوں کے ساتھ آزمایا گیا اس نے ان پر احسان کیا تو وہ بچیاں اس کے لیے جہنم سے پردہ ہوں گی'' (2)۔ اسے جواب دیا جائے گا: اس آیت سے مراد ہے کوئی والد اپنے بچے کا گناہ نہیں اٹھائے گا، کوئی بچہ اپنے والد کا گناہ نہیں اٹھائے گا اور کسی کا دوسرے کی وجہ سے مواخذہ نہیں ہوگا اور احادیث سے مراد ہے موت پر صبر اور بچیوں کے ساتھ احسان کا ثواب بندے کو آگ سے محجوب کر دے گا اور بچہ جنت کی طرف اسے لے جانے والا ہوگا۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وعدہ سے مراد بعث ہے۔ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا دنیاوی زندگی اپنی زینت اور جس کی طرف یہ دعوت دیتی ہے وہ چیزیں تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالیں کہ تم اسی پر بھروسہ کرنے لگو، اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور آخرت کے لیے عمل کو چھوڑ دو۔

وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ یہاں عام قراءت سورۂ ملائکہ میں اور سورۃ الحدید میں غین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ مجاہد وغیرہ کے قول کے مطابق اس سے مراد شیطان ہے یہی مخلوق کو دھوکہ دیتا ہے، دنیا کی آرزو دلاتا ہے اور آخرت سے غافل کرتا ہے (3)۔ سورۃ النساء میں ہے یَعِدُهُمْ وَیُمَنِّیْهِمْ (120) سماک بن حرب، ابوحیوہ اور ابن سمیقع نے غین کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی تم دھوکہ نہ کھاؤ۔ گویا یہ غرّ یغر غرور کا مصدر ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد ہے وہ معصیت کا فعل کرے اور مغفرت کی تمنا کرے (4)۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝

''بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم اور وہی اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ (ماؤں کے) رحموں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، فصل من مات له ولد، جلد 1، صفحہ 167

2۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، اتقوا النار ولو بشق التمر، جلد 1، صفحہ 190

3۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 210 4۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 417

میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں مرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے''۔

فراء نے گمان کیا ہے کہ اس میں نفی کا معنی موجود ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: اس میں نفی اور ایجاب دونوں کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر آگاہ کیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (انعام: 53) فرمایا: ''اس سے مراد یہی چیزیں ہیں''۔

میں کہتا ہوں: ہم نے سورۃ الانعام میں اس بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا ذکر کیا، حضرت جبریل امین کی حدیث میں ہے عرض کی: مجھے قیامت کے بارے میں بتایئے؟(1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس سے اس کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے سائل سے زیادہ نہیں جانتا، یہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل فرماتا ہے، وہ جانتا ہے کہ رحم میں کیا ہے اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا'' حضرت جبریل امین نے فرمایا: آپ نے سچ فرمایا''۔ الفاظ ابو داؤد اور طیالسی کے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: پانچ چیزوں کے علاوہ ہر چیز تمہارے نبی کو دے دی گئی۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ ہی جانتا ہے اسے کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل نہیں جانتا جس نے کہا: وہ ان میں سے کسی کو جانتا ہے اس نے قرآن کا انکار کیا کیونکہ اس نے قرآن کی مخالفت کی۔ پھر انبیاء اللہ تعالیٰ کی پہچان کرانے سے بہت سے اور غیب جانتے ہیں مراد کاہنوں، نجومیوں اور جو ستاروں کی مدد سے بارش کے ہونے کی باتیں کرتا ہے ان کا ابطال کرنا ہے۔ بعض اوقات طویل تجربہ سے کچھ اشیاء کی پہچان ہو سکتی ہے جس طرح حمل کا مذکر و مونث ہونا وغیرہ۔ جس طرح سورۃ الانعام میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ بعض اوقات تجربات مختلف ہو جاتے ہیں عادت کے برعکس معاملہ ہو جاتا ہے اور علم قطعی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے باقی رہتا ہے۔

ایک روایت کی جاتی ہے: ایک یہودی علم نجوم سے حساب لگاتا۔ اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: اگر تو چاہے تو میں تجھے تیرے بیٹے کے نجم سے آگاہ کروں وہ دس دن کے بعد فوت ہو جائے گا اور آپ فوت نہیں ہوں گے مگر آپ نابینا ہو جائیں گے اور مجھ پر ایک سال نہیں گزرے گا کہ میں مر جاؤں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا: اے یہودی! تیری موت کہاں ہوگی؟ اس نے عرض کی: میں یہ تو نہیں جانتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما واپس آئے اور اپنے بیٹے کو بخار میں مبتلا پایا۔ وہ بچہ دس دنوں کے بعد فوت ہو گیا۔ یہودی ایک سال سے قبل فوت ہو گیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نابینا حالت میں فوت ہوئے۔ علی بن حسین جو اس حدیث کے راوی ہیں انہوں نے کہا: یہ حدیثوں میں سے سب سے عجیب حدیث ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت ایک بدو کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کا نام وارث بن عمرو بن حارثہ تھا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 12

نے عرض کی: میری بیوی حاملہ ہے مجھے بتائیے کہ وہ کیا جنے گی؟ ہمارے علاقہ قحط زدہ ہیں بتائیے کب بارش نازل ہوگی؟ مجھے علم ہے جب میں پیدا ہوا مجھے بتائیے میں کب مروں گا؟ مجھے علم ہے میں نے آج کیا کیا ہے مجھے بتائیے میں کل کیا کروں گا؟ اور مجھے بتائیے قیامت کب برپا ہوگی؟(1) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا؛ قشیری اور ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔
ابوملیح، ابوعزہ ہذلی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی روح کسی علاقہ میں قبض کرنا چاہتا ہے تو وہاں اس کی ضرورت پیدا فرما دیتا ہے اس کی زندگی ختم نہیں ہوگی مگر وہ اس جگہ آتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی''۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا(2)۔ ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود سے اس کی ہم معنی روایت نقل کی ہے۔ ہم نے کتاب ''التذکرہ'' میں اس کو مکمل ذکر کیا ہے عام قراءت وَيُنَزِّلُ تشدید کے ساتھ ہے۔
ابن کثیر، ابوعمرو، حمزہ اور کسائی نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پڑھا ہے بایة أرض باقی قراء نے بأی أرض پڑھا۔ فراء نے کہا: ارض کی تانیث کا اکتفاء ای کی تانیث پر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ارض سے مراد مکان ہے۔ اس وجہ سے مذکر ذکر کیا۔ شاعر نے کہا:

فلا مُزْنة وَدَقَتْ ودْقَها　ولا أَرضَ أَبقَل إبقالَها

کسی بادل نے پورا پانی نہیں برسایا اور کسی قطعہ زمین سے اپنا سبزہ نہیں اگایا۔
اخفش نے کہا: یہ جائز ہے مررت بجارية أی جارية وأية جارية سیبویہ نے ای کی تانیث کو کل کی تانیث کے مشابہ قرار دیا، جس طرح ان کا قول ہے: كُلَّتُهُنَّ۔
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ یہ علیم کی نعت ہے یا خبر کے بعد خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 351　2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 350

سورۃ السجدہ

ایاتہا ۳۰ ۔ ۳۲ سورۃ السجدۃ مکیۃ ۷۵ ۔ رکوعاتہا ۳

تین آیات جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں باقی تمام سورت مکی ہے وہ یہ آیات ہیں اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا یہاں سے تین آیات مدنی ہیں؛ یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے علماء نے کہا: مگر پانچ آیات مدنی ہیں۔ وہ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ سے لے کر الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ۝ تک ہیں (1)۔ اس سورت کی تیس آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی انتیس آیات ہیں صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے روز صبح کی نماز میں سورۃ السجدہ اور هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ (دہر: 1) پڑھا کرتے تھے (2)۔ داری ابو محمد نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۂ سجدہ اور سورۂ تبارک کی تلاوت کیے بغیر نہیں سویا کرتے تھے (3)۔ دارمی نے کہا: ابو مغیرہ عبد سے وہ خالد بن معدان سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: منجیہ کو پڑھا کرو وہ سورۂ سجدہ ہے۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک آدمی اس کو پڑھا کرتا تھا وہ اس کے بغیر کوئی چیز نہیں پڑھا کرتا تھا اس کی بہت زیادہ غلطیاں تھیں اس سورت نے اس پر پر پھیلا دیے اور کہا: اے اللہ! اسے بخش دو کیونکہ وہ اکثر مجھے پڑھا کرتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی اس بارے میں شفاعت کو قبول کر لیا۔ فرمایا: "اس کی ہر خطا کے بدلہ ایک نیکی لکھ لو اور اس کا ایک ایک درجہ بلند کرتے جاؤ"۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

الٓمّٓ۝ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝

"الف، لام، میم۔ اس کتاب کا نزول اس میں ذرا شک نہیں، سب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے"۔

الٓمّٓ۝ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ، تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ کے رفع پر سب کا اجماع ہے اگر یہ مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہو تو یہ بھی جائز ہے؛ جس طرح کوفیوں نے اسے پڑھا اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۝ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ۝ (یٰسین) تنزیل مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور اس کی خبر لَا رَیْبَ فِیْهِ ہے۔ یا یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا مضمر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے ھذا تنزیل یا المتلو تنزیل یا ھذہ الحروف تنزیل۔ الم یہ حروف کے ذکر پر دال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لَا رَیْبَ فِیْهِ یہ الْكِتٰبِ سے حال ہے۔ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ خبر ہے۔ مکی نے کہا: یہ ان میں سے احسن ہے۔ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ہے یہ جادو، شعر، کہانت اور پہلے لوگوں کے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 352　　2۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، ما یقرا فی صلوٰۃ الفجر یوم الجمعۃ، جلد 1، صفحہ 122

3۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی فضل سورۃ الملک، حدیث نمبر 2817، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

قصے کہانیاں ہیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝

''کیا وہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اسے خود گھڑا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو نہیں آیا جس کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے تاکہ وہ ہدایت پائیں''۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ یہ اَمْ منقطعہ ہے بل اور ہمزہ استفہام کے ساتھ اس کی تقدیر بیان کی جاتی ہے یعنی بل أیقولون یہ اس پر دال ہے کہ ایک بات سے دوسری بات کی طرف نکلا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو ثابت کیا کہ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں، پھر اس سے اس ارشاد کی طرف کلام کو پھیرا اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ یعنی خود اسے گھڑا ہے۔

بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ افترا کے دعویٰ میں ان کو جھٹلایا۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا قتادہ نے کہا: قوم سے مراد قریش ہے (1)۔ وہ ایک امی امت تھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انہیں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ لِتُنْذِرَ یہ ماقبل سے متعلق ہے اس لیے مِنْ رَّبِّكَ پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محذوف کے متعلق ہو۔ تقدیر کلام یہ ہے أنزله لتنذر قوما تو اس صورت میں مِنْ رَّبِّكَ پر وقف کرنا جائز ہے۔ مَّاۤ اَتٰىهُمْ میں ما نافیہ ہے۔ مِّنْ نَّذِيْرٍ من زائدہ ہے اور نذیر محل رفع میں ہے۔ اس سے مراد آگاہ کرنے والا اور ڈرانے والا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قوم سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان دور فترہ ہے، یہ حضرت ابن عباس اور مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر مکمل ہو چکی تھی کہ جو رسول پہلے گزرے ان کے ساتھ انہیں خبردار کر دیا گیا اگرچہ انہوں نے رسول کو نہ دیکھا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝

''اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت (سلطانی) پر، نہیں تمہارے لیے اس کے بغیر کوئی مددگار اور نہ کوئی سفارشی، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے''۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ انہیں اپنی کمال قدرت سے آگاہ کیا تاکہ وہ قرآن کو سنیں اور اس میں غور و فکر کریں۔ خلق کا معنی عدم اور کوئی چیز نہ ہونے کے بعد نئے سرے سے بنانا اور وجود عطا کرنا ہے۔ فِيْ

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 418

سِتَّةِ اَيَّامٍ اتوار کے دن سے لے کر جمعہ کے دن تک۔

حضرت حسن بصری نے کہا: دنیا کے دنوں سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان چھ دنوں میں سے ایک دن جس میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس کی مقدار دنیا کے سالوں میں سے ہزار سال کے برابر تھا۔ ضحاک نے کہا: چھ ہزار سالوں میں، آخرت کے دنوں میں سے چھ دنوں میں۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اس کی بحث سورۃ الاعراف، بقرہ وغیرہما میں گزر چکی ہے۔ علماء کا اس بارے میں جو نقطہ نظر ہے وہ میں نے الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں ذکر کر دیا ہے۔ یہاں ثم کا لفظ ترتیب کے لیے نہیں بلکہ یہ واؤ کے معنی میں ہے۔ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ یعنی کافروں کا کوئی ایسا دوست نہیں ہوگا جو ان سے عذاب کو روک سکے اور نہ ہی ان کا کوئی سفارشی ہوگا۔ محل کے اعتبار سے رفع جائز ہے۔ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ اس کی قدرت اور اس کی مخلوقات میں غور و فکر نہیں کرتے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝

"تدبیر فرماتا ہے ہر (چھوٹے بڑے) کام کی آسمان سے زمین تک پھر رجوع کرے گا ہر کام اس کی طرف اس روز جس کی مقدار ہزار سال ہے اس اندازہ سے جس سے تم شمار کرتے ہو"۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا قضاء و قدر کو نازل کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: جبریل کے ذریعے وحی نازل کی جاتی ہے۔ عمرو بن مرہ نے عبدالرحمن بن سابط سے روایت کیا ہے: امر دنیا کی چار فرشتے تدبیر کرتے ہیں۔ حضرت میکائیل، ملک الموت اور حضرت اسرافیل صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ جہاں تک حضرت جبریل کا تعلق ہے ان کی ذمہ داری ہوائیں اور لشکر ہیں۔ جہاں تک حضرت میکائیل کا تعلق ہے وہ بارش اور پانی کے ذمہ دار ہیں۔ جہاں تک ملک الموت کا تعلق ہے ان کے ذمہ روحوں کا معاملہ ہے۔ جہاں تک حضرت اسرافیل کا تعلق ہے وہ اللہ تعالیٰ کا امر نازل کرے گا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرش تدبیر کا محل ہے جس طرح عرش کے نیچے والی جگہ تفصیل کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ (الرعد:2) آسمانوں سے نیچے والی جگہ تصرف کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا (الفرقان:50)

ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ یحییٰ بن سلام نے کہا: فعل کی ضمیر سے مراد حضرت جبریل امین ہیں یہ وحی کے نزول کے بعد آسمانوں کی طرف بلند ہوتے ہیں۔ نقاش نے کہا: مراد وہ فرشتہ ہے جو آسمانوں سے زمین تک امور کی تدبیر کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اہل زمین کی خبریں ہیں جو اس کی بارگاہ کی طرف بلند ہوتی ہیں جب کہ ساتھ ساتھ فرشتے ہوتے ہیں جو ان خبروں کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے(2)۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 353 2۔ ایضاً

فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ کا معنی ہے دنیا کے ختم ہونے کے بعد امر و تدبیر اس کی طرف لوٹتا ہے فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ اس سے مراد یوم قیامت ہے۔ متقدم اقوال کی صورت میں یَعۡرُجُ کی ضمیر فرشتے کے لیے ہے اس کا پہلے ذکر نہیں ہوا کیونکہ یہ معنی سے سمجھا جا رہا ہے سورۂ سال سائل میں آیت تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ اِلَیۡہِ (المعارج:4) میں اس کا صراحۃً ذکر ہے۔ الیہ میں ضمیر اس کے قول کے مطابق جو السماء کو مذکر خیال کرتا ہے السماء کی طرف لوٹے گی اور فرشتے کے مکان کی طرف لوٹے گی جس جگہ کی طرف وہ لوٹتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے اسم کی طرف لوٹے گی مراد وہ جگہ ہے جس میں اسے قرار عطا کیا۔ جب تو ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے تو تو نے اسے السماء کی طرف لوٹایا یعنی سدرۃ المنتھی کیونکہ زمین سے جو چیز بلند ہوتی ہے وہ اس کی طرف بلند ہوتی ہے اور جو چیز نازل ہوتی ہے وہ اس سے ہی نیچے آتی ہے۔ یہ معنی صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ مقدارہ کی ضمیر تدبیر کی طرف راجع ہے۔ معنی ہے اس تدبیر کی مقدار دنیا کے سالوں میں سے ہزار سال ہے، یعنی وہ ہزار سال کے امور کی تدبیر ایک دن میں کر دیتا ہے، یعنی وہ ایک دن میں ہزار سال کے امور کا فیصلہ کر دیتا ہے پھر اسے اپنے فرشتوں کی طرف القا فرماتا ہے۔ جب ایک ہزار سال گزر جاتا ہے تو ایک اور ہزار سال کا فیصلہ فرماتا ہے، پھر ہمیشہ اسی طرح سلسلہ چلتا رہتا ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہا ضمیر عروج کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قیامت کے قائم ہونے تک امور دنیا کی تدبیر فرماتا ہے۔ پھر وہ امر اس کی طرف لوٹ جاتا ہے، تو وہ ایک ایسے دن میں امور کا فیصلہ کرے گا جس کی مقدار ہزار سال کے برابر ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ سورج کے امر یعنی اس کے طلوع، غروب اور طلوع کی جگہ کی طرف لوٹنے کے معاملہ کی تدبیر کرتا ہے ایسے دن میں جس کی مسافت میں مقدار ایک ہزار سال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے اگر فرشتے کے علاوہ کوئی اور چلتا تو اسے ایک ہزار سال لگ جاتے، کیونکہ اترنے میں پانچ سو سال اور چڑھنے میں پانچ سو سال کا عرصہ لگتا ہے۔ مفسرین کی ایک جماعت سے یہ مروی ہے: یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے؛ مہدوی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ پہلے قول کا معنی ہے۔ حضرت جبریل امین اپنی تیز رفتاری کے باعث ایک ہزار سال کی مسافت تمہارے دنوں میں سے ایک دن میں طے کر لیتا ہے؛ زمخشری نے اسے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک سے ذکر کیا ہے کہ فرشتہ ایک دن میں ہزار سال کی مسافت طے کر لیتا ہے(2)۔ قتادہ سے مروی ہے: فرشتہ ایک ایسے دن میں نیچے اترتا ہے اور اوپر چڑھتا ہے جس کی مقدار ہزار سال ہے۔ اس کے اترنے کی مقدار پانچ سو سال اور اس کے اوپر چڑھنے کی مقدار پانچ سو سال ہے؛ یہ قتادہ اور سدی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک کا قول ہے: اترنے میں ہزار سال اور اوپر چڑھنے میں بیس سال۔

مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ دنیا کے ایام میں سے جن کو تم شمار کرتے ہو۔ اس دن سے مراد وہ زمانہ ہے جس کا اندازہ جہاں کے سالوں میں سے ہزار سال کے ساتھ لگایا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ دن نہیں جو دو راتوں کے درمیان دن کا احاطہ کیے ہوتا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں ہوتا۔ عرب بعض اوقات زمانہ کے عرصہ کو یوم سے تعبیر کرتے ہیں؛ جس طرح شاعر نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 354 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 353

یومان یومُ مُقامات و أندیة ویومُ سیر إلی الأعداء تأویب

دو دن ہیں ایک دن ٹھہرنے اور مجلس کا ہے اور ایک دن دشمنوں کی طرف سارا دن چلنے کا ہے۔

یہاں شاعر نے دو مخصوص دنوں کا ارادہ نہیں کیا۔ اس نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اُن کا زمانہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ دونوں حصوں کو اس نے یوم سے تعبیر کیا ہے (1)۔ ابن ابی عبلہ نے اسے یعرج مجہول کے انداز میں پڑھا ہے۔ اسے یعدون یاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ کا تعلق ہے تو اس آیت کے ساتھ اس کی تعبیر میں اشکال ہے۔ عبداللہ بن فیروز دیلمی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں اور اس آیت فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا: یہ دن ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ نام دیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہیں؟ میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ ان کے بارے میں وہ کہوں جسے میں جانتا بھی نہیں (2)۔ پھر حضرت سعید بن مسیب سے اس کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: میں نہیں جانتا تو میں نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے بارے میں آگاہ کیا۔ ابن مسیب نے سائل سے فرمایا: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جو اس سے ڈرے کہ وہ اس کے بارے میں کچھ کہیں جب کہ وہ مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ پھر علماء نے اس بارے میں گفتگو کی تو کہا گیا: آیت سأل سائل اس میں یوم قیامت کی طرف اشارہ ہے جب کہ اس آیت میں اس کی طرف اشارہ نہیں۔ معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اس دن کے مشکل ہونے کی وجہ سے کفار پر اسے پچاس ہزار سال کی طرح بنا دیا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ عرب ناپسندیدہ دنوں کو لمبے ہونے اور خوشی کے دنوں کو چھوٹے ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

ویوم کظل الرمح قصّر طوله دمُ الزق عنّا واصطفاقُ المزاهر

اور دن جو نیزے کے سایہ کے برابر ہے جس کی طوالت کو شراب اور سارنگی کے نغموں نے ہمارے لیے چھوٹا کر دیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے دن میں کئی ایام ہیں ان میں سے ایک دن ایسا ہے جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے۔ ایک دن ایسا ہے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے اوقات مختلف ہیں۔ کافر کو ایک ہزار سال تک ایک قسم کا عذاب دیا جائے گا پھر اسے دوسری قسم کے عذاب کی طرف منتقل کر دیا جائے گا جس کی مدت پچاس ہزار سال ہوگی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے مواقف کی تعداد پچاس ہیں۔ موقف ہزار سال کا ہوگا۔ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ کا معنی ہے وقت کی مقدار یا یوم قیامت کے موقف کی مقدار ہزار سال ہے۔ نحاس نے کہا: یوم کا لفظ لغت میں وقت کے معنی میں ہے۔ معنی ہے فرشتے اور روح اس کی طرف ایسے وقت میں عروج کرتے ہیں جس کی مقدار ہزار سال ہے اور ایک دوسرے وقت جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ وہب بن منبہ سے مروی ہے فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ کہا: یہ مقدار زمین کی پستی سے لے کر عرش تک ہے۔ ثعلبی نے مجاہد، قتادہ اور ضحاک سے اس آیت تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 354 2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 420

وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ (المعارج) کی تعبیر میں قول نقل کیا ہے۔ زمین سے سدرۃ المنتہیٰ کا ارادہ کیا جہاں حضرت جبریل امین ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔ حضرت جبریل امین اور فرشتے جوان کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس جگہ رہتے ہیں جو حضرت جبریل امین کا مقام ہے تو وہ ایک دن میں اتنا سفر کر لیتے ہیں جو دنیا کے پچاس ہزار سالوں میں کیا جاتا ہے۔ اِلَيْهِ یعنی اس مکان کی طرف جس کی طرف بلند ہونے کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا۔ یہ قول بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کی طرح ہے: اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ (الصافات) اس میں بھی مراد شام کا علاقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ (النساء: 100) یہاں بھی اِلَى اللّٰهِ سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میرے رب کی جانب سے ایک فرشتہ پیغام لے کر آیا پھر اس نے اپنا پاؤں اٹھایا تو اس نے اسے آسمان کے اوپر رکھا دوسرا قدم زمین پر رکھا اسے بعد میں نہ اٹھایا''۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

''وہی جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا سب پر غالب، ہمیشہ رحم فرمانے والا''۔

اس سے مراد ہے مخلوق سے جو غائب ہے اور جو اس کے لیے حاضر ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ ذٰلِكَ، انا کے معنی میں ہے، جس طرح اس کی وضاحت سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ کلام میں تہدید اور وعید کا معنی موجود ہے۔ یعنی اپنے افعال اور اقوال میں اخلاص سے کام لو کیونکہ میں تمہیں ان پر بدلہ دینے والا ہوں۔

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

''وہ جس نے بہت خوب بنایا جس چیز کو بھی بنایا اور ابتداء فرمائی انسان کی تخلیق کی گارے سے۔ پھر پیدا کیا اس کی نسل کو ایک جوہر سے یعنی حقیر پانی سے پھر اسی (کے قد و قامت) کو درست فرمایا اور پھونک دی اس میں اپنی روح اور بنا دیے تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل تم لوگ بہت کم شکر بجالاتے ہو''۔

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ابن کثیر، ابو عمرو اور ابن عامر نے اسے خلقہ لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے سہولت کی وجہ سے اسے اختیار کیا ہے۔ یہاں فعل ماضی ہے محل جر میں ہے کیونکہ یہ شی کی صفت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو معنی مروی ہے وہ یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے جس شے کو بھی پیدا کیا اس کو محکم بنایا، یعنی جو ارادہ کیا اس کو لے آیا اس کے ارادہ میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا (1)۔

ایک دوسرا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے جس شے کو بھی پیدا کیا وہ خوبصورت ہے کیونکہ کوئی دوسرا بھی اس کی مثل لانے پر قادر

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 355

نہیں۔ یہ اس کے خالق ہونے پر دال ہے۔ جس نے لام کو ساکن کیا وہ سیبویہ کے نزدیک مصدر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ اس امر پر دال ہے خلق کل شیء خلقا یہ اس کلام کی مثل ہے صِبْغَةَ اللّٰهِ (النحل: 108) كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ (النساء: 24) دوسرے علماء کے نزدیک کل سے بدل ہونے کی بنا پر منصوب ہے یعنی ہر شے کی تخلیق کو اچھا کیا۔ بعض نحویوں کے نزدیک یہ مفعول ثانی ہے، اس تاویل کی صورت میں کہ اَحْسَنَ کا معنی أفهم اور أعلم ہے تو یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوگا تو تقدیر کلام یہ ہوگی: افهم كلّ شي خلقه۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تفسیر کی بناء پر منصوب ہے۔ معنی ہے أفهم كلّ شي خلقا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حرف جر کے گرانے کی وجہ سے منصوب ہے اصل میں کلام یوں تھی أحسن كلّ شي في خلقه۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے: احسن اس کا معنی پختہ کرنا ہے (1)، یعنی اس سے جس مقصد کا ارادہ کیا گیا اس اعتبار سے یہ احسن ہے۔ اسی اعتبار سے حضرت ابن عباس اور عکرمہ نے کہا: بندر کی سرین خوبصورت نہیں لیکن متقن اور محکم ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ کا معنی ہے ہر شے کی تخلیق کو پختہ کیا (2)۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: الَّذِیْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ (طٰہٰ: 50) انسان کو حیوان کی شکل پر پیدا نہیں کیا اور حیوان کو انسان کی شکل پر پیدا نہیں کیا۔ خلقه کو رفع دینا بھی جائز ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: ذلك خلقه۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لفظ میں عام اور معنی میں خاص ہے۔ اس نے ہر اچھی چیز کی صورت کو اچھا بنایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لفظ اور معنی میں عام ہے۔ جس شے کو بنایا اس کو اچھا بنایا، یہاں تک کہ کتے کو اس کی صورت میں اچھا بنایا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: بندر کی سرین میں حسن ہے (3)۔

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ سورۂ مومنون اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ زجاج نے کہا: مہین کا معنی کمزور ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: مہین سے مراد ہے لوگوں کے ہاں اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ ضمیر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی قد و قامت کو درست کیا۔ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ اس میں اپنی روح پھونکی، پھر ان کی اولاد کی طرف رجوع کیا۔ فرمایا: وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: پھر اس حقیر پانی سے خوبصورت مخلوق بنا دی۔ اس میں روح کو ملایا اور اس کے شرف کو ظاہر کرنے کے لیے اپنی طرف سے منسوب کیا۔ اور اس لیے بھی کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے واقع ہوا، جس طرح بندے کی نسبت اس ارشاد عبدی میں اپنی ذات کی طرف کی اسے نفخ کے ساتھ تعبیر کیا کیونکہ روح ہوا کی جنس میں سے ہے۔ سورۃ النساء اور دوسری سورتوں میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ یعنی تم شکر نہیں کرتے بلکہ ناشکری اور کفر کرتے ہو۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 359　2۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 211　3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 355

''اور کہنے لگے: کیا جب (مرنے کے بعد) ہم گم ہو جائیں گے زمین میں تو کیا ہم از سرِ نو پیدا کیے جائیں گے در حقیقت یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے انکار کر رہے ہیں''۔

وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ یہ بعث کے منکروں کا قول ہے یعنی ہم ہلاک ہو جائیں اور مٹی ہو جائیں۔ اس کی اصل عربوں کا قول ہے: ضل الماء فی اللبن جب پانی دودھ میں ناپید ہو جائے۔ عرب اس شے کے بارے میں کہتے ہیں جس پر کوئی دوسری چیز ایسی غالب آ جائے کہ اس میں اس کا اثر بھی چھپ جائے: قد ضل۔ اخطل نے کہا:

کنتَ القَذَی فی موجِ أکدر مُزْبد قذف الأتی به فضلّ ضلالا(1)

تو مٹیالے رنگ جھاگ والی موج میں ایک تنکا تھا جس میں اجنبی کو پھینک دیا گیا اور وہ موج اس پر غالب آ گئی۔

قطرب نے کہا: ضللنا کا معنی ہے ہم زمین میں غائب ہو جائیں اور نابغہ ذبیانی کا شعر پڑھا:

فآبَ مُضِلّوہ بعین جَلِیّة و غُودِر بالجَوْلانِ حَزْمٌ ونَائِلُ(2)

اس کو غائب کرنے والے روشن آنکھ کے ساتھ لوٹے اور حزم اور نائل کے ساتھ جولان کے مقام پر دھوکہ ہوا۔

ابن محیصن اور یحییٰ بن یعمر نے ضَلِلْنَا لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ بھی ایک لغت ہے۔ جوہری نے کہا: قد ضللت اَضِل یہ اس کا باب ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ (سبا: 50) یہ نجد کی لغت ہے اور یہ فصیح لغت ہے۔ اہل عالیہ کہتے ہیں: ضَلِلْتُ، اَضَلُّ فھو ضالّ و تالّ یہی ضلالۃ و تلالۃ ہے أضلہ اس کو ضائع کر دیا اور اسے ہلاک کر دیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أضِلّ المیت جب اسے دفن کیا جائے گا۔ فآب مضلوہ اسے دفن کرنے والے لوٹے۔

ابن سکیت نے کہا: أضللت بعیری جب وہ اونٹ تجھ سے چلا گیا۔ ضللت المسجد و الدار جب تو مسجد اور اس کے گھر کو نہ پہچانتا ہو۔ اس طرح ہر وہ چیز موجود ہو لیکن اس تک پہنچا نہ جا سکے۔ حدیث میں ہے لعلی أضِلّ اللہ یہ ارادہ کیا ہے ممکن ہے میں اس پر مخفی ہوں (3)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ جب ہم زمین میں چھپ جائیں۔

اضلہ اللہ فضلّ اللہ تعالیٰ نے اسے چھپایا تو وہ چھپ گیا۔ تو جملہ بولتا ہے: انک لا تھدی الضالّ ولا تھدِی المتصال تو چھپنے والے تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا اور تو جان بوجھ کر چھپنے والے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اعمش اور حضرت حسن بصری نے کہا: صَلَلْنَا صاد کے ساتھ قراءت کی۔ جب ہم بدبودار ہو جائیں؛ یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے۔ نحاس نے کہا: لغت میں صللنا معروف نہیں لیکن یہ جملہ کہا جاتا ہے: صلّ اللحمُ و أصلّ، خَمّ و أخمّ جب وہ بدبودار ہو جائے۔ جوہری نے کہا: صلّ اللحم یصلّ، صلولا، گوشت کا بدبودار ہونا۔ وہ پکا ہوا ہو یا کچا ہو۔ حطیئہ نے کہا:

ذات فتًی یَبْذُل ذَا قِدْرِہ لایُفْسِدُ اللحمَ لدیہ الصُّلولُ

وہ ایسا نوجوان ہے جو اپنی ہنڈیا میں موجود چیز کو خرچ کرتا ہے اس کے ہاں کچا یا پکا گوشت خراب نہیں ہوتا۔ اصل اس کی مثل ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 356 2۔ ایضاً 3۔ النہایہ فی غریب الحدیث، جلد 3، صفحہ 98

اِنَّا لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ہم اس کے بعد جدید مخلوق پیدا کرتے ہیں۔ اسے ائنا بھی پڑھا جاتا ہے۔ نحاس نے کہا: اس میں عربی کا مشکل سوال ہے۔ سوال کیا جاتا ہے: اذا میں کون عامل ہے؟ اور ان کا مابعد، اس کے ماقبل میں عامل نہیں ہوتا۔ استفہام میں سوال اس سے شدید تر ہے کیونکہ استفہام کا مابعد اِنَّ کے ماقبل میں بدرجہ اولیٰ عمل نہیں کرنا چاہیے۔ جب دونوں اکٹھے ہو جائیں تو مابعد، ماقبل میں کیسے عامل ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے انا پڑھا ہے تو اس میں عامل ضللنا ہوگا جس نے آئنا پڑھا اس میں عامل مضمر ہوگا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی أنبعث إذا متنا اس میں ایک اور سوال ہے، سوال یہ کیا جاتا ہے: پہلی قراءت کی صورت میں اذا کا جواب کہاں ہے کیونکہ اس میں شرط کا معنی موجود ہے؟ اس میں قول یہ ہے کہ اس کا مابعد فعل ماضی ہے اسی وجہ سے یہ جائز ہے بَلۡ هُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ كٰفِرُوۡنَ وہ دوبارہ لوٹانے کی اس کی قدرت کا انکار نہیں کرتے کیونکہ وہ اس کی قدرت کو پہچانتے ہیں لیکن وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان پر کوئی حساب نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات نہیں کریں گے۔

قُلۡ یَتَوَفّٰىكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ الَّذِیۡ وُكِّلَ بِكُمۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱﴾

''فرمائیے: جان قبض کرے گا تمہاری موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے پھر اپنے رب کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قُلۡ یَتَوَفّٰىكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ جب اس امر کو ذکر کیا کہ وہ دوبارہ اٹھانے کو بعید خیال کرتے ہیں تو ان کی وفات اور دوبارہ اٹھائے جانے کے امر کو ذکر کیا۔ یَتَوَفّٰىكُمۡ یہ توفی العدد والشیء سے مشتق ہے۔ جب وہ پورا پورا اسے لے اور پورے کے پورے پر قبضہ کر لے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: توفاہ اللہ یعنی اس کی روح کو پورا پورا لیا پھر اس پر قبضہ کر لیا۔ تَوَفَّيۡتُ مالی من فلان یعنی میں نے اس سے پورا پورا مال لے لیا۔ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ اس کا نام عزرائیل ہے جس کا معنی اللہ کا بندہ ہے۔ جس طرح سورۂ بقرہ میں پہلے گزر چکا ہے اس کا سارے کا سارا تصرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کی تخلیق و اختراع سے ہوتا ہے۔ حدیث طیبہ میں مروی ہے: ''ملک الموت کی بجائے اللہ تعالیٰ تمام چوپاؤں کی روحوں کو قبضہ میں لے گا، گویا ان کی زندگی کو ختم کرے گا'' (1)۔ ابن عطیہ نے اس کا ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں: اس کے برعکس بھی مروی ہے ملک الموت تمام مخلوقات کی روحوں کو قبض کرے گا یہاں تک کہ پسو اور مچھر کی روحوں کو بھی قبض کرے گا۔ جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کے سر کے پاس ملک الموت کو دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''میرے صحابی کے ساتھ نرمی کرو کیونکہ وہ مومن ہے''۔ ملک الموت نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو جائیے اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں میں ہر مومن کے ساتھ نرمی کرنے والا ہوں۔ یہ چیز ذہن نشین کر لیجئے مٹی کا گھر ہو یا بالوں سے بنا خیمہ وہ خشکی پر ہو یا سمندر میں اس کے رہنے والوں میں سے کوئی فرد نہیں مگر میں ہر روز پانچ دفعہ اس سے مصافحہ کرتا ہوں یہاں تک میں ان میں سے چھوٹے بڑے ہر فرد کو اس کی ذات کے اعتبار سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 360

پہچان لیتا ہوں اللہ کی قسم! اے محمد! ﷺ اگر میں یہ ارادہ کرتا کہ میں ایک مچھر کی روح کو قبض کروں تو میں اس پر قادر نہ ہوتا یہاں تک اللہ تعالیٰ اس کی روح کو قبض کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جعفر بن علی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے وہ نماز کے اوقات کے مواقع پر ان سے مصافحہ کرتا ہے(1)؛ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بغدادی نے ذکر کیا مجھے ابو محمد حسن بن محمد خلال نے انہیں ابو محمد عبداللہ بن صفار نے انہیں ابوبکر حامد بصری نے انہیں یحییٰ بن ایوب علاف نے انہیں سلیمان بن مہیر کلابی نے روایت کی کہ میں حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا ایک آدمی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے پوچھا: اے ابا عبداللہ! کیا پسوؤں کی روحوں کو ملک الموت قبض کرتا ہے؟ امام مالک نے طویل عرصہ تک سر جھکائے رکھا پھر پوچھا: کیا اس کا نفس (روح) ہوتا ہے؟ اس نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ملک الموت ان کی روحوں کو قبض کرتا ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر:42)

ابن عطیہ نے حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا: انسان میں بھی معاملہ اسی طرح ہے، مگر یہ ایک ایسی نوع ہے اسے ملک الموت کے تصرف کے ساتھ شرف بخشا گیا ہے جب یہ ان کی روحوں کو قبض کرتا ہے تو اس کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو پیدا کیا اور اس کے ہاتھ پر روحوں کے قبض کرنے، جسموں سے انہیں کھینچنے اور ان سے نکالنے کے امر کو بھی پیدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لشکر کو پیدا فرمایا جو اس کے ساتھ ہوتا ہے وہ اس کے حکم پر عمل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ (الانفال:50) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (الانعام:61) یہ معنی سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام کی خالق ہے وہی ہر فعل کا حقیقت میں خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (الزمر:42) الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ (ملک:2) يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (البقرہ:258) ملک الموت قبض کرتا ہے مددگار تگ و دو کرتے ہیں اللہ تعالیٰ روح کو لے جاتا ہے۔ آیات و احادیث میں تطبیق کی صورت یہی ہے لیکن جب ملک الموت اس امر کا ذمہ دار ہے خواہ یہ عمل وہ واسطہ کے ساتھ کرے یا براہ راست کرے تو موت کو اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس طرح خلق کی نسبت فرشتے کی طرف کی جاتی ہے جس طرح سورۂ حج میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ مجاہد سے مروی ہے: دنیا ساری کی ساری ملک الموت کے سامنے اس طرح ہے جس طرح انسان کے سامنے ایک تھال ہو جہاں سے وہ چاہتا ہے کوئی چیز لیتا ہے(2)۔ یہ معنی مرفوع حدیث میں بھی مروی ہے۔ ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرۃ'' میں کیا ہے۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے: اللہ تعالیٰ نے جس وقت ملک الموت کو روحیں قبض کرنے کی ذمہ داری سونپی ملک الموت نے عرض کی: اے میرے رب! تو نے مجھے یوں بنا دیا کہ لوگ میرا ذکر برائی کے ساتھ کریں گے اور مجھے گالیاں دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: میں موت کے لیے امراض میں سے علتیں اور اسباب بنا دوں گا لوگ موت کو اس کی طرف منسوب کریں گے کوئی آدمی بھی تیرا ذکر خیر کے بغیر نہیں کرے گا(3)۔ ہم نے اس کا ذکر

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 357 | 2۔ تفسیر ثعلبی، جلد 4، صفحہ 328

3۔ التذکرۃ، ماجاء فی سبب قبض ملك الموت، جلد 1، صفحہ 113

''تذکرہ'' میں مفصل کر دیا ہے۔ ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ روحوں کو دعوت دیتا ہے روحیں اس کے پاس آتی ہیں اور وہ انہیں قبض کر لیتا ہے۔ پھر وہ انہیں رحمت یا عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ کتاب ''تذکرہ'' میں ایسی بحث موجود ہے کہ جو آدمی حقیقت حال پر آگاہی حاصل کرنا چاہے وہ اس کے لیے کافی وشافی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء میں سے بعض نے اس آیت سے وکالت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ وُكِّلَ بِكُمْ اسے تمہاری روحیں قبض کرنے کی ذمہ داری دی ہے۔ یہ اس کے لفظ سے استنباط ہے اس کے معنی میں استنباط نہیں مگر یہ حکم عام ہوتا تو ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: 158) کے بارے میں کہتے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نیابت ہے اور اس کی رسالت کی تبلیغ میں وکالت ہے۔ تو ہم اس ارشاد: وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (البقرہ: 43) کے بارے میں کہتے: یہ بھی وکالت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے رزق کی ضمانت اٹھائی ہے اغنیاء کو غذاؤں کے ساتھ خاص کیا اور انہیں اشارہ کیا کہ فقراء کا رزق ان کے پاس ہے اور معلوم وقت میں معلوم مقدار ان کے سپرد کرنے کا حکم دیا، اپنے علم سے اس کی تدبیر فرمائی، اپنے حکم سے اسے نافذ فرمایا اور اپنی حکمت کے ساتھ اسے مقدر کیا۔ احکام الفاظ کے ساتھ متعلق نہیں ہوتے ہاں اس صورت میں متعلق ہوتے ہیں کہ وہ اپنے مقاصد مطلوبہ میں موضوعات اصلیہ پر وارد ہوں۔ اگر وہ اپنے مقصد کے علاوہ میں ظاہر ہوں تو یہ ان پر متعلق نہیں ہوتے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ بیع وشراء کا لفظ اور معنی معلوم ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ: 111) یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آیت دلیل ہے کہ آقا اپنے غلام سے بیع وشراء کر سکتا ہے کیونکہ دونوں مقصد مختلف ہیں مگر جب معانی کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت میں دلیل ہے کہ قاضی ایسے آدمی کو نائب بنائے جو سختی سے اس آدمی سے حق لے جس پر وہ حق لازم ہے اس کے بغیر کہ اس کا اس میں کوئی عمل ہو یا اس کی رضا شامل ہو جب کہ ایسی صورت پائی جائے۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝۱۲

''اور کاش! تم دیکھو جب مجرم اپنے سر جھکائے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیا اور (کانوں سے) سن لیا پس (ایک بار) بھیج ہمیں (دنیا میں) اب ہم نیک عمل کریں گے''۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ یہ جملہ اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ مبتدا اور خبر ہے۔ زجاج نے کہا: نبی کریم ﷺ کو خطاب، امت کو خطاب ہے۔ معنی ہے اے محمد! ﷺ کاش آپ بعث کے منکروں کو قیامت کے روز دیکھتے تو عجیب وغریب بات دیکھتے۔ ابو العباس کا مذہب اس کے علاوہ ہے۔ معنی ہے اے محمد! ﷺ مجرم سے کہیے: کاش تم دیکھتے جب مجرم اپنے رب کے حضور سر جھکاتے ہوں گے تو تجھ سے افعال سرزد ہوتے اس پر شرمندگی کا اظہار کرتا۔ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ شرمندگی، رسوائی، حزن، ذلت اور غم کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے ہوتے۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ جب ان کا رب ان کا

محاسبہ کرے گا اور انہیں ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ رَبَّنَآ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! اَبْصَرْنَا ہم جو جھٹلاتے رہتے تھے اس کو ہم نے دیکھ لیا۔ وَ سَمِعْنَا ہم جو انکار کیا کرتے تھے اس کو سن لیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے تیرے وعدہ کی صداقت کو دیکھ لیا اور تیرے رسولوں کی تصدیق کو سن لیا۔ ابصروا انہوں نے اس کو اس وقت دیکھا جب دیکھنا انہیں نفع نہیں دے گا اور انہوں نے اس وقت سنا جب سننا انہیں نفع نہیں دے گا۔ فَارْجِعْنَا ہمیں دنیا کی طرف بھیج دو۔ نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ہم دوبارہ اٹھانے کی تصدیق کرنے والے ہیں؛ یہ نقاش کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم اس کی تصدیق کرنے والے ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے کہ وہ حق ہے، یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ سفیان ثوری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلایا۔ فرمایا: وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (الانعام) (1) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنَّا مُوْقِنُوْنَ کا معنی ہے اب ہم سے شکوک زائل ہو چکے ہیں وہ دنیا میں دیکھا اور سنا کرتے تھے لیکن وہ تدبر نہیں کیا کرتے تھے تو وہ اس آدمی کی طرح ہوتے جو نہ دیکھتا اور نہ سنتا ہے جب وہ آخرت میں متنبہ ہوئے اس وقت گویا وہ ہو گئے کہ وہ سن اور دیکھ رہے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے ہمارے رب! حجت و دلیل تو تیری ہی ہے ہم نے تیرے رسولوں اور دنیا میں تیری مخلوقات کے عجائب کو دیکھا اور ہم نے ان کی کلام کو سنا تو ہمارے لیے کوئی دلیل نہیں۔ یہ ان کی طرف سے اعتراف ہے پھر انہوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں دنیا کی طرف لوٹایا جائے تاکہ وہ ایمان لائیں۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَــٴَـنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

"(جواب ملے گا) اور اگر ہم چاہتے تو ہم دے دیتے ہر شخص کو اس کی ہدایت لیکن یہ بات طے ہو چکی ہے میری طرف سے کہ میں ضرور بھروں گا جہنم کو تمام (سرکش) جنوں اور (نافرمان) انسانوں سے"۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا، جب انہوں نے کہا: رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ تو اس قول کے ساتھ اس کا رد فرمایا: وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر میں چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت عطا فرما دیتا ان میں سے کوئی بھی ہدایت سے پیچھے نہ رہتا۔ وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ ابن مبارک نے رقائق میں طویل حدیث ذکر کی ہے ہم نے اس کا ذکر "التذکرہ" میں کیا (2)۔ نحاس نے کہا: وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا کے معنی میں دو قول ہیں: (۱) دنیا میں (۲) سیاق کلام دلالت کرتا ہے کہ یہ آخرت میں ہو گا۔ اگر ہم چاہتے کہ ہم انہیں دنیا اور امتحان کی طرف لوٹا دیتے جس طرح انہوں نے سوال کیا۔ وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَــٴَـنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ میری طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ جس نے میری نافرمانی کی میں اسے آگ کا عذاب دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اگر وہ انہیں لوٹاتا تو وہ لوٹ جاتے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام: 28)۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 359　2۔ التذکرہ، جلد 2، صفحہ 561

اس ہدایت سے مراد دل میں معرفت پیدا کرنا ہے اور معتزلہ اس سے یہ مراد لیتے ہیں: اگر ہم چاہتے تو خوفناک نشانیوں کو ظاہر کر کے ہم انہیں ہدایت پر مجبور کر دیتے لیکن ایسا کرنا اس کی جانب سے اچھا نہ ہوتا کیونکہ یہ اس مقصد کے خلاف ہوتا جو اس بندے کو احکام کا مکلف بنانے سے حاصل ہوتا ہے وہ ثواب ہے اور اس ثواب کا مستحق نہیں بن سکتا مگر وہی شخص جو اپنے اختیار سے کوئی فعل کرتا ہے۔ امامیہ نے اس کی تاویل میں کہا: یہ جائز ہے کہ اس سے وہ ہدایت مراد لے جو آخرت میں جنت کے راستہ کی طرف ہے اور کسی کو سزا نہ دے لیکن اس کی جانب سے یہ قول ثابت ہے کہ وہ جہنم کو بھر دے گا۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کوئی لازم نہیں کہ سب کو جنت کی طرف ہدایت دے۔ علماء نے کہا: بلکہ واجب معصومین کو ہدایت دینا ہے۔ جس کا گناہ ہو تو اس کی جہنم کی طرف راہنمائی جائز ہوگی یہ ان کے افعال پر جزا ہے، اس کو جائز قرار دینا درست نہیں، کیونکہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں ہدایت سے مراد ایمان کی طرف ہدایت ہے۔ علماء نے ان کے بارے میں ان دو تاویلوں کے متعلق ایسی گفتگو کی ہے جو دین کے اصول میں کفایت کرتی ہے۔ جواب میں سب سے مناسب وموزوں یہ ہے کہ کہا جائے: ہمارے اور تمہارے نزدیک یہ باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جبر واکراہ کے ساتھ ہدایت نصیب فرمائے کیونکہ اگر اسے تسلیم کیا جائے تو یہ جبریہ کے مذہب کی طرف لے جاتا ہے وہ مذہب ہمارے اور تمہارے نزدیک بے وقعت ہے تو کوئی چیز باقی نہیں بچتی مگر یہ ہے کہ مومنوں میں سے ہدایت یافتہ کو اللہ تعالیٰ بندے کے اختیار کی بنا پر انہیں ایمان وطاعت کی طرف دعوت دیتا ہے یہاں تک کہ اسے مکلف بنانا صحیح ہو جاتا ہے۔

وہ جو چاہے وہ اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے ایمان وطاعت اپنا لے بطور جبر ایسا نہ کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّسۡتَقِيۡمَ ﴿۲۸﴾ (التکویر) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ﴿۱۹﴾ (المزمل) پھر اس کے پیچھے ان دو آیتوں کو بیان کیا وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ (الانسان: 30) مومنوں کا ایمان اس کی مشیت سے واقع ہوا اور اس امر کی نفی کر دی کہ وہ کوئی چیز چاہ سکتے ہیں وہ اس وقت کوئی چیز چاہیں گے جب اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ اسی وجہ سے جبریہ نے مزید تفریط سے کام لیا جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے۔ انہوں نے کہا: مخلوق اپنے تمام تر امور میں مجبور ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دیکھتے: وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ (الانسان: 30) اور قدریہ نے بھی حد سے تجاوز کیا جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کی ایمان کی طرف ہدایت بندوں کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے۔ انہوں نے کہا: مخلوق اپنے افعال کی خود خالق ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف توجہ کی: لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّسۡتَقِيۡمَ ﴿۲۸﴾ (التکویر)

ہمارا مذہب دونوں کے درمیان میانہ روی پر مشتمل ہے۔ ہمارا مذہب جبریہ اور قدریہ کے درمیان ہے اور بہترین امر درمیانہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل حق نے کہا: ہم جس کی طرف مجبور کیے جائیں اور جس میں ہمیں اختیار ہوتا ہے اس میں ہم فرق کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہم فرق کا ادراک کرتے ہیں، اس رعشہ کی حرکت میں جو انسان کے ہاتھ میں بغیر کسی حیلہ اور ارادہ کے ہوتی ہے اور اس کے ساتھ اس کی قدرت شامل نہیں ہوتی، اور اس اختیاری حرکت کے درمیان جب وہ اپنے ہاتھ کو

حرکت دیتا ہے جو رعشہ کی حرکت کے مماثل ہوتی ہے۔ جو دونوں حرکتوں یعنی رعشہ کی حرکت اور اختیاری حرکت میں فرق نہیں کرتا جب کہ وہ دونوں اس کی ذات میں موجود ہوتی ہیں۔ اس کے ہاتھ میں محسوس کی جاتی ہیں وہ اس کا مشاہدہ بھی کرتا ہے اور اس کا حاسہ، ادراک بھی کرتا ہے تو ایسا شخص پاگل ہے، اس کی حس میں خلل ہے اور عقلاء کی جماعت سے خارج ہے یہی وہ واضح حق ہے۔ یہی افراط وتفریط کے طریقوں کے درمیان اعتدال کا راستہ ہے۔

کلا طرفی قصد الامور میم

میانہ روی کی دونوں جانبیں مذموم ہیں۔ اسی اعتبار سے علماء میں سے اہل نظر نے پسند کیا کہ دو منزلوں کے درمیان اس منزل کو کسب کا نام دیں۔ انہوں نے یہ نام کتاب اللہ سے اخذ کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ:286)

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''پس اب چکھو سزا اس جرم کی کہ تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس روز کی ملاقات کو، ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا اور چکھو ابدی عذاب ان (کرتوتوں) کے عوض جو تم کیا کرتے تھے''۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اس میں دو قول ہیں: (۱) یہ اس نسیان سے ماخوذ ہے جس کے ساتھ کوئی یاد نہ ہو۔ یعنی انہوں نے اس دن کے لیے کوئی عمل نہ کیا تو وہ بھولنے والوں کے قائم مقام ہو گئے۔ (۲) جو تم چھوڑ آئے اس کو تم نے بھلا دیا۔ اسی طرح اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ ہے۔ محمد بن یزید نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ (طٰہ:115) سے استدلال کیا ہے۔ کہا: اس امر پر دلیل کہ یہ ترک کے معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے بارے میں بتایا فرمایا: مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ (الاعراف:20) اگر حضرت آدم علیہ السلام اسے بھول گئے تھے تو شیطان نے تو آپ کو یاد دلایا تھا۔ اور یہ شعر پڑھا:

كانه خارجا من جنب صفحته سفود شرب نسوه عند مفتاد

اس شعر میں بھی نسوہ، ترکوہ کے معنی میں ہے۔ اگر یہ نسیان میں سے ہوتا تو انہوں نے اس پر ایک دفعہ عمل کیا ہوتا۔ ضحاک نے کہا: نسیتم تم نے میرے امر کو ترک کر دیا۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: تم نے اس دن میں دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان کو ترک کر دیا۔ نسینا کم ہم نے تمہیں بھلائی کے معاملہ میں ترک کر دیا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: ہم نے تم کو عذاب میں چھوڑ دیا(1)۔ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ سے کلام کو شروع کرنے اور فعل کی بناء ان کے اسم پر رکھنے میں ان سے انتقام لینے میں شدت ہے۔ معنی ہے اسے چکھو، یعنی جس میں تم ہو جیسے مر چکے ہوتے، رسوائی اور غم یہ سب اللہ تعالیٰ کو بھولنے کے سبب ہیں۔ یعنی دائمی عذاب چکھو یہ ایسا دائمی ہے جو جہنم میں کبھی ختم نہ ہوگا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 360

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی دنیا میں جو تم گناہ کرتے رہے ہو۔ بعض اوقات وہ چیز جو نفس پر طاری ہوتی ہے اسے ذوق سے تعبیر کرتے ہیں اگرچہ وہ چیز کھائی جانے والی نہیں ہوتی کیونکہ اس کا احساس اسی طرح ہوتا ہے جس طرح کھائی جانے والی چیز کو چکھنے سے احساس ہوتا ہے۔ عمر بن ابی ربیعہ نے کہا:

فذُقْ هيرها إن كنت تزعم أنها　　فسادٌ ألا يا رُبّما كذب الزعم

طفیل نے کہا:

فذوقوا كما ذقنا غداة محجّرٍ　　من الغيظ فى اكبادنا والتحوبِ

پس تم چکھو جس طرح ہم نے محجر کی صبح اپنے جگروں میں غصہ اور گناہ کو چکھا تھا۔

تذوقتُه میں نے اسے تھوڑا تھوڑا چکھا۔ اور امر مستذاق معلوم اور تجربہ شدہ امر۔

شاعر نے کہا:

وعهدُ الغانيات كعهد قَيْنٍ　　وَنَتْ عنه الجعائل مُسْتذاق

نغمہ گانے والیوں کا وعدہ غلاموں کے وعدہ کی طرح ہے جس سے تجربہ شدہ اور معلوم اجرتیں تھک جاتی ہیں۔

ذواق کا معنی اکتایا ہوا۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

''صرف وہی لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جنہیں جب ہماری آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اور وہ غرور و تکبر نہیں کرتے''۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے یعنی وہ کفر سے محبت رکھنے کی بنا پر تم پر ایمان نہیں رکھتے۔ تجھ پر اور قرآن پر وہ لوگ ایمان لائیں گے جو تدبر کرنے والے ہوں گے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے والے ہوں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جب ان پر قرآن پڑھا جائے گا تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ خَرُّوْا سُجَّدًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سُجَّدًا کا معنی ہے رُکعا۔ مہدوی نے کہا: یہ اس کے نقطہ نظر کے مطابق ہے جو سجدہ تلاوت رکوع میں کرنے کو جائز سمجھتا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے۔ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۝ (ص) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد سجدہ ہے؛ اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔ وہ اپنے مونہوں کے بل سجدہ میں گر پڑے وجہ آیات کی تعظیم اور اس کی سطوت و عذاب سے خوف ہے۔

وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ انہوں نے حمد کے ساتھ تسبیح کو ملا دیا، یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کی اور اس کی حمد بیان کی۔ انہوں نے اپنے سجدوں میں کہا: سبحان اللہ و بحمدہ، سبحان ربی الاعلی و بحمدہ یعنی وہ مشرکوں کے قول سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

سفیان نے کہا: انہوں نے اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے نماز پڑھی (1)۔ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ وہ اس کی عبادت میں تکبر نہیں کرتے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ نقاش نے کہا: وہ اہل مکہ کی طرح سجدہ کرنے سے تکبر نہیں کرتے (2)۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ٞ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ۝

"دور رہتے ہیں ان کے پہلو (اپنے) بستروں سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے اور ان نعمتوں سے جو ہم نے ان کو دی ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں"۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ بستروں سے ان کے پہلو جدا اور دور رہتے ہیں۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے یعنی متجافیة جنوبهم، مضاجع یہ مضجع کی جمع ہے۔ اس سے مراد نیند کی جگہیں ہیں۔ اس سے مراد لیٹنے کے اوقات بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ مجاز ہے حقیقی معنی اولیٰ ہے (3)۔ اسی معنی میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے اشعار ہیں:

وفینا رسول الله یتلو کتابه　　إذا انشق معروف من الصبح ساطع (4)

یبیت یجافی جنبه عن فراشه　　إذا استثقلت بالمشرکین المضاجع

ہمارے درمیان اللہ کا رسول ہے جو اس کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے جب معروف یعنی صبح پھیلتی ہے وہ رات گزارتا ہے جب کہ آپ کا پہلو بستر سے جدا رہتا ہے جب مشرکوں کے بستر ان سے بوجھل ہوتے ہیں۔

زجاج اور رمانی نے کہا: تجافی سے مراد اوپر کی جانب سے الگ ہونا۔ یہ اسی طرح ہے جب کوئی آدمی خطا کار سے درگزر کرے جب وہ گالی وغیرہ دے۔ جنوب یہ جنب کی جمع ہے۔ ان کے پہلو بستر سے کیوں جدا رہتے ہیں اس میں دو قول ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے وہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں؛ یہ حضرت ابن عباس اور ضحاک کا قول ہے (۲) نماز کے لیے۔ وہ نماز جس کے لیے ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں اس کے بارے میں چار قول ہیں: (۱) رات کے وقت نفل پڑھنا؛ یہ جمہور مفسرین کا قول ہے؛ یہی اکثر لوگوں کا قول ہے، اسی میں مدح ہے؛ یہ مجاہد، اوزاعی، مالک بن انس، حسن بن ابی الحسن، ابو العالیہ وغیرہم کا قول ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (السجدہ: 17) کیونکہ انہیں ایسے امور پر جزا دی گئی جس کو انہوں نے مخفی رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔

رات کے وقت قیام کرنے کے بارے میں بے شمار احادیث ہیں ان میں سے ایک حضرت معاذ بن جبل کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: "کیا میں تمہاری خیر کے دروازوں کی طرف رہنمائی نہ کروں روزہ ڈھال ہے، صدقہ خطا کو نا پید کر دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور رات کے وسط میں آدمی کی نماز پھر ان آیات کا تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ٞ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءً

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 361　　2۔ ایضاً

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1499　　4۔ الجواہر الحسان، جلد 2، صفحہ 559

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ کی تلاوت کی" (1)۔ ابو داؤد طیالسی نے اپنی سند میں، قاضی اسماعیل بن اسحاق اور ابو عیسیٰ ترمذی نے اسے نقل کیا ہے اس کے بارے میں کہا: حدیث حسن صحیح ہے۔ (۲) اس سے مراد عشاء کی نماز ہے جسے عتمہ کہتے ہیں (2)؛ یہ حضرت حسن بصری اور عطا کا قول ہے۔ ترمذی نے حضرت انس بن مالک سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت اس نماز کی انتظار کرنے کے بارے میں نازل ہوئی جسے عتمہ کہتے ہیں (3)۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (۳) مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھنا؛ یہ قتادہ اور عکرمہ کا قول ہے۔ ابو داؤد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ اس آیت کا مصداق وہ لوگ ہیں (4) جو مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھتے ہیں (۴) ضحاک نے کہا: تتجافی الجنوب سے مراد یہ ہے کہ ایک آدمی عشاء اور صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے؛ یہ قول حضرت ابو داؤد اور حضرت عبادہ نے کیا۔

میں نے کہا: یہ اچھا قول ہے۔ یہ معنوی طور پر تمام اقوال کو جامع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عشاء کی نماز کا انتظار کرنے والا یہاں تک کہ وہ نماز پڑھے نماز اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہوتا ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ایک آدمی ہمیشہ نماز میں ہوتا ہے جب تک وہ نماز کا انتظار کرتا ہے" (5)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: آیت سے مراد عشاء کی نماز کا انتظار کرنا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے ایک تہائی تک اسے موخر کیا کرتے تھے۔ ابن عطیہ نے کہا: جاہل لوگ غروب آفتاب کے ساتھ ہی سو جاتے ہیں اور اس وقت سو جاتے ہیں جس وقت انسان چاہتا ہے تو عشاء کے وقت کا انتظار مشکل ہو جاتا ہے۔ صبح کی نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے والا خصوصاً اوّل وقت میں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ نادر اور مشکل ہو چکا ہے۔

عبادت یہ ہے جو آدمی اوّل وقت میں اس نماز کی محافظت کرتا ہے وہ سحری کے وقت اٹھتا ہے وضو کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہوتی ہے۔ پھر بستروں سے دوری رات کے اوّل اور آخر میں ثابت ہو جاتی ہے۔ اس سے اضافہ وہ روایت کرتی ہے جو امام مسلم نے حضرت عثمان بن عفان سے نقل کی ہے، کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے فرمایا: "جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو گویا اس نے نصف رات قیام کر لیا"۔ ترمذی اور ابو داؤد کی اس حدیث میں الفاظ یہ ہیں۔ "جو آدمی جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز میں حاضر ہوا تو اس کو نصف رات کا قیام ثابت ہو گیا اور جس نے عشاء اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو اس کے لیے پوری رات کا قیام ثابت ہو گیا" (6)۔ سورۃ النور میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے بارے میں روایت مروی ہے جس نے عشاء کی نماز کے بعد چار رکعات پڑھیں تو وہ چار رکعات اس کے لیے لیلۃ القدر کے قائم مقام ہوں گی۔

مغرب اور عشاء کے درمیان نماز کی فضیلت اور رات کے قیام کے بارے میں بہت اچھے آثار آئے ہیں۔ ابن مبارک

1۔ جامع ترمذی، کتاب الایمان، ما جاء فی حرمۃ الصلوٰۃ، جلد 2، صفحہ 86　　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 363

3۔ جامع ترمذی، تفسیر سورۂ لقمان، باب سورۂ سجدہ، جلد 2، صفحہ 151۔ ایضاً، حدیث نمبر 3120، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، وقت قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 187

5۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، ما جاء فی القعود، جلد 1، صفحہ 44　　6۔ ایضاً، ما جاء فی فضل العشاء والفجر، جلد 1، صفحہ 30

نے ذکر کیا۔ کہا: یحییٰ بن ایوب، محمد بن حجاج سے یا ابن ابی الحجاج سے وہ عبد الکریم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول الله ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے مغرب اور عشاء کے درمیان بیس رکعات پڑھیں اس کے لیے جنت میں ایک محل بنا دیا جائے گا''۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول الله! ﷺ پھر تو ہمارے محلات اور گھر زیادہ ہو جائیں گے۔ رسول الله ﷺ نے ارشاد فرمایا: الله اکبر و افضل۔ یا فرمایا: اطیب۔ حضرت عبد الله بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: ''اوابین کی نماز وہ خلوت ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان ہوتی ہے یہاں تک کہ لوگ نماز کی طرف لوٹتے ہیں''۔ حضرت عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھا کرتے تھے اور کہتے: صلوٰۃ الغفلۃ یہ مغرب اور عشاء کے درمیان ہوتی ہے؛ ابن مبارک نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسے مرفوع نقل کیا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پہلو مغرب اور عشاء کے درمیان بستر سے دور رہے اس کے لیے جنت میں ایسے محل بنائیں جائیں گے جو ایک سال کی مسافت تک پھیلے ہوں گے۔ ان دونوں میں ایسے درخت ہوں گے اگر اہل مشرق اور اہل مغرب اس کے نیچے اتریں تو پھل ان کو کافی ہو جائے گا''۔ یہ اوابین کی نماز اور غافلین کی غفلت ہے۔ بے شک دعا مستجاب میں سے جسے رد نہیں کیا جاتا وہ دعا ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان ہوتی ہے۔

فصل تجافی کی فضلیت میں

حضرت عبد الله بن مبارک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: جب قیامت کا دن ہو گا ایک منادی کرنے والا ندا کرے گا آج عنقریب تم جان لو گے کہ اصحاب کرم کون لوگ ہیں؟ ہر حال میں الله تعالیٰ کی حمد کرنے والے اٹھ کھڑے ہوں، وہ اٹھیں گے تو انہیں جنت کی طرف لطف اٹھانے کے لیے بھیج دیا جائے گا۔ پھر دوبارہ وہ ندا کرے گا آج تم جان لو گے، اصحاب کرم کون ہیں؟ وہ اٹھ کھڑے ہوں جن کے پہلو بستروں سے الگ رہے، جو خوف وطمع میں اپنے رب کی عبادت کیا کرتے تھے اور ہم نے انہیں جو رزق دیا اس میں سے خرچ کرتے۔ وہ اٹھیں گے اور انہیں جنت کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ پھر وہ تیسری دفعہ ندا کرے گا آج تم جان لو گے اصحاب کرم کون ہے؟ وہ اٹھ کھڑے ہوں گے جنہیں تجارت اور بیع الله تعالیٰ کے ذکر کرنے، نماز کے قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتے تھے، وہ اس دن سے ڈرتے تھے جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جاتے ہیں۔ وہ اٹھیں گے اور جنت کی طرف انہیں بھیج دیا جائے گا۔

ثعلبی نے اس حدیث کو حضرت اسماء بنت یزید سے مرفوع نقل کیا ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز جب الله تعالیٰ اگلوں اور پچھلوں کو جمع کر دے گا تو ایک ندا کرنے والا آئے گا وہ بلند آواز سے اعلان کرے گا جسے تمام مخلوق سنے گی: آج اہل محشر جان لیں گے کون کرم کا زیادہ مستحق ہے؟ وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں جن کے پہلو بستروں سے الگ رہتے تھے۔ وہ اٹھیں گے وہ تعداد میں تھوڑے ہوں گے، وہ دوبارہ ندا کرے گا: آج تم جان لو گے کون کرم کا زیادہ مستحق ہے؟ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جنہیں تجارت اور بیع الله تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے تھے وہ اٹھیں گے پھر وہ تیسری دفعہ اعلان کرے گا: آج تم جان لو گے کون کرم کا زیادہ مستحق ہے؟ ہر حال خوشحالی اور تنگ دستی میں الله تعالیٰ کی حمد بیان کرنے والے اٹھ

کھڑے ہوں۔ وہ اٹھ کھڑے ہوں گے وہ تعداد میں تھوڑے ہوں گے ان سب کو جنت کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ پھر باقی لوگوں کا حساب ہوگا۔

ابن مبارک نے ذکر کیا ہے معمر نے ایک آدمی سے وہ ابوالعلاء بن شخیر سے وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ کر ہنسے گا اور ان کو دیکھ کر خوش ہوگا: (۱) وہ آدمی جو رات کو اٹھا اپنے بستر اور گرمائش کو ترک کیا، پھر اس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا پھر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: ''میرے بندے نے جو کچھ کیا ہے اس پر کس چیز نے اسے برانگیختہ کیا؟'' وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو ہماری بنسبت اسے بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ''میں بہتر جانتا ہوں لیکن تم مجھے خبر دو''۔ وہ عرض کریں گے: تو نے اسے کسی چیز کی امید دلائی تو اس نے اس کی امید کی اور تو نے اسے ڈرایا تو وہ اس سے ڈرا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ''میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ جس چیز سے یہ ڈرا میں نے اس سے اسے امن دیا اور جو اس نے امید رکھی میں نے اسے اس کے لیے ثابت کر دیا''۔ کہا: ایک آدمی ایک چھوٹے لشکر میں تھا وہ دشمن سے ملا، اس کے ساتھی شکست کھا گئے اور وہ ثابت قدم رہا یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا گیا یا اللہ تعالیٰ نے ان پر اسے فتح دے دی تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے اسی واقعہ کی طرح ارشاد فرمائے گا۔ ایک آدمی رات بھر چلتا رہا یہاں تک کہ جب رات کا آخری پہر تھا وہ بھی اترا اور اس کے ساتھی بھی اترے اس کے ساتھی سو گئے اور وہ اٹھ کر نماز پڑھنے لگا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مثل فرشتوں سے فرمائے گا۔ قصہ کا ذکر کیا۔

یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ حال ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہے، یہ بھی جائز ہے کہ صفت مستانفہ ہو، یعنی تتجافی جنوبھم وھم أیضا فی کلّ حال یدعون ربھم لیلھم و نھارھم یعنی ان کے پہلو جدا رہتے ہیں اور وہ ہر حال میں رات اور دن اپنے رب سے دعا کرتے رہتے ہیں۔ خوفا یہ مفعول لاجلہ ہے یہ بھی جائز ہے کہ مفعول مطلق ہو وَّ طَمَعًا یہ بھی مفعول لاجلہ ہے۔ یعنی عذاب سے ڈرنے کے لیے اور ثواب کی طمع میں۔ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ، ما، الذی کے معنی میں ہوگا۔ مصدری معنی میں ہو گا۔ دونوں صورتوں میں یہ مِن سے الگ ہوگا۔ يُنْفِقُوْنَ اس کا معنی فرض زکوٰۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نفل صدقہ ہے۔ یہ قول زیادہ مناسب ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑰

''پس نہیں جانتا کوئی شخص جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کے لیے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یہ صلہ ہے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

حمزہ نے مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ کو یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اس یاء کو فتحہ دیا ہے۔ عبداللہ کی قراءت میں ما نخفی نون مضموم کے ساتھ ہے۔ مفضل نے اعمش سے مایخفی لھم یاء مضمومہ اور فاء مفتوحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے من قرات اعین پڑھا ہے جس نے ما اخفی کی یاء کو سکون دیا ہے تو یہ فعل مضارع کا صیغہ ہوگا اس کا الف، متکلم کا الف ہوگا۔ ما، اخفی سے محل نصب میں ہوگا اور یہ استفہامیہ ہوگا اور جملہ محل نصب میں ہوگا

کیونکہ یہ مفعولوں کے قائم مقام ہوگا اور ضمیر عائد محذوف ہوگی۔ جس نے یاء کو فتحہ دیا تو یہ ماضی مجہول کا صیغہ ہوگا۔ ما یہ محل رفع میں مبتدا ہے اور اس کی خبر اخفی اور اس کا مابعد ہے اور اخفی میں ضمیر ما کی طرف لوٹ رہی ہے۔

زجاج نے کہا: اسے ما اخفی لھم کو ما اخفی اللہ لھم کے معنی میں پڑھا گیا ہے؛ یہ محمد بن کعب کی قراءت ہے اور ما محل نصب میں ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے قرات اعین قراءت کی ہے یہ قُرّۃ کی جمع ہے اس میں جمع کا صیغہ اچھا ہے کیونکہ یہ جمع کی طرف مضاف ہے اور مفرد اس لیے پڑھتے ہیں کیونکہ یہ مصدر ہے اور یہ اسم جنس ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا: یہ مصحف کے خلاف ہے کیونکہ قرۃ کی تاء اس کی لغت کے مطابق تاء سے لکھی جاتی ہے جو وقف پر بھی وصل کا قاعدہ جاری کرتا ہے، جس طرح انہوں نے رحمت اللہ کو تاء کے ساتھ لکھا ہے۔ قراءت سے خط میں الف کا ساقط ہونا جب کہ وہ بولنے میں موجود ہو کوئی عجیب نہیں، جس طرح السموات سے الف کا ساقط ہونا کوئی عجیب بات نہیں یہ زبان اور نطق میں ثابت ہے۔ معنی مراد ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان نعمتوں کے بارے میں بتایا جنہیں کوئی نفس، کوئی بشر اور کوئی فرشتہ نہیں جانتا۔ اسی آیت کے معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میں نے صالح بندوں کے لیے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور کسی بشر کے دل پر اس کا کھٹکا نہیں ہوا، پھر اسی آیت کو بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ تک پڑھا۔ صحیح میں حضرت سہیل بن سعد ساعدی سے یہ حدیث مروی ہے (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تورات میں لکھا ہوا ہے: وہ لوگ جن کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ایسی نعمتیں ہیں جنہیں کسی انسان نے نہیں دیکھا، کسی کان نے انہیں نہیں سنا اور کسی انسان کے دل پر ان کا گزر نہیں ہوا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کی تفسیر جاننے سے معاملہ بڑا اور عظیم ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ کرامت ان لوگوں کے لیے ہے جو جنت میں سب سے بلند درجہ رکھتے ہیں جس طرح صحیح مسلم میں حضرت مغیرہ بن شعبہ سے واضح طور پر روایت آئی ہے حضرت مغیرہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے مرفوع نقل کرتے ہیں۔ فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا عرض کی: اے میرے رب! جنت میں سب سے کم مرتبہ کا کون ہوگا؟ فرمایا: وہ شخص ہوگا جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو وہ آئے گا تو اسے کہا جائے گا: جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! کیسے جب کہ لوگ اپنی اپنی جگہوں پر اتر چکے ہیں اور اپنے اپنے حصے لے چکے ہیں؟ تو اسے کہا جائے گا: کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تیرے لیے دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کے ملک کے برابر ملک ہو۔ وہ عرض کرے گا: میرے رب! میں راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تیرے لیے وہ اس کے ساتھ اس کی مثل، اس کی مثل، اس کی مثل اور اس کی مثل۔ پانچویں دفعہ اس نے عرض کیا: اے میرے رب! میں راضی ہوں۔ اسے کہا جائے گا: تیرے لیے یہ اور اس کے دس گنا اور تیرے لیے وہ کچھ ہے جو تیرا نفس چاہے، تیری آنکھیں لذت حاصل کریں۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں راضی ہوں۔ عرض کی: اے میرے رب! ان میں سے سب سے بلند مرتبہ والا کون ہوگا؟ فرمایا: وہ لوگ

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 704 | 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 363

ہوں گے جن کو میں نے چن لیا اور ان کی کرامت کو اپنے ہاتھ۔ سے لگایا یعنی میں نے خود اسے اپنے ہاتھ میں لیا اور اس پر مہر لگائی۔ کسی آنکھ نے اس کو نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور کسی انسان کے دل پر وہ نہیں کھٹکا۔ فرمایا: کتاب اللہ میں اس کا مصداق یہ فرمان ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿ (السجدہ) (1) حضرت مغیرہ بن شعبہ سے ان کا قول موقوفا مروی ہے۔

امام مسلم نے بھی اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے ایسی چیز تیار کر رکھی ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کسی کان نے سنا نہیں اور کسی کے دل پر اس کا کھٹکا نہیں ہوا (2)۔ وہ ذخیرہ شدہ ہے اللہ تعالیٰ نے جس پر آگاہ کیا اس کو چھوڑ دو۔ پھر پڑھا: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (السجدہ: 17)

ابن سیرین نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: کچھ لوگوں نے اپنے اعمال کو مخفی رکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی چیز کو مخفی رکھا جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور کسی کان نے نہیں سنا (3)۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا یَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾

''تو کیا جو شخص ایمان دار ہو وہ اس کی مانند ہو سکتا ہے جو فاسق ہو؟ (نہیں) یہ یکساں نہیں''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا یَسْتَوٗنَ یعنی مومن فاسق کی طرح نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے ہم نے ان مومنوں کو ثواب عظیم عطا فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء بن یسار نے کہا: یہ آیت حضرت علی شیر خدا اور ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ دونوں میں گفتگو ہوئی۔ ولید نے آپ سے کہا: میں تم سے اچھی گفتگو کرنے والا، تلوار چلانے میں ماہر اور جسمانی قوت کے اعتبار سے پورے لشکر کا منہ موڑنے والا ہوں۔ أرد الکتیبة کی جگہ أملأ فی الکتیبة کے الفاظ ہیں، پورے لشکر میں امید کی کرن ہوں (☆)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اسے منع فرمایا: خاموش ہو جا تو تو فاسق ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی (4)۔

زجاج اور نحاس نے ذکر کیا: یہ آیت حضرت علی شیر خدا اور عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن عطیہ نے کہا: اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آیت مکی ہو کیونکہ عقبہ مدینہ میں تو نہیں تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپس آرہے تھے تو وہ مکہ کی طرف جاتے ہوئے مر گیا تھا۔ ولید پر فسق کے نام کے اطلاق سے دوسرا قول آڑے آرہا ہے اس کی وجہ یہ احتمال

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، اثبات الشفاعة و اخراج الموحدین، جلد 1، صفحہ 106

2۔ صحیح مسلم، صفة الجنة، الجنة صفة نعیمها و اهلها، جلد 2، صفحہ 378

3۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 284　　4۔ اسباب النزول، صفحہ 266

☆ قرطبی کے ایک نسخہ میں املأ فی الکتیبة جسدا ہے تو پھر معنی ہوگا میں پورے لشکر میں سب سے بھرے جسم والا ہوں۔

ہوسکتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ولید میں کوئی ایسا عمل تھا جس وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا یا جو روایت کی گئی ہے کہ اس نے بنی مصطلق کے بارے میں ایسی بات کہی جو ان میں نہ تھی، یہاں تک کہ ان کے بارے میں آیت نازل ہوئی: اِنۡ جَآءَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوۡۤا (الحجرات:6) جس کی وضاحت سورۃ الحجرات میں آئے گی۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ شریعت نے اس پر اسی نام کا اطلاق کیا ہو کیونکہ وہ بغاوت کے کنارے پر تھا یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شراب پی تھی۔ اس نے صبح کی نماز لوگوں کو پڑھائی اور کہا: کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ میں تمہیں کچھ زائد پڑھاؤں۔ اس کے بارے میں گفتگو طویل ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور ان فاسقوں کے درمیان تقسیم کر دی وہ فاسق جنہیں کفر کی وجہ سے فاسق قرار دیا (کیونکہ آیت کا اختتام اس کا تقاضا کرتا ہے) تو اس نے اس امر کا تقاضا کیا کہ مومن اور کافر میں مساوات کی نفی کی جائے اس وجہ سے دونوں میں قصاص کا حکم جاری کرنے سے منع کیا کیونکہ قصاص واجب کرنے کے لیے قاتل اور مقتول کے درمیان برابری ضروری ہے۔

اسی وجہ سے ہمارے علماء نے امام اعظم ابوحنیفہ کے خلاف استدلال کیا ہے کہ کسی مسلمان کو ذمی کے مقابلہ میں قتل کیا جائے۔ امام اعظم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ثواب میں مساوات کی نفی کا ارادہ کیا ہے اور دنیا میں عدالت کے اعتبار سے نفی کا ارادہ کیا ہے۔ ہم نے اسے اس کے عموم پر محمول کیا ہے۔ یہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ کوئی دلیل ایسی نہیں جو تحقیق پر دال ہو؛ یہ ابن عربی کا قول ہے(1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ لا یستوون زجاج اور دوسرے علماء نے کہا: من واحد اور جمع کے لیے مناسب ہے۔ نحاس نے کہا: من کا لفظ جماعت کا معنی دیتا ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا: لا یستوون؛ یہ کثیر نحویوں کا قول ہے۔ بعض نے کہا: لا یستوون دو افراد کے لیے ہے کیونکہ دو بھی جمع ہے کیونکہ یہ ایسا واحد ہے جو دوسرے کے ساتھ مل کر جمع ہو گیا؛ یہ بھی زجاج کا قول ہے۔ حدیث اس قول پر دلالت کرتی ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے لوگوں سے مروی ہے فرمایا اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا یہ حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے حق میں نازل ہوئی۔ كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا یہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے حق میں نازل ہوئی۔ شاعر نے کہا:

الیس الموت بینهما سواء　　إذا ماتوا وصاروا فی القبور

کیا موت ان دونوں میں برابر نہیں جب وہ مر گئے اور قبروں میں چلے گئے۔

محل استدلال ھما ضمیر اور فعل ماتوا اور صاروا جمع کے صیغے ہیں۔

اَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰى نُزُلًاۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فَسَقُوۡا فَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَاۤ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1503

أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝

''پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لیے جنتیں ہمیشہ کا ٹھکانا ہیں بطور ضیافت ان (نیکیوں) کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے اور جنہوں نے نافرمانی کی تو ان کا ابدی ٹھکانا آگ ہے جتنی مرتبہ وہ ارادہ کریں گے کہ (کسی طرح) یہاں سے نکل جائیں تو (ہر بار) انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں اور انہیں کہا جائے گا: چکھو آگ کا عذاب جسے تم جھٹلایا کرتے تھے''۔

آخرت میں دونوں فریقوں کا جو ٹھکانا ہوگا اس کے بارے میں خبر دی مومنین کے لیے جنات الماوی ہے وہ جنتوں کو ٹھکانہ بنائیں گے۔ جنات کو ماوی کی طرف مضاف کیا کیونکہ جگہ جگہ جنات کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ نُزُلًا کا معنی ضیافت ہے۔ نزل اسے کہتے ہیں جو آنے والے اور مہمان کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ سورۂ آل عمران کے آخر میں یہ بحث گزر چکی ہے یہ جنات سے حال کے طور پر منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی لھم الجنات معدۃ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول لہ ہو۔ جو ایمان سے کفر کی طرف نکلے ان کا مقام جہنم میں ہوگا۔ جب آگ کا شعلہ انہیں بلندی کی طرف لے جائے گا تو انہیں پھر جہنم میں ان کی جگہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا کیونکہ وہ اس سے نکلنے کی طمع رکھتے تھے۔ سورۂ حج میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے یا اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: اس آگ کے عذاب کو چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ ذوق کا لفظ محسوس چیز اور معنوی چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

''اور ہم ضرور چکھاتے رہیں گے انہیں تھوڑا تھوڑا عذاب بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ (فسق و فجور سے) باز آ جائیں''۔

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ حضرت حسن بصری، ابو العالیہ، ضحاک، ابی بن کعب اور ابراہیم نخعی نے کہا: الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ سے مراد دنیا کے مصائب اور اس کی بیماریاں ہیں جس کے ساتھ بندوں کو آزمایا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ توبہ کریں گے (1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد حدود ہیں؛ حضرت ابن مسعود، حضرت حسن بن علی اور حضرت عبد اللہ بن حارث سے مروی ہے۔ اس سے مراد غزوۂ بدر کے روز قتل کرنا ہے۔ مقاتل نے کہا: مراد مکہ مکرمہ میں سات سال تک خشک سالی ہے یہاں تک کہ انہوں نے مردار کھائے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ سے مراد عذاب قبر ہے؛ یہ حضرت براء بن عازب کا قول ہے۔ انہوں نے کہا: اکبر سے مراد یوم قیامت کا عذاب ہے۔ قشیری نے کہا: مراد عذاب قبر ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ کہا: جس نے عذاب کا اطلاق قتل پر کیا ہے تو اس نے لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ کا معنی کیا ہے ان میں سے جو باقی بچے وہ شاید لوٹ آئیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عذاب اکبر سے مراد عذاب جہنم ہے، مگر جو امام جعفر بن محمد سے مروی

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 285

ہے کہ اس سے مراد حضرت امام مہدی کا تلوار کے فیصلہ کے ساتھ نکلنا ہے۔ الادنی سے مراد بھاؤ کا زیادہ ہو جانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ** کا معنی مجاہد اور براء کے قول کے مطابق ہے۔

شاید وہ رجوع کا ارادہ کریں اور اسے طلب کریں، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا** (السجدہ:12) رجوع کے ارادہ کو رجوع کا نام دیا جس طرح قیام کے ارادہ کو قیام کا نام دیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ** (المائدہ:6) اس پر اس کی قراءت بھی دلالت کرتی ہے جس نے اسے یُرجعون مجہول کا صیغہ پڑھا؛ زمخشری نے اسے ذکر کیا۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝۲۲

''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جسے نصیحت کی گئی اس کے رب کی آیتوں سے پھر اس نے روگردانی کی ان سے بے شک ہم مجرموں سے ضرور بدلہ لیں گے''۔

یعنی اس آدمی سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جس کو اس کے رب کی آیات یعنی دلائل اور علامات کے ساتھ نصیحت کی گئی پھر اس نے قبول کو ترک کر کے ان سے اعراض کیا تو ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں کیونکہ انہوں نے جھٹلایا اور اعراض کیا۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۲۳ وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۭ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝۲۴ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۲۵

''اور بے شک ہم نے عطا فرمائی تھی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب تو آپ شک میں مبتلا نہ ہوں اس کتاب کے ملنے سے اور ہم نے بنایا تھا اسے ہدایت بنی اسرائیل کے لیے اور ہم نے بنایا ان میں سے بعض کو پیشوا، وہ رہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے اور جب تک وہ ہماری آیتوں پر پختہ یقین رکھتے تھے۔ بے شک آپ کا پروردگار ہی فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن امور میں وہ (باہمی) اختلاف کیا کرتے تھے''۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات میں شک میں مبتلا نہ ہو؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے۔ قتادہ نے کہا: آپ اس بارے میں شک میں مبتلا نہ ہوں کہ آپ معراج کی رات ان سے ملے ہیں۔ معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے روز حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات میں شک میں مبتلا نہ ہوں۔ آپ ضرور اس روز ان سے ملیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ اس میں شک میں مبتلا نہ ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کتاب کو قبول کیا؛ یہ مجاہد اور زجاج کا قول ہے(1)۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 366

حضرت حسن بصری سے مروی ہے، انہوں نے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: انہیں اذیت دی گئی اور انہیں جھٹلایا گیا آپ کو اس میں شک میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ جیسی تکذیب ان کی کی گئی اور جو اذیتیں انہیں دی گئیں وہ آپ کو بھی ملیں گی۔ ہاء ضمیر محذوف کی طرف لوٹ رہی ہے۔ لقاء کا معنی ملاقی ہے۔ نحاس نے کہا: یہ غریب قول ہے، مگر یہ عمرو بن عبید سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے کہہ دیجئے: وہ ملک الموت تمہاری روحوں کو قبض کرے گا جسے تمہاری موتوں کا ذمہ دار بنایا گیا ہے اس کی ملاقات میں شک نہ کیجئے یہ کلام وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ اور وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر ہے۔ وَ جَعَلْنٰهُ کی ضمیر میں دو وجوہ ہیں: (۱) ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے (۲) ضمیر الکتاب کے لیے ہے۔ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے(1)۔ وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً قائد اور مقتدیٰ بنادیا جن کی دین میں اقتدا کی جاتی ہے۔ کوفی ائمة پڑھا کرتے تھے۔ نحاس نے کہا: تمام نحویوں کے نزدیک یہ مناسب نہیں کیونکہ ایک کلمہ میں دو ہمزے جمع ہیں اور یہ نحو کا دقیق مسئلہ ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے: اصل میں یہ أَأْمِمة تھا پھر میم کی حرکت ہمزہ کو دی گئی اور میم میں ادغام کیا گیا اور دوسرے ہمزہ میں تخفیف کی گئی تاکہ دو ہمزے جمع نہ ہوں دو ہمزوں کو دو حرفوں میں جمع کرنا بعید ہے، جہاں تک ایک حرف کا تعلق ہے تو دوسرے ہمزہ میں تخفیف کے بغیر کوئی صورت جائز نہیں، جس طرح تیرا قول ہے: آدم و آخر۔ یوں کہا جاتا ہے: هذا أوم من هذا و أيم اسے واؤ اور یاء کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ سورۂ براءۃ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

بِاَمْرِنَا وہ مخلوق کو ہماری طاعت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ بِاَمْرِنَا یعنی ہم نے انہیں اس کا حکم دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بِاَمْرِنَا یہ لامرنا کے معنی میں ہے یعنی وہ لوگوں کو ہمارے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ پھر کہا گیا: مراد انبیاء علیہم السلام ہیں، یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فقہاء اور علماء ہیں۔ لَمَّا صَبَرُوْا عام لوگوں کی قراءت لمّا ہے۔ یعنی لام مفتوح، میم مشدد اور اس پر زبر ہے، یعنی جب انہوں نے صبر کیا۔ یحییٰ، حمزہ، کسائی، خلف اور اویس نے یعقوب سے لما صبروا قراءت نقل کی ہے، یعنی ان کے صبر کے باعث ہم نے انہیں ائمہ بنادیا۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت بما صبروا کی وجہ سے ابو عبید نے لما صبروا کی قراءت کو پسند کیا ہے۔ یہ صبر ایسا صبر ہے جو دین اور آزمائش پر صبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے دنیا سے صبر کیا۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یعنی وہ کافروں اور مومنوں کے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور ہر ایک کو ایسا بدلہ دیتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ انبیاء اور ان کی قوموں کے درمیان فیصلہ فرماتا ہے؛ یہ نقاش نے بیان کیا ہے۔

اَوَ لَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ ؕ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ ۝۲۶

''کیا یہ چیز ان کی ہدایت کا باعث نہ بنی کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کردیا حالانکہ یہ چل پھر

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 366

رہے ہیں ان کے مکانوں میں، بے شک ان میں (عبرت کی) کئی نشانیاں ہیں کیا وہ (ان در و دیوار سے داستان عبرت) نہیں لے رہے''۔

اَوَلَمْ یَھْدِ لَھُمْ ابو عبدالرحمن سلمی، قتادہ اور ابو زید نے یعقوب سے نھد لھم نون کے ساتھ قراءت کی ہے۔ یہ واضح قراءت ہے یاء کے ساتھ قراءت میں اشکال ہے کیونکہ یہ کہا جاتا ہے: فعل، فاعل سے خالی نہیں ہوتا تو یھد کا فاعل کیا ہے؟ نحویوں نے اس بارے میں گفتگو کی ہے۔ فراء نے کہا: کم، یھد کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ یہ نحویوں کے اپنے اصول کے خلاف ہے کلمہ استفہام میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا اور نہ ہی کم میں اس کا ماقبل عمل کرتا ہے۔ ابو العباس کا مذہب ہے کہ یھد الھدی پر دلالت کرتا ہے کلام کی صورت یہ بنے گی: أولم یھد لھم الھدی، ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت نہیں دی تو پھر یاء اور نون دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہو گا، یعنی کیا ہم نے ان کے لیے واضح نہیں کر دیا کہ ہم نے ان سے پہلے سابقہ قوموں کو ہلاک کیا۔

زجاج نے کہا: کم، أھلکنا کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ فعل میں ضمیر مرفوع احتمال رکھتی ہے کہ وہ ان چلنے والوں کے لیے ہو جو ہلاک ہونے والوں کے مسکنوں میں گھومتے پھرتے ہیں، یعنی یہ چلتے ہیں اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔ یہ احتمال موجود ہے کہ ہلاک ہونے والوں کے لیے ہو تو فعل حال ہو گا معنی ہو گا: ہم نے انہیں ہلاک کیا جب کہ وہ اپنے مسکنوں میں چلتے پھرتے تھے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ ؕ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور نصیحتوں کو نہیں سنتے کہ وہ اس سے نصیحت حاصل کرتے؟

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ اَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

''کیا انہوں نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم لے جاتے ہیں پانی بنجر زمین کی طرف پھر ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے سے کھیتی، کھاتے ہیں اس سے ان کے چوپائے اور وہ خود بھی، کیا وہ (یہ بھی) نہیں دیکھتے''۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ کیا وہ ہماری کمال قدرت کو نہیں جانتے کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف لے گئے جس میں کوئی نباتات نہیں ہوتی تا کہ ہم اسے زندہ کریں۔ زمخشری نے کہا: جرز ایسی زمین کو کہتے ہیں جس کی نباتات کاٹ دی گئی ہو(1)۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ پانی ہی نہ ہو یا اسے چرا گیا اور اسے زائل کر دیا گیا۔ وہ زمین جو کھیتی نہ اگائے جس طرح شوریدہ زمین ہوتی ہے اسے جرز نہیں کہتے، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد یمن کا علاقہ ہے۔

مجاہد نے کہا: یہ واضح ہے۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد پیاسی زمین ہے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد مردہ اور پیاسی زمین ہے۔

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 516

فراء نے کہا: ا سے مراد وہ زمین ہے جس میں نباتات نہ ہو۔ اصمعی نے کہا: ایسی زمین کو کہتے ہیں جو کوئی چیز نہیں اگاتی۔ محمد بن یزید نے کہا: یہ بعید ہے کہ اس سے مراد معین سرزمین ہو کیونکہ اس پر الف، لام داخل ہے مگر یہ جائز ہے اس کے قول کے مطابق جو یہ کہتا ہے: العباس، الضحاک۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ اسناد صحیح ہے اس میں کوئی طعن نہیں۔ یہ نعت ہے۔ اسم معرفہ کی نعت الف، لام کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ عربوں کے اس قول سے مشتق ہے: رجل جروز اس آدمی کے لیے کہتے ہیں جو ہر چیز کھا جاتا ہے کوئی باقی نہیں چھوڑتا۔ راجز نے کہا:

خَبٌ جَرُوز وإذا جاع بکی ویأکل التمر ولا یُلقی النَّوىٰ(1)

یہ کینہ ہے ہر چیز ہڑپ کر جاتا ہے جب بھوکا ہوتا ہے تو روتا ہے اور کھجور کھاتا ہے اور گٹھلی کو نہیں پھینکتا۔

اس طرح ناقۃ جروز ہوتی ہے جب وہ اونٹنی ہر اس چیز کو کھا جاتی ہے جسے وہ پاتی ہے۔ سیف جراز کاٹ دار تلوار۔ جرزت الجراد الزرع ٹڈی کھیت کو چٹ کر گئی۔ فراء اور دوسرے علماء نے کہا: یہ کہا جاتا ہے: ارض جُرُز، جُرْز، جَرْز، جَرَز اسی طرح الفاظ بخل، رعب، رہب ہے؛ ان چاروں الفاظ میں چار لغتیں ہیں۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے: یہ ایسے علاقے ہیں جن میں دریا نہیں، یہ سمندر ... رہیں، ہر سال ان میں موٹے قطرات والی بارش آتی ہے تو وہ سال میں تین دفعہ کاشت کرتے ہیں۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: یہ نیل کا علاقہ ہے۔ **فَنُخْرِجُ بِهٖ** ہاء ضمیر سے مراد پانی ہے۔ **زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ** یعنی گھاس وغیرہ۔ **وَ اَنْفُسُهُمْ** یعنی دانہ، سبزیاں اور پھل۔ **اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ** کیا وہ یہ نہیں دیکھتے تو وہ جانتے کہ ہم ان کو لوٹانے پر قادر ہیں۔ فنخرج یہ نسوق پر معطوف ہے یا اس کا ماقبل کلام سے تعلق نہیں۔ تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ نعت ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِيْمَانُهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾

''اور بار بار پوچھتے ہیں: یہ فیصلہ کب ہوگا؟ بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ آپ فرمایئے: فیصلے کے دن نہ فائدہ پہنچائے گا کافروں کو ان کا ایمان لانا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی''۔

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ، متی محل رفع میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ظرف ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہو۔ قتادہ نے کہا: فتح کا معنی فیصلہ کرنا ہے۔ فراء اور قتبی نے کہا: مراد فتح مکہ ہے۔ ان سب سے اولی وہ ہے جو مجاہد نے کہا ہے، یعنی یوم قیامت۔ یہ روایت بھی بیان کی گئی ہے کہ مومنوں نے کہا: عنقریب اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے گا، اللہ تعالیٰ محسن کو بدلہ عطا فرمائے گا اور گناہگار کو سزا دے گا۔ کفار نے بطور مذاق کہا: یوم فتح کب ہوگا؟ یعنی یہ حکم کب ہوگا؟

حکم کو فاتح اور مفتاح بھی کہتے ہیں کیونکہ اشیاء اس کے ہاتھ پر کھل جاتی ہیں اور جدا ہو جاتی ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے: **رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ** (الاعراف: 89) یہ بحث سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔ **قُلْ يَوْمَ**

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 367

الْفَتْحِ یوم ظرف کی بنا پر منصوب ہے اور فراء نے رفع بھی جائز قرار دیا ہے۔ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِیْمَانُهُمْ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ انہیں توبہ کے لیے مہلت نہیں دی جائے گی اگر یوم فتح سے مراد یوم بدر یا فتح مکہ ہو۔ غزوہ بدر میں وہ قتل کیے گئے اور فتح مکہ کے روز وہ بھاگ گئے حضرت خالد بن ولید پیچھے سے انہیں آ کر ملے اور انہیں قتل کیا۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ انْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ۠ ﴿۳۰﴾

''پس (اے حبیب!) رخ (انور) پھیر لیجئے ان سے اور انتظار فرمائیے وہ بھی منتظر ہیں''۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے ان کی بے وقوفی سے اعراض کیجئے اور انہیں جواب نہ دیجئے مگر جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا۔ وَ انْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ یوم فتح کا انتظار کیجئے جس روز اللہ تعالیٰ ان کے خلاف تمہارے حق میں فیصلہ فرمائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قریش مکہ میں سے مشرکوں سے اعراض کیجئے۔ آیت سیف کے ساتھ یہ منسوخ ہے جو سورت براءت میں ہے: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (توبہ: 5)

وَ انْتَظِرْ میرا جو تجھ سے وعدہ ہے اس کا انتظار کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد یوم بدر ہے۔ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ وہ تمہارے بارے میں حادثات زمانہ کا انتظار کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ منسوخ نہیں کیونکہ قتال کے حکم کے ہوتے ہوئے اعراض ہو سکتا ہے جس طرح صلح وغیرہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ ان سے اعراض کر لیجئے بعد اس کے کہ آپ نے حجت پہنچا دی آپ بھی انتظار کیجئے وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے: وہ قیامت کا کیسے انتظار کرتے ہیں جب کہ وہ ایمان بھی نہیں رکھتے؟ اس کے دو جواب ہیں: (۱) وہ موت کا انتظار کرتے ہیں جب کہ وہ قیامت کے اسباب میں سے ہے تو یہ مجاز ہوگا (۲) ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو شک میں مبتلا تھے اور ان میں سے کچھ ایسے تھے جو قیامت پر ایمان رکھنے والے تھے۔ تو یہ ان دونوں قسموں کو جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابن سمیقع نے پڑھا انهم منتظرون ظاء مفتوح ہے؛ یہ مجاہد اور ابن محیصن سے مروی ہے۔ فراء نے یہ کہا: یہ اضمار کی صورت میں ہی صحیح ہو سکتا ہے، معنی ہوگا: ان کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: صحیح کسرہ ہے یعنی آپ ان کے عذاب کا انتظار کریں وہ تیری ہلاکت کا انتظار کرنے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ابن سمیقع کی قراءت ظاء کے فتحہ کے ساتھ ہے، اس کا معنی ہے: ان کی ہلاکت کا انتظار کیجئے بے شک وہ اس امر کے حق دار ہیں کہ ان کی ہلاکت کا انتظار کیا جائے (1)، یعنی وہ ہر حال میں ہلاک ہونے والے ہیں۔ آپ اس کا انتظار کیجئے کیونکہ آسمان میں فرشتے اس کا انتظار کر رہے ہیں؛ زمخشری نے اس کا ذکر کیا ہے؛ یہ فراء کے قول کا معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 517

سورۃ الاحزاب

آیاتہا ۷۳ ۳۳ سورۃ الاحزاب مدنیۃ ۹۰ رکوعاتہا ۹

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے۔ یہ سورت منافقوں، جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں دیتے، آپ پر طعن کرتے اور آپ کے نکاح کرنے وغیرہ کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ تہتر آیات ہیں۔ یہ سورت، سورۂ بقرہ کے برابر تھی اس میں آیت رجم تھی الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما البتة نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم۔

حضرت ابی بن کعب سے ابوبکر انباری نے اسے ذکر کیا ہے۔ اہل علم اسے اس پر محمول کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب سے بڑھ کر اپنی طرف اٹھالیا ہے جس قدر یہ ہمارے پاس موجود ہے۔ آیت رجم کے الفاظ اٹھا لیے گئے۔ احمد بن ہیثم بن خالد، ابوعبید قاسم بن سلام سے وہ ابن ابی مریم سے وہ ابن لہیعہ سے وہ ابوالاسود سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ''سورۃ احزاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دوسو آیات کے برابر تھی جب مصحف کی کتابت کی گئی تو اس پر قدرت ہوئی جو اس وقت موجود ہے''۔ ابوبکر نے کہا: حضرت ام المومنین کے قول کا معنی یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب سے اس سے زائد اٹھالیا جتنی اس وقت ہمارے پاس موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ نسخ کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔ سورۃ البقرہ میں بحث مفصل گزر چکی ہے۔ زر نے روایت کی ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے مجھے کہا: تم سورۃ الاحزاب کی کتنی آیات شمار کرتے ہو؟ میں نے عرض کی: تہتر آیات۔ کہا: اس ذات کی قسم جس کے ساتھ ابی قسم اٹھاتا ہے یہ سورۂ بقرہ کی مثل تھی یا اس سے طویل تھی۔ ہم نے اس میں سے آیت رجم کی قراءت کی: الشیخ والشیخوخة اذا زنیا فارجوھما البتة نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ حضرت ابی نے ارادہ کیا کہ یہ بھی ان میں سے ہے جسے قرآن سے منسوخ کر دیا گیا ہے، جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ وہ زیادہ حصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھا اور ایک بکری کھا گئی تھی تو یہ بے دینوں اور رافضیوں کی اختراع ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۙ۝۱

''اے نبی (مکرم!) حسب سابق) ڈرتے رہیے اللہ تعالیٰ سے اور نہ کہنا مانیے کفار اور منافقین کا بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، بڑا دانا ہے''۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ ای کے کلمہ کو ملایا گیا کیونکہ منادی مفرد ہے اور تنبیہ اسی کو لازم ہے لفظ النَّبِیُّ نحویوں کے نزدیک

اس کی صفت ہے مگر اخفش کے نزدیک صفت نہیں، کیونکہ وہ کہتا ہے: یہ ای کا صلہ ہے۔ مکی نے کہا: کلام عرب میں یہ معروف نہیں کہ اسم مفرد کسی شے کا صلہ ہو۔ نحاس نے کہا: اکثر نحویوں کے نزدیک یہ غلط ہے کیونکہ صلہ جملہ ہوا کرتا ہے۔ اس نے جو کہا اس کی صحت کے لیے یہ حیلہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ نعت لازم ہے اسے صلہ کا نام دیا گیا۔ کوئی نکرہ کی نعت کو صلہ کا نام دیتے ہیں۔ اکثر نحویوں کے نزدیک محل کا اعتبار کرتے ہوئے نصب دینا جائز نہیں۔ مازنی نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اس نے اسے تیرے اس قول کی طرح بنایا ہے: یا زید الظریف زید کے محل کا اعتبار کرتے ہوئے الظریف کو نصب دی۔ مکی نے کہا: یہ ایسی نعت ہے جس سے موصوف غنی ہوتا ہے اور ای کی نعت سے موصوف غنی نہیں ہوتا اس وجہ سے محل کا اعتبار کرتے ہوئے اسے نصب دینا جائز نہیں ہوتا۔ نیز یہ بھی ہے کہ ای کی نعت معنی میں منادی ہوا کرتی ہے اس وجہ سے اسے نصب دینا جائز نہیں۔ یہ روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی آپ پسند کرتے تھے کہ یہودی اسلام قبول کر لیں۔ وہ بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع تھے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے نفاق کی صورت میں آپ کی اتباع کی۔ آپ ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے ان کے چھوٹے بڑے کی تعظیم کرتے جب ان میں سے کسی سے کوئی غلطی ہو جاتی تو آپ ان سے درگزر فرماتے، آپ ان کی باتیں سنتے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت ابوسفیان بن حرب، عکرمہ بن ابی جہل، ابوالاعور بن سفیان کے حق میں نازل ہوئی جس کا ذکر واحدی، قشیری، ثعلبی، ماوردی وغیرہ نے کیا۔ یہ غزوہ احد کے بعد رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس آئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امان دی تھی کہ وہ بات چیت کر لیں۔ ان کے ساتھ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور طعمہ بن ابیرق بھی آیا۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی جب کہ آپ کے پاس حضرت عمر بن خطاب موجود تھے: ہمارے معبودوں لات، عزیٰ اور مناۃ کا ذکر چھوڑ دیں اور یہ کہ وہ جو ان کی عبادت کرے یہ ان کی شفاعت کریں گے اور ان کا دفاع کریں گے، ہم تجھے اور تیرے رب کو چھوڑتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا شاق گزرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ان کے قتل کی اجازت دیجئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں نے انہیں امان دی ہوئی ہے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کے غضب کے ساتھ نکل جاؤ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ طیبہ سے نکال دیا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈریئے۔ **وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ** اہل مکہ کے کافروں کی اطاعت نہ کیجئے۔ یہاں کافروں سے مراد ابوسفیان، ابو اعور اور عکرمہ ہیں۔ **وَ الْمُنٰفِقِیْنَ** اہل مدینہ کے منافق مراد عبداللہ بن ابی، طعمہ اور عبداللہ بن ابی سرح ہیں۔ ان تمام امور میں ان کی بات نہ مانیے جس سے آپ کو منع کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف مائل نہ ہوں۔ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا** اللہ تعالیٰ ان کے کفر کو جانتا ہے اور ان کے ساتھ جو بھی معاملہ کرتا ہے اس میں حکیم ہے۔ زمخشری نے کہا: یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ابوسفیان بن حرب، عکرمہ بن ابی جہل اور ابو اعور السلمی اس دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جو باہم صلح کا دور تھا۔ ان کے ساتھ عبداللہ بن ابی، معتب بن قشیر اور جد بن قیس بھی حاضر ہوئے۔ انہوں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: ہمارے معبودوں کا ذکر کرنا چھوڑ دیجئے۔ اور پھر ماقبل روایت کے ہم معنی روایت ذکر کی۔ آیت اس عہد و پیمان کو توڑنے کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ مراد مکہ مکرمہ کے کافر ہیں۔ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ مراد اہل مدینہ کے منافق ہیں۔ ان امور میں ان کی بات نہ مانیے جن کا انہوں نے مطالبہ کیا ہے۔ یہ روایت کی گئی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دی کہ وہ اپنا دین چھوڑ دیں۔ وہ اپنے اموال کا ایک حصہ آپ کو دے دیں گے۔ شیبہ بن ربیعہ اپنی بیٹی کا رشتہ آپ کو دے دے گا۔ مدینہ کے منافقوں نے آپ کو ڈرایا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دین سے رجوع نہ کیا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیں گے، تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ نحاس نے کہا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا سے یہ دلیل ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف مائل تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود انہیں اسلام کی طرف دعوت دینا تھا، یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ آپ کے ان کی طرف میلان میں کوئی منفعت ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے منع نہ کرتا کیونکہ وہ حکیم ہے، پھر یہ کہا گیا: خطاب آپ کو اور آپ کی امت کو ہے۔

وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾

"اور پیروی کرتے رہیے جو وحی کیا جاتا ہے آپ کی طرف اپنے رب کی جانب سے یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے رہتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے (اور اے محبوب!) بھروسہ رکھیے اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز"۔

وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ مراد قرآن حکیم ہے اس میں جاہلیت کے مراسم کی اتباع سے جھڑکنا ہے اور ان سے جہاد کرنے اور لاتعلق ہونے کا حکم ہے اس میں ایسی دلیل موجود ہے کہ اس کی موجودگی میں رائے کی اتباع کو ترک کر دیا جائے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کو ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا عام قراءت خطاب کی تاء کے ساتھ ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ سلمی، ابو عمرو اور ابن ابی اسحاق کی قراءت یعملون ہے یعنی یہ غائب کا صیغہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان: بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ (الفتح) میں ہے۔

وَّ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے وہی تیرا دفاع کرے گا اور جو آدمی تیرا ساتھ چھوڑ جائے وہ تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا، وکیل کا معنی نگہبان ہے۔ اہل شام کے ایک شیخ نے کہا: بنوثقیف کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ایک سال تک لات سے انہیں متمتع ہونے دیں یہی وہ طاغیہ ہے جس کی بنوثقیف عبادت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے عرض کی: تاکہ قریش ہمارے اس مقام و مرتبہ کو جان لیں جو ہمارا آپ کے ہاں ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ارادہ کر لیا، تو یہ آیت نازل ہوئی یعنی آپ جن

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 430
2۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 519

باتوں میں خوف کھاتے ہیں ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کافی ہے۔ بِاللّٰهِ محل رفع میں ہے کیونکہ یہ فاعل ہے وَكِيْلًا یہ بیان اور حال کے طریقہ پر منصوب ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝

''نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے لیے دو دل اس کے شکم میں اور نہیں بنایا اس نے تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں اور نہیں بنایا اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے فرزند یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ تو سچی بات کہتا ہے اور وہ ہدایت دیتا ہے سیدھی راہ پر چلنے کی''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مجاہد نے کہا: یہ آیت قریش کے ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی، اس کی ذہانت کی وجہ سے اسے ذاالقلبین (دو دلوں والا) کہا جاتا۔ وہ خود بھی کہتا: میرے پیٹ میں دو دل ہیں میں ان دونوں میں سے ہر ایک سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل سے بہتر سمجھتا ہوں۔ کہا: وہ فہر قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ واحدی، قشیری وغیرہما نے کہا: یہ آیت جمیل بن معمر فہری کے بارے میں نازل ہوئی وہ جو سنتا اسے یاد کر لیتا۔ قریش نے کہا: وہ اشیاء کو یاد نہیں رکھتا مگر اس کے دو دل ہیں۔ وہ کہتا: میرے دو دل ہیں میں ان دونوں کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھ بوجھ سے بہتر سمجھ بوجھ رکھتا ہوں۔ جب غزوہ بدر کے موقع پر مشرکوں کو شکست ہوئی ان کے ساتھ جمیل بن معمر بھی تھا ابوسفیان نے اسے اونٹوں کے قافلہ میں دیکھا جب کہ وہ ایک جوتا اپنے ایک ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا اور دوسرا جوتا اس کے پاؤں میں تھا۔ ابوسفیان نے پوچھا: لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: لوگ بھاگ گئے ہیں۔ ابوسفیان نے پوچھا: کیا وجہ ہے تیرا ایک جوتا تیرے ایک ہاتھ میں اور دوسرا جوتا تیرے پاؤں میں ہے؟ اس نے کہا: میں نے یہی خیال کیا کہ یہ دونوں میرے پاؤں میں ہیں۔ لوگوں کو اس روز پتہ چلا اگر اس کے دو دل ہوتے تو وہ اپنا جوتا اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بھولا نہ ہوتا (1)۔ سہیلی نے کہا: جمیل بن معمر جمحی یہ ابن معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح تھا جمح کا نام تیم تھا اس کو ذوالقلبین کہا جاتا اس کے بارے میں آیت نازل ہوئی۔ اس کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

وكيف ثوائي بالمدينة بعدما ۔ قضى وطرًا منها جَمِيلُ بن معمر

مدینہ میں میرا ٹھکانہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ جمیل بن معمر اپنا مطلب حاصل کر چکا ہے۔

میں نے کہا: جمیل بن معمر نے اس طرح کہا ہے۔ زمخشری نے کہا: جمیل بن اسد فہری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا سبب یہ ہے کہ کسی منافق نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دل ہیں کیونکہ بعض اوقات وہ ایک امر میں ہوتے ہیں پھر

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 431

دوسرے میں شروع ہوتے ہیں پھر پہلے امر کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اس موقع پر انہوں نے کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلایا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت عبداللہ بن خطل کے بارے میں نازل ہوئی۔ زہری اور ابن حبان نے کہا: یہ حضرت زید بن حارثہ میں تمثیل کے طور پر نازل ہوئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متبنیٰ بنایا۔ مطلب ہے جس طرح ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک بچہ دو مردوں کا نہیں ہو سکتا۔ نحاس نے کہا: یہ قول ضعیف ہے لغت میں صحیح نہیں یہ زہری کی منقطعات میں سے ہے معمر نے اسے اس سے روایت کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مثال ہے جو مظاہر کے لیے بیان کی گئی ہے یعنی جس طرح ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے اسی طرح مظاہر کی بیوی اس کی ماں نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ اس کی دو مائیں ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منافقوں میں سے ایک کہا کرتا تھا: میرا ایک دل ہے جو مجھے اس امر کا حکم دیتا ہے اور میرا دوسرا دل ہے جو مجھے اس امر کا حکم دیتا ہے۔ منافق دو دلوں والا ہوتا ہے مقصود منافق کا رد کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایمان اور کفر ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے، جس طرح دو دل ایک پیٹ میں جمع نہیں ہو سکتے۔ معنی ہے دو مختلف اعتقاد ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ آیت سے مجموعی طور پر چند ایسی اشیاء کی نفی ظاہر ہوتی ہے اس وقت عرب جن چیزوں کا اعتقاد رکھتے تھے اور حقیقت کا اظہار ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قلب صنوبرہ کی شکل میں گوشت کا چھوٹا سا لوتھڑا ہے (2)۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا اور اسے علم کا محل بنایا۔ بندہ اس سے ایسے علوم جمع کر لیتا ہے جو کتابوں میں جمع نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس میں خط الٰہی میں لکھتا رہتا ہے اور حفظ ربانی کی صورت میں ضبط کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کو شمار کر لیتا ہے اور اس میں سے کسی چیز کو نہیں بھولتا۔ وہ دو لموں کے درمیان ہے ایک لمہ فرشتے کی جانب سے ہوتا ہے اور ایک لمہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، امام ترمذی نے اسے نقل کیا (3)۔ سورۂ بقرہ میں بحث گزر چکی ہے۔ یہ خطرات، وساوس کا محل، کفر و ایمان کا مکان، اصرار اور بار بار عمل کا محل، پریشانی اور طمانیت کا محل ہے اس میں ہر اس چیز کی نفی ہے جس کے بارے میں حقیقت و مجاز کا کوئی وہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ کسی کے بھی دو دل نہیں اس میں ان منافقین پر طعن ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے یعنی دل ایک ہی ہے یا تو اس میں ایمان ہو گا یا اس میں کفر ہو گا، کیونکہ نفاق کا درجہ گویا درمیانی درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی کی اور اس امر کو واضح کیا کہ یہ ایک دل ہے۔ اس طریقہ پر انسان اس آیت سے استدلال کرتا ہے جب وہ کسی چیز کو بھول جاتا ہے یا اسے وہم ہوتا ہے۔ وہ معذرت کے طریقہ پر کہتا ہے: اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے دل میں دو دل نہیں بنائے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ مرد کا اپنی بیوی سے کہنا: انت علی کظہر امی یہ

1۔ جامع ترمذی، باب و من سورۃ الاحزاب، حدیث نمبر 3123، ضیاء القرآن پبلی کیشنز　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1504

3۔ جامع ترمذی، باب و من سورۃ البقرۃ، حدیث نمبر 2914، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بحث سورۂ مجادلہ میں مذکور ہے۔ جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔

مسئلہ نمبر5۔ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَآءَ كُمْ علماء تفسیر نے اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ائمہ نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم حضرت زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (1) جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے: حضرت زید کو شام سے گرفتار کیا گیا تہامہ کے ایک گھڑ سوار دستہ نے اسے گرفتار کیا اور اسے حکیم بن حزام بن خویلد نے خریدا اس نے یہ غلام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کو ہبہ کر دیا۔ حضرت خدیجہ نے یہ غلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آزاد کر دیا اور اپنا متبنیٰ بنالیا۔ حضرت زید ایک عرصہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رہے پھر ان کا چچا اور ان کا والد آئے وہ ان کا فدیہ دینا چاہتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے فرمایا۔ یہ بعثت سے قبل کا واقعہ ہے: دونوں اس کو اختیار دے دو اگر وہ تم دونوں کو اختیار کر لے تو وہ فدیہ کے بغیر تمہارا ہے" تو حضرت زید نے اپنی آزادی اور اپنی قوم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کہا: "اے قریش کی جماعت! گواہ رہنا یہ میرا بیٹا ہے، یہ میرا وارث بنے گا اور میں اس کا وارث بنوں گا"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے حلقوں پر چکر لگاتے اور انہیں اس امر پر گواہ بناتے۔ اس پر اس کا چچا اور ان کا باپ راضی ہو گئے اور واپس چلے گئے۔ جب ان کو گرفتار کیا گیا تو ان کا باپ شام میں گھومتا اور کہتا (2):

بکیتُ علی زیدٍ ولم أدرِ ما فعل　أحیٌّ یُرجی أم أتی دونه الأجلُ

فواللہ لا أدری وإنی لسائل　أغالك بعدی السّهلُ أم غالك الجبلُ

فیالیت شعری هل لك الدهرَ أوبةٌ　فحسبی من الدنیا رجوعُك لی بَجَلْ

تُذَكِّرُنیه الشمس عند طلوعها　وتَعْرِض ذكراه إذا غَرْبُها أفَلْ

وإن هَبّت الأریاح هَیّجْنَ ذِكرَه　فیا طول حُزْنی علیه وما وَجَلْ

سأعمل نصَّ العِیسِ فی الأرض جاهدًا　ولا أسأم التّطواف أو تسأم الإبل

حیاتی أو تأتی علیّ مَنِیّتی　فكلّ امرءٍ فانٍ وإن غَرّه الأملْ

میں زید پر رویا میں نہیں جانتا اس کے ساتھ کیا ہوا کیا وہ زندہ ہے کہ اس سے امید کی جائے یا اسے موت آ چکی ہے۔ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا میں تو سائل ہوں کیا میرے بعد ہموار زمین نے تجھے پکڑ لیا یا پہاڑ نے تجھے پکڑ لیا؟ کاش! میں جانتا کہ زمانہ میں تیرا لوٹنا ہے۔ ہاں میرے لیے دنیا میں سے تیرا لوٹنا ہی کافی ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کا طلوع مجھے اس کی یاد دلاتا ہے جب وہ غروب ہونے لگتا ہے تو اس کی یاد آ جاتی ہے اگر ہوائیں چلیں تو اسی کے ذکر کو بھڑکا دیتی ہیں۔ ہائے اس پر طویل حزن اور خوف! میں زمین میں کوشش کرتے ہوئے اونٹ کو کام میں لاؤں گا۔ میں اس وقت تک نہیں اکتاؤں گا یہاں تک کہ اونٹ اکتا جائے۔ میری زندگی کی قسم! یا مجھ پر موت آ جائے پس ہر آدمی فانی ہے اگرچہ امید اسے دھوکا میں ڈال دے۔

1۔ صحیح مسلم، الفضائل، فضائل زید بن حارثہ، جلد 2، صفحہ 283　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 368

اسے بتایا گیا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ہے وہ اپنے بیٹے کے پاس آیا اور اس کے پاس ہلاک ہو گیا۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے پاس آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا جس طرح ہم نے ذکر کیا اور وہ وہیں چلا گیا(1)۔ اس کے ذکر، فضل اور شرف میں سے ایسی بحث آئے گی جو کافی وشافی ہوگی۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (الاحزاب:37) ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت زید بن حارثہ آٹھ ہجری میں شام کے علاقہ میں مؤتہ میں شہید ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں انہیں امیر بنایا تھا۔ فرمایا: ''اگر حضرت زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر اگر حضرت جعفر طیار شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ یہ تینوں جلیل القدر صحابہ کرام اس غزوہ میں شہید ہو گئے''(2)۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت زید اور حضرت جعفر کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ روئے۔ فرمایا: اخوای، مونسای و محدثای۔ میرے دونوں بھائی، میرے دو غمگسار اور مجھ سے باتیں کرنے والے۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْكُمْ ؕ وَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

''بلایا کرو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے یہ زیادہ قرین انصاف ہے اللہ کے نزدیک، اگر تمہیں علم نہ ہو ان کے باپوں کا تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں، اور نہیں ہے تم پر کوئی گرفت جو تم نادانستہ کر بیٹھو البتہ وہ کام جو تمہارے دل قصداً کرتے ہیں ان پر ضرور گرفت ہوگی اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے حق میں نازل ہوئی جس طرح پہلے وضاحت گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ہم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد پکارا کرتے تھے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ متبنی بنانا دور جاہلیت اور دور اسلام کا معمول تھا۔ اس کے ذریعہ باہم وارث بنا جاتا اور باہم ایک دوسرے کی مدد کی جاتی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کے ساتھ اس عمل کو منسوخ کر دیا: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی انصاف والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متبنی بنانے کا حکم ختم کر دیا یہ لفظ بولنے سے منع کر دیا اور اپنے اس ارشاد کے ساتھ اس کی طرف رہنمائی کی کہ اولیٰ اور موزوں یہ ہے کہ مرد اس کے نسبی باپ کی طرف منسوب کیا جائے۔ یہ کہا جاتا ہے: دور جاہلیت میں جب کسی آدمی کو اس کی بہادری اور ظرافت اچھی لگتی تو وہ آدمی اسے اپنے ساتھ ملا لیتا اور اپنی میراث میں سے مذکر اولاد کے برابر اس کا حصہ مقرر کر دیتا۔ اس لڑکے کو اس آدمی کی طرف منسوب کیا جاتا اور کہا جاتا: فلاں بن فلاں۔ نحاس نے کہا: یہ آیت اس متبنی بنانے کے حکم کو منسوخ کرنے والی ہے جو ان کے ہاں پہلے سے رواج تھا۔ اس میں سنت کو آیت سے منسوخ کرنے کا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1505
2۔ دلائل النبوۃ، جلد 4، صفحہ 361

ثبوت ملتا ہے۔ تو حکم دیا گیا کہ جس کو بھی بلاؤ اسے اس کے معروف باپ کی نسبت سے بلاؤ۔ اگر اس کا باپ معروف نہ ہو تو اس کو اس کی ولاء (☆) کی طرف منسوب کرو اگر اس کی ولاء بھی معروف نہ ہو تو اسے کوئی بلائے تو یوں بلائے: یا اخی یعنی اے میرے دینی بھائی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات: 10)

مسئلہ نمبر 2۔ اگر کسی آدمی نے اسے ایسے باپ کی طرف منسوب کردیا جس کا وہ متبنی تھا اگر تو یہ غلطی سے ہوا یعنی بغیر ارادہ کے اس کی زبان پر آ گیا تو اس پر کوئی گناہ اور مواخذہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰکِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُکُمْ اسی طرح اگر تو کسی آدمی کو بلاتا ہے اور اس کی نسبت اس کے اپنے باپ کی طرف کرنے کی بجائے کسی اور کی طرف کرتا ہے جب کہ تو خیال کرتا ہے یہ اس کا باپ ہے تو تجھ پر کوئی حرج نہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ یہ حکم اس پر جاری نہیں ہوگا جس کا متبنی ہونے کے اعتبار سے نام زیادہ مشہور ہو گیا ہو جس طرح حضرت مقداد بن عمرو، ان پر متبنی ہونے کے اعتبار سے نام غالب آ گیا تھا۔ یہ حضرت مقداد بن اسود کے نام سے مشہور و معروف تھے کیونکہ اسود بن یغوث نے دور جاہلیت میں انہیں متبنی بنایا تھا اور اسی وجہ سے معروف و مشہور تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی مقداد نے کہا: میں ابن عمرو ہوں۔ اس کے باوجود اس پر اطلاق باقی رہا۔ جو علماء گزر چکے ہیں ان میں سے کسی سے یہ نہیں سنا گیا کہ اس پر اس نام کا اطلاق کرنے والے کو گناہگار قرار دیا گیا ہو اگرچہ وہ جان بوجھ کر نام لے۔

اسی طرح حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ وہ مولی ابو حذیفہ کے نام سے پکارے جاتے ان کے علاوہ بھی کئی افراد ہیں جن کو متبنی بنایا گیا اور انہیں اپنے باپ کے علاوہ کی طرف منسوب کیا گیا، اس میں مشہور ہوئے اور وہ نام ان پر غالب آیا، لیکن حضرت زید بن حارثہ کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ انہیں اب زید بن محمد کہنا جائز نہیں اگر کسی نے جان بوجھ کر ایسا کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا۔ وَ لٰکِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُکُمْ تو پھر تم پر گناہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اسی وجہ سے بعد میں فرمایا: وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا غفور یعنی جان بوجھ کر اس عمل کے کرنے والے کو بخشنے والا ہے اور رَّحِیْمًا خطا کے اثم کو ختم کرنے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ یہ مجمل ہے یعنی تم نے جو غلطی کی ہے اس میں تم پر کوئی حرج نہیں؛ یہ عطا اور کثیر علماء کا فتویٰ تھا۔ اسی تعبیر کی بنا پر کہا گیا: جب کوئی آدمی قسم اٹھائے کہ وہ اپنے مقروض کا پیچھا نہیں چھوڑے گا یہاں تک کہ وہ اس سے اپنا پورا پورا حق لے لے، تو اس نے اس سے وہ دینار لے لیے جن کو وہ عمدہ خیال کرتا تھا پھر اس نے ان کو کھوٹے پایا تو اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی اسی طرح اس کے نزدیک یہ بھی ہے جب اس نے قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کو سلام نہیں کرے گا اس نے اسے سلام کیا جب کہ وہ اسے پہچانتا نہیں تھا وہ حانث نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اس میں قصد نہیں کیا۔ ما محل جر میں ہے (اس ما سے مراد وہ ما ہے جو مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُکُمْ میں ہے) اس ما کو اس ما کی

☆ ولاء، یہ ایک اصطلاح ہے عرب جس کی پناہ لیتے ان کے لیے یہ لفظ استعمال کرتے۔ جس کے غلام ہوتے اس کے لیے یہ لفظ استعمال کرتے بعد میں جس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا جاتا اس کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہونے لگا۔

طرف لوٹایا گیا ہے جو اخطاتم میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو کیونکہ مبتدا محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے ولکن الذی تؤاخذون بہ ما تعمدت قلوبکم قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: جس آدمی نے کسی کو اس کے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا جب کہ اس کا خیال ہو کہ وہ اس کا باپ ہے اس نے یہ بات خطأ کی تو یہ اس خطا سے ہوگی جس پر سے اللہ تعالیٰ نے گناہ کو اٹھا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ گفتگو کرتے ہوئے اسے یہ کہے: اے بیٹے! جب کہ اس نے یہ گفتگو اس کے متعلق کی جو اس کا متبنیٰ نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 4۔ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ، (1) بِاَفْوَاهِكُمْ قول کے باطل ہونے کی تاکید ہے، یعنی یہ ایسا قول ہے جس کی وجود میں کوئی حقیقت نہیں، یہ صرف زبانی قول ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: أنا امشی الیك علی قدمی میں قدموں پر چل کر تیرے پاس آؤں گا۔ اس سے مراد حسن معاملہ ہے، یہ کثرت سے واقع ہوتا ہے۔ یہ کئی مواضع پر بحث واقع ہوئی ہے۔

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ، اَلْحَقَّ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یقول القول الحق، یھدی اس کا معنی واضح ہے یہ فعل حرف جار کے واسطہ کے بغیر متعدی ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ الادعیاء یہ دعی کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو ایسے بیٹے کا دعویٰ کرے جس کا پہلے باپ معروف نہ ہو اور یا وہ اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے۔ مصدر دعوۃ دال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ادعیاء کو اپنے صلبی باپوں کے ساتھ بلایا جائے۔ جو آدمی اس اعتبار سے مجہول ہو اور ان کے نسب مشہور نہ ہوں تو وہ مولی اور دینی بھائی ہوگا۔ طبری نے ذکر کیا کہ ابوبکر نے اس آیت کو پڑھا اور کہا: میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کا باپ معروف نہیں میں تمہارا دینی بھائی اور مولیٰ ہوں۔ ان سے روایت کرنے والے نے کہا: اللہ کی قسم! اگر انہیں علم ہوتا کہ اس کا باپ گدھا ہے تو وہ اپنی نسبت اس سے کر لیتا۔ محدثین ابوبکر کے بارے میں یوں ذکر کرتے ہیں: نُفَیع بن حارث

مسئلہ نمبر 6۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوبکرہ دونوں کے بارے میں صحیح روایت مروی ہے کہا: میرے دونوں کانوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب کہ میرے دل نے اسے یاد رکھا: ''جس نے اپنی نسبت اپنے غیر باپ کی طرف کی جب کہ وہ جانتا ہے کہ یہ اس کا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے'' (2)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جس آدمی نے اپنے غیر باپ سے ہونے کا دعویٰ کیا جب کہ وہ اسے جانتا بھی ہو تو اس نے کفر کیا'' (3)۔

1۔ سورۃ احزاب کی آیت نمبر 4 کے الفاظ ہیں۔ تاہم تمام نسخوں میں یہ مسئلہ یہاں ہی مذکور ہے اگرچہ الفاظ کے ظاہر کو دیکھا جائے تو ان کا تعلق ماقبل آیت سے بنتا ہے۔

2۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، من ادعی الی غیر ابیہ، جلد 2، صفحہ 1007

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان حال الایمان من رغب، جلد 1، صفحہ 57

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ۙ

''نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں کتاب اللہ کی رو سے عام مومنوں اور مہاجرین سے مگر یہ کہ تم اگر چاہو اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی (تو اس کی اجازت ہے) یہ (حکم) کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے اور (اے حبیب!) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی، اور ہم نے ان سب سے پختہ عہد لیا تھا''۔

اس میں نو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یہ وہ آیت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو زائل فرمایا جو ابتداء اسلام میں تھے۔ (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی کا نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس کے ذمہ کوئی قرض ہوتا جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتوحات سے نوازا فرمایا: ''میں مومنوں سے ان کی ذاتوں سے زیادہ قریب ہوں جو مومن فوت ہو اور اس پر قرض ہو تو اس قرض کو ادا کرنا میری ذمہ داری ہے اور جو مال چھوڑ جائے تو اس کے وارثوں کا ہے'' (1)۔ دونوں صحیحوں نے نقل کیا ہے۔ ان میں یہ بھی ہے: ''تم میں سے جو قرض یا بال بچے چھوڑ جائے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں''۔ ابن عربی نے کہا: اب معاملہ گناہوں کی صورت میں پلٹ گیا ہے اگر وہ مال چھوڑ جائیں تو عصبات اس میں شریک ہوں گے اور اگر وہ بال بچے چھوڑ جائیں تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اس آیت میں ولایت مذکورہ کی یہ تفسیر اس تفسیر کی طرح ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور تنبیہ کی۔ ولا عطر بعد عروس عروس کے بعد کوئی عطر نہیں (2)۔

ابن عطیہ نے کہا: علماء عارفین میں سے ایک نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نفسوں سے زیادہ خیر خواہ ہیں کیونکہ ان کے نفوس انہیں ہلاکت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نجات کی طرف بلاتے ہیں۔ اسی امر کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کرتا ہے: انا آخذ بحجزكم عن النار وأنتم تقحمون فيها تقحم الفراش (3) میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ کر جہنم سے بچا رہا ہوں جب کہ تم اس میں یوں داخل ہونا چاہتے ہو جس طرح پتنگ آگ میں گرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کے معنی اور تفسیر میں یہ اچھا قول ہے۔ وہ حدیث جو ذکر کی گئی ہے اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، من ترك مالا فلاهله، جلد 2، صفحہ 997

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1508

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 370

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إنما مثلي و مثل أمتي كمثل رجل إستوقد نارا فجعلت الدواب والفراش يقعن فيه وأنا أخذ بحجزكم وانتم تقحمون فيه (1) میری اور میری امت کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو آگ کو روشن کرتا ہے تو جاندار اور پتنگ اس میں گرنا شروع ہو جاتے ہیں میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ کر آگ سے بچا رہا ہوں جب کہ تم اس میں گرنا چاہتے ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے: وأنتم تَفَلَّتُون من يدي جب کہ تم میرے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہو۔ علماء نے کہا: حجزہ پائجاموں کے لیے اور معقد تہبند کے لیے ہوتا ہے۔ مراد وہ جگہ ہے جہاں ان کی گرہ باندھی جاتی ہے۔ جب کوئی اس آدمی کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے جس کے گرنے کا خوف ہو تو اس کی یہی جگہ پکڑتا ہے۔ یہ اس میں مثال ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری نجات کے لیے تگ و دو کرتے ہیں اور وہ ہلاکتیں جو ہمارے سامنے ہیں ان سے ہمیں بچانے کے حریص ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہماری جانوں سے زیادہ خیر خواہ ہیں۔ ہم اس سے ناواقف ہیں، ہم پر ہماری شہوتوں کا غلبہ ہے اور ہمارا لعین دشمن ہم پر کامیاب ہو جاتا ہے تو ہم فراش سے زیادہ حقیر اور پتنگ سے زیادہ ذلیل ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: أولی بھم سے مراد ہے جب آپ کسی چیز کا حکم دیں اور نفس کسی اور چیز کی طرف دعوت دے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اطاعت کے زیادہ لائق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أولی بھم سے مراد ہے آپ زیادہ حق رکھتے ہیں کہ مومنوں کو حکم دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ان کی ذاتوں میں نافذ ہو یعنی جو وہ اپنے بارے میں حکم دیتے ہیں اور وہ آپ کے حکم کے خلاف ہوتا ہے اس کی بجائے آپ کا حکم اطاعت کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے کہا: امام پر لازم ہے کہ فقراء کا قرض بیت المال سے ادا کرے وہ اس امر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے وجوب کی تصریح کی ہے۔ فرمایا: فعلي قضاءه، الضیاع یہ ضاع کا مصدر ہے۔ پھر یہ لفظ ہر اس چیز کا نام بنا دیا گیا جو ضائع ہوا چاہتی ہو خواہ وہ اس کے عیال سے تعلق رکھتی ہو یا وہ بیٹے ہوں، جن کا کوئی کفیل نہ ہو اور مال ہو جس کا کوئی نگہبان نہ ہو۔ زمین کو ضیعہ کا نام دیا کیونکہ وہ ضائع ہونے کے لیے پیش کی جاتی ہے۔ اس کی جمع ضیاع ضاد کے کسرہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو شرف سے نوازا کہ انہیں مومنوں کی مائیں بنا دیا، یعنی ان کی تعظیم، ان کے ساتھ حسن سلوک، ان کی تکریم اور مردوں کے ساتھ ان کے نکاح کی حرمت واجب ہے اسی طرح اپنی ماؤں کے برعکس ان سے پردہ کرنا واجب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب ان کی شفقت ماؤں کی شفقت جیسی ہے تو انہیں ماؤں کے قائم مقام رکھا۔ پھر یہ ماں کا رشتہ میراث کو ثابت نہیں کرے گا جس طرح متبنی ہونے کی وجہ سے ماں کا رشتہ وراثت کو ثابت نہیں کرتا۔ ان کی بیٹیوں سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا جائز ہے انہیں لوگوں کی بہنیں نہیں بنایا جائے گا۔ آیت تطہیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعداد کا ذکر آئے گا۔ ان شاء اللہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، شفقة النبي صلی اللہ علیہ وسلم علی امته، جلد 2، صفحہ 248

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا وہ مردوں اور عورتوں کی مائیں ہیں یا صرف مردوں کی مائیں ہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں: امام شعبی نے مسروق سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں ایک عورت نے آپ سے کہا: اے ماں! حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں تیری ماں نہیں ہوں۔ میں صرف تمہارے مردوں کی ماں ہوں (1)۔ ابن عربی نے کہا: یہ صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: عورتوں کے سوا مردوں کے لیے اس حکم کی اباحت کے حصر کے اختصاص میں کوئی فائدہ نہیں میرے لیے جو امر ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ وہ مردوں اور عورتوں کی مائیں ہیں۔ مقصد اس حق کی عظمت کا اظہار ہے جو حق ان کا مردوں اور عورتوں پر ہے جس پر آیت کا ابتدائی حصہ دلالت کرتا ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ یہ حکم بدیہی طور پر مردوں اور عورتوں کو شامل ہوگا۔ اس پر حضرت ابو ہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ سب کی طرف لوٹ رہا ہے۔ پھر حضرت ابی کے مصحف میں وازواجه أمهاتهم و هو رب لهم کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے پڑھا من أنفسهم و هواب لهم و ازواجه امهاتهم یہ سب کچھ اس موقف کو کمزور کر دیتا ہے جسے مسروق نے روایت کیا اگر ترجیح کی جہت سے وہ صحیح ہو۔ اگر وہ صحیح نہ ہو تو تخصیص میں اس سے استدلال ساقط ہو جاتا ہے اور ہم اس اصل پر باقی رہ جاتے ہیں جو عموم ہے وہ عموم جو ذہنوں کی طرف جلدی سبقت لے جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مومنین سے مراد انصار اور مہاجرین سے مراد قریش ہیں اس میں دو قول ہیں: (۱) ہجرت کی وجہ سے جو وراثت جاری تھی اس کو منسوخ کر دیا۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ سورۃ الانفال میں یہ حکم نازل ہوا: وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا (الانفال: 73) مسلمان باہم ہجرت کی وجہ سے وارث بننے لگے۔ کوئی بدو مسلمان اپنے قریبی مسلم مہاجر کا اس وقت تک وارث نہ بنتا یہاں تک کہ وہ ہجرت کرتا پھر اس سورت میں اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ۔

(۲) یہ اس وراثت کے حکم کے لیے ناسخ ہے جو وراثت باہمی معاہدہ اور دینی مواخات کی وجہ سے جاری تھی۔ ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم جماعت قریش جب مدینہ طیبہ آئے تو ہمارے پاس کوئی مال وغیرہ نہیں تھا۔ ہم نے انصار کو بہت ہی اچھا بھائی پایا ہم نے ان سے مؤاخات قائم کی انہوں نے ہمیں اپنا وارث بنایا اور ہم نے انہیں وارث بنایا۔ حضرت ابو بکر صدیق حضرت خارجہ بن زید کے ساتھ بھائی بنے اور میں حضرت کعب بن مالک کے بھائی بنا میں اس کے پاس پہنچا میں نے اسے پایا کہ اسلحہ نے اسے بوجھل کیا ہوا ہے اللہ کی قسم! اگر وہ اس وقت دنیا سے فوت ہوتے تو میرے سوا ان کا کوئی وارث نہ ہوتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تو ہم اپنی اپنی وراثتوں کی طرف لوٹ گئے (2)۔

1۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1509　　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 375

حضرت عروہ سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت کعب بن مالک کے درمیان مؤاخات قائم کی حضرت کعب غزوۂ احد کے موقع پر مرتث ہوئے (وہ مجاہد جسے میدان جنگ سے باہر لایا جائے اور اس میں زندگی کے آثار ہوں) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان کی سواری کو لگام پکڑ کر لائے اگر اس روز حضرت کعب ضح اور ریح (کثیر مال) کے ساتھ فوت ہو جاتے تو حضرت زبیر ان کے وارث ہوتے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو واضح کیا کہ رشتہ داری باہمی معاہدہ سے اولیٰ ہے۔ جو باہمی معاہدہ سے وراثت جاری ہوئی اس کو ترک کر دیا گیا اور وہ قرابت سے وارث ہوئے۔ سورۃ الانفال میں ذوی الارحام کے وارث بننے کے احکام گزر چکے ہیں۔ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ میں احتمال ہے کہ مراد قرآن حکیم ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ مراد لوح محفوظ ہو جس میں مخلوق کے احوال کا فیصلہ کر دیا گیا۔ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ جار مجرور اولی کے متعلق ہے۔ اولو الارحام کے متعلق نہیں۔ یہی اجماع ہے کیونکہ یہ بعض مومنوں کی تخصیص کو ثابت کرتا ہے اس کے عموم میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہی اس کے اشکال کا حل ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے (1)۔ نحاس نے کہا: وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ یہ جائز ہے کہ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ، اُولُوْ کے متعلق ہو تو تقدیر کلام یہ ہوگی واولو الارحام من المومنین والمهاجرین یہ جائز ہے کہ معنی ہو مومنین سے اولیٰ۔ مہدوی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کا معنی ہے اولو الارحام ان میں سے بعض بعض سے کتاب اللہ میں قریبی ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے یہ جائز ہے کہ انہیں امہات المومنین کے نام سے پکارا جائے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ ماؤں کی طرح ہوں حرمت کے اعتبار سے اور انہیں دیکھنے کے اعتبار سے۔ اس بارے میں دو قول ہیں: (۱) وہ محرم ہیں انہیں دیکھنا حرام نہیں (۲) انہیں دیکھنا حرام ہے کیونکہ ان کے ساتھ نکاح کرنا اس لیے تھا کہ ان کے بارے میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے اس کی حفاظت کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی حفاظت اس میں ہے کہ ان کی طرف دیکھنا بھی حرام ہو، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب کسی بچے کو اپنے ہاں آنے کی اجازت دینا چاہتیں تو آپ اپنی بہن حضرت اسماء کو کہتیں کہ وہ اسے دودھ پلا دے تا کہ وہ ان کا بھانجا بن جائے تو وہ آپ کا محرم بن جاتا جس کے لیے آپ کو دیکھنا مباح ہو جاتا۔ جن عورتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری زندگی میں طلاق دے دی ان کے لیے حرمت کے ثبوت میں تین اقوال ہیں: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو غلبہ دیتے ہوئے ان کے لیے بھی یہ حرمت ثابت ہو جائے گی۔ (۲) ان کے لیے یہ حرمت ثابت نہیں ہوگی، بلکہ وہ تمام دوسری عورتوں کی طرح ہوں گی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عصمت کو ثابت کیا اور فرمایا: ''دنیا میں جو میری بیویاں ہیں وہی آخرت میں میری بیویاں ہوں گی''۔ (۳) ان میں سے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق زوجیت ادا کیے ان کی حرمت ثابت ہوگی اور اس کے ساتھ نکاح کرنا بھی حرام ہوگا اگرچہ آپ نے اسے طلاق دے دی۔ مقصد ان کی حرمت کی حفاظت اور آپ کی خلوت کی نگہبانی تھی۔

1۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1509

جس کے ساتھ دخول نہ کیا ان کے لیے یہ حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو رجم کرنے کا ارادہ کیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جدائی اختیار کی تھی۔ اور اس عورت نے بعد میں شادی کی تھی۔ اس عورت نے کہا: یہ حکم کس وجہ سے ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر پردہ نہیں ڈالا اور نہ اس کو ام المومنین کا لقب دیا گیا، حضرت عمر اس پر رجم کرنے سے رک گئے (1)۔

مسئلہ نمبر 6۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اب کا لفظ استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (الاحزاب:40) بلکہ کہا جائے گا: کمثل الاب للمومنین مومنوں کے لیے باپ کی طرح، جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إنما أنا لكم بمنزلة الوالد أعلمكم (2) میں تمہارے لیے والد کے قائم مقام ہوں میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ ابوداؤد نے اسے نقل کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ کہنا جائز ہے: انه اب للمومنین آپ حرمت و تکریم میں مومنوں کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (الاحزاب:40) یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے نسبی باپ نہیں۔ اس کی بحث بعد میں آئے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھا من أنفسهم وهو اب لهم وازواجه حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قراءت کو سنا اور اس کا انکار کیا۔ فرمایا: اے بچے! اس کا حکم۔ حضرت ابن عباس نے عرض کی: یہ حضرت ابی کے مصحف میں ہے۔ حضرت عمر حضرت ابی کی طرف گئے اور ان سے پوچھا۔ حضرت ابی نے آپ سے کہا: قرآن مجھے ہر چیز سے غافل رکھتا تھا اور آپ کو بازار میں تجارت ہر چیز سے بے نیاز رکھتی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے سخت جملے کہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے قول سے کہا تھا: هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ (ہود:78) مراد ان کی مومنات تھیں یعنی ان سے شادی کرو۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے: آپ کی بیٹیوں کو مومنوں کی بہنیں اور امہات المومنین کی بہنوں اور بھائیوں کو مومنوں کے خالو اور خالائیں نہیں کہا جائے گا۔ امام شافعی نے کہا: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے شادی کی جب کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ کی ہمشیرہ تھیں۔ انہیں مومنوں کی خالہ نہیں کہا گیا: ایک قوم نے اس لفظ کا اطلاق کیا اور کہا: حضرت معاویہ مومنوں کے خالو ہیں یعنی حرمت میں نہ کہ نسب میں خالو ہیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا مراد زندگی میں احسان اور موت کے وقت وصیت ہے یعنی یہ جائز ہے؛ یہ قتادہ، حسن بصری اور عطا کا نقطہ نظر ہے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی کہ کوئی مومن یہودی اور عیسائی کے حق میں وصیت کرے، یعنی مومن ولی اور قریبی رشتہ دار کے حق میں وصیت کرسکتا ہے اگرچہ وہ کافر ہو۔ مشرک نسب میں ولی ہے دین میں ولی نہیں پس وہ اس کے حق میں وصیت کرسکتا ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کیا کافر کو وصی بنایا جاسکتا ہے؟ بعض علماء نے اسے جائز قرار دیا اور بعض نے اس سے منع کیا۔ بعض علماء نے اس معاملہ کو سلطان کی طرف لوٹا دیا۔ ان میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مجاہد، ابن زید اور رمانی اس طرف گئے ہیں کہ معنی ہے: مومن اولیاء کے حق میں وصیت کرو۔ آیت

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 374

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، کراهیة استقبال القبلة عند قضاء، جلد 1، صفحہ 3

کے الفاظ اس مذہب کی تائید کرتے ہیں۔ ولی کو عام رکھنا یہ بھی اچھا ہے۔ نسب کی ولایت یہ کافر کو رد نہیں کرتی یہ اس امر کو رد کرتی ہے اس کے ساتھ محبت کا رشتہ قائم کیا جائے جس طرح اسلام کے اعتبار سے ولی سے محبت کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا، الْكِتٰبِ انہیں دو وجوہ کا احتمال رکھتی ہے جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہو چکا ہے۔ مَسْطُوْرًا یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے: سطرت الکتاب جب تو اسے سطروں کی صورت میں ثبت کر دے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ لکھا ہوا ہے کہ کوئی کافر مسلمان کا وارث نہیں بنے گا۔ قتادہ نے کہا: ایک قراءت میں ہے کان ذلک عند اللہ مکتوبا۔ قرظی نے کہا: مراد ہے تورات میں یہ اس طرح ہے۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ یعنی انبیاء کو جو ذمہ داریاں دی گئیں ان کو پورا کرنے کا وعدہ لیا گیا، یہ وعدہ لیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کو بشارت دیں گے اور ایک دوسرے کی تصدیق کریں گے یعنی وہ مسطور تھا جب اللہ تعالیٰ نے کہا جو کچھ ہونے والا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ لیا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: کان مسطورا حین کتب اللہ ما ھو کائن حین أخذ اللہ تعالیٰ المواثیق من الانبیاء، ومنك ضمیر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ان پانچ انبیاء و رسل کو خاص کیا اگرچہ یہ انبیاء کے زمرہ میں داخل تھے۔ یہ اولوالعزم رسولوں اور امتوں کے ائمہ میں سے تھے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے یہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ولایت کو ختم کرنے کی تعظیم کے لیے ہو یعنی یہ ایسی بات ہے جس میں انبیاء کی شریعتوں میں کوئی اختلاف نہیں یعنی اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت کی وجہ سے باہم وراثت جاری تھی اور ہجرت دیانت میں قوی سبب تھا۔ پھر ایمان کے ہوتے ہوئے قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے باہم وارث بنے یہ بھی بڑا مضبوط سبب ہے جہاں تک مومن اور کافر کے درمیان وراثت کا تعلق ہے تو یہ ان انبیاء میں سے کسی نبی کے دین میں نہیں جن سے پختہ وعدہ لیا گیا، اس لیے تم ان میں کمزوری نہ دکھاؤ اور کفار سے دوستی نہ اپناؤ۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا (الشوریٰ: 13) دین میں تفرق کو ترک کرنا اس کی ایک صورت کفار سے دوستی کو ترک کرنا بھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی مومنوں کی ذاتوں پر ان پر زیادہ حق رکھتا ہے یہ کتاب میں لکھا ہوا تھا اور انبیاء سے اس کا پختہ وعدہ بھی لیا گیا تھا۔

وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا یعنی ہم نے ان سے پختہ وعدہ لیا تھا کہ انہوں نے رسالت کی تبلیغ کی ذمہ داری اٹھائی ہے اور یہ ذمہ داری اٹھائی کہ وہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں گے۔ میثاق سے مراد اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانا ہے۔ دوسرا میثاق یہ اللہ کے نام کی قسم کے ساتھ پہلے میثاق کی تائید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا میثاق یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اقرار ہے اور دوسرا میثاق نبوت کے متعلق ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ (آل عمران: 81) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے پختہ وعدہ لیا کہ وہ اعلان کریں گے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اعلان کریں گے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلے ذکر کیا کیونکہ حضرت

قتادہ نے حضرت حسن بصری سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ارشاد کے بارے میں پوچھا گیا: وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ فرمایا: ''میں پیدائش میں ان سے اوّل ہوں اور بعثت میں سب سے آخری ہوں'' (1)۔ مجاہد نے کہا: یہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں ہوا (2)۔

لِیَسْـَٔلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ۠

''یہ کہ (آپ کا رب) پوچھے سچوں سے ان کے سچ کے متعلق اور اس نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے دردناک عذاب''۔

اس کی چار توجیہیں ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ انبیاء سے پوچھے کہ انہوں نے اپنی قوموں تک پیغام حق پہنچایا ہے؛ نقاش نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ اس میں تنبیہ ہے یعنی جب انبیاء سے پوچھا جائے گا تو دوسروں سے کیسے نہیں پوچھا جائے گا؟ (3)

(۲) انبیاء سے یہ پوچھا جائے گا کہ ان کی قوموں نے انہیں کیا جواب دیا ہے: یہ علی بن عیسیٰ نے بیان کیا ہے۔ (4)

(۳) اللہ تعالیٰ انبیاء سے اس وعدہ کے پورا کرنے کے بارے میں پوچھے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا تھا؛ ابن شجرہ نے اسے بیان کیا ہے۔ (5)

(۴) سچے مومنوں سے مخلص دلوں کے بارے میں پوچھے (6) قرآن حکیم میں ہے فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ۙ (الاعراف) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان سے سوال کا فائدہ یہ ہے کہ کفار کو شرمندہ کیا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ (المائدہ: 116) وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا اس سے مراد عذاب جہنم ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۚ

''اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا جب (حملہ آور ہو کر) آ گئے تھے تم پر (کفار کے) لشکر پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا''۔

مراد غزوہ خندق، احزاب اور غزوہ بنی قریظہ ہے یہ سخت ترین حالات تھے جس کے بعد نعمت، خوشحالی اور سرور کی کیفیت تھی یہ کثیر احکامات اور آیات واضحہ اور غالبہ کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دس مسائل میں ایسی بحث کریں گے جو کافی متاثر ہو گی۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 377 2۔ تفسیر مجاہد، جلد 1، صفحہ 213
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 378 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً

مسئلہ نمبر 1۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کس سال واقعہ ہوا؟ ابن اسحاق نے کہا: یہ پانچ ہجری شوال میں ہوا تھا۔ ابن وہب اور ابن قاسم نے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت نقل کی ہے: غزوۂ خندق کا واقعہ 4ھ میں ہوا تھا۔ یہ اور غزوہ بنوقریظہ اسی دن ہوا تھا۔ بنوقریظہ اور بنونضیر کے واقعہ کے درمیان چار سال کا عرصہ حائل ہے۔ ابن وہب نے کہا: میں نے امام مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ میں جہاد کا حکم دیا گیا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (الاحزاب:10) کہا: یہ غزوہ خندق کا موقع تھا قریش اس جانب سے، یہودی اس جانب سے اور نجدی یہاں سے آئے تھے۔ امام مالک ارادہ کرتے ہیں۔ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ سے مراد بنوقریظہ ہیں۔ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ سے مراد قریش وغطفان ہیں (1) اس کا سبب یہ ہوا کہ یہودیوں کی ایک جماعت جن میں کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، سلام بن ابی الحقیق، سلام بن مشکم، حیی بن اخطب نضری، ہوذہ بن قیس، ابوعمار، بنوحلال سے یہ سب یہودی تھے یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے ان لشکروں کو بلایا تھا، انہیں دعوت دی اور انہیں جمع کیا تھا۔ یہ لوگ بنونضیر کی جماعت اور بنووائل کی ایک جماعت کے ساتھ نکلے یہ مکہ مکرمہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی اور اپنی جانب سے وعدہ کیا کہ وہ ہر ممکن ان کی مدد کریں گے۔ اہل مکہ نے ان کی آواز پر لبیک کہی۔ پھر یہی یہودی غطفان کی طرف گئے انہیں بھی ایسی ہی دعوت دی تو انہوں نے بھی ان کی بات کو تسلیم کرلیا۔ قریش نکلے ان کی قیادت ابوسفیان کررہا تھا غطفان نکلے ان کا قائد عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر فزاری جو فزارہ کا سردار تھا، حارث بن عوف مری جو بنومرہ کا قائد تھا، مسعود بن رحیلہ جو اشجع کا سردار تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اجتماع اور اپنے علاقوں سے چل پڑنے کے بارے میں سنا تو اپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلیمان فارسی نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مشورہ پر راضی ہوگئے۔ مہاجرین نے اس روز کہا: سلمان ہم میں سے ہے۔ انصار نے کہا: سلمان ہم میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے'' (2)۔ غزوۂ خندق وہ پہلا غزوہ تھا جس روز حضرت سلمان فارسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے وہ اس روز آزاد تھے۔ عرض کی: یا رسول اللہ! جب ہم محاصرہ میں آجائیں تو ہم خندق کھودتے ہیں مسلمانوں نے خندق کھودنے میں بڑی محنت کی۔ منافقین نے کمزوری کا اظہار کیا اور ایک دوسرے کی اوٹ میں کھسکنے لگے تو ان کے بارے میں قرآن کی آیات نازل ہوئیں جن کا ابن اسحاق اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے مسلمانوں میں سے جو اپنے حصہ سے فارغ ہوگیا تو اس نے دوسرے کی مدد کی یہاں تک کہ خندق مکمل ہوگئی اس میں واضح نشانیاں اور نبوت کی علامات تھیں۔ میں کہتا ہوں: یہ خبر جو ہم نے ذکر کی ہے اس میں فقہی مسئلہ ہے، یہی دوسرا مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ سلطان کا اپنے ساتھیوں اور اپنے خاص لوگوں سے قتال کے بارے میں مشورہ کرنا۔ یہ بحث سورۂ آل عمران اور سورۃ النمل میں گزر چکی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ دشمن سے حفاظت کا اہتمام کرنا چاہیے جس قدر اسباب اور ان کا استعمال ممکن ہو۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ خندق کا کھودنا لوگوں پر تقسیم کردیا گیا تھا۔ ان میں سے جو

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1510 2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 337

فارغ ہوا اس نے اس کی مدد کی جو فارغ نہ ہوا تھا۔ مسلمان دوسروں کے مقابلہ میں ایک ہاتھ تھے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت براء بن عازب سے مروی ہے(1): جب غزوۂ احزاب کا موقع تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھود رہے تھے میں نے آپ کو دیکھا آپ خندق سے مٹی نکال رہے تھے یہاں تک کہ مٹی نے آپ کے بطن کی جلد کو مجھ سے چھپا دیا تھا آپ کے جسم پر کثیر بال تھے اور میں نے آپ کو حضرت ابن رواحہ کے کلمات کے ساتھ رجز پڑھتے ہوئے سنا اور آپ کہہ رہے تھے۔

اللَّهُمَّ لولا أنت ما اهتدينا ولا تصدّقنا ولا صَلّينا

فأنزِلَن سَكِينَةً عَلَيْنَا وثَبِّت الأقدام إن لَاقَيْنَا

اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے۔ ہم پر سکینہ کو نازل فرما اگر ہماری دشمنوں سے مڈبھیڑ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔

اس واقعہ میں جو نشانیاں ہیں وہ یہ ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ نسائی نے ابی سکینہ سے جو جہنم کی آگ سے آزاد کیے گئے لوگوں میں سے تھے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو ان کے سامنے ایک چٹان آئی جو صحابہ اور خندق کھودنے کے درمیان حائل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے کدال لی اپنی چادر خندق کے ایک کونہ پر رکھی، فرمایا: **وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا** (الانعام: 115) تو ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا جب کہ حضرت سلیمان فارسی کھڑے دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرب کے ساتھ بجلی چمکی پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی، زبان سے کہا: **وَتَمَّتْ**، تو تیسرا حصہ ٹوٹ گرا بجلی چمکی جسے حضرت سلمان فارسی نے دیکھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری ضرب لگائی، زبان سے کہا: **وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا**، تو باقی ماندہ تیسرا حصہ بھی ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اپنی چادر لی اور بیٹھ گئے۔ حضرت سلمان نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کو دیکھا جب آپ نے ضرب لگائی۔ آپ ضرب نہیں لگاتے تھے مگر اس کے ساتھ بجلی نکلتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے سلیمان! تو نے وہ دیکھا؟" عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! یا رسول اللہ! فرمایا: "جب میں نے پہلی ضرب لگائی تو میرے لیے کسریٰ کے مدائن کو بلند کیا گیا اور اس کے اردگرد بے شمار شہر تھے یہاں تک کہ میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا"۔ جو صحابہ آپ کے پاس حاضر تھے انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہم پر ان شہروں کو فتح کرے، ان کے بچے ہمیں مال غنیمت کے طور پر دے اور ہمارے ہاتھوں سے ان کے شہروں کو برباد کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، پھر میں نے دوسری ضرب لگائی تو میرے لیے قیصر کے شہر اور اس کے اردگرد جو شہر تھے وہ بلند کیے گئے یہاں تک کہ میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ انہیں ہم پر فتح کرے اور ہمیں ان کے بچے مال غنیمت کے طور پر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔ پھر میں نے تیسری ضرب لگائی تو میرے لیے حبشہ کے شہر اور اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، غزوۂ خندق، جلد 2، صفحہ 589

کے اردگرد کے شہر بلند کیے گئے یہاں تک کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تک اہل حبشہ تمہیں چھوڑے رہیں تم انہیں چھوڑے رکھو اور ترکوں کو چھوڑے رکھو جب تک وہ تمہیں چھوڑے رکھیں'' (1)۔ حضرت براء نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم دیا تو ایک چٹان ہمارے سامنے آگئی ہماری کدالیں اس میں کوئی نفع نہ دے رہی تھیں۔ ہم نے اس کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے چادر رکھی اور کدال لی اور فرمایا: ''بسم اللہ'' آپ نے ایک ضرب لگائی تو چٹان کا تیسرا حصہ ٹوٹ گیا۔ پھر فرمایا: ''اللہ اکبر مجھے شام کی چابیاں دے دی گئیں اللہ کی قسم! میں اس جگہ سے اس کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ضرب لگائی فرمایا: ''باسم اللہ'' تو ایک تہائی چٹان کو توڑ دیا پھر فرمایا: ''اللہ اکبر مجھے فارس کی چابیاں دے دی گئیں۔ اللہ کی قسم! میں مدائن کے سفید محل دیکھ رہا ہوں''۔ پھر آپ نے تیسری ضرب لگائی۔ فرمایا: ''بسم اللہ'' آپ نے پتھر توڑ دیا اور فرمایا: ''اللہ اکبر مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں، اللہ کی قسم! میں صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں'' ابو محمد عبد الحق نے اس کی تصحیح کی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودنے سے فارغ ہو گئے قریش دس ہزار کے لشکر کے ساتھ آئے ان کے ساتھ بنو کنانہ اور اہل تہامہ موجود تھے۔ غطفان اہل نجد کے ساتھ آئے یہاں تک کہ وہ احد پہاڑ کی ایک جانب اترے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان سلع پہاڑ کو پشت پر رکھتے ہوئے تین ہزار کی تعداد میں نکلے۔ اپنے لشکر کو ترتیب دیا جب کہ خندق ان کے درمیان اور مشرکوں کے درمیان تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ پر عامل مقرر کیا؛ یہ ابن شہاب کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ کا دشمن حیی بن اخطب نضری نکلا یہاں تک کہ کعب بن اسد قرظی کے پاس پہنچا وہ بنو قریظہ کی جانب سے معاہدہ کرنے والا اور ان کا رئیس تھا۔ اسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا۔ جب کعب بن اسد نے حیی بن اخطب کے بارے میں سنا تو اپنے قلعہ کا دروازہ اس پر بند کر لیا اور دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ حیی نے کہا: اے میرے بھائی! میرے لیے دروازہ کھولو۔ کعب نے کہا: میں تیرے لیے دروازہ نہیں کھولوں گا تو منحوس آدمی ہے۔ تو مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ توڑنے کے لیے کہے گا جب کہ میں نے ان سے معاہدہ کیا ہے۔ میں نے ان سے وفا اور سچائی ہی دیکھی ہے۔ میرے اور آپ کے درمیان جو معاہدہ ہے میں اسے توڑنے والا نہیں۔ حیی نے کہا: میرے لیے دروازہ کھولو یہاں تک کہ میں تجھ سے بات کروں اور تیرے پاس سے واپس چلا جاؤں۔ کعب نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا۔ حیی نے کہا: تو اس سے ڈرتا ہے کہ میں تیرے ساتھ تیرا دلیا کھاؤں گا۔ کعب غصے ہو گیا اور دروازہ کھول دیا۔ حیی نے کہا: اے کعب! میں تیرے پاس زمانہ کی عزت لایا ہوں۔ میں تیرے پاس قریش اور اس کے سردار لایا ہوں۔ میں تیرے پاس غطفان اور ان کے سردار لایا ہوں انہوں نے باہم معاہدہ کیا ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو جڑ سے اکھیڑ دیں۔ کعب نے اسے کہا:

1۔ سنن نسائی، کتاب الجہاد، غزوۃ ترک وحبشہ، جلد 2، صفحہ 63

اللہ کی قسم! تو میرے پاس زمانہ کی ذلت لایا ہے تو ایسا بادل لایا ہے جس میں بارش نہیں، تجھ پر افسوس اے حیی! مجھے چھوڑ دے۔ میں وہ کام کرنے والا نہیں جس کی طرف تو مجھے دعوت دیتا ہے۔ حیی لگاتار کعب سے وعدہ، وعید کرتا رہا اسے دھوکہ دیتا رہا یہاں تک کہ کعب نے اس کی طرف رجوع کر لیا اور اس نے حیی سے اس امر پر معاہدہ کر لیا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ دے گا اور حیی کا ساتھ دے گا۔ حیی بن اخطب نے کعب سے کہا: اگر قریش اور غطفان واپس چلے گئے تو میں ان یہودیوں کے ساتھ تیرے پاس آ جاؤں گا جو میرے ساتھ ہیں۔ جب کعب اور حیی کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ جو خزرج کے سردار تھے اور حضرت سعد بن معاذ جو اوس کے سردار تھے کو بھیجا ان دونوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت خوات بن جبیر کو بھی بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: ''بنو قریظہ کی طرف جاؤ اگر وہ بات درست ہو جو ہم سے کی گئی ہے تو ذومعنی انداز میں ہم سے بات کرنا اور لوگوں کی قوت کو منتشر نہ کرنا اگر وہ بات جھوٹ ہو تو اعلانیہ بات کرنا''۔ وہ صحابہ چلے یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچے تو ان کو اس سے ابتر حالت میں پایا جو ان کے بارے میں بات کی گئی تھی۔ اور جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات سنی تھی۔ انہوں نے کہا: ہمارے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی عہد نہیں۔

حضرت سعد بن معاذ نے انہیں برا بھلا کہا اور انہوں نے حضرت سعد بن معاذ کو برا بھلا کہا۔ ان میں بات تیز ہونے لگی۔ حضرت سعد بن عبادہ نے حضرت سعد سے کہا: ان کو برا بھلا نہ کہو ہمارے اور ان کے درمیان معاملہ اس سے آگے بڑھ چکا ہے پھر حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ واپس آئے یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلمانوں کی جماعت میں پہنچے دونوں نے عرض کی: عضل والقارۃ دونوں عضل اور قارہ کے دھوکہ کا اشارۃً ذکر کر رہے تھے جو اصحاب رجیع حبیب اور اس کے ساتھی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے مسلمانوں کی جماعت! تمہیں بشارت ہو''۔ اس موقعہ پر آزمائش بڑھ گئی اور خوف شدید ہو گیا۔ مسلمانوں پر دشمن ان کی اوپر کی جانب سے یعنی مشرق کی جانب سے وادی کے اوپر سے اور ان کے نیچے کی جانب سے یعنی وادی کے بطن سے مغرب کی جانب سے آ گیا، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں گمانات کرنے لگے اور منافقوں نے وہ کچھ ظاہر کر دیا جس کو وہ پہلے چھپائے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ نے کہا: ہمارے گھر الگ تھلگ ہیں ہم ان کی طرف جاتے ہیں کیونکہ ہمیں ان کے بارے میں خوف ہے۔ جس نے یہ بات کی وہ اوس بن قیظی تھا۔ ان میں سے کچھ نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کسریٰ و قیصر کے خزانوں کے فتح ہونے کا وعدہ کرتے ہیں اور آج ہم میں سے ایک قضائے حاجت کو جانے کے لیے محفوظ نہیں جس نے یہ کہا: وہ معتب بن قشیری جو بنی عمرو بن عوف میں سے تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین بیس دن سے اوپر تقریباً ایک ماہ تک مقیم رہے ان کے درمیان کوئی جنگ نہ ہوئی مگر تیر اندازی اور پتھر برسائے جاتے رہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمانوں پر آزمائش سخت ہو گئی ہے تو آپ نے عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف مری کی طرف پیغام بھیجا یہ دونوں غطفان کے قائد تھے انہیں مدینہ طیبہ کی فصل کا ایک تہائی دینے کا وعدہ کیا تاکہ وہ لوگوں کو لے کر چلے جائیں اور قریش کا ساتھ چھوڑ دیں اور اپنی قوم کے ساتھ ان سے واپس

چلے جائیں۔ یہ گفتگو بہلانے پھسلانے کے لیے تھی یہ کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھا کہ انہوں نے رجوع کا فیصلہ کرلیا ہے اور وہ دونوں راضی ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے پاس آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا ذکر ان دونوں سے کیا اور ان سے مشورہ کیا۔ دونوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ یہ ایسا امر ہے جسے آپ پسند کرتے ہیں تو آپ کی رضا کے لیے ایسا کرلیں گے یا ایسی شے ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے تو ہم اس کو پسند اور اطاعت کریں یا یہ ایسا امر ہے جو آپ ہماری سہولت کے لیے کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: ''بلکہ یہ ایسا امر ہے جسے میں تمہارے لیے کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا مگر اسی وقت جب میں عربوں کو دیکھوں کہ وہ سب تمہیں ایک کمان سے تیر مار رہے ہیں''۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ اللہ کی قسم! ہم اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے، بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے، ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے تھے، ہم اس کی پہچان نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے کبھی اس کی طمع بھی نہیں کی کہ وہ ہمارے پھل کو حاصل کریں مگر خرید کر یا ضیافت کے طور پر۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام سے نوازا ہماری اس کی طرف رہنمائی کی اور آپ کے ساتھ ہمیں عزت بخشی تو ہم انہیں اپنے مال نہیں دیں گے مگر تلوار کے ساتھ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ رسول اللہ ﷺ اس سے خوش ہو گئے فرمایا: ''انتم ذاك''، تمہیں اختیار ہے وہی کرو جو تمہیں پسند ہے۔

آپ نے عیینہ اور حارث سے فرمایا: ''دونوں واپس چلے جاؤ تمہارے لیے ہمارے پاس تلوار کے سوا کچھ نہیں''۔

حضرت سعد نے صحیفہ لیا اس میں کوئی شہادت نہیں تھی تو آپ نے اسے مٹا دیا۔ رسول اللہ ﷺ اور مشرک اسی حال پر رہے مشرک ان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے ان کے درمیان کوئی جنگ وغیرہ نہیں ہو رہی تھی، مگر قریش کے شاہسوار جن میں عمرو بن عبدود عامری جو بنو عامر بن لؤی سے تعلق رکھتا تھا، عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب، ضرار بن خطاب فہری یہ قریش کے شاہسوار اور ان کے بہادر لوگ تھے وہ آئے اور خندق پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ جب انہوں نے خندق کو دیکھا انہوں نے کہا: یہ تو خفیہ تدبیر ہے عرب تو خفیہ تدبیر نہیں کرتے تھے۔ پھر انہوں نے خندق کی تنگ جگہ کا قصد کیا انہوں نے گھڑ سواروں کو دوڑایا گھوڑے انہیں لے کر اس میں داخل ہوئے اور انہوں نے خندق کو عبور کرلیا اور یہ لوگ خندق اور سلع پہاڑ کے درمیان آئے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ انہیں اس آسان راستہ (جگہ) پر آلیا جہاں سے وہ داخل ہوئے تھے شاہسوار ان کی طرف متوجہ ہوئے عمرو بن عبدود کو غزوہ بدر کے موقع پر زخم لگا تھا اور وہ غزوۂ احد میں حاضر نہ تھا۔ اس نے غزوۂ خندق کے موقع پر ارادہ کیا کہ اس کے مقام و مرتبہ کو دیکھا جائے۔ جب وہ اور اس کا گھوڑا کھڑا ہوا تو اس نے آواز دی: کون مقابلہ کرے گا؟ حضرت علی شیر خدا اس کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اسے فرمایا: اے عمر! جو ہمیں خبر پہنچی ہے کہ تو نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے کہ تجھے دو باتوں میں ایک کی دعوت دی جائے گی تو ان دونوں میں سے ایک کو ضرور اپنا لے گا۔ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: میں تجھے اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اس نے کہا: مجھے اس کی کوئی

حاجت نہیں۔ فرمایا: میں تجھے مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں۔ اس نے کہا: اے بھتیجے! اللہ کی قسم! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں تجھے قتل کروں اس کی وجہ میرے اور تیرے والد کے درمیان تعلقات تھے۔ حضرت علی شیر خدا نے اسے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تجھے قتل کرنا پسند کرتا ہوں۔ عمرو بن عبدود کو غیرت آئی اور وہ گھوڑے سے اتر آیا۔ اور اس کی کونچیں کاٹ دیں اور حضرت علی شیر خدا کی طرف چلا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو نیچے اترنے کا کہا۔ دونوں نے چکر لگایا، دونوں کے درمیان غبار اڑا یہاں تک کہ غبار دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔ غبار نہ چھٹا یہاں تک حضرت علی شیر خدا کو دیکھا گیا کہ آپ عمرو کے سینہ پر ہیں اور اس کا سر کاٹ رہے ہیں۔ جب عمرو کے ساتھیوں نے دیکھا کہ حضرت علی شیر خدا نے اسے قتل کر دیا ہے تو وہ شکست کھا کر بھاگتے ہوئے اپنے گھوڑوں کے ساتھ آسان راستہ سے داخل ہوتے ہوئے نکل گئے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں کہا:

نصر الحجارةَ من سفاهة رأيِه و نصرتُ دِينَ محمد بِضراب

نازلته فتركته متجدِّلًا كالجِذْع بين دَكادِكٍ و رَوابي

و عففتُ عن أثوابه ولو أنني كنت المقطِّرَ بزَّني أثوابي

لا تحسِبُن الله خاذلَ دينه و نبيه يا معشر الأحزاب(1)

اس نے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے پتھر کی مدد کی اور میں نے وار کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کی۔ میں نے اسے دعوت مبارزت دی اور میں نے اسے یوں چھوڑا کہ وہ زین کے ساتھ لگا ہوا تھا جس طرح تنا ہوتا ہے نرم ریت اور اٹھی ہوئی زمین کے درمیان۔ میں نے اس کے لباس سے اپنا ہاتھ کھینچے رکھا اگر میں زمین پر پہلو کے بل گرا ہوتا تو وہ میرے کپڑے چھین لیتا۔ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں گمان نہ کرو کہ وہ اپنے دین اور اپنے نبی کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا اے مختلف جماعتوں کے گروہ!

ابن ہشام نے کہا: اکثر اہل علم ان اشعار کی حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کے بارے میں شک کرتے ہیں۔

ابن ہشام نے کہا: عکرمہ بن ابی جہل نے اس روز اپنا نیزہ پھینکا جب کہ وہ عمرو کو چھوڑ کر بھاگنے والا تھا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں کہا:

فرّ وألقى لنا رُمحه لعلك عِكرِمَ لم تَفعلِ

و ولّيت تعدو كعَدْوِ الظَّلِيم ما إن تجور عن المَعْدِلِ

ولم تُلق ظهرك مستأنسا كأن قفاك قفا فُرْعُلِ

وہ بھاگا اور اس نے ہمارے لیے اپنا نیزہ پھینک دیا اے عکرمہ! شاید تو نے ایسا نہیں کیا تو ظلیم کی طرح بھاگتے ہوئے مڑ گیا تو معدل پھرنے کی جگہ سے نہیں بھاگتا تھا۔ تو اپنی پشت خوشی سے سامنے نہیں کرتا گویا تیری گدی فرعل کی گدی ہے۔

ابن ہشام نے کہا: فرعل چھوٹا بجو ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنی حارثہ کے قلعہ میں تھیں حضرت سعد بن معاذ کی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1512

والدہ آپ کے ساتھ تھیں حضرت سعد نے ایسی زرہ زیب تن کر رکھی تھی جو بڑی گھنی تھی۔ اس سے آپ کا بازو باہر تھا ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ تھا۔ وہ کہہ رہے تھے:

لَبِثْ قليلًا يلحق الهَيْجَا حَمَلْ　لا بأس بالموت إذا كان الأجَلْ(1)

اس روز حضرت سعد بن معاذ کو ایک تیر مارا گیا جس نے ان کے بازو کی درمیانی رگ کو کاٹ دیا جس نے تیر مارا اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حبان بن قیس بن عرفہ نے تیر مارا جو بنی عامر بن لوی کا ایک فرد تھا۔ جب اس نے تیر مارا تو اس سے کہا: خذها وأنا ابن العرفه اسے لو میں ابن عرفہ ہوں۔ حضرت سعد نے اسے کہا: عرق الله وجهك في النار اللہ تعالیٰ تیرے چہرے کو آگ میں شرابور کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس شخص نے آپ کو تیر مارا وہ خفاجہ بن عاصم بن حبان تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے آپ کو تیر مارا وہ ابو اسامہ جشمی تھا، جو بنو مخزوم کا حلیف تھا۔ حضرت حسان کی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے ساتھ ایک دلچسپ گفتگو ہے جسے ابن اسحاق اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے کہا: ہم غزوۂ احزاب کے موقع پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قلعہ میں تھے۔ حضرت حسان ہمارے ساتھ عورتوں اور بچوں میں تھے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ دشمن کے سامنے تھے وہ ہماری طرف نہیں آسکتے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک یہودی وہاں چکر لگا رہا ہے۔ میں نے حضرت حسان سے کہا: اس کی طرف جاؤ اور اسے قتل کر دو، انہوں نے کہا: اے بنت عبدالمطلب! میں اس کام کے لائق نہیں ہوں۔ حضرت صفیہ نے خیمہ کے ستون کی ایک لکڑی لی آپ نیچے اتریں اور اسے قتل کر دیا۔ میں نے کہا: اے حسان! نیچے جاؤ اور اس کا لباس چھین لو مجھے کوئی چیز اس کا لباس و اسلحہ چھیننے سے نہیں روکتی تھی مگر یہ کہ وہ ایک مرد ہے۔ حضرت حسان نے کہا: اے بنت عبدالمطلب! مجھے اس کے کپڑے چھیننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تو میں نیچے اتری اور اس کا اسلحہ وغیرہ لے لیا۔ ابو عمر بن عبدالبر نے کہا: اہل سیر میں سے ایک جماعت نے اس کا انکار کیا انہوں نے کہا: اگر حضرت حسان میں وہ بزدلی ہوتی جس کا تم نے ذکر کیا ہے تو اس بارے میں وہ لوگ ان کی ہجو کرتے جن کی حضرت حسان دور جاہلیت اور دور اسلام میں ہجو کیا کرتے تھے۔ اور اس وجہ سے ان کے بیٹے عبدالرحمن کی ہجو کی جاتی کیونکہ حضرت حسان عرب شعراء میں سے کثیر لوگوں کی ہجو کیا کرتے تھے جس طرح نجاشی وغیرہ۔

مسئلہ نمبر 6۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نعیم بن مسعود بن عامر اشجعی حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان ہو چکا ہوں میری قوم میرے اسلام لانے سے آگاہ نہیں مجھے جو چاہیں حکم دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: "تو غطفان کا ایک آدمی ہے اگر تو چلا جائے اور ہم سے الگ تھلگ ہو جائے اگر تو طاقت رکھے تو یہ امر ہمارے نزدیک تیرے ہمارے ساتھ باقی رہنے سے زیادہ پسندیدہ ہے تو چلا جا بے شک جنگ ایک چال ہے"(2)۔

نعیم بن مسعود وہاں سے نکلے اور بنو قریظہ کے پاس آئے یہ دور جاہلیت میں ان کے دوست تھے کہا: اے بنو قریظہ! تم

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1515　2۔ السیرۃ النبویۃ، جلد 3، صفحہ 171، انوار محمدیہ قاہرہ

اپنے لیے میری محبت کو پہچانتے ہو۔ اور میرے اور تمہارے درمیان جو تعلقات ہیں انہیں بھی جانتے ہو۔ انہوں نے کہا: کہو جو کچھ کہنا چاہتے ہو تو ہمارے نزدیک ایسا نہیں جس پر تہمت لگائی جائے۔ نعیم بن مسعود نے انہیں کہا: قریش اور غطفان ان کی حالت اس طرح نہیں جس طرح تمہاری حالت ہے ملک تمہارا ہے اس میں تمہاری اولادیں، تمہارے بیٹے اور تمہاری عورتیں ہیں۔ قریش اور غطفان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ سے جنگ کرنے کے لیے آئے ہیں جب کہ تم نے ان کی مدد کی ہے مگر انہوں نے کوئی موقع پایا تو وہ اس سے فائدہ اٹھالیں گے اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو وہ اپنے اپنے ملکوں کو چلے جائیں گے اور تمہارے اور اس ہستی کے درمیان میدان خالی چھوڑ دیں گے، جب کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تمہارے پاس طاقت نہیں تم قوم کے ساتھ مل کر جنگ نہ کرو یہاں تک کہ تم ان سے کوئی چیز رہن رکھو۔ پھر وہ وہاں سے نکلے اور قریش کے پاس آئے ان سے کہا: اے قریش کی جماعت! تم اپنے لیے میری محبت کو جانتے ہو۔ اور حضرت محمد سے جو میری جدائی اور دوری ہے اسے بھی جانتے ہو۔ مجھے ایک خبر پہنچی ہے میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ تمہارے ساتھ اخلاص کے تعلقات کی بنا پر تم تک وہ پیغام پہنچاؤں۔ اسے اپنی ذات تک رکھنا۔ قریش نے کہا: ہم ایسا ہی کریں گے۔ کیا تم جانتے ہو یہودی اس بات پر شرمندہ ہیں جو انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ توڑا ہے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا ہے ہم اپنے کیے پر نادم ہیں کیا یہ بات آپ کو خوش کرتی ہے کہ ہم قریش وغطفان میں سے اشراف کو پکڑیں اور آپ کے حوالے کر دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ پھر ہم آپ کے ساتھ رہیں یہاں تک کہ ان لوگوں کو نیست و نابود کر دیں۔ پھر وہ غطفان کے پاس آئے اور اسی قسم کی گفتگو کی جب ہفتہ کی رات تھی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے رسول اور مومنوں کے لیے بڑا احسان ہوا کہ ابوسفیان نے عکرمہ بن ابی جہل کو قریش اور غطفان کے چند افراد کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف بھیجا تا کہ انہیں کہیں: ہم اپنے گھر بیٹھے ہوئے نہیں۔ اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو رہے ہیں۔ اگلے روز جنگ کے لیے نکلو تا کہ ہم (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اپنا حساب بے باک کریں۔ بنو قریظہ نے ان کی طرف پیغام بھیجا: یہ دن تو ہفتہ کا دن ہے اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جس نے ہفتہ کو حد سے تجاوز کیا اس وجہ سے ہمیں کیا مصیبت آئی۔ ساتھ ہی ساتھ ہم تمہارے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے یہاں تک کہ تم ہمیں کوئی چیز رہن کے طور پر دو۔ جب قاصد اس پیغام کے ساتھ واپس آیا تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! نعیم بن مسعود نے ہم سے سچ کہا۔ اور قاصد ان کی طرف واپس بھیجے اور کہا: اللہ کی قسم! ہم کبھی بھی تمہیں رہن کے طور پر کوئی چیز نہیں دیں گے اگر چاہو تو ہماری مدد کے لیے جنگ کے لیے نکلو ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔ بنو قریظہ نے کہا: اللہ کی قسم! نعیم بن مسعود نے سچ بولا۔ اللہ تعالیٰ نے سخت سردی کی راتوں میں تیز ہوا بھیجی ہوا ان کے برتنوں کو الٹ پلٹ کر رہی تھی اور ان کی ہانڈیوں کو الٹا رہی تھی۔

مسئلہ نمبر 7۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اختلاف کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان کو بھیجا تا کہ ان کی خبر لے آئیں۔ حضرت حذیفہ ان کے پاس آئے اور ان کی انبوہ میں چھپ گئے۔ حضرت حذیفہ نے ابوسفیان کو یہ کہتے ہوئے سنا: اے قریش کی جماعت! ہر آدمی اپنے ساتھی کی پہچان کر لے۔ حضرت حذیفہ نے کہا: میں نے اپنے

ساتھ بیٹھنے والے کا ہاتھ پکڑا اور کہا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں فلاں بن فلاں ہوں۔ پھر ابوسفیان نے کہا: اے قریش کی جماعت! تم ہلاک ہو۔ اللہ کی قسم! تم اپنے گھروں میں نہیں ہو۔ گھوڑے اور اونٹ ہلاک ہو رہے ہیں۔ بنو قریظہ نے ہمارے ساتھ وعدہ خلافی کی ہے۔ اور ہم نے یہ ہوا پائی ہے جسے تم دیکھ رہے ہو ہمارے لیے نہ خیمہ قائم رہتا ہے نہ ہنڈیا چولے پر ٹھہرتی ہے اور نہ ہی ہماری آگ جلتی ہے۔ چلو کوچ کرو میں تو کوچ کرنے والا ہوں۔ اپنے اونٹ پر سوار ہو گیا اور اس کا ڈھگانہ کھولا مگر کھڑے کھڑے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد ملحوظ نہ ہوتا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے بھیجتے وقت لیا تھا مجھے فرمایا تھا: ''قوم کی طرف جاؤ، جس حالت پر وہ ہیں اس کو جانو اور کوئی نیا کام نہ کرنا''۔ تو میں تیر سے اسے قتل کر دیتا۔ پھر ان کے کوچ کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے پایا آپ کے جسم پر آپ کی ازواج میں سے کسی کی منقش چادر تھی۔ ابن ہشام نے کہا: مراجل سے مراد یمن کی منقش چادروں میں سے ایک قسم کی چادر ہے (1)۔ میں نے آپ کو خبر دی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔

میں کہتا ہوں: حضرت حذیفہ کا یہ واقعہ صحیح مسلم میں مذکور ہے اس میں عظیم نشانیاں ہیں (2) اس واقعہ کو جریر نے اعمش سے وہ ابراہیم تیمی سے وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی نے کہا: اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پاتا تو میں آپ کی معیت میں جہاد کرتا اور اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتا۔ حضرت حذیفہ نے کہا: تو ایسا کرتا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لیلۃ الاحزاب کو اپنے آپ کو دیکھا ہمیں سخت آندھی اور ٹھنڈک نے آلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا کوئی ایسا آدمی ہے جو میرے پاس قوم کی خبر لائے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے معیت عطا کرے گا''۔ ہم سب خاموش ہو گئے۔ اور ہم میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ فرمایا: ''اے حذیفہ! اٹھو اور ہمارے پاس قوم کی خبر لاؤ''۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام لیا تو میرے لیے اٹھنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا۔ فرمایا: ''جاؤ اور قوم کی خبر میرے پاس لاؤ۔ انہیں خوفزدہ کر کے میری طرف متوجہ نہ کر دینا''۔ کہا: جب میں آپ کے پاس سے اٹھا تو گویا میں حمام میں چل رہا تھا یہاں تک کہ میں ان کے پاس پہنچا میں نے ابوسفیان کو دیکھا جو آگ سے اپنی پشت کو تاپ رہا تھا۔ میں نے تیر کمان پر چڑھایا تو میں نے اسے تیر مارنے کا ارادہ کیا تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد یاد آ گیا۔ ولا تذعرهم علی انہیں خوفزدہ کر کے میری طرف متوجہ نہ کرنا۔ اگر میں اس کو تیر مارتا تو اس کو مار سکتا تھا۔ میں واپس پلٹا میں اس طرح چل رہا تھا جس طرح حمام میں چلتا ہوں جب میں آپ کے پاس آیا تو میں نے قوم کے معاملات کا بتایا۔ میں فارغ ہوا تو مجھے ٹھنڈ لگنا شروع ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے باقی ماندہ چادر اوڑھا دی، جس میں آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں سویا رہا یہاں تک کہ میں نے صبح کی۔ جب میں نے صبح کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قم یا نومان اے سونے والے اٹھو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی تو لشکر جا چکے تھے۔ آپ مدینہ طیبہ کی طرف لوٹے اور مسلمانوں نے اپنا اسلحہ رکھ دیا تو حضرت جبریل امین حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں آئے آپ ایک خچر پر سوار تھے جس پر ریشم کا ایک کپڑا تھا حضرت جبریل امین نے آپ

1۔ السیرۃ النبویۃ، جلد 3، صفحہ 174

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۂ احزاب، جلد 2، صفحہ 107

سے عرض کی: اے محمد! اگر تم نے اپنا اسلحہ اتار دیا ہے تو فرشتوں نے اپنا اسلحہ نہیں اتارا۔ اللہ تعالیٰ تجھے حکم دیتا ہے کہ بنو قریظہ کی طرف نکلیں میں ان کی طرف جانے والا ہوں اور ان پر ان قلعوں کو جھنجھوڑنے والا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کو حکم دیا، تو اس نے ندا کی یہی؛ آٹھواں مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ کوئی آدمی بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ کے علاقہ میں نماز پڑھے (1)؛ کچھ لوگوں کو خوف ہوا کہ وقت فوت ہو جائے گا تو انہوں نے بنو قریظہ کے علاقہ سے پہلے ہی نماز پڑھ لی۔ دوسروں نے کہا: ہم عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیں اگرچہ وقت فوت ہو جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فریق کے بارے میں سختی نہ کی۔ اس میں یہ فقہی حکم ملتا ہے کہ مجتہد جس نتیجہ پر پہنچے وہ درست ہے۔ یہ بحث سورۃ الانبیاء میں گزر چکی ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جب تیر لگا تو آپ نے اپنے رب سے دعا کی عرض کی: اے اللہ! اگر تو نے قریش کے ساتھ جنگ کو باقی رکھا ہے تو مجھے بھی اس کے لیے باقی رکھ کیونکہ کوئی ایسی قوم نہیں جس سے میں جہاد کرنا پسند کرتا ہوں اس قوم سے بڑھ کر جس نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور آپ کو آپ کے وطن سے نکالا۔ اے اللہ! اگر تو نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کو ختم کر دیا تو اسی زخم کو میرے لیے شہادت بنا دے اور مجھے موت عطا نہ کر یہاں تک کہ بنو قریظہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں (2)۔

ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرے جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ قلعہ فارع میں اور بھی عورتیں تھیں جب کہ آپ کے جسم پر گھٹی ہوئی زرہ تھی جس کی آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں۔ آپ پر زردی کے آثار تھے اور آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

لَبِثْ قليلًا يُدْرِكُ الهَيْجَا حَمَلْ لا بأس بالموت إذا حان الأجَلْ

تھوڑا ٹھہر کہ جنگ حمل کو پالے موت میں کوئی حرج نہیں جب اجل کا وقت آچکا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: حضرت سعد کے بارے میں مجھے یہی خوف تھا کہ آپ کی اطراف سے ہی کوئی تیر لگے گا تو آپ کی اکحل (بازوؤں کی درمیانی رگ) میں تیر لگا (3)۔

ابن وہب اور ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا حضرت سعد بن معاذ سے بڑھ کر کوئی خوبصورت مرد نہیں دیکھا۔ ان کی اکحل میں تیر لگا۔ آپ نے دعا کی: اگر قریظہ سے جنگ میں کوئی چیز باقی نہیں بچی تو مجھے قبض کر لے اگر کوئی چیز باقی ہے تو مجھے باقی رکھ یہاں تک کہ میں تیرے رسول کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے جنگ کروں۔ جب بنو قریظہ کا فیصلہ ہو چکا تو آپ کا وصال ہو گیا۔ لوگ خوش ہوئے اور کہا: ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ کی دعا قبول ہوئی (4)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب، جلد 2، صفحہ 591 2۔ السیرۃ النبویۃ، جلد 3، صفحہ 169

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1514 4۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 1515

مسئلہ نمبر 9۔ جب مسلمان بنوقریظہ کی طرف نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا کو جھنڈا عطا فرمایا اور مدینہ طیبہ پر حضرت ابن ام مکتوم کو اپنا نائب مقرر کیا حضرت علی شیر خدا اور ان کے ساتھ ایک طائفہ اٹھا یہاں تک کہ بنوقریظہ تک پہنچے اور انہیں اپنے قلعوں سے نیچے اترنے کا کہا اور انہوں نے سنا بنوقریظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے رہے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس پلٹ آئے۔ عرض کی: ان تک نہ پہنچے اور اشارۃً بات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: ''میرا گمان ہے تو نے ان سے سنا کہ وہ مجھے گالیاں دے رہے ہیں اگر وہ مجھے دیکھیں گے تو وہ اس چیز سے رک جائیں گے'' (1)۔ آپ ان کی طرف اٹھے جب یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ رک گئے۔ انہیں ارشاد فرمایا: ''اے بندرو کے بھائیو! تم نے وعدہ خلافی کی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلیل و رسوا کیا اور تم پر اپنا عذاب نازل کر دیا''۔ انہوں نے کہا: تو جاہل نہیں اے محمد! ہم پر جہالت کی باتیں نہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا اور بیس سے اوپر دن ان کا محاصرہ کیا۔

بنوقریظہ کے سردار کعب نے ان پر تین باتیں پیش کیں تاکہ ان میں سے جو چاہیں اپنالیں۔ یا تو سب مسلمان ہو جاؤ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو ان باتوں میں جو وہ پیغام لائے ہیں اور سلامتی پا ئیں کہا: اپنے احوال، اپنی عورتیں اور اپنے بچے محفوظ کرلو، اللہ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ یہ وہی ہے جسے تم اپنی کتابوں میں لکھا پاتے ہو۔ یا وہ اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کو قتل کر دیں پھر وہ مسلمانوں کی طرف آگے بڑھیں تو وہ قتال کریں گے یہاں تک کہ ان کا آخری آدمی مر جائے یا ہفتہ کی رات مسلمانوں پر حملہ کر دیں جس رات انہیں حملہ سے اطمینان ہوگا، تو ان سب کو قتل کر دو۔ بنوقریظہ نے کعب سے کہا: جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو ہم اسلام نہیں لائیں گے اور تورات کے حکم کی مخالفت نہیں کریں گے۔ جہاں تک ہمارا اپنے بیٹوں اور عورتوں کے قتل کا تعلق ہے تو ہمارے قتل کرنے سے ان مسکینوں کو ہماری طرف سے کیا جزا ملے گی۔ اور ہم ہفتہ کے روز تو حد سے تجاوز نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے حضرت ابولبابہ کو بلا بھیجا بنوقریظہ بنی عمرو بن عوف اور باقی اوس کے حلیف تھے۔ حضرت ابولبابہ ان کے پاس آئے بنوقریظہ نے اپنے بیٹے، اپنی عورتیں اور اپنے مرد سب ان کے لیے جمع کر دیئے انہوں نے حضرت ابولبابہ سے کہا: اے ابولبابہ! تمہاری کیا رائے ہے ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اپنے قلعوں سے نیچے اتر آئیں؟ حضرت ابولبابہ نے فرمایا: ہاں۔ اور اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہیں ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر حضرت ابولبابہ اس وقت شرمندہ ہوئے اور انہیں علم ہوگیا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے اور یہ ایسا امر ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے مخفی نہیں رکھے گا۔ حضرت ابولبابہ مدینہ طیبہ کی طرف چلے گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ لوٹے اور اپنے آپ کو ستون کے ساتھ باندھ دیا اور قسم اٹھائی کہ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لے۔ ان کی بیوی ہر نماز کے وقت انہیں کھول دیتی۔ ابن عیینہ اور دوسرے علماء نے کہا: انہیں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ (الانفال: 27) (2) اور یہ

1۔ [illegible]، جلد 4، صفحہ 453   2۔ السیرۃ النبویہ، جلد 3، صفحہ 179

قسم اٹھائی کہ وہ بنو قریظہ کے علاقہ میں کبھی نہیں جائیں گے کیونکہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں ان سے گناہ سرزد ہوا۔ جب نبی کریم ﷺ کو حضرت ابولبابہ کے عمل کے بارے اطلاع ہوئی۔

فرمایا: ''خبردار اگر وہ میرے پاس آتا تو میں اس کے حق میں بخشش طلب کرتا جب اس نے یہ فعل خود کیا ہے تو میں اسے نہیں کھولوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے آزاد کر دے'' (1) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابولبابہ کے بارے میں اس آیت کو نازل فرمایا: وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ (توبہ: 106) جب اس کے متعلق قرآن حکیم نازل ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے آزاد کرنے کا حکم دے دیا جب بنو قریظہ نے صبح کی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر قلعوں سے نیچے اتر آئے۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ پر بھیڑ کر لی۔ عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ آپ جانتے ہیں کہ یہ ہمارے حلیف ہیں آپ نے عبداللہ بن ابی بن سلول کی بنونضیر کے بارے میں بات مانی جو خزرج کے حلیف تھے ہمارا حصہ و مقام کسی اور کے حصہ اور مقام سے کم نہیں یہ ہمارے حلیف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے قبیلہ اوس کی جماعت! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں میں سے ایک آدمی ان کے بارے میں فیصلہ کرے'' (2)۔ انہوں نے عرض کی: کیوں نہیں؟ فرمایا: ''یہ معاملہ حضرت سعد بن معاذ کے سپرد ہے''۔ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں ان کے لیے خیمہ لگوایا تھا تاکہ وہ زخم جو انہیں غزوہ خندق میں لگا اس کی قریب سے تیمارداری کر سکیں۔ حضرت سعد نے ان کے بارے میں فیصلہ کیا کہ ان میں سے جو جنگ کے قابل ہیں ان کو قتل کر دیا جائے۔ ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تو نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے چوتھے آسمان پر کیا ہے'' (3)۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں حکم دیا تو انہیں اس جگہ کی طرف لے جایا گیا جہاں آج بازار ہے (مراد حضرت ابن اسحاق کے زمانہ میں جہاں بازار تھا) وہاں خندقیں کھودی گئیں پھر حضور ﷺ نے حکم دیا تو ان خندقوں میں ان کی گردنیں اڑا دی گئیں۔ اس روز حیی بن اخطب اور کعب بن اسد کو قتل کر دیا گیا۔ یہ دونوں قوم کے سردار تھے۔ ان لوگوں کی تعداد چھ سے سات سو تھی۔ حیی پر گلابی رنگ کا حلہ تھا اس نے اس کو ہر جانب سے پورا پورا سوراخ کر دیا تھا تاکہ اس کو اس کے جسم سے اتارا نہ جائے۔ جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب اسے لایا گیا اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ رسی سے باندھے گئے تھے اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کے ساتھ دشمنی پر اپنے آپ کو ملامت نہیں کرتا۔

ولکنہ من یخذل اللہ یخذل (4)

لیکن جسے اللہ تعالیٰ بے یار و مددگار چھوڑ دے اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر اس نے کہا: اے لوگو! اللہ کے حکم کے سامنے کسی کو مجال نہیں کتاب، تقدیر اور ملحمہ قتل بنی اسرائیل پر لکھا جا چکا تھا۔ پھر وہ بیٹھا اور اس کی گردن اڑا دی گئی۔ ان کی عورتوں میں سے صرف ایک عورت قتل کی گئی۔ یہ بنانہ تھی جو حکم قرظی کی بیوی تھی جس نے حضرت خلاد بن سوید پر چکی پھینکی تھی اور

1۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 171 2۔ ایضاً، جز 21، صفحہ 172 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

انہیں قتل کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بچوں میں سے ہر اس بچے کو قتل کرنے کا حکم دیا جس کے بال اگ آئے تھے اور جن کے بال نہیں اگے تھے ان کو چھوڑ دیا۔ عطیہ قرظی کے بال نہیں اگے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے زندہ رہنے دیا۔ اس کا ذکر صحابہ میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس کو زبیر بن باطا کی اولاد ہبہ کی۔ انہوں نے انہیں زندہ رہنے دیا۔ ان میں عبدالرحمن بن زبیر مسلمان ہوا اور اس کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رفاعہ بن سموءل قرظی، حضرت ام منذر سلمی بنت قیس کو ہبہ کیا جو سلیط بن قیس کی بہن تھی یہ بنو نجار میں سے تھا یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی نماز پڑھی حضرت رفاعہ مسلمان ہوئے انہیں صحابیت کا شرف حاصل ہے اور ان کی روایات بھی ہیں۔

ابن وہب اور ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس، ابن باطا کے پاس آئے ابن باطا کا حضرت ثابت پر احسان تھا۔ کہا: میں نے تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس لیے بطور ہبہ طلب کیا تھا، کیونکہ تیرا مجھ پر ایک احسان تھا۔ ابن باطا نے کہا: کریم، کریم کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ پھر اس نے کہا: ایک ایسا آدمی کس طرح زندگی بسر کر سکتا ہے جس کا نہ بچہ ہو اور نہ ہی بیوی ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس کے بارے اس امر کا ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن باطا کو اس کے بچے اور اس کی بیوی واپس کر دی۔ حضرت ثابت اس کے پاس آئے اور سب کچھ بتایا۔ اس نے کہا: ایک آدمی کیسے زندگی بسر کر سکتا ہے جس کے پاس مال ہی نہ ہو؟ حضرت ثابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مال کا مطالبہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس کا مال بھی دے دیا۔ حضرت ثابت اس کی طرف آئے اور اسے بتایا۔ اس نے پوچھا: ابن ابی حقیق کا کیا بنا جس کا چہرہ گویا چینی آئینہ تھا؟ آپ نے فرمایا: اسے قتل کر دیا گیا ہے۔ اس نے پوچھا مجلسان یعنی بنی کعب بن قریظہ اور بنی عمرو بن قریظہ کا کیا ہوا؟ فرمایا: وہ سب قتل کر دیئے گئے۔ اس نے پوچھا: دونوں جماعتوں کا کیا ہوا؟ فرمایا: دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس نے کہا: میں تیرے ذمہ سے بری ہوں میں کبھی بھی کھجوروں کے باغ کو پانی نہیں دوں گا۔ مجھے بھی ان کے ساتھ لاحق کر دو۔ حضرت ثابت نے اسے قتل کرنے سے انکار کر دیا تو اسے کسی اور نے قتل کر دیا۔ ابن باطا کا حضرت ثابت پر جو احسان تھا وہ یہ کہ یوم بعاث کو ان کو قیدی بنا لیا گیا ابن باطا نے ان کی پیشانی کے بال کاٹے اور انہیں آزاد کر دیا۔

مسئلہ نمبر 10۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کے مال تقسیم کیے۔ آپ نے شاہسوار کو تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ عطا فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شاہسوار کے لیے دو اور پیدل کے لیے ایک حصہ۔ اس دن مسلمانوں کے چھتیس گھوڑے تھے۔ ان کے قیدیوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصہ میں ریحانہ بنت عمرو بن جنافہ جو بنی عمرو بن قریظہ میں تھی آئی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہی رہی یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ مال غنیمت تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہسوار اور پیدل کے درمیان تقسیم کیا۔ یہ وہ پہلی غنیمت تھی جس میں خمس معین کیا۔ جب کہ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے کہ پہلی غنیمت حضرت عبداللہ بن جحش کے لشکر سے حاصل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ابو عمر نے کہا: اس میں تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ (الانفال: 41)

آیت کے نازل ہونے کے بعد بنو قریظہ کی پہلی غنیمت تھی جس میں خمس جاری ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن جحش نے پہلے اپنی مہم میں حاصل ہونے والے مال سے خمس عطا کیا تھا۔ پھر قرآن کا حکم اس طرح نازل ہوا جس طرح انہوں نے کیا۔ یہ چیز ان کے فضائل سے تعلق رکھتی ہے۔

قریظہ کی فتح 5ھ کے ذی قعدہ کے آخر اور ذی الحجہ کے آغاز میں ہوئی تھی۔ جب بنی قریظہ کا معاملہ مکمل ہوا تو فاضل، صالح حضرت سعد بن معاذ کی دعا قبول ہوئی ان کا زخم کھل گیا۔ ان کی رگ خون بہانے لگی۔ ان کا خون جاری ہو گیا اور وہ وصال کر گئے۔ یہی وہ ہستی ہیں جن کے بارے میں حدیث آئی ہے۔ اھتزلموتہ عرش الرحمن (1) یعنی عرش کے مکین یعنی فرشتے ان کی روح کے آنے کی وجہ سے خوش ہو گئے اور ان کی وجہ سے جھومنے لگے۔ ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے مجھے یحییٰ بن سعید نے بیان کیا: حضرت سعد بن معاذ کے وصال پر ستر ہزار ایسے فرشتے نازل ہوئے جو اس سے قبل نازل نہیں ہوئے تھے (2)۔ امام مالک نے کہا: غزوۂ خندق کے موقع پر چار یا پانچ مسلمان شہید ہوئے۔

میں کہتا ہوں: غزوۂ خندق کے موقع پر چھ مسلمان شہید ہوئے جن کا ذکر سیرت نگاروں نے کیا ہے۔ حضرت سعد بن معاذ، ابو عمرو جو بنو عبدالاشہل میں سے تھے۔ حضرت انس بن اوس بن عتیک، عبداللہ بن سہل یہ دونوں بنی عبدالاشہل میں سے تھے حضرت طفیل بن نعمان، حضرت ثعلبہ بن غنمہ دونوں بنی سلمہ سے تعلق رکھتے تھے حضرت کعب بن زید جو بنو دینار بن نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک اجنبی تیر وہاں آپ کو لگا اور آپ کو قتل کر دیا۔ رضی اللہ عنہم۔

کفار میں سے تین آدمی قتل ہوئے: منبہ بن عثمان بن عبید بن سباق بن عبدالدار۔ اسے ایک تیر لگا جس وجہ سے وہ مکہ مکرمہ میں مر گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ عثمان بن امیہ بن منبہ بن عبید بن ساق تھا۔ نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی۔ یہ خندق میں داخل ہوا اور اس میں پھنس گیا اور قتل ہو گیا۔ مسلمان اس کے جسم پر غالب آ گئے۔ زہری نے روایت کی ہے کہ مشرکین نے اس کی لاش حاصل کرنے کے لیے دس ہزار درہم دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہمیں اس کی لاش اور اس کی قیمت سے کوئی غرض نہیں'' (3)۔ اور انہیں لاش لے جانے کی اجازت دے دی۔ عمرو بن عبدود جسے دعوت مبارزت کے بعد حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

غزوۂ قریظہ کے موقع پر مسلمانوں میں سے حضرت خلاد بن سوید بن ثعلبہ بن عمرو جو بنو حارث بن خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ ان پر بنو قریظہ کی ایک عورت نے چکی پھینک دی تھی اور آپ کو قتل کر دیا تھا۔ محاصرہ کے موقع پر حضرت ابو سنان بن محصن بن حران اسدی، اخو عکاشہ بن محصن۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بنو قریظہ کے قبرستان میں دفن کیا جس میں مسلمان اپنی میتیں دفن کرتے ہیں جو وہاں آج رہتے ہیں۔ ان دو افراد کے علاوہ کوئی شہید نہ ہوا۔

غزوۂ خندق کے بعد قریش کے کفار نے مومنوں پر حملہ نہ کیا۔ دارمی ابو محمد نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ یزید

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، مناقب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، جلد 1، صفحہ 536

2۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1515　3۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 1512

بن ہارون، ابن ابی ذہب سے وہ مقبری سے وہ عبدالرحمن بن ابی اسید خدری سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر ہمارا محاصرہ کیا گیا یہاں تک کہ رات کا لمبا حصہ گزر گیا یہاں تک کہ ہماری کفایت کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ (الاحزاب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا انہوں نے اقامت کہی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی تو اس کو اچھی طرح پڑھایا جس طرح وقت میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو انہوں نے عصر کی اقامت کہی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو انہوں نے مغرب کی اقامت کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کی نماز پڑھائی پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو حضرت بلال نے عشاء کی اقامت کہی تو آپ نے نماز پڑھائی(1)۔ یہ طریقہ اس سے قبل کا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا (البقرہ:239) امام نسائی نے بھی اسے نقل کیا ہے یہ مسئلہ سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔ ہم نے اس غزوہ کے دس مسائل میں بہت سے احکام ان لوگوں کے لیے ذکر کر دیئے ہیں جو ان میں غور وفکر کریں۔ پھر ہم آیات کے ابتدائی حصہ کی طرف لوٹتے ہیں۔ یہ انیس آیات ہیں ان چیزوں کو ضمن میں لیے ہوئے ہیں جن کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ جنود سے مراد احزاب ہیں۔ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا مجاہد نے کہا: ریحا سے مراد صبا ہے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر لشکروں پر ہوا بھیجی گئی یہاں تک کہ اس نے ان کی ہانڈیوں کو الٹ دیا اور ان کے خیموں کو اکھیڑ دیا۔ کہا: جنود سے مراد فرشتے ہیں۔ انہوں نے اس روز جنگ نہیں کی تھی (2)۔ عکرمہ نے کہا: جنوب (ہوا) نے شمال (ہوا) سے احزاب والی رات کو کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کے لیے چل۔ شمال نے کہا: محوۃ (ہوا کا نام) رات کو نہیں چلتی۔ جو ہوا ان پر بھیجی گئی وہ صبا تھی (3)۔ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''صبا سے میری مدد کی گئی اور دبور (ہوا) سے قوم عاد کو ہلاک کیا گیا'' (4)۔ یہ ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے معجزہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان احزاب کے بالکل قریب تھے۔ مسلمانوں اور احزاب کے درمیان صرف خندق تھی۔ مسلمان اس سے محفوظ تھے اور مشرکوں پر جو کچھ گزر رہی تھی اس کی انہیں کچھ خبر نہ تھی۔

وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اسے یا کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی مشرکوں نے انہیں نہیں دیکھا۔ مفسرین نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان پر فرشتے بھیجے۔ انہوں نے ان کی میخیں اکھیڑ دیں، خیموں کی رسیاں کاٹ دیں، آگ کو بجھا دیا، ہانڈیوں کو الٹ دیا، گھوڑے ادھر ادھر گھومنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رعب مسلط کر دیا۔ لشکر کے اردگرد فرشتے اللہ تعالیٰ کے نعرے کثرت سے لگانے لگے، یہاں تک کہ ہر خیمہ کا سردار کہتا: اے بنوفلاں! میری طرف آؤ، جب وہ جمع ہوتے تو وہ کہتا: النجاء النجاء بچاؤ بچاؤ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رعب کو بھیج دیا (5)۔

1۔ سنن نسائی، کتاب الصلوٰۃ، الاذان للغائب، جلد 1، صفحہ 108-107
2۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 214
3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 36-435
4۔ صحیح بخاری، بدء الخلق، فی قولہ تعالیٰ ھو الذی ارسل الریاح، جلد 1، صفحہ 455
5۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 436

وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا اسے یاء کے ساتھ یعملون پڑھا گیا ہے، یہ غائب کا صیغہ ہے یہ ابو عمرو کی قراءت ہے باقی نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے یعنی جس نے خندق کو کھودا اور دشمنوں سے بچاؤ کیا۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝

''جب انہوں نے بلہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے''۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ، اذ محل نصب میں ہے اس سے پہلے اذکر فعل محذوف ہے اسی طرح وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ (الاحزاب: 13) مِّنْ فَوْقِكُمْ وادی کے اوپر والے حصہ سے یہ مشرق کی جانب اس کا بالائی حصہ ہے۔ اس جانب سے مالک بن نصر، عیینہ بن حصن اہل نجد سے اور طلیحہ بن خویلد اسدی بنو اسد کے ساتھ گیا تھا۔ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وادی کے زیریں علاقہ سے جو مغرب کی جانب تھا، اس جانب سے ابوسفیان بن حرب اہل مکہ کے سردار کی حیثیت سے، یزید بن جحش قریش کے سردار کی حیثیت سے آیا۔ ابو اعور اسلمی، اس کے ساتھ حیی بن اخطب یہودی بنی قریظہ کے یہودیوں کے ساتھ ان کے ساتھ عامر بن طفیل تھا یہ خندق کی جانب سے آئے تھے۔

وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ جب آنکھیں پتھرا گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آنکھیں جھک گئیں۔ خوف کی زیادتی کی وجہ سے دہشت زدہ ہو کر وہ دشمن کی طرف ہی متوجہ تھیں۔ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وہ سینوں میں اپنی جگہوں سے زائل ہو گئے تھے یہاں تک کہ حلقوم تک پہنچ گئے تھے۔ حناجر واحد حنجرۃ ہے(1)۔ اگر حلقوم اس سے تنگ نہ ہوتا تو دل باہر نکل جاتے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے: یہ عربوں کے مذہب کے مطابق مبالغہ کے معنی میں ہے اور کا دمضمر ہے کہا:

إذا ما غَضِبْنَا غَضْبَةً مُضَرِيَّةً هتكنا حجاب الشمس أوقطرت دَمَا

''جب ہم مضر غصہ میں ہوتے ہیں تو ہم سورج کے حجاب کو تار تار کر دیتے ہیں قریب ہوتا ہے کہ وہ خون گرانے لگے''۔

یہ کادت تقطر کے معنی میں ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: پھیپھڑا خوف کے وقت پھول جاتا ہے اور دل اوپر کو اٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ قریب ہوتا ہے کہ وہ حلقوم تک جا پہنچے۔ اسی وجہ سے بزدل کے بارے میں کہا جاتا ہے: انتفخ سحرہ اس کا پھیپھڑا پھول گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خوف کی زیادتی میں ضرب المثل ہے کہ دل حلقوم تک پہنچ گئے، اگرچہ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا کیونکہ زندگی باقی ہے؛ یہ معنی عکرمہ نے بیان کیا ہے(2)۔ حماد بن زید، ایوب سے وہ عکرمہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: خوف انتہا کو پہنچ گیا۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے اس سے مراد اضطراب قلب اور اس کا شدید دھڑکنا ہے، گویا وہ شدید اضطراب کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 379 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 80-379

وجہ سے حلقوم تک پہنچ گیا۔ حنجرہ اور حنجور (نون کی زیادتی کے ساتھ) سے مراد حلق کی ایک جانب ہے۔

وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا حضرت حسن بصری نے کہا: منافقوں نے گمان کیا کہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھیڑ دیا جائے گا اور مومن امید رکھتے تھے کہ ان کی مدد کی جائے گی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مومنوں کو خطاب ہے یعنی تم نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ ہلاک ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: الظُّنُوْنَا، الرسول اور السبیلا کی قراءت میں قراء نے اختلاف کیا ہے۔ نافع اور ابن عامر نے وقف اور وصل دونوں صورتوں میں الف کو ثابت رکھا ہے۔ ابوعمرو اور کسائی سے یہ مروی ہے وہ مصحف، مصحف عثمان اور تمام شہروں میں جو مصاحف ہیں ان کے خط سے تمسک کرتے تھے۔ ابوعبید نے اسے اپنایا مگر کہا: قاری کو نہیں چاہیے کہ اس کے بعد بھی قراءت کرے بلکہ ان پر وقف کرے۔ انہوں نے کہا: کیونکہ عرب اشعار کے قوافی اور ان کے مصرعوں میں اسی طرح کرتے ہیں۔ کہا:

نحن جلبنا القرح القوافلا تستشفر الأواخر الأوائلا

محل استدلال القوافلا اور الاوائلا ہے۔

ابو عمرو، جحدری، یعقوب اور حمزہ نے وصل اور وقف میں اس کے خلاف کے ساتھ قراءت کی ہے۔ علماء نے کہا: یہ خط میں زائد ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ (التوبہ: 47) میں الف زائد کیا جاتا ہے وہ یوں ہے ولا أوضعوا انہوں نے اسے اسی طرح لکھا اس کے علاوہ بھی امثلہ ہیں، جہاں تک شعر کا تعلق ہے تو ضرورت کا محل ہے، کیونکہ اس کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ یہ فصیح ترین لغت ہے اس میں کوئی ضرورت نہیں۔ ابن انباری نے کہا: جس نے الظنون، السبیل اور الرسول تینوں حروف کو الف کے بغیر پڑھا اور مصحف میں ان کا خط الف کے ساتھ ہے کیونکہ أطعنا میں الف اور الرسول، الظنون اور السبیل کے شروع میں جو داخل ہے یہ اس الف کو کفایت کر جاتا ہے جو اس کے آخر میں ہے۔ جس طرح ابوجاد کا الف ہواز (2) کے الف سے کفایت کر جاتا ہے۔ اس میں ایک اور دلیل ہے الف فتحہ کے قائم مقام ہے اور اس کے قائم مقام ہے جسے اس وقت حرکت کے سہارا کے لیے لاحق کیا جاتا ہے جو اس سے پہلے ہو اس میں نیت سقوط کی ہوتی ہے۔ جب اس پر عمل کیا جائے تو الف فتحہ کے ساتھ ایک شے کی طرح ہو جائیں گے۔ وقف ان دونوں کے سقوط کو واجب کرے گا اور اس چیز میں عامل ہوگا کہ خط میں الف کی صورت بولنے میں اس کی حیثیت کو ثابت نہیں کرے گی۔ یہ اس الف کی طرح ہو جائے گی جو ساحران، فاطر السموات والارض، واعدنا موسیٰ اور ان کے مشابہ الفاظ میں ہے۔ جس سے الف کو خط میں حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ وہ بولنے میں موجود ہوتا ہے جب کہ وہ لکھنے میں ساقط ہوتا ہے۔ اس میں ایک تیسری دلیل بھی ہے۔ یہ اس آدمی کی لغت پر لکھا گیا ہے جو یہ کہتا ہے: لقیت الرجلا اور اس کی لغت پر پڑھا گیا ہے جو کہتا ہے: لقیت الرجل

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 290

2۔ اس سے مراد ابجد، ھوز کے حروف ہیں ابجد کی اصل ابوجاد ہے اور ھوز کی اصل ھواز ہے۔ یعنی جب حرف کی ایک دفعہ مثال دے دی جائے تو دوبارہ سے غنی کر دیتی ہے۔

یعنی الف کے بغیر۔ احمد بن یحییٰ، اہل لغت کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں کہ وہ عربوں سے روایت کرتے ہیں: قام الرجلو واؤ کے ساتھ مررت برجلی یاء کے ساتھ وقف اور وصل دونوں صورتوں میں روایت کیا ہے۔ لقیت الرجلا دونوں حالتوں میں الف کے ساتھ روایت کیا۔ شاعر نے کہا:

أسائلةٌ عُمیرةُ عن أبیها خلالَ الجش تَعْتَرِف الرّکابا

کیا عمیرۃ اپنے باپ کے بارے لشکر کے درمیان پوچھتی ہے وہ سواروں کو پہچانتی ہے۔

الرکابا میں الف کو ثابت رکھا اس لغت پر بنا کی ہے۔ ایک اور نے کہا:

إذا الجوزاء أردفت الثریا ظننت بآل فاطمة الظنونا

جب جوزاء ثریا کے پیچھے ہوا تو میں نے آل فاطمہ کے بارے میں گمانات کیے۔

محل استدلال الظنونا ہے یہ بنی نافع کی لغت کے اعتبار سے ہے۔ ابن کثیر، ابن محیصن اور کسائی نے نصف میں الف ثابت رکھتے ہوئے اور وصل میں حذف کرتے ہوئے قراءت کی ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے الف کے بغیر وصل کیا اور الف کے ساتھ وقف کیا تو اس کے لیے جائز ہے کہ استدلال کرے کہ سکتہ کے وقت وہ الف کا محتاج تھا مقصد فتحہ کی بقاء پر حرص ہے۔ اور الف اس فتحہ کا سہارا بنتا ہے اور اسے قوت بہم پہنچاتا ہے۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾

''اس موقع پر خوب آزمالیا گیا ایمان والوں کو اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے''۔

ھُنَا یہ ظرف مکان قریب کے لیے ہے اور هُنَالِكَ ظرف مکان بعید کے لیے ہے۔ ھناك ظرف مکان درمیانی کے لیے ہے۔ اس کے ساتھ وقت کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے یعنی اس موقع پر مومنوں کو آزمایا گیا تاکہ مخلص منافق سے ممتاز ہو جائے۔ یہ آزمائش خوف، قتال، بھوک، محصوری اور دشمنوں کے آنے کی صورت میں تھی۔ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا یعنی انہیں حرکت دی گئی۔ زجاج نے کہا: مضاعف کا مصدر ضلال کے وزن پر ہوتا ہے۔ اس میں فاء کلمہ پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں، جس طرح یہ جملہ ہے: قلقلتہ قِلقالا و قَلقالا زلزلوا زِلزالا و زَلزالا کسرہ زیادہ مناسب ہے، کیونکہ غیر مضاف کا مصدر کسرہ کے ساتھ آتا ہے۔ جس طرح دحرجتہ دحراجا عام قراءت راء کے ساتھ ہے۔ عاصم اور حجدری نے راء کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ زَلْزَالًا ابن سیبویہ نے کہا: معنی ہے انہیں خوف کے ساتھ سخت حرکت دی گئی۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد انہیں اپنی جگہوں سے ہلانا ہے، یہاں تک کہ ان کے لیے کوئی چیز باقی نہ رہی مگر خندق کی جگہ (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس حالت پر وہ تھے اس سے ان کا مضطرب ہونا ہے۔ ان میں سے کچھ وہ تھے جو اپنی ذات کے بارے میں مضطرب ہوئے اور کچھ اپنے دین کے بارے میں مضطرب ہوئے (2)۔ هُنَالِكَ یہ جائز ہے کہ اس میں ابتلی عامل ہے هُنَالِكَ پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس میں عامل وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ہو اور ھنالك پر وقف کیا جائے گا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 381 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 380

وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ⑫

''اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وہ وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح کا) اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لیے''۔

مرض سے مراد شک اور نفاق ہے۔ غُرُوْرًا سے مراد باطل قول ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ طعمہ بن ابیرق، معتب بن قشیر اور ایک جماعت جن کی تعداد ستر کے قریب تھی انہوں نے غزوہ خندق کے موقع پر کہا تھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کا کیسے وعدہ کرتے ہیں جب کہ ہم میں سے کوئی قضائے حاجت بھی نہیں کر سکتا؟ انہوں نے یہ بات اس وقت کی تھی جب صحابہ کرام میں یہ بات عام ہوئی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹان پر ضرب لگائی تھی جس طرح امام نسائی کی حدیث میں یہ پہلے گزر چکا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ یَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ⑬

''اور یاد کرو جب کہتی پھرتی تھی ان میں سے ایک جماعت کہ اے یثرب والو! تمہارے لیے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں (جان عزیز ہے) تو لوٹ چلو (اپنے گھروں کو) اور اجازت مانگنے لگا ان میں سے ایک گروہ نبی کریم سے یہ کہہ کر (حضور) ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے (اس بہانہ سازی سے) ان کا ارادہ محض (میدان جنگ سے) فرار تھا''۔

وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا طائفہ کا لفظ ایک اور اس سے زائد افراد پر صادق آتا ہے یہاں اس سے مراد اوس بن قیظی ہے جو عرابہ بن اوس کا والد تھا جس کے بارے میں شماخ کہتا تھا:

إذا ما رايةٌ رُفعت لمَجْد تلقاها عَرابةُ باليمين

بزرگی کے لیے جب بھی کوئی جھنڈا اٹھایا جاتا ہے تو عرابہ اسے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے۔

یثرب سے مراد مدینہ طیبہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام طیبہ اور طابہ رکھا۔ ابو عبید نے کہا: یثرب ایک علاقہ کا نام ہے مدینہ اس کی ایک جانب واقع تھا (1)۔ سہیل نے کہا: اس کو یثرب نام اس لیے دیا گیا کیونکہ عمالقہ میں سے جو یہاں آکر اترا اس کا نام یثرب بن عمیل بن مہلائیل بن عوض بن عملاق بن لاوذ بن ارم تھا۔ ان اسماء میں سے بعض میں اختلاف ہے۔ بنو عمیل وہ ہیں جو جحفہ میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ اور سیلاب انہیں بہالے گیا تھا، اسی وجہ سے اسے جحفہ کا نام دیا گیا۔

لَا مُقَامَ لَكُمْ عام قراءت میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ حفص، سلمی، جحدری اور ابو حیوہ نے میم کے ضمہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ یہ اقام یقیم سے مصدر میمی ہے، یعنی یہاں کوئی اقامت نہیں یا یہاں کوئی جگہ نہیں جس میں تم ٹھہر سکو۔ جس نے میم کو فتحہ

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 446

دیا اس کے نزدیک یہ اسم مکان ہے یعنی یہاں کوئی جگہ نہیں جس میں تم ٹھہر سکو۔ فَارْجِعُوْا اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ۔ انہیں حکم دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر سے بھاگ جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہودیوں نے عبد اللہ بن ابی بن سلول اور اس کے منافق ساتھیوں سے کہا: کون سی چیز تمہیں برانگیختہ کرتی ہے کہ تم اپنے آپ کو ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں سے ہلاک کرو؟ مدینہ کی طرف لوٹ جاؤ۔ بے شک ہم ان احزاب کے ساتھ ہیں پس تم امان میں ہو(1)۔

وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ ایک فریق نے مدینہ میں اپنے اپنے گھروں کی لوٹ جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول میں وہ بنو حارثہ بن حارث تھے(2)۔ یزید بن رومان نے کہا: یہ بات اوس بن قیظی نے اپنی قوم کے سرداروں سے کی تھی۔ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ الگ تھلگ اور ضائع ہونے والے ہیں وہ قلعہ میں نہیں۔ یہ اس گھر کو کہتے ہیں جو دشمنوں کے سامنے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: چوروں کے لیے وہاں چوری کرنا ممکن ہے کیونکہ وہ گھر مردوں سے خالی تھے۔ یہ کہا جاتا ہے: دار معورۃ و ذات عورۃ ایسے گھر کے لیے بولتے ہیں جب اس میں داخل ہونا آسان ہو جملہ کہا جاتا ہے: عوِر المکان عوَر افھو عوِر، بیوت عوِرۃ، واعور فھو معور ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عوِرۃ ہے جس کا معنی ذات عورۃ ہے ہر وہ مکان جہاں جانے میں رکاوٹ نہ ہو اور کوئی پردہ نہ ہو تو وہ عورۃ کہلاتا ہے؛ یہ ہروی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد اور ابورجاء عطاردی نے پڑھا(3) عَوِرَۃ یعنی جس کی دیواریں چھوٹی اور ان میں سوراخ ہوں۔ عرب کہتے ہیں: دار فلان عورۃ جب وہ قلعہ نما نہ ہو۔ قد اعور الفارس جب تلوار کا وار کرنے اور نیزہ مارنے میں کوئی نقص ظاہر ہو۔ شاعر نے کہا:

متی تَلْقَھم لم تَلْقَ فی البیت مُعْوِرًا ولا الضیفَ مفجوعاً والاالجار مُرْمِلَا

جب تو انہیں ملے گا تو تو انہیں گھر میں معور نہیں ملے گا، یعنی اس کے ذار میں کچھ نقص نہ ہو گا۔

جوہری نے کہا: عورۃ اس کمی کو کہتے ہیں جس سے ڈرا جاتا ہے خواہ وہ سرحد میں ہو یا جنگ میں ہو۔ نحاس نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے اعور المکان جب اس میں کوئی خلل واقع ہو۔ اعور الفارس جب اس میں نقص کی جگہ واضح ہو۔ مہدوی نے کہا: جس نے عورۃ میں واؤ کو کسرہ دیا تو یہ شاذ ہے۔ اس کی مثل ان کا قول ہے رجل عور یعنی اس کے لیے کوئی چیز نہیں۔ قیاس تو یہ تھا کہ اس میں تعلیل کی جاتی تو کہا جاتا: عار، کیوم راح، و رجلِ مالٍ یہ اصل میں روح اور مول تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ انہوں نے جو کچھ ذکر کیا ان کو جھٹلانے اور ان کا رد کرنے کے لیے یہ کہا۔ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا وہ بھاگ جانے کے سوا کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قتل سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دین سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ نقاش نے کہا: یہ آیت انصار کے دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی، بنو حارثہ اور بنو سلمہ(4)۔ انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ غزوہ خندق کے موقع پر اپنے مراکز کو ترک کر دیں۔ انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 448 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 383 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 383 4۔ ایضاً

(آل عمران: 122) جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے کہا: ہم نے جو ارادہ کیا تھا وہ ہمیں کوئی دکھ نہیں دیتا جب اللہ تعالیٰ ہمارا ولی ہے۔ سدی نے کہا: جن لوگوں نے اجازت طلب کی تھی ان میں دو آدمی انصار میں سے بنوحارث سے تعلق رکھتے تھے (۱) ابوعرابہ بن اوس (۲) اوس بن قیظی۔ ضحاک نے کہا: اسی آدمی بغیر اجازت کے لوٹ آئے تھے (1)۔

وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾

''اور اگر گھس آتے (کفار کے لشکر) ان پر مدینہ کی اطراف سے پھر ان سے درخواست کی جاتی فتنہ انگیزی میں شرکت کی تو فوراً اسے قبول کر لیتے اور توقف نہ کرتے اس میں مگر بہت کم''۔

وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا، ہاضمیر سے مراد بیوت ہیں یا مدینہ ہے یعنی ان کی اطراف اور جوانب سے۔ واحد قطر ہے جس کا معنی جانب اور ناحیہ ہے۔ اسی طرح قتر یہ بھی قطر میں ایک لغت ہے۔ ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا تو وہ اس میں آ پڑے۔ یہ نافع اور ابن کثیر کی قراءت قصر کے ساتھ ہے باقی قراء نے اسے جر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اپنی جانب سے وہ اسے دیتے۔ یہ ابوعبید اور ابوحاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا گیا اور ان سے شرک کا مطالبہ کیا گیا ہر کسی نے وہ بات مان لی جس کا اس سے مطالبہ کیا گیا مگر حضرت بلال۔ اس میں مد کی قراءت کی دلیل ہے۔ جس کا معنی عطا کرنا ہے قصر کی قراءت پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ (الاحزاب: 15) یہ لاتوھا میں ہمزہ کے مقصور ہونے پر دال ہے۔ فتنہ کی یہاں دو توجیہیں ہیں: (۱) ان سے عصبیت کی وجہ سے سوال کیا جائے تو وہ اس میں جلدی کرتے ہیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے (۲) ان سے یہ شرک کا مطالبہ کیا جائے تو وہ جلدی سے اسے قبول کر لیتے ہیں، یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے (2)۔

وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ وہ کفر کے بعد مدینہ طیبہ میں تھوڑا ہی ٹھہرتے یہاں تک کہ ہلاک ہو جاتے؛ یہ سدی، قتیبی، حضرت حسن بصری اور فراء کا قول ہے (3)۔ اکثر مفسرین نے کہا: فتنہ شرک سے تھوڑے ہی بچتے اور شرک کی دعوت کو بہت جلد قبول کرتے۔ یہ ان کی نیتوں کے ضعف اور نفاق کی زیادتی کی وجہ سے تھا۔ اگر دشمن کے لشکر ان کے ساتھ خلط ملط ہو جاتے تو وہ کفر کو ظاہر کر دیتے۔

وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾

''حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے اس کے متعلق ضرور باز پرس کی جاتی ہے''۔

وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ غزوہ خندق سے پہلے اور غزوہ بدر کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا۔ قتادہ نے کہا: اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ غزوہ بدر سے غائب رہے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو جو کرامت اور نصرت عطا کی تھی اس کو

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 282　　2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 291　　3۔ ایضاً

انہوں نے دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا تھا: اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنگ کا موقع دیا تو ہم ضرور جنگ کریں گے (1)۔ یزید بن رومان نے کہا: وہ بنو حارثہ تھے انہوں نے غزوۂ احد کے موقع پر بنو سلمہ کے ساتھ مل کر بزدلی کا ارادہ کیا تھا۔ جب ان کے بارے میں نازل ہوا جو نازل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ وہ دوبارہ ایسا ہرگز نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس چیز کا ذکر کیا جو انہوں نے اپنی طرف سے پیش کیا تھا (2)۔

وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ مقاتل اور کلبی نے کہا: وہ ستر افراد تھے انہوں نے لیلۃ العقبہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انہوں نے عرض کی: اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے شرطیں لگالو جو بھی آپ چاہیں۔ فرمایا: ''میں اپنے رب کے لیے شرط لگاتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے۔ اور میں اپنے لیے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم میری حفاظت اس طرح کرو گے جس طرح تم اپنی عورتوں، اپنے اموال اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہو''۔ انہوں نے عرض کی: یا نبی اللہ! اگر ہم ایسا کریں گے تو ہمارے لیے کیا ہوگا۔ فرمایا: ''تمہارے لیے دنیا اور آخرت میں جنت ہوگی'' (3)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے یہی مراد ہے: وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس بارے میں پوچھے گا۔

قُلْ لَّنْ یَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝

''فرمادیجئے: (اے بھگوڑو!) تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا قتل سے اور (اگر بھاگ کر تم نے جان بچا بھی لی) تو تم لطف اندوز نہ ہو سکو گے مگر تھوڑی مدت''۔

جس کی اجل آجائے گی وہ مرجائے گا یا قتل ہو جائے گا تو بھاگنا اسے کوئی نفع نہیں دے گا۔ پس بھاگنے کے بعد تم دنیا میں تھوڑا عرصہ ہی لطف اندوز ہو گے یہاں تک کہ تمہاری آجال پوری ہو جائیں گی۔ ہر وہ چیز جو آنے والی ہو وہ قریب ہی ہوتی ہے۔ ساجی نے یعقوب حضرمی سے روایت نقل کی ہے وَ اِذًا لَّا یُمَتَّعُوْنَ یاء کے ساتھ ہے۔ بعض روایات میں ہے واذا لا تُمتعوا، اذا کے ساتھ منصوب ہے رفع اس معنی میں ہے ولا تمتعون اور اذا ملغی ہے۔ اس کو عامل بنانا بھی جائز ہے۔ یہ اس کا حکم اس وقت ہوگا جب اس سے پہلے واؤ اور فاء ہو۔ جب اس سے کلام شروع ہو تو اس کے ساتھ نصب دے گا تو تو کہے گا: اِذا اکرمک۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ۝

''فرمایئے: کون بچا سکتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ سے اگر وہ عذاب دینے کا ارادہ کر لے یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہے، اور نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار''۔

یعنی اللہ تعالیٰ سے تمہیں کون بچائے گا؟ اگر وہ تمہارے بارے میں ہلاکت کا ارادہ کر لے۔ رَحْمَةً سے مراد خیر، مدد اور

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 447　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

عافیت ہے۔ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا یعنی نہ وہ ایسا قریبی پائیں گے جو انہیں نفع دے اور نہ ایسا مددگار پائیں گے جو ان کی مدد کرے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۱۸﴾

''اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں (اسلامی کیمپ چھوڑ کر) ہماری طرف آ جاؤ اور خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے مگر برائے نام''۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ تم میں سے جو لوگ آڑے آتے ہیں کہ وہ لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روکیں یہ عاقنی من کذا سے مشتق ہے یعنی اس نے مجھے فلاں سے پھیر دیا۔ عوق، یہ کثرت کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا یہ اہل حجاز کی لغت کے مطابق ہے۔ دوسرے کہتے ہیں: ھلمّوا یہ جماعت کے لیے ہے۔ ھلمّی یہ عورت کے لیے۔ کیونکہ اصل میں ہا تنبیہ کے لیے ہے اس کے ساتھ لم ملا دیا گیا ہے پھر تخفیف کے لیے الف کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور اسے مبنی بر فتحہ بنایا گیا ہے اس میں کسرہ اور ضمہ جائز نہیں کیونکہ یہ منصرف نہیں۔ ھلم کا معنی اقبل ہے یعنی آؤ۔ یہ دو گروہ تھے یعنی تم میں سے وہ لوگ ہیں جو روکتے ہیں۔ عوق کا معنی روکنا اور پھیرنا ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے عَاقَهٗ يَعُوْقُهٗ عوقا، عوقہ اعتاقہ سب ایک معنی میں ہیں۔ مقاتل نے کہا: وہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی تھے جو سب منافق تھے۔

وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ ان کے بارے میں تین قول ہیں: (۱) وہ منافق تھے انہوں نے مسلمانوں سے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بہت ہی تھوڑے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ہلاک ہونے والے ہیں۔ پس ہماری طرف آ جاؤ (۲) وہ بنو قریظہ کے یہودی تھے۔ انہوں نے اپنے منافق بھائیوں سے کہا: ہمارے پاس آ جاؤ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دو کیونکہ وہ تو ہلاک ہونے والے ہیں اگر ابوسفیان کامیاب ہو گیا تو تم میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑے گا۔ (۳) ابن زید نے جو بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک نیزوں اور تلواروں کے درمیان تھے اس کے حقیقی بھائی نے اسے کہا: میری طرف آ جاؤ۔ تیرے اور تیرے ساتھی کو گھیر لیا گیا ہے اس صحابی نے کہا: تو نے جھوٹ بولا ہے۔ اللہ کی قسم! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے بارے میں آگاہ کروں گا۔ وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گیا تاکہ آپ کو بتائے تو اس نے پایا کہ حضرت جبریل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام لا چکے ہیں: قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا۔ ماوردی اور ثعلبی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے (1)۔ اس کے الفاظ ہیں: ابن زید نے کہا: یہ احزاب کا دن ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک صحابی چلا تو اس نے اپنے بھائی کو پایا کہ اس کے سامنے روٹی، بھنا ہوا گوشت اور نبیذ ہے۔ اس صحابی نے کہا: تو اس حال میں ہے جب کہ ہم نیزوں اور تلواروں کے درمیان وقت گزار رہے ہیں؟ اس نے کہا: میرے پاس آ جاؤ تحقیق تجھے اور تیرے ساتھیوں کو گھیر لیا گیا ہے وہ ذات جس کی تو قسم اٹھاتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اب کبھی بھی مستحکم نہ ہوگا۔ فرمایا: تو نے جھوٹ بولا۔ وہ صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 384

تا کہ سب کچھ بتائے تو حضرت جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا وہ موت کے ڈر سے جنگ میں بہت ہی کم شامل ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جنگ میں ریاکاری اور شہرت کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ⑲

”پرلے درجے کے کنجوس ہیں تمہارے معاملہ میں جب خوف (ودہشت) چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو پھر جب خوف دور ہو جائے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے، بڑے حریص ہیں مال غنیمت کے حصول میں (درحقیقت) یہ لوگ ایمان ہی نہیں لے آتے پس اللہ تعالیٰ نے ضائع کر دیئے ہیں ان کے اعمال اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے“۔

أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ تم پر بخیل ہیں خندق کھودنے میں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں؛ یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہاری معیت میں جنگ کرنے میں بخیل ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے فقراء اور مساکین پر خرچ کرنے میں بخیل ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے(2): جب وہ غنیمت کا مال پاتے ہیں تو اس کے بارے میں بڑے بخیل ہوتے ہیں، یہ سدی کا قول ہے۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: فراء کے نزدیک اس پر نصب چار وجوہ سے ہے: (۱) یہ مذمت کے طور پر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کے نزدیک نصب یعوقون أشحة کے معنی میں ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام ہو القائلين أشحة اس کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ کلام یوں ہو: ولا يأتون البأس إلا قليلا أشحة یعنی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو وہ غنیمت کے مال کے بارے میں فقراء پر بخل کرنے والے ہوتے ہیں۔ نحاس نے کہا: اس میں المعوقين کا عامل ہونا جائز نہیں اور نہ ہی القائلين کا عامل ہونا جائز ہے تا کہ صلہ اور موصول کے درمیان فاصلہ نہ کیا جائے۔ ابن انباری نے کہا: إلا قليلا غیر تام ہے۔ کیونکہ أشحة قول کے متعلق ہے یہ چار وجوہ سے منصوب ہے: (۱) یہ المعوقين سے الگ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو۔ گویا فرمایا: قد يعلم الله الذين يعوقون عن القتال ويشحون عن الانفاق على فقراء المسلمين۔ یہ بھی جائز ہے کہ القائلين سے الگ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، یعنی وهم أشحة۔ یہ بھی جائز ہے یاتون میں جو ہے اس سے الگ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، گویا فرمایا: ولا يأتون البأس إلا جبناء بخلاء۔ یہ بھی جائز ہے کہ ذم کے طریقہ پر أشحة منصوب ہو۔ اس چوتھی وجہ سے إِلَّا قَلِيلًا، أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ پر وقف کرے یہ اچھا وقف ہے اس کی مثل أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ، سَلَقُوكُم میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے یہی اس میں عامل ہے۔

فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ان کی صفت جبن (بزدلی)

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 385 2۔ ایضاً

سے لگائی ہے۔ بزدل کا یہی طریقہ ہوتا ہے وہ دائیں بائیں اپنی نظر کو تیز کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ بعض اوقات اس پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔ الخوف میں دو وجوہ ہیں: (۱) جب دشمن آگے بڑھے تو دشمن سے جنگ کرنے کی وجہ سے (1)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ (۲) نبی کریم ﷺ سے خوف کی وجہ سے جب آپ ﷺ غالب آئیں؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے (2)۔ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ پہلے قول کے مطابق جنگ سے خوف کھانے کی بنا پر۔ اور دوسرے قول کی بنا پر نبی کریم ﷺ سے خوف کی وجہ سے۔ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ ان کی آنکھیں گھومتی ہیں کیونکہ ان کی عقلیں جا چکی ہوتی ہیں یہاں تک کہ وہ کسی طرف بھی صحیح نہیں دیکھتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں شدید خوف لاحق ہوتا ہے وہ ڈرتے ہیں کہ انہیں ہر جانب سے قتل کا وار ہو سکتا ہے (3)۔

فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ فراء نے کہا: یہ صلقوکم ہے یعنی صاد کے ساتھ ہے۔ جب خطیب بلیغ ہو تو اس کو خطیب مسلاق اور مصلاق بولتے ہیں صلق کا اصل معنی آواز ہے۔ اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لعن اللہ الصالقة والحالقة والشاقة (4) اللہ تعالیٰ کی ایسی عورت پر لعنت ہو جو مصیبت کے وقت چلا کر روئے، بال منڈائے اور گریبان پھاڑے۔

اعشی نے کہا:

فیهم المجد والسماحة والنّجـ　دةُ فیهم والخاطب السّلاق (5)

ان میں بزرگی، سخاوت اور شرافت ہے اور بلند آواز والا خطیب ہے۔

قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے انہوں نے غنیمت کا مال تقسیم ہوتے وقت، تمہارے بارے میں اپنی زبانوں کو لمبا کیا۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں عطا کیجئے ہمیں عطا کیجئے ہم بھی تمہارے ساتھ تھے۔ غنیمت کے وقت لوگوں میں سب سے بخیل اور سب سے زیادہ زبان دراز ہیں اور جنگ کے وقت لوگوں میں سے سب سے بزدل اور سب سے زیادہ خوفزدہ ہوتے ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ اچھا قول ہے، کیونکہ اس کے بعد اَشِحَّةً عَلَى الْخَیْرِ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ تمہارے ساتھ جھگڑنے اور دلیل قائم کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ قتبی نے کہا: وہ شدید کلام کے ساتھ تمہیں اذیت دیتے ہیں۔ سلق کا معنی اذیت ہے۔ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

ولقد　سلقنا　هوازنا　بنو　أهلٍ　حتى　انجینا (6)

تحقیق ہم نے ہوازن کو اذیت دی جو بنو اہل ہیں یہاں تک ہم مڑ آئے۔

اَشِحَّةً عَلَى الْخَیْرِ مال غنیمت پر بخیل؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے (7)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں بخل کرنے والے ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے (8)۔ اُولٰٓئِكَ لَمْ یُؤْمِنُوْا وہ اپنے دلوں سے ایمان نہیں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 385　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

4۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، ما نہی عن الحلق عند المصیبۃ، جلد 1، صفحہ 173　5۔ السیرۃ النبویۃ، جلد 3، صفحہ 188

6۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 386　7۔ ایضاً　8۔ ایضاً

لائے تھے، اگرچہ بظاہر مومن تھے۔ منافق حقیقت میں کافر ہے کیونکہ الله تعالیٰ نے کفر کے ساتھ اس کی صفت ذکر کی ہے۔ فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ یعنی الله تعالیٰ انہیں بدلہ عطا نہیں فرمائے گا جب انہوں نے الله تعالیٰ کی رضا کا قصد نہیں کیا تھا۔ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا اس میں بھی دو احتمال ہیں: (۱) ان کا نفاق الله تعالیٰ پر آسان ہے (۲) ان کا اعمال ضائع کرنا الله تعالیٰ پر آسان ہے (1)۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۭ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝

''(دشمن بھاگ گیا لیکن یہ بزدل) یہی خیال کر رہے ہیں کہ ابھی جتھے نہیں گئے اور اگر جتھے (دوبارہ پلٹ کر) آجائیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش! وہ صحرا میں بدوؤں کے طرف ہوتے (آنے جانوں والوں سے) تمہاری خبریں پوچھتے اور اگر یہ (بزدل) تم میں موجود ہوتے تو یہ (دشمن سے) جنگ نہ کرتے مگر برائے نام''۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا وہ اپنی بزدلی کی وجہ سے گمان کرتے ہیں کہ لشکر نہیں گئے جب کہ لشکر جا چکے ہیں لیکن وہ دور نہیں گئے۔ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ اگر لشکر قتال کے لیے ان کی طرف لوٹ آئیں۔ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ وہ آرزو کریں گے کہ اگر وہ بدوؤں کے ساتھ ہوتے تو وہ قتل سے بچتے ہیں اور حادثات زمانہ کا انتظار کرتے ہیں۔ طلحہ بن مصرف نے پڑھا لو انهم بدى فى الاعراب یوں کہا جاتا ہے: باد، بدی۔ جس طرح غازی کی جمع غزی اس کی تائید میں ہے صائمہ، او صوام۔

بدا فلان یبدو اس وقت بولتے ہیں جب کوئی آدمی جنگل کی طرف نکل جائے۔ یہ لفظ بدا وۃ اور بدا وۃ کسرہ اور فتحہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے کلمہ کا اصل بدو ہے جس کا معنی ظاہر ہونا ہے: يَسْاَلُوْنَ یعقوب نے رویس کی قراءت میں یتساء لون عن انبائکم قراءت کی ہے، یعنی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبروں کے بارے میں پوچھتے ہیں (2)، وہ باتیں کرتے ہیں: کیا حضرت محمد اور آپ کے صحابہ ہلاک نہیں ہوئے؟ کیا ابوسفیان اور لشکر غالب نہیں آئے؟ یعنی وہ پسند کرتے ہیں کہ جنگ میں ہوتے وہ تمہاری خبروں کے بارے میں پوچھتے اور جنگ میں حاضر نہ ہوتے۔ یہ ان کی بزدلی کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنی بزدلی کی وجہ سے ہمیشہ مسلمانوں کی خبروں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کیا انہیں کوئی مصیبت نہیں پہنچی؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے کچھ لوگ مدینہ کے اطراف میں تھے جو غزوہ خندق میں حاضر نہ ہوئے۔ وہ تمہاری خبریں پوچھتے ہیں اور مسلمانوں کی شکست کی تمنا کرتے ہیں۔

وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا وہ تیر پھینکتے اور پتھر پھینکتے یہ ریا اور شہرت کے طریقہ پر کرتے اگر یہ عمل الله تعالیٰ کے لیے ہوتا تو قلیل بھی کثیر ہوتا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 387
2۔ ایضاً

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ﴿21﴾

''تمہاری رہنمائی کے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے یہ نمونہ اس کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ قتال سے چھوڑ کر گھر بیٹھے رہنے والوں ہی کے لیے عتاب ہے یعنی تمہارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین اُسوہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے جان کو صرف کر رہے ہیں کہ آپ غزوۂ خندق کے لیے گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ اُسوہ کا معنی قدوہ اور نمونہ ہے۔ عاصم نے اسوۃ ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ فراء کے نزدیک دونوں کی جمع ایک ہی ہے۔ جس کے واحد میں کسرہ دیا اس کے نزدیک ضمہ کی علت یہ ہے کہ ناقص واوی اور یائی میں یہ فرق ہے وہ کہتے ہیں: کِسوۃ کُسا، لِحیۃ، لُحا۔ جوہری نے کہا: أُسوۃ اور اِسوۃ دو لغتیں ہیں۔ اس کی جمع اُسی اور اِسی ہے۔ عقب بن حسان ہجری نے امام مالک بن انس سے وہ نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فرمایا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوک کے بارے میں ہے (1)؛ خطیب ابوبکر احمد نے اسے ذکر کیا ہے۔ کہا: عقبہ بن حسان امام مالک سے منفرد ہیں۔ میں نے اسے اسی سند سے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اُسْوَةٌ اس کا معنی نمونہ ہے۔ اسوۃ اسے کہتے ہیں جس سے تسلی حاصل کی جائے اور اس کے تمام افعال میں اقتدا کی جائے، اور تمام احوال میں اس سے تسلی حاصل کی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو زخمی کیا گیا، آپ کی رباعیہ (سامنے والے دانت) کو توڑا گیا، آپ کے چچا کو قتل کیا گیا، آپ کا پیٹ بھوکا رہا اور آپ کو نہ پایا گیا مگر صابر اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے والا شکر کرنے والا اور راضی برضا رہنے والا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھوک کی شکایت کی اور ہم نے اپنے پیٹوں سے کپڑا اٹھایا جس پر ایک ایک پتھر تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا جب کہ آپ کے پیٹ پر دو پتھر تھے۔ حضرت ابوعیسیٰ ترمذی نے اسے نقل کیا ہے اس بارے میں فرمایا: یہ حدیث غریب ہے (3)۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کیا گیا تو آپ نے یوں دعا کی: **اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون** اے اللہ! میری قوم کو بخش دے وہ نہیں جانتے (4)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

1۔ میزان الاعتدال، جلد 2، صفحہ 204، حدیث نمبر 1608، السعادۃ بجوار محافظۃ مصر

2۔ جامع ترمذی، کتاب الزهد، فی معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2، صفحہ 60

3۔ صحیح بخاری، کتاب استتابۃ المعاندین، اذا عرض الذمی، جلد 2، صفحہ 1024

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 388

لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ سعید بن جبیر نے کہا: معنی ہے جو ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے اور اس بعث کی تصدیق کرتا ہے جس میں اعمال کی جزا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو یوم آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید رکھتا ہے۔ نحویوں میں سے حاذق نحویوں کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ یرجو کو لکھا جائے مگر الف کے بغیر جب وہ واحد کے لیے ہو، کیونکہ جمع میں جو علت ہے وہ واحد میں نہیں۔ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وہ اللہ تعالیٰ کے عقاب سے ڈر کر اور ثواب کی امید میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کرتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لمن یہ لکم سے بدل ہے۔ بصریوں نے اسے جائز قرار نہیں دیا، کیونکہ غائب، مخاطب سے بدل نہیں ہو سکتا۔ لمن کا لام حسنة کے متعلق ہے۔ اسوة کان کا اسم ہے لکم اس کی خبر ہے۔ اس خطاب کے ساتھ جس کا ارادہ کیا گیا ہے اس میں اختلاف ہے اس کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) منافق۔ ان سے جو پہلے خطاب کیا گیا ہے اس پر عطف ہے (۲) مومن، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ کیا یہ واجب ہے یا مستحب ہے؟ (۱) واجب ہے یہاں تک کہ استحباب پر دلیل قائم ہو جائے۔ (۲) مستحب ہے یہاں تک کہ وجوب پر کوئی دلیل قائم ہو جائے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ امور دین میں وجوب پر محمول کیا جائے اور دنیا کے امور میں استحباب پر محمول کیا جائے (2)۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

"(منافقین کا حال آپ پڑھ چکے) اور جب ایمان والوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (فرط جوش سے) پکار اٹھے: یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر جرار نے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اور اضافہ کر دیا"۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ عربوں میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں: راء اس کا اطلاق دل پر ہوتا ہے۔ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ اس سے مراد سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ (البقرہ: 214)

جب غزوہ خندق کے موقع پر احزاب کو دیکھا تو انہوں نے کہا: هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ، یہ قتادہ کا قول ہے (3)۔ دوسرا قول وہ ہے جسے کثیر بن عبداللہ بن عمرو مزنی نے اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال خطبہ دیا جس میں احزاب کا ذکر ہوا ہے۔ فرمایا: "حضرت جبریل امین نے مجھے خبر دی کہ میری امت اس پر غلبہ پانے والی ہے۔ یعنی حیرہ اور مدائن کسریٰ کے محلات پر، پس تمہیں فتح کی بشارت ہو"۔ مسلمان خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا: الحمد للہ۔ سچا وعدہ ہے کیونکہ محاصرہ کے بعد ہم سے فتح کا وعدہ کیا گیا ہے۔ لشکر سامنے آ گئے تو مومنوں نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 388　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اسے ماوردی نے ذکر کیا ہے(1)۔ مَا وَعَدَنَا میں ما کو اگر تو الذی کے معنی میں بنائے تو ضمیر عائد محذوف ہوگی۔ اگر تو اسے مصدر بنائے تو یہ ضمیر کی محتاج نہ ہوگی۔

وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّ تَسْلِیْمًا فراء نے کہا: احزاب کو دیکھنا ان میں اضافہ نہیں کرتا۔ علی بن سلیمان نے کہا: رأی کا لفظ رؤیت پر دلالت کرتا ہے اور رؤیت کی تانیث غیر حقیقی ہے۔ معنی ہے رویت نے اضافہ نہ کیا مگر رب پر ایمان میں اور قضا کے تسلیم کرنے میں؛ یہ حضرت حسن بصری نے کہا(2)۔ اگر وہ کہے: ماذا دوھم تو یہ بھی جائز ہے۔ جب مسلمانوں پر معاملہ شدید ہوگیا اور خندق میں قیام طویل ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس ٹیلے پر ایک رات کھڑے ہوئے جس پر مسجد فتح ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس مدد کا وعدہ کیا تھا اس کی امید کی۔ فرمایا: "کون جائے گا تاکہ ان کی خبر لائے تو اس کے لیے جنت ہے"۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری یا تیسری دفعہ فرمایا تو کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جانب دیکھا۔ پوچھا: "یہ کون ہے؟" عرض کی حذیفہ۔ فرمایا: "کیا تو وہ بات نہیں سن رہا جو میں آج رات سے کہہ رہا ہوں؟" حضرت حذیفہ نے کہا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم بدحالی اور ٹھنڈک نے مجھے جواب دینے سے روکا۔ فرمایا: "جاؤ یہاں تک کہ قوم میں داخل ہو۔ اس کی گفتگو سنے اور ان کی خبر میرے پاس لائے۔ اے اللہ اس کی اس کے سامنے سے، اس کے پیچھے سے، اس کی دائیں جانب سے اور اس کی بائیں جانب سے حفاظت فرما یہاں تک کہ یہ میری طرف لوٹ آئے۔ جاؤ، کوئی نیا کام نہ کرنا یہاں تک کہ تو میرے پاس آئے"۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنا اسلحہ لے کر نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کہتے ہوئے اپنا ہاتھ اٹھایا: "اے غم زدوں کی آواز سننے والے! اے مجبوروں کی دعا قبول کرنے والے! میری مصیبت، میرے غم اور کرب کو دور فرما دے تو میرا اور میرے صحابہ کا حال دیکھ رہا ہے"۔ حضرت جبریل نازل ہوئے، عرض کی: اللہ تعالیٰ نے تیری دعا کو سن لیا ہے، اور تیرے دشمن کی جانب سے پیدا ہونے والے خوف کو کافی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑے، اپنے ہاتھوں کو پھیلا دیا، اپنی آنکھوں کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور یوں کہہ رہے تھے۔ "شکر شکر تو نے مجھ پر رحم فرمایا اور تو نے میرے صحابہ پر رحم فرمایا"۔ حضرت جبریل امین نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف ہوا کو بھیجنے والا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو بشارت دی۔ حضرت حذیفہ نے کہا: میں ان تک پہنچا، ان کی آگیں جل رہی تھیں تیز ہوا آئی اس میں سنگریزے تھے۔ اس نے ان کی آگ کو نہ چھوڑا مگر اسے بجھا دیا کوئی خیمہ نہ چھوڑا مگر اسے گرا دیا وہ سنگریزوں سے بچنے کے لیے چیزوں کو ڈھال بنا رہے تھے۔ ابوسفیان اپنی سواری کی طرف اٹھا اور قریش میں چیخا۔ النجاء النجاء، بچاؤ بچاؤ۔ عیینہ بن حصن، حارث بن عوف اور اقرع بن حابس نے بھی اسی طرح کہا، لشکر بکھر گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی اور مدینہ طیبہ کی طرف لوٹ آئے۔ آپ کے بال پراگندہ اور جسم گرد آلود تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پانی لائیں اور سر دھونے لگیں۔ حضرت جبریل امین آئے اور عرض کی: آپ نے اسلحہ اتار دیا ہے جب کہ اہل سماء نے اسلحہ نہیں اتارا میں لگاتار ان کا پیچھا کرتا رہا یہاں تک کہ میں انہیں روحاء سے آگے چھوڑ آیا۔ پھر عرض کی: بنو قریظہ کی طرف اٹھو۔ ابوسفیان

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 389
2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 292

نے کہا: میں اسلحہ کی جھنکار لگاتار سنتا رہا یہاں تک کہ میں روحاء سے آگے نکل آیا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

''اہل ایمان میں سے ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا ان جوانمردوں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض (اس ساعت سعید کا) انتظار کر رہے ہیں (جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود) ان کے رویہ میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔ (اذن جہاد میں ایک حکمت یہ بھی ہے) کہ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اپنا وعدہ سچا کرنے والوں کو ان کے سچ کے باعث اور عذاب دے منافقوں کو اگر اس کی مرضی ہو یا ان کی توبہ قبول فرمالے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ رجال مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے نکرہ ہونے کے باوجود مبتدا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ صَدَقُوْا اس کی صفت ہے۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ، من محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ اسی طرح وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ میں من ہے اور خبر جار مجرور ہے۔ نحب کا معنی نذر اور عہد ہے تو اس کا باب یوں ذکر کرتا ہے: نَحَبت أنحبُ یعنی عین کلمہ پر ضمہ ہے۔ شاعر نے کہا:

وإذا نحبت كلبٌ على الناس إنهم أحق بتاج الماجد المتكرم (1)

جب بنو کلب لوگوں پر عہد کریں تو وہ بزرگی اور کرم کے تاج کے زیادہ حقدار ہیں۔

ایک اور شاعر نے یہ لفظ یوں استعمال کیا۔

قد نحب المجدُ علينا نَحْبًا

بزرگی نے ہمارے ساتھ عہد کیا۔ ایک اور شاعر نے کہا:

أَنَحْبٌ فيقضى أم ضلالٌ و باطلُ

کیا کوئی وعدہ ہے جو پورا کیا جائے یا یہ قول باطل ہے۔

امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے (2) کہا: میرے چچا حضرت انس بن نضر نے کہا ان کا بھی یہی کام تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ بدر میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ ان پر یہ معاملہ بڑا شاق گزرا تھا۔ انہوں نے کہا: پہلی جنگ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہوئے تھے میں اس سے غائب رہا۔ خبردار! اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوہ دکھایا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ کہا: وہ اس سے ڈرے کہ اس کے علاوہ کوئی اور کلمہ کہیں۔ اگلے سال وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ احد میں شامل ہوئے۔ حضرت

1۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 164 2۔ سنن ترمذی، باب و من سورۃ الاحزاب، حدیث نمبر 3124، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سعد بن مالک انہیں ملے۔ پوچھا: اے ابو عمرو کہاں؟ جواب دیا: جنت کی ہوا کیا ہی خوب ہے۔ میں اسے احد کی جانب سے پاتا ہوں۔ انہوں نے جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر اسی سے زائد زخم، تلوار، نیزہ اور تیر کے پائے گئے۔ میری پھوپھی ربیع بنت نضر نے کہا: میں نے اپنے بھائی کو اس کے پوروں سے پہچانا اور یہ آیت رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا نازل ہوئی (1)۔ الفاظ ترمذی کے ہیں۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ڈٹے رہے یہاں تک کہ ان کا ہاتھ شل ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اوجب طلحه الجنة (2) حضرت طلحہ نے ایسا کام کیا ہے جس کے بدلہ میں حضرت طلحہ کے لیے جنت ثابت ہو گئی ہے۔ ان سے ترمذی شریف میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے ایک جاہل بدو سے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی کے بارے میں پوچھے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا؟ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار کا لحاظ رکھتے اور ڈرا کرتے تھے۔ اس بدو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا۔ اس نے پھر سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کیا۔ پھر میں مسجد کے دروازے سے ظاہر ہوا جب کہ میرے جسم پر سبز لباس تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا: ''وہ سائل کہاں ہے جو یہ پوچھ رہا تھا کہ کس نے وعدہ کا حق ادا کیا ہے؟'' بدو نے عرض کیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔ فرمایا: ''یہ ان میں سے ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا''۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اسے یونس بن بکیر کی حدیث سے جانتے ہیں (3)۔

بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب احد سے واپس لوٹے تو حضرت مصعب بن عمیر کے پاس سے گزرے جب کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں شہید پڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر کھڑے ہوئے اور ان کے حق میں دعا کی، پھر اس آیت کو تلاوت کیا: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ قیامت کے روز یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید ہوں گے ان کے پاس آؤ اور ان کی زیارت کرو مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! قیامت تک ان پر کوئی سلام پیش نہیں کرے گا مگر یہ اس کو جواب دیں گے'' (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نحب کا معنی موت ہے (5) جس پر عہد کیا اسی پر موت آئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نحب کا معنی وقت اور مدت ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: قضی فلان نحبه جب وہ فوت ہو جائے۔ ذو رمہ نے کہا:

عَشِيَّة فرّ الحارثيون بعدما　　قضى نَحْبه فی ملتقى الخيل هَوْبَرُ (6)

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، من المومنين رجال صدقوا، جلد 1، صفحہ 393

2۔ جامع ترمذی، کتاب الجهاد، فی الدرع، جلد 1، صفحہ 202۔ ایضاً، حدیث نمبر 1615، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 152۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر 3127، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ دلائل النبوۃ، جلد 3، صفحہ 284، ما جرى بعد انقضاء الحرب　5۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 165　6۔ ایضاً، جز 21، صفحہ 164

اس شام حارثی بھاگ گئے بعد اس کے کہ ہو بر گھوڑوں کی جنگ کے دوران فوت ہوا۔

نحب کا معنی حاجت ہے۔ ایک قائل کہتا ہے۔ مالی عندھم نحب ان کے ہاں میرا کوئی کام نہیں۔ آیت سے یہ مراد نہیں۔ یہاں نحب سے مراد نذر ہے جس طرح ہم نے پہلے کہا، یعنی ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنا وعدہ نبھانے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر لیں یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے جس طرح حضرت حمزہ، حضرت سعد بن معاذ، حضرت انس بن نضر وغیرہ۔ ان میں سے کچھ اپنی شہادت کا انتظار کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد اور نذر میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے قراءت کی: فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر و منهم من بدل تبديلا۔ ابوبکر انباری نے کہا: اہل علم کے نزدیک یہ حدیث مروی ہے کیونکہ اجماع اس کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ان مومنوں اور لوگوں پر لعن ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے مدح کی، صدق اور وفا سے شرف بخشا۔ ان میں کوئی تبدیلی والا معروف نہ ہوا اور نہ ان کی جماعت میں تبدیلی کرنے والا پایا گیا۔ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا تا کہ آخرت میں سچوں کو ان کے سچ پر جزا دے وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اور آخرت میں منافقوں کو عذاب دے۔ اِنْ شَآءَ اگر چاہے گا کہ انہیں عذاب دے تو انہیں توبہ کی توفیق نہیں دے گا۔ اگر ان کو عذاب دینا نہیں چاہے گا تو موت سے قبل ان پر نظر کرم فرمائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا بے شک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿25﴾

"اور (ناکام) لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے کفار کو درآنحالیکہ اپنے غصہ میں (پیچ و تاب کھا رہے) تھے (اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے، اور اللہ تعالیٰ بڑا طاقت ور، ہر چیز پر غالب ہے"۔

محمد بن عمرو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ یہاں الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے مراد ابوسفیان اور عیینہ بن بدر ہے، ابوسفیان تہامہ کی طرف اور عیینہ نجد کی طرف لوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لشکروں پر ہوا اور لشکروں کو بھیجا یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اور بنو قریظہ اپنے قلعوں کی طرف لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ قریظہ پر رعب ڈالنے کے ساتھ کافی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا امر قوی ہے اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿26﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿27﴾

"اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی امداد کی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا اور ان کے

دلوں میں رعب ڈال دیا ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو۔ اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں اور ان کے مکانوں اور ان کے مال و متاع کا اور وہ ملک بھی تمہیں دے دیئے جہاں تمہارے قدم ابھی نہیں پہنچے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے"۔

وَ اَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ یہاں اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جنہوں نے لشکروں کی مدد کی، لشکروں سے مراد قریش اور غطفان ہیں یہ بنو قریظہ تھے۔ ان کا واقعہ گزر چکا ہے۔ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ ان کے قلعوں میں؛ اس کا واحد صیصہ ہے۔ شاعر نے کہا:

فأصبحت الثِّيران صَرْعَى وأصبحتْ نساء تميم يبتدِرْن الصياصِيا(1)

بیل مردہ پڑے تھے اور تمیم قبیلہ کی عورتیں قلعوں کی طرف جلدی جلدی جا رہی تھیں۔

ان سے یہ بھی مروی ہے کہ جولاہے کا کانٹا جس کے ساتھ وہ تانے اور بانے کو درست کرتا ہے اسے صیصہ کہا جاتا ہے۔ درید بن صمہ نے کہا:

فجئتُ إليه والرماحُ تَنُوشُه كوقعِ الصَّياصِي فى النسيج الممدّد(2)

میں اس کی طرف آیا جب کہ نیزے اسے نوچ رہے تھے جس طرح کانٹے بنے جانے والے کپڑے میں پڑتے ہیں۔

اسی سے صیصۃ الدیک ہے جو مرغ کے پاؤں میں ہوتا ہے۔ صیاصی البقر سے مراد ان کے سینگ ہیں، کیونکہ ان کے ساتھ وہ اپنا دفاع کرتے ہیں۔ بعض اوقات لوہے کے پھل کی جگہ ان کو نیزے پر لگایا جاتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: جَذَّ الله صئصئه اللہ تعالیٰ نے اس کی جڑ کاٹ دی۔

وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ تم مردوں کو قتل کرتے ہو۔ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا یہاں فریق سے مراد عورتیں اور بچے ہیں، جس طرح پہلے گزرا ہے۔ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِیَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا جس زمین کو تم نے ابھی تک نہیں روندا۔ یزید بن رومان، ابن زید اور مقاتل نے کہا: مراد غزوہ حنین ہے۔ ابھی تک انہوں نے اس کا موقع نہیں پایا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کا ان سے وعدہ فرمایا۔ قتادہ نے کہا: ہم یہ باتیں کرتے تھے اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے(3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد فارس و روم ہے(4)۔ عکرمہ نے کہا: مراد وہ تمام علاقے ہیں جو قیامت تک فتح ہوں گے(5)۔

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا۠ اس کی دو توجیہیں ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں انتقام یا عفو جس کا بھی ارادہ کرے اس پر قادر ہے؛ یہ محمد بن اسحاق کا نقطہ نظر ہے(6)۔ (۲) جن قلعوں اور بستیوں کو فتح کرنے کا ارادہ کرے اس پر قادر ہے؛ یہ نقاش کا قول ہے(7)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ جن

1۔ السیرۃ النبویہ، جلد 3، صفحہ 190
2۔ تفسیر طبری، جز 21، صفحہ 174
3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 458
4۔ ایضاً
5۔ ایضاً
6۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 393
7۔ ایضاً

چیزوں کا وعدہ کیا ان پر قادر ہے اس کی مدد کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے عجز کو ثابت کرنا جائز نہیں۔ یہ کہا جاتا ہے: تاسِرون، تاسُرون یعنی سین کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے؛ فراء نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

''اے نبی مکرم! آپ فرما دیجئے اپنی بیبیوں کو کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی آرائش (و آسائش) کی خواہاں ہو تو آؤ تمہیں مال و متاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے جو تم میں سے نیکو کار ہیں اجر عظیم''۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ ہمارے علماء نے کہا: یہ آیت اس گزری ہوئی کلام کے معنی کے ساتھ متصل ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینے سے روکا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ازواج مطہرات میں سے بعض سے اذیت پہنچی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ازواج مطہرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دنیاوی مال کا مطالبہ کیا تھا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نفقہ میں زیادتی کا مطالبہ کیا تھا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے ایک دوسرے پر غیرت کا اظہار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دی تھی (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ان پر اس آیت کو تلاوت کریں اور دنیا و آخرت میں انہیں اختیار دیں (4)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جو آدمی ایک بیوی کا مالک ہو اس پر اسے اختیار دینا لازم نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی عورتوں کو اختیار دیں تو ازواج مطہرات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دیا کہ چاہیں تو آپ بادشاہ نبی ہوں اور دنیا کے خزانوں کی چابیاں پیش کیں اور چاہیں تو مسکین نبی ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل امین سے مشورہ کیا تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسکنہ کا مشورہ دیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکنہ کو اپنا لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اختیار کیا تو یہ سب سے بلند مقام بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنی ازواج کو اختیار دیں۔ بعض اوقات ان سے ایسی بات ظاہر ہوتی جس سے عیاں ہوتا کہ وہ اس تنگدستی کے عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس امر کی وجہ سے اختیار دیا گیا وہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے ایک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے سونے کا ایک حلقہ بنوائیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے چاندی کا ایک حلقہ بنوایا اور اس پر سونے کا پانی چڑھوایا۔ ایک قول یہ کیا گیا: زعفران کا رنگ چڑھوایا، تو اس نے لینے سے انکار کر دیا مگر

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 459 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 380

اس صورت میں کہ سونے کا ہو۔ تو یہ آیت تخییر نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اختیار دیا۔ ان سب نے کہا: ہم اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے ایک نے فراق کو اپنایا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے جب کہ الفاظ مسلم کے ہیں (1) سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت طلب کرتے ہیں آپ نے لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پایا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان میں سے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی جا رہی۔ کہا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اجازت مل گئی تو وہ داخل ہوئے پھر حضرت عمر آئے انہوں نے اجازت طلب کی تو انہیں بھی اجازت مل گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاموش بیٹھے ہوئے پایا آپ کے اردگرد ازواج مطہرات موجود تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ایسی بات کروں گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دے گی۔ عرض کی: یا رسول اللہ! اگر میں بنت خارجہ کو پاؤں جو مجھ سے نفقہ کا سوال کرے تو میں اس کی طرف اٹھوں گا اور اس کی گردن دبوچ لوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر ہنسنے لگے۔ فرمایا: "یہ میرے اردگرد ہیں جس طرح تو دیکھتا ہے وہ مجھ سے نفقہ کا سوال کر رہی ہیں"۔ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف ان کی گردن دبانے کے لیے اٹھے اور حضرت عمر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی گردن دبانے کے لیے اٹھے۔ دونوں کہہ رہے تھے: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا سوال کرتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ سب نے کہا: اللہ کی قسم! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی ایسی چیز کا سوال نہیں کریں گی جو آپ کے پاس موجود نہ ہو۔ پھر آپ نے ان سے ایک مہینہ یا انتیس دن علیحدگی اختیار کر لی، پھر یہ آیت نازل ہوئی: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے اس اختیار کو شروع کیا۔ فرمایا: "اے عائشہ! میں تجھ پر ایک ایسا امر پیش کرنے کا ارادہ کرتا ہوں میں پسند کرتا ہوں تو اس بارے میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کر لے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت اس پر تلاوت کی۔ عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں آپ کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ بلکہ میں اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو پسند کرتی ہوں۔ میں آپ سے سوال کرتی ہوں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ آپ اپنی دوسری بیویوں کو نہیں بتائیں گے۔ فرمایا: "ان میں سے جو بیوی بھی مجھ سے اس کا سوال کرے گی میں اسے بتا دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے معنت (ہلاکت میں ڈالنے والا) اور متعنت (غلطی کی جستجو کرنے والا) بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے معلم اور سہولت دینے والا بنا کر بھیجا ہے"۔

امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی بیویوں کو اختیار دیں تو آپ نے مجھ سے اس کا آغاز کیا فرمایا: "اے عائشہ! میں تیرے لیے ایک امر کا ذکر کروں تجھ پر کوئی حرج نہیں ہو

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، ان تخییرہ امراتہ لا یکون طلاقاً الا بالنیۃ، جلد 1، صفحہ 480

گا کہ تو جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کر لے'' (1)۔ حضرت عائشہ نے کہا: حضور ﷺ خوب جانتے تھے کہ میرے والدین مجھے آپ ﷺ سے فراق کا حکم دینے والے نہیں تھے۔ پھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا پھر حضور ﷺ نے کہا: اللہ تعالیٰ حکم ارشاد فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ میں نے عرض کی: کیا میں اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دار آخرت کا ارادہ رکھتی ہوں۔ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات نے وہی کہا جو میں نے کہا تھا۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ علماء نے کہا: جہاں تک نبی کریم ﷺ کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ حکم دینا کہ وہ اپنے والدین سے مشورہ کرے اس لیے تھا کیونکہ حضور ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ سے محبت کیا کرتے تھے۔ آپ خوف رکھتے (2) تھے کہ جوانی کا عالم انہیں اس امر پر برانگیختہ نہ کرے کہ وہ حضور ﷺ سے فراق کو ہی اختیار نہ کر لیں اور آپ ﷺ یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والدین آپ کو فراق کا مشورہ نہیں دیں گے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ نبی کریم ﷺ کی کئی ازواج تھیں۔ ان میں سے کچھ وہ تھیں جن سے حضور ﷺ نے حقوق زوجیت ادا کیے تھے، کچھ سے صرف عقد نکاح کیا تھا اور حقوق زوجیت ادا نہیں کیے تھے۔ اور کچھ وہ تھیں جن کو دعوت نکاح دی مگر ان کے ساتھ عقد نکاح مکمل نہ ہوا۔

(1) حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب۔ حضور ﷺ کے ساتھ عقد نکاح سے پہلے آپ ابو ہالہ کے عقد میں تھیں اس کا نام زرارہ بن نباش اسدی تھا اس سے قبل عتیق بن عائذ کے عقد میں تھیں ان سے ایک بچہ پیدا ہوا تھا جس کا نام عبد مناف تھا اور ابو ہالہ سے اس کا بیٹا ہند بن ابی ہالہ پیدا ہوا۔ طاعون کے زمانہ تک زندہ رہا اور اس میں مر گیا۔

ایک قول یہ کیا جاتا ہے: جو بچہ طاعون کے زمانے تک زندہ رہا وہ ہند بن ہند تھا جب یہ فوت ہوا تو اس وقت حضرت خدیجہ سے یہ بین سنا گیا واھند بن ھنداہ، وا رَبِیبَ رسول اللہ ہائے ہند بن ہند، ہائے رسول اللہ کے پروردہ۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ کی موجودگی میں کسی عورت سے شادی نہ کی یہاں تک کہ وہ وصال فرما گئیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کی تو اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔ اور اعلان نبوت کے سات سال بعد یا دس سال بعد ان کا وصال ہو گیا۔ جب ان کا وصال ہوا اس وقت ان کی عمر پینسٹھ سال تھی۔ یہ وہ پہلی عورت تھیں جو حضور ﷺ پر ایمان لائی تھیں۔ حضور ﷺ کی تمام اولاد ان سے تھی صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حکیم بن حزام نے کہا: حضرت خدیجہ کا وصال ہوا تو ہم نے انہیں گھر سے نکالا یہاں تک حجون میں ان کو دفن کیا۔ حضور ﷺ خود ان کی قبر میں اترے ان دنوں نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ نہ تھا (3)۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 152

2۔ تاویل تو کی جاسکتی ہے مگر اچھی تاویل نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب خود اس کی نفی کر رہا ہے۔

3۔ الطبقات الکبریٰ، جلد 8، صفحہ 18، دار صادر

(2) حضرت سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس العامریہ۔ یہ قدیمی مسلمان تھیں انہوں نے بیعت کی۔ وہ اپنے چچازاد بھائی کے عقد میں تھیں جس کو سکران بن عمرو کہا جاتا وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ دونوں نے دوسری ہجرت میں حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ جب یہ مکہ مکرمہ آئے تو ان کا خاوند فوت ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ حبشہ میں ہی فوت ہو گیا تھا۔ جب ان کی عدت ختم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دعوت نکاح دی۔ ان سے نکاح کر لیا اور مکہ مکرمہ میں ہی انہیں اپنے حرم میں داخل کر لیا اور ان کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ جب یہ بوڑھی ہو گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں طلاق دینے کا ارادہ کیا تو حضرت سودہ نے یہ عرض کی کہ آپ ایسا نہ کریں، اسے اپنی ازواج میں رہنے دیں اور انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو دے دی، جیسا صحیح میں مذکور ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اپنے پاس روک لیا۔ ان کا وصال مدینہ طیبہ میں شوال سن چون ہجری کو ہوا۔

(3) حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما۔ ان کی نسبت جبیر بن مطعم سے تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعوت نکاح بھیجی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے موقع دیجئے کہ میں جبیر سے اس کو نرمی سے آزاد کرا لوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے دو سال قبل نکاح کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: تین سال قبل نکاح کیا اور مدینہ طیبہ میں انہیں حرم میں داخل کیا جب کہ ان کی عمر نو سال تھی اور نو سال تک یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ ان کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی باکرہ عورت سے شادی نہیں کی۔ ان کا وصال 59 یا 58ھ کو ہوا۔

(4) حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب قریشی عدوی رضی اللہ عنہما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے شادی کی پھر انہیں طلاق دی تو حضرت جبریل امین آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ حضرت حفصہ سے رجوع کر لیں، کیونکہ وہ روزے دار اور راتوں کو قیام کرنے والی ہیں (1)۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے رجوع کر لیا۔ واقدی نے کہا: ان کا وصال شعبان 45ھ میں حضرت امیر معاویہ کے دور حکومت میں ہوا ان کی عمر ساٹھ سال تھی (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا وصال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینہ طیبہ میں ہوا۔

(5) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کا نام ہند بنت ابی امیہ مخزومی تھا۔ ابو امیہ کا نام سہیل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح 4ھ میں شوال میں کیا۔ صحیح قول یہی ہے کہ ان کا نکاح ان کے بیٹے حضرت سلمہ نے کیا۔ ان کے بیٹے کی عمر چھوٹی تھی۔ ان کا وصال 59ھ میں ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا وصال 62ھ میں ہوا؛ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ حضرت سعید بن زید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ابو ہریرہ نے پڑھائی، ان کی قبر بقیع میں ہے اس وقت ان کی عمر چوراسی سال تھی۔

(6) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔ ان کا نام رملہ بنت ابو سفیان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ آپ کی جانب سے حضرت ام حبیبہ کو دعوت نکاح دے تو نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 18، صفحہ 365، حدیث نمبر 934، مکتبۃ العلوم والحکم
2۔ الطبقات الکبریٰ، جلد 8، صفحہ 86

حضرت ام حبیبہ سے کر دیا یہ ہجرت کا ساتواں سال تھا۔ نجاشی نے نبی کریم ﷺ کی جانب سے انہیں چار سو دینار مہر کے طور پر دیئے اور حضرت شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ انہیں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں بھیج دیا۔ ان کا وصال 44ھ میں ہوا(1)۔ دارقطنی نے کہا: حضرت ام حبیبہ عبید اللہ بن جحش کے عقد میں تھیں وہ حبشہ کے علاقہ میں نصرانی کی حیثیت سے مرا۔ نجاشی نے حضرت ام حبیبہ کا نکاح نبی کریم ﷺ سے کر دیا اور چار ہزار مہر مقرر کیا۔ اور شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ انہیں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بھیج دیا(2)۔

(7) حضرت زینب بنت جحش بن رباب اسدیہ رضی اللہ عنہا۔ ان کا نام برہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام زینب رکھا۔ ان کے باپ کا نام برہ تھا۔ عرض کی: یارسول اللہ! میرے باپ کا نام بدل دیجئے کیونکہ برہ حقیر چیز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: ''اگر تیرا باپ مومن ہوتا تو ہم اس کا نام اپنے اہل بیت کے نام پر رکھتے لیکن میں نے اس کا نام جحش رکھا ہے اور جحش برہ میں سے ہے''۔ دارقطنی نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے 5ھ میں شادی کی۔ ان کا وصال 20ھ میں ہوا جب کہ عمر ترپن سال تھی۔

(8) حضرت زینب بنت خذیمہ بن حارث بن عبد اللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ ہلالیہ اور ان کو دور جاہلیت میں ام المساکین کا لقب دیا جاتا، کیونکہ یہ مساکین کو کھانا کھلایا کرتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے مدینہ طیبہ میں شادی کی جب کہ ہجرت کو اکتیس ماہ گزر چکے تھے یہ صرف آٹھ ماہ تک حضور ﷺ کے حرم میں رہیں اور آپ کی زندگی میں ہی ربیع الاول کے آخر ہجرت کے انتالیسویں ماہ میں وصال ہو گیا ان کو بقیع میں دفن کیا گیا۔

(9) حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار خزاعیہ مصطلقیہ ان کو غزوہ بنی مصطلق میں گرفتار کیا گیا۔ یہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئیں جنہوں نے ان کے ساتھ عقد مکاتبہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مکاتبہ کا مال عطا کر دیا اور ان سے شادی کر لی۔ یہ ہجرت کے چھٹے سال شعبان میں ہوئی، اس کا نام برہ تھا رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام جویریہ رکھا یہ 6ھ ربیع الاول 56ھ میں فوت ہوئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: 50ھ میں فوت ہوئیں جب کہ ان کی عمر اکسٹھ سال تھی۔

(10) حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب ہارونی۔ غزوہ خیبر کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے انہیں گرفتار کیا اور اسے اپنے لیے چن لیا۔ وہ مسلمان ہو گئیں اور اسے آزاد کر دیا۔ حضور ﷺ نے اس کی آزادی کو ہی اس کا مہر مقرر فرمایا۔ صحیح میں ہے کہ یہ حضرت دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں رسول اللہ ﷺ نے اسے سات حصوں کے برابر خریدا(3)، اور یہ 50ھ میں وفات پا گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: 52ھ میں ان کا وصال ہوا اور انہیں بقیع میں دفن کیا گیا۔

(11) حضرت ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ جو بنو نضیر سے تعلق رکھتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے گرفتار کیا اور اسے آزاد کر دیا اور 6ھ میں ان سے شادی کی۔ یہ حجۃ الوداع کے موقع لوٹتے ہوئے فوت ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے

1۔ سنن ابی داؤد، باب الصداق، حدیث نمبر 1802، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن دارقطنی، باب المہر، جلد 3، صفحہ 246　　3۔ الطبقات الکبری، جلد 8، صفحہ 122

انہیں بقیع میں دفن کیا۔ واقدی نے ذکر کیا: یہ 16ھ میں فوت ہوئیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ابوالفرج جوزی نے کہا: میں نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آزاد نہیں کیا تھا بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی کی حیثیت سے ہی رہتی تھیں (1)۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ابوالقاسم عبدالرحمٰن سہیلی نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں شمار نہیں کیا۔

(12) حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عقد نکاح سرف کے مقام پر کیا جو مکہ مکرمہ سے دس میل دور ہے۔ یہ عمرہ قضاء میں 7ھ کو ہوا۔ یہ وہ آخری عورت ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے یہ مقرر کیا کہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے حرم میں داخل کیا وہیں ان کا وصال ہوا اور وہیں ان کو دفن کیا گیا۔ ان کا وصال 61ھ میں ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ 63ھ میں ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ 68ھ میں ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی مشہور ازواج ہیں۔ یہی وہ بیویاں ہیں جن کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق زوجیت ادا کیے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

جہاں تک ان عورتوں کا تعلق ہے جن کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور ان کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے، ان میں سے کلابیہ ہے۔ اس کے نام میں علماء نے اختلاف کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا نام فاطمہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام عمرہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا نام عالیہ تھا۔ زہری نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ضحاک کلابیہ سے نکاح کیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق دی۔ وہ کہا کرتی تھی: میں شقیہ ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 8ھ میں ذی قعدہ میں نکاح کیا یہ ساٹھ ہجری میں فوت ہوئی (2)۔

ان میں سے اسماء بنت نعمان بن جون بن حارث کندیہ ہے یہی جونیہ ہے۔ قتادہ نے کہا: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے تو اسے دعوت دی تو اس نے کہا: آپ ادھر آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق دے دی۔ دوسرے علماء نے کہا: اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگی تھی۔ بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا۔ جب اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا، گویا اس نے اسے ناپسند کیا (3)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو امیہ کو فرمایا اس کا سامان تیار کرے اور کپڑے دے۔ دوسرے الفاظ یہ ہیں حضرت ابو اسید نے کہا: جونیہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا: هبي لي نفسك اپنی ذات کو میرے لیے ہبہ کر دو۔ اس نے کہا: هل تهب الملكة نفسها للسوقة کیا مالکہ اپنا آپ رعیت کو ہبہ کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ اس پر رکھیں تاکہ وہ سکون پائے۔ اس نے کہا: اعوذ بالله منك میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ فرمایا: ''تو نے اس ذات کی پناہ چاہی جس کی پناہ چاہی جاتی ہے'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے فرمایا: ''اے ابا اسید! اسے دو سفید رازقی کپڑے دے دو اور اس کو اس کے گھر والوں کی طرف بھیج دو''۔

1۔ الطبقات الکبریٰ، جلد 8، صفحہ 131 2۔ ایضاً، جلد 8، صفحہ 141 3۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 790

قتیلہ بنت قیس۔ یہ اشعث بن قیس کی بہن تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شادی اس کے بھائی اشعث نے کی پھر وہ حضر موت چلا گیا۔ وہ اسے سوار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ملی تو وہ واپس اپنے علاقہ میں لے گیا وہ مرتد ہو گیا اور یہ بھی مرتد ہو گئی پھر اس سے حضرت عکرمہ بن ابو جہل سے شادی کی تو اس سے حضرت ابو بکر صدیق کو سخت رنج ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی: اللہ کی قسم! یہ رسول اللہ کی ازواج میں سے نہ تھی (1)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ انہیں اختیار دیا اور نہ ہی حجاب میں لیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارتداد کے ساتھ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بری کر دیا۔ حضرت عروہ اس سے انکار کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کیا ہو۔

ام شریک ازدیہ۔ اس کا نام غزیہ بنت جابر بن حکیم تھا۔ اس سے قبل یہ ابو بکر بن ابی سلمی کے عقد میں تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق دے دی اور اس سے حقوق زوجیت ادا نہیں کیے۔ یہی وہ عورت تھی جس نے اپنے آپ کو آپ پر پیش کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس عورت نے اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا تھا وہ خولہ بنت حکیم تھی۔

خولہ بنت ہذیل بن ہبیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کیا اور آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو گئی۔

شراف بنت خلیفہ۔ یہ حضرت دحیہ کی بہن تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کیا اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے۔

یعلی بنت خطیم۔ یہ قیس کی بہن تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کیا یہ بڑی غیور تھی اس نے نکاح کے ختم کرنے کا مطالبہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ عقد نکاح کو ختم کیا۔

عمرہ بنت ہادیہ کندیہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کیا۔ شعبی نے کہا: کندہ کی ایک عورت سے نکاح کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اسے لایا گیا۔

ابنۃ جندب بن ضمرہ جندعیہ۔ بعض نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کیا اور بعض نے اس کے وجود کا انکار کیا۔

غفاریہ۔ بعض علماء نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غفار کی ایک عورت سے شادی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تو اس نے اپنے کپڑے اتارے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیدی دیکھی تو فرمایا: ''تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا'' (2)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سفیدی آپ نے کلابیہ میں دیکھی تھی۔ یہ وہ عورتیں ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد نکاح کیا اور ان سے حقوق زوجیت ادا نہیں کیے۔

جہاں تک ان عورتوں کا تعلق ہے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت نکاح تو دی مگر عقد نکاح نہ ہوا اور جن عورتوں نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ ان میں سے حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا۔ ان کا نام فاختہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت نکاح دی تو انہوں نے عرض کی: میں بچوں والی ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معذرت پیش کی تو آپ نے ان کی معذرت قبول کر لی۔ ان میں سے ایک ضباعہ بنت عامر بھی تھی۔ ان میں سے ایک صفیہ بنت بشامۃ بن نضلہ

1۔ الطبقات الکبریٰ، جلد 8، صفحہ 148   2۔ المستدرک للحاکم، جلد 4، صفحہ 37، حدیث نمبر 2406، باب ذکر العالیہ

تھی، نبی کریم ﷺ نے انہیں دعوت نکاح دی ان کو حضور ﷺ نے گرفتار کیا نبی کریم ﷺ نے انہیں اختیار دیا۔ فرمایا: ''اگر تو میرے پاس رہنا چاہے تو میرے پاس رہے اور اگر تو چاہے تو اپنے خاوند کے پاس چلی جا؟(1)'' اس نے عرض کی: میں اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے بھیج دیا۔ بنو تمیم نے اس پر لعن طعن کیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ ان میں سے ایک ام شریک تھی۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ان میں سے ایک لیلی بنت خطیم تھی اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ان میں سے خولہ بنت حکیم بن امیہ تھی اس نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہبہ کیا۔ حضور ﷺ نے اس کے معاملہ کو مؤخر کر دیا تو اس نے حضرت عثمان بن مظعون سے شادی کر لی۔

ان میں سے ایک جمرہ بنت حارث بن عوف مری ہیں نبی کریم ﷺ نے انہیں دعوت نکاح دی تو اس کے باپ نے کہا: اس میں بیماری ہے جب کہ اس میں بیماری نہیں تھی اس کا باپ اس کے پاس واپس آیا تو وہ برص کی بیماری میں مبتلا ہو چکی تھی۔ یہ شبیب بن برصاء شاعر کی ماں تھی۔

ان میں سے سودہ قرشیہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دعوت نکاح دی یہ بچوں والی تھی اس نے عرض کی: مجھے ڈر آتا ہے کہ میرے بچے آپ کے سر کے پاس شور کریں گے۔ حضور ﷺ نے اس کی تعریف کی اور اس کے حق میں دعا کی۔

ان میں سے ایک عورت ایسی تھی جس کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ مجاہد نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کو دعوت نکاح دی اس نے عرض کی: میں اپنے باپ سے مشورہ کروں گی۔ وہ اپنے باپ سے ملی تو باپ نے اجازت دے دی وہ رسول اللہ ﷺ سے ملی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: قد التحفنا لحافا غیرك (2) ہم نے تیرے سوا کوئی اور لحاف اپنا لیا ہے۔ نکاح کا ارادہ ترک کرنے سے کنایہ ہے۔

یہ سب نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں۔

لونڈیوں میں سے دو لونڈیاں تھیں: (۱) حضرت ماریہ قبطیہ، حضرت ریحانہ، یہ قتادہ کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: چار لونڈیاں تھیں حضرت ماریہ، حضرت ریحانہ، جمیلہ جو آپ نے قیدیوں میں سے پائی۔ ایک لونڈی جو حضرت زینب بنت جحش نے آپ کو پیش کی۔

مسئلہ نمبر 3۔ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا، اِنْ شرطیہ ہے اس کا جواب فَتَعَالَيْنَ ہے۔ تخییر کو شرط کے ساتھ معلق کیا۔ یہ کلام اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تخییر اور طلاق جو شرط پر معلق کی جائیں تو دونوں صحیح ہوں گی، وہ دونوں نافذ ہوں گی اور ان کا حکم جاری ہو جائے گا۔ جاہل اور بدعتی اس کی مخالفت کرتے ہیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ایک مرد جب اپنی بیوی سے کہے: انت طالق اذا دخلت الدار اگر بیوی گھر میں داخل ہو بھی جائے تو طلاق واقع نہیں ہوتی، کیونکہ طلاق شرعی وہ ہوتی ہے جو فی الحال نافذ ہو جائے اس کے علاوہ کوئی طلاق نہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ فَتَعَالَيْنَ یہ جواب شرط ہے۔ یہ بہت سی عورتوں کا فعل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ہے یہ امر کی

1۔ الطبقات الکبری، جلد 8، صفحہ 154　2۔ کنز العمال، جلد 7، صفحہ 128، حدیث نمبر 18326، باب النکاح

طرف متوجہ کرنے کے لیے دعوت ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: تعال یہ اقبل کے معنی میں ہے۔ اس کے لیے وضع کیا گیا ہے جس کے لیے جلالت اور رفعت ہو۔ پھر یہ لفظ ہر اس بلانے والے کے لیے استعمال ہونے لگا جو کسی کی توجہ چاہتا ہو۔ جہاں تک اس محل کا تعلق ہے تو یہ اپنے اصل پر ہے کیونکہ داعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اُمَتِّعْكُنَّ سورۂ بقرہ میں متعہ کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ اسے أمتعکن عین کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اسی طرح اسرحکن حاء کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ جملہ مستانفہ ہے۔ سراح جمیل سے مراد یہ ہے کہ اسے طلاق سنت دے دی جائے نہ اسے تکلیف دی جائے اور نہ اس کا حق روکا جائے۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو کس طرح اختیار دیا۔ (1) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں اختیار دیا کہ وہ بیوی کی حیثیت سے باقی رہیں یا وہ طلاق لے لیں، تو انہوں نے بیوی کی حیثیت سے رہنے کو پسند کیا؛ یہ قول حضرت عائشہ صدیقہ، مجاہد، عکرمہ، شعبی، ابن شہاب اور ربیعہ کا تھا۔ ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جنہوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کا اختیار دیا۔ وہ دنیا کو پسند کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جدائی اختیار کرلیں گے اگر وہ آخرت کو پسند کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے پاس روک لیں گے تاکہ ان کے لیے بھی مرتبہ بلند ہو جس طرح ان کے خاوند کا مرتبہ بلند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طلاق میں اختیار نہیں دیا؛ یہ قول حضرت حسن بصری اور قتادہ کا بھی ہے (1)۔ صحابہ میں سے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے جس قول کو امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کیا ہے۔ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو اختیار دنیا اور آخرت کے بارے میں دیا۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے جب ان سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنی بیوی کو اختیار دیتا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا تھا، کیا وہ طلاق تھی (2)؟ ایک روایت میں ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق شمار نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تخییر ثابت نہیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا وہ نکاح کی بقا اور طلاق کے درمیان اختیار تھا، اسی وجہ سے فرمایا: ''اے عائشہ! میں تیرے سامنے ایک ایسے امر کا ذکر کرنے والا ہوں تجھ پر کوئی حرج نہیں کہ تو اس میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلے'' (3)۔ اس سے یہ معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا اور اس کی زینت کو آخرت پر ترجیح دینے کے حوالے سے مشورہ کا ارادہ نہیں کیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشورہ فرقت اور نکاح کے بارے ہونا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء نے اس عورت کے بارے میں اختلاف کیا ہے جس کو اختیار دیا گیا تھا تو اس نے خاوند کو اختیار کیا۔ سلف صالحین میں سے جمہور علماء، دوسرے علماء اور ائمہ فتاوی نے کہا: اسے طلاق لازم نہیں ہوئی۔ نہ ایک نہ زیادہ؛ یہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 294 2۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، من خیر النساء، جلد 2، صفحہ 792

3۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، وان کنتن تردن الحیوۃ، جلد 2، صفحہ 705

کا قول ہے تابعین میں سے علماء، مسروق، سلیمان بن یسار، ربیعہ اور ابن شہاب کا قول ہے۔ حضرت علی شیر خدا اور حضرت زید سے یہ بھی مروی ہے اگر اس نے اپنے خاوند کو اختیار کیا تو ایک طلاق بائنہ ہو گی؛ یہ حضرت حسن بصری اور لیث کا قول ہے۔ خطابی اور نقاش نے اسے امام مالک سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اس کا قول: اختیاری طلاق واقع کرنے سے کنایہ ہے۔ جب اس نے اس کی نسبت عورت کی طرف کی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ جس طرح اس کا کہنا: انت بائن صحیح پہلا قول ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا (1)۔ تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے طلاق شمار نہ کیا۔ صحیحین نے اسے نقل کیا ہے۔

ابن منذر نے کہا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ وہ عورت جس کو اختیار دیا گیا تھا جب وہ اپنے خاوند کو اختیار کر لے تو وہ طلاق نہ ہو گی۔ اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو اختیار کر لے تو اسے طلاق ہو جائے گی خاوند رجوع کا مالک ہو گا، کیونکہ یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر طلاق دیں؛ یہ قول حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ابن ابی لیلیٰ، ثوری اور امام شافعی کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ ابن خویز منداد نے امام مالک سے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ جب عورت نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی، یہ حضرت حسن کا قول ہے، امام مالک اور لیث کا بھی یہی قول ہے کیونکہ ملکیت تو اسی طرح عورت کو حاصل ہوتی ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جب عورت اپنے آپ کو اختیار کرے تو کچھ بھی واقع نہ ہو گا (2)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: جب وہ اپنے خاوند کو اختیار کرے تو اسے طلاق رجعیہ واقع ہو گی (3)۔

مسئلہ نمبر 7۔ مدینہ طیبہ کی ایک جماعت اور دوسرے علماء اس طرف گئے ہیں کہ تملیک اور تخییر برابر ہیں۔ دونوں میں فیصلہ ایک ہی ہو گا؛ یہ عبد العزیز بن ابی سلمہ کا قول ہے۔ ابن شعبان نے کہا: یہ ہمارے اصحاب میں سے کثیر لوگوں کا نقطہ نظر ہے۔ یہی اہل مدینہ کی ایک جماعت کا قول ہے۔ ابو عمرو نے کہا: اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے۔ امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ آپ دونوں میں فرق کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک تملیک یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو کہتا ہے: قد ملکتک مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک، دو یا تین طلاقوں کا اختیار دیا ہے میں تجھے اس کا مالک بناتا ہوں۔ جب یہ جائز ہے کہ وہ اسے بعض کا مالک بنائے اور بعض کا مالک نہ بنائے اور اس کا وہ دعویٰ بھی کرے تو جب وہ عورت کے ساتھ جھگڑا کرے تو قسم کے ساتھ قول اس کا معتبر ہو گا۔ اہل مدینہ میں سے ایک طائفہ نے کہا: خاوند کو تملیک اور تخییر میں جھگڑا کرنے کا برابر حق ہے جب کہ وہ عورت مدخول بھا ہو؛ پہلا قول امام مالک کا مشہور قول ہے۔ ابن خویز منداد نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ خاوند کو حق حاصل ہے کہ تین طلاقوں میں مخیرہ عورت سے جھگڑا کرے یہ ایک طلاق بائنہ ہو گی، جس طرح امام ابو حنیفہ نے کہا: ابو جہم نے بھی یہی کہا ہے۔ سحنون نے کہا: یہی ہمارے اکثر اصحاب کا نقطہ نظر ہے۔

امام مالک کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ عورت جس کو اختیار دیا گیا جب وہ اپنے آپ کو اختیار کرے اور اس کے ساتھ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، ان تخییرہ امرأتہ، جلد 1، صفحہ 480　　2۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 535　　3۔ ایضاً

خاوند نے حقوق زوجیت ادا کیے ہوئے ہوں، تو اسے کلی طلاق ہو جائے گی۔ اگر خاوند اس کا انکار کرے تو اسے انکار کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اگر وہ ایک طلاق کو اختیار کرے تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ اختیار قطعی طلاق کا تھا چاہے اپنا لے، چاہے ترک کر دے، کیونکہ تخییر کا معنی تسریح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت تخییر میں فرمایا: فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿۲۸﴾ تسریح کا معنی قطعی طلاق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (البقرہ: 229) تسریح باحسان سے مراد تیسری طلاق ہے؛ نبی کریم ﷺ سے یہی مروی ہے، جس طرح پہلے گزرا ہے۔ معنی کے اعتبار سے اس کا قول: اختاری نفسک یا اختاری نفسک تقاضا کرتا ہے کہ جب عورت اپنے آپ کو اختیار کر لے تو خاوند کو اس پر کوئی حق نہ ہو اور خاوند اس سے کسی چیز کا مالک نہ ہو، کیونکہ خاوند نے معاملہ اس کے سپرد کر دیا ہے کہ خاوند اس کے بارے میں جس چیز کا مالک ہے اس سے نکل جائے یا وہ عورت اسی کے ساتھ رہے جب وہ اپنے خاوند کو اختیار کرے۔ جب عورت نے طلاق میں سے بعض کو اختیار کیا تو اس نے لفظ کے مقتضی پر عمل نہ کیا۔ یہ اس کے قائم مقام ہو گیا جس کو دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تو اس نے ان کے علاوہ کسی اور چیز کو اختیار کیا۔ جہاں تک اس عورت کا تعلق ہے جس کے ساتھ اس نے دخول نہیں کیا تھا تو اسے تخییر اور تملیک میں اس کے ساتھ جھگڑا کا حق ہے جب وہ اپنے آپ کو ایک طلاق دے، کیونکہ وہ فی الحال جدا ہو جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ امام مالک سے روایت میں اختلاف ہے کب تک اس کو اختیار ہوگا؟ ایک دفعہ کہا: اسے مجلس میں اس وقت تک خیار ہوگا جب تک وہ اس سے نہ اٹھے اور ایسے کام میں مشغول نہ ہو جو اعراض پر دلالت کرے اگر اس نے اختیار کو نہ اپنایا اور کوئی فیصلہ نہ کیا یہاں تک کہ وہ مجلس میں جدا ہو گئے تو اسے جو اختیار دیا گیا تھا وہ باطل ہو جائے گا؛ یہ اکثر فقہاء کا نقطہ نظر ہے۔ ایک دفعہ فرمایا: اسے ہمیشہ کے لیے اختیار ہوگا، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے اختیار کو ترک کر دیا ہے اس کا ترک اس طرح معلوم ہوتا ہے تو وہ خاوند کو وطی اور مباشرت کا موقع دے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر وہ اپنے آپ سے خاوند کو رد کے اور کسی شے کو اختیار نہ کرے تو خاوند کو حق حاصل ہوگا کہ وہ حاکم کے پاس معاملہ لے جائے کہ وہ عورت اس اختیار کو واقع کرے یا اس کو ساقط کرے اگر وہ عورت ایسا کرنے سے انکار کر دے تو حاکم اس کی تملیک کو ساقط کر دے گا۔ پہلے قول کی بناء پر جب وہ اس کے علاوہ کسی اور کام میں شروع ہو گئی جیسے کسی بات میں، کسی عمل میں یا وہ چل پڑی یا ایسے کام میں شروع ہو گئی جس کا تخییر سے کوئی تعلق نہ تھا، جس طرح ہم نے ذکر کیا تو اس کی تخییر ساقط ہو جائے گی۔ اس قول کے قائل ہمارے بعض اصحاب نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ (النساء: 140)

ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ خاوند نے اس کے لیے قول مطلق کیا تھا تا کہ عورت کی جانب سے پسند سامنے آئے، تو یہ اس طرح ہو گیا جس طرح دونوں کے درمیان عقد ہوتا ہے۔ اگر قبول کرے تو ٹھیک ورنہ وہ ساقط ہو جائے گا۔ جس طرح کوئی کہتا ہے: قد وھبت لك یا بایعتك اگر وہ قبول کر لے تو ٹھیک ورنہ ملکیت اپنی جگہ باقی رہے گی؛ یہ ثوری، کوفیوں، اوزاعی، لیث، شافعی اور ابو ثور کا قول ہے، یہ ابن قاسم کا اختیار ہے۔ دوسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ یہ امر عورت کے قبضہ میں ہو گیا اور خاوند کے مالک بنانے کی وجہ سے عورت اس کی مالک بن گئی جب عورت اس کی مالک بن گئی تو ضروری ہے کہ اس کے ہاتھ میں باقی

رہے جس طرح اس کے خاوند کے ہاتھ میں یہ رد باقی تھا۔

میں کہتا ہوں: یہ ہی صحیح ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''میں تجھ سے ایسے امر کا ذکر کرنے والا ہوں تجھ پر کوئی حرج نہیں ہوگا کہ تو اس میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ تو اپنے والدین سے مشورہ کر لے''(1)۔ اسے صحیح نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری نے اسے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ باب کے شروع میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ یہ اس کے لیے حجت ہے جو یہ کہے: جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اختیار دے یا اسے مالک بنائے تو عورت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس بارے میں فیصلہ کرے اگر چہ وہ مجلس سے جدا ہو جائیں، یہ حضرت حسن بصری اور زہری سے مروی ہے۔ امام مالک نے اپنی دو روایتوں میں سے ایک میں کہا: ابو عبید نے کہا: اس باب میں ہمارے نزدیک یہ ہے اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ ہی کی پیروی سنت کی اتباع ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اختیار کو یوں بنایا تو وہ اپنے والدین سے مشورہ کریں اور ہم نے مجلس سے اٹھنے کو اختیار سے نکلنا شمار نہیں کیا۔ مروزی نے کہا: میرے نزدیک یہ سب سے صحیح قول ہے: یہ ابن منذر اور طحاوی کا قول ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝

''اے نبی کریم کی بیبیو! جس کسی نے تم میں سے کھلی ہوئی بیہودگی کی تو اس کے لیے عذاب کو دو چند کر دیا جائے گا اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے اور جو تم میں سے فرمانبردار بنی رہی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نیک عمل کرتی رہی تو ہم اس کو اس کا اجر بھی دو چند دیں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت والی روزی تیار کر رکھی ہے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء نے کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی فضیلت کا ذکر کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی تکریم کے لیے ارشاد فرمایا: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ اور ان کا حکم دوسروں سے جدا کر دیا فرمایا: وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ان کی طاعت کا ثواب اور ان کی معصیت کا عقاب دوسروں سے زیادہ کر دیا۔ فرمایا: يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے جو فاحشہ لائی (اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 152

اس سے محفوظ رکھنے والی ہے جس طرح حدیث افک میں گزر چکا ہے) اللہ تعالیٰ ان کے لیے عذاب کو دگنا کر دے گا۔ یہ ان کے مقام کے شرف اور درجہ کی فضیلت کی وجہ سے ہے۔ اور ان کے دوسری تمام عورتوں پر تقدم کی وجہ سے یہ حکم لگایا۔ شریعت نے یہ بیان کیا جس کا ذکر کئی مواقع پر گزر چکا ہے جس طرح اس کی وضاحت میں گزر چکا ہے کہ جب حرمتیں اور عزتیں زیادہ ہوں گی تو پھر ان کو پامال کیا جائے تو عقوبتیں بھی کئی گنا ہوں گی۔ اسی وجہ سے غلام کے بدلہ میں آزاد اور باکرہ کے مقابلہ میں ثیبہ کی حد دگنی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج وحی کے نازل ہونے کی جگہ رہتی تھیں اور اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کے نازل ہونے کی جگہ رہتی تھیں تو ان پر معاملہ قوی ہو گیا تو ان کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے ان پر ایسی چیز لازم ہوگی جو اس سے زائد ہوگی جو ان کے علاوہ پر لازم ہوگا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے کی وجہ ان کے جرائم کا ضرر بڑھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے کی وجہ سے ان کا جرم اتنا بڑا ہو گیا تو عقوبت بھی اس پر اسی قدر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ اس قول کو طبری نے پسند کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ایک قوم کا کہنا ہے: اگر ان میں سے کسی ایک سے بدکاری واقع ہوئی جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس جرم سے محفوظ رکھا تو عظمت شان کی وجہ سے اس کو دو حدیں جاری کی جاتیں، جس طرح آزاد عورت کو لونڈی کے مقابلہ میں زیادہ کوڑوں کی صورت میں حد جاری کی جاتی ہے۔ یہاں عذاب حد کے معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (النور) اس اعتبار سے ضعفین کا معنی مثلین یا مرتین ہے ابوعبیدہ نے کہا: ضعف الشیء سے مراد دو چیزیں ہیں یہاں تک کہ وہ تین ہو جائیں (2)۔

ابوعمرو نے یہ قول کیا جو طبری نے اس سے حکایت بیان کی ہے تو اس کی طرف دو عذابوں کو منسوب کیا جائے جو دونوں اس کی مثل ہوں گے تو یہ تین عذاب ہو جائیں گے۔ طبری نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اس طرح یہ غیر صحیح ہے، اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے اس کا احتمال موجود ہے۔ اجر کا دو دفعہ ہونا اس قول کو فاسد کر دیتا ہے، کیونکہ فاحشہ میں عذاب، طاعت میں اجر کے مقابل ہے؛ یہ ابن عطیہ کا قول ہے (3)۔ نحاس نے کہا: ابوعمرو نے یضاعف اور یضعف میں فرق کیا ہے۔ کہا: یضاعف کئی دفعہ کے لیے اور یضعف دو دفعہ کے لیے بولا جاتا ہے، اسی وجہ سے اسے یضعف پڑھا گیا ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: یُضْعَفُ لَهَا الْعَذَابُ اس کو تین عذاب بنا دیا جائے گا (4)۔ نحاس نے کہا: ابوعمرو اور ابوعبیدہ نے جو فرق بیان کیا ہے جن علماء لغت کو میں جانتا ہوں ان میں سے کوئی بھی اسے نہیں پہچانتا۔

یضاعف اور یضعف کا معنی ایک ہی ہے یعنی اسے دوگنا کر دیا جائے گا، جس طرح تو کہتا ہے: ان دفعت الی درهما دفعت الیك ضعفيه یعنی اگر تو نے مجھے ایک درہم دیا تو میں تجھے دو درہم دوں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَیْنِ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 382
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 397
3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 382
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 397

دلالت کرتا ہے۔ عذاب اجر سے زیادہ نہیں ہوتا۔ ایک اور موقع پر فرمایا: اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ یہاں بھی دو مثل ہے۔ معمر نے قتادہ سے يُضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ کی یہ تعبیر روایت کی ہے کہ دنیا کا عذاب اور آخرت کا عذاب۔ قشیری ابونصر نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ ضعفین سے مراد دو مثل ہیں، کیونکہ ارشاد فرمایا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وصایہ میں ہے۔ اگر کسی انسان نے کسی انسان کے حق میں اپنے بچے کے حصہ سے دوضعف وصیت کی تو یہ اس امر کی وصیت ہوگی کہ اس آدمی کو بچے کے حصہ سے تین گنا دیا جائے گا، کیونکہ وصیتیں عرف کے مطابق جاری ہوتی ہے۔ اور کلام اللہ کی تفسیر کلام عرب کی طرف پھیری جاتی ہے۔ اور کلام میں ضعف کا لفظ مثل اور مازاد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ دو مثل متصور نہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھذا ضعف ھذا یعنی یہ اس کی مثل ہے۔ ھذا ضعفاہ یہ اس کی مثل ہے۔ اصل میں ضعف اس زیادتی کے لیے بولا جاتا ہے جو غیر محصور ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ (سبا: 37) اس سے ایک مثل یا دو مثل کا ارادہ نہیں کیا، یہ سب ازہری کا قول ہے۔ سورۂ نور میں وہ اختلاف گزر چکا ہے جو اس آدمی پر حد کے بارے میں ہے جو ان میں سے کسی پر تہمت لگاتا ہے۔ الحمدللہ۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابورافع نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر صبح کی نماز میں سورۂ یوسف اور سورۂ احزاب کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ جب آپ اس آیت يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ پر پہنچتے تو اپنی آواز کو بلند کرتے۔

اس کے بارے میں آپ سے عرض کی گئی تو فرمایا: میں انہیں وعدہ یاد دلاتا ہوں (1)۔ جمہور نے من یأت قراءت کی اسی طرح من يَقْنُتْ کو من کے لفظ پر محمول کیا ہے۔ القنوت کا معنی طاعت ہے۔ یہ بحث گزر چکی ہے۔ یعقوب نے من تأت اور تَقْنُتْ تاء کے ساتھ پڑھا ہے وہ معنی پر محمول کرتے ہیں۔ ایک قوم نے کہا: فاحشہ کا لفظ جب معرفہ وارد ہو تو اس سے مراد زنا اور لواطت ہے (2)۔ جب یہ نکرہ واقع ہو تو اس سے مراد باقی ماندہ معاصی ہیں۔ جب یہ بطور منعوت واقع ہو تو اس سے مراد یہاں بیوی کی ناچاقی اور حسن معاشرت کا نہ ہونا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: بلکہ اس کا فرمان بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ تمام معاصی کو عام ہے (3)۔ اسی الفاحشۃ کا لفظ جس طرح بھی وارد ہو۔

ابن کثیر نے مبینۃ یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نافع اور ابوعمرو نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک جماعت نے یضاعف عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں فعل اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب ہوگا۔ ابوعمرو نے خارجہ کی روایت میں نضاعف نون مضموم اور العذاب کے نصب کے ساتھ قراءت کی ہے، یہ ابن محیصن کی قراءت ہے۔ یہ ایک فرد کی جانب سے باب مفاعلہ کا اظہار ہے، جس طرح طارقت النعل عاقبت اللص میں باب مفاعلہ ایک فاعل کے لیے ہے۔ نافع، حمزہ اور کسائی نے یضاعف کو یاء اور عین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور العذاب کو مرفوع پڑھا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، ابن کثیر اور عیسیٰ کی قراءت کی ہے۔ ابن کثیر اور ابن عامر نے نضعف کو نون اور عین مشددہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور العذاب کو منصوب پڑھا ہے۔ مقاتل نے کہا: عذاب میں یہ تضعیف آخرت میں ہوگی؛ کیونکہ اجر کا دو دفعہ ہونا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 381　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 382

آخرت میں ہوگا۔ یہ حسن ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ایسا جرم نہیں کریں گی جو حد کو واجب کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کی بیوی نے کبھی بھی بدکاری نہیں کی۔ انہوں نے ایمان اور طاعت میں خیانت کی۔ بعض مفسرین نے کہا: وہ عذاب جس کے دگنا ہونے کی انہیں دھمکی دی گئی وہ دنیا اور آخرت کا عذاب ہے (1)۔ اسی طرح اجر ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ قول ضعیف ہے (2)، مگر اس صورت میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے دنیا کی حدود ان سے آخرت کے عذاب کو ختم نہ کریں، جیسا لوگوں کا حال ہے جو حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث سے ثابت ہے۔ یہ ایسا امر ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں اور نہ اس کے ثبوت کو محفوظ کیا گیا ہے۔ اہل تفسیر کا قول ہے کہ رزق کریم سے مراد جنت ہے، نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

”اے نبی کی ازواج (مطہرات) تم نہیں ہو دوسری عورتوں میں سے کسی عورت کی مانند اگر تم پرہیز گاری اختیار کرو پس اس نرمی سے بات نہ کرو کہ طمع کرنے لگے وہ (بے حیا) جس کے دل میں روگ ہے اور گفتگو کرو تو باوقار انداز سے کرو“۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ یعنی فضل و شرف میں عام عورتوں کی طرح نہیں۔ کأحد فرمایا کواحدۃ نہیں فرمایا کیونکہ احد یہ مذکر، مونث، واحد اور جماعت سے نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس کا ذکر ایسی چیز کے لیے ہوتا ہے جو آدمی نہ ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: لیس فیھا احد یعنی اس میں کوئی بکری اور اونٹ بھی نہیں۔ النساء کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ گزری ہوئی عورتوں میں حضرت آسیہ اور حضرت مریم بھی ہیں۔ قتادہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ان کی باہمی فضیلت کے بارے میں اختلاف کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔ وہاں اس میں غور و فکر کر لے۔ پھر فرمایا: اِنِ اتَّقَيْتُنَّ یعنی تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس امر کو واضح کیا کہ فضیلت ان کے لیے تقویٰ کی شرط کے ساتھ مکمل ہوگئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ کے ہاں عظیم مقام عطا کیا اور ان کے حق میں قرآن نازل فرمایا۔

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ یہ نہی کی وجہ سے محل جزم میں ہے، مگر یہ اسی طرح مبنی ہے جس طرح فعل ماضی مبنی ہوتا ہے؛ یہ سیبویہ کا مذہب ہے، یعنی قول میں نرمی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ ان کا قول باوقار ہونا چاہیے اور کلام فیصلہ کن ہونی چاہیے وہ ایسی صورت پر نہیں ہونی چاہیے جو دل میں لگاؤ پیدا کرے اس کی وجہ اس کلام کی نرمی ہو، جس طرح عربوں کی عورتوں کی حالت ہوتی جب وہ مردوں سے کلام کرتے ہوئے رو یہ اپناتیں کہ آواز کو توڑتیں اور اس میں نرمی پیدا کرتیں، جس طرح ان عورتوں کی کلام ہوتی ہے جو شک ڈالتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

فَيَطْمَعَ یہ منصوب ہے اور نہی کے جواب میں ہے الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ مرض سے مراد شک اور نفاق ہے، یہ قتادہ اور

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 382 2۔ ایضاً

سدی سے مروی ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد فجور کے لیے آراستہ ہونا ہے وہ فسق اور عورتوں سے باتیں کرنے میں دلچسپی کا اظہار ہے (2)؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ یہ زیادہ صحیح ہے۔ اس آیت میں نفاق کا کوئی عمل دخل نہیں۔ ابوحاتم نے حکایت بیان کی کہ اعرج نے فیطمع یاء کے فتحہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: میں گمان کرتا ہوں یہ غلط ہے اور یہ کہ اس نے فیطمِع میم کے فتحہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہو اور اس کا عطف تخضعن پر ہو۔ یہ توجیہ عمدہ اور اچھی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فیطمع یہ فیطمع الخضوع او القول کے معنی میں ہو۔

وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا۔ عورت کے لیے مستحب یہ ہے کہ جب وہ اجنبی لوگوں سے خطاب کرے اور اسی طرح جب ان محرم لوگوں سے خطاب کرے جو رشتہ مصاہرت کی وجہ سے محرم ہیں کہ وہ قول میں سختی لائے جب کہ آواز کو بلند نہ کرے، کیونکہ عورت کو پست انداز میں کلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قول معروف سے مراد وہ درست عمل ہے جس کو شریعت اور نفوس ناپسند نہ کریں۔

وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۚ﴿۳۳﴾

''اور ٹھہری رہو اپنے گھروں میں اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو جیسے سابق دور جاہلیت میں رواج تھا اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دیا کرو اور اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک صاف کر دے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ قَرْنَ جمہور قراء نے اسے وقِرن قاف کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ عاصم اور نافع نے قاف کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ جہاں تک پہلی قراءت کا تعلق ہے تو یہ دو وجوہ کا احتمال رکھتی ہے: (۱) یہ وقار سے مشتق ہو۔ تو کہتا ہے: وَقَرَ یَقِرُ وَقَارًا اس کا معنی سکونت اختیار کرنا ہے۔ امر قِرْ ہے اور النساء کے لیے قِرن ہے۔ جس طرح عِدْن، زِنَّ ہے (۲) یہ مبرد کا قول ہے یہ قرار سے مشتق ہو (3)۔ تو کہتا ہے: قررت بالمکان یہ راء کے فتحہ کے ساتھ ہے اس سے امر کا صیغہ اِقْرِرْ ہے اصل میں یہ اَقْرِرْنَ راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ پہلی راء تخفیف کی وجہ سے حذف ہے، جس طرح انہوں نے ظللت میں ظلت، مسست میں مست کیا اس کی حرکت کو قاف کی طرف نقل کیا قاف کے متحرک ہونے کی وجہ سے یہ ہمزہ وصلی سے مستغنی ہو گیا۔ ابوعلی نے کہا: بلکہ اس کی تعبیر یوں ہوگی کہ راء کو یاء سے بدلا ایک جنس کے دو حروف اکٹھے ہونے کو ناپسند کرتے ہوئے جس طرح قیراط اور دینار میں کیا۔ باء کے لیے وہ حرکت ہوگی جو حرکت اس حرف کی تھی جس کو یاء سے بدلا گیا۔ تقدیر کلام یہ ہو

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 399 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 383 3۔ ایضاً

گی: اِقْرِنَ پھر یاء کے کسرہ کے ناپسند ہونے کی وجہ سے یاء کی حرکت قاف کو دی گئی تو یاء اجتماع ساکنین کی وجہ سے ساقط ہو گئی۔ ہمزہ وصل ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس کا مابعد متحرک ہے تو یہ قِرْنَ ہو گیا۔

جہاں تک اہل مدینہ اور عاصم کی قراءت ہے تو یہ عربوں کی لغت پر ہے: قَرِرْتُ فی المکان جب تو اس میں مقیم ہو(1)۔ راء کے نیچے کسرہ ہے اقر قاف پر فتحہ ہے یہ حِمِدَ یحمَدُ کا باب ہے۔ یہ اہل حجاز کی لغت ہے ابو عبید نے اسے الغریب المصنف میں کسائی سے ذکر کیا یہ ان کے اجل مشائخ میں سے ہے؛ اسے زجاج اور دوسرے علماء نے ذکر کیا۔ اصل اقرَرْنَ ایک جنس کے دو حروف اکٹھے ہونے کی وجہ سے ثقل واقع ہوا تو پہلی راء کو حذف کر دیا۔ اس کی حرکت قاف کو دی تو تو کہے گا: قَرِنَ، فراء نے کہا: یہ اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: احسَتُ صاحبك یعنی ھل اَحْسَسْتَ ہے۔ ابو عثمان ہزلی نے کہا: قررت بہ عینا اس کو راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا یہی درست ہے کوئی اور صورت نہیں یہ قرۃ العین سے مشتق ہے۔ قررت فی المکان میں کسرہ جائز نہیں یہ راء کے فتحہ کے ساتھ قررت ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قراءت ثابت ہے تو اس کا ناپسند کرنا قراءت میں قدح کا باعث نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قراءت ثابت ہو اس کے ساتھ لغت کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ ابو حاتم بھی اس طرف گئے ہیں کہ قرن کلام عرب میں اس کا کوئی مذہب نہیں۔ نحاس نے کہا: جہاں تک ابو حاتم کے قول کا تعلق ہے یہ اس کا مذہب نہیں۔ اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اس میں دو مذہب ہیں: (۱) جسے کسائی نے بیان کیا ہے (۲) جو میں نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا۔ اس نے کہا: یہ قررت بہ عینا اقر سے مشتق ہے۔ معنی ہے: اپنے گھروں میں ٹھنڈی آنکھ سے رہو۔ یہ اچھی توجیہ ہے، مگر حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ پہلے قول سے ماخوذ ہے، جس طرح یہ روایت کی گئی ہے حضرت عمار نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم دیا ہے کہ تو اپنے گھر میں رہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے ابا یقظان! تو ہمیشہ حق کہتا رہا(2)۔

حضرت عمار نے کہا: اس اللہ کے لیے تمام تر تعریفیں ہیں جس نے مجھے اس طرح بنایا جو آپ کی زبان پر ہے۔ ابن ابی عبلہ نے واقْرِرْنَ الف وصلی اور دو راؤں کے ساتھ پڑھا اور پہلی راء مکسور ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت کا معنی ہے گھر میں رہنے کا حکم ہے۔ اگرچہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تاہم دوسری عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ یہ حکم لازم ہے اگرچہ کوئی ایسی دلیل وارد نہ ہو جو تمام عورتوں کو خاص کرے۔ یہ حکم کیسے نہ ہو جب کہ شریعت مطاہرہ تمام عورتوں کے لیے اس حکم کو لازم کرتی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں اور وہ اپنے گھروں سے باہر ہونے سے رکی رہیں، مگر ضرورت کی بناء پر وہ گھر سے باہر جا سکتی ہے، جس طرح کئی مواقع پر گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی ازواج کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھروں میں ہی رہیں اور انہیں خطاب فرمایا مقصود ان کو شرف عطا کرنا اور تبرج سے انہیں روکنا ہے۔ یہ چیز جان لو کہ یہ جاہلیت اولیٰ کا فعل ہے۔ اس کا حقیقی معنی یہ ہے کہ اس چیز کو ظاہر کیا جائے جس کو پردہ میں رکھنا اچھا تھا۔ یہ اس سے ماخوذ ہے جس میں وسعت کا معنی ہو جس طرح کہا جاتا ہے: فی اسنانہ برج جب وہ جدا جدا ہوں؛ یہ مبرد کا قول

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 383　　2۔ ایضاً

ہے۔ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ زمانہ ہے(1) جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی عورت موتیوں سے بنی قمیص پہنتی وہ راستہ کے درمیان میں چلتی اور اپنے آپ کو مردوں پر پیش کرتی۔ حکیم بن عیینہ نے کہا: الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کا درمیانی عرصہ ہے(2)۔ یہ آٹھ سو سال کا عرصہ ہے۔ ان کے بارے میں مذموم سیرتیں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ ہے(3)۔ کلبی نے کہا: حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان کا عرصہ ہے(4)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: عورتیں موتیوں سے بنی ہوئی قمیص پہنتیں جو دونوں جانب سے سلی ہوئی نہیں ہوتی تھیں وہ باریک کپڑے پہنا کرتی تھیں اور اپنے بدن کو نہیں چھپاتی تھیں۔ ایک جماعت کا کہنا ہے: یہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان کا عرصہ ہے(5)۔ امام شعبی نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا عرصہ ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: یہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا زمانہ ہے(6)۔ اس دور میں عورت کی موتیوں سے جڑی قمیص ہوتی جو دونوں جانب سے سلی ہوئی نہیں ہوتی تھی۔ ابو العباس مبرد نے کہا: الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: الجاهلية الجهلاء کہا: الجاهلية الجهلاء میں عورتیں اس کو ظاہر کرتیں جس کا اظہار قبیح ہوتا، یہاں تک کہ عورت اپنے خاوند اور اپنے دوست کے ساتھ بیٹھتی اس کا دوست اس کے ازار بند سے لے کر جسم کے اوپر والے حصہ سے لطف اندوز ہوتا اور اس کا خاوند ازار بند سے نیچے والے حصے سے لطف اندوز ہوتا بعض اوقات ان میں سے ایک دوسرے کے حصہ کا مطالبہ کر دیتا۔ مجاہد نے کہا: عورتیں مردوں کے درمیان چلتیں۔ یہی تبرج تھا۔ ابن عطیہ نے کہا: جو چیز میرے نزدیک ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلیت کی طرف اشارہ کیا ہے جو وہ اپنا چکی تھیں انہیں حکم دیا گیا کہ ان کی سیرت کو چھوڑ دیں وہ وہ سیرت تھی جو شریعت سے پہلے کافروں کی سیرت تھی، کیونکہ ان کے ہاں کوئی غیرت نہ تھی۔ عورتوں کا معمول حجاب کے بغیر تھا۔ اسے اولیٰ بنانا اس اعتبار سے ہے جس میں تھیں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ وہاں کوئی اور جاہلیت تھی۔ جاہلیت کا اسم اس مدت پر واقع کیا گیا جو اسلام سے قبل تھا۔ انہوں نے کہا: شعراء میں جاہلی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول بخاری میں ہے سمعت ابی فی الجاهلية يقول میں نے اپنے باپ کو جاہلیت میں کہتے ہوئے سنا۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں(7)۔

میں نے کہا: یہ اچھا قول ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ عرب تو بدحال اور تنگ دست تھے۔ دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے: خوش پوشی اور زینت کا اظہار یہ سابقہ زمانوں میں بھی جاری رہا۔

الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ سے مراد یہی چیز ہے اور آیت کا مقصود یہ ہے کہ ان سے قبل جو عورتوں کا وطیرہ تھا اس کی مخالفت کی

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 537
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 383
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 400
4۔ ایضاً
5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 383
6۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 400
7۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 384

جائے، جیسے ناز ونخرہ کرنا اور مردوں کے لیے محاسن کو ظاہر کرنا، اس کے علاوہ تمام وہ چیزیں جو شرعاً جائز نہیں۔ یہ تمام اقوال کو شامل ہے اور انہیں عام ہے پس وہ اپنے گھروں میں ہی رہیں۔ اگر انہیں گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت ہو تو وہ ترک زینت اور کامل پردہ کی حالت میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ثعلبی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا(1) کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب اس آیت کو پڑھتیں تو آپ روتیں یہاں تک کہ آپ کی اوڑھنی تر ہو جاتی۔ یہ ذکر کیا گیا کہ حضرت سودہ نے انہیں کہا: تو کیوں حج اور عمرہ نہیں کرتیں جس طرح تیری بہنیں (دوسری ازواج مطہرات) کرتی ہیں؟ فرمایا: میں نے حج کر لیا اور میں نے عمرہ کر لیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے گھر میں ٹھہروں۔ راوی نے کہا: اللہ کی قسم! وہ اپنے حجرہ کے دروازہ سے باہر نہ نکلیں یہاں تک کہ ان کا جنازہ نکالا گیا۔ ابن عربی نے کہا: میں تقریباً ایک ہزار دیہاتوں میں داخل ہوا۔ میں نے نابلس کی عورتوں سے بڑھ کر اپنے عیال کی حفاظت کرنے والی اور سب سے زیادہ پاک دامن کسی عورت کو نہیں دیکھا۔ جہاں حضرت خلیل علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا میں وہاں رہا میں نے دن کے وقت کسی عورت کو راستہ میں نہیں دیکھا مگر جمعہ کے روز وہ جمعہ کی نماز کے لیے نکلتیں یہاں تک کہ مسجد ان سے بھر جاتی۔ جب نماز ختم ہوتی اور وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاتیں دوسرے جمعہ تک ان میں سے کسی پر بھی میری نظر نہ پڑتی۔ میں نے مسجد اقصیٰ میں پاک دامن عورتوں کو دیکھا وہ اپنی اعتکاف والی جگہ سے نہ نکلتیں یہاں تک ان کی وہاں شہادت ہو جاتی(2)۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابن عطیہ نے کہا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رونا ایام جمل میں سفر کے سبب تھا(3)۔ اسی موقع پر آپ سے حضرت عمار نے کہا تھا: اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم دیا ہے کہ تو اپنے گھر میں رہے۔ ابن عربی نے کہا: رافضیوں(4) نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے کہا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی جب وہ لشکروں کی قیادت کرتے ہوئے نکلیں، جنگوں میں براہ راست حصہ لیا، نیزوں اور تلواروں کے وار پڑنے کی جگہ داخل ہوئیں جو نہ ان پر فرض تھا اور نہ ان کے لیے جائز تھا۔ انہوں نے کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا۔ جب آپ نے یہ منظر دیکھا تو آپ نے سواری تیار کرنے کا حکم دیا تو سواری پیش کی گئی تاکہ آپ مکہ مکرمہ کی طرف جائیں۔ مردوں نے آپ سے عرض کی: اے ام المومنین! یہاں ہی رہیں اور ان چرواہوں کو واپس کیجئے، کیونکہ لوگوں کے درمیان آپ کے حج کرنے سے بہتر ہے۔

ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے کہا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فتنہ سے قبل حج کی نذر مانی تو آپ نے نذر چھوڑنے کو مناسب خیال نہیں کیا۔ اگر اس شورش میں نکلتیں تو یہ آپ کے لیے صحیح ہوتا۔ جہاں تک جنگ جمل میں نکلنے کا تعلق ہے آپ جنگ کے لیے نہیں نکلی تھیں لیکن لوگ آپ سے چمٹ گئے اور انہوں نے طمع کی کہ جب آپ مخلوق کے لیے کھڑی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 383 — 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1535

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 383 — 4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1536-1535

ہوں گی تو لوگ حیاء کریں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے گمان کیا یہ اس طرح ہی ہوگا، تو آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اقتدا کرتے ہوئے نکل پڑیں اسلام کا یہ فرمان ہے: لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (النساء: 114) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا (الحجرات: 9)

اصلاح احوال کا امر ایسا ہے جس کے مخاطب تمام لوگ ہیں، وہ مرد ہوں، عورتیں ہوں، آزاد ہوں یا غلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قضاء سابق کی بنا پر اس کا ارادہ نہ کیا کہ اصلاح واقع ہو، لیکن نیزے پڑے اور زخم لگے یہاں تک کہ قریب تھا کہ دونوں فریق فنا ہو جاتے تو کسی نے اس اونٹ کا قصد کیا اس نے اس اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔ جب اونٹ اس پہلو گرا تو محمد بن ابوبکر نے حضرت عائشہ صدیقہ کو تھام لیا اور انہیں بصرہ لے گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ تیس عورتوں کے ساتھ نکلیں جو عورتیں حضرت علی شیر خدا نے ان کے ساتھ ملائی تھیں، یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو مدینہ طیبہ، برہ، تقیہ اور مجتہدہ کی حیثیت سے پہنچایا جو بھی آپ نے تاویل کی اس میں مصیب اور ثواب کی مستحق تھیں جو بھی کیا اس پر ان کو اجر ملے گا، کیونکہ ہر مجتہد احکام میں مصیب ہوتا ہے۔ سورۃ النحل میں اس اونٹ کا نام گزر چکا ہے اسی کی مناسبت سے وہ دن معروف ہے۔

وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ جو ان کو امر کیا گیا اور جس سے منع کیا گیا اس کی اطاعت کرتی ہیں۔ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ زجاج نے کہا: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور آپ کے وہ اہل ہیں جو اہل بیت شمار ہوتے ہیں۔ جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔ أَهْلَ الْبَيْتِ مدح کے طور پر منصوب ہے۔ کہا: اگر تو چاہے تو کہے یہ بدل کے طور پر منصوب ہے کہ رفع اور جر دونوں جائز ہیں۔ نحاس نے کہا: اگر اسے کم سے بدل بناتے ہوئے جر دی جائے تو ابو العباس محمد بن یزید کے نزدیک جائز نہیں۔ کہا: مخاطبہ اور مخاطب سے بدل نہیں بنایا جاتا کیونکہ دونوں بیان کے محتاج نہیں ہوتے۔ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا، تطہیر مفعول مطلق ہے اور اس میں تاکید کا معنی پایا جاتا ہے۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿٣٤﴾

''اور یاد رکھو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا لطف فرمانے والا ہر بات پر باخبر ہے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ یہ الفاظ یہ معنی دیتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہیں۔ اہل علم نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ اہل بیت کون ہیں؟ (1)۔ عطا، عکرمہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد صرف آپ کی ازواج ہیں ان کے ساتھ کوئی مرد اہل بیت میں شامل نہیں۔ وہ اس طرف گئے ہیں کہ بیت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکن ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ، ایک فرقہ نے کہا: جن

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 384

میں کلبی بھی ہیں: مراد حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم ہیں (1)۔ اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی احادیث مروی ہیں۔ انہوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ اگر یہ خاص کر عورتوں کے لیے حکم ہوتا تو یوں ارشاد ہوتا عنکن ویطھرکن مگر یہ احتمال موجود ہے کہ کم ضمیر لفظ اہل کے اعتبار سے ہو، جس طرح ایک آدمی اپنے ساتھی سے کہتا ہے: کیف أھلك مراد ہوتا ہے تیری بیوی یا تیری بیویاں کیسی ہیں؟ وہ کہتا ہے: ھم بخیر وہ اچھی ہیں۔ محل استدلال ھم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (ہود: 73)

آیت سے جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ آیت تمام اہل بیت کو عام ہے، وہ بیویاں ہوں یا اور۔ فرمایا: وَيُطَهِّرَكُمْ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم ان میں شامل تھے۔ جب مذکر اور مونث جمع ہو جائیں تو مذکر کو غلبہ دیا جاتا ہے۔ آیت تقاضا کرتی ہے کہ بیویاں اہل بیت سے ہیں، کیونکہ انہیں کے متعلق ہے اور ان کو یہی خطاب کیا جا رہا ہے۔ اسی پر سیاق کلام بھی دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ جہاں تک حضرت ام سلمہ کا تعلق ہے انہوں نے کہا: یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ خیبر کی بنی چادر میں داخل ہو گئے۔ فرمایا: ''یہ میرے اہل بیت ہیں''۔ اور آیت کو پڑھا۔ دعا کی۔ ''اے اللہ! ان سے رجس کو دور کر دے اور انہیں پاکیزہ بنا دے''۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ فرمایا: انت علی مکانك وأنت علی خیر تو اپنے مرتبہ پر ہے اور تو بھلائی پر ہے۔ امام ترمذی اور دوسرے محدثین نے اسے نقل کیا ہے۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے (2)۔

قشیری نے کہا: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے اپنا سر چادر میں داخل کیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں؟ فرمایا: ''ہاں''۔ ثعلبی نے کہا: اہل بیت سے مراد بنو ہاشم ہیں (3)۔ یہ تعبیر دلالت کرتی ہے کہ بیت سے مراد نسب کا بیت ہے تو حضرت عباس، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچے اور ان کی اولاد اس میں شامل ہوں گے۔ اس کی مثل حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کلبی کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاذْكُرْنَ اللہ تعالیٰ کے خطاب کی ابتدا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے امر کا خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو ہو رہا ہے (4)۔ یہ نصیحت کے انداز میں اور اس نعمت کو شمار کرنے کے انداز میں ہے وہ نعمت جو ان کے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور حکمت کی باتیں کی جاتی ہیں۔

علماء تاویل کہتے ہیں کہ آیات اللہ سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاذْكُرْنَ ماقبل کے ساتھ متعلق ہے۔ عنکم، اھل کی وجہ سے فرمایا پس اہل مذکر ہے، اگرچہ وہ مونث ہیں پھر بھی انہیں مذکر کے ساتھ یاد کیا اس وجہ سے عنکم ہو گیا کلبی اور اس جیسے لوگوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس تفسیر میں ایسی اشیاء پائی جاتی ہیں اگر سلف

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 384
2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 152
3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 384
4۔ ایضاً

صالحین کے زمانہ میں پائی جاتیں تو وہ اسے اس سے روک دیتے اور اس پر حجر کا حکم لگا دیتے۔ تمام آیات یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے لے کر اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا تک سب ایک دوسرے سے وابستہ ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ درمیان میں کوئی ایسی کلام ہو جو منفصل ہو اور غیر کے لیے ہو۔ بے شک یہ احادیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر کا قصد کیا۔ اسے ان پر لپیٹا، پھر اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا: ''اے میرے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، اے اللہ! ان سے رجس کو دور فرما دے اور انہیں پاکیزہ کر دے'' (1)۔ آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا، تو آپ نے پسند کیا کہ انہیں بھی اس آیت کے حکم میں داخل کر دیں جس کے ساتھ ازواج کو خطاب کیا گیا تھا۔ کلبی اور ان کی موافقت کرنے والے اس طرف گئے ہیں اور اس آیت کو ان کے لیے خاص کیا ہے جب کہ ان کے حق میں دعا کرنا تنزیل کے حکم سے خارج ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ذکر کا لفظ تین معانی کا احتمال رکھتا ہے: (۱) وہ نعمت کے محل کو یاد کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے گھروں والا بنا دیا جن میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور حکمت کو تلاوت کیا جاتا ہے۔ (۲) وہ اللہ تعالیٰ کی آیات یاد کریں اور ان کی قدر پہچانیں اور ان میں غور و فکر کریں یہاں تک کہ تم میں سے ہر ایک ایسی حالت پر ہو تم اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں سے نصیحت حاصل کرو جس کا یہ حال ہو اس کے لیے مناسب ہے کہ اس کے افعال اچھے ہوں۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَاذْكُرْنَ کا معنی ہے تم یاد کرو، انہیں پڑھو اور زبانوں پر اسے لازم کرو۔ گویا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کو یاد رکھو۔ یہی وہ چیز ہے جن کی تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی صورت میں تلاوت کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ جو قرآن حکیم ان کے گھروں میں نازل ہوتا ہے اس کی خبر دیں اور جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال دیکھتی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اقوال سنتی ہیں اس کی خبر دیں تاکہ یہ لوگوں تک پہنچیں تو لوگ ان پر عمل کریں اور اس کی اقتدا کریں۔ یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ دین کے معاملہ میں مردوں اور عورتوں کی جانب سے خبر واحد قبول کی جائے گی۔

(۳) ابن عربی نے کہا: اس آیت میں عمدہ مسئلہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرآن نازل کیا جائے اس کی تبلیغ کریں اور دین میں سے جن امور سے آگاہ ہوں اس کی تعلیم دیں (2)۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک پر آیت پڑھ دیتے یا کوئی اتفاقاً اس کو سن لیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرض ساقط ہو جاتا تو اسے جو سنتا اس پر لازم تھا کہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ لازم نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب صحابہ کو یہ ذکر کریں۔ اسی طرح جب آپ کی بیویاں اس کو جان لیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ لازم نہیں تھا کہ لوگوں کی طرف نکلیں اور انہیں کہیں: فلاں حکم نازل ہوا اور یہ نازل نہیں ہوا اسی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں: شرمگاہ کے چھونے سے وضو کے وجوب کے حکم پر عمل کرنا جائز سمجھتے ہیں (3) وہ بسرہ بنت صفوان سے مروی ہے کیونکہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 152　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 39-1538

3۔ ابن ماجہ، باب الوضوء من مس الذکر، حدیث نمبر 471، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

انہوں نے وہی روایت کیا جو انہوں نے سنا اور اسی کو آگے پہنچایا جو انہوں نے یاد کیا یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حکم مردوں تک پہنچتا، جس طرح امام ابوحنیفہ (1) نے کہا کیونکہ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایات نقل کی ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآىِٕمِيْنَ وَالصّٰٓىِٕمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

”بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں، خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم“۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ ترمذی نے ام عمارہ انصاریہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے عرض کی: میں ہر چیز مردوں کے لیے دیکھتی ہوں، میں عورتوں کو نہیں دیکھتی کہ ان کا کسی حوالے سے ذکر ہو (2)، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ الْمُسْلِمِيْنَ، ان کا اسم ہے۔ وَالْمُسْلِمٰتِ اس پر معطوف ہے۔ بصریوں کے نزدیک اسے رفع دینا بھی جائز ہے جہاں تک فراء کا تعلق ہے اس کے نزدیک رفع جائز نہیں مگر اس میں جس میں اعراب ظاہر نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسلام کے ذکر سے آغاز کیا جو ایمان اور اعضاء کے اعمال کو عام ہے پھر ایمان کا ذکر کیا مقصد اس کی تخصیص کرنا اور اس پر آگاہ کرنا ہے کہ ایمان اسلام کا عظیم حصہ اور اس کا سہارا ہے۔ قانت کا معنی عبادت گزار اور مطیع ہے۔ صادق سے مراد ہے وہ اسے پورا کرے جس کا اس سے وعدہ لیا گیا۔ صابر جو ناپسندیدہ اور پسندیدہ حال میں شہوات سے اور طاعات پر صبر کرے۔ خاشع سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ڈرنے والا، متصدق فرض و نفل صدقہ کرنے والا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں اس سے مراد فرض صدقہ دینے والا ہے۔ پہلا قول زیادہ مدح کا باعث ہے۔ صائم بھی اسی طرح ہے۔

وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وہ اپنی شرمگاہوں کو زنا وغیرہ جو امور حلال نہیں سے حفاظت کرنے والے ہیں۔

1۔ امام اعظم کا استدلال یہ ہے کہ حضرت بسرہ کے مقابلہ میں دوسرے صحابہ سے اس بارے میں مرفوع روایات ہیں جو اس روایت کے مقابلہ میں عقلاً اور نقلاً قوی ہیں۔ اسی لیے ان روایات پر عمل کیا جائے گا۔

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 53-152

الْحٰفِظٰتِ میں حذف ہے جس پر متقدم کلام دلالت کرتی ہے تقدیر کلام یہ ہے والحافظاتها متقدم پر ہی اکتفا کیا۔ الذاکرات بھی اسی کی مثل ہے اس کی مثل شاعر کا قول ہے:

وكُمَيْتًا مُدَمَّاةً كأن متونها　　جرى فوقها واستشعرتْ لَوْنَ مُذْهَبِ

نہت یہ اکمت کی جمع ہے یہ ایسی سرخی ہے جو سیاہی مائل ہو مدماۃ سونے کی طرح سرخ۔ متون یہ متن کی جمع ہے جس کا معنی پشت ہے۔

سیبویہ نے لَوْنَ مُذْهَبِ نصب کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ہاء کو حذف کرتے ہوئے لون پر رفع پڑھنا بھی جائز ہے گویا کہا: واستشعرته اس کے بارے میں جو لون کو رفع دے۔ الذاکر کی مراد کے بارے میں ایک قول ہے: جو نمازوں کے بعد اور صبح و شام ذکر کرتے ہیں بستروں پر لیٹے ہوئے اور نیند سے بیدار ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ سب مباحث ان کے مواقع پر مفصل گزر چکی ہیں اور ان پر جو فوائد اور احکام مرتب ہوتے ہیں وہ بھی مفصل گزر چکے ہیں۔ اس لیے اعادہ سے انہوں نے غنی کر دیا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ مجاہد نے کہا: ایک آدمی اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والا اس وقت تک نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ کھڑے، بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹ کر ذکر نہ کرے(1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے اپنے اہل کو رات کے وقت اٹھایا اور دونوں نے چار رکعت نماز پڑھی تو ان دونوں کو کثرت سے ذکر کرنے والوں اور کثرت سے ذکر والیوں میں لکھ لیا جائے گا(2)۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ﴿۳۶﴾

''نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی مومن عورت کو جب فیصلہ فرما دے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا تو پھر انہیں کوئی اختیار ہو اپنے اس معاملہ میں اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قتادہ، حضرت ابن عباس اور مجاہد نے اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کو دعوت نکاح دی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد تھیں حضرت زینب نے یہ گمان کیا کہ دعوت نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے دی ہے جب انہیں یہ پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت زید کا ارادہ رکھتے ہیں تو انہوں نے اسے ناپسند کیا، انکار کیا اور ایسا کرنے سے مانع ہو گئیں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس وقت حضرت زینب نے بات مان لی اور حضرت زید سے شادی کر لی۔ ایک روایت میں ہے یہ خود بھی اس سے انکاری ہوئیں اور ان کا بھائی عبد اللہ بھی اس سے انکاری

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 466

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، الحث علی قیام اللیل، جلد 1، صفحہ 205۔ ایضاً، حدیث نمبر 1114، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہوا کیونکہ قریش میں ان کا بڑا ذیشان خاندان تھا۔ حضرت زید پہلے غلام تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی ان کے بھائی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: جو چاہیں مجھے حکم دیں، اور حضرت زینب کی شادی حضرت زید سے کردی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی، اس نے اپنا آپ نبی کریم ﷺ کو ہبہ کیا تو حضور ﷺ نے اس کی شادی حضرت زید بن حارثہ سے کردی، تو حضرت ام کلثوم اور اس کے بھائی نے اسے ناپسند کیا۔ دونوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کا ارادہ کیا تو آپ نے ہمارا رشتہ کسی اور سے کردیا، تو اس وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی تو دونوں نے حضرت زید سے شادی کو قبول کرلیا؛ یہ ابن زید کا قول ہے(1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول اسے کوئی حکم دے تو وہ اس کی نافرمانی کریں (2)۔

مسئلہ نمبر 2۔ مَا كَانَ، یا ینبغی اور اس جیسے جو الفاظ ہیں ان کا معنی حظر اور منع ہے بعض اوقات یہ الفاظ حظر شئ اور حظر حکم کے لیے آتا ہے یعنی ایسا نہیں ہوگا، جس طرح اس آیت میں ہے بعض اوقات وہ شے عقلاً ممتنع ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (النمل: 60) بعض اوقات اس کے ممتنع ہونے کا علم شرعی طور پر ہوتا ہے۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ (الشوریٰ: 51) بعض اوقات یہ امر مندوبات میں ہوتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: ما كان لك يا فلان أن تترك النوافل اے فلاں! تیرے لیے مناسب نہیں کہ تو نوافل کو ترک کردے، اس کی مثل دو مثالیں ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت میں دلیل ہے بلکہ یہ اس امر میں نص ہے کہ حسب میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہوتا دیانت میں کفاءت کا اعتبار ہوتا ہے۔ امام مالک، امام شافعی، مغیرہ اور سحنون نے اس میں اختلاف کیا ہے اس کی وجہ ہے کہ غلاموں نے قریش میں شادیاں کیں۔ حضرت زید بن حارثہ نے حضرت زینب بنت جحش سے شادی کی۔ حضرت مقداد بن اسود نے حضرت ضباعہ بنت زبیر سے شادی کی۔ حضرت ابوحذیفہ نے حضرت سالم کی شادی حضرت فاطمہ بنت ولید بن عتبہ سے کی۔ حضرت بلال نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کی بہن سے شادی کی۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ کوفیوں نے ان یکون یاء کے ساتھ قراءت کی ہے؛ یہ ابوعبیدہ کا پسندیدہ نقطۂ نظر ہے، کیونکہ فعل اور فاعل جو مونث ہے اس میں فاصلہ ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ قراءت کی ہے کیونکہ لفظ مونث ہے اور فعل کی تانیث اچھی ہے اور فعل کو مذکر لانا اختیاری ہوتا ہے۔ الخیرۃ مصدر ہے جو اختیار کے معنی میں ہے۔ ابن سمیقع نے الخیرۃ یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے معنی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے پھر اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی اور خبر دی کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے، یہ وہ سب سے قوی دلیل ہے جس کی طرف ہمارے فقہاء کے جمہور گئے ہیں، امام شافعی کے بعض اصحاب اور بعض اصولی گئے ہیں کہ افعل کا صیغہ اپنی اصل وضع میں وجوب کے لیے ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ اور

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 5-404 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 296

اس کے رسول کا اور سننے کے بعد مکلف سے اختیار کی نفی کی ہے، پھر امر کے صادر ہونے کے بعد جس کے لیے اختیار باقی ہو اس کے لیے معصیت کا اسم ذکر کیا پھر معصیت پر ضلال کو معلق کیا پس امر کا وجوب پر حمل لازم آ گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۳۷

''اور یاد کیجئے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے بھی احسان فرمایا اور آپ نے بھی احسان فرمایا: اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر، اور آپ مخفی رکھے ہوئے تھے اپنے جی میں وہ بات جسے اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن و تشنیع) کا حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں پھر جب پوری کر لی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش تو ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا تا کہ (اس عمل سنت کے بعد) ایمان والوں پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کر لیں اور اللہ کا حکم تو ہر حال میں ہو کر رہتا ہے''۔

اس میں نو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ امام ترمذی نے روایت کیا علی بن حجر، داؤد بن زبرقان سے وہ داؤد بن ابی ہند سے وہ شعبی سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی میں سے کوئی چیز چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت کے ساتھ اس پر انعام کیا (1)۔ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اور آپ نے اسے آزاد کرتے ہوئے اس پر انعام کیا۔ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس سے شادی کی تو لوگوں نے کہا: آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو متبنیٰ بنایا تھا جب کہ وہ چھوٹا تھا وہ آپ کے پاس ہی رہا یہاں تک کہ وہ جوان ہو گیا، اسے زید بن محمد کہا جاتا، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ فلاں فلاں کا مولیٰ ہے اور فلاں فلاں کا بھائی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مناسب اور قرین انصاف ہے۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث غریب

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ احزاب، جلد 2، صفحہ 152

ہے۔ داؤد بن ابی ہند نے شعبی سے وہ مسروق سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی میں سے کسی چیز کو چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ یہ الفاظ اپنی طوالت کے ساتھ مروی نہیں (1)۔

میں کہتا ہوں: اتنی مقدار ہی کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے (2)۔ اسی کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں صحیح قرار دیا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ حضرت زینب بنت جحش اور حضرت زید بن حارثہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے بڑھ کر شدید کوئی آیت رسول اللہ پر نازل نہیں کی (3)۔ حضرت حسن بصری اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وحی میں سے کوئی چیز چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے کیونکہ یہ آیت آپ پر بہت شدید تھی۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت زید نے شام کی اور اپنے بستر پر لیٹے، حضرت زینب نے کہا: زید نے مجھ پر استطاعت نہ رکھی میں اس سے نہیں بچتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ سے روک دیا تھا، وہ مجھ پر قدرت نہیں رکھتا تھا۔ یہ روایت ابوعصمہ نوح بن ابی مریم کی روایت ہے۔ حدیث کو زینب تک پہنچایا ہے کہ انہوں نے یہ قول کیا ہے۔

بعض روایات میں ہے: حضرت زید بن حارثہ حضرت زینب کے قریب ہونا چاہتے تو انہیں اس وجہ سے ورم لاحق ہو جاتا۔ یہ بھی پہلی روایت کے قریب ہی ہے۔ حضرت زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ عرض کی: حضرت زینب اپنی زبان سے مجھے اذیت دیتی ہیں اور یہ کہتی ہیں، میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ میں اسے طلاق دے دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو''۔ حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی تو یہ آیت نازل ہوئی: وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ۔

لوگوں نے اس آیت کی تاویل میں اختلاف کیا ہے، قتادہ، ابن زید اور مفسرین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے ان میں طبری وغیرہ بھی ہے (4) کہ حضرت زینب بنت جحش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی لگیں جب کہ وہ حضرت زید کے عقد میں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حریص تھے کہ حضرت زید اسے طلاق دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اس سے شادی کریں۔ پھر جب حضرت زید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کی خبر دی کہ وہ ان سے جدائی کا ارادہ رکھتے ہیں اور ان کی زبان کی سختی اور نافرمانی، زبانی اذیت اور شرف میں بڑائی کی شکایت کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''اللہ سے ڈر جو تو اس کے بارے میں اظہار خیال کرتا ہے اور اپنی بیوی اپنے پاس روک لے''۔ جب کہ آپ اس کے حریص تھے کہ حضرت زید اسے طلاق دے دیں۔ یہی وہ امر تھا جو آپ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے، مگر جو امر بالمعروف واجب تھا اس کو لازم پکڑا۔ مقاتل نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کی شادی حضرت زید سے کر دی۔ حضرت زینب ان کے پاس کچھ عرصہ تک

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ احزاب، جلد 2، صفحہ 152
2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، و تخفی فی نفسک، جلد 2، صفحہ 706
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 297
4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 386

رہیں پھر حضور ﷺ حضرت زید کی تلاش میں ان کے پاس آئے، تو آپ نے حضرت زینب کو کھڑے ہوئے دیکھا وہ سفید رنگ کی خوبصورت اور جسیم عورت تھی اور قریش کی کامل ترین عورت تھی، تو حضور ﷺ ان سے محبت کرنے لگے۔ اور کہا: سبحان اللہ مقلب القلوب (1) میں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہوں اے دلوں کے پھیرنے والے! حضرت زینب نے تسبیح کو سن لیا اور اس کا ذکر حضرت زید سے کیا۔ حضرت زید اسے سمجھ گئے انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ مجھے حضرت زینب کو طلاق دینے کی اجازت دیجئے کیونکہ اس میں کبر اور مجھ پر بڑائی کا احساس ہے اور مجھے اپنی زبان سے اذیت دیتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنی بیوی اپنے پاس رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیجی اس نے پردہ کو ہٹا دیا اور حضرت زینب اپنے گھر میں کام کاج والا لباس پہنے ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ نے حضرت زینب کو دیکھا تو وہ حضور ﷺ کے دل میں ذیشان محسوس ہوئیں۔ اور حضرت زینب کے دل میں خیال گزرا کہ وہ نبی کریم ﷺ کو بھلی لگی ہیں یہ اس وقت ہوا تھا جب نبی کریم ﷺ حضرت زید کی تلاش میں آئے تھے حضرت زید آئے تو حضرت زینب نے انہیں بتایا تو حضرت زید کے دل میں خیال گزرا کہ وہ حضرت زینب کو طلاق دے دیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَ تُخْفِي فِي نَفْسِكَ آپ اپنے دل میں ان کی محبت کو چھپاتے ہیں وَ تَخْشَى النَّاسَ آپ لوگوں سے حیا محسوس کرتے ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ ڈرتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے ناپسند کرتے ہیں اگر آپ اسے کہیں کہ اسے طلاق دے دے وہ کہیں گے: حضور ﷺ نے ایک آدمی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیا پھر جب اس نے طلاق دے دی تو اس سے نکاح کر لیا۔ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ اللہ تعالیٰ اس امر کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ ہر حال میں اس سے ڈریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے حیا کریں۔ آپ ﷺ حضرت زید کو حکم نہ دیں کہ وہ اپنی بیوی کو روکے رکھے بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا ہے کہ وہ حضرت زینب آپ کی بیوی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس تمام امر پر آپ کو عتاب کیا۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی طرف وحی کی کہ حضرت زید، حضرت زینب کو طلاق دیں گے اور آپ اس سے شادی کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی شادی اس سے کر دے گا (3)۔ جب حضرت زید نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حضرت زینب کے اخلاق کی شکایت کی اور یہ شکایت کی کہ وہ ان کی اطاعت نہیں کرتی، اور یہ بتایا کہ وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے بطور ادب و وصیت اسے فرمایا: ''اپنی بات میں اللہ سے ڈر اور اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھو''۔ جب کہ آپ جانتے تھے کہ حضرت زید، حضرت زینب سے جدائی اختیار کر لیں گے اور حضور ﷺ خود اس سے شادی کریں گے۔ یہی وہ بات تھی جو آپ نے اپنے دل میں چھپائی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے یہ ارادہ نہ کیا کہ آپ انہیں طلاق کا حکم دیں اس وجہ سے کہ آپ جانتے تھے کہ آپ عنقریب اس سے نکاح کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ ڈرے کہ آپ کو لوگوں کی یہ بات لاحق ہوگی کہ آپ نے حضرت زید کے بعد حضرت زینب سے شادی کی ہے جب کہ

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 468 2۔ ایضاً 3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 386

حضرت زید آپ کے غلام تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی بات پر عتاب کیا کہ آپ لوگوں سے اس معاملہ میں ڈر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مباح کردیا ہے کہ آپ نے کہا اپنی بیوی کو اپنے پاس روکنے کے لیے جب کہ آپ کو علم تھا کہ حضرت زید، حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے۔ اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ زیادہ لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے یعنی ہر حال میں ڈرا جائے۔ ہمارے علماء نے کہا: اس آیت کی تاویل میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ ان سب سے احسن ہے۔ محقق مفسرین اور راسخ علماء کا یہی نقطہ نظر ہے جس طرح زہری، قاضی بکر بن علا قشیری، قاضی ابو بکر بن عربی وغیرہم۔ وَ تَخْشَى النَّاسَ سے مراد یہ ہے کہ منافقین شور مچائیں گے کہ آپ نے اپنے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے سے منع کیا اور خود اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کرلی۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی بیوی سے محبت کرنے لگے اور بعض محبت کرنے والوں نے اس کے لیے لفظ عشق استعمال کیا یہ ایسے آدمی سے اس قسم کا لفظ صادر ہو سکتا ہے جو عصمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عاری ہے یا آپ کی حرمت کی پامالی کرنے والا ہے۔ ترمذی حکیم نے ''نوادر الاصول'' میں کہا اور اپنے قول کی نسبت حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کی طرف کی: حضرت علی بن حسین اسے خزانہ علم سے جواہرات میں سے ایک جوہر اور موتیوں میں سے ایک موتی لائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب اس لیے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا تھا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہوگی تو پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید سے کیسے فرمایا: ''اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھو'' اور تجھے لوگوں کے خوف نے آلیا کہ وہ کہیں گے کہ آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ اس کے زیادہ لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ نحاس نے کہا: بعض علماء نے کہا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خطا نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس امر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو توبہ کا حکم دیا گیا اور نہ ہی استغفار کا حکم دیا گیا۔ بعض اوقات ایک امر خطا نہیں ہوتا مگر اس کا غیر اس سے احسن ہوتا ہے، آپ نے اسے دل میں اس لیے پوشیدہ رکھا کہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے کہ کس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید سے فرمایا: ''اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھو'' (1)۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا تھا کہ حضرت زینب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہونے والی ہیں؟ ہم کہیں گے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ اس امر کو جان لیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ نہیں کیا تھا کیا حضرت زید اس میں رغبت رکھتے ہیں یا اس سے اعراض کرنے والے ہیں؟ تو حضرت زید نے ان سے اپنی نفرت اور کراہت کو ظاہر کر دیا جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید کے حضرت زینب کے بارے میں رویہ سے آگاہ نہ تھے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ اسے اپنے پاس روکنے کا کہیں جب کہ آپ جانتے تھے کہ جدائی تو ضروری ہے؟ یہ تو تناقض ہے۔ ہم کہیں گے: بلکہ یہ مقاصد صحیحہ کے لیے صحیح رویہ ہے تاکہ حجت قائم ہو جائے اور عاقبت کا پتہ چل جائے کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ بندے کو ایمان کا حکم دیتا ہے جب کہ اسے علم ہوتا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے گا۔ امر کا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1544

متعلق علم کے متعلق کے خلاف ہونا ایسی چیز نہیں جو امر کے مانع ہو نہ یہ عقلاً ایسا ہے اور نہ یہ حکماً ایسا ہے۔ یہ نفس علم ہے اس پر یقین رکھو اور اسے قبول کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاتَّقِ اللّٰهَ اسے طلاق دینے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اسے طلاق نہ دو یہاں نہی تنزیہی کا ارادہ کیا ہے نہی تحریمی کا ارادہ نہیں کیا کیونکہ اولیٰ یہی ہے کہ وہ اسے طلاق نہ دے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ سے ڈر، اس کی مذمت اس بنا پر نہ کر کہ تو اس کی طرف کبر اور خاوند کو اذیت دینے کی نسبت کرے۔ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد قلبی لگاؤ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد زید کا حضرت زینب سے جدائی اختیار کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ جاننا ہے کہ حضرت زید اسے عنقریب طلاق دے دیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کر دیا تھا کہ ایسا ہو گا۔

مسئلہ نمبر 3۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید سے فرمایا: ''میں تجھ سے زیادہ اپنے لیے کسی کو قابل اعتماد نہیں سمجھتا جاؤ حضرت زینب کو میری طرف سے دعوت نکاح دو'' (1)۔ حضرت زید نے کہا: میں گیا اور انہیں اپنی پشت کی جانب رکھا مقصود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر و تعظیم تھی میں نے انہیں دعوت نکاح دی تو وہ اس سے خوش ہو گئیں اور کہا: میں کوئی کام کرنے والی نہیں یہاں تک کہ میں اپنے رب سے مشورہ کر لوں۔ تو وہ اپنی مسجد کی طرف اٹھیں اور قرآن کا حکم نازل ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے شادی کی اور انہیں اپنے حرم میں داخل کیا۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا معنی صحیح میں ثابت ہے اور امام نسائی نے یہ باب باندھا ہے۔ صلاۃ المرأۃ إذا خطبت و استخارت ربها۔ ائمہ نے اسے روایت کیا الفاظ مسلم کے ہیں۔ حضرت انس سے مروی ہے: جب حضرت زینب کی عدت ختم ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید سے فرمایا: ''اسے میری جانب سے دعوت نکاح دو'' (2)۔ کہا: حضرت زید گئے یہاں تک کہ ان تک پہنچے جب کہ وہ آٹا گوندھ رہی تھیں۔ حضرت زید نے کہا: جب میں نے حضرت زینب کو دیکھا تو اس کی وجہ سے میرے اوپر ہیبت طاری ہو گئی یہاں تک کہ میں انہیں دیکھ بھی نہ سکا اور اس کی جرأت بھی نہ ہوئی کہ میں کہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ذکر کیا ہے، میں نے انہیں اپنی پشت کی جانب کیا اور اپنی ایڑیوں پر پلٹا میں نے کہا: اے زینب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا ہے آپ تیرا ذکر کر رہے تھے۔ حضرت زینب نے کہا: میں کوئی چیز کرنے والی نہیں یہاں تک کہ میں اپنے رب سے مشورہ کروں، وہ اپنی مسجد کی طرف اٹھیں قرآن نازل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور بغیر اجازت اندر تشریف لائے۔ کہا: ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں روٹی اور گوشت کھلایا جب دن طویل ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے: یہاں تک کہ صحابہ نے آپ کو چھوڑا۔ حضرت انس کی روایت میں ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی عورت سے شادی پر ایسا ولیمہ کیا ہو جیسا ولیمہ حضرت زینب کے ساتھ شادی پر کیا۔ آپ نے ایک بکری ذبح کی۔ ہمارے علماء نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زید کو یہ فرمانا فاذکرھا علی سے مراد ہے اسے دعوت نکاح دو، جس طرح پہلی حدیث وضاحت کرتی ہے۔ یہ حضرت زید کا امتحان تھا تا کہ ان کا صبر، اطاعت اور رضامندی ظاہر ہو۔ اس سے یہ استدلال کیا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 387　　2۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، زواج بنت جحش، جلد 1، صفحہ 61-460

جا سکتا ہے کہ کوئی آدمی اپنے ساتھی کو کہے: فلاں کو میری طرف سے دعوت نکاح دو یعنی جو اس دوست کی مطلقہ بیوی تھی۔ اس میں کوئی حرج نہیں، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب حضرت زینب نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اس کا سپرد کرنا صحیح ثابت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نکاح کے عمل کو اپنے ذمہ لے لیا، اسی وجہ سے فرمایا: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ امام جعفر صادق بن محمد اپنے آباء سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے بارے میں آگاہ کیا تو بغیر اجازت کے آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ نہ نیا نکاح کیا گیا اور نہ ہی مہر مقرر ہوا (1)۔ اور ہمارے حقوق میں جو شرط ہے اور جو ہمارے لیے مشروع ہے اس میں سے کوئی بھی چیز نہ ہوئی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے جن میں کوئی آپ کے ساتھ شریک نہیں۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اس وجہ سے حضرت زینب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر فخر کیا کرتی تھیں اور کہتی تھیں: تمہاری شادیاں تمہارے آباء نے کیں اور میری شادی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی (2)۔ امام نسائی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت زینب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر فخر کیا کرتی تھیں اور کہتیں: اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح آسمان میں کیا۔ انہیں کے بارے میں حجاب کا حکم نازل ہوا (3)۔ اس کی بحث آگے آئے گی۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس آیت میں منعم علیہ حضرت زید بن حارثہ ہیں جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کی خبر سورت کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ ان کا چچا ایک دن انہیں مکہ مکرمہ میں ملا، وہ مکہ مکرمہ میں اپنے ایک کام کے لیے آیا تھا۔ اس نے پوچھا: تیرا کیا نام ہے اے بچے؟ آپ نے جواب دیا: زید۔ اس نے پوچھا: تو کس کا بیٹا ہے؟ جواب دیا: حارثہ کا بیٹا ہوں۔ پوچھا: وہ کس کا بیٹا ہے؟ آپ نے جواب دیا: شراحیل کلبی کا۔ اس نے پوچھا: تیری ماں کا کیا نام ہے؟ آپ نے جواب دیا: سعدی۔ اور میں بنو طی کے ننہال سے ہوں۔ چچا نے حضرت زید کو اپنے سینہ سے لگایا۔ اور چچا نے اپنے بھائی اور قوم کو پیغام بھیجا تو وہ حاضر ہو گئے۔ انہوں نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ رہے۔ انہوں نے پوچھا: تو کس کی زیر کفالت ہے؟ حضرت زید نے جواب دیا: حضرت محمد بن عبد اللہ کے ہاں۔ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور گزارش کی: یہ ہمارا بیٹا ہے۔ اسے ہماری طرف لوٹا دیں۔ فرمایا: میں یہ معاملہ اس پر پیش کرتا ہوں اگر اس نے تمہیں اختیار کیا تو اس کا ہاتھ پکڑ لینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی طرف پیغام بھیجا۔ فرمایا: کیا تو انہیں پہچانتا ہے؟ عرض کی: جی ہاں۔ یہ میرا باپ ہے، یہ میرا بھائی ہے اور یہ میرا چچا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ''میں تیرے لیے کیسا مالک ہوں؟'' تو حضرت زید رونے لگے اور عرض کی: آپ نے مجھ سے اس بارے میں کیوں پوچھا ہے؟ فرمایا: ''میں تجھے اختیار دینا چاہتا ہوں اگر تو پسند کرے کہ ان کے ساتھ جائے تو ان کی طرف چلے جانا اگر تو ارادہ کرے کہ تو یہاں ہی رہے تو مجھے تو پہچانتا ہی ہے''۔ حضرت زید نے عرض کی: میں آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔ ان کے چچا نے انہیں اپنی طرف کھینچا اور کہا: اے زید! تو نے اپنے باپ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 387 2۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 2، صفحہ 1104 3۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 2، صفحہ 75

اور چچا پر غلامی کو ترجیح دی ہے۔ حضرت زید نے کہا: اللہ کی قسم! حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ہاں غلامی مجھے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں تمہارے پاس ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''گواہ رہنا میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہے''۔ تو پھر زید بن محمد کے نام سے وہ پکارے جاتے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ اور یہ آیت نازل ہوئی: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔

مسئلہ نمبر 6۔ امام ابو القاسم عبد الرحمٰن سہیلی نے کہا: ان کو زید بن محمد ہی پکارا جاتا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ تو انہوں نے کہا: میں زید بن حارثہ ہوں۔ ان پر یہ کہنا حرام ہو گیا: انا زید بن محمد جب ان سے یہ شرف اور یہ فخر لے لیا گیا اور اللہ تعالیٰ کو ان کی وحشت و تنہائی کا علم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی خصوصیت سے نوازا جس کے ساتھ کوئی صحابی خاص نہیں وہ خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کا نام لیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا ضمیر سے مراد حضرت زینب ہے اللہ تعالیٰ جس کا نام قرآن حکیم میں رکھ دے تو اس کا نام بھی قرآن ہو گیا جس کو عبادت گاہوں میں تلاوت کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ انہیں انتہائی شہرت سے نوازا۔ اس میں آپ کے لیے انس تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت کے فخر کے مقابلہ میں اس عزت سے نوازا گیا۔ آپ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ قول سنا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کہا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ پر فلاں سورت پڑھوں'' (1)۔ تو وہ رونے لگے عرض کی: کیا میرا وہاں ذکر ہوا؟ ان کا یہ رونا خوشی کے طور پر تھا، جب انہیں یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کیا ہے تو اس کا کیا حال ہوگا جس کا اسم قرآن میں ہوگا جس کو ہمیشہ تلاوت کیا جائے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ جب اہل دنیا قرآن کو پڑھیں گے تو اسے بھی پڑھیں گے۔ اہل جنت کا بھی یہی حال ہے یہ مومنوں کی زبانوں پر ہمیشہ رہے گا، جس طرح رب العالمین کے ہاں اس کا خصوصی ذکر ہوتا رہے گا کیونکہ قرآنی کلام قدیم ہے وہ باقی رہنے والا ہے ختم نہ ہوگا۔

حضرت زید کا نام ان مکرم، مرفوع اور مطہر صحیفوں میں موجود ہے سفرۃ کراما بررۃ، تلاوت کرتے وقت اس کا ذکر کرتے ہیں یہ شرف مومنوں کے ناموں میں سے کسی نام کو حاصل نہیں مگر انبیاء میں سے نبی کے اسم کو حاصل ہے۔ حضرت زید بن حارثہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ بدلہ عطا ہوا جو آپ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اب ہونے کا شرف لیا تھا۔ آیت میں یہ زائد ہے کہ فرمایا: وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ اس پر انعام فرمایا۔ تو یہ اس امر پر دال ہے کہ وہ جنتی ہے۔ اس کا علم موت سے پہلے ہو گیا یہ ایک اور فضیلت ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ وَطَرًا، وطر مرد کی اس حاجت کو کہتے ہیں جس میں اسے کوئی پریشانی لاحق ہو۔ اس کی جمع اوطار ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس حاجت کا ارادہ کیا یعنی جماع تو اس کو پورا کر چکے۔ اس میں اضمار ہے، یعنی جب حضرت زید نے حاجت پوری کر لی اور اسے طلاق دے دی تو ہم نے آپ کی اس سے شادی کر دی۔ اہل بیت کی قراءت زوجتکھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وطر سے مراد طلاق ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، لم یکن الذی، جلد 2، صفحہ 741

مسئلہ نمبر 8۔ بعض علماء اس آیت سے اور حضرت شعیب (1) کے قول اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡكِحَكَ (القصص: 27) سے اس نقطہ نظر کی طرف گئے ہیں کہ نکاح میں اس معنی کی ترتیب اس طرح ہونی چاہیے انکحه ایاھا خاوند کی ضمیر پہلے ہو جس طرح دونوں آیتوں میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر والے سے یہ فرمایا تھا: اذھب فقد أنکحتکھا بما معك من القرآن جا میں نے تیرا اس عورت سے نکاح کر دیا ہے اس کے بدلے میں جو تیرے پاس قرآن ہے (2)۔

ابن عطیہ نے کہا: یہ کوئی لازم نہیں کیونکہ خاوند اس آیت میں مخاطب ہے تو اس کو مقدم رکھنا اچھا تھا (3)۔ نکاح میں دونوں برابر ہیں پس جس کو چاہے مقدم کر دے۔ اب مردوں کے درجہ کے علاوہ ترجیح کی کوئی صورت باقی نہ رہی کیونکہ مرد ہی گھر کا نظام چلانے والے ہیں۔

مسئلہ نمبر 9۔ زَوَّجۡنٰكَهَا اس امر پر دلیل ہے کہ نکاح میں ولی کی حیثیت ثابت ہے۔ اس بارے میں اختلاف پہلے گزر چکا ہے۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے باہم فخر کیا۔ حضرت عائشہ نے کہا: میں وہ ہوں جسے فرشتہ سفید ریشم کے ایک ٹکڑا میں لایا اور اس نے کہا: یہ آپ کی زوجہ ہے۔ صحیح نے اسے نقل کیا ہے (4)۔ حضرت زینب نے کہا: میں وہ ہوں جس کی شادی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں سے اوپر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) کی (5)، امام شعبی نے کہا: حضرت زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتیں: میں تین باتوں کی وجہ سے آپ پر ناز و ادا کر سکتی ہوں۔ آپ کی ازواج میں سے کوئی ان کے ساتھ ناز و ادا نہیں کر سکتیں۔ میرے جد اعلیٰ اور آپ کے جد اعلیٰ ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ میرا نکاح آسمان میں کیا۔ اور اس میں سفیر حضرت جبریل امین تھے (6)۔ حضرت زینب سے مروی ہے: جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں قدر و منزلت والی ہوئی تو حضرت زید مجھ پر کوئی قدرت نہیں رکھتے وہ اس سے نہ رکے مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ سے روک دیا تو وہ مجھ پر قادر نہ ہوئے۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنۡ حَرَجٍ فِیۡمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ كَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقۡدُوۡرَا ﴿۳۸﴾ الَّذِیۡنَ یُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ یَخۡشَوۡنَهٗ وَ لَا یَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیۡبًا ﴿۳۹﴾

”نہیں ہے نبی پر کوئی مضائقہ ایسے کام کرنے میں جنہیں حلال کر لیا ہے اللہ نے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے ان (انبیاء) کے بارے میں جو پہلے گزر چکے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا حکم ایسا فیصلہ ہوتا ہے جو طے پا چکا ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں وہ نہیں ڈرا کرتے کسی سے اللہ تعالیٰ کے سوا، اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا“۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 387　　2۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، التزویج علی القرآن، جلد 2، صفحہ 774

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 387　　4۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فی فضل عائشہ، جلد 2، صفحہ 285

5۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 2، صفحہ 1104　　6۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 387

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمام امت کو خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا یہ اور اس طرح کی دوسری چیزیں انبیاء کی قدیمی سنتیں ہیں کہ وہ ان چیزوں کو حاصل کریں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کیا۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نکاح میں جو وسعت عطا کی یہ گزشتہ انبیاء کی سنت تھی جس طرح حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ ثعلبی نے مقاتل اور ابن کلبی سے روایت نقل کی ہے کہ اشارہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور جس عورت کی وجہ سے آپ آزمائش میں پڑے دونوں کو اللہ تعالیٰ نے جمع کیا۔ سنۃ کا لفظ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی سن اللہ له سنة واسعة، الذين خلوا اس سے مراد انبیاء ہیں۔ اس کی دلیل وہ صفت ہے جس کا ذکر بعد میں کیا۔ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۟

"نہیں ہے محمد (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی تو لوگوں نے کہا: آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کی ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی حضرت زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے نہیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی بیوی حرام ہوتی، بلکہ آپ اپنی امت کے باپ ہیں۔ یہ شان اور عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ان پر حرام ہیں منافقوں اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں جو کچھ واقع ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ساتھ سب کو دور کر دیا۔ یہ چیز ذہن نشین کر لو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر تھے۔ اس آیت سے یہ مقصد نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ آپ کے مذکر بچے ہوئے حضرت ابراہیم، حضرت قاسم، حضرت طیب اور حضرت طاہر، لیکن کوئی بیٹا زندہ نہ رہا یہاں تک کہ وہ مرد کہلاتا۔ جہاں تک حضرت حسن اور حضرت حسین کا تعلق ہے وہ آپ کے ہم عصر مرد نہیں تھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ اخفش اور فراء نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ولکن کان رسول اللہ دونوں نے رفع کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اسی طرح ابن ابی عبلہ اور بعض لوگوں نے ولکن رسول اللہ رفع کے ساتھ قراءت کی ہے معنی ہوگا هو رسول الله وخاتم النبيين ایک جماعت نے ولکن نون کی تشدید کے ساتھ قراءت کی ہے۔ رسول اللہ کو نصب اس بنا پر دی کہ لکن کا اسم ہے اور خبر محذوف ہے۔ عاصم نے صرف وخاتم تاء کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے معنی ہوگا آپ کے ساتھ ان پر مہر لگائی گئی۔ پس آپ خاتم اور طابع کی طرح ہوئے۔ جمہور نے تاء کے کسرہ کے

ساتھ قراءت کی۔ معنی ہے آپ نے ان کو ختم کر دیا ہے یعنی آپ ان کے آخر میں آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خاتِم اور خاتَم دو لغتیں ہیں جس طرح طابِع اور طابَع۔ دانِق اور دانَق، طابِق اور طابَق۔ آخری الفاظ گوشت کی کڑاہی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ الفاظ علماء امت کی جماعت کے ہاں، وہ اسلاف میں سے ہوں یا بعد کے عموم تام کے لیے ہیں اور اس بیان کا تقاضا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں (1)۔ قاضی ابو الطیب نے اپنی کتاب جو ''ہدایہ'' کے نام کے ساتھ موسوم ہے میں جو یہ ذکر کیا ہے اس آیت کے الفاظ میں احتمال کو جائز قرار دیا ہے، ضعیف ہے۔ اور اس آیت کی تفسیر میں امام غزالی نے جو ذکر کیا ہے یہ مفہوم ان کی اس کتاب میں ہے جسے انہوں نے ''الاقتصاد'' کا نام دیا ہے میرے نزدیک الحاد ہے۔ اور ختم نبوت کے بارے میں مسلمانوں کا جو عقیدہ ہے اس میں تشویش کرنے کی خبیث کوشش ہے۔ اس سے بچو، اس سے بچو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ ہدایت دینے والا ہے۔

میں کہتا ہوں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''میرے بعد نبوت میں سے کوئی چیز نہیں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے'' (2)۔ ابو عمرو نے کہا: جس کی استثنا کی وہ خواب ہیں؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ سچے خواب نبوت کا جز ہیں۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میرے بعد نبوت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی صرف سچے خواب''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قراءت کی: من رجالکم ولکن نبیا ختم النبیین (3) رمانی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اصلاح احوال کو ختم کر دیا۔ جو آدمی آپ کے ذریعے اپنی اصلاح نہیں کرتا تو اس کی اصلاح سے قطعی مایوسی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس معنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (4) مجھے مبعوث کیا گیا ہے تاکہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''میرے اور انبیاء کی مثال ایسے آدمی جیسی ہے جس نے گھر بنایا اسے مکمل کیا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس گھر میں داخل ہوئے اور اس پر تعجب کا اظہار کرتے اور کہتے اس اینٹ کی جگہ کو کیوں نہیں مکمل کیا'' (5)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں اس اینٹ کی جگہ ہوں میں آیا اور انبیاء کے سلسلہ کو ختم کر دیا''۔ اسی کی مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر یہ کہا: ''میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں''۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

''اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے اور اس کی پاکی بیان کیا کرو صبح و شام''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اس کا ذکر کریں اور اس کا شکر بجا لائیں اور ذکر کثرت سے کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 388
2۔ سنن ابن ماجہ، تعبیر الرویا، الرؤیا الصالح، صفحہ 286
3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 388
4۔ السنن الکبری، کتاب الشہادات، جلد 10، صفحہ 192
5۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، ذکر کونہ خاتم النبیین، جلد 2، صفحہ 248

نے ان پر انعام کیا اللہ تعالیٰ نے بندے کی سہولت کی خاطر اسے بغیر کسی حد کے بنایا ہے۔ اور اس لیے بھی کیونکہ اس میں اجر عظیم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ کا ذکر ترک کرنے میں کوئی معذور نہیں مگر جس کا عقل مغلوب ہو (1)۔ حضرت ابوسعید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: ''اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو یہاں تک لوگ کہیں کہ یہ مجنون ہے'' (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذکر کثیر وہ ہے جو دل کے اخلاص کے ساتھ ہو۔ اور قلیل ذکر وہ ہے جو نفاق کی صورت میں ہو جس طرح صرف زبان سے ذکر۔

یعنی اپنے احوال کے اکثر حصہ میں اپنی زبانوں کو تسبیح (سبحان اللہ) تہلیل (لا الہ الا اللہ) تحمید (الحمد للہ) اور تکبیر (اللہ اکبر) کے ساتھ مشغول رکھا کرو۔ مجاہد نے کہا: یہ وہ کلمات ہیں جنہیں پاکیزہ، جس کا وضو نہ ہو اور جنبی بھی کہہ سکتا ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اس کی بارگاہ میں دعا کیا کرو۔ جریر نے کہا:

فلا تنس تسبیح الضُّحی إن یوسفًا　دَعَا ربه فاختاره حین سَبَّحا (4)

چاشت کی دعا نہ بھولو کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس وقت چن لیا جب انہوں نے دعا کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے صبح و شام اللہ کی نماز پڑھا کرو۔ نماز کو تسبیح کہتے ہیں۔ فجر، مغرب اور عشاء کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ یہ برانگیختہ کیے جانے کے زیادہ لائق ہیں کیونکہ یہ رات کی اطراف کے ساتھ متصل ہیں۔ قتادہ اور طبری نے کہا: اشارہ صبح اور عصر کی نماز کی طرف ہے (5)۔ الاصل سے مراد پچھلا پہر ہے اس کی جمع اصائل اور الاصل یہ اصیل کے معنی میں ہے اس کی جمع آصال آتی ہے؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اصل یہ اصیل کی جمع ہے جس طرح رغیف کی جمع رغف آتی ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ: یہ آیت مدنی ہے۔ جس نے یہ گمان کیا کہ نماز اصل میں پہلے دو نمازوں کے طور پر فرض کی گئی یہ دن کی دونوں اطراف میں تھی۔ اس کے ساتھ اس آیت کا تعلق نہیں اس کے بارے میں روایت ضعیف ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ نماز کے فرض ہونے کی کیفیت کے بارے میں گفتگو اور علماء کا اس بارے میں جو نقطہ نظر ہے وہ سورۂ اسراء میں گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ﴿۴۳﴾

''اللہ وہ ہے جو رحمت نازل کرتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی (تم پر نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں) تاکہ وہ نکال کر لے جائے تمہیں (طرح طرح کے) اندھیروں سے نور کی طرف اور وہ مومنوں پر ہمیشہ رحم

1۔ تفسیر طبری، جز 22، صفحہ 23　2۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 68　3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 473
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 410　5۔ تفسیر طبری، جز 22، صفحہ 23

فرمانے والا ہے''۔

هُوَ الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمۡ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب یہ آیت اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ نازل ہوئی تو مہاجرین اور انصار نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ تو خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ اس میں ہمارے لیے تو کچھ بھی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ اس امت پر سب سے بڑی نعمت ہے اور تمام دوسری امتوں پر فضیلت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ (آل عمران: 110) اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندے کے لیے صلاۃ یہ اس کی رحمت اور اس کے ہاں برکت ہے۔ ملائکہ کی صلاۃ مومنوں کے لیے دعا اور ان کے لیے استغفار ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا (غافر: 7) اس کی بحث بعد میں آئے گی۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: کیا تیرا رب صلاۃ کا عمل کرتا ہے؟ تو یہ امر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گراں گزرا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی میری صلاۃ یہ ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے''۔ نحاس نے اسے ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: ایک جماعت نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر صلاۃ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ''سبوح قدوس میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے'' (1)۔ اس قول کی تاویل میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی کلام میں سے کلمہ ہے یہی اس کے بندوں پر اس کی صلاۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سبوح قدوس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام میں سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کو ادا کرنے سے پہلے ذکر کیا جو الفاظ اللہ تعالیٰ کی صلاۃ ہیں وہ رحمتی سبقت غضبی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل سے یہ سمجھا کہ سائل نے بندوں پر اللہ تعالیٰ کی صلاۃ سے ایسا معنی سمجھا ہے جو مناسب و موزوں نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے خبر دینے سے قبل تنزیہ اور تعظیم کا ذکر کیا۔

لِیُخۡرِجَکُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ گمراہی سے ہدایت کی طرف تمہیں نکالے۔ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت پر ثابت قدم کرتا ہے کیونکہ خطاب کے وقت وہ ہدایت پر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ مومنوں پر رحمت فرمانے والا ہے مقصود ان سے انس کا اظہار کرتا ہے۔ فرمایا: وَ کَانَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَحِیۡمًا۔

تَحِیَّتُہُمۡ یَوۡمَ یَلۡقَوۡنَہٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ اَجۡرًا کَرِیۡمًا ﴿۴۴﴾

''انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب کریم سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے عزت والا اجر''۔

یَلۡقَوۡنَہٗ کی ضمیر جس اسم کی طرف لوٹ رہی ہے اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں پر رحم فرمانے والا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 389

محفوظ رکھے گا۔ اس دن وہ اس سے ملاقات کریں گے۔ تَحِيَّتُهُمْ بعض کا بعض کے لیے سلام ہوگا۔ سلام یعنی ہماری اور تمہاری اللہ تعالیٰ کے عذاب سے سلامتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے سلام ہوگا۔ معنی ہے: اللہ تعالیٰ انہیں آفات سے محفوظ رکھے گا یا مختلف قسم کے خوفوں سے امن کی بشارت دے گا۔ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ قیامت کے روز جنت میں داخل ہونے کے بعد وہ اس سے ملاقات کریں گے۔ کہا: یہ زجاج نے معنی کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استشہاد کیا۔ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ (یونس:10) ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سے مراد ہے جس روز وہ ملک الموت سے ملیں گے۔ یہ وارد ہوا ہے کہ ملک الموت کسی مومن کی روح قبض نہیں کرتا مگر اسے سلام کہتا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہا: تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ سے مراد ہے ملک الموت روح کے قبض کرنے کے وقت مومن کو سلام کرتا ہے۔ وہ مومن کی روح قبض نہیں کرتا یہاں تک کہ اسے سلام کرتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

''اے نبی (مکرم!) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا''۔

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنوں کے لیے انس پیدا کیا جا رہا ہے اور ان سب کی تکریم کی جا رہی ہے۔ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھ اسماء کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ اور ہمارے نبی کے کثیر اسماء ہیں اور جلیل القدر علامات ہیں۔ ان کا ذکر کتاب، سنت اور متقدم کتب میں وارد ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے اسماء میں سے محمد اور احمد کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ثقہ اور عادل لوگوں نے جو آپ سے روایت نقل کی ہیں ان میں ہے۔ ''میرے پانچ نام ہیں میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں اللہ میرے ساتھ کفر کو مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں لوگ میرے قدم پر اٹھیں گے اور میں عاقب ہوں''(1)۔

صحیح مسلم میں حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام رؤف اور رحیم رکھا(2)۔ اس میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے اپنے ناموں کا ذکر کرتے۔ آپ فرماتے: ''میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں مقفی ہوں، میں حاشر ہوں، میں نبی توبہ ہوں اور میں نبی رحمت ہوں''(3)۔ قاضی ابو الفضل عیاض نے اپنی کتاب جس کا نام ''الشفاء'' ہے اس میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ جو اسماء کتاب اللہ میں آتے ہیں، جو رسول اللہ کی سنت میں ہیں، جو کتب مقدمہ میں منقول ہوں اور امت نے جو کثیر اسماء اور مختلف صفات کا ذکر کیا ہے۔ یہ مسمیات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آتے ہیں اور آپ کی ذات میں ان کے معانی پائے گئے ہیں۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے احکام میں اس آیت کی تفسیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے 67 ناموں کا ذکر کیا ہے اور وسیلة المتعبدین الی متابعة سید المرسلین کے مصنف نے حضرت

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، ماجاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 501
2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فی اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2، صفحہ 261
3۔ ایضاً

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ایک سو اسی نام ہیں۔ جو ان کی طلب رکھتا ہے وہ ان کو وہاں پالے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت معاذ کو بلایا اور دونوں کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: ''دونوں جاؤ دونوں بشارت دینا، متنفر نہ کرنا، سہولت پیدا کرنا، سختی نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ نازل کیا ہے اور اس آیت کی تلاوت کی''(1)۔

شَاهِدًا سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے: آپ اپنی امت پر شاہد ہیں کہ آپ نے انہیں تبلیغ کی اور تمام امتوں پر گواہ ہیں کہ ان کے انبیاء نے انہیں تبلیغ کی (2)۔ اسی طرح دوسرے اقوال ہیں۔ مُبَشِّرًا اس کا معنی ہے مومنوں کو اللہ کی رحمت اور جنت کی بشارت دینے والے ہیں۔ وَّنَذِيْرًا اس کا معنی ہے نافرمانوں اور جھٹلانے والوں کو آگ اور دائمی عذاب سے خبردار کرنے والے ہیں۔ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کا مطلب یہ ہے توحید کی تبلیغ کرنا، اس کو اپنانا اور کفار سے جہاد کرنا ہے۔ بِاِذْنِهٖ یہاں اس کا معنی ہے اس کا تجھے حکم دینا اور اس کا اس کے وقت اور اس کے حالات میں مقدر کرنا۔ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا یہاں یہ اس نور سے مجاز ہے جسے آپ کی شرع اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَسِرَاجًا سے مراد گمراہی کی تاریکی سے ہدایت دینے والے ہیں جب کہ آپ روشن چراغ کی طرح ہیں۔ یہاں انارہ کے ساتھ صفت ذکر کی کیونکہ چراغوں میں سے کچھ وہ بھی ہوتے ہیں جو روشنی نہیں دیتے جب ان کا تیل کم ہو اور اس کی بٹ باریک ہو۔ ان میں سے بعض کی کلام میں ہے: تین چیزیں کمزور کر دیتی ہیں ست قاصد، چراغ جو روشنی نہ دے اور ایسا دستر خوان جس کا آنے والا انتظار کرے، ان میں سے بعض سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا جس سے وحشت محسوس کی جاتی ہے۔ فرمایا: ایسی تاریکی جو ہر طرف سے ڈھانپے ہوئے ہو اور ایسا چراغ جو روشنی نہ دے (3)۔ نحاس نے سند بیان کی۔ محمد بن ابراہیم رازی، عبد الرحمٰن بن صالح ازدی سے وہ عبد الرحمٰن بن محمد محاربی سے وہ شیبان نحوی سے وہ قتادہ سے وہ عکرمہ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کرتے ہیں: جب یہ آیت يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ نازل ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو بلایا، فرمایا: ''دونوں جاؤ بشارت دینا اور سختی نہ کرنا، کیونکہ آج کی رات اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایک آیت نازل کی ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا'' یعنی آگ سے ڈرانے والا۔

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ کہا: اس سے مراد لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت ہے۔ بِاِذْنِهٖ سے مراد اس کے امر سے وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا کہا: اس سے مراد قرآن ہے۔ زجاج نے کہا: وَسِرَاجًا یعنی ایسا سراج جو نور والا ہے، یعنی روشن کتاب۔ یہ بھی جائز قرار دیا کہ یہ اس معنی میں ہو وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرنے والے ہیں۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

1۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 312　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 389　　3۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 547

''اور آپ مژدہ سنا دیں مومنوں کو کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب سے بڑا ہی فضل ہے اور نہ کہنا مانو کافروں اور منافقوں کا اور پرواہ نہ کرو ان کی اذیت رسانی کی اور بھروسہ رکھو اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز''۔

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ واؤ عاطفہ ہے جملہ کا عطف جملہ پر ہے۔ معنی ماقبل سے منقطع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل کبیر کی بشارت دے۔ زجاج کے قول ذاعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا کے مطابق یہ کاف پر معطوف ہوگا مگر ارسلناک کے کاف پر معطوف نہیں ہوگا (1)۔ ابن عطیہ نے کہا: ہمیں حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے نزدیک کتاب اللہ میں یہ سب سے امید والی آیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ مومنوں کو بشارت دے کہ اس کے ہاں ان کے لیے فضل کبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فضل کبیر کی وضاحت اپنے اس ارشاد میں کی ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۲۲﴾ (الشوریٰ) اس سورت میں جو آیت ہے وہ خبر ہے اور سورت حم عسق میں جو آیات ہے وہ اس کی تفسیر ہے (2)۔

وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وہ ان کے معاملہ میں جس مداہنت کی طرف تمہیں دعوت دیتے ہیں اس معاملہ میں ان کی اطاعت نہ کیجئے اور ان کی طرف مائل نہ ہو جائیے۔ الْكٰفِرِیْنَ سے مراد ابوسفیان، عکرمہ، ابواعور اسلمی ہیں۔ انہوں نے کہا تھا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہمارے بتوں کو برا بھلا نہ کہا کریں، تو ہم آپ کی اتباع کریں گے۔ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ سے مراد عبداللہ بن ابی، عبداللہ بن سعد اور طعمہ بن ابیرق ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس امر پر برانگیختہ کیا کہ وہ مصلحت کی غرض سے آپ کی اس پیشکش کو قبول کر لیں۔

وَ دَعْ اَذٰىهُمْ اس امر کو چھوڑ دیں کہ وہ جو آپ کو اذیتیں دیتے ہیں اس کے بدلے میں آپ بھی انہیں اذیتیں دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ان کو سزا دینے کا ارادہ ترک کر دیں۔ ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائیں۔ اس تاویل کی صورت میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہوگا۔ اس تاویل کی بنا پر جو امر کافروں کے ساتھ خاص ہے وہ منسوخ ہے۔ اس کا ناسخ آیت سیف ہے۔ اس میں دوسرا معنی بھی ہے: ان کی باتوں اور جو وہ آپ کو اذیتیں دیتے ہیں ان سے اعراض کیجئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں مشغول نہ ہوں۔ اس تاویل کی بنا پر مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے؛ یہ مجاہد کی تاویل ہے۔ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہے۔ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم دیا اور اپنے اس ارشاد کے ساتھ انس پیدا کیا۔ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا کلام کی قوت میں مدد کا وعدہ ہے۔ وکیل سے مراد معاملہ کی حفاظت کرنے والا اور اس کو بجالانے والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴿۴۹﴾

''اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 547 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 90-389

پس تمہارے لیے ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو لہٰذا انہیں کچھ مال دے دو اور انہیں رخصت کر دو خوبصورتی سے''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ جب حضرت زید اور حضرت زینب کا طلاق کا واقعہ ہوا جب کہ وہ ایسی عورت تھیں جن کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے گئے تھے۔ ان کی عدت کے ختم ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت نکاح دی۔ جس طرح ہم وضاحت کر چکے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خطاب کیا جب کہ انہوں نے اپنی بیویوں کو حقوق زوجیت ادا کرنے سے قبل طلاق دے دی ہو۔ اور اس حکم کو امت کے لیے واضح کیا۔ مطلقہ اگر ایسی ہو کہ اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے گئے ہوں تو اس پر عدت لازم نہیں ہوگی۔ یہ کتاب اللہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اگر اس کے ساتھ خاوند نے دخول کیا ہو تو بالاتفاق اس پر عدت ہوگی۔

مسئلہ نمبر 2۔ نکاح کا حقیقی معنی وطی کرنا ہے۔ عقد کو نکاح اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کا عقد نکاح کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے کیونکہ عقد نکاح وطی تک پہنچنے کا طریقہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ علماء نے خمر کو اثم کا نام دیا کیونکہ یہ گناہ کا سبب ہے۔ کتاب اللہ میں لفظ نکاح عقد کے معنی میں ہے، کیونکہ اس کا حقیقی معنی وطی ہے۔ اس کو مختلف الفاظ کے ساتھ کنایۃً ذکر کرنا یہ قرآن کے آداب میں سے ہے جیسے ملامسہ، مماسہ، قربان، تغشی اور اِتیان۔

مسئلہ نمبر 3۔ بعض علماء نے ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ میں ثُمَّ کے لفظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ طلاق نکاح کے بعد ہی ہوتی ہے۔ جس نے نکاح سے پہلے عورت کو طلاق دی اگر اس نے اس عورت کو معین کر دیا تو یہ طلاق اسے لازم نہ ہوگی۔ یہ قول تقریباً تیس علماء کا ہے جن میں صحابہ، تابعین اور ائمہ شامل ہیں۔ امام بخاری نے بائیس افراد کا نام لیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے لا طلاق قبل نکاح نکاح سے قبل طلاق نہیں (1)۔ اس کا معنی ہے طلاق واقع نہیں ہوتی یہاں تک کہ نکاح ہو جائے۔ حبیب بن ابی ثابت نے کہا: حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا: إن تزوجتك فانت طالق اگر میں تجھ سے شادی کروں تو تجھے طلاق؟ آپ نے جواب دیا: کچھ بھی نہیں اللہ تعالیٰ نے طلاق سے پہلے نکاح کا ذکر کیا ہے۔ علماء کے ایک طائفہ نے کہا: معینہ عورت کو نکاح سے قبل طلاق دی جائے وہ ذات کے اعتبار سے معین ہو، قبیلہ کے اعتبار سے معین ہو اور شہر کے اعتبار سے معین ہو وہ طلاق لازم ہو جائے گی (2)۔ ان میں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے تمام اصحاب ہیں اور امت کے عظیم علماء بھی یہی کہتے ہیں۔ سورۂ براءت میں اس بارے میں گفتگو اور فریقین کے دلائل گزر چکے ہیں۔ الحمد للہ

جب اس نے کہا: كل امرأة أتزوجها فهي طالق وكل عبد اشتريته فهو حر میں جس عورت سے شادی کروں اسے

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، لا طلاق قبل النكاح، صفحہ 148۔ ایضاً، حدیث نمبر 2037، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 390

طلاق ہے اور میں جس غلام کو خریدوں وہ آزاد ہے۔ تو کچھ بھی لازم نہ کرے گا۔ اگر اس نے کہا: اگر میں بیس سال تک جس عورت سے بھی شادی کروں یا کہا: اگر میں فلاں شہر یا فلاں قبیلہ سے شادی کروں تو اسے طلاق ہے تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی جب تک اسے لمبے سالوں کی وجہ سے اپنے اوپر بدکاری کا خوف نہ ہو یا غالب طور پر اس کی عمر اس حد تک نہ پہنچتی ہو تو اسے نکاح کرنے کا حق ہوگا، اس پر طلاق لازم نہ ہوگی جب اس نے یہ بات عموم کے اعتبار سے کی کیونکہ اس نے اپنے اوپر نکاح کے معاملہ کو تنگ کر دیا ہے۔ اگر ہم اس کو روکیں کہ وہ شادی نہ کرے تو وہ حرج میں مبتلا ہوگا اور اس پر بدکاری کا خوف ہوگا۔ ہمارے بعض اصحاب نے کہا: اگر وہ کوئی لونڈی پائے تو نکاح نہ کرے یہ کوئی بات نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ضرورتیں اور عذر احکام کو اٹھا دیتے ہیں یہ ضرورت کے اعتبار سے اس آدمی کی طرح ہے جس نے قسم ہی نہیں اٹھائی؛ یہ قول ابن خویز منداد کا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ داؤد اور جوان کے ہمنوا ہیں نے یہ استدلال کیا ہے کہ مطلقہ رجعیہ سے جب اس کا خاوند رجوع کرے جب کہ اس کی عدت ختم نہ ہوئی ہو پھر اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنے سے پہلے طلاق دے دے تو اس پر عدت کو مکمل کرنا لازم نہیں اور نہ ہی اس پر نئی عدت گزارنا لازم ہے کیونکہ اسے حقوق زوجیت ادا کرنے سے قبل طلاق دے دی گئی، عطا بن ابی رباح اور ایک جماعت نے کہا: وہ پہلی طلاق کی عدت کو جاری رکھے گی امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک یہی قول ہے کیونکہ جب اس نے حقوق زوجیت ادا نہیں کیے تھے تو اس کی طلاق اس طلاق کے حکم میں ہے جو ایک آدمی اپنی عورت کو عدت میں طلاق دے جس کے ساتھ اس نے رجوع نہیں کیا اور جس نے اپنی بیوی کو ہر طہر میں ایک طلاق دی وہ عورت اس عورت کو پہلی عدت پر بنا کرے گی اور نئے سرے سے عدت شمار نہیں کرے گی۔ امام مالک نے کہا: جب اس نے حقوق زوجیت ادا کرنے سے پہلے طلاق دے دی تو وہ اپنی سابقہ عدت پر بنا نہیں کرے گی۔ جس روز سے اس نے اسے طلاق دی ہے اس روز سے وہ نئی عدت شمار کرے گی۔ اس کے خاوند نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اس نے غلطی کی اگر اس نے اس سے رجوع کیا جب کہ اس کو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی؛ اکثر علماء کا یہی نقطہ نظر ہے کیونکہ یہ عورت بھی ان بیویوں کے حکم میں ہے جن کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے گئے ہوں نفقہ میں، رہائش میں اور دوسرے امور میں، اسی وجہ سے جس روز اس نے اسے طلاق دی نئے سرے سے عدت شمار کرے گی؛ یہ بصرہ، کوفہ، مکہ، مدینہ اور شام کے جمہور فقہاء کا نقطہ نظر ہے۔ ثوری نے کہا: ہمارے نزدیک فقہاء نے اس پر اجماع کیا۔

مسئلہ نمبر 5۔ اگر اسے طلاق بائنہ دی گئی مگر تین طلاقیں نہ دی گئی ہوں، تو خاوند نے اس عورت سے عدت میں نکاح کر لیا، پھر اسے حقوق زوجیت سے قبل طلاق دے دی تو اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام زفر اور عثمان بتی نے کہا: اس کو نصف مہر ملے گا اور باقی ماندہ عدت پوری کرے گی؛ یہ حضرت حسن بصری، عطا، عکرمہ اور ابن شہاب کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، ثوری اور اوزاعی نے کہا: اس کے لیے نکاح ثانی کی وجہ سے کامل مہر اور نئی عدت ہوگی۔ اسے مدخول بہا کے حکم میں رکھا گیا ہے کیونکہ وہ اس کے پانی کو ہی شمار کر رہی تھی۔ داؤد نے کہا: اس کو نصف مہر ملے گا۔ اس پر باقی ماندہ پہلی عدت نہ ہوگی اور نہ ہی نئی عدت ہوگی۔ اولیٰ وہ ہی ہے جو امام مالک اور امام شافعی نے کہا: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرہ: 228) اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالّٰٓـِٔىْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ (الطلاق: 4) کے لیے مخصوص ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے اور متعہ کے باب میں بھی گفتگو گزر چکی ہے۔ دوبارہ اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا اس میں دو توجیہیں ہیں: (۱) خوشحالی اور تنگ دستی کی بنا پر متعہ دیا جائے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (1)۔ (۲) اس سے مراد اسے طلاق دینا ہے جب کہ وہ طہارت کی حالت میں ہو اور اس سے جماع بھی نہ کیا گیا ہو؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طلاق کے بعد انہیں ان کے اہل کی طرف بھیج دیا جائے مرد اور مطلقہ عورت ایک جگہ جمع نہ ہوں۔

مسئلہ نمبر 7۔ فَمَتِّعُوْهُنَّ سعید نے کہا: یہ آیت اس آیت کے ساتھ منسوخ ہے (2) جو سورۂ بقرہ میں ہے یہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرہ: 237) یہاں متعہ کا ذکر نہیں۔ سورۂ بقرہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔ وَسَرِّحُوْهُنَّ کا معنی ہے انہیں طلاق دو امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک تسریح یہ طلاق سے کنایہ ہے کیونکہ یہ غیر حقیقی معنی میں استعمال ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے لیے نیت کی ضرورت ہوتی ہے امام شافعی کے نزدیک یہ لفظ صریح ہے اس بارے میں گفتگو سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔ اس وجہ سے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ جَمِيْلًا یعنی سنت طریقہ پر نہ کہ بدعت کے انداز میں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

''اے نبی (مکرم!) ہم نے حلال کر دی ہے آپ کے لیے آپ کی ازواج جن کے مہر آپ نے ادا کر دیے ہیں اور آپ کی کنیزیں جو اللہ تعالیٰ نے بطور غنیمت آپ کو عطا کی ہیں، اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے ہجرت کی آپ کے ساتھ اور مومن عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کر دے اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ (اجازت) صرف آپ کے لیے ہے دوسرے مومنوں کے لیے نہیں۔ ہمیں خوب علم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر ان کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 413　　2۔ تفسیر طبری، جز 22، صفحہ 26

بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں تا کہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

اس میں انیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ سدی نے ابو صالح سے وہ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں (1)۔ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دعوت نکاح دی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معذرت کی تو آپ نے میری معذرت کو قبول کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا: اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ۔ کہا: میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حلال نہ تھی کیونکہ میں نے ہجرت نہ کی تھی میں طلقاء (جن کو چھوڑ دیا گیا) میں سے تھی۔ اسے ابو عیسیٰ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن ہے، ہم اسے اسی سند سے پہچانتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: یہ بہت ہی ضعیف ہے۔ یہ حدیث کسی ایسی صحیح سند سے مروی نہیں جس سے استدلال کیا جا سکے (2)۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عورتوں کو اختیار دیا اور عورتوں نے آپ کو پسند کر لیا تو ان سے زائد سے شادی کرنا آپ کے لیے حرام کر دیا گیا اور ان کی جگہ کسی اور سے شادی کرنا بھی حرام کر دیا گیا یہ اصل میں ان کے اس عمل کا بدلہ تھا جو ازواج مطہرات نے کیا تھا۔ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ کیا یہ حلال تھا کہ اس کے بعد آپ کسی ایک کو طلاق دے دیں؟ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آپ کے لیے حلال نہیں تھا یہ اصل میں بدلہ تھا کہ جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حلال تھا جس طرح دوسرے لوگوں کے لیے حلال تھا لیکن اس کے بدلہ میں آپ کسی سے شادی نہیں کر سکتے تھے۔ پس اس حرمت کو منسوخ کر دیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مباح کر دیا کہ جس عورت سے چاہیں شادی کر لیں۔ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ احلال تقاضا کرتا ہے کہ اس سے قبل حرمت بھی ہو۔ آپ کی وہ بیویاں جو آپ کی زندگی میں تھیں وہ آپ پر حرام نہیں تھیں۔ آپ پر حرام عورتوں سے نکاح کرنا تھا تو احلال ان کی طرف پھر گیا، کیونکہ آیت کے سیاق میں فرمایا: بَنٰتِ عَمِّكَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِكَ یہ بات تو معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچا زاد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماموں زاد اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خالہ زاد کوئی بھی نہ تھی اس سے ثابت ہوا کہ ابتداءً ان کے ساتھ شادی کرنا حلال تھا۔ یہ آیت اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے مگر نزول کے اعتبار سے متاخر ہے، اس وجہ سے اس نے اس آیت کو منسوخ کر دیا جس کو بعد میں تلاوت کیا جاتا ہے، جس طرح سورۂ بقرہ میں وفات کے متعلق دو آیات ہیں۔

اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ کی تاویل میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہر ایسی عورت سے نکاح کرنا حلال کر دیا ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہر دیں (3)؛ یہ ابن زید اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر محرمات کے علاوہ تمام عورتوں کو یہ آیت آپ کے لیے حلال کرنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ احزاب، جلد 2، صفحہ 153۔ ایضاً، حدیث نمبر 3138، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1553

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 391

ہے: اَحۡلَلۡنَا لَكَ اَزۡوَاجَكَ سے مراد ہے جو بیویاں آپ کے پاس ہیں کیونکہ انہوں نے دنیا و آخرت پر آپ کو ترجیح دی ہے؛ یہ علماء میں سے جمہور کا نقطہ نظر ہے، یہی ظاہر قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: اٰتَيۡتَ اُجُوۡرَهُنَّ یہ فعل ماضی ہے اور فعل ماضی استقبال کے معنی میں چند شرطوں کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ اس تاویل کی بنا پر امر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تنگ ہو جاتا ہے۔ اس تاویل کی تائید وہ قول بھی کرتا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس خاندان میں چاہتے شادی کر لیتے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں پر شاق گزرتا (1)، جب یہ آیت نازل ہوئی اور اس وجہ سے آپ پر تمام عورتیں حرام ہو گئیں مگر جن کا نام لیا گیا تو اس وجہ سے آپ کی عورتیں خوش ہو گئیں۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ صحیح ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اس کی صحت پر وہ قول بھی دلالت کرتا ہے جسے امام ترمذی نے عطا سے روایت کیا ہے۔ کہا: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے نکاح کرنا آپ کے لیے حلال کر دیا (2)۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَمَا مَلَكَتۡ يَمِيۡنُكَ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے لیے مطلقاً لونڈیاں حلال کر دیں۔ اور اپنے نبی کے لیے بیویاں بھی مطلقاً حلال کر دیں، باقی لوگوں کے لیے مخصوص تعداد کی صورت میں حلال کر دیا۔ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ کفار کی عورتوں میں سے جو تم پر لوٹائے۔ غنیمت کو بعض اوقات فیء بھی کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جن عورتوں کو تم پر لوٹایا یعنی جو عورتیں قہر اور غلبہ کی صورت میں پکڑی گئیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وہ بیویاں جن کو آپ نے مہر دے دیا اور جو آپ کی باندیاں ہیں ان سے زائد آپ کے لیے ہم نے عورتیں آپ کے لیے حلال کر دی ہیں؛ یہ جمہور کا قول ہے۔ کیونکہ اگر یہ ارادہ ہوتا کہ ہم نے آپ کے لیے وہ عورت حلال کر دی ہے جس سے آپ نے نکاح کیا اور آپ نے اسے مہر دے دیا تو اس کے بعد یہ نہ فرماتا: وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ کیونکہ یہ تو ماقبل میں داخل ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ لازم نہیں آتا ان کا خصوصاً ذکر کیا مقصد ان کی شرافت کا اظہار ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فِيۡهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخۡلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ (الرحمٰن) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ الّٰتِىۡ هَاجَرۡنَ مَعَكَ اس میں دو قول ہیں: (۱) آپ کے قریبی رشتہ داروں میں سے جس طرح تیرے چچا حضرت عباس کی بیٹیاں، اس کے علاوہ عبد المطلب کی اولاد، عبد المطلب کی بیٹیوں کی اولاد کی بیٹیاں، ماموں کی بیٹیاں، جو عبد مناف بن زہرہ کی بیٹیوں کی اولاد، حلال نہیں مگر جو مسلمان ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمهاجر من هجر ما نهی اللہ عنه (3) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اس کو چھوڑ دے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالَّذِيۡنَ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 391 2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 153۔ ایضاً، حدیث 3140، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون، جلد 1، صفحہ 6

اٰمَنُوْا وَ لَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا (الانفال: 72) جس نے ہجرت نہ کی وہ کامل نہ ہوا اور جو کامل نہیں ہوا وہ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کامل نہیں جو کمال والا، شرف والا اور عظمت و شان والا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ مَعَكَ یہاں معیت سے مراد ہجرت میں اشتراک ہے صحبت میں اشتراک نہیں جس نے ہجرت کی وہ آپ کے لیے حلال ہو گیا۔ جب اس نے ہجرت کی اس وقت وہ آپ کی صحبت میں تھا یا نہیں تھا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: دخل فلان معی و خرج معی یعنی اس کا عمل میرے عمل کی طرح ہے، اگرچہ اس میں تم دونوں کا عمل ملا ہوا نہ ہو۔ اگر تو کہے: خرجنا معا اس نے دو معنوں کا اکٹھے تقاضا کیا: فعل میں اشتراک اور اس میں اقتران۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ نے عم کو مفرد اور عمات کو جمع ذکر کیا، اسی طرح فرمایا: خالك، و خالاتك اس میں حکمت یہ ہے کہ عم اور خال اطلاق میں اسم جنس ہے، جس طرح شاعر اور راجز۔ جب کہ عمہ اور خالہ اس طرح نہیں یہ عرف لغوی ہے۔ کلام اشکال کو دور کرنے کے لے حد درجہ بلیغ انداز میں واقع ہوئی ہے۔ یہ دقیق ہے پس تم اس میں غور و فکر کرو؛ یہ ابن عربی کا قول ہے (1)۔

مسئلہ نمبر 8۔ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اس کا عطف أحللنا پر ہے۔ معنی ہے اور ہم نے آپ کے لیے اس عورت کو بھی حلال کیا ہے جو بغیر مہر کے اپنا آپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کرتی ہے۔ اس معنی میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی عورت بھی نہ تھی مگر اس کے ساتھ آپ نے عقد نکاح کیا ہوا تھا یا وہ آپ کی لونڈی تھی (2)۔ جہاں تک ہبہ کا تعلق ہے تو ایسی کوئی عورت بھی آپ کے پاس نہیں تھی۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے: آپ کے پاس ہبہ کرنے والی بھی عورت تھی (3)۔

میں کہتا ہوں: صحیحین میں جو روایت ہے وہ اس قول کو قوت بہم پہنچاتی ہے اور اس کی تائید کرتی ہے۔ امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں ان عورتوں پر غیرت کھاتی تھی جو اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرتی تھیں اور میں کہا کرتی تھی: کیا کوئی عورت حیا نہیں کرتی کہ وہ اپنا آپ بطور ہبہ کسی مرد کو پیش کرے (4) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ میں نے عرض کی: اللہ کی قسم! میں آپ کے رب کو دیکھتی ہوں کہ وہ آپ کی خواہش پوری کرنے میں جلدی کرتا ہے۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے انہوں نے کہا: حضرت خولہ بنت حکیم ان عورتوں سے تھیں جنہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہبہ کیا (5)۔ یہ روایت اس امر پر دال ہے کہ وہ کئی عورتیں تھیں: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

زمخشری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے اپنے آپ کو ہبہ کرنے والیاں چار ہیں: حضرت میمونہ بنت حارث، حضرت زینب بنت خزیمہ ام المساکین انصاریہ، حضرت ام شریک بنت جابر، حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہن (6)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1557　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 391　　3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 477

4۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، جواز هبتها نوبتها الضرتها، جلد 1، صفحہ 473

5۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، هل المرأة تهب نفسها، جلد 2، صفحہ 766　　6۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 550

میں کہتا ہوں: ان میں سے بعض میں اختلاف ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ میمونہ بنت حارث ہے (1)۔ امام شعبی نے کہا: وہ زینب بنت خزیمہ ام المساکین جو انصار میں سے ایک ہے (2)۔ علی بن حسین، ضحاک اور مقاتل نے کہا: وہ ام شریک بنت جابر اسدیہ ہے۔ عروہ بن زبیر نے کہا: ام حکیم بنت اوقص سلمیہ ہے (3)۔

مسئلہ نمبر 9۔ اپنا آپ ہبہ کرنے والی کے نام میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ام شریک انصاری ہے اس کا نام غزیہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام غزیلہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لیلیٰ بنت حکیم تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت میمونہ بنت حارث تھی۔ جب نبی کریم ﷺ نے اسے دعوت نکاح دی ان کے پاس دعوت نکاح دینے والا آیا جب کہ آپ اونٹ پر تھیں۔ انہوں نے کہا: اونٹ اور جو اونٹ پر ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ام شریک عامریہ ہے۔ یہ ابو عکر ازدی کے عقد میں تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ طفیل بن حارث کے عقد میں تھیں ان کے بطن سے ان کا بیٹا شریک پیدا ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کی یہ امر ثابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اسے ابو عمر بن عبد العزیز نے ذکر کیا۔ امام شافعی اور عروہ نے کہا: وہ زینب بنت خزیمہ ام المساکین ہیں (4)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ جمہور نے اِن وھبت ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی۔ یہ امر کے نئے سرے سے شروع ہونے پر دال ہے یعنی اگر یہ واقع ہو تو یہ اس کے لیے حلال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے مروی ہے دونوں نے کہا: نبی کریم ﷺ کے پاس کوئی موہوبہ عورت نہ تھی۔ ہم نے اس کے خلاف پر دلیل قائم کر دی ہے۔ ائمہ نے سہل اور دوسرے واسطوں سے صحاح میں روایت نقل کی ہے کہ ایک عورت نے نبی کریم ﷺ سے کہا: میں اس لیے حاضر ہوئی کہ میں اپنا آپ آپ کو ہبہ کروں (5)۔ حضور ﷺ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ایک آدمی اٹھا اس نے عرض کی: اگر آپ کو حاجت نہیں تو میری اس سے شادی کر دیں۔ اگر یہ ہبہ جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ خاموش نہ رہتے کیونکہ آپ باطل پر قائم نہ رہتے جب اسے سنتے۔ مگر یہ احتمال موجود ہے کہ سکوت بیان کے انتظار میں ہو، تو یہ آیت تحلیل اور تخییر کے متعلق نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے اس کے ترک کو اختیار کیا اور اس کی شادی ایک اور مرد سے کر دی۔

یہ بھی احتمال موجود ہے کہ حضور ﷺ نے خاموشی اس لیے اختیار کی ہوتا کہ اس بارے میں غور کریں یہاں تک کہ آدمی اس کی طلب میں کھڑا ہو گیا۔ حضرت حسن بصری، حضرت ابی بن کعب اور امام شعبی نے ان ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ اعمش نے وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ قراءت کی۔ نحاس نے کہا: ان ہمزہ کا کسرہ معانی کو جامع ہے کیونکہ کہا گیا: وہ عورتیں ہیں۔ جب ہمزہ کو فتحہ دیا جائے تو معنی ہوگا ان میں سے ایک معین، کیونکہ فتحہ امراۃ سے بدل کے طور پر ہوگا یا یہ لأن کے معنی میں ہوگا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 415-414　2۔ ایضاً　3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 392
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 415-414　5۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، اذا کان الولی ھو الخاطب، جلد 2، صفحہ 770

مسئلہ نمبر 11 ۔ مُّؤْمِنَةً یہ لفظ اس پر دال ہے کہ کافرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حلال نہیں امام الحرمین نے کہا: آزاد کافرہ کے آپ پر حرام ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک صحیح یہی ہے کہ وہ آپ پر حرام ہے۔ اور اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے ممتاز ہیں (1)۔ جہاں تک فضائل اور کرامت کی جانب ہے تو اس میں آپ کا حصہ زیادہ ہے اور جو نقص والی جانب ہے تو آپ اس سے زیادہ پاکیزہ ہیں ہمارے لیے آزاد کتابی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جلالت شان کی بنا پر مومنات تک اپنے آپ کو محدود رکھا۔ جب آپ کے لیے وہ عورت حلال نہیں جس نے ہجرت نہیں کی کیونکہ اس میں ہجرت کی فضیلت نہیں تو یہ زیادہ مناسب ہے کہ آپ کے لیے کافرہ کتابیہ حلال نہ ہو کیونکہ اس میں کفر کا نقص موجود ہے۔

مسئلہ نمبر 12 ۔ اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ نکاح صفات مخصوصہ پر عقد معاوضہ ہے۔ سورۃ النساء اور دوسری سورتوں میں یہ بات گزر چکی ہے۔ زجاج نے کہا: اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ کا معنی ہے حلت وہ حلال کرے۔ حضرت حسن بصری نے پڑھا ان وھبت ہمزہ پر فتحہ ہے۔ ان محل نصب میں ہے۔ زجاج نے کہا: اصل میں یہ لان تھا۔ دوسرے علماء نے کہا: ان وھبت یہ امراۃ سے بدل اشتمال ہے۔

مسئلہ نمبر 13 ۔ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا جب عورت نے اپنا آپ ہبہ کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قبول کر لیا تو وہ آپ کے لیے حلال ہوگئی اگر آپ نے اس کو قبول نہ کیا تو یہ چیز لازم نہ ہوگی، جس طرح اس نے کسی مرد کو کوئی چیز ہبہ کی تو اس کو قبول کرنا لازم نہیں ہوگا، مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکارم اخلاق میں سے یہ ہے کہ آپ واہب کا ہبہ قبول کریں اور کریم لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس کا رد کرنا عادت میں طیب ہے۔ واہب کے لیے ہبہ اور اس کے دل کے لیے اذیت کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اسے واضح کیا، اسے قرآن بنایا جس کی تلاوت کی جاتی ہے تاکہ اس سے حرج دور ہو اور لوگوں کی عادت اور قول میں جو باطل چیزیں ہیں وہ باطل ہیں۔

مسئلہ نمبر 14 ۔ خَالِصَةً لَّكَ عورتوں کا اپنے آپ کو ہبہ کرنا یہ ایسی خصلت ہے جو جائز نہیں۔ یہ جائز نہیں کہ عورت اپنے آپ کو مرد کے لیے ہبہ کرے۔ خاصیت کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ عورت دخول سے قبل مہر کے فرض کرنے کا مطالبہ کرے تو یہ اس کا حق نہ ہوگا۔ جہاں تک مفوضہ کے حق میں ہمارے ہاں حقوق زوجیت ادا کرنے سے قبل مہر کے مطالبہ کا حق ہے اور حقوق زوجیت کی ادائیگی کے بعد مہر مثل کے مطالبہ کا حق ہے۔

مسئلہ نمبر 15 ۔ علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ عورت کا اپنی ذات کو ہبہ کرنا جائز نہیں اور لفظ ہبہ سے نکاح مکمل نہیں ہوتا۔ مگر امام ابو حنیفہ (2) اور صاحبین سے یہ مروی ہے انہوں نے کہا: جب اس نے ہبہ کیا اور مرد نے اپنے آپ پر مہر کی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1559

2۔ ائمہ احناف کے نزدیک عقد نکاح کے لیے دو قسم کے الفاظ ہیں الفاظ صریحہ جیسے نکاح اور تزویج۔ الفاظ کنایہ۔ جن میں ملکیت ثابت ہو جیسے بیع، شراء، ہبہ، تملیک۔ اس میں دونوں فریقوں کی جانب سے ایجاب و قبول لازم ہے اس موقع پر جو مہر ذکر کیا جائے تو وہی لازم ہوگا بصورت دیگر مہر مثل لازم ہوگا۔

گواہی دی تو یہ جائز ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: ان کے قول میں نہیں مگر یہ عبارت اور لفظ ہبہ کا ذکر کرنا جائز ہے مگر افعال جس کی انہوں نے شرط لگائی ہے وہ بعینہ افعال نکاح ہیں (1)۔ یہ مسئلہ سورۃ القصص میں مفصل گزر چکا ہے۔ الحمد للہ

مسئلہ نمبر 16۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو احکام شریعت میں چند چیزوں میں خاص کیا ہے جن میں کوئی دوسرا فرد شریک نہیں۔ یہ فرض، حرمت اور حلت کے احکام ہیں یہ امت پر فضیلت کے طور پر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی اور ایسا مرتبہ ہے جو آپ کے لیے خاص ہے۔ چند چیزیں آپ پر فرض کی گئیں جو دوسروں پر فرض نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چند امور حرام کیے گئے جو دوسروں پر حرام نہیں تھے آپ کے لیے چند چیزیں حلال کی گئیں جو لوگوں کے لیے حلال نہ کی گئیں۔ ان میں سے کچھ متفق علیہ ہیں اور کچھ مختلف فیہ ہیں۔

جو چیزیں آپ پر فرض کی گئیں وہ نو ہیں: (۱) رات کے تہجد۔ یہ کہا جاتا ہے کہ رات کا قیام آپ پر فرض تھا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّیْلَ (المزمل: 1) منصوص یہ ہے کہ آپ پر یہ واجب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ منسوخ ہو گیا: وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (الاسراء: 79) اس کی وضاحت آئے گی۔ (۲) چاشت کے نفل (۳) قربانی (۴) وتر۔ یہ تہجد کی قسم میں داخل ہے (۵) مسواک (۶) جو تنگ دست مر جائے اس کا قرض دینا (۷) شریعت کے علاوہ دیگر معاملات میں ذوی الارحام سے مشاورت کرنا (۸) عورتوں کو اختیار دینا (۹) جب عمل کریں تو اس پر دوام اختیار کریں اور اس کو ثابت رکھیں۔

دوسرے علماء نے کہا: آپ پر یہ بھی فرض تھا جب کوئی منکر دیکھیں تو اس کا انکار کریں اور انکار کو ظاہر کریں کیونکہ کسی کے عمل کو دیکھ کر اس سے منع نہ کرنا اس عمل کے جواز پر دال ہے۔ یہ بات صاحب البیان نے ذکر کی ہے۔

جو چیزیں آپ پر حرام ہیں ان کی تعداد دس ہے: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو زکوٰۃ لینا حرام ہے (۲) آپ کے لیے نفل صدقہ لینا حرام اور آپ کی آل کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس میں تفصیل ہے (۳) آنکھ کی خیانت۔ اس سے مراد ایسی چیز ظاہر کرنا جو پوشیدہ امر کے خلاف ہو یا جو چیز ثابت ہو اس سے دھوکہ کھانا جب کہ آپ نے اجازت لینے پر کفار کی مذمت کی پھر اس کے داخل ہونے پر ان کے لیے قول کو نرم کیا (2)۔ (۴) اللہ تعالیٰ نے ان پر اس امر کو حرام کر دیا جب آپ زرہ پہن لیں کہ اسے اتاریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اور آپ کے ساتھ جنگ کرنے والے کے درمیان فیصلہ فرمادے (۵) ٹیک لگا کر کھانا (۶) ناپسندیدہ بدبودار کھانے کھانا۔ (۷) بیویوں میں تبدیلی کرنا یعنی پہلی کو طلاق دے کر دوسری عورت سے شادی کرنا۔ اس کی بحث آئے گی۔ (۸) ایسی عورت سے نکاح کرنا جس کی صحبت کو ناپسند کرتے ہوں۔ (۹) آزاد کتابیہ عورت سے شادی کرنا (۱۰) کسی لونڈی سے نکاح کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں آپ پر حرام کیں جنہیں اور لوگوں پر حرام نہیں یا مقصود آپ کی طہارت اور پاکیزگی بیان کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر لکھنا، شعر کہنا اور اس کی تعلیم دینا حرام کر دیا مقصود آپ کی حجت کی تاکید اور معجزہ کا بیان ہے۔ اللہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 392

2۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب مدارۃ من یتقی فحشہ، جلد 2، صفحہ 322

تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (العنکبوت:48) نقاش نے اسے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا یہاں تک کہ آپ نے لکھا: پہلا قول زیادہ مشہور ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر اس امر کو حرام کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نظریں ایسی چیز کی طرف اٹھائیں جن سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو متمتع کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (الحجر:88)

وہ چیزیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال کی گئیں ان کی تعداد سولہ ہے: (۱) مال غنیمت میں سے چنی ہوئی چیز (۲) خمس کا خمس یا خمس (پانچواں حصہ) لینا (۳) صوم وصال (۴) چار عورتوں پر زیادہ عورتوں سے شادی کرنا (۵) ہبہ کے لفظ سے نکاح کرنا (۶) ولی کے بغیر نکاح کرنا (۷) مہر کے بغیر نکاح کرنا (۸) احرام کی حالت میں نکاح کرنا (۹) بیویوں کے درمیان باری کا ساقط ہونا، اس کی بحث بعد میں آئے گی (۱۰) جب آپ کی نظر کسی عورت پر پڑ جائے اس عورت کے خاوند پر طلاق دینا واجب ہو جاتا ہے اور آپ کے لیے نکاح کرنا حلال ہو جاتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: امام الحرمین نے یہی کہا ہے اس کے متعلق حضرت زید کے قصہ میں علماء کی بحث گزر چکی ہے (1) (۱۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور اس کی آزادی ہی اس کا مہر بنا دیا (۱۲) احرام کے بغیر مکہ مکرمہ میں داخل ہونا۔ ہمارے بارے میں اس حکم میں اختلاف ہے (۱۳) مکہ مکرمہ میں جنگ کرنا (۱۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث نہیں ہوگا اسے تحلیل کی قسم میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ جب کوئی آدمی مرض کی وجہ سے موت کے قریب ہوتا ہے تو اس کی اکثر ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔ اور اس کے لیے صرف ایک تہائی باقی رہ جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت باقی رہی جس طرح آپ کی مواریث میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ اور سورۂ مریم میں بھی اس کی وضاحت ہو چکی ہے (۱۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی زوجیت کے رشتہ کا باقی رہنا (۱۶) جب آپ کسی عورت کو طلاق دے دیں تو آپ کی حرمت اس پر باقی رہے گی وہ نکاح نہیں کر سکے گی۔ یہ تینوں اقسام اپنی اپنی جگہ پر مفصل گزر چکی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مباح ہے کہ آپ کھانا اور مشروب بھوکے اور پیاسے سے بھی لے لیں، اگرچہ وہ بھوکا پیاسا ایسا ہو جس کو اپنے ہلاک ہونے کا خوف ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ مسلمانوں میں سے ہر ایک پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرے۔ آپ کے لیے یہ مباح ہے کہ آپ اپنی جان کی حفاظت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے غنیمتوں کو حلال کرنے کے ساتھ آپ کو عزت دی۔ زمین کو آپ کے لیے مسجد اور طہور بنا دیا گیا جب کہ انبیاء میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن کی عبادت ان کی عبادت گاہ میں ہی صحیح ہوتی تھی۔ آپ کی رعب سے مدد کی گئی۔ آپ کا دشمن ایک ماہ کی مسافت سے آپ سے ڈرا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل انبیاء بعض کی طرف مبعوث ہوئے اور بعض کی طرف مبعوث نہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سابقہ انبیاء کے معجزات کے برابر یا اس سے بھی زائد بنائے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ عصا اور پتھر سے چشموں کا پھوٹنا تھا جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چاند شق ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی نکلا۔ حضرت عیسیٰ علیہ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1563

السلام کا معجزہ مردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو درست کرنا تھا جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور تنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشتاق ہوا، یہ بلیغ ترین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیاء پر پوری فضیلت عطا کی کہ قرآن آپ کے لیے معجزہ ہو گیا اور آپ کا معجزہ قیامت تک باقی رہنے والا بنا دیا، اسی وجہ سے آپ کی نبوت ابدی بنا دی گئی جو قیامت تک منسوخ نہ ہو گی۔

مسئلہ نمبر 17۔ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا کہ آپ سے نکاح کریں۔ یہ کہا جاتا ہے: نکح، استنکح دونوں کا معنی ایک ہے جس طرح عجب اور استعجب، عجل اور استعجل کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ استنکاح سے مراد نکاح کو طلب کرنا ہو یا وطی کو طلب کرنا ہو۔ خالصة حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یہ زجاج کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس ضمیر متصل سے حال ہے جو فعل مضمر کے ساتھ متصل ہے جس پر ظاہر فعل دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: احللنالك ازواجك و أحللنالك امراءة مؤمنة أحللناها خالصة بلفظ الهبة وبغير صداق وبغير ولی۔

مسئلہ نمبر 18۔ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اس کا فائدہ یہ ہے کہ کفار اگرچہ ہمارے نزدیک شریعت کے فرعی مسائل کے مخاطب ہیں مگر ان میں کوئی عمل دخل نہیں، کیونکہ احکام کا نفاذ ان میں اس وقت ہو گا جب وہ اسلام لائیں گے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْۤ اَزْوَاجِهِمْ یعنی جو ہم نے مومنوں پر واجب کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ شادی نہ کریں گے مگر صرف چار عورتوں سے وہ بھی مہر، گواہ اور ولی کی موجودگی میں۔ اس کا یہ معنی حضرت ابی بن کعب، قتادہ اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ لِكَیْلَا یَكُوْنَ عَلَیْكَ حَرَجٌ آپ کسی ایسے امر میں تنگی میں نہ پڑیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کشادگی کے محتاج ہوں، یعنی ہم نے اس کو بیان کر دیا اور اس کی وضاحت کر دی ہے تا کہ آپ پر کوئی حرج نہ ہو۔ لکیلا یہ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ کے متعلق ہے، یعنی آپ کا دل تنگ نہ پڑے یہاں تک کہ آپ سے ایسا امر ظاہر ہو کہ آپ نے اپنے رب کے ہاں کسی معاملہ میں گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کے ساتھ غفران اور رحمت کے اظہار کے ساتھ اس کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَ لَا یَحْزَنَّ وَ یَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ۝

''(آپ کو اختیار ہے) دور کر دیں جس کو چاہیں اپنی ازواج سے اور اپنے پاس رکھیں جس کو آپ چاہیں اور اگر آپ (دوبارہ) طلب کریں جن کو آپ نے علیحدہ کر دیا تھا تب بھی آپ پر کوئی مضائقہ نہیں، اس (رخصت) سے پوری توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور وہ آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور سب کی سب خوش رہیں گی جو کچھ آپ انہیں عطا فرمائیں گے اور (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے بڑا بردبار ہے''۔

اس میں گیارہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ ترجی کو مہموز اور غیر مہموز دونوں طرح پڑھا گیا ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے أرجیت الامر، ارجأتہ۔ جب تو اسے موخر کردے۔ وَ تُـْٔوِیْۤ آپ ملائیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: آوی الیہ الف پر مد ہے اس کا معنی اپنے ساتھ ملانا ہے۔ آوی الف مقصورہ کے ساتھ۔ اس کے ساتھ ملنا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس بارے میں جو اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر باری ترک کرنے کی سہولت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیویوں میں باری واجب نہیں۔ یہ قول اس کے مناسب ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ یہی وہ معنی ہے جو صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ کہا: میں ان عورتوں پر غیرت کرتی تھی جو اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہبہ کیا کرتی تھیں (1)۔ میں کہتی: کیا ایک عورت اپنے نفس کو مرد کے لیے ہبہ کرتی ہے؟ جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ تو حضرت عائشہ نے کہا: میں کہتی ہوں: اللہ کی قسم! میں آپ کے رب کو نہیں دیکھتی مگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کو پورا کرنے میں جلدی کرتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ ہی صحیح میں ثابت ہے اسی پر اعتماد کرنا چاہیے معنی مراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بیویوں میں اختیار دیا گیا چاہیں تو باری مقرر کریں اور چاہیں تو باری کو ترک کردیں (2)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس امر میں خاص کیا گیا کہ اس معاملہ میں امر آپ کے سپرد کردیا گیا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جانب سے باری مقرر کرتے یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرض نہ تھا، یہ ازواج مطہرات کے دلوں کو پاکیزہ بنانے کے لیے اور انہیں غیرت کے لیے ان اقوال سے بچانے کے لیے ہوتا تھا جو انہیں ایسے امر تک پہنچا دیتے جو مناسب نہیں ہوتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ باری مقرر کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی واجب تھا پھر اس آیت کے ساتھ آپ سے وجوب ساقط ہو گیا۔ ابورزین نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعض بیویوں کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے عرض کی: ہمارے لیے جو چاہیں باری مقرر کردیں۔ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملایا وہ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہن تھیں۔ ان کی آپ کی جانب سے باری اور مال سب میں برابری تھی۔ جن کو آپ نے موخر کیا وہ حضرت سودہ، حضرت جویریہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت میمونہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن تھیں۔ آپ ان کے لیے جو چاہتے باری مقرر کر دیتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہبہ کرنے والیاں ہیں۔

ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ کے بارے میں یہ قول نقل کرتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ ان عورتوں کے بارے میں ہے جنہوں نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا۔ امام شعبی نے کہا: اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو ہبہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے بعض سے نکاح کرلیا اور بعض کو ترک کردیا۔ زہری نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، جواز ہبتہا نوبتہا لضرتہا، جلد 1، صفحہ 473 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1568

اپنی ازواج میں سے کسی کو بھی مؤخر کیا ہو بلکہ سب کو اپنے ساتھ ملایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: ازواج مطہرات میں سے جس کو چاہیں طلاق دے دیں اور جس کو چاہیں روکے رکھیں۔ اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے۔ ہر ایک کی توجیہ موجود ہے۔ یہ آیت ایسی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سہولت اور اباحت کی گنجائش رکھی گئی ہے ہم نے جو معنی اور مفہوم اپنایا ہے وہ زیادہ صحیح ہے؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ہبۃ اللہ، الناسخ والمنسوخ میں اس طرف گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ کے لیے ناسخ ہے، کہا: کتاب اللہ میں کوئی ناسخ اس کے سوا منسوخ سے پہلے نہیں (1)۔ اس کی کلام کئی اعتبار سے کمزور ہے۔ سورۂ بقرہ میں متوفی عنہا کی عدت چار ماہ دس دن ہے یہ سال کو منسوخ کرنے والی ہے یہ بھی منسوخ سے پہلے ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَ مَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ، ابْتَغَيْتَ تو نے طلب کیا۔ الابتغاء کا معنی طلب کرنا ہے۔ عَزَلْتَ تو نے اس کو زائل کر دیا۔ العزلہ کا معنی ازالہ کرنا، الگ کرنا ہے، یعنی اگر آپ نے ارادہ کیا کہ آپ اپنے ساتھ اس عورت کو ملائیں جو ان عورتوں میں سے ہے جن کو آپ نے باری سے الگ کر دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ساتھ جمع کرنا چاہتے ہیں تو اس بارے میں آپ پر کوئی حرج نہیں اسی طرح ارجاء کا حکم ہے۔ دونوں طرفوں میں سے ایک دوسرے پر دلالت کرتی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ کوئی جھکاؤ نہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: جنحت السفينة۔

یعنی کشتی زمین کی طرف جھک گئی، یعنی آپ پر ملامت اور توبیخ کا کوئی جھکاؤ نہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: یہ اختیار جو ہم نے آپ کو ان کی صحبت کے بارے میں دیا ہے یہ ان کو راضی کرنے کا زیادہ باعث ہے کیونکہ یہ ہماری جانب سے ہے کیونکہ جب وہ جانیں گی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ احسان ہے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور وہ راضی ہوں گی کیونکہ انسان جب یہ جانے کہ اس کا کسی شے میں کوئی حق نہیں تو اسے جو بھی دیا جائے اس پر راضی ہو جاتا ہے اگرچہ وہ چیز تھوڑی ہی ہو۔ اگر اسے علم ہو کہ یہ اس کا حق ہے تو اسے جو کچھ عطا کیا جائے اس پر قانع نہیں ہوتا۔ اس کی غیرت شدید ہو جاتی ہے اور اس بارے میں اس کا حرص زیادہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آپ کی بیویوں کا معاملہ سپرد کیا یہ ان کی زیادہ رضا کا باعث تھا اور زیادہ آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث تھا جو بھی آپ ان کے لیے کرم نوازی کریں چہ جائیکہ ان کا دل ان سے زیادہ کے ساتھ چمٹا رہے۔

اسے تقر اعینھن تاء کے ضمہ اور اعین کے نصب کے ساتھ بھی قراءت کی گئی ہے۔

اسے مجہول کے صیغہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں برابری کرنے کے لیے اپنے آپ پر سختی کیا کرتے تھے۔ مقصود ان کے دلوں کو پاکیزہ بنانا تھا، جس طرح ہم نے اسے پہلے ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے: ''اے اللہ! یہ میری قدرت ہے جس کا میں مالک ہوں۔ اور مجھے اس کے بارے میں ملامت نہ کر جس کا تو مالک ہے اور میں مالک

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 393

نہیں"(1)۔ مراد دل ہے کیونکہ حضور ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ترجیح دیتے مگر اپنے افعال میں سے کسی فعل میں اس کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔ حضور ﷺ اپنی اس بیماری میں بھی ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاں قیام کی اجازت مانگی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ ﷺ کو ابتداء میں حضرت میمونہ کے ہاں تکلیف ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنی ازواج سے اجازت مانگی کہ آپ بیماری کے دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گزاریں تو انہوں نے آپ ﷺ کو اجازت دے دی۔ صحیح نے اسے نقل کیا ہے(2)۔

صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے: رسول اللہ ﷺ تلاش میں رہتے فرماتے: "آج میں کہاں ہوگا؟ کل میں کہاں ہوگا؟"(3)۔ گویا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دن آنے کو بعید سمجھتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب میرا دن تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح کو میرے پہلو اور میرے سینے کے درمیان قبض کرلیا۔

مسئلہ نمبر 7۔ مرد پر لازم ہے کہ اپنی عورتوں میں ایک دن اور ایک رات کے اعتبار سے مساوات کرے؛ یہ عام علماء کا قول ہے۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ رات کے اعتبار سے واجب ہے دن کے اعتبار سے واجب نہیں عورت کا مرض اور اس کا حیض اس کے حق کو ساقط نہیں کرے گا۔ اس کے دن اور اس کی رات میں اس کے پاس ٹھہرنا لازم ہے مرد پر یہ بھی لازم ہے کہ جس طرح وہ اپنی صحت میں برابری کیا کرتا تھا وہ اپنی حالت مرض میں بھی برابری کرے ہاں جب وہ حرکت سے عاجز آجائے تو وہ وہاں ہی مقیم ہو جائے جہاں اس پر مرض غالب آئی تھی۔ جب صحت مند ہو تو نئے سرے سے باری کا سلسلہ شروع کرے۔ لونڈی بیوی، آزاد بیوی، کتابی بیوی اور مسلمان بیوی اس حق میں برابر ہیں۔ عبدالملک نے کہا: آزاد بیوی کے لیے دو راتیں اور لونڈی بیوی کے لیے ایک رات ہوگی، جہاں تک اپنی لونڈیوں کا تعلق ہے ان میں اور آزاد بیویوں میں کوئی باری نہیں اور اپنی لونڈیوں کا اس میں کوئی حق نہیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ ان سب کو ایک مکان میں جمع نہ کرے مگر ان کی رضامندی کے ساتھ اور ضرورت کے بغیر ایک کی باری میں اس کے دن اور رات میں کسی اور کے ہاں داخل نہ ہو۔ حاجت اور ضرورت کی بنا پر بھی اس کے ہاں جانے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اکثر جواز کے قائل ہیں۔ امام مالک اور دوسرے علماء کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ ابن حبیب کی کتاب میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ ابن بکیر، مالک سے وہ یحییٰ بن سعید سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل کی دو بیویاں تھیں جب ان میں سے ایک کی باری ہوتی تو دوسری بیوی کے گھر سے آپ پانی بھی نہ پیتے تھے۔ ابن بکیر نے کہا: امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کی دو بیویاں تھیں جو طاعون کی مرض میں مبتلا ہو کر مرگئی تھیں تو آپ نے دونوں میں قرعہ اندازی کی کہ جس کے نام قرعہ نکلے گا اسے پہلے دفن کیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 9۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: دونوں میں نفقہ اور کسوہ کے اعتبار سے مساوات کرے جب کہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب النکاح، ماجاء فی تسویۃ بین، جلد 1، صفحہ 136۔ ایضاً، حدیث نمبر 1059۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 1822، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، الغسل والوضوء فی المخضب، جلد 1، صفحہ 32　　3۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فی فضل عائشہ رضی اللہ عنہا، جلد 2، صفحہ 286

وہ سب ایک حال کی ہوں جب ان کی حیثیتیں مختلف ہوں تو یہ چیز لازم نہ ہوگی۔ امام مالک نے اس امر کی اجازت دی ہے کہ لباس میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دے مگر میلان کے طریقہ پر نہ ہو۔ جہاں تک محبت اور بغض کا تعلق ہے تو یہ انسان کے اختیار سے خارج ہیں ان میں عدل واقع نہ ہو سکے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باری معین کرنے کے بارے میں ارشاد کا یہی معنی ہے: ''اے اللہ! جس کا میں مالک ہوں اس میں یہ میرا عمل ہے اور جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں اس میں مجھے ملامت نہ کر'' (1)۔

امام نسائی اور ابو داؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے۔ ابو داؤد کی کتاب میں ہے یعنی دل۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں اشارہ کیا ہے: وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ (النساء: 129) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ یہاں اس کے خصوصی ذکر کرنے کی یہی وجہ ہے۔ اس کی جانب سے ہمیں تنبیہ ہے کہ وہ ذات جانتی ہے کہ ہمارے دلوں میں ہماری عورتوں میں سے بعض کے لیے بعض کی بنسبت جو میلان ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ (آل عمران: 5) يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ (طٰہٰ) لیکن اس بارے میں اس نے درگزر سے کام لیا، کیونکہ بندہ طاقت نہیں رکھتا کہ بندہ اس میلان سے اپنے دل کو پھیر سکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان متوجہ کرتا ہے: وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

اس ارشاد میں یہ بھی ہے ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ یہی دسواں مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ یہ اس کے زیادہ مناسب ہے کہ وہ غمگین نہ ہوں جب وہ ان میں سے کسی کو دوسرے کے ساتھ جمع نہ کرے اور وہ ترجیح اور میلان کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھے۔ ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ''جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے کسی کی طرف مائل ہو جائے تو وہ قیامت کے روز آئے گا جب کہ اس کی ایک جانب جھکی ہوگی'' (2)۔

وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ، كُلُّهُنَّ یہ ضمیر کی تاکید ہے یعنی یرضین کلھن۔ ابو حاتم اور زجاج نے اسے اس مضمر کی تاکید بنانا بھی جائز قرار دیا ہے جو اٰتَيْتَهُنَّ میں ہے۔ فراء اس کو جائز قرار نہیں دیتا کیونکہ معنی اس کی تائید نہیں کرتا کیونکہ معنی ہے ان میں سے ہر ایک راضی ہو۔ اس کا معنی یہ نہیں جو تم نے سب کو عطا کیا ہے۔ نحاس نے کہا: جو کچھ انہوں نے کہا وہ حسن ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ یہ عام خبر ہے اور اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ایک شخص کی محبت ہے دوسرے کی نہیں، اسی طرح اس معنی میں مومن بھی داخل ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جیش ذات سلاسل کا امیر بنا کر بھیجا میں نے عرض کی: لوگوں میں سے کون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: ''حضرت عائشہ صدیقہ'' (3)۔ میں نے عرض کی: مردوں میں؟ فرمایا:

1۔ سنن ابی داود، کتاب النکاح، القسم بین النساء، جلد 1 صفحہ 290۔ ایضاً حدیث نمبر 1822 2۔ ایضاً

3۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، قول النبی لو کنت متخذا خلیلا، جلد 1 صفحہ 517

''ان کا باپ''۔ میں نے عرض کی: پھر کون؟ فرمایا: ''عمر بن خطاب''۔ تو آپ نے چند مردوں کا ذکر کیا۔ سورۂ بقرہ اور اس سورت کے آغاز میں دل کے متعلق اس پر بحث گزر چکی ہے جو اس مسئلہ میں کفایت کر جاتی ہے۔

یہ روایت کی جاتی ہے کہ لقمان حکیم ایک بڑھئی تھے (1) ان کے آقا نے انہیں کہا: ایک بکری ذبح کرو اور ان میں سے جو سب سے پاکیزہ ٹکڑے ہیں وہ لے آؤ تو وہ ان کے پاس زبان اور دل لے آئے۔ پھر آقا نے ایک اور بکری ذبح کرنے کا حکم دیا تو کہا: اس میں سے اس کے دو خبیث ترین جز پھینک دو تو اس نے زبان اور دل کو پھینک دیا۔ آقا نے کہا: میں نے تجھے حکم دیا کہ تو میرے پاس اس میں سے دو پاکیزہ ٹکڑے لے آ تو تو زبان اور دل لے آیا اور میں نے تجھے حکم دیا کہ تو ان میں سے دو ناپسندیدہ چیزیں پھینک دے۔ تو نے دل اور زبان کو پھینکا، لقمان حکیم نے کہا: جب پاکیزہ ہوں تو ان دونوں سے زیادہ کوئی پاکیزہ نہیں اور جب یہ دونوں خبیث ہوں تو ان دونوں سے بڑھ کر کوئی اور خبیث نہیں۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعْدُ وَ لَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾

''حلال نہیں آپ کے لیے دوسری عورتیں اس کے بعد اور نہ اس کی اجازت ہے کہ آپ تبدیل کر لیں ان ازواج سے دوسری بیویاں اگرچہ آپ کو پسند آئے ان کا حسن، بجز کنیزوں کے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء کا اس ارشاد لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعْدُ کی تاویل میں سات اقوال ہیں:

(۱) یہ آیت سنت سے منسوخ ہے اس کی ناسخ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال نہیں ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے عورتوں کو حلال کر دیا (2)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ ایک اور آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔ امام طحاوی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال نہیں ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا کہ آپ عورتوں میں سے جس سے چاہیں شادی کر لیں مگر محرم کے ساتھ شادی نہیں کر سکتے (3)۔ وہ آیت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ، نحاس نے کہا: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس آیت کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اولیٰ ہے۔ نسخ کے بارے میں یہ اور حضرت عائشہ کا قول ایک ہی چیز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ ارادہ کیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعے نکاح کرنا حلال قرار دیا ہو، ساتھ ہی ساتھ یہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عباس، حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہم اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ کوفہ کے بعض فقہاء نے اس سے معارضہ کیا ہے اور کہا: یہ محال ہے کہ یہ آیت تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ۔ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعْدُ کو منسوخ کرے کیونکہ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مصحف میں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 332
2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب، جلد 2، صفحہ 153
3۔ شرح مشکل الآثار، باب ماروی عن عائشہ و سلمۃ، جلد 1، صفحہ 453

پہلے ہے تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے اور اس کے قول کو ترجیح دی جس نے یہ کہا کہ یہ آیت سنت سے منسوخ ہے۔ نحاس نے کہا: یہ معارضہ لازم نہیں آتا اور اس کا قائل غلط ہے، کیونکہ قرآن ایک سورت کے قائم مقام ہے، جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: پورے کا پورا قرآن آسمان دنیا کی طرف رمضان شریف کے مہینے میں نازل ہوا۔ تیرے لیے یہ واضح ہے کہ اس معترض کا اعتراض لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ (البقرہ:240) اہل تاویل کے مطابق منسوخ ہے۔ ہم علماء میں باہم اختلاف سے آگاہ نہیں اس کی ناسخ وہ آیت ہے جو اس سے قبل ہے: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (البقرہ:234)

مسئلہ نمبر 3۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ممنوع کر دیا گیا کہ آپ ان بیویوں کی موجودگی میں کسی اور عورت سے شادی کریں، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دار آخرت کو اپنایا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، حضرت ابن سیرین، ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: ممکن ہے یہ قول اسی طرح ہو پھر منسوخ کر دیا گیا ہو۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب ازواج مطہرات پر حرام کر دیا گیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے شادی کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حرام کر دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے علاوہ کسی سے شادی کریں؛ یہ ابوامامہ بن سہل بن حنیف کا نقطہ نظر ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وہ اصناف جن کا ذکر کر دیا گیا ہے ان کے بعد؛ یہ حضرت ابی بن کعب، عکرمہ اور ابورزین کا نقطہ نظر ہے (1)؛ یہی محمد بن جریری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ جس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اباحت مطلق تھی اس نے کہا: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ سے مراد ہے آپ کے لیے یہودی اور نصرانی عورتوں سے شادی کرنا حلال نہیں (2)۔ یہ ایسی تاویل ہے جس میں بعد ہے۔ مجاہد، سعید بن جبیر اور عکرمہ سے بھی یہی مروی ہے۔ یہ چھٹا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: تاکہ کافرہ مومنوں کی ماں نہ ہو۔ یہ قول بعید ہے کیونکہ اس صورت میں اس کلام کو مقدر ماننا پڑتا ہے۔ من بعد المسلمات یہاں تو مسلمات کا ذکر نہیں، اسی طرح اس نے مقدر کیا: وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ یعنی نہ یہ کہ آپ مسلمان عورت کو طلاق دیں اور اس کے بدلے میں کتابی عورت سے شادی کریں۔

مسئلہ نمبر 6۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ حلال تھا کہ جس سے چاہیں اس سے شادی کریں۔ پھر اسے منسوخ کر دیا گیا۔ کہا: اسی طرح آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام تھے: یہ محمد بن کعب قرظی کا نقطہ نظر ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ ابن زید نے کہا: یہ ایسا عمل تھا جو عرب کہا کرتے تھے عربوں میں سے کوئی کہتا: میری بیوی لے لو اور اپنی بیوی مجھے دے دو۔ دارقطنی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے (3)؛ دور جاہلیت میں بدل یوں ہوتا کہ ایک آدمی دوسرے کو کہتا: انزل لی عن أمراتك وأنزل لك عن أمراتي اور میں کچھ زائد بھی تجھے دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کو نازل فرمایا: وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ کہا: عیینہ بن

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 394　　2۔ ایضاً　　3۔ سنن دارقطنی، جلد 3، صفحہ 218

حصن فزاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں وہ بغیر اجازت کے اندر داخل ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے عیینہ! اجازت کہاں گئی؟'' (تو نے اجازت نہیں لی) اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! جب سے میں بالغ ہوا ہوں میں نے بنو مضر کے کسی فرد سے اجازت نہیں مانگی۔ اس نے عرض کی: یہ آپ کے پہلو میں حمیراء کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ عائشہ ام المومنین ہے''۔ اس نے کہا: افلا أنزل لك عن احسن الخلق کیا میں آپ کو مخلوق میں سے خوبصورت ترین پیش نہ کروں؟ فرمایا: اے عیینہ! اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کر دیا ہے''۔ جب وہ باہر چلا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ کون ہے؟ فرمایا: ''احمق جس کی اطاعت کی جاتی ہے جس طرح تو دیکھ رہی ہے کہ یہ اپنی قوم کا سردار ہے''۔

طبری، نحاس اور دوسرے علماء نے اس کا انکار کیا ہے جس کی ابن زید نے عربوں سے حکایت بیان کی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو باہم بدلا کرتے تھے۔ طبری نے کہا: عربوں نے کبھی بھی ایسا عمل نہیں کیا(1)۔ عیینہ بن حصن کے بارے میں جو روایت نقل کی گئی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں یہ تبدیلی نہیں تھی اور نہ ہی اس نے اس کا ارادہ کیا تھا اس نے حضرت عائشہ صدیقہ کو حقیر جانا کیونکہ آپ بچی تھیں تو اس نے یہ بات کی۔

میں کہتا ہوں: میں نے جو زید بن اسلم کی حدیث ذکر کی ہے کہ وہ عطاء بن یسار سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ دور جاہلیت میں بدل اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے جس کا انکار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مبرد نے کہا: لایحل کو یاء اور تاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے، جس نے تاء کے ساتھ قراءت کی ہے تو وہ عورتوں کی جماعت کے معنی میں ہے، جس نے یاء کے ساتھ قراءت کی تو تمام عورتوں کے معنی میں ہے۔ فراء نے گمان کیا کہا: قراء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ قراءت یا کے ساتھ ہے، یہ غلط ہے۔ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے: قراء کا اتفاق ہے جب کہ ابو عمرو نے تاء کے ساتھ قراءت کی ہے ان سے اس بارے میں کوئی اختلاف مروی نہیں۔

(۳) وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے سبب سے آیت نازل ہوئی (2)۔ جب حضرت جعفر بن ابی طالب کی شہادت پر ان کے حسن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متعجب کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے شادی کا ارادہ کیا۔ یہ حدیث ضعیف ہے؛ یہ قول ابن عربی نے کیا ہے۔

(۴) اس آیت میں دلیل ہے کہ مرد جس عورت سے شادی کا ارادہ کرے وہ اسے دیکھ سکتا ہے حضرت مغیرہ بن شعبہ نے ایک عورت سے شادی کا ارادہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ''اسے دیکھ لے کیونکہ یہ تم دونوں کے درمیان محبت کے دوام کا باعث ہوگا'' (3)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسے دیکھ لے کیونکہ انصار کی آنکھ میں کچھ نقص ہوتا ہے'' (4)۔ صحیح نے اسے نقل کیا ہے۔ حمیدی اور ابو فرج جوزی نے کہا: یعنی پیلی یا نیلی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی آنکھ میں میل

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 394　　2۔ ایضاً
3۔ سنن ترمذی، کتاب النکاح، النظر الی المرأۃ اذا اراد ان یتزوجہا، صفحہ 135　　4۔ صحیح مسلم، باب ندب النظر الی وجہ المرأۃ، جلد 1، صفحہ 456

(کیچڑ) ہوتی ہے۔

(۵) جس عورت کو دعوت نکاح دی جائے اس کو دیکھنے کا حکم مصلحت کے لیے ارشاد کے طریقہ پر ہے جب مرد اسے دیکھے گا تو ممکن ہے اس میں ایسی چیز دیکھے جو اس کے نکاح میں رغبت دلائے۔ جو امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ امر ارشاد کے طریقہ پر ہے وہ وہ روایت ہے جسے ابوداؤد نے ذکر کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ''تم میں جب کوئی کسی عورت کو دعوت نکاح دے اگر اس کے لیے ممکن ہو کہ عورت کی ایسی خصلت دیکھے جو اسے اس کے ساتھ نکاح پر راغب کرے تو وہ ایسا کرے'' (1)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: فان استطاع فیفعل اس قسم کا قول واجب کے بارے میں نہیں کیا جاتا۔

یہی بات جمہور فقہاء، امام مالک، امام شافعی، کوفہ کے فقہاء، دوسرے فقہاء اور اہل الظاہر نے کی ہے۔ ایک قوم نے اسے ناپسند کیا ہے۔ ان کے قول کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ احادیث صحیحہ میں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ سہل بن حثمہ نے کہا: میں نے محمد بن مسلمہ کو دیکھا جو ثبیتہ بنت ضحاک کو مدینہ طیبہ کی بلند جگہوں سے ایک جگہ سے تاڑ رہے تھے (2) میں نے انہیں کہا: کیا آپ اس طرح کرتے ہیں، انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں کسی عورت کو دعوت نکاح کا خیال ڈالے تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ اسے دیکھے'' (3)۔ اجار کا معنی چھت یا بلند جگہ ہے، یہ اہل شام اور اہل حجاز کی لغت ہے۔ ابوعبید نے کہا: اجار کی جمع اجاجیر اور اجاجرہ ہے۔

(۶) کس حصہ کو دیکھے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا: اس کے چہرہ اور اس کی ہتھیلیوں کو دیکھے، اس کی اجازت کے بغیر اسے نہ دیکھے۔ امام شافعی اور امام احمد نے کہا: اس کی اجازت اور بغیر اجازت کے دیکھے جب وہ پردہ میں ہو۔ اوزاعی نے کہا: وہ اسے دیکھے، وہ کوشش کرے اور اس کے گوشت والی جگہوں کو دیکھے۔ داؤد نے کہا: اس کے تمام جسم کو دیکھے۔ وہ لفظ کے ظاہر سے تمسک کرتے ہیں۔ شریعت کے اصول اس پر اس امر کو رد کرتے ہیں کیونکہ پردہ کی جگہوں پر آگاہی حاصل کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(۷) اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ علماء نے اس معاملہ میں اختلاف کیا ہے کہ کیا کافرہ لونڈی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حلال ہے؟ اس کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) وہ حلال ہے کیونکہ یہ ارشاد: اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ عام ہے؛ یہ مجاہد، سعید بن جبیر، عطا اور حکم کا قول ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ اس سے مراد ہے غیر مسلم عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں، جہاں تک یہودی، نصرانی اور مشرک عورتوں کا تعلق ہے وہ آپ پر حرام ہیں یعنی آپ کے لیے حلال نہیں کہ آپ کافرہ سے شادی کریں تو وہ مومنوں کی ماں بن جائے، اگرچہ اس کا حسن آپ کو خوش کرے مگر جو آپ کی مملوکہ ہو کیونکہ ایسی عورت کے ساتھ خواہش کرنا جائز ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، فی الرجل ینظر الی المرأۃ، جلد 1، صفحہ 284
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 394
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، النظر الی المرأۃ اذا، صفحہ 135

(۴) یہ حلال نہیں تاکہ آپ کی اس امر میں پاکیزگی بیان کی جائے کہ آپ کافرہ کے ساتھ مباشرت کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (الممتحنہ: 10) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ کیسے جائز ہوگا: اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ میں ما محل رفع میں ہے یہ النساء سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ استثناء کے طریقہ پر محل نصب میں ہو، اس میں ضعف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر یہ ہو تقدیر کلام یہ ہوگی إلا ملك يمينك ملک یہ ملوک کے معنی میں ہے۔ یہ محل نصب میں ہے کیونکہ یہ اس چیز سے استثناء ہے جو ماقبل کی جنس سے نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ؗ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾

''اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھروں میں بجز اس (صورت) کے کہ تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے۔ اور نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کے لیے باتیں شروع کر دیا کرو تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کے لیے تکلیف کا باعث بنتی ہیں۔ پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں (اور چپ رہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کسی کا شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو پس پردہ ہو کر، یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لیے نیز ان کے دلوں کے لیے، اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی، بے شک ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ عظیم ہے''۔

اس میں سولہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ، ان محل نصب میں ہے۔ یہ اس معنی میں ہے اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ یعنی جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے یہ استثناء اول یعنی بیوت النبی سے نہیں (بلکہ لَا تَدْخُلُوْا کی ضمیر سے ہے)۔ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ غیر یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی تم اس حال میں داخل نہ ہو۔ غیر میں جر طعام کی صفت ہونے کے اعتبار سے درست نہیں کیونکہ اگر یہ نعت ہوتی تو فاعل کا ظاہر کرنا ضروری تھا تو ارشاد ہوتا: غیر ناظرین اناہ انتم اسی کی مثل علم نحو میں ہے هذا رجل مع رجل ملازم له اگر تو چاہے تو کہے: هذا رجل مع رجل ملازم له هو۔

یہ آیت دو قصوں کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے: (۱) کھانے اور بیٹھنے کے آداب (۲) حجاب کا حکم۔ حماد بن زید نے کہا: یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آپ کو پریشان کیا تھا۔ پہلا قصہ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ ہے، اس کا سبب یہ تھا کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب بنت جحش جو حضرت زید کی مطلقہ تھیں سے شادی کی تو اس پر دعوت ولیمہ کی۔ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلایا، جب وہ کھانا کھا چکے تو ان میں سے کچھ لوگ مختلف حلقے بنا کر بیٹھ گئے اور رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں باتیں کرنے لگے جب کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ اپنا منہ دیوار کی طرف کیے ہوئے تھی۔ انہوں نے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کر دیا۔ حضرت انس نے کہا: میں نہیں جانتا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ لوگ جا چکے ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی۔ کہا: آپ چلے یہاں تک کہ گھر میں داخل ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ داخل ہونے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور حجاب کا حکم نازل ہوا (1)۔ کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نصیحت کی جن امور کے ساتھ نصیحت کی جاتی تھی تو الله تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ ۙ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ ۫ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا ﴿۵۳﴾ اسے صحیح نے نقل کیا ہے۔ قتادہ اور مقاتل نے کتاب الثعلبی میں کہا: یہ واقعہ حضرت ام سلمہ کے گھر میں واقع ہوا (2) جب کہ پہلا قول صحیح ہے جس طرح صحیح نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت مومنوں میں سے چند افراد کے بارے میں نازل ہوئی (3)، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے وقت کا انتظار کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا شروع کرنے سے قبل گھر میں داخل ہو جاتے وہ بیٹھ جاتے یہاں تک کہ آپ کھانا پاتے، پھر کھاتے اور گھر سے نہیں نکلتے تھے۔ اسماعیل بن حکیم نے کہا: یہ ادب ہے الله تعالیٰ نے لوگوں کو سکھایا جو پریشانی کا باعث بنا کرتے (4)۔ ابن ابی عائشہ نے کتاب الثعلبی میں کہا: ثقلاء (پریشانی کا باعث بننے والے) کے لیے یہی کافی ہے کہ شرع نے انہیں برداشت نہیں کیا (5)۔

جہاں تک حجاب کے قصہ کا تعلق ہے تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے کہا: اس کا سبب زینب کا ابھی گزرنے والا واقعہ ہے (6)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ایک جماعت نے کہا: اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عرض کی: یا رسول الله! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی ازواج مطہرات کے ہاں نیک اور برے لوگ آتے ہیں۔ کاش! آپ انہیں حجاب کا حکم دیتے، تو یہ آیت نازل ہوئی (7)۔

صحیح نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے اپنے رب سے تین امور میں موافقت کی ہے (8)۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، زوج زینب بنت جحش، جلد 1، صفحہ 461
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 395
3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً
7۔ تفسیر طبری، جز 22، صفحہ 48
8۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، ما جاء فی القبلۃ، جلد 1، صفحہ 58

مقام ابراہیم، حجاب اور بدر کے قیدیوں میں۔ حجاب کے بارے میں جو بھی اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے یہ صحیح ترین ہے۔ ان دو اقوال کے علاوہ جتنے بھی اقوال ہیں سب کے سب کمزور ہیں، کوئی بھی اصل پر قائم نہیں۔ ان میں سے کمزور ترین وہ روایت ہے جو حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو حجاب کا حکم دیا، تو حضرت زینب بنت جحش نے کہا: اے ابن خطاب! تم ہمارے بارے میں غیرت کھاتے ہو جب کہ ہمارے گھروں میں وحی نازل ہوتی ہے (1)، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ یہ روایت باطل ہے کیونکہ حجاب کا حکم اس روز نازل ہوا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب کو حرم میں داخل کیا۔ جس طرح ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور دوسرے علماء نے اسے نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھا رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چند صحابہ بھی کھانا کھا رہے تھے۔ ان صحابہ میں سے ایک کا ہاتھ حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاتھ کو جا لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ناپسند کیا تو یہ آیت حجاب نازل ہوئی (2)۔

ابن عطیہ نے کہا: قوم کا معمول یہ تھا جب ان کے لیے دعوت ولیمہ یا اس طرح کی کوئی دعوت ہوتی جو چاہتا جلدی پہنچ جاتا وہ کھانا پکنے کا انتظار کرتا (3)، اسی طرح جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اسی طرح بیٹھے رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں مومنوں کو اس قسم کا طرز عمل اپنانے سے منع کیا۔ اسی نہی میں سارے مومن داخل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جو ادب سکھایا وہ تمام لوگوں کو لازم ہو گیا۔ انہیں گھر میں داخل ہونے سے منع کر دیا مگر کھانے کے وقت جب اجازت دی جائے، نہ کہ اس سے قبل کہ تم کھانا پکنے کا انتظار کرو۔

مسئلہ نمبر 2۔ بُيُوْتَ النَّبِيِّ یہ اس امر پر دلیل ہے کہ بیت مرد کا ہوتا ہے۔ اور اس کا اسی کے حکم میں فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیت کی نسبت مرد کی طرف کی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝ ہم کہیں گے: بیوت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت ملکیت کے اعتبار سے ہے اور بیوت کی ازواج کی طرف نسبت محل کے اعتبار سے ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اجازت دینے کا اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا گیا ہے، اجازت دینے کا حق مالک کو ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں کے بارے میں اختلاف ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل اس میں مقیم تھے کیا یہ گھر ان اہل کی ملکیت ہوں گے یا ملکیت نہیں ہوں گے؟ اس کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) ایک طائفہ کا قول ہے: یہ گھر ان ازواج مطہرات کی ملکیت ہوں گے، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ ازواج مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اپنی وفات تک ان میں سکونت پذیر رہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہ گھر اپنی حیات میں عطا کر دیئے تھے۔ (۲) یہ صرف رہائش رکھنے کے لیے تھے جس طرح کوئی آدمی اپنے گھر والوں کو اس میں رکھتا ہے، یہ ہبہ نہیں ہوتے، موت تک ان کی رہائش ان گھروں میں ہی رہی (4)؛ یہ ہی صحیح قول ہے۔ یہی وہ قول ہے جسے

1۔ تفسیر طبری، جز 22، صفحہ 47 2۔ ایضاً 3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 395 4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1575

ابوعمر بن عبدالبر، ابن عربی اور دوسرے علماء نے پسند کیا ہے، کیونکہ ان کی ذمہ داریوں میں سے ایسی ذمہ داری تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی استثناء کردی تھی، جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نفقات کو مستثنیٰ کر دیا تھا جب فرمایا: ''میرے ورثاء، میرے ورثہ کو دینار اور درہم کی صورت میں تقسیم نہیں کریں گے جو کچھ میں نے چھوڑا ہے وہ میرے اہل کے نفقہ اور عامل کی مزدوری کے بعد صدقہ ہے''(1)۔ اہل علم نے اسی طرح کہا ہے۔ انہوں نے کہا: اس پر یہ امر بھی دلالت کرتا ہے کہ ان گھروں کے مالک ان ازواج مطہرات کے وارث مالک نہیں بنے تھے۔ انہوں نے کہا: اگر یہ گھر ان ازواج مطہرات کی ملکیت ہوتے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ازواج مطہرات کے ورثاء ان گھروں کے مالک بھی ہوتے۔ علماء نے کہا: جب ان کے وارثوں نے ان گھروں کو چھوڑ دیا تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ ان کی ملکیت نہ تھی۔ یہ صرف ایسے گھر تھے جن میں وہ اپنی زندگی تک رہائش رکھ سکتی تھیں۔ جب ان کا وصال ہو گیا تو ان گھروں کو مسجد میں شامل کر لیا گیا جس مسجد کا نفع تمام مسلمانوں کو حاصل ہے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے جسے ان کے نفقہ کے لیے مختص کیا گیا تھا جب ان ازواج کا وصال ہو گیا تو اسے واپس اصل مال میں شامل کر لیا گیا اور تمام مسلمانوں کے منافع کے لیے اسے صرف کیا گیا جس کا نفع تمام کو عام تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وہ اس کھانے کے پکنے کا انتظار نہ کر رہے ہوں۔ اناہ الف مقصورہ کے ساتھ ہے اس میں کئی لغتیں ہیں۔ انی ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ۔ شیبانی نے کہا:

وكِسْرى إذ تقسمه بَنُوه بأسياف كما اقْتُسِم اللِّحام

تمخضت المنون له بيوم أَنَى ولكل حاملة تمام

کسریٰ، جب اس کے بیٹوں نے اس کی بادشاہت کو تلواروں سے تقسیم کیا جس طرح گوشت تقسیم کیا جاتا ہے لوگوں نے اسے اس دن کے قریب کر دیا جو پہنچنے والا تھا اور ہر حاملہ کے لیے مکمل تھا۔

ابن ابی عبلہ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ طعام کی صفت بناتے ہوئے غیر کو مجرور پڑھا ہے۔ زمخشری نے کہا: یہ توجیہ درست نہیں کیونکہ یہ صفت غیر حقیقی ہے۔ حقیقت میں یہ جس کی طرف منسوب ہے اس ضمیر کا لفظوں میں ظاہر ہونا ضروری ہے تو پھر کہا جاتا: غیر ناظرین اناہ انتم جس طرح تیرا قول ہے: هند زيد ضاربته هي۔ انی ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اور اناء ہمزہ کے فتحہ اور الف ممدودہ کے ساتھ بھی ہے۔ حطیئہ نے کہا:

وآخَرت العَشاء إلى سُهَيْل أوالشِّعْرَى فطال بِيَ الإناءُ

رات کے کھانے کو سہیل ستارہ یا شعریٰ ستارہ کے طلوع ہونے تک مؤخر کیا گیا پس میرا فارغ ہونا طویل ہو گیا۔

مراد سہیل ستارہ کا طلوع ہونا ہے۔ انا یہ أنى الشئ يأنى کا مصدر ہے جب وہ فارغ ہو جائے اس کا وقت ہو جائے اور پالے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا منع کرنے کو مؤکد کیا اور دخول کے وقت کو خاص کیا کہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، نفقۃ القیم للوقف، جلد 1، صفحہ 389

یہ اجازت کے ساتھ ہونا چاہیے اور ادب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور اس حاضری کو ناپسندیدہ طوالت سے بچایا جائے۔ ابن عربی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے، لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے اور تمہیں داخل ہونے کی دعوت دی جائے تو داخل ہو جاؤ ورنہ صرف دعوت داخل ہونے کے لیے کافی اجازت نہیں۔ اذا کے جواب میں فاء ضروری ہے کیونکہ اس میں جزا کا معنی موجود ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کھانا کھانے کے بعد سب الگ الگ ہو جائیں اور منتشر ہو جائیں۔ مراد یہ ہے کہ جب کھانے کا مقصود پورا ہو جائے تو گھر سے نکل آنا ان پر لازم ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ داخل ہونا حرام ہے۔ داخل ہونا صرف اس وقت جائز تھا جب کھانا کھانا ہو۔ جب کھانا ختم ہو چکا تو اس کو مباح کرنے والا سبب زائل ہو گیا اور حرمت اپنے اصل کی طرف لوٹ آئی۔

مسئلہ نمبر 6۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مہمان میزبان کی ملکیت کی بنا پر کھانا کھاتا ہے وہ کھانا اپنی ملکیت ہوتے ہوئے نہیں کھاتا کیونکہ فرمایا: فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا اس مہمان کے لیے کھانے کے سوا کچھ نہیں اور کھانے کو ان کی طرف مضاف نہیں کیا اور ملکیت اپنے اصل پر باقی رہی۔

مسئلہ نمبر 7۔ وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اس کا عطف غَیْرَ نٰظِرِیْنَ پر ہے۔ غیر، لکم ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہو گی غیر ناظرین ولا مستانسین یعنی مقصود یہ ہے بات چیت میں دل چسپی رکھتے ہوئے وہاں نہ رک جائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ نے حضرت زینب کے ولیمہ میں کیا تھا۔

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ ٘ وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ یعنی حق کے بیان اور اس کے اظہار سے نہیں رہتا۔ جب یہ رکنا انسان سے حیا کی بنا پر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس علت کی نفی کر دی جو انسان میں اس کا سبب تھی۔ صحیح میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ام سلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ حق سے حیا نہیں کرتا، جب عورت کو احتلام ہو تو کیا اس پر غسل کرنا لازم ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب وہ پانی دیکھے'' (1)۔

مسئلہ نمبر 8۔ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا ابو داؤد طیالسی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے چار امور میں اپنے رب سے موافقت کی ہے (2)۔ اس میں ہے میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کاش آپ اپنی ازواج پر حجاب کو لازم کر لیں، کیونکہ ان کے پاس نیک اور بدکار داخل ہوتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ سامان کے بارے میں سوال کرنے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایسی چیز جس کو عام طور پر لیا جاتا ہے۔ ایک قول کیا گیا: فتویٰ پوچھا جا سکتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: قرآن کا صحیفہ مانگا جا سکتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ اجازت ان تمام چیزوں کے بارے میں ہے جس کا مطالبہ کیا جاتا ہے خواہ وہ روزمرہ ضرورت کی چیز ہو یا دین و دنیا کے منافع کی چیز ہو۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ ضرورت کے وقت پردہ کے پیچھے سے ان

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، وجوب الغسل، جلد 1، صفحہ 146
2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ احزاب، جلد 2، صفحہ 706

سے سوال کیا جا سکتا ہے یا ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جا سکتا ہے۔ اس میں معنوی اعتبار سے تمام عورتیں داخل ہیں اور اصل شریعہ جس چیز کو اپنے ضمن میں لیے ہو اس اعتبار سے بھی تمام عورتیں شامل ہیں کہ عورت کا تمام بدن پردہ کرنے کا محل ہے۔ اس کا بدن اور اس کی آواز بھی، جس طرح پہلے گزر چکا ہے ضرورت کے بغیر اس کا ظاہر کرنا جائز نہیں جس طرح اس پر گواہی دینی ہو یا اس کے جسم میں کوئی بیماری ہو یا کوئی سوال جو عارض آ جائے اور اس کے ہاں متعین ہو جائے۔

مسئلہ نمبر 10۔ بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے پردہ کے پیچھے سے چیز لے سکتے ہیں کیونکہ اکمی (نابینا) کی شہادت جائز ہے اور نابینا آدمی اپنی بیوی سے وطی کرتا ہے محض اس کی گفتگو سے پہچان کر لیتا ہے۔ اور اکثر علماء نے نابینا کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور دوسرے علماء نے اسے جائز قرار نہیں دیا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: نسب میں شہادت جائز ہے۔ امام شافعی نے کہا: نابینا کی شہادت نہیں مگر اس کے بارے میں جس کو اس نے نظر جانے سے پہلے دیکھا ہو۔

مسئلہ نمبر 11۔ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ اس سے ان وساوس کا ارادہ کیا ہے جو مردوں کے دلوں میں عورتوں کے متعلق لاحق ہوتے ہیں اور عورتوں کے دلوں میں مردوں کے متعلق لاحق ہوتے ہیں۔ یہ شک کی زیادہ نفی کرنے والا، تہمت کو زیادہ دور کرنے والا اور حفاظت میں زیادہ قوی ہے۔ یہ اس امر پر دال ہے کہ کسی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ خلوت میں اپنی ذات پر اعتماد کرے جو عورت اس کے لیے حلال نہیں، کیونکہ ایسی عورت سے الگ تھلگ رہنا اس کی حالت کے لیے زیادہ اچھا، اس کے نفس کے لیے زیادہ حفاظت کرنے والا اور اس کی عصمت کے لیے زیادہ مکمل ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ یہ علت کا تکرار ہے اور اس کے حکم کی تاکید ہے۔ علت کو مؤکد کرنا احکام میں زیادہ قوت کا باعث ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اسماعیل بن اسحاق، محمد بن عبید سے وہ محمد بن ثور سے وہ معمر سے وہ قتادہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کروں گا، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت اور وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ کو نازل کیا۔ قشیری ابونصر عبدالرحمٰن نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قریش کے دس سرداروں میں سے ایک نے دل میں کہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حراء پر تھے: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں حضرت عائشہ سے نکاح کروں گا کیونکہ وہ میری چچا زاد ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ تھے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ آدمی اس پر شرمندہ ہوا جو اس کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا۔ وہ پیدل مکہ مکرمہ کی طرف گیا اور جہاد میں دس مجاہدین کو گھوڑے پر سوار کیا، ایک غلام کو آزاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی خطا کو بخش دیا۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ روایت کی گئی ہے (2) کہ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی کہ کسی صحابی نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو میں

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 483 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 396

حضرت عائشہ صدیقہ سے عقد نکاح کروں گا۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو رسول اللہ ﷺ کو اس سے اذیت پہنچی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صحابی کا کنایۃً ذکر کیا ہے۔ مکی نے معمر سے روایت نقل کی ہے کہ وہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ تھے۔

میں کہتا ہوں: نحاس نے معمر سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد حضرت طلحہ تھے، یہ صحیح نہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ حضرت ابن عباس کا بھلا کرے (1)۔ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت طلحہ بن عبیداللہ مراد لینا صحیح نہیں۔ ہمارے شیخ ابوالعباس نے کہا: یہ قول بعض فاضل صحابہ سے مروی ہے، ان فاضل صحابہ سے ایسی بات واقع ہونا بہت ہی بعید ہے اور اس کا نقل کرنا سراسر جھوٹ ہے۔ اس قسم کا قول منافق اور جاہل ہی کر سکتا ہے۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک منافق نے کہا جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسلمہ کے بعد حضرت ام سلمہ سے شادی کی اور خنیس بن حذافہ کے بعد حضرت حفصہ سے شادی کی: حضرت محمد ﷺ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ہماری عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں اللہ کی قسم! اگر آپ کا وصال ہوا تو ہم بھی آپ کی ازواج سے شادیاں کریں گے۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اور ان کو ماں کا حکم دے دیا (2)۔ یہ حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے مقصد آپ کی شرافت کو ممتاز کرنا اور آپ کے مرتبہ پر آگاہ کرنا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: وہ ازواج مطہرات جو اس وقت آپ ﷺ کے عقد نکاح میں تھیں جب حضور ﷺ کا وصال ہوا ان کے ساتھ نکاح کرنا کسی کے لیے بھی حلال نہیں، کیونکہ جنت میں بھی یہی آپ کی بیویاں ہیں۔ بے شک جنت میں ایک عورت اس کی بیوی ہوگی دنیا میں جس آخری مرد کے ساتھ اس کا نکاح ہوا تھا۔ حضرت حذیفہ نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تجھے یہ بات خوش کرے تو جنت میں بھی میری بیوی ہو اگر اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں جمع کرے تو میرے بعد کسی سے عقد نکاح نہ کرنا کیونکہ عورت اپنے آخری خاوند کے ساتھ ہوگی (3) ہم علماء کی جو اس بارے میں آراء ہیں وہ کتاب ''التذکرہ'' میں جنت کے ابواب میں ذکر کر چکے ہیں۔

مسئلہ نمبر 14۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کیا آپ کی بیویاں رہی ہیں یا موت کے ساتھ نکاح زائل ہو چکا ہے؟ جب موت کے ساتھ نکاح زائل ہو گیا کیا ان پر عدت ہوگی یا عدت نہیں ہوگی؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر عدت ہوگی، کیونکہ حضور ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت یہ آپ کے عقد میں تھیں اور عدت عبادت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر کوئی عدت نہیں۔ عدت انتظار کی مدت ہوتی ہے عورت کے مباح ہونے کے لیے اس کا انتظار کیا جاتا ہے، یہی صحیح قول ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو میں نے چھوڑا ہے وہ میرے بعد میرے اہل وعیال کا نفقہ ہے'' (4)۔ عیال کے لیے اہل کا لفظ بھی مذکور ہے۔ یہ لفظ زوجیت کے ساتھ خاص ہے۔ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات کی زندگی تک ان کے لیے نفقہ اور سکنی باقی رکھا ہے، کیونکہ یہ تو قطعی بات ہے کہ یہ آخرت میں حضور ﷺ کی بیویاں ہیں باقی ماندہ لوگوں کا معاملہ مختلف ہے، کیونکہ کوئی آدمی یہ نہیں جانتا کہ وہ اپنے اہل کے ساتھ ایک ہی گھر میں ہوں گے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک جنت میں ہو اور دوسرا جہنم میں ہو تمام مخلوق کے حق میں یہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 396　2۔ ایضاً
3۔ التذکرہ، اذا ابتکر الرجل امرأۃ، جلد 2، صفحہ 640　4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1580

سبب منقطع ہو چکا ہے اور نبی کریم ﷺ کے حق میں یہ سبب باقی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دنیا میں جو میری بیویاں ہیں وہ آخرت میں بھی میری بیویاں ہیں'' (1)۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر سبب اور نسب ختم ہو جائے گا مگر میرا سبب اور نسب باقی رہے گا کیونکہ یہ قیامت تک باقی ہے'' (2)۔

فرع: جہاں تک ان ازواج کا تعلق ہے جن سے حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی جدائی اختیار کر لی تھی جیسے کلبیہ اور دوسری عورتیں کیا کسی اور کے لیے ان سے نکاح کرنا جائز ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ روایت کی گئی ہے کہ کلبیہ سے رسول اللہ ﷺ نے علیحدگی اختیار کی تھی تو حضرت عکرمہ بن ابی جہل نے اس سے شادی کی جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اشعث بن قیس کندی نے اس سے شادی کی۔ قاضی ابوطیب نے کہا: اس سے مہاجر بن ابی امیہ نے شادی کی اور اس کا کسی نے انکار نہیں کیا جو اس بات پر دال ہے کہ یہ اجماع ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا یعنی رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینا اور آپ کی بیویوں سے نکاح کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم ہے۔ اسے گناہ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے اور اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔

مسئلہ نمبر 16۔ ہم حضرت انس کی حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے حجاب کے نزول کا سبب بیان کر چکے ہیں۔ حضرت عمر، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کرتے جب وہ باہر نکلتیں جب کہ وہ طویل قد کی تھیں: اے سودہ! ہم نے آپ کو دیکھ لیا ہے (3)۔ آپ یہ بات اس امر کے حریص ہونے کے لیے کرتے کہ حجاب کا حکم نازل ہو تو اللہ تعالیٰ نے حجاب کا حکم نازل کر دیا۔ یہ بات حقیقت سے کوئی بعید نہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے یہ سب اسباب ہوں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے مگر حضرت زینب بنت جحش کا وصال ہوا تو حضرت عمر نے فرمایا: اس کے جنازہ میں ذو محرم کے علاوہ کوئی حاضر نہ ہو (4)۔ مقصود اس حجاب کو ملحوظ خاطر رکھنا تھا جن کی وجہ سے حجاب کا حکم نازل ہوا تھا۔ حضرت اسماء بنت عمیس نے حضرت عمر کی رہنمائی کی کہ ان کی چارپائی پر قبہ نما پردہ ڈالا جائے اور حضرت عمر کو یہ بھی بتایا کہ آپ نے حبشہ کے علاقہ میں اسے دیکھا تھا تو حضرت عمر نے ایسا ہی کیا۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو نبی کریم ﷺ کی بیٹی تھیں ان کے جنازہ میں بھی ایسا ہی کیا گیا۔

اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾

''چاہے تم کسی بات کو ظاہر کر دو یا اسے چھپاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو ظاہر ہے یا مخفی ہے۔ وہ اسے بھی جانتا ہے جو ہو چکا ہے اور جو ابھی تک واقع نہیں ہوا۔ اس پر کوئی گزرا ہوا مخفی نہیں اور نہ آنے والا مستقبل مخفی ہے۔ یہ اپنے عموم پر ہے اس کے ساتھ اس کی مدح کی جا رہی ہے وہ مدح اور حمد کا مستحق ہے۔ یہاں اس سے مراد توبیخ اور اس کے لیے وعید ہے جس کی سابقہ آیت میں اشارۃً بات کی گئی تھی۔ وہ ان

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 374　　2۔ المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، جلد 3، صفحہ 153، حدیث نمبر 282

3۔ صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، آیۃ الحجاب، جلد 2، صفحہ 922

4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 396

لوگوں میں سے تھا جس کی طرف اس آیت کے ساتھ اشارہ کیا گیا تھا: ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ اور جس کی طرف اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا تھا: وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا انہیں اس آیت میں فرمایا: اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو وہ اعتقادات ہوں اور دل میں جو ناپسندیدہ وساوس ہوں اوران پر تمہیں بدلہ عطا فرمائے گا۔ یہ آیت ماقبل آیت سے منقطع ہے اور اس کے لیے بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَیْهِنَّ فِیْۤ اٰبَآىِٕهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَ لَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَ لَا نِسَآىِٕهِنَّ وَ لَا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ ۚ وَ اتَّقِیْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۵۵﴾

"کوئی حرج نہیں ان پر اگر ان کے ہاں آئیں ان کے باپ، ان کے بیٹے، ان کے بھائی، ان کے بھتیجے اور ان کے بھانجے اسی طرح مسلمان عورتوں اور لونڈیوں کی آمد و رفت پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ (اے عورتو!) ڈرا کرو اللہ (کی نافرمانی) سے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ جب حجاب والی آیت نازل ہوئی تو آباء، ابناء اور قریبی رشتہ داروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: ہم بھی ان سے حجاب کے پیچھے سے بات کریں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان افراد کا ذکر کیا ہے جن کے سامنے عورت ظاہر ہو سکتی ہے چچا اور ماموں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ دونوں والدین کے قائم مقام ہیں۔ چچا کو بھی اب کہہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ (البقرہ:133) حضرت اسماعیل علیہ السلام کے چچا تھے۔ زجاج نے کہا: چچا اور ماموں بعض اوقات اپنی اولاد کے سامنے عورت کی صفت بیان کرتے ہیں، کیونکہ عورت چچا زاد اور ماموں زاد بھائی کے لیے حلال ہوتی ہے اسی وجہ سے دونوں کے لیے دیکھنا مکروہ ہے۔ امام شعبی اور عکرمہ نے اسے ناپسند کیا ہے کہ عورت اپنی اوڑھنی اپنے چچا اور ماموں کے ہاں اتارے۔ یہاں بعض محارم کا ذکر کیا اور سورۂ نور میں تمام محارم کا ذکر کیا(1)۔ یہ آیت اس آیت کا بعض ہے۔ وہاں مفصل گفتگو گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

مسئلہ نمبر 3۔ وَ اتَّقِیْنَ اللّٰهَ جب اللہ تعالیٰ نے ان اقسام میں رخصت عطا فرمائی اور اباحت قطعی ہو گئی تو تقویٰ کے امر کو ان پر عطف کیا جس طرح جملہ کا عطف جملہ پر ہوتا ہے یہ آیت حد درجہ کی بلاغت اور ایجاز میں ہے۔ گویا فرمایا: اسی پر اپنے آپ کو محدود کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس میں ڈرو کہ تم کسی اور کی طرف تجاوز کرو۔ عورتوں کا خصوصی ذکر کیا اور اس امر میں ان کی تعیین کی کیونکہ وہ کم تحفظ کرتی ہیں اور ان کی اوڑھنیاں اکثر ڈھلک جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ پھر اس ارشاد کے ساتھ دھمکی دی: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 397

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب و محبت سے) سلام عرض کیا کرو''۔

یہ ایسی آیت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور آپ کی موت کی حالت میں بھی شرف بخشا۔ اللہ کی بارگاہ میں آپ کا جو مقام و مرتبہ ہے اس کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ ہر اس آدمی کے برے فعل سے پاکیزہ بنا دیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی سوچ اپنائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں بری سوچ اپنائی یا اس طرح کا کوئی معاملہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف جب لفظ صلاۃ کی نسبت کی جائے تو اس سے مراد اس کی رحمت اور رضا ہے، فرشتوں کی طرف جب نسبت ہو تو مراد دعا اور استغفار ہے اور امت کی جانب سے ہو تو دعا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی تعظیم ہے۔

مسئلہ: يُصَلُّوْنَ کی ضمیر کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ ایک فرقہ کا خیال ہے: اس میں ضمیر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے لیے ہے(1)۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قول ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے فرشتوں کو شرف بخشا ہے۔ خطیب کے قول میں جو اعتراض ہے وہ اسے لاحق نہیں ہوتا۔ خطیب نے کہا تھا: من یطع اللہ و رسولہ فقد رشد و من یعصھما فقد غوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''تو کتنا برا خطیب ہے (2)، تو کہہ: و من یعص اللہ و رسولہ'' اسے صحیح نے نقل کیا ہے۔ علماء نے کہا: کسی ایک کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ایک ضمیر میں غیر کے ساتھ جمع کرے اور اللہ تعالیٰ جیسے چاہے کرے۔

ایک جماعت نے کہا: کلام میں حذف ہے۔ اس کی تقدیر ہے: ان اللہ یصلی و ملائکتہ یصلون آیت میں ضمیر کا اجتماع نہیں انسان کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معنی کی بنا پر بئس الخطیب انت نہیں فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ اس لیے فرمایا کیونکہ خطیب نے و من یعصھما پر سکتہ کیا تھا۔ انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا جسے ابو داؤد نے حضرت عدی بن حاتم سے روایت نقل کی ہے کہ ایک خطیب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں خطبہ دیا۔ اس نے کہا: من یطع اللہ و رسولہ و من یعصھما فرمایا یا کہا: ''جا تو کتنا برا خطیب ہے''(3) مگر یہ احتمال رکھتا ہے کہ جب اس نے وقفہ میں خطا کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: بئس الخطیب اس کے بعد اس کی تمام کلام کی اصلاح کی، فرمایا: کہہ و من یعص اللہ و رسولہ۔ جس طرح مسلم کی کتاب میں ہے۔ یہ پہلے قول کی تائید کرتی ہے کہ اس نے و من یعصھما پر وقف نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھا و ملائکتہ یعنی رفع کے ساتھ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا عطف ان کے داخل ہونے سے پہلے لفظ اللہ اسم

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 397　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، فی ایجاز الخطبہ، جلد 1، صفحہ 286

3۔ سنن ابی داؤد، باب الرجل یخطب علی قوس، حدیث نمبر 925، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جلالت کے محل کے اعتبار سے ہے۔ جمہور نے اسے نصب دی ہے اس کا عطف لفظ اللہ اسم جلالت پر ہے جو مکتوب ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں دوسرے انبیاء کے بارے میں ایسا حکم نہیں مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت کو ظاہر کرنا تھا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں زندگی میں ایک دفعہ درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ اور ہر لحہ ایسے واجبات میں سے ہے جو سنن مؤکدہ کی طرح واجب ہو۔ جس کے ترک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اور اس سے غافل نہیں ہوتا مگر وہی شخص جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ زمخشری نے کہا: اگر تو کہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب ہے یا مستحب؟ میں جواب دوں گا: واجب۔ اس کے وجوب کے حال میں اختلاف ہے۔ ان میں سے کچھ علماء تو ایسے ہیں جو اس کو واجب قرار دیتے ہیں جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''جس کے ہاں میرا ذکر کیا گیا تو اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمتوں سے دور کرے'' (1)۔ یہ روایت کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی گئی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کے بارے میں بتائیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ پوشیدہ علم میں سے ہے اگر تم مجھ سے اس بارے میں سوال نہ کرتے میں تمہیں اس کے بارے میں نہ بتاتا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دو فرشتے مقرر کیے ہیں کسی مسلمان کے ہاں میرا ذکر نہیں کیا جاتا مگر وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتے کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔ اللہ اور اس کے فرشتے ان کے جواب میں کہتے ہیں: آمین۔ اور میرا کسی بندہ مسلم کے پاس ذکر نہیں کیا جاتا اور وہ مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر وہ دو فرشتے کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ تجھے نہ بخشے تو اللہ تعالیٰ (☆) اور اس کے فرشتے ان فرشتوں کے جواب میں کہتے ہیں: آمین'' (2)۔

علماء میں سے کچھ نے کہا: ہر مجلس میں ایک دفعہ درود پڑھنا واجب ہے، اگرچہ آپ کا ذکر مکرر ہو، جس طرح آیت سجدہ اور چھینک مارنے والے کے جواب میں ہے، اسی طرح ہر دعا کے اول اور آخر میں درود پڑھنا واجب ہے (3)۔ ان علماء میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے عمر میں اسے واجب کیا ہے، اسی طرح شہادتین کے اظہار میں بھی کہا۔ احتیاط جس امر کا تقاضا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے درود پڑھنا واجب ہے، کیونکہ اس بارے میں احادیث وارد ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پڑھنے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم حضرت سعد بن عبادہ کی مجلس میں تھے حضرت بشیر بن سعد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود بھیجیں۔ ہم کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود بھیجیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ہم نے تمنا کی کہ کاش وہ سوال نہ کرتا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد كما صليت علی ابراهيم وبارك علی محمد وعلی آل محمد كما باركت علی ابراهيم وعلی آل ابراهيم في العالمين انك

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 557　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 558　(☆) اللہ تعالیٰ کا ذکر برائے تکریم ہے۔

حمید۔ سلام کو تم جانتے ہو (1)۔

امام نسائی نے حضرت طلحہ سے اس کی مثل روایت نقل کی ہے اس میں فی العالمین کے الفاظ ساقط کیے ہیں۔ اسی طرح والسلام کما قد علمتم کو بھی ساقط کیا ہے۔ اس باب میں کعب بن عجرہ، ابی حمید ساعدی، حضرت ابو سعید خدری، حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت بریدہ خزاعی، حضرت زید بن خارجہ، ابن حارث بھی کہا جاتا ہے سے روایت مروی ہے۔ ائمہ اہل حدیث نے ان روایات کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت کعب بن عجرہ کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو حمید ساعدی کی روایت نقل کی ہے۔ ابو عمر نے کہا: شعبہ اور ثوری نے حکم بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ اور وہ حضرت کعب بن عجرہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا نازل ہوا۔ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی بارگاہ میں سلام پیش کرنے کو تو ہم نے پہچان لیا ہے تو درود کیسے ہے؟ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: کہو اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم و بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انك حمید مجید (2)۔ یہ الفاظ ثوری کی حدیث کے ہیں شعبہ کی حدیث کے نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۝ کی تفسیر ہے۔ اس امر کو واضح کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود کیسے پڑھنا ہے اور التحیات میں انہیں سلام پڑھنا سکھایا وہ یہ قول ہے: السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته (3)۔ مسعودی نے عون بن عبد اللہ سے وہ ابو فاختہ سے وہ اسود سے وہ حضرت عبد اللہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ فرمایا: جب تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پڑھو تو اچھی طرح درود شریف پڑھو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اسے آپ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ لوگوں نے عرض کی: ہمیں اس کی تعلیم دو، کہا: کہو اللھم اجعل صلواتك و رحمتك و برکاتك علی سید المرسلین و امام المتقین و خاتم النبیین محمد عبدك ونبیك و رسولك امام الخیر و قائد الخیر و رسول الرحمة اللھم ابعثه مقاما محمودا یغبطه به الاولون والاخرون۔ (4)

اے اللہ! اپنی عنایات، اپنی رحمت اور اپنی برکات سید المرسلین، متقین کے امام، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو تیرے بندے، تیرے نبی، تیرے رسول، خیر کے امام، خیر کے قائد اور رحمت کے رسول ہیں ان پر کر۔ اے اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود پر مبعوث فرما جس کی وجہ سے اگلے پچھلے آپ پر رشک کریں۔

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انك حمید مجید، اللھم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی براهیم وعلی آل ابراهیم انك حمید مجید۔ ہمیں قاضی عیاض کی کتاب ''الشفا'' (5) میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے متصل سند کے ساتھ روایت نقل کی گئی ہے کہا: انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 175 2۔ ایضاً

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، ما جاء فی التشہد، صفحہ 65 4۔ الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ 66 5۔ الشفاء، جلد 2، صفحہ 642

نے میرے ہاتھوں میں شمار کیا اور کہا: انہیں جبریل امین نے میرے ہاتھوں میں شمار کیا اور کہا اسی طرح رب العزت کے ہاں یہ نازل ہوئے۔

اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم وعلی ابراهیم انك حمید مجید۔ اللهم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انك حمید مجید۔ اللهم وترحم علی محمد وعلی آل محمد کما ترحمت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انك حمید مجید۔ اللهم تحنن علی محمد وعلی آل محمد کما تحننت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انك حمید مجید۔

ابن عربی نے کہا: ان روایات سے کچھ صحیح ہیں اور کچھ کمزور ہیں۔ ان میں سے صحیح ترین روایت وہ ہے جسے امام مالک نے روایت کیا ہے اسی پر اعتماد کیا ہے اسی پر اعتماد کرو (1)۔ امام مالک کے علاوہ روایت میں الصلاۃ کے علاوہ رحمت کے الفاظ زائد ہیں اور اس روایت کے علاوہ کوئی قوی روایت نہیں۔ لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے دینی امور میں غور وفکر کریں جس طرح وہ اپنے اموال میں غور وفکر کرتے ہیں وہ بیع میں عیب والا دینار نہیں لیتے، وہ پاکیزہ اور سالم دینار لیتے ہیں، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی روایات ہی لینی چاہئیں جن کی سند صحیح ہو۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کی کوئی صورت نہ بنے۔ بعض اوقات وہ فضیلت کا طالب ہوتا ہے تو وہ نقص کو پالیتا ہے بلکہ بعض اوقات وہ واضح خسارہ پالیتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ درود شریف کی فضیلت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر اس کی وجہ سے دس دفعہ رحمتیں نازل فرماتا ہے'' (2)۔ حضرت سہل بن عبداللہ نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا عبادت میں سے افضل عبادت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں نے اس امر کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے، پھر اس کے بارے میں مومنوں کو حکم دیا۔ تمام عبادات اس طرح نہیں۔ ابو سلیمان دارانی نے کہا: جو اللہ تعالیٰ سے کسی حاجت کے سوال کرنے کا ارادہ کرے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پڑھنے سے آغاز کرے پھر اپنی حاجت کا سوال کرے پھر اس کا اختتام بھی درود پر کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ دونوں درود قبول فرماتا ہے۔ وہ اس سے زیادہ کریم ہے کہ درمیان والے کو رد کر دے۔ سعید بن مسیب نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے فرمایا: دعا کو آسمان کے نیچے سے روک دیا جاتا ہے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پیش کیا جائے (3)۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود آجاتا ہے تو دعا کو اوپر اٹھا لیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے کتاب میں مجھ پر درود شریف پڑھا تو فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے جب تک میرا نام اس کتاب میں موجود رہے گا'' (4)۔

مسئلہ نمبر 4۔ نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ جس پر جم غفیر اور جمہور

1۔ احکام القرآن، جلد 3، صفحہ 1584

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 175

3۔ کنز العمال، جلد 2، صفحہ 88-87، حدیث نمبر 3269

4۔ المعجم الاوسط، جلد 2، صفحہ 496، حدیث نمبر 1856

کثیر ہے وہ یہ ہے کہ یہ نماز کی سنت اور اس کا مستحب ہے۔ ابن منذر نے کہا: مستحب یہ ہے کہ کوئی آدمی نماز نہ پڑھے مگر اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔ اگر کوئی درود کو ترک کر دے تو امام مالک، اہل مدینہ، سفیان ثوری، اصحاب الرائے میں سے اہل کوفہ اور دوسرے علماء کے نزدیک نماز جائز ہے، اہل علم میں سے کثیر لوگوں کا یہ قول ہے۔ امام مالک اور سفیان سے یہ مروی ہے کہ آخری تشہد میں یہ مستحب ہے اور تشہد میں درود کو ترک کرنے والا گناہگار ہوگا۔ امام شافعی نے الگ رائے قائم کی آپ نے نماز میں درود ترک کرنے والے پر اعادہ کو واجب کیا ہے۔ اسحاق نے نماز کے اعادہ کو واجب کیا ہے جب کہ وہ جان بوجھ کر درود کو ترک کرے بھول کر نہ چھوڑے۔ ابو عمر نے کہا: امام شافعی نے کہا: جب نمازی آخری تشہد میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے درود نہ پڑھے تو وہ نماز کا اعادہ کرے۔ کہا: اگر اس نے تشہد سے پہلے درود پڑھا تو یہ اس کے لیے جائز نہیں۔ یہ وہ قول ہے جو حرملہ بن یحییٰ نے ان سے نقل کیا ہے۔ اس قسم کی روایت امام شافعی سے نہیں پائی جاسکتی مگر حرملہ سے پائی جاسکتی ہے۔

یہ امام شافعی کے کبار شاگردوں میں سے ہیں جنہوں نے امام شافعی کی کتب لکھی ہیں۔ امام شافعی کے اصحاب نے اس کو اپنایا، اس کی طرف مائل ہوئے اور اس پر غور و فکر کیا ان کے نزدیک یہی ان کے مذہب کا خلاصہ ہے۔ امام طحاوی نے گمان کیا ہے: ان کے علاوہ کسی اہل علم نے ایسا قول نہیں کیا۔ خطابی نے کہا جب کہ وہ امام شافعی کے اصحاب میں سے ہے یہ نماز میں واجب نہیں۔ یہ فقہاء کے جماعت کا قول ہے مگر امام شافعی اس میں شامل نہیں۔ اس امر پر دلیل کہ یہ نماز کے فرائض میں سے ہے وہ امام شافعی سے قبل سلف صالحین کا عمل اور ان کا اجماع ہے۔ اس مسئلہ میں امام شافعی پر سخت گرفت کی گئی ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے جسے امام شافعی نے اپنایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی ہے۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں۔ اسی طرح ہر وہ راوی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تشہد روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ کر تشہد کی تعلیم دیا کرتے تھے، جس طرح تم بچوں کو کتاب کی تعلیم دیتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی منبر پر تشہد کی تعلیم دی۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا ذکر نہیں۔

میں کہتا ہوں: ہمارے اصحاب میں سے محمد بن مواز نے نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے واجب ہونے کا قول کیا ہے جو ابن قصار اور عبد الوہاب نے ذکر کیا ہے۔ ابن عربی نے حدیث صحیح کی وجہ سے اسے اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آپ کی بارگاہ میں درود پڑھیں تو ہم کیسے آپ کی بارگاہ میں درود پڑھیں (1)؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درود اور اس کا وقت بتایا تو درود کیفیت اور وقت کے اعتبار سے متعین ہو گیا۔ دار قطنی نے ابی جعفر محمد بن علی بن حسین سے یہ قول ذکر کیا ہے: اگر میں ایسی نماز پڑھوں جس میں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھوں اور نہ ہی آپ کے اہل بیت پر درود پڑھوں تو میں یہ خیال کرتا ہوں کہ وہ نماز مکمل نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے؛ صحیح یہ ہے کہ یہ ابو جعفر کا قول ہے یہ دار قطنی نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا قاضی ابوبکر بن بکیر نے کہا: یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 175

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کی بارگاہ میں سلام پیش کریں۔ اسی طرح جو بعد کے مسلمان ہیں ان کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ آپ کی بارگاہ میں سلام پیش کریں جب وہ آپ کی قبر پر حاضر ہوں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر کیا جائے۔ امام نسائی نے عبداللہ بن ابی طلحہ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دن تشریف لائے جب کہ خوشی آپ کے چہرہ سے عیاں تھی۔ میں نے عرض کی: ہم آپ کے چہرہ پر خوشی دیکھتے ہیں۔ فرمایا: ''میرے پاس ایک فرشتہ آیا ہے، اس نے کہا: اے محمد! آپ کا رب ارشاد فرماتا ہے کیا آپ کو یہ بات راضی نہیں کرتی کہ کوئی بندہ آپ پر درود نہیں پڑھے گا مگر میں اس پر دس دفعہ کرم فرماؤں گا۔ کوئی آپ پر ایک دفعہ سلام عرض نہیں کرے گا مگر میں اس پر دس دفعہ سلام بھیجوں گا'' (1)۔ محمد بن عبدالرحمن سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب میرا وصال ہو جائے گا تو تم میں سے کوئی مجھ پر سلام پیش نہیں کرے گا مگر اس کا سلام جبریل امین کے ساتھ میرے پاس آئے گا۔ جبریل امین کہیں گے: اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ فلاں بن فلاں ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے۔ میں جواب میں کہوں گا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''۔ امام نسائی نے حضرت عبداللہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے فرشتے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے ہیں، وہ میری امت کی جانب سے مجھے سلام عرض کرتے ہیں'' (2)۔ قشیری نے کہا: سلام تیرا یہ قول ہے: سلام علیک۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝

''بے شک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے رسوا کن عذاب''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اذیت دینے سے کیا مراد ہے؟ علماء میں سے جمہور نے کہا: اس کا معنی ہے اس کے ساتھ کفر کرنا، بیوی، بچے اور شریک کو اس کی طرف منسوب کرنا اور اس کی ایسی صفت ذکر کرنا جو اس کے شایان نہ ہو (3)، جس طرح یہودی نے کہا: اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔ یہودیوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے ہاتھ جکڑے ہوئے ہیں۔ نصاریٰ نے کہا: حضرت مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ مشرکوں نے کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں اور بت اس کے شریک ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''ابن آدم نے مجھے جھٹلایا اسے یہ حق نہ تھا، اس نے مجھے گالی دی اور اسے یہ حق نہ تھا'' (4)۔ سورت مریم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ''اللہ

1۔ سنن نسائی، کتاب الصلوٰۃ، الفضل فی الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، جلد 1، صفحہ 189

2۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 189　3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 398

4۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، قل ھو اللہ احد، جلد 2، صفحہ 744

تعالیٰ کا فرمان ہے: ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے وہ کہتا ہے یا خیبۃ الدھر تم میں سے کوئی بھی یا خیبۃ الدھر نہ کہے بے شک میں ہی دہر ہوں، میں ہی اس کے دن اور رات کو لوٹاتا ہوں۔ جب میں چاہتا ہوں ان دونوں کو قبض کر لیتا ہوں'' (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف حدیث اسی طرح آئی ہے۔ ان سے ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے۔ ''ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے وہ زمانہ کو گالی دیتا ہے میں زمانہ ہوں میں ہی دن اور رات کو الٹتا ہوں'' (2)۔ اسے امام مسلم نے بھی نقل کیا ہے۔ عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے وہ تصویر بنا کر اور ایسا فعل کر کے جسے اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے جس طرح چھیل کر تصویریں بنانا اور اس کے علاوہ دوسرے امور۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ مصوروں پر لعنت کرے'' (3)۔ میں کہتا ہوں: یہ ان چیزوں میں ہے جو مجاہد کے قول کو تقویت با ہم پہنچاتی ہے کہ وہ درخت اور دوسری چیزوں کی تصویر بنانے سے منع کرتے، کیونکہ یہ سب اختراع کی صفت اور اللہ تعالیٰ کے فعل کے ساتھ تشبہ ہے جس فعل میں اللہ تعالیٰ کی ذات منفرد ہے۔ سورۂ نمل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔ ایک فرقہ نے کہا: یہ مضاف کے حذف کی بنا پر ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہے یوذون اولیاء اللہ (4)۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو اذیت دیتے ہیں۔ جہاں تک اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے کا تعلق ہے تو اس سے مراد وہ تمام اقوال ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں اور ایسے افعال بھی ہو سکتے ہیں جو آپ کو اذیت دیتے ہیں جہاں تک ان کے قول کا تعلق ہے: وہ ساحر، شاعر، کاہن، مجنون۔ جہاں تک ان کے فعل کا تعلق ہے وہ غزوہ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رباعیہ کو توڑنا اور آپ کے چہرہ کو زخمی کرنا ہے۔ اور مکہ مکرمہ میں جب سجدہ کی حالت میں تھے اس وقت آپ پر اوجھ پھینک دینا، اس کے علاوہ دوسرے افعال۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت طعن کیا تھا جب آپ نے حضرت صفیہ بنت حیی کو اپنے حرم میں لیا تھا (5)۔ اللہ تعالیٰ کو اذیت اور اس کے رسول کی اذیت کو مطلق ذکر کیا اور مومنوں اور مومنات کی اذیت کو مقید کیا کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت ہمیشہ ناحق ہوتی ہے اور مومنوں اور مومنات کو اذیت کبھی ناحق اور کبھی حق کے ساتھ ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ہمارے علماء نے کہا: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا امیر بنایا تو اس پر طعن یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت ہے (6)۔ صحیح نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا، اس پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا لوگوں نے ان کی امارت پر طعن کیا (7)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے فرمایا: ''اگر تم اس کی امارت پر طعن کرتے ہو تو تم نے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی طعن کیا تھا، اللہ کی قسم! یہ امارت کا مستحق ہے یہ مجھے لوگوں میں سے محبوب ترین ہے یہ اس کے بعد مجھے لوگوں میں سے محبوب ترین ہوگا''۔ یہ لشکر اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے وہی تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کے لیے تیار کیا تھا ان پر حضرت اسامہ کو امیر بنایا تھا اور حضرت اسامہ کو حکم

1۔ صحیح مسلم، باب النھی عن سب الدھر، جلد 2، صفحہ 237		2۔ ایضاً		3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 398
4۔ ایضاً		5۔ ایضاً		6۔ ایضاً
7۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، مناقب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، جلد 1 صفحہ 528

دیا تھا کہ وہ ''ابنی'' پر حملہ کرے یہ وہ بستی تھی جو موتہ کے قریب تھی جہاں حضرت زید کو شہید کیا گیا تھا ساتھ ہی حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ شہید ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے باپ کا بدلہ لے تو جس کے دل میں کچھ شک تھا اس نے آپ کی امارت پر طعن کیا تھا، کیونکہ یہ غلاموں میں سے تھے، یعنی غلام کے بیٹے تھے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ چھوٹی عمر کے تھے، کیونکہ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا جب کہ یہ لشکر مدینہ طیبہ سے باہر نکل چکا تھا لیکن ابھی دور نہیں گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امر کو نافذ کیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس حدیث میں یہ واضح دلیل موجود ہے کہ مولیٰ اور مفضول کی امامت ان کے غیر پر جائز ہے مگر امامت کبریٰ جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں حضرت سالم جو ابو حذیفہ کے غلام تھے انہیں نماز کے لیے امام بنایا۔ حضرت سالم ان کی امامت کرتے جب کہ صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور دوسرے کبار قریش ہوتے تھے۔ صحیح عامر بن واثلہ سے روایت کرتی ہے کہ حضرت نافع بن عبدالحارث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عسفان میں ملے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مکہ مکرمہ پر عامل بنایا ہوا تھا، پوچھا: تو نے اس وادی پر کس کو عامل بنایا ہے؟ انہوں نے عرض کی: ابن ابزی کو۔ پوچھا ابن ابزی کون ہے؟ عرض کی: ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام۔ پوچھا: تو نے غلاموں میں سے ایک غلام کو ان پر عامل بنایا ہے؟ عرض کی: وہ کتاب اللہ کا قاری ہے، وہ علم فرائض کو جانتا ہے۔ فرمایا: خبردار! تمہارے نبی کا ارشاد ہے ''اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کئی لوگوں کو بلند فرماتا ہے اور کئی کو پست کرتا ہے'' (1)۔

مسئلہ نمبر 4۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ محبوب تھے محبوب کے بیٹے تھے۔ اسی لقب سے بلائے جاتے تھے۔ ان کا رنگ شدید سیاہ تھا ان کے والد روئی سے بھی زیادہ سفید تھے۔ ابوداؤد نے احمد بن صالح سے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ احمد کے علاوہ نے کہا: حضرت زید چمکیلے رنگ والے تھے اور حضرت اسامہ شدید قسم کے گندم گوں تھے۔ یہ بھی روایت بیان کی جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ کو بناتے سنوارتے جب کہ وہ چھوٹے تھے ان کے ریشہ کو صاف کرتے اور ان کی ناک کو صاف کرتے اور فرماتے: ''اگر اسامہ بچی ہوتی تو ہم اس کو مزین کرتے، اس کا بناؤ سنگھار کرتے اور ہم اسے مرد خاوندوں کے لیے محبوب بنا دیتے''۔ یہ ذکر کیا گیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عربوں کے ارتداد کا سبب ان کا یہ گستاخانہ کلام تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر جبل عرفہ پر عرفہ کی شام روانگی کے وقت تھے حضرت اسامہ کی وجہ سے تھوڑا وقت رکے یہاں تک کہ حضرت اسامہ آ گئے انہوں نے کہا: آپ صرف اس کے لیے رکے ہیں۔ انہوں نے یہ بات حضرت اسامہ کی حقارت بیان کرنے کے لیے کی تھی۔ ان کا یہی گستاخانہ قول ان کی حقارت کا سبب بنا۔ امام بخاری نے اس کا ہم معنی قول نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ کے لیے عطیہ میں پانچ ہزار اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کے لیے دو ہزار معین کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ نے عرض کی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو فضیلت دی جب کہ میں ایسی جنگوں میں شریک ہوا ہوں

1۔ [illegible] جلد 1، صفحہ 512، حدیث نمبر 2275

جن میں حضرت اسامہ شریک نہیں ہوئے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت اسامہ تیری بنسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے اور ان کے والد حضرت زید تیرے والد کی بنسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے محبوب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کو ترجیح دی۔ اسی طرح لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس سے محبت کریں اس سے محبت رکھی جائے اور جس سے بغض رکھیں اس سے بغض کیا جائے (1)۔ مروان نے اس محبت کے برعکس رویہ اپنایا اس کی صورت یہ ہوئی کہ مروان حضرت اسامہ بن زید کے پاس سے گزرا جب کہ حضرت اسامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ مروان نے آپ سے کہا: تو نے ارادہ کیا کہ ہم تیرے مقام و مرتبہ کو دیکھیں پس ہم نے تیرے مقام و مرتبہ کو دیکھا ہے اللہ تعالیٰ نے جو تیرے ساتھ سلوک کیا ہے اور اس نے قبیح قول کیا۔ حضرت اسامہ نے اسے کہا: تو نے مجھے اذیت دی ہے تو فاحش متفحش ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ فاحش متفاحش کو ناپسند کرتا ہے''۔ دونوں رویوں کو دیکھو دونوں افراد کو دیکھو بنو امیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں کی شان کم کرنے کی کوشش کی۔

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ انہیں ہر بھلائی سے دور کر دیا گیا۔ لغت میں لعن سے مراد دور کرنا ہے اسی سے لعان ہے۔ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا اس کا معنی کئی دفعہ گزر چکا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٨﴾

''اور جو لوگ دل دکھاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (معیوب) کام کیا ہو تو انہوں نے اٹھا لیا (اپنے سر پر) بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ''۔

مومنوں اور مومنات کو اذیت بھی قبیح افعال اور قبیح اقوال کے ساتھ ہوتی ہے، جس طرح گھڑا ہوا بہتان اور فحش تکذیب اس آیت کی مثل ہے جو سورۂ نساء میں ہے وَ مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿﴾ (النساء) جس طرح یہاں فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اذیت سے مراد یہ ہے کہ اسے مذموم حسب کی وجہ سے یا مذموم پیشہ کی وجہ سے یا ایسی چیز کی وجہ سے جس کو جب سنے تو اس کے لیے بوجھ بنے، کیونکہ اس کو اذیت دینا فی الجملہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت میں اور مومنوں کی اذیت میں فرق کیا ہے پہلے کو کفر اور دوسرے کو گناہ کبیرہ بنایا ہے مومنوں کو اذیت دینے کے بارے میں فرمایا: فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ہم نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں نے گزشتہ رات یہ آیت پڑھی تو میں اس سے گھبرا گیا وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا اللہ کی قسم! میں تو انہیں مارتا ہوں اور انہیں جھڑکتا ہوں۔ حضرت ابی نے عرض کی: اے امیر المومنین! آپ ان میں سے نہیں ہے۔ آپ تو معلم اور

1۔ جامع ترمذی، باب مناقب زید بن حارثہ، حدیث نمبر 3749، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سیدھا کرنے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار کی ایک بچی دیکھی اسے مارا اور اس نے جو زینت کی ہوئی تھی اس کو ناپسند کیا تو اس کے گھر والے نکل آئے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زبانی اذیت دی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت علی شیر خدا کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ منافق انہیں اذیت دیتے اور ان کی تکذیب کیا کرتے تھے (1)۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

''اے نبی مکرم! آپ فرمایئے اپنی ازواج مطہرات کو، اپنی صاحبزادیوں کو اور جملہ اہل ایمان کی عورتوں کو کہ جب وہ باہر نکلیں، تو ڈال لیا کریں اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو اس طرح وہ با آسانی پہچان لی جائیں گی پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہر دم رحم فرمانے والا ہے''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کی ایک فضیلت کے بارے میں کلام گزر چکی ہے۔ قتادہ نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں نو ازواج تھیں۔ پانچ قریش کے خاندان سے حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت سودہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن۔ تین عام عربوں میں سے تھیں حضرت میمونہ، حضرت زینب بنت جحش اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہن اور ایک حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا۔ جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کا تعلق ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں مذکر اور مونث بھی تھے۔ مذکر اولاد میں سے حضرت قاسم، ان کی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھیں۔ آپ کے نام سے ہی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے سب سے پہلے یہی فوت ہوئے۔ آپ دو سال تک زندہ رہے۔ حضرت عروہ نے کہا: حضرت خدیجہ الکبریٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار بیٹے ہوئے: حضرت قاسم، حضرت طاہر، حضرت عبد اللہ اور حضرت طیب۔ ابوبکر برقی نے کہا: یہ قول بھی کیا جاتا ہے طاہر سے مراد طیب ہیں اور وہی عبد اللہ ہیں۔ حضرت ابراہیم ان کی والدہ ماجدہ حضرت ماریہ قبطیہ تھیں۔ حضرت ابراہیم کی ولادت آٹھ ہجری ذی الحجہ میں ہوئی۔ یہ سولہ ماہ کے تھے تو ان کا وصال ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان کی عمر اٹھارہ ماہ تھی (2)؛ دار قطنی نے اسے ذکر کیا ہے۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان کی دودھ پلانے والی تھی جو ان کی رضاعت جنت میں پوری کرے گی''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ الکبریٰ سے تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں وصال کر گئی صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا باقی تھیں۔

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں بچیوں کا تعلق ہے ان میں حضرت فاطمہ زہرہ بنت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضرت خدیجہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 423

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، ماجاء فی الصلوٰۃ علی ابن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ 110

الکبری کے ہاں ان کی ولادت ہوئی جب قریش بیت اللہ شریف کی تعمیر کر رہے تھے یعنی اعلان نبوت سے پانچ سال قبل ان کی ولادت ہوئی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے 2ھ میں رمضان میں ان سے شادی کی اور ذی الحجہ میں انہیں گھر لائے۔ ایک قول یہ کیا گیا: رجب میں ان سے شادی کی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تھوڑا عرصہ بعد ان کا وصال ہوا اہل بیت میں سے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لاحق ہونے والی تھیں۔

ان میں حضرت زینب تھیں جن کی والدہ حضرت خدیجہ الکبری تھیں۔ ان سے ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع نے شادی کی۔ عاص کی ماں ہالہ بنت خویلد تھیں جو حضرت خدیجہ الکبری کی ہمشیرہ تھیں۔ ابو العاص کا نام لقیط تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام ہاشم تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام ہشیم تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام مقسم تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بیٹی تھیں ان کا وصال 8ھ میں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں خود اترے۔

ان میں حضرت رقیہ بھی تھیں۔ ان کی والدہ ماجدہ بھی حضرت خدیجہ الکبری تھیں۔ اعلان نبوت سے قبل عتبہ بن ابی لہب سے ان کی نسبت ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کو نازل فرمایا: تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ (الھب: 1) ابولہب نے اپنے بیٹے سے کہا: اگر تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو طلاق نہ دی تو میرا سر تیرے سر پر حرام ہے۔ عتبہ نے حضرت رقیہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور وہ آپ کو اپنے گھر نہیں لایا تھا۔ حضرت رقیہ اس وقت اسلام لے آئی تھیں جب ان کی والدہ حضرت خدیجہ الکبری اسلام لائی تھیں۔ حضرت رقیہ اور ان کی بہنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اس وقت بیعت کی جب عورتوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ حضرت عثمان بن عفان نے ان سے شادی کی۔ جب حضرت عثمان نے ان سے شادی کی تو قریش کی عورتیں کہتی تھیں:

أحسنُ شخصين رأى انسانٌ رقيةُ و بعلها عثمانُ

دو ذاتوں میں سے بہترین جسے کوئی انسان دیکھے وہ حضرت رقیہ ہیں اور ان کے خاوند حضرت عثمان ہیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان کے ساتھ حبشہ کے علاقہ کی جانب دو ہجرتیں کیں۔ حضرت عثمان سے ان کا ایک نامکمل بچہ پیدا ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد حضرت عبداللہ کی ولادت ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حالت اسلام میں ان کے نام سے اپنی کنیت ذکر کرتے۔ ان کی عمر چھ سال ہوئی تو مرغ نے ان کے چہرے پر چونچ ماری تو ان کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد ان کے ہاں کوئی ولادت نہ ہوئی۔ انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، بیمار ہوئیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کی تیاری کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کی خدمت کے لیے انہیں پیچھے چھوڑا ان کا وصال ہو گیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں تھے۔ ہجرت کو سترہ ماہ گزر چکے تھے۔ حضرت زید بن حارثہ بدر سے خوشخبری دینے کے لیے آئے یہ مدینہ طیبہ میں اس وقت پہنچے جب حضرت رقیہ کی قبر پر مٹی درست کی جا رہی تھی۔ ان کے دفن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے۔

ان میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی تھیں، ان کی والدہ حضرت خدیجہ الکبریٰ تھیں عتیبہ بن ابی لہب کی ان سے نسبت ہوئی جو عتبہ کا بھائی تھا یہ اعلان نبوت سے قبل ہوا۔ اس کو ابولہب نے حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو چھوڑ دے اسی مذکورہ

سبب سے جس کی وجہ سے حضرت رقیہ کو عتبہ نے چھوڑا تھا۔ عتیبہ انہیں اپنے گھر نہیں لے گیا تھا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ میں رہیں۔ جب ان کی والدہ حضرت خدیجہ الکبری ایمان لائیں تو یہ بھی ایمان لے آئیں۔ جب عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تو اپنی بہنوں کے ساتھ انہوں نے بھی بیعت کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی تو انہوں نے بھی ہجرت کی۔

جب حضرت رقیہ کا وصال ہوا تو حضرت عثمان نے ان سے شادی کی۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان کا لقب ذوالنورین ہے یہ نو ہجری کو شعبان کے مہینہ میں فوت ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی قبر پر بیٹھے۔ ان کی قبر میں حضرت علی، حضرت فضل اور حضرت اسامہ اترے۔ زبیر بن بکار نے ذکر کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے بیٹے حضرت قاسم پھر حضرت زینب پھر حضرت عبد اللہ انہیں ہی طیب اور طاہر کہا جاتا تھا۔ یہ اعلان نبوت (☆) کے بعد پیدا ہوئے اور چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ پھر حضرت ام کلثوم، پھر حضرت فاطمہ پھر حضرت رقیہ، حضرت قاسم مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے پھر حضرت عبد اللہ فوت ہوئے۔

مسئلہ نمبر 2۔ عربی عورتوں کا معمول تھا کہ وہ وقار سے گری ہوئی حرکتیں کرتیں وہ اپنے چہرے کو کھلا رکھتیں جس طرح لونڈیاں کھلا رکھتی ہیں۔ یہ اس امر کا سبب تھا کہ مرد انہیں دیکھیں اور ان کے بارے میں فکر پراگندہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ ان عورتوں کو حکم دیں کہ وہ اپنی چادروں کے پلو لٹکا کر رکھیں جب وہ اپنی ضروریات کے لیے نکلنے کا ارادہ کریں۔ لیٹرینیں بنائے جانے سے قبل وہ صحراء میں قضائے حاجت کے لیے جایا کرتی تھیں۔ اس طرح آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے درمیان فرق ہو جاتا۔ آزاد عورتیں اپنے پردہ کی وجہ سے پہچان لی جاتی تھیں تو جو آوارہ یا نوجوان ہوتا وہ ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے سے رک جاتا۔ مومنوں کی عورتوں میں سے کوئی ایک اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے اپنی ضرورت کے لیے نکلتی بعض فجار ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے وہ یہ خیال کرتے کہ یہ لونڈیاں ہیں وہ عورت اس پر چلاتی تو وہ چلے جاتے۔ لوگوں نے اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔ یہ آیت اس سبب سے نازل ہوئی؛ یہ معنی حسن بصری اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ، جلابیب، جلباب کی جمع ہے۔ یہ اوڑھنی سے بڑا کپڑا ہوتا ہے (1)۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے: اس سے مراد ردا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد قناع ہے (جس سے سر ڈھانپا جاتا ہے)۔ صحیح قول یہ ہے کہ جلباب سے مراد ایسا کپڑا ہے جس کے ساتھ سارا بدن ڈھانپا جاتا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم میں سے کچھ عورتوں کے پاس جلباب نہیں ہوتا۔ فرمایا: ''اس کی بہن اسے اپنا جلباب (چادر) دے دے'' (3)۔

☆۔ حضرت مفسر کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ بیٹیوں کے حوالے سے جو گفتگو پہلے کی ہے وہ اس کے سراسر خلاف ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 399　　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 423

3۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ العیدین، ذکر اباحۃ خروج النساء فی العیدین، جلد 1، صفحہ 291

مسئلہ نمبر 4۔ چادر کے لٹکانے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبیدہ سلمانی نے کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ عورت اسے یوں لپیٹ لے کہ عورت کی صرف ایک آنکھ دکھائی دے جس کے ساتھ وہ دیکھے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ پیشانی کے اوپر اسے لپیٹے اور اسے باندھ دے پھر اسے اپنے ناک پر جھکا دے اگرچہ اس کی آنکھیں ظاہر ہوں، وہ سینہ اور چہرے کا اکثر حصہ چھپا کر رکھے (2)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اپنے نصف چہرے کو ڈھانپ کر رکھے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ نے تمام عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا پردہ ایسا ہونا چاہیے کہ اس کی جلد کو عیاں نہ کرے ہاں جب وہ اپنے خاوند کے پاس ہو تو جو چاہے لباس پہنے، کیونکہ مرد کو حق حاصل ہے کہ جیسے چاہے لطف اندوز ہو۔ یہ امر ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات بیدار ہوئے تو کہا: سبحان الله ماذا أنزل الليلة من الفتن و ماذا فتح من الخزائن من يوقظ صواحب الحجر رُبَّ كاسية فى الدنيا عارية فى الآخرة'' سبحان اللہ آج رات کتنے فتنے نازل ہوئے اور آج رات کتنے خزانے کھولے گئے آج حجرے والوں کو کون بیدار کرے گا دنیا میں کچھ لباس زیب تن کرنے والے آخرت میں ننگے ہوں گے۔ یہ روایت کی گئی ہے کہ حضرت دحیہ کلبی جب ہرقل کے پاس سے واپس آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کتان سے بنا کپڑا عطا فرمایا۔ فرمایا: ''اس کے نصف سے قمیص بنالو اور اپنی بیوی کو نصف دے دو وہ اس سے اوڑھنی بنالے'' (3)۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''اپنی بیوی کو حکم دینا کہ وہ اس کے نیچے کوئی چیز لگا لے تا کہ یہ کپڑا اس کے جسم کی بناوٹ کو ظاہر نہ کرے''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عورتوں کے لیے باریک کپڑوں کا ذکر کیا تو فرمایا: لباس پہننے والیاں، ننگے بدن والیاں اور خوشحال عورتیں بدبخت عورتیں۔ بنو تمیم کی عورتیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں جن پر باریک لباس تھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر تم مومن ہو تو یہ لباس مومن عورتوں کا نہیں اگر تم غیر مومن ہو تو تم اس سے لطف اندوز ہو لو۔ ایک دلہن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اس پر کتان سے بنی اوڑھنی تھی جس کو عصفر سے رنگا گیا تھا۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ نے اسے دیکھا تو فرمایا: تو سورۂ نور پر ایمان نہیں رکھتی۔ ایک عورت یہ لباس پہنتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے: ''ایسی عورتیں جو لباس پہنتی ہیں ان کے جسم ننگے ہوتے ہیں وہ جھکنے والی ہوتی ہیں جھکانے والی ہیں ان کے سر بختی اونٹوں کی کہانوں کی طرح ہوتے ہیں وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور اس کی خوشبو بھی نہیں پائیں گی'' (4)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مسلمان عورتوں کو کیا چیز روکتی ہے جب اسے کام ہو تو وہ بوسیدہ کپڑے میں نکلے یا اپنی پڑوسن کے بوسیدہ کپڑوں میں نکلے وہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھے ہوئے ہو اسے کوئی بھی نہ جانے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر واپس آ جائے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 399 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 399

3۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، الترغیب فی لمن تکشف بیابہا، جلد 2، صفحہ 234

4۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، الکیاسات العاریات، جلد 2، صفحہ 205

مسئلہ نمبر 6۔ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ یہ زیادہ مناسب ہے کہ آزاد عورتیں پہچانی جائیں تا کہ وہ لونڈیوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہوں۔ جب ان کو پہچان لیا جائے گا تو ادنی تعرض کے لیے ان کے سامنے نہ آیا جائے گا یہ ان کے مرتبہ حریت کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے ہوگا۔ تو ان سے ہر قسم کی طمع ختم ہو جائے گا۔ ان تعرف المراۃ کا معنی یہ نہیں کہ یہ جانا جائے کہ وہ کون ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی لونڈی کو دیکھتے کہ اس نے پردہ کیا ہوا ہے تو اسے درہ سے مارتے اصل میں آپ آزاد عورتوں کے لباس کی حفاظت کے لیے ایسا کرتے تھے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اب ہر آزاد اور لونڈی کے حق میں پردہ اور سر کا ڈھانپنا واجب ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عورتوں کو مسجدوں سے روک دیا تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا: ''اللہ کی باندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مساجد سے نہ روکو'' (1)۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اس وقت تک زندہ رہتے تو آپ عورتوں کو مساجد میں داخل ہونے سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجدوں سے روک دیا تھا۔

وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا اس امر مشروع سے قبل عورتیں جو جلابیب کو ترک کرتی رہیں ان کے بارے میں عورتوں کو مانوس کیا جا رہا ہے۔

لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِیْنَ ۚۛ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾

''اگر (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور شہر میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے تو ہم آپ کو مسلط کر دیں گے ان پر پھر وہ ٹھہر نہ سکیں گے آپ کے پاس مدینہ طیبہ میں مگر چند روز وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی، جہاں پائے جائیں گے پکڑ لیے جائیں گے اور جان سے مار ڈالے جائیں گے۔ اللہ کی سنت ان (بدقماشوں) کے متعلق بھی یہی تھی جو پہلے گزر چکے اور آپ سنت الٰہی میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل نہ پائیں گے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ اہل تفسیر نے کہا: یہ تین اوصاف ایک شے کے ہیں۔ جس طرح سفیان بن سعید نے منصور سے وہ حضرت ابو رزین سے روایت نقل کرتے ہیں کہ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعة، هل على من لم يشهد الجمعة، جلد 1، صفحہ 123

فِي الْمَدِيْنَةِ سب ایک چیز ہیں یعنی انہوں نے ان اشیاء کو جمع کیا۔ واؤ زائدہ ہے۔ جس طرح کہا:

إلى الملك القَرْمِ وابن الهمام　　ولَيْثِ الكتيبة في المُزْدحم

ملک، قرم، ابن ہمام، لیث الکتیبۃ سے ایک ہی ذات مراد ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں ایسے لوگ تھے جو افواہیں اڑایا کرتے تھے، کچھ لوگ ایسے تھے جو شک کی بنا پر عورتوں کا پیچھا کیا کرتے تھے اور کچھ لوگ ایسے تھے جو مسلمانوں میں شک ڈالا کرتے تھے۔ عکرمہ اور شہر بن حوشب نے کہا: الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سے مراد ہے جن کے دلوں میں بدکاری کا میلان ہے۔

طاؤس نے کہا: یہ آیت عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ سلمہ بن کہیل نے کہا: یہ بدکاروں کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الْمُنٰفِقُوْنَ اور الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ایک ہی چیز ہیں۔ انہیں الفاظ سے تعبیر کیا۔ اس کی دلیل سورۂ بقرہ کے آغاز میں منافقین والی آیت ہے۔

الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ سے مراد ایسے لوگ ہیں جو مومنوں کو دشمنوں کے بارے میں بری خبریں دیا کرتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے لشکر باہر جاتے تو وہ کہتے: انہیں شہید کر دیا گیا ہے یا انہیں شکست ہوگئی ہے اور دشمن تم تک پہنچا چاہتا ہے؛ یہ قتادہ اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کہا کرتے تھے اصحاب صفہ ایسے لوگ ہیں جن کی بیویاں نہیں، یہی لوگ عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مسلمانوں میں سے ایک جماعت تھی جو فتنہ کو پسند کرنے کی بنا پر جھوٹی خبریں پھیلایا کرتے تھے۔ بہتان لگانے والوں میں سے مسلمان لوگ بھی تھے لیکن وہ فتنہ کو پسند کرنے کی بنا پر اس میں داخل ہوئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ارجاف سے مراد فتنہ کو تلاش کرنا ہے (2)۔ ارجاف سے مراد غم میں مبتلا کرنے کے لیے جھوٹ اور باطل کو عام کرنا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد دل کو حرکت دینا ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: رجفت الأرض فرجف رجفا زمین میں حرکت ہوئی اور اس میں زلزلہ برپا ہوا۔ رجفان سے مراد شدید اضطراب ہے۔ رجاف سے مراد سمندر ہے، سمندر کے مضطرب ہونے کی بنا پر اسے یہ نام دیا گیا ہے۔ شاعر نے کہا:

المُطعِمون اللحم كلَّ عشيّة　　حتى تَغيب الشمسُ في الرَّجاف

وہ ہر شام گوشت کھلاتے ہیں یہاں تک کہ سورج سمندر میں غائب ہو جاتا ہے۔

ارجاف کی جمع اراجیف ہے اس کا معنی خبریں ہیں۔ قد أرجفوا في الشيء وہ اس میں داخل ہوئے۔ شاعر نے کہا:

فإنا وإن عيّرتمونا بقتله　　وأرجف بالإسلام باغٍ و حاسدُ

اگر تم ہمیں ان کے قتل پر عار دلاتے ہو اسلام میں باغی اور حاسد داخل ہو گیا ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 424　　2۔ ایضاً

ایک اور شاعر نے کہا:

أبالأراجیف یا بن اللؤم توعدنی　　وفی الأراجیف خِلت اللؤمُ والخور

اے کمینے! کیا تو مجھے اراجیف کی دھمکی دیتا ہے اور تو نے گمان کیا کہ اراجیف میں ملامت اور ذلت ہے۔

ارجاف حرام ہے کیونکہ اس میں اذیت ہوتی ہے۔ آیت اس امر پر دال ہے کہ ارجاف کے ذریعے اذیت دینا حرام ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ہم تجھے ان پر مسلط کر دیں گے تو آپ قتل کے ذریعے ان کی جڑیں کاٹ دیں گے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ عورتوں کو اذیت دینے سے نہ رکے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر تسلط عطا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (التوبہ: 84) اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کرنے کا حکم دیا۔ یہی وہ اغراء ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر اس آیت میں جو اس آیت کے بعد ہے تسلط عطا فرمایا جبکہ کلام اس کے ساتھ متصل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ اس آیت میں ان کو قتل کرنے اور ان کو پکڑنے کا امر ہے جب وہ نفاق اور ارجاف پر قائم رہیں تو یہ ان کا حکم ہے۔

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے: خمس یقتلن فی الحِلّ والحَرَم (2) پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو حل اور حرم میں قتل کیا جائے گا۔ اس میں امر کا معنی ہے یہ حدیث آیت کی طرح حکم میں برابر ہے۔ نحاس نے کہا: اس آیت کی تعبیر میں جو اقوال کیے جاتے ہیں ان میں سے یہ سب سے خوبصورت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ارجاف سے رک گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آپ کو تسلط عطا نہ کیا۔ لنغرینك کا لام لام قسم ہے، قسم اسی پر واقع ہو رہی ہے۔ ان پر لام داخل کیا گیا تا کہ قسم کا شعور دلائے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ ھا ضمیر سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔ اِلَّا قَلِيْلًا یہ یجاورونك کی ضمیر سے حال ہے۔ اور اس طرح ہوگا جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کیونکہ وہ تھوڑے ہی تھے۔ یہ فراء کے دو جوابوں میں سے ایک جواب ہے۔ اس کے نزدیک یہی اولیٰ ہے۔ وہ آپ کے پاس نہیں رہتے مگر اپنے قلیل ہونے کی حالت میں۔ دوسرا جواب ہے معنی ہو الا وقتا قلیلا مگر تھوڑا وقت، یعنی تیرے ساتھ تھوڑا وقت ہی رہیں گے، یعنی وہ اس میں تھوڑا عرصہ رہیں گے یہاں تک کہ ہلاک ہو جائیں گے۔ تو یہ محذوف مصدر یا محذوف ظرف کی صفت ہوگا۔ یہ اس پر دال ہے کہ جو مدینہ طیبہ میں آپ کے ساتھ رہ رہا ہے تو وہ ''جار'' ہے۔ سورۃ النساء میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ مَّلْعُوْنِيْنَ محمد بن یزید کے ہاں اس پر کلام مکمل ہوتی ہے۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ ابن انباری نے کہا: قَلِيْلًا ۛ مَّلْعُوْنِيْنَ اس پر وقف کرنا اچھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے کہ اِلَّا قَلِيْلًا پر کلام مکمل ہو اور مَّلْعُوْنِيْنَ کو نصب شتم (گالی) کے طور پر ہو۔ اس طرح عیسیٰ بن عمر نے قراءت کی ہے۔ وَامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ

1۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 737

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج باب ما یندب للمحرم وغیرہ، جلد 1، صفحہ 381

الْحَطَبِ ۝ (لہب) ایک نحوی سے یہ مروی ہے اس نے کہا: معنی ہے جہاں بھی ہوں گے ملعون ہونے کی حیثیت میں پکڑے جائیں گے یہ غلط ہے کیونکہ ما مجازات کا معنی رکھتے ہوئے ما قبل میں عمل نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت کا معنی ہے اگر وہ نفاق پر اصرار کریں تو انہیں مدینہ میں ٹھہرنے کا کوئی حق نہیں اگر وہ رہیں گے تو دھتکارے ہوئے ملعون رہیں گے۔ ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا، کیونکہ جب سورۂ براءت نازل ہوئی تو وہ جمع ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے فلاں! اٹھ اور نکل جا کیونکہ تو منافق ہے، اے فلاں اٹھ'' ان کے مسلمان بھائی اٹھے اور مسجد سے انہیں نکالنے کے ذمہ دار بنے۔

مسئلہ نمبر 5۔ سُنَّةَ اللّٰهِ یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو انبیاء کے بارے میں غلط باتیں عام کرے اور اپنے نفاق کو ظاہر کرے کہ اسے پکڑ لیا جائے اور اسے قتل کر دیا جائے۔ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا تو اللہ تعالیٰ کے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں پائے گا(1)؛ نقاش نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ سدی نے کہا: جس کو حق کی بنا پر قتل کیا گیا تو اس کے قاتل پر کوئی دیت لازم نہ ہوگی (2)۔ مہدوی نے کہا: آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ وعید کے نفاذ کو ترک کرنا جائز ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ منافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ اہل فضل میں معروف یہ ہے کہ وعدہ کو پورا کیا جائے اور وعید کو موخر کر دیا جائے۔ یہ بحث سورۂ آل عمران وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝

''لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں، فرمایئے: اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اور اے سائل! تو کیا جانے شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو''۔

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے والوں کو جب عذاب کی دھمکی دی گئی تو انہوں نے قیامت کے بارے میں سوال کیا، ان کے سوال کا مقصود اس امر کو بعید خیال کرنا اور اس کو جھٹلانا تھا، وہ یہ وہم دلانا چاہتے تھے کہ یہ امر وقوع پذیر نہیں ہوگا۔

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ان کے سوال کا جواب دیجئے اور کہہ دیجئے: اس کا علم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے وقت کو مخفی رکھا ہے تو یہ میری نبوت کو باطل کرنے والا نہیں اور نبی ہونے کی یہ شرط نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر غیب جانے۔ وَ مَا يُدْرِيْكَ کس نے آپ کو آگاہ کیا لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ممکن ہے قیامت قریب ہی زمانہ میں ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بعثت أنا والساعة کھاتین (3) میں اور قیامت ان دو کی طرح مبعوث کیے گئے ہیں اور انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ اہل صحیح نے اسے نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ترکیب یوں ہے لیست الساعة تکون قریبا اس کی ہاء تانیث حذف ہو گئی کہ الساعة کو یوم کی طرف لے جایا گیا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 425 2۔ ایضاً 3۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، ما جاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2، صفحہ 44

جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ (الاعراف) قریبۃ نہیں فرمایا کیونکہ رحمت کو عفو کی طرف پھیر دیا گیا ہے، کیونکہ اس کی تانیث اصلی نہیں۔ یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے وقت کو مخفی رکھا تا کہ بندہ ہر وقت اس کے لیے مستعد رہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے محروم کر دیا کفار کو اور تیار کر رکھی ہے اس نے ان کے لیے بھڑکتی آگ وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں تا ابد نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار''۔

اللہ تعالیٰ نے کافروں کو دھتکار دیا اور انہیں دور کر دیا۔ لعن کا معنی دھتکارنا اور رحمت سے دور کرنا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ فِیْهَاۤ میں ھا ضمیر سعیرا کے لیے ہے سعیر کو مونث قرار دیا کیونکہ یہ النار کے معنی میں ہے وہ کوئی ایسا مددگار نہیں پائے گا جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس میں ہمیشہ رہنے سے نجات عطا فرمائے۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾

''جس روز منہ کے بل آگ میں پھینکے جائیں گے تو (بصد یاس) کہیں گے: اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ تعالیٰ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول اکرم کی۔ اور عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہم نے پیروی کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑے لوگوں کی پس ان (ظالموں نے) ہمیں بہکا دیا سیدھی راہ سے''۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ عام قراءت تاء کے ضمہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ ہے اور فعل مجہول ہے۔ عیسیٰ ہمدانی اور ابن اسحاق نے نقلب نون اور لام مکسور کے ساتھ قراءت کی ہے۔

وُجُوْهُهُمْ منصوب ہے۔ عیسیٰ نے یہ قراءت کی ہے۔ تقلب تاء مضموم اور لام مکسور ہے معنی یہ ہے جہنم ان کے چہروں کو الٹ دے گی۔ یہ الٹنا آگ کی لپک کے ساتھ ان کے رنگوں کو بدل دینا ہے۔ کسی لحہ وہ سیاہ ہو جائیں گے اور کسی لحہ سبز ہو جائیں گے۔ جب ان کی جلدوں کو دوسری جلدوں سے بدل دیا جائے گا تو وہ اس وقت تمنا کریں گے کہ وہ کفر نہ کرتے۔

يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَاۤ یہ جائز ہے کہ معنی ہو جس روز ان کے چہرے آگ میں الٹے جائیں گے تو اس روز کہیں گے: ہائے کاش!۔ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا یہ کفر نہ کرتے تو ہم اس عذاب سے نجات پا جاتے جس طرح مومن نجات پا گئے۔ یہ الف فواصل میں واقع ہوتا ہے اس پر وقف کیا جاتا ہے اور وصل نہیں کیا جاتا اسی طرح السبیلا ہے۔ سورت کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

حضرت حسن بصری نے اس کی قراءت کی انا اطعنا سادا تنا یعنی تاء کے نیچے کسرہ پڑھا ہے۔ یہ سادات کی جمع ہے۔ اس آیت میں تقلید سے جھڑک ہے۔ سادۃ یہ سید کی جمع ہے۔ یہ فعلۃ کا وزن ہے، جس طرح کتبۃ، فجرۃ، ساداتنا یہ جمع کی

جمع ہے۔ سادۃ اور کبراء دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ سردار ہیں جو غزوۂ بدر کے موقع پر مشرک فوج کو کھانا کھلایا کرتے تھے (1)۔ اظہر یہ ہے کہ یہاں شرک اور ضلالت میں جو قائدین اور سردار ہیں ان کو یہ لفظ عام ہے، یعنی ہم نے تیری نافرمانی کر کے ان کی اطاعت کی اور جس امر کی طرف بھی انہوں نے ہمیں دعوت دی ہم نے ان کی پیروی کی۔ فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا انہوں نے ہمیں السبیل یعنی توحید سے گمراہ کر دیا۔ جب جار کو حذف کر دیا گیا اور فعل کے ساتھ السبیل کو ملا دیا گیا تو اس پر نصب آئی، اضلال کا لفظ حرف جار کے واسطہ کے بغیر دو مفعولوں کی طرف متعدی نہیں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ (الفرقان: 29)

رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِیْرًا ﴿۶۸﴾

"اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور لعنت بھیج ان پر بہت بڑی لعنت"۔

رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ قتادہ نے کہا: مراد عذاب دنیا اور عذاب آخرت ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفر کا عذاب اور گمراہ کرنے کا عذاب ہے (3)، یعنی جس قدر تو ہمیں عذاب دیتا ہے انہیں اس کا دوگنا عذاب دے کیونکہ وہ گمراہ ہوئے اور انہوں نے گمراہ کیا۔ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِیْرًا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، آپ کے اصحاب، یحییٰ اور عاصم نے باء کے ساتھ قراءت کی باقی قراء نے ثاء کے ساتھ قراءت کی۔ اسے ابو حاتم، ابو عبید اور نحاس نے اپنایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ (البقرہ) یہ معنی اکثر واقع ہوتا ہے۔

محمد بن ابی السری نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں عسقلان کی مسجد میں ہوں گویا ایک آدمی مجھ سے اس آدمی کے بارے میں مناظرہ کر رہا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بغض رکھتا ہے۔ اس نے کہا: وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِیْرًا اس نے یہ بات بار بار مجھ سے کی پھر وہ غائب ہو گیا۔ وہ اسے ثاء کے ساتھ ہی کہتا۔ باء کی قراءت ثاء کے معنی کی طرف ہی راجع ہے، کیونکہ جو چیز بڑی ہوتی ہے وہ کثیر اور عظیم قدر والی ہوتی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ﴿۶۹﴾

"اے ایمان والو! نہ بن جانا ان (بدبختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ کو ستایا پس بری کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے جو انہوں نے کہا اور آپ لوگوں کے نزدیک بڑے شان والے تھے"۔

جب اللہ تعالیٰ نے منافقوں اور کفار کا ذکر کیا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کو اذیت دی مقصود مومنوں کو ایسی چیزوں سے خبردار کرنا تھا جو اذیت کا باعث ہوتی ہیں اور بنی اسرائیل کے ساتھ مشابہت سے مومنوں کو منع کیا جنہوں نے اپنے نبی

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 226 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 426 3۔ ایضاً

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی تھی۔ علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس طرح اذیت دیتے تھے؟ نقاش نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اذیت یہ تھی کہ وہ یہ قول کرتے تھے: زید بن محمد۔ ابو وائل نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت یہ دی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال تقسیم کیا تو ایک انصاری نے کہا: یہ ایسی تقسیم ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ اذیت دی گئی تو انہوں نے صبر کیا'' (1)۔

جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دینے کا تعلق ہے تو حضرت ابن عباس اور ایک جماعت نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جسے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بنو اسرائیل ننگے غسل کیا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پردہ کا بہت زیادہ اہتمام کرتے اور اپنے بدن کو چھپاتے۔ کچھ لوگوں نے کہا: ان کے خصتین سوجے ہوئے ہیں، انہیں برص کا مرض ہے یا کوئی اور آفت ہے ایک روز آپ شام کے علاقہ میں ایک چشمہ پر غسل کرنے کے لیے گئے اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے وہ پتھر آپ کے کپڑوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے لباس اس کے پیچھے دوڑے آپ کہتے: اے پتھر! میرے کپڑے اے پتھر میرے کپڑے یہاں تک کہ وہ پتھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں جا پہنچا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا جب کہ آپ بناوٹ میں خوبصورت ترین اور سب سے معتدل صورت پر تھے۔ آپ میں ایسا عارضہ نہیں تھا جس کا انہوں نے تذکرہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا کا یہی مفہوم ہے''۔

امام بخاری اور امام مسلم نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔ ''بنو اسرائیل ننگے غسل کیا کرتے تھے وہ ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھا کرتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام الگ تھلگ غسل کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی چیز نہیں روکتی کہ ہمارے ساتھ غسل کریں مگر یہ کہ ان کو ادرہ (خصیتین کا سوج جانا) کی بیماری ہے۔ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کرنے کے لیے گئے آپ نے اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے تیزی سے دوڑے آپ کہتے: اے پتھر! میرے کپڑے، اے پتھر! میرے کپڑے، یہاں تک کہ بنو اسرائیل نے آپ کی شرمگاہ کو دیکھ لیا۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تو کوئی بیماری نہیں۔ پتھر ٹھہر گیا یہاں تک آپ کو دیکھ لیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے لے لیے اور پتھر کو مارنے لگے''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مارنے سے پتھر میں چھ یا سات نشان تھے۔ یہ ایک قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہا: بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی کہ انہوں نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے (2)۔ وہ واقعہ یوں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، قول اللہ تعالیٰ وصل علیہم، جلد 2، صفحہ 938
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 401

ظاہر ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام تیہ کے زرعی علاقہ سے پہاڑی علاقہ کی طرف نکلے حضرت ہارون علیہ السلام وہاں ہی فوت ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ نے اسے قتل کر دیا ہے۔ وہ آپ کی بنسبت ہمارے لیے نرم اور زیادہ محبت کرنے والے تھے۔ اس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت ہارون کی لاش کو ان پر اٹھائیں۔ انہوں نے ایک عظیم نشانی دیکھی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر ان کی راہنمائی کی۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی لاش میں قتل کی کوئی علامت نہ تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا: فرشتوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کی موت کے بارے میں کلام کی ان کی قبر کی جگہ کو رخم (گدھ) کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ نے اسے بہرہ اور گونگا بنا دیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تیہ میں فوت ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تیہ کا عرصہ گزرنے سے دو ماہ پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔

قشیری نے حضرت علی شیر خدا سے روایت نقل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو زندہ کیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں خبر دی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں قتل نہیں کیا۔ پھر وہ فوت ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی اذیت یہ تھی کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادو اور جنون کا الزام لگایا (1)۔ صحیح پہلا قول ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے یہ سب کام کیے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان سب امور سے بری کیا۔

مسئلہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر پر کپڑے رکھنا اور پانی میں ننگے داخل ہونے میں اس امر کے جائز ہونے کی دلیل ہے: یہ جمہور کا مذہب ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے اس سے منع کیا ہے اور ایسی حدیث سے استدلال کیا ہے جو صحیح نہیں۔ وہ یہ ارشاد ہے: ''پانی میں داخل نہ ہو مگر تہبند کے ساتھ کیونکہ پانی میں بھی رہنے والا ہوتا ہے''۔ قاضی عیاض نے کہا: یہ اہل علم کے نزدیک ضعیف ہے۔

میں کہتا ہوں: پردہ کرنا مستحب ہے کیونکہ اسرائیل عبد الاعلیٰ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی ؓ ایک جوہڑ میں داخل ہوئے جب کہ آپ کے جسم پر چادر تھی جس کو آپ لپیٹے ہوئے تھے۔ جب آپ باہر نکلے تو ان سے اس بارے میں عرض کی گئی، فرمایا: میں نے اس سے پردہ کیا ہے جو مجھے دیکھتا ہے اور میں اسے نہیں دیکھتا، یعنی اپنے رب اور فرشتوں سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو ایسی ندا کیوں کی جو ذوالعقول کو ندا کی جاتی ہے؟ ایک جواب یہ دیا جاتا ہے: پتھر سے ایسا عمل صادر ہوا تھا جو ذوی العقول سے صادر ہوتا ہے۔

حجر یہ منادی مفرد ہے جس کا حرف ندا محذوف ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا (یوسف: 29) ثوبی فعل مضمر کے ساتھ منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے اعطنی ثوبی، اترک ثوبی فعل کو حذف کر دیا گیا کیونکہ حال اس پر دلالت کرتا ہے۔

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 226

وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا، وجیہ سے مراد عظیم ہے۔ عربوں کے ہاں وجیہ سے مراد وہ ہوتا ہے جو عظیم قدر والا اور بلند مقام والا ہوتا ہے۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرما دیتے۔ حضرت ابن مسعود نے یہ قراءت کی وکان عبدًا للہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَجِيْهًا کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا۔

ابو بکر انباری نے کتاب الرد میں کہا: جنہوں نے قرآن میں طعن کیا ہے انہوں نے کہا: مسلمان نے قرآن میں تصحیف کی وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا جب کہ صحیح یہ ہے وکان عبد اللہ وجیھا یہ چیز اس کے مقصد کے ضعف، فہم کے نقصان اور قلت علم پر دال ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت کو اگر اس کے قول پر محمول کیا جائے اور اسے پڑھا جائے: وکان عبدا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ثنا میں نقص واقع ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وَجِيْهًا اہل دنیا، اس کے اہل زمان اور اہل آخرت کے ہاں ذیشان ہوتا ہے۔ یہ مکاں مدح پر آگاہ نہ کرے گا، کیونکہ اگر وہ دنیا کے لوگوں کے ہاں ذیشان ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعام ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ثنا واضح نہیں ہوتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے مدح کے محل کو اپنے اس ارشاد کے ساتھ واضح کیا: وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا آپ شرف اور عظیم رفعت کے مستحق ہوئے کیونکہ ان کی وجاہت اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ جس نے ایک لفظ میں تبدیلی کی اس نے اللہ تعالیٰ کے نبی سے سب سے قابل فخر ثنا اور سب سے عظیم مدح کو دور کر دیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًاۙ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۝

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ سچی (اور درست) بات کہا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا اور جو شخص حکم مانتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تو وہ ہی شخص حاصل کرتا ہے بہت بڑی کامیابی''۔

قَوْلًا سَدِيْدًا یعنی ایسا قول جو اعتدال پر ہو اور حق ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: درست۔ قتادہ اور مقاتل نے کہا: حضرت زینب اور حضرت زید کے بارے میں درست قول کرو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب نہ کرو جو حلال نہ ہو۔ عکرمہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قول سدید، لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کا ظاہر اس کے باطن کے موافق ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کیا گیا ہو اس کے علاوہ کا ارادہ نہ کیا گیا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد دو جھگڑنے والوں کے درمیان اصلاح کی کوشش کرنا ہے۔ یہ تسدید السہم (1) سے ماخوذ ہے تاکہ اس کے ساتھ ٹارگٹ پر تیر مارا جائے۔ قول سداد تمام بھلائیوں کو عام ہے، جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اسے اور غیر کو عام ہے۔

آیت کا ظاہر یہ معنی دیتا ہے کہ اشارہ اس قول کی طرف ہے جو اس اذیت کے خلاف ہو جو اذیت کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 428

کے متعلق ہو اور مومنین کے متعلق ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا کہ وہ قول سدید پر اعمال کو درست کرے اور گناہوں کو بخش کر جزا دے گا۔ تیرے لیے درجہ اور رفعت منزلت کے اعتبار سے یہ کافی ہے۔

جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ان امور میں اطاعت کی جن کا اسے حکم دیا گیا اور جن سے اسے منع کیا گیا تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

''ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے، بے شک یہ ظلوم بھی ہے (اور) جہول بھی تاکہ عذاب دے اللہ تعالیٰ نفاق کرنے والوں اور نفاق کرنے والیوں اور شرک کرنے والوں اور شرک کرنے والیوں کو اور نگاہ لطف و کرم فرمائے اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور ایمان والیوں پر، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہر دم رحم فرمانے والا ہے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں احکام کو بیان کیا جن احکام کو بھی بیان کیا تو اوامر کے التزام کا حکم دیا۔ امانت صحیح قول کے مطابق دین کے تمام فرائض کو عام ہے؛ یہ جمہور کا قول ہے۔ ترمذی حکیم ابو عبد اللہ نے اسماعیل بن نصر سے وہ صالح بن عبد اللہ سے وہ محمد بن یزید بن جوہر سے وہ ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: اے آدم! میں نے آسمانوں اور زمین پر امانت کو پیش کیا تو وہ اس کو نہ اٹھا سکے کیا تو اس کو اٹھا سکتا ہے جو کچھ اس میں ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! اس میں کیا ہے؟ فرمایا: اگر تو نے اس کو اٹھا لیا تو تمہیں اجر دیا جائے گا اور اگر تو نے ضائع کر دیا تو تجھے عذاب دیا جائے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے اٹھا لیا اس چیز کے ساتھ جو اس میں ہے۔ تو حضرت آدم علیہ السلام جنت میں اتنے عرصہ ہی ٹھہرے جتنا عرصہ پہلی نماز سے لے کر عصر کی نماز کا وقت ہوتا ہے، یہاں تک کہ شیطان نے آپ کو جنت سے نکال دیا'' (1)۔

امانت سے مراد وہ فرائض ہیں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جن پر امین بنایا۔ ان میں سے بعض کی تفاصیل اقوال ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ اموال کی امانتیں ہیں جس طرح ودیعت وغیرہ (2)۔ ان میں یہ بھی روایت مروی ہے کہ یہ تمام فرائض ہیں ان میں سے شدید ترین مال کی امانت ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: یہ بھی امانت میں سے ہے کہ عورت اپنی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 402 2۔ ایضاً

شرمگاہ پر امین رہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: جنابت کا غسل بھی امانت ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے دین میں سے اس کے علاوہ کسی اور امر پر امین نہیں بنایا۔

حدیث مرفوع میں ہے: ''امانت سے مراد نماز ہے اگر تو چاہے تو کہے میں نے نماز پڑھ لی ہے اگر تو چاہے تو تو کہے میں نے نماز نہیں پڑھی۔ روزے اور غسل جنابت بھی اسی طرح ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعضاء میں سب سے پہلے اس کی شرمگاہ بنائی۔ فرمایا: یہ امانت ہے جو میں تجھے ودیعت کرتا ہوں۔ اسے استعمال نہ کر مگر حق کے ساتھ۔ اگر تو نے اس کی حفاظت کی تو یہ تیری حفاظت کرے گی۔ شرمگاہ امانت ہے، کان امانت ہے، آنکھ امانت ہے، زبان امانت ہے، بطن امانت ہے، ہاتھ امانت ہے، پاؤں امانت ہے۔ جس میں صفت امانت نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں۔

سدی نے کہا: اس سے مراد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے قابیل کو اپنی اولاد اور اہل پر امین بنایا۔ قابیل کی حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ یہ خیانت تھی کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: اے آدم! کیا تو جانتا ہے کہ زمین میں میرا ایک گھر ہے؟ عرض کی: اے میرے اللہ! نہیں۔ فرمایا: میرا مکہ مکرمہ میں ایک گھر ہے۔ اس میں آؤ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے آسمان سے کہا: امانت کے طور پر میرے بچے کی حفاظت کرو تو اس نے انکار کر دیا۔ زمین سے کہا: امانت کے طور پر میرے بچے کی حفاظت کیجئے۔ اس نے انکار کر دیا۔ پہاڑوں سے فرمایا: انہوں نے بھی انکار کر دیا، قابیل سے فرمایا: امانت کے طور پر میرے بچے کی حفاظت کرو۔ قابیل نے کہا: ٹھیک ہے آپ جائیں، آپ واپس آئیں تو آپ بچے کو پائیں گے جس طرح وہ تجھے خوش کرے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام لوٹے تو اسے پایا کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا کا یہی مقصود ہے۔

معمر نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ امانت آسمان، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئی انہوں نے پوچھا: اس میں کیا ہے؟ انہیں کہا گیا: اگر تو نے اچھا کیا تو تجھے جزا دی جائے گی اور اگر تو نے برائی کی تو تجھے سزا دی جائے گی۔ انہوں نے کہا: نہیں (2)۔ مجاہد نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو امانت اس پر پیش کی حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: وہ کیا ہے؟ فرمایا: اگر تو اچھا کرے گا تو میں تجھے اجر دوں گا اور اگر تو برا عمل کرے گا تو میں تجھے عذاب دوں گا۔ عرض کی: اے میرے رب! میں نے اس کو اٹھا لیا ہے۔

مجاہد نے کہا: جس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے امانت اٹھائی تو اتنا وقت بھی نہیں گزرا تھا کہ انہیں جنت سے نکال دیا گیا جتنا وقت ظہر اور عصر کی نماز کے درمیان ہوتا ہے۔ علی بن طلحہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ امانت سے مراد فرائض ہیں (3)، اللہ تعالیٰ نے جن کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ اگر وہ

1۔ نوادر الاصول، جلد 4، صفحہ 402 2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 312 3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 311

فرائض کو ادا کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں بدلہ عطا فرمائے گا اگر وہ ضائع کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے گا۔ انہوں نے معصیت کے بغیر اسے ناپسند کیا اور ڈر گئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی تعظیم کی خاطر انہوں نے ایسا کیا کہ وہ اس کو بجا نہ لاسکیں گے پھر اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اسے قبول کرلیا جو کچھ اس میں تھا۔

نحاس نے کہا: یہ ایسا قول ہے جس پر اہل تفسیر کا اتفاق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت آدم علیہ السلام پر وفات کا وقت آیا تو آپ نے ارادہ کیا کہ امانت کو مخلوق پر پیش کریں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے امانت پیش کردی تو آپ کے بیٹوں کے سوا کسی نے بھی اس کو قبول نہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین، پہاڑوں اور مخلوق میں اپنی ربوبیت پر دلائل کی صورت میں ودیعت کی ہے کہ وہ ان دلائل کو ظاہر کریں تو انہوں نے ان کو ظاہر کردیا مگر انسان نے ان دلائل کو چھپایا اور ان کا انکار کردیا: یہ قول بعض متکلمین کا ہے۔

عَرَضْنَا کا معنی اظہرنا ہے جس طرح تو کہتا ہے: عرضت الجاریۃ علی البیع میں نے لونڈی کو بیع کے لیے پیش کیا۔ معنی ہے ہم نے امانت اور اس کے ضیاع کو اہل آسمان اور اہل زمین جو فرشتے، انسان اور جن ہیں ان پر پیش کیا۔ **فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا** تو انہوں نے اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کردیا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ لَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ** (العنکبوت: 13) **وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ** حضرت حسن بصری نے کہا: الانسان سے مراد کافر اور منافق ہے (1)۔ **اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا** وہ اپنی ذات پر ظلم کرنے والا اور اپنے رب سے جاہل تھا۔ اس تعبیر کی بنا پر جواب مجازاً ہوگا، جس طرح **وَسْئَلِ الْقَرْیَةَ** (یوسف: 82) ہے۔ اس میں ایک جواب بھی ہے کہ یہ کلام اپنے حقیقی معنی میں ہو کہ واقعی امانت اور اس پر ثواب وعقاب کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا گیا ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امر کو ان کے لیے ظاہر کیا ہو۔ انہوں نے اس کا بوجھ نہ اٹھایا اور ڈر گئے اور عرض کی: ہم ثواب اور عقاب کو نہیں چاہتے۔ ہر کوئی کہہ رہا تھا: ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے، ہم تیرے حکم کو سنتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا گیا اور جس کے لیے انہیں مسخر کیا گیا؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا۔

علماء نے کہا: یہ بات تو معلوم ہے کہ جمادات نہ سنتے ہیں اور نہ ہی جواب دیتے ہیں۔ دوسرے قول کی بنا پر ان میں زندگی کو مقدر کرنا ضروری ہے۔ یہ پیشی اختیاری تھی لازمی نہیں تھی۔ انسان پر پیشی لازمی تھی۔ قفال اور دوسرے علماء نے کہا: اس آیت میں پیشی ضرب المثل ہے۔ آسمان اور زمین اپنی بڑی جسامت کے باوجود اگر انہیں مکلف بنانا جائز ہوتا تو انہیں شریعتوں کا مکلف بنا دیا جاتا کیونکہ ان میں ثواب اور عقاب ہے، یعنی مکلف بنانا ایسا امر ہے جس کا حق یہ ہے کہ اس سے آسمان، زمین اور پہاڑ عاجز آگئے۔ انسان کو اس کا مکلف بنایا گیا اگر یہ سمجھتا تو یہ ظلوم جہول ہوتا، یہ ارشاد اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ** (الحشر: 21) پھر فرمایا: **وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ**۔

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 314

قفال نے کہا: جب یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرب الامثال بیان فرماتا ہے اور ہم پر ایسی خبر وارد ہو جو ضرب المثل کے طور پر آتی ہے تو اس کا حمل ضرب المثل پر کرنا ضروری ہے۔

ایک قوم نے کہا: آیت مجاز میں سے ہے۔ جب ہم نے امانت کے بوجھ کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کی قوت کے ساتھ موازنہ کیا تو ہم نے دیکھا کہ وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر یہ چیزیں کلام کرتیں تو انکار کر دیتیں اور ڈر جاتیں۔ اس معنی کو اپنے اس ارشاد کے ساتھ تعبیر کیا: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ یہ اسی طرح ہے جس طرح تیرا قول ہے: عرضت الحمل علی البعیر فاباہ میں نے بوجھ اونٹ پر پیش کیا تو اس نے اٹھانے سے انکار کر دیا، جب کہ تو یہ ارادہ رکھتا ہو کہ تو نے اس کی قوت کو سامان کے بوجھ کے ساتھ موازنہ کیا تو تو نے دیکھا کہ وہ اس سے قاصر ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَرَضْنَا یہ عارضنا الامانة بالسموات والارض والجبال کے معنی میں ہے۔ یہ اشیاء امانت سے ضعیف ہوگئیں۔ اور امانت اپنے ثقل کی وجہ سے ان پر راجح ہوگئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر امانت کا پیش کرنا حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد پر خلیفہ بنایا اور زمین میں جو بھی جانور، پرندے اور وحشی ہیں سب پر ان کو مسلط کر دیا اور ان سے عہد لیا جس میں انہیں حکم دیا، انہیں منع کیا، کچھ چیزوں کو حرام کیا اور کچھ چیزوں کو حلال کیا حضرت آدم علیہ السلام نے اسے قبول تو کر لیا اور ہمیشہ اس پر عامل رہے جب ان کی وفات کا وقت آیا اللہ تعالیٰ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ آگاہ کریں کس کو وہ بعد میں خلیفہ بنائے گا اور کس کو امانت سپرد کر دے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ وہ اس امانت کو اسی شرط کے ساتھ آسمانوں پر پیش کرے جو شرط اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ لگائی ہے اگر اطاعت کرے تو ثواب حاصل ہو گا اگر نافرمانی کرے گا تو سزا ملے گی تو انہوں نے عذاب کے ڈر سے اسے قبول کرنے سے انکار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ وہ امانت زمین پر پیش کرے اور تمام پہاڑوں پر پیش کرے تو دونوں نے انکار کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس امانت کو اپنی اولاد پر پیش کرے تو حضرت آدم علیہ السلام نے امانت اپنی اولاد پر پیش کی تو اولاد نے شرط کے ساتھ اسے قبول کر لیا، ابن آدم اس چیز سے خوفزدہ نہ ہوا جس چیز سے آسمان، زمین اور پہاڑ خوفزدہ ہوئے۔ وہ اپنی ذات پر ظلم کرنے والا اور اپنے رب کے لیے جس امر کو اپنا قلادہ بنانے والا تھا اس کے انجام سے جاہل تھا۔

ترمذی حکیم ابو عبد اللہ محمد بن علی نے کہا: میں اس قول کرنے والے پر تعجب کا اظہار کرتا ہوں، وہ یہ قصہ کہاں سے لے آیا۔ اگر ہم آثار کو دیکھیں تو اس نے جو کہا تھا ہم اس کے برعکس پاتے ہیں۔ اگر ہم اس کے ظاہر کو دیکھیں تو ہم اسے اس کے برعکس پاتے ہیں جو اس نے کہا، اگر ہم اس کے باطن کو دیکھیں تو جو اس نے کہا اس سے بہت ہی بعید پاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امانت کے ذکر کو مکرر ذکر کیا اور یہ ذکر نہیں کیا کہ امانت کیا ہے مگر وہ اپنے مقام میں یہ اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں جو کچھ ہے اس پر مسلط کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے عہد لیا ہے جس میں امر، نہی، حلت اور حرمت کے احکام ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ اسے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کرے۔ آسمان، زمین اور پہاڑ

حلال وحرام سے کیا کریں گے؟ چوپائیوں، پرندوں اور وحشیوں پر اس کے تسلط کا کیا معنی ہے؟ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس امانت کو اپنی اولاد پر پیش کیا اس نے اسے قبول کیا اور مابعد کی ذریت پر اسے نافذ کر دیا؟

قرآن کریم میں واقعہ کی ابتدا میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا یہاں تک کہ ان سے انکار ظاہر ہوا۔ پھر اس کا ذکر کیا کہ انسان نے اس کو اٹھا لیا، یعنی اپنی جانب سے اس کو اٹھا لیا نہ کہ اس پر اسے لازم کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ظلوماً کا نام دیا کیونکہ وہ اپنی ذات پر ظلم کرنے والا ہے اور جھولا نام دیا کیونکہ جو اس امانت میں تھا اس سے وہ ناواقف تھا۔ جہاں تک ان آثار کا تعلق ہے جو اس کے برعکس ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ میرے والد فیض بن فضل کوفی سے وہ سری بن اسماعیل سے وہ عامر شعبی سے وہ مسروق سے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے امانت کو پیدا کیا تو اسے چٹان سے تشبیہ دی پھر جہاں چاہا اسے رکھ دیا۔ پھر اس کو اٹھانے کے لیے آسمان، زمین اور پہاڑوں کو دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: یہ امانت ہے اس پر ثواب وعقاب ہے۔ انہوں نے عرض کی: اے میرے رب! ہم میں اس کے اٹھانے کی کوئی طاقت نہیں۔ انسان دعوت دیئے جانے سے قبل ہی متوجہ ہوا اس نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں سے کہا: تم کیوں رک گئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہمارے رب نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اس کو اٹھا لیں ہم اس سے ڈر گئے ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

انسان نے اپنے ہاتھ سے اسے ہلایا اور کہا: اللہ کی قسم! اگر میں چاہوں کہ میں اس کو اٹھاؤں تو میں اس کو اٹھا سکتا ہوں۔ انسان نے اس کو اٹھایا یہاں تک کہ اسے اپنے گھٹنوں تک لے گیا، پھر اسے رکھ دیا۔ عرض کی: اللہ کی قسم! میں چاہوں کہ میں اس سے زائد اٹھاؤں تو میں اس کو مزید اٹھا سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا: اٹھاؤ۔ انسان نے اس کو اٹھایا یہاں تک کہ اسے ڈھاکوں تک پہنچایا۔ پھر اسے رکھ دیا کہا: اللہ کی قسم! اگر میں چاہوں کہ میں اس کو مزید اٹھاؤں تو میں اس کو مزید اٹھا سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا: اٹھاؤ۔ انسان نے اس کو اٹھایا یہاں تک کہ اسے اپنے کندھے پر رکھا۔ جب انسان اسے رکھنے کے لیے جھکا تو انہوں نے کہا: اپنی جگہ پر ہی رہو۔ یہ امانت ہے اس پر ثواب بھی ہے اور عقاب بھی ہے۔ ہمارے رب نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اس کو اٹھائیں تو ہم اس سے ڈر گئے، تو نے اس کو اٹھا لیا جب کہ تجھے اس کی دعوت بھی نہیں دی گئی تھی۔ اب یہ تیری گردن میں ہے اور قیامت تک تیری اولاد کی گردن پر ہے۔ بے شک تو ظلوم وجہول ہے۔ اور کئی واقعات صحابہ اور تابعین سے نقل کیے جن میں سے اکثر کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اس کے حقوق بجالانے کو لازم کر لیا وہ اس میں اپنے آپ پر ظلم کرنے والا تھا۔ قتادہ نے کہا: وہ امانت کے بارے میں ناواقف تھا کہ اس میں کیا کچھ داخل ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اپنے رب کے بارے میں ناواقف ہے۔ کہا: حَمَلَهَا کا معنی ہے اس میں خیانت کی۔

زجاج نے کہا: اس تاویل کی بنا پر یہ آیت کافر، منافق اور نافرمانوں کے بارے میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ان کے اصحاب، ضحاک وغیرہ نے کہا: انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں آپ نے امانت اٹھائی ایک دن بھی مکمل نہ ہوا

یہاں تک کہ ایسی نافرمانی کی جس نے اسے جنت سے نکال دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: کیا تو اس امانت کو اٹھاتا ہے جو کچھ اس میں ہے۔ عرض کی: اس میں کیا ہے؟ فرمایا: اگر تو نے اچھائی کی تو تجھے جزا دی جائے گی اگر تو نے برائی کی تو تجھے سزا دی جائے گی۔ عرض کی: اس میں جو کچھ ہے میں اسے اپنے کانوں اور کندھوں کے درمیان میں اٹھالیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ارشاد فرمایا: میں تیری مدد کروں گا، میں نے تیری آنکھ کے لیے حجاب بنایا ہے اسے اس کے لیے، بند رکھنا جو تیرے لیے حلال نہ ہو اور تیری شرمگاہ کے لیے لباس بنایا ہے اسے نہ کھولنا مگر اسی پر جو میں نے تیرے لیے حلال کیا ہے۔

ایک قوم نے کہا: انسان سے مراد تمام نوع ہے۔ یہ اچھی تعبیر ہے کہ امانت میں عموم پایا جاتا ہے، جس طرح ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ سدی نے کہا: انسان سے مراد قابیل ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ، لِّيُعَذِّبَ کا لام حمل کے متعلق ہے۔ اس پر لازم کیا تا کہ عاصی کو عذاب دے اور مطیع کو ثواب دے۔ یہ لام تعلیل ہے، کیونکہ عذاب امانت اٹھانے کا نتیجہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عرضنا کے متعلق ہے یعنی ہم نے تمام پر امانت کو پیش کیا پھر ہم نے انسان کو اس کا متقلد بنا دیا تا کہ مشرک کا شرک اور منافق کا نفاق ظاہر ہو تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے اور مومن کا ایمان ظاہر ہو تا کہ اللہ تعالیٰ اسے بدلہ دے۔

وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ حضرت حسن بصری کی قراءت رفع کے ساتھ ہے یہ پہلی کلام سے الگ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہر حال میں ان پر نظر کرم کرے گا۔

وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا، رَّحِيْمًا یہ کان کی خبر کے بعد خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ غفور کی صفت ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ضمیر سے حال ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی صحیح امر کو جانتا ہے۔

سورۂ سبا

آیاتہا ۵۴ ۳۴ سورۃ سبا مکیۃ ۵۸ رکوعاتہا ۶

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے(1) مگر ایک آیت میں اختلاف ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ایک جماعت نے کہا: یہ مکی ہے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے مومن ہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے: یہ مدنی ہے(2) مومنین سے مراد جو مدینہ طیبہ میں اسلام لائے جس طرح حضرت عبد اللہ بن سلام وغیرہ؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے مومن کوئی بھی ہو۔ اس کی چون آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ①

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور ہر اس چیز کا جو زمین میں ہے اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں آخرت میں اور وہی بڑا دانا ہر بات سے باخبر ہے"۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، الَّذِيْ محل جر میں ہے نعت ہونے کے اعتبار سے یا بدل ہونے کے اعتبار سے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا کے مضمر ہونے کے اعتبار سے محل رفع میں ہو اور اعنی کے مضمر ہونے کے اعتبار سے محل نصب میں ہو۔

سیبویہ نے یہ حکایت بیان کی ہے الحمد للہ اهل الحمد لفظ اہل رفع، نصب اور جر کے ساتھ ہے۔ کامل حمد اور ثناء شامل سب اللہ کے لیے ہے، کیونکہ تمام تر نعمتیں اس کی جانب سے ہے۔

سورۃ فاتحہ کے آغاز میں گفتگو گزر چکی ہے۔ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ (الزمر: 74) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⊙ (یونس) وہ آخرت میں محمود ہے جس طرح دنیا میں محمود ہے وہ آخرت کا مالک ہے جس طرح دنیا کا مالک ہے۔

وَهُوَ الْحَكِيْمُ وہ اپنے فعل میں حکیم ہے اور اپنی مخلوق کے امر کے بارے میں باخبر ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 404 2۔ ایضاً

هُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۝

''وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے نیز وہ جانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتا اور جو آسمان کی طرف عروج کرتا ہے اور وہی ہمیشہ رحم فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے''۔

زمین میں جو قطرہ وغیرہ داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ (الزمر: 21) یعنی خزانے، دفینے اور مردے زمین جن کو محفوظ کرنے کی جگہ ہے۔ زمین سے جو نباتات وغیرہ اگتی ہے اسے بھی جانتا ہے۔ آسمان سے جو بارش، برف، اولے، بجلیاں، رزق، مقادیر اور برکات نازل ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے تشدید کے ساتھ وما ننزل قراءت کی ہے۔ آسمان کی طرف فرشتے اور بندوں کے جو اعمال بلند ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی جانتا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے لوگوں کا قول ہے (1)۔ اور وہ رحیم وغفور ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَ لَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

''اور کفار کہتے ہیں: ہم پر قیامت نہیں آئے گی آپ فرمایئے: ضرور آئے گی مجھے اپنے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے تم پر قیامت ضرور آئے گی نہیں چھپی ہوئی اس سے ذرہ برابر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چھوٹی چیز ذرہ سے اور نہ کوئی بڑی چیز مگر وہ کتاب مبین میں (درج) ہے (قیامت آئے گی) تا کہ اللہ تعالیٰ جزا دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، یہی وہ (نیک بخت) لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور رزق کریم ہے''۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اہل مکہ ہیں۔ مقاتل نے کہا: ابوسفیان نے کفار مکہ سے کہا: لات وعزیٰ کی قسم! ہم پر قیامت کبھی نہیں آئے گی اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل اے محمد! کہیے: بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ہارون نے طلق معلم سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے اپنے مشائخ کو پڑھتے ہوئے سنا: قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَيَاْتِيَنَّكُمْ یاء کے ساتھ۔ اسے معنی پر محمول کیا ہے، گویا کہا: تمہیں بعث اور اس کا امر ضرور آئے گا جس طرح فرمایا: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ (الانعام: 158) یہ کفار ابتدا کا اقرار کرتے اور اعادہ کے منکر تھے۔ انہوں نے دوبارہ اٹھانے کی قدرت کا جو اعتراف کیا تھا یہ اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا: اگر وہ قادر ہے تب بھی اس طرح نہیں کرے گا۔ جب اس نے رسولوں کی زبانوں پر یہ خبر دی کہ وہ مخلوق کو دوبارہ اٹھائے گا تو اس کے بعد یہ تہکم ہے

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 315

جب خبر کسی شے کے لیے وارد ہو وہ فعل کے اعتبار سے ممکن ہو تو وہ مقدور ہوگی جس کا صدق ثابت ہو اس کی تکذیب محال ہو۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ رفع کے ساتھ قراءت نافع اور ابن کثیر کی ہے۔ یہ مبتدا ہے اس کی خبر لَا یَعْزُبُ عَنْهُ ہے۔ عاصم اور ابو عمرو نے عٰلِمِ جر کے ساتھ پڑھا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی الحمد لله العالم اس قراءت کی بنا پر لتاتینکم پر وقف اچھا نہیں۔ حمزہ اور کسائی نے علام الغیوب مبالغہ اور نعت کے طریقہ پر قراءت کی ہے۔ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ اس سے غائب نہیں ہوتا۔ ویَعْزِبُ بھی قراءت ہے۔

فراء نے کہا: کسرہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ نحاس نے کہا: یہ یحییٰ بن وثاب کی قراءت ہے یہ معروف لغت ہے یوں کہا جاتا ہے: عزب یعزُب و یعزِب۔ جب وہ دور ہو جائے اور غائب ہو جائے۔ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ چھوٹی چیونٹی کے برابر۔ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اعمش کی قراءت میں ہے ولا اصغر من ذلك ولا اكبر دونوں پر فتحہ ہے اس کا عطف ذرۃ پر ہے، عام قراءت رفع کے ساتھ ہے اس کا عطف مثقال پر ہے۔ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ جو اس نے پیدا کیا اس نے جو پیدا کیا اس کو جانتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ لِيَجْزِيَ یہ لام کی کے ساتھ منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے لتا تینکم لیجزی الذین آمنوا و عملوا الصالحات ایمان داروں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو ثواب اور کافروں کو عقاب دے۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ مومنوں کے لیے گناہوں کی بخشش اور جنت ہے۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝

"اور جو (بدبخت) کوشش کرتے رہے ہیں کہ ہماری آیتوں کو جھٹلا کر ہمیں ہرا دیں، یہی ہیں جن کے لیے بدترین قسم کا دردناک عذاب ہے"۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا جنہوں نے ہمارے ادلہ کو باطل کرنے اور ہماری آیات کو جھٹلانے کی کوشش کی۔ مُعٰجِزِيْنَ وہ سبقت کی کوشش کرتے ہیں، وہ گمان کرتے تھے کہ وہ ہماری قدرت سے باہر نکل جائیں گے۔ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ الله تعالیٰ آخرت میں انہیں دوبارہ اٹھانے پر قادر نہیں۔ وہ گمان کرتے تھے کہ ہم انہیں مہلت دے دیں گے۔

لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یوں کہا جاتا ہے: عاجزہ و أعجزہ جب اس پر غالب آ جائے اور اس پر سبقت لے جائے۔ اَلِيْمٍ کسرہ کے ساتھ نافع کی قراءت ہے۔ یہ رِّجْزٍ کی صفت ہے، کیونکہ رِجْز سے مراد عذاب ہی ہے۔ الله تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ (البقرہ: 59) ابن کثیر اور حفص نے حضرت عاصم سے لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ پڑھا ہے یعنی الیم پر رفع پڑھا ہے یہاں اور سورۃ الجاثیہ میں یہ عذاب کی صفت ہے۔ ابن کثیر، ابن محیصن، حمید بن قیس، مجاہد اور ابو عمر نے مُعَجِّزِيْنَ قراءت کی ہے یعنی وہ لوگوں کو ایمان سے روکنے والے ہیں۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝

''اور جانتے ہیں وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے وہی (عین) حق ہے اور عزت والے، سب خوبیوں سراہے (خدا) کا راستہ دکھاتا ہے''۔

جب ان لوگوں کا ذکر کیا جنہوں نے نبوت کو باطل کرنے کی کوشش کی تو اس امر کو واضح کیا کہ جن لوگوں کو علم دیا گیا وہ یہ جانتے ہیں کہ قرآن حق ہے۔ مقاتل نے کہا: الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد اہل کتاب میں سے مومن ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تمام مسلمان ہیں۔ یہ اپنے عموم کی وجہ سے صحیح ترین ہے۔ رویت یہ علم کے معنی میں ہے۔ یہ محل نصب میں ہے اس کا عطف لیجزی پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی لیجزی ولیری؛ یہ زجاج اور فراء کا قول ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے، کیونکہ اس کا فرمان لِيَجْزِيَ اس کے فرمان لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ کے متعلق ہے۔ یہ نہیں کہا جاتا: تاکہ تمہارے اوپر قیامت آئے تاکہ اہل علم جان لیں کہ قرآن حق ہے کیونکہ وہ اسے حق ہی خیال کرتے ہیں اگرچہ قیامت برپا نہ ہو۔ صحیح یہ ہے کہ یہ جملہ مستانفہ کے طور پر مرفوع ہے؛ قشیری نے اسے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جب لِيَجْزِيَ اس معنی کے متعلق ہے اس نے اسے کتاب مبین میں ثابت کیا ہے تو وَيَرَى کا عطف لِيَجْزِيَ پر کرنا اچھا ہوگا، یعنی اس نے ثابت کیا تاکہ اہل علم جان لیں کہ قرآن حق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو۔ الَّذِيْ یہ محل نصب میں ہے کیونکہ یہ یَرٰی کا مفعول اول ہے۔ هُوَ الْحَقَّ، الْحَقَّ مفعول ثانی ہے۔ هُوَ ضمیر فصل ہے۔ کوفی کہتے ہیں: هُوَ ضمیر سہارا ہے۔ اس پر الَّذِيْ کو مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے۔ الْحَقُّ اس کی خبر ہے جملہ مفعول ثانی کی حیثیت سے منصوب ہے۔ جس میں الف لام ہو اس میں تمام نحویوں کے نزدیک نصب اکثر آتی ہے۔ اسی طرح وہ نکرہ جس پر الف لام داخل نہ ہو تو وہ معرفہ کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اگر خبر اسم معرفہ ہو جس طرح تیرا قول ہے: کان اخوك هو زيد تو فراء نے گمان کیا ہے: اس میں رفع پسندیدہ ہے۔ اسی طرح کان محمد هو عمرو ہے۔ اس کے رفع کو پسند کرنے کی علت یہ ہے جب اس میں الف لام نہیں تو یہ نکرہ کے مشابہ ہو گیا۔ تیرے قول میں ہے: کان زيد هو جالس کیونکہ اس میں رفع کے سوا کوئی چیز جائز نہیں۔

وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ قرآن اسلام کے طریقہ کی طرف دعوت دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔ اپنے اس ارشاد العزیز سے اس امر پر دلالت کی کہ اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا اور الْحَمِيْدِ کے قول سے اس پر دلالت ہے کہ عجز کی صفت اس کے شایان شان نہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝

''اور منکرین (قیامت) کہتے ہیں: (اے یارو!) کیا ہم پتہ بتائیں تمہیں اس شخص کا جو تمہیں خبردار کرتا ہے کہ جب تم (مرنے کے بعد) ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے تو تم ازسرنو پیدا کیے جاؤ گے''۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ اگر تو چاہے تو فعل کے لام کو ندلکم کے نون میں مدغم کر دے کیونکہ لام نون کا قریب المخرج ہے۔ يُنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ جس نے یہ کہا تھالا تاتینا الساعة اس کی جانب سے ہی یہ خبر ہے۔ یعنی کیا ہم تمہیں ایسے آدمی کے بارے میں رہنمائی کریں جو تمہیں آگاہ کرے اور تمہیں کہے: تم کو قبروں میں بوسیدہ ہونے کے بعد اٹھایا جائے گا۔ یہ ان کے حد درجہ انکار کی وجہ سے کلام صادر ہو رہی ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تو یہ کہے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں نام سے مشہور و معروف تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بعث کے بارے میں خبر دینا یہ مشہور و معروف تھا تو ان کے اس قول کا کیا معنی ہے؟

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ انہوں نے آپ کو اجنبی کی حیثیت دی اور آپ پر رہنمائی کرتے ہوئے ان پر پیش کیا جس طرح مجہول کے بارے میں مجہول امر میں رہنمائی کی جاتی ہے(1)۔ میں کہتا ہوں: وہ اس سے طنز، مزاق اور تمسخر کا ارادہ کرتے تھے تو انہوں نے اس ذات کو پیش کیا جس طرح اس آدمی کو پیش کیا جاتا ہے جس کے بارے میں حکایت کی جارہی ہو، پہیلی کے انداز میں جس پہیلی کو ہنسی اور مذاق کے لیے ذکر کیا جاتا ہے اس کے بارے میں اور اس کے معاملہ کے بارے میں جان بوجھ کر جاہل بنا دیتا ہے۔ اذا محل نصب میں ہے، اس میں عامل مُزِّقْتُمْ ہے، یہ نحاس کا قول ہے۔ اس میں يُنَبِّئُكُمْ کو عامل بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ انہیں اس وقت خبر نہیں دیتا۔ اس میں عامل ان کا مابعد بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ ان کے ماقبل میں عامل نہیں ہوتا۔ جس کا محل اس کا مابعد ہے اور جو اس کا معمول ہے اسے اس سے مقدم نہ کیا جائے۔ زجاج نے اسے جائز قرار دیا ہے کہ اس میں عامل محذوف ہو۔ تقدیر کلام یہ ہے: اذا مزقتم کل ممزق بعثتم یا تقدیر کلام یہ ہوگی: ینبئکم بأنکم تبعثون اذا مزقتم۔

مبدوی نے کہا: مُزِّقْتُمْ اس میں عامل نہیں کیونکہ یہ مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ، مضاف میں عامل نہیں ہوتا۔ بعض نے اسے جائز قرار دیا ہے کہ اذا کو مجازات کے لیے بنا دیا جائے۔ اس وقت اس کا مابعد اس میں عامل ہوگا، کیونکہ اذا مابعد کی طرف مضاف نہیں۔ شعر میں اذا اکثر مجازات کے لیے آتا ہے۔ مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ کا معنی ہے تمہیں کلی طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ مزق کا معنی اشیاء کو پھاڑنا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ثوب مزیق و ممزوق و متمزق و ممزق پھٹا ہوا کپڑا۔

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝

"یا تو اس نے (یہ کہہ کر) الله پر جھوٹا بہتان لگایا ہے یا یہ دیوانہ ہے (میرا حبیب نہ مفتری ہے نہ دیوانہ) بلکہ وہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ (کل) عذاب میں اور (آج) دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں"۔

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا جب ہمزہ استفہام میں داخل ہوا تو اس نے ہمزہ وصلی سے مستغنی کر دیا تو اس کو حذف کر دیا گیا۔ ہمزہ استفہام پر فتحہ یہ ہمزہ استفہام اور ہمزہ وصلی کے درمیان فرق کرنے کے لیے ہے۔ سورۂ مریم میں یہ بحث اطلع الغیب میں مفصل گزر چکی ہے۔

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 570

اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ اس کلام کو مشرکوں کے اس قول کی طرف پھیرا جائے گا جو پہلے گزر چکا ہے۔ مشرکوں نے کہا تھا: کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے یا اس کو جنون کا مرض لاحق ہے۔ افتراء کا معنی بات کو گھڑنا ہے۔ اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ یا اس کو جنون ہے۔ وہ ایسی بات کرتا ہے جب کہ اس کو پتہ ہی نہیں۔ پھر ان کا رد کیا اور فرمایا: بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ یعنی یہ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے کہا، بلکہ وہ تو سب سچوں سے سچا ہے۔

جو بعث کا انکار کرتا ہے تو وہ کل عذاب میں ہوگا آج وہ صحیح راستہ سے گمراہ ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز قرار دینے اور افترا کی نسبت اسی ذات کی طرف کرنے والا ہو گیا ہے جس کی تائید اللہ تعالیٰ نے معجزات سے کی ہے۔

اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝۹

"کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ انہیں آگے اور پیچھے سے آسمان اور زمین نے گھیر رکھا ہے اور اگر ہم چاہیں تو دھنسا دیں انہیں زمین میں یا گرا دیں ان پر چند ٹکڑے آسمان سے درحقیقت اس میں (کھلی) نشانی ہے ہر اس بندے کے لیے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیا کہ وہ ذات پاک جو آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ دوبارہ اٹھانے اور انہیں جلد سزا دینے پر بھی قادر ہے۔ اپنی اس قدرت کے ساتھ ان پر استدلال کیا اور یہ بتایا کہ آسمان اور زمین اس کی ملک ہیں یہ دونوں ان کو ہر جانب سے گھیرے ہوئے ہیں تو وہ زمین میں دھنسائے جانے اور آسمان کا ٹکڑا گرائے جانے سے کیسے امن میں ہیں؟ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قارون اور اصحاب ایکہ کے ساتھ کیا۔ حمزہ اور کسائی نے ان یشاء یخسف بهم الارض او یسقط میں تینوں فعل یاء کے ساتھ پڑھے ہیں، یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دے تو زمین ان کو دھنسا دے، آسمان کو حکم دے تو آسمان ان پر ٹکڑا گرا دے۔ باقی قراء نے نون کے ساتھ قراءت کی ہے یہ بطور تعظیم ہے۔

سلمی اور حفص نے کسفا سین کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ باقی قراء نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی وضاحت سورۃ الاسراء اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وہ جو ہم نے اپنی قدرت میں سے ذکر کیا ہے اس میں واضح دلالت ہے۔ لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ہر ایسے بندے کے لیے جو توبہ کرنے والا ہو اور اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ منیب کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ کے دلائل اور آیات میں غور و فکر کے ساتھ نفع اٹھانے والا ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَ الطَّیْرَ ۚ وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ۝۱۰

"بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جانب سے بڑی فضیلت بخشی (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! تسبیح کہو اس کے ساتھ مل کر اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا نیز لوہے کو اس کے لیے نرم کر دیا"۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکروں کے لیے اس امر کو بیان کیا کہ رسولوں کو بھیجنا کوئی نیا امر نہیں بلکہ ہم نے رسولوں کو مبعوث کیا اور معجزات کے ساتھ ان کی تائید کی اور جنہوں نے ان کی مخالفت کی ہم نے ان پر عذاب کو نازل فرمادیا۔ آتینا فضلا ہم نے انہیں ایسا امر عطا کیا جس کے ذریعے ہم نے اسے دوسرے لوگوں پر فضیلت دی۔ اس فعل میں اختلاف ہے جس کے بارے میں نو قول ہیں: (۱) نبوت (۲) زبور (۳) علم، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا (النمل:15) (۴) قوت، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ (ص:17) (۵) پہاڑوں اور لوگوں کو مسخر کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ (سبا:10) (۶) توبہ، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ (ص:25) (۷) عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (ص:26) (۸) لوہے کو نرم کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ۝ (سبا) (۹) حسن صوت، حضرت داؤد علیہ السلام اچھی آواز والے اور خوبصورت چہرے والے تھے۔ اچھی آواز اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہبہ اور اس کی طرف سے فضل و احسان تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ (فاطر:1) سے یہی مراد ہے جس کی وضاحت ان شاء اللہ آئے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لقد أوتيت مزمارا من مزامير آل داود (1) تجھے آل داؤد کے مزامیر میں سے مزمار عطا کیا گیا ہے۔ علماء نے کہا: مزمار اور مزمور سے مراد اچھی آواز ہے اسی وجہ سے موسیقی کے آلات کو مزمار کہتے ہیں۔ مختلف شہروں کے کثیر فقہاء نے تزیین کے ساتھ اور بار بار پڑھنے کو اچھا خیال کیا ہے۔ یہ بحث کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے۔ الحمدللہ

یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ ہم نے کہا: اے پہاڑو! تم بھی اس کے ساتھ تسبیح بیان کرو (2)، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ ۝ (ص) ابو میسرہ نے کہا: جنتیوں کی زبان میں اس کا معنی تسبیح کرنا ہے۔ پہاڑوں کی تسبیح سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں تسبیح پیدا کر دی جس طرح درخت میں کلام پیدا کر دی۔ اس سے بھی وہی چیز سنی جاتی ہے جو تسبیح کرنے والے سے سنی جاتی ہے۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے معجزہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اس کے ساتھ چلو جہاں وہ چاہے۔ یہ اس تاویب سے ماخوذ ہے جس سے مراد سارا دن چلنا ہے اور رات کے وقت پڑاؤ ڈالنا ہے۔ ابن مقبل نے کہا:

لحقنا بحيّ أوّبوا السير بعدما	دفعنا شعاع الشمس والطرف يجنح (3)

ہم ایسے قبیلہ کو جا لاحق ہوئے جو سارا دن چلتا رہا بعد اس کے سورج کی شعاعیں ہمیں دھکیل رہی تھیں اور آنکھ جھک رہی تھی۔

حضرت حسن بصری، قتادہ اور دوسرے علماء نے پڑھا: اُوْبِیْ مَعَهٗ یعنی اس کے ساتھ تسبیح کو دہراؤ۔ یہ آب یئوب، أوبا، أوبة، إيابا سے مشتق ہے۔ جب وہ لوٹے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت داؤد علیہ السلام دن کے وقت جو کام کرتے ہیں تم

1۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، حسن الصوت بقراءة القرآن، جلد 2، صفحہ 755

2۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 232	3۔ البحر المحیط، جلد 4، صفحہ 407

بھی اس کے ساتھ وہی کرو۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام زبور کو پڑھتے تو پہاڑ بھی اس کے ساتھ آواز نکالتے اور پرندے توجہ سے سنتے گویا انہوں نے وہی کیا جو حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا۔ وہب بن منبہ نے کہا: معنی ہے تم بھی اس کے ساتھ آہ و زاری کرو اور پرندے بھی اس امر پر اس کی مدد کریں (1)۔

حضرت داؤد علیہ السلام جب آہ و زاری کرتے تو پہاڑ اس کی صدا پر آپ کو جواب دیتے اور پرندے اس کے اوپر ٹھہر جاتے۔ پہاڑوں سے صدائے بازگشت جسے لوگ سنتے ہیں وہ اس دن سے آج تک قائم ہے۔ پہاڑوں اور پرندوں کی مدد کے ساتھ ان کی تائید کی گئی تاکہ آپ اس بارے میں کوئی ضعف نہ پائیں۔ جب ضعف پیدا ہوتا آپ میں جوش پیدا ہوتا اور آپ حرکت کرتے اور پہاڑوں اور پرندوں کے وسیلہ سے قوت حاصل کرتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو ایسی آواز دی گئی تھی کہ آپ کی اچھی آواز کی وجہ سے پہاڑوں کے وحشی جانور بھیڑ کر لیتے۔ جاری پانی آپ کی آواز پر چلنا رک جاتا۔ والطیر رفع کے ساتھ: یہ ابن ابی اسحاق، نصر کی عاصم سے، ابن ہرمز اور مسلمہ بن عبد الملک کی قراءت ہے۔ اس کا عطف الجبال کے لفظ پر ہے۔ یا اَوِّبِیْ میں جو ضمیر ہے اس پر اس کا عطف ہے۔ مع کے ساتھ فصل نے اسے حسین بنا دیا ہے۔ باقی قراء نے اسے نصب کے ساتھ پڑھا ہے یہ یا جبال کے محل پر معطوف ہے، یعنی ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو ندا کی؛ یہ سیبویہ کا قول ہے۔ ابو عمرو بن علاء کے نزدیک فعل کے مضمر ہونے کی بنا پر منصوب ہے یعنی سخرنا له الطیر (2)۔ کسائی نے کہا: یہ معطوف ہے تقدیر کلام یہ ہے وآتیناه الطیر به وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا پر محمول ہوگا۔ نحاس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول معہ ہو تقدیر کلام یہ ہو و مع الطیر۔

وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: لوہا آپ کے لیے موم کی طرح ہو گیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ گوندھے ہوئے آٹے کی طرح ہو گیا (3)۔ حضرت داؤد علیہ السلام آگ کے بغیر اس سے چیز بناتے تھے۔ سدی نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا تر مٹی، گوندھے ہوئے آٹے اور موم کی طرح ہو گیا۔ وہ جیسے چاہتے اس کو استعمال کرتے۔ نہ آگ میں داخل کرتے اور نہ ہتھوڑا مارتے؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ آپ دن کے کچھ حصہ میں یا رات کے کچھ حصہ میں زرہ سے فارغ ہو جاتے تھے۔ اس زرہ کی قیمت ایک ہزار درہم ہوتی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی قوت عطا کی تھی جس کے ساتھ وہ لوہے کو دوہرا کر لیتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے تو آپ ایک فرشتہ سے ملے حضرت داؤد علیہ السلام اسے ایک انسان گمان کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنا بھیس بدلا ہوا تھا آپ اس لیے نکلے تھے تاکہ اپنے بارے اور اپنی سیرت کے بارے میں خفیہ طریقہ سے بنی اسرائیل میں معلومات حاصل کریں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس شخص سے پوچھا جو انسان کی شکل میں ان کے سامنے آیا تھا: اس داؤد بادشاہ کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ فرشتے نے آپ سے کہا: وہ کتنا اچھا بندہ ہے اگر اس میں ایک بات نہ ہو۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 407
2۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 233
3۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 316

حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: وہ کیا ہے؟ فرشتے نے کہا: وہ بیت المال سے رزق حاصل کرتا ہے اگر وہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتا تو اس کے فضائل مکمل ہو جاتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام واپس آئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ اسے کوئی ہنر سکھا دے اور اسے آپ پر آسان کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زرہ بنانے کا ہنر عطا کر دیا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں فرمایا، حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے زرہیں بنائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام رات اور دن کے درمیان ایک زرہ بنا لیتے جو ایک ہزار درہم کے برابر ہوتی، یہاں تک کہ آپ کے پاس کثیر مال جمع ہو گیا اور گھر کی زندگی میں وسعت آگئی۔ آپ وہ مال فقراء اور مساکین پر صدقہ کیا کرتے تھے۔ آپ ایک تہائی مال مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا کرتے تھے۔ یہ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے زرہ لی اور اسے بنایا۔ اس سے قبل جوڑے تختے استعمال کیے جاتے تھے۔ یہ قول کیا جاتا ہے: آپ ہر زرہ چار ہزار درہم میں بیچا کرتے تھے۔ درع کا لفظ جب جنگ کے لیے استعمال ہو تو یہ مونث ہوتا ہے اور عورت کی درع مذکر ہوتی ہے۔

مسئلہ: اس آیت میں دلیل ہے کہ اہل فضل کو بھی ہنر سیکھنا چاہیے اور ہنر ان کے منصب میں کمی نہیں کرتا بلکہ یہ ان کے فضل اور فضائل میں زیادتی کا باعث ہوگا، کیونکہ اس طرح ان کی ذاتوں میں تواضع اور غیر سے استغناء حاصل ہوگا۔ حلال کمائی یہ احسان جتلانے سے خالی ہوتی ہے۔ صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''انسان سب سے بہترین جو کھانا کھاتا ہے وہ اس کے ہاتھ کی کمائی ہوتی ہے (1)، اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے''۔ سورۃ الانبیاء میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝

''(اور حکم دیا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کا خیال رکھو اور (اے آل داؤد) نیک کام کیا کرو بلا شبہ جو کچھ تم کرتے ہو میں انہیں خوب دیکھ رہا ہوں''۔

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ کھلی زرہیں یعنی کامل اور وسیع۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: سبغ الدرع والثوب وغیرھما جب زرہ کا کپڑا وغیرہ ہر اس چیز کو ڈھانپ لے جس پر وہ ہے اور اس سے کچھ بچ بھی جائے۔ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ قتادہ نے کہا: زرہیں اس سے قبل تختے ہوتے تھے اور وہ سخت بھاری ہوتے، اسی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ ایسی چیز بنائیں جو ہلکی اور حفاظت کرنے والی ہو، یعنی ایسی چیز بناؤ جو ان دونوں معنوں کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہو۔ صرف حفاظت کا قصد نہ کریں کہ وہ بوجھل ہو جائے اور نہ ہلکی کا ارادہ کریں کہ حفاظت نہ کر سکے۔ ابن زید نے کہا: جس اندازے کا آپ کو حکم دیا گیا وہ حلقہ کی مقدار میں تھا، یعنی اسے چھوٹا نہ بنا کہ وہ کمزور ہو اور زرہ دفاع پر قادر نہ ہو اور نہ اسے بڑا بنا کہ اس کے پہننے والے تک پہنچا جا سکے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس چیز کے اندازے کے بارے میں حکم دیا گیا وہ کیل تھے، یعنی زرہ کے کیل کو باریک نہ بنائیں کہ وہ اپنی جگہ سے ہل جائے اور نہ موٹا ہو کہ حلقہ کو توڑ دے۔ اسے یقصم روایت کیا گیا ہے اور فاء کے ساتھ

1۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، کسب الرجل وعملہ بیدہ، جلد 1، صفحہ 278

بھی روایت ہے۔

فِي السَّرْدِ، سرد سے مراد زرہ کے حلقہ کو بنانا ہے، اسی وجہ سے زرہ کے حلقے بنانے والے کو سراد اور زراد کہتے ہیں سین کو زاء سے بدلا گیا ہے جس طرح کہا گیا ہے: سراط، زراط یہاں بھی سین کو زاء سے بدلا گیا ہے۔ سرد سے مراد ستالی سے سینا ہے۔ سرد یسرد یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ ستالی سے سیئے۔ مسرد سے مراد ستالی ہے۔ سراد بھی کہتے ہیں۔ شماخ نے کہا:

فظلت تباعا خیلنا فی بیوتکم   کما تابعت سرد العنان الخوارز

ہمارے گھوڑے تمہارے گھروں میں یوں پے در پے داخل ہوئے جس طرح گھونگے لگام کے رسی میں ہوتے ہیں۔

سراد سے مراد وہ تسمہ بھی ہے جس کے ساتھ سیا جاتا ہے۔ لبید نے کہا:

کما خرج السراد من النقال

جس طرح تسمہ پرانے موزے سے نکل جاتا ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد سرد الحدیث و الصوم۔ ان دونوں میں سرد سے مراد ہے کہ ان دونوں کو ایک ہی انداز ے میں پے در پے لائے، اسی سے سرد الکلام ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح روانی سے کلام نہیں کرتے تھے آپ اس طرح بات کرتے اگر کوئی گننے والا الفاظ گننے کا ارادہ کرتا تو انہیں شمار کر لیتا۔ سیبویہ نے کہا: اسی سے رجل سرندی ہے جس سے مراد جری آدمی ہے۔ کہا: کیونکہ وہ آگے ہی جاتا ہے۔ اس کی اصل سرد الدرع ہے اس کا معنی ہے کہ وہ زرہ کو مضبوط بنائے اور اس کے حلقوں کا نظم پے در پے کرے مختلف نہ بنائے۔ بعید نے کہا:

صنع الحدیدَ مضاعفًا أسرادُہ   لینال طول العیش غیر مَرُومِ

اس نے لوہے کو بنایا کہ اس کی زرہیں تہہ در تہہ ہیں تاکہ ساری زندگی اسے پایا جائے کہ اس کا قصد نہ کیا گیا ہو۔

ابوذویب نے کہا:

وعلیهما مسرودتانِ قضاهما   داودُ أو صَنَعُ السوابغِ تُبَّعُ(1)

دونوں پر ایسی زرہیں ہیں جن دونوں کو حضرت داؤد علیہ السلام نے بنایا یا تبع بادشاہ کی بنی ہوئی ہیں۔

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا یعنی عمل صالح کرو۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے اہل کو خطاب ہے(2) جس طرح فرمایا: اعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا (سبا:13)

اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ؕ وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَ مَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ۝

2۔ زاد المسیر، جلد 6، صفحہ 234

''اور ہم نے مسخر کر دی سلیمان کے لیے ہوا اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی ہوتی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی اور ہم نے جاری کر دیا ان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ، اور کئی جن (ان کے تابع کر دیے) جو کام میں جتے رہتے ان کے سامنے ان کے رب کے اذن سے اور جو سرتابی کرتا ان میں سے ہمارے حکم (کی تعمیل) سے تو ہم اسے چکھاتے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب''۔

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ زجاج نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے وسخرنا لسلیمان الریح (1)۔ عاصم نے ابوبکر کی روایت میں یہ قراءت کی ہے **الرِّيْحُ** یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے (2)۔ اس کی تعبیر یوں ہوگی: ولسلیمان تسخیر الریح. لسلیمان بالاستقرار الریح یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا ٹھہری ہوئی ہے۔ اس میں بھی پہلے والا معنی ہے۔ اگر کوئی کہنے والا کہے: جب تو کہے، أعطیت زیدا درھما ولعمرو دینار تو تو نے دینار کو رفع دیا تو اس میں پہلے جملے کا معنی موجود نہیں، یہ جائز ہے کہ تو نے اسے دینار عطا نہ کیا ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معاملہ اسی طرح ہے لیکن آیت معنی کے اعتبار سے اس کے برعکس ہے، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی نے بھی اسے مسخر نہیں کیا۔

غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ یعنی ایک ماہ کی مسافت۔ حضرت حسن بصری نے کہا: آپ دمشق میں صبح کرتے اور اصطخر کے مقام پر قیلولہ کرتے (3)۔ دونوں شہروں کے درمیان تیز رفتار مسافر کے لیے ایک ماہ کی مسافت تھی پھر آپ پچھلے پہر اصطخر سے چلتے اور کابل میں رات گزارتے۔ ان دونوں شہروں کے درمیان تیز رفتار مسافر کے لیے ایک ماہ کی مسافت تھی۔ سدی نے کہا: آپ ایک دن میں دو ماہ کی مسافت طے کرتے تھے۔ سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے تھے: حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیٹھتے تو آپ کے اردگرد چار سو کرسیاں لگا دی جاتیں پھر انسانوں میں سے رؤساء آپ کے قریب بیٹھتے اور چھوٹے درجے کے لوگ ان کے ساتھ بیٹھتے اور جنوں کے سردار چھوٹے درجے کے لوگوں کے ساتھ بیٹھتے اور چھوٹے درجے کے جن ان کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ ہر کرسی کے پاس ایک پرندہ مقرر تھا جس کے ذمہ ایسا کام ہوتا جس کو وہ پہنچاتا تھا۔ پھر ہوا انہیں اٹھا لیتی اور پرندے سورج کی شعاعوں سے انہیں سایہ دیے رہتے ہوتے۔ آپ صبح کو بیت المقدس سے اصطخر سفر کرتے اور بیت المقدس میں رات گزارا کرتے۔ پھر حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تلاوت کی۔ **غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ** وہب بن منبہ نے کہا: میرے لیے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ دجلہ کے کنارے ایک منزل ہے جس میں لکھا ہوا ہے: جسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک ساتھی نے لکھا ہے وہ جنوں سے تھا یا انسانوں میں سے تھا۔ ''ہم یہاں اترے ہم نے اس کو نہیں بنایا ہم نے اس کو بنا ہوا پایا ہم اصطخر سے صبح کے وقت چلے ہم نے یہاں قیلولہ کیا ہم یہاں سے پچھلے پہر کوچ کرنے والے ہیں ان شاء اللہ اور شام میں رات گزاریں گے''۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں نے مشغول کر دیا یہاں تک کہ ان کی عصر کی نماز فوت ہوگئی۔ آپ نے گھوڑوں کی گردنیں اڑا دیں اللہ تعالیٰ نے آپ

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 234　　2۔ ایضاً　　3۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 317

کو اس کا بدل عطا فرمایا جو ان گھوڑوں سے بہتر اور زیادہ تیز رفتار ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہوا اس کا بدل عطا فرمایا جو آپ کے حکم سے چلتی ہے جہاں آپ چاہتے ہیں۔ آپ کا پہلے پہر کا سفر ایک ماہ کی مسافت کا ہوتا ہے اور پچھلے پہر کا سفر ایک ماہ کی مسافت کا ہوتا ہے۔

ابن زید نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام کا مستقر قدم شہر میں تھا۔ آپ نے شام سے عراق کی طرف روانہ ہونے سے قبل شیاطین کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کے لیے چوڑے باریک پتھروں اور سفید و زرد سنگ مرمر سے آپ کے لیے قیام گاہ بنا دی۔ اس کے متعلق نابغہ کہتا ہے:

إلّا سليمانَ إذ قال الإلَه له   قُمْ فى البرِيّة فاحدُدْها عن الفَنَد

وَخَيِّس الجن إنى قد أذنت لهم   يبنون تَدْمر بالصُّفاح والعَمَد

فمن أطاعك فانفعه بطاعته   كما أطاعك وأدْلُله على الرشد

ومن عصاك فعاقبه معاقبةً   تَنْهَى الظَّلومَ ولا تَقْعُد على ضَمَد

مگر سلیمان جب اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: مخلوق میں کھڑے ہو جاؤ اور اسے گناہ سے روکو، جنوں کو اپنا مطیع بناؤ میں نے انہیں حکم دے دیا ہے وہ تدمر کو بڑے چوڑے پتھروں سے بنائیں گے۔ جو تیری اطاعت کرے اس کو طاعت پر نفع دیجئے جس طرح اس نے تیری اطاعت کی اور ہدایت پر اس کی رہنمائی کیجئے۔ جو تیری نافرمانی کرے تو اس کو سزا دیجئے جو ظالم کو روک دے اور کینہ پر قائم نہ رہے۔

میں نے ان شعروں کو یشکر کے علاقہ میں ایک چٹان میں کندہ دیکھا جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کسی ساتھی نے کہا تھا:

ونحن ولاحولٌ سوى حول ربّنا   نروح إلى الأوطان من أرض تَدْمُرِ

إذا نحن رُحْنا كان رَيْثُ رواحِنا   مسيرةَ شهرٍ والغُدُوُّ لآخَرِ

أناسٌ شَرَوا لله طَوْعًا نفوسَهم   بنصرِ ابن داوُدَ النبيِّ المطهَّر

لهم فى معالى الدِّين فضلٌ ورفعة   وان نُسِبُوا يومًا فمن خير مَعْشَرِ

متى يركبوا الريح المطيعةَ أسرعتْ   مبادِرةً عن شَهْرِها لم تُقَصِّرِ

تظلّهم طيرٌ صفوفٌ عليهمُ   متى رَفْرَفَتْ من فوقهم لم تُنَفَّرِ

ہمارے رب کی طاقت کے سوا کوئی طاقت نہیں ہم تدمر کے علاقہ سے پچھلے پہر وطن کی طرف روانہ ہوتے ہیں جب ہم چلتے ہیں تو ہمارے آرام کا وقفہ ایک ماہ کی مسافت ہوا کرتی ہے اور اگلی صبح کسی اور جگہ کے لیے ہوتی ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے خوشی خوشی اپنے نفوس اللہ تعالیٰ کے ہاں بیچ دیے ہیں ان کا مقصود حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے جو نبی مطہر ہیں کی مدد کرنا ہے۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 318

ان لوگوں کی دین کے امور میں فضیلت اور رفعت ہے۔ اگر کسی روز ان کے نسب کا ذکر کیا جائے تو یہ بہترین خاندان کے لوگ ہیں جب وہ مطیع ہوا پر سوار ہوتے ہیں تو وہ جلدی کرتی ہے وہ ایک ماہ کی مسافت تیزی سے طے کرتی ہے۔ وہ کوتاہی نہیں کرتی۔ ان پر پرندے صفیں بنا کر ان پر سایہ کرتے ہیں جب وہ اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہیں تو ایک سے جدا نہیں ہوتی۔

وَاَسَلۡنَا لَهٗ عَيۡنَ الۡقِطۡرِ، قطر سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: تین دن کی مسافت سے وہ آپ پر یوں بہتا جس طرح پانی بہتا ہے۔ وہ یمن کے علاقہ میں تھا (1)۔ روایت بیان کی گئی ہے: آپ سے قبل تانبا نہ بہا، وہ نہیں بہتا تھا۔ آپ کے زمانے سے بہا۔ لوگ آج بھی اسی تانبا سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے نکالا تھا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ایک چشمہ جاری کر دیا جس مقصد کے لیے چاہتے اسے استعمال فرماتے۔ عکرمہ سے پوچھا گیا: وہ کہاں تک بہا؟ جواب دیا: میں نہیں جانتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سدی نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام کے تانبے کا چشمہ تین دن اور تین رات بہتا رہا۔ قشیری نے کہا: تین دن تک چشمہ کے بارے میں پتہ نہیں کہ اس کی حد کیا ہے؟ ممکن ہے یہ ناقل کا وہم ہو۔ کیونکہ مجاہد سے مروی ہے: یہ چشمہ صنعاء سے تین دن کی مسافت سے بہا، یہ جگہ کی طرف اشارہ کرتا ہے مدت کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔ ظاہر یہ ہے کہ تانبا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اپنی کان میں بہا وہ اس طرح بہتا تھا جس طرح پانی کا چشمہ بہتا تھا۔ یہ آپ کی نبوت پر دلالت تھی۔ خلیل نے کہا: قطر سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی دلیل اس کی قراءت ہے جس نے قراءت کی من قطرٍ آنٍ۔

وَمِنَ الۡجِنِّ مَنۡ يَّعۡمَلُ بَيۡنَ يَدَيۡهِ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ، اذن سے مراد امر ہے۔ **وَمَنۡ يَّزِغۡ مِنۡهُمۡ عَنۡ اَمۡرِنَا** جو حضرت سلیمان کی طاعت سے سرتابی کرتا جن امور میں ہم نے اسے حکم دیا۔ **نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِيۡرِ** ہم اسے آخرت میں بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے؛ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دنیا میں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک ایسا فرشتہ مقرر کر دیا ہے جس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کرتا ہے تو وہ فرشتہ اسے اس کوڑے کے ساتھ ضرب لگاتا ہے جسے وہ دیکھتا نہیں تو وہ کوڑا اسے جلا دیتا ہے۔ من محل نصب میں ہے۔ معنی ہے ہم نے جنوں کو آپ کے لیے مسخر کر دیا ہے جو آپ کا کام کرتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو، جس طرح الریح کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے۔

يَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِيۡبَ وَتَمَاثِيۡلَ وَجِفَانٍ كَالۡجَوَابِ وَقُدُوۡرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِيَ الشَّكُوۡرُ ۝۱۳

''وہ بناتے آپ کے لیے جو آپ چاہتے پختہ عمارتیں، مجسمے، بڑے بڑے لگن جیسے حوض ہوں اور بھاری دیگیں جو چولہوں پر جمی رہتی ہیں، اے داؤد کے خاندان والو! (ان نعمتوں پر) شکر ادا کرو اور بہت کم ہیں میرے بندوں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 437

میں سے جو شکر گزار ہیں''۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ لغت میں محراب سے مراد ہر بلند جگہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس میں نماز پڑھی جائے وہ محراب ہے، کیونکہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کو بلند کیا جائے اور اس کی تعظیم بجالائی جائے۔ ضحاک نے کہا: مِنْ مَّحَارِيْبَ سے مراد ہے مساجد (1)۔ قتادہ نے بھی یہی کہا ہے۔ مجاہد نے کہا: محاریب یہ محلات سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ ابوعبیدہ نے کہا: محراب سے مراد گھر کا سب سے اچھا کمرہ ہے (2)۔

شاعر نے کہا:

وما ذا علیه أن ذکرتُ أوانسًا　　كِغِزلان رَمْلٍ فی محاریبِ أقیالِ

شعر میں محاریب اقیال سے مراد بادشاہوں کی بہترین خواب گاہیں ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ جگہ ہے جس کی طرف سیڑھیوں کے ذریعے بلند ہوا جاتا ہے جس طرح اچھا بالا خانہ، جس طرح فرمایا: اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ (ص) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ (مریم: 11) یعنی ان پر جھانکے۔ حدیث میں آتا ہے: ''ان کو حکم دیا گیا کہ اپنی کرسی کے اردگرد ہزار عبادت گاہیں بنوائیں جن میں ہزار آدمی ہوں جن پر ٹاٹ کا لباس ہو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لگاتار آہ وزاری کرتے رہیں۔ آپ اپنے خیمہ میں کرسی پر ہوتے عبادت گاہیں آپ کے اردگرد ہوتیں جب آپ سوار ہوتے تو آپ اپنے لشکروں کو فرماتے: فلاں جگہ تک اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو جب وہ اس جگہ تک پہنچتے تو فرماتے: فلاں نشان تک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو۔ جب وہ اس جگہ تک پہنچتے تو فرماتے: فلاں نشان تک اللہ اکبر کہو، تمام لشکر اس طرح ایک ہی لے میں تسبیح و تہلیل کرتا رہتا''۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَتَمَاثِيْلَ یہ تمثال کی جمع ہے اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کو کسی صورت کی مثل بنایا جائے وہ حیوان ہو یا حیوان کے علاوہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا: شیشے، تانبے اور سنگ مرمر سے ایسی چیزوں کے مجسمے بنائے جاتے جو حیوان نہ ہوتے۔ یہ بھی ذکر کیا گیا: یہ انبیاء اور علماء کی تصاویر ہوتیں، عبادت گاہوں میں انہیں بنایا جاتا تا کہ لوگ انہیں دیکھیں تو وہ زیادہ عبادت کریں اور کوشش کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا جب ان میں کوئی صالح آدمی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر وہ مسجد بنا دیتے اور اس میں صورتیں بنا دیتے تا کہ ان کی عبادت کو یاد کریں اور عبادت میں کوشش کریں'' (3)۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ تصویر اس زمانہ میں مباح تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت نے اس اباحت کو منسوخ کر دیا۔ سورۂ نوح میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تماثیل سے مراد طلسمات تھے جن پر وہ عمل کیا کرتے تھے وہ اس چیز پر جس کی تصویر بناتے اس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 409　　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 438

3۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، النہی عن بناء المساجد علی القبور، جلد 1، صفحہ 201

امر کو حرام کر دیتے کہ وہ اس سے تجاوز کریں تو وہ اس سے آگے تجاوز نہ کرتے وہ مکھی، مچھر اور مگر مچھ کے لیے ایک مکان میں تمثال بناتے اور انہیں حکم دیتے کہ وہ اس سے آگے تجاوز نہ کریں تو کوئی ایک بھی اس سے تجاوز نہ کرتا جب تک وہ تمثال وہاں موجود ہوتا۔ تماثیل کی واحد تمثال ہے جو تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ کہا:

ویارُبَّ یومٍ قد لھَوْتُ ولیلۃٍ بآنسۃ کأنھا خط تمثال

کتنے ہی دن اور راتیں ہیں جن کو میں نے آنسہ کے ساتھ لہو و لعب میں گزرا گویا وہ تمثال کا خط ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تماثیل مرد تھے جن کو اس نے تانبے سے بنایا تھا اور اپنے رب سے سوال کیا تھا کہ ان میں روح پھونک دے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں اور ان میں اسلحہ اثر نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اسفندیار بھی ان میں سے ایک تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے دو شیر بنائے اور کرسی پر دو گدھ بنائیں۔ جب آپ کرسی پر بیٹھنے کے لیے اوپر چڑھتے تو دونوں گدھ اپنے بازو بچھا دیتے اور جب آپ بیٹھ جاتے تو دونوں گدھ اپنے پر کھول دیتے۔

مسئلہ نمبر 3۔ مکی نے اپنے ''ہدایہ'' میں یہ بیان کیا ہے: ایک جماعت تصویر کو جائز قرار دیتی ہے اور اس آیت سے استدلال کرتی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ غلط ہے میں نے علم کے ائمہ میں سے کسی سے یہ یاد نہیں کیا جو اس امر کو جائز قرار دیتا ہو۔

میں کہتا ہوں: مکی نے جو حکایت کی ہے اس سے پہلے نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ نحاس نے کہا: ایک قوم نے کہا: اس آیت کی وجہ سے تصویر بنانا جائز ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں بتایا ہے۔ ایک قوم نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں نہی ثابت ہے جو آدمی اس پر عمل کرے یا اس کو بنائے اس کے لیے وعید ثابت ہے۔ جو امر پہلے مباح تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اسے منسوخ کر دیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے جب کہ تصویروں کی عبادت کی جاتی تھی، زیادہ مناسب ان کو زائل کرنا ہی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ تمثال کی دو قسمیں ہیں: حیوان (ذی روح) اور موات (غیر ذی روح) موات کی دو قسمیں ہیں۔ جمادات، نامی (نمو پانے والے جیسے درخت) جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ان سب کے نشان بناتے تھے، کیونکہ ارشاد عام ہے۔ اسرائیلیات میں ہے کہ پرندوں کے مجسمے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر تھے۔ اگر یہ کہا جائے: وَ تَمَاثِيْلَ میں کوئی عموم نہیں، کیونکہ یہ نکرہ ہے اور کلام مثبت میں ہے۔ نکرہ جب مثبت کلام میں ہو تو اس میں عموم نہیں ہوتا۔ عموم اس وقت ہوتا ہے جب نکرہ منفی کلام میں ہو۔ ہم کہتے ہیں: بات اسی طرح ہے مگر نکرہ میں اس اثبات کے ساتھ ایسی چیز مل گئی ہے جو عموم پر حمل کا تقاضا کرتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَا يَشَآءُ اس کے ساتھ مشیت کا ملنا اس کے عموم کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: وہ صورتیں جن سے منع کیا گیا تھا ان کو آپ نے کیسے جائز قرار دیا؟ ہم کہیں گے: یہ ان کی شریعت میں جائز تھا اور ہماری شریعت میں یہ منسوخ ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ابو العالیہ سے مروی ہے اس وقت تصویر بنانا حرام نہیں تھا۔

مسئلہ نمبر 5۔ احادیث کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تصویریں ممنوع ہیں پھر یہ حدیث آئی الا ما جاء رقما فی الثوب مرجو

کپڑے میں نقش ہو۔ تمام تصویروں سے اسے خاص کر دیا پھر اس میں کراہیت ثابت ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا: ''اس کو مجھ سے دور کر دو کیونکہ میں نے اسے جب بھی دیکھا تو مجھے دنیا یاد آ گئی'' (1)۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کپڑے کو پھاڑ دینا جس میں تصاویر تھیں جو حضرت عائشہ صدیقہ پر تھا یہ اس سے روکنا ہے۔ پھر اسے دو تکیوں کی صورت میں کاٹنا جس کے ساتھ صورت متغیر ہوگئی اور اپنی ہیئت سے خارج ہوگئی یہ جائز اس وقت ہے جب صورت متصل ہیئت میں نہ ہو اگر اس کی ہیئت متصل ہو تو پھر یہ جائز نہیں، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان تصویر والے تکیوں کے بارے میں عرض کی: میں نے یہ آپ کے لیے خریدے ہیں تاکہ آپ ان پر بیٹھیں اور ان کو تکیہ بنائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا اور اس پر وعید بتائی۔ تصویروں کی طرف نماز پڑھنے والی حدیث سے یہ واضح ہوا کہ کپڑے میں نقش تصویر جائز ہے پھر اس سے منع نے اسے منسوخ کر دیا۔ اور امر اس پر قرار پذیر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے: ہمارا ایک پردہ تھا جس میں پرندے کی تصویر تھی۔ گھر میں داخل ہونے والا جب داخل ہوتا تو یہ تصویر اس کے سامنے ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس کو اس جگہ سے ہٹا دو کیونکہ میں جب اندر داخل ہوتا ہوں تو اسے دیکھتا ہوں تو میں دنیا کو یاد کرتا ہوں'' (2)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہمارا ایک کپڑا تھا ہم کہا کرتے تھے اس پر ریشم کی تصویر ہے ہم اسے پہنا کرتے تھے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے جب کہ میں نے ایک باریک کپڑے سے پردہ کیا ہوا تھا جس میں تصویر تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا آپ نے اس کپڑے کو لیا اور اسے پھاڑا پھر فرمایا: ''قیامت کے روز جن لوگوں کو شدید ترین عذاب دیا جائے گا وہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت کی کوشش کرتے ہیں'' (3)۔

ان سے یہ بھی مروی ہے: ان کا ایک کپڑا تھا جس میں تصاویر تھیں جو طاق تک لٹکا ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے فرمایا: ''اسے مجھ سے دور کر دو'' (4)۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: میں نے اسے وہاں سے ہٹا دیا اور میں نے اس سے دو تکیے بنا دیئے۔ بعض علماء نے کہا: یہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کپڑا پھاڑا اور اس کپڑے کو ہٹانے کا جو حکم دیا وہ تقویٰ کی بنا پر ہو، کیونکہ نبوت اور رسالت کا محل کمال ہے۔ اس میں غور و فکر کرلو۔

مسئلہ نمبر 7۔ مزنی نے امام شافعی سے روایت نقل کی ہے: اگر کسی آدمی کو شادی پر دعوت دی جائے وہ ذی روح تصویر یا تصاویر دیکھتا ہے اگر وہ کسی جگہ نصب ہیں تو وہاں داخل نہ ہو۔ اگر ان پر قدم رکھے جاتے ہیں تو کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ درختوں کی تصاویر ہوں۔ علماء نے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا کہ وہ پردے جو لٹکے ہوئے ہوں ان میں تصاویر مکروہ ہیں حرام نہیں۔ اس طرح ان تصاویر کی حیثیت ہے جو کسی عمارت میں کندہ کی گئی ہوں یا نقش بنائے گئے ہوں۔ بعض نے ان تصاویر کو مستثنیٰ کیا ہے جو کپڑے میں نقش ہوں کیونکہ حضرت سہل بن حنیف کی حدیث ہے۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1602　2۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، جلد 2، صفحہ 200

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1601　4۔ ایضاً

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویریں بنانے والے پر لعنت کی اور کوئی استثناء نہیں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ''تصویر بنانے والوں کو قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا جو تم نے بنایا ہے اس کو زندہ کرو'' (1)۔ اور کوئی استثناء نہیں کی۔ ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے: ''قیامت کے روز جہنم سے ایک گردن ظاہر ہو گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی، وہ دونوں دیکھیں گی، ان کے دو کان ہوں گے جو سنیں گے اور ایک زبان ہوگی جو بولے گی وہ کہے گی: مجھے تین قسم کے افراد پر ذمہ داری سونپی گئی ہے (۱) ہر عناد رکھنے والے جبار پر (۲) جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کی (۳) تصویریں بنانے والے (2)۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز جن کو سب سے سخت عذاب دیا جائے گا وہ مصور ہوں گے''۔ یہ تصویر بنانے سے منع پر دال ہے تصویر کوئی بھی ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (النمل: 60) جس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اس کو ذہن نشین کرلو۔

مسئلہ نمبر 8۔ اس باب سے بچیوں کی گڑیاں مستثنیٰ ہیں کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی جب کہ ان کی عمر سات سال تھی۔ انہیں اپنے حرم میں داخل کیا جب کہ ان کی عمر نو سال تھی جب کہ ان کی گڑیاں ان کے ساتھ تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا جب کہ ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی میری سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو وہ آپ سے چھپ جاتیں آپ انہیں میرے پاس بھیج دیتے تو وہ لڑکیاں میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ امام مسلم نے ان دونوں روایات کو نقل کیا ہے۔

علماء نے کہا: یہ ضرورت کی بنا پر تھا اور بچیوں کو بھی ان کی ضرورت تھی تا کہ انہیں اپنے بچوں کی تربیت کا تجربہ ہو جائے۔ پھر ان چیزوں کی کوئی بقا نہیں ہوتی۔ اس طرح حلوہ اور گوندھے ہوئے آٹے سے جو چیز بنائی جاتی ہے وہ بھی باقی رہنے والی نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے اس میں رخصت دی گئی۔

وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ ابن عرفہ نے کہا: جوابی یہ جابیہ کی جمع ہے۔ یہ حوض کی طرح گڑھا ہوتا ہے۔ کہا: جس طرح [illegible] کے حوض ہوتے ہیں۔ ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: کالجوبۃ من الارض (3) معنی قریب ہے۔ ایک لگن پر ہزار ہزار آدمی بیٹھتا۔ نحاس نے کہا: وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ صحیح تر یہ ہے کہ یہ یاء کے ساتھ ہو۔ جس نے یاء کو حذف کیا ہے اس نے کہا: الف لام کا طریقہ یہ ہے کہ نکرہ پر داخل ہو اور اس کو اس کی حالت سے تبدیل نہ کرے۔ جب جواب کہا جاتا ہے اور اس پر الف لام داخل ہوا تو اسے اپنی حالت پر رکھا تو یاء کو حذف کر دیا گیا۔ جوابی کا واحد جابیہ ہے۔ اس سے مراد

1۔ صحیح بخاری، عذاب المصورین یوم القیمۃ، جلد 2، صفحہ 880

2۔ جامع ترمذی، باب صفۃ الجہنم، جلد 2، صفحہ 81۔ ایضاً، حدیث نمبر 2497، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1602

عظیم ہانڈی ہے اور ایسا بڑا حوض جس میں کسی شے کو جمع کیا جاتا ہے۔ اسی سے جبیت الخراج اور جبیت الجراد ہے، یعنی میں نے چادر کو پھیلایا اور اس میں مکڑیوں کو جمع کیا مگر لیث نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے کہا: الجوابی یہ جوبہ کی جمع ہے، جوبہ سے مراد بڑا گڑھا ہے جو پہاڑ میں ہوتا ہے جس میں بارش کا پانی ہوتا ہے۔ کسائی نے کہا: جبوت الماء فی الحوض و جبیتہ یعنی میں نے اسے جمع کیا۔ جابیہ ایسے حوض کو کہتے ہیں جس میں اونٹوں کے لیے پانی کو جمع کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

تردح علی آل المُحَلَّقِ جَفْنَة　　کجابیه الشیخ العراق تَفْهَقُ

تو آل محلق پر پیالہ گھماتا ہے جس طرح شیخ عراقی کا حوض چھلک رہا ہے۔

اسے جابیۃ السیح بھی روایت کیا گیا ہے۔ سیح سے مراد روئے زمین پر ظاہر پانی ہے۔

وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ سعید بن جبیر نے کہا: یہ تانبے کی ہانڈیاں ہیں جو ایران کے علاقہ میں ہوتی ہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ ایسی ہانڈیاں ہیں جو پہاڑوں سے بنائی جاتی ہیں۔ ایسے پہاڑ جن کے پتھر پیوست ہوتے ہیں ان میں کوئی سوراخ نہیں ہوتا ان کو تراشا گیا یہ شیاطین نے آپ کے لیے کام کیا تھا۔ ان کے چولہے بھی اسی طرح پہاڑوں سے بنائے جاتے تھے۔ راسیات کا معنی جمی ہوئی۔ نہ انہیں اٹھایا جاتا ہے اور نہ انہیں حرکت دی جاتی ہے کیونکہ وہ بڑی عظیم ہوتی ہیں۔ ابن عربی نے کہا: عبد اللہ بن جدعان کی ہانڈیاں بھی اسی طرح کی تھیں اور جاہلیت میں سیڑھی لگا کر ان کی طرف چڑھا جاتا۔ اسی کے متعلق طرفہ بن عبد نے کہا:

کالجوابی　　لاتَنِی　　مُتْرَعَةً　　لِقِرى الأضياف أو للمحتضِر(1)

ہانڈیاں جوابی (جوہڑوں) کی طرح چھلک رہی ہیں مہمانوں کی ضیافت کے لیے اور مقامی لوگوں کے لیے۔

ابن عربی نے کہا: میں نے حضرت ابو سعید کی خانقاہ میں اسی طرح کی صوفیوں کی ہانڈیاں دیکھی ہیں وہ سب پکاتے ہیں اور اکٹھے کھاتے ہیں ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہیں ہوتی۔

اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں شکر کا معنی گزر چکا ہے۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر چڑھے اور اس آیت کی تلاوت کی، پھر فرمایا: ''تین چیزیں جس کو دی گئیں اس کو آل داؤد کی مثل دیا گیا'' (2)۔ میں نے عرض کی: وہ تین چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: ''خوشی اور ناراضگی میں عدل کرنا، فقر اور غنا میں میانہ روی اختیار کرنا، مخفی اور اعلانیہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا''۔

ترمذی حکیم ابو عبد اللہ، عطا بن یسار سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! میں تیری نعمتوں پر تیرا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں؟ میرا الہام اور تیرے شکر پر میری قدرت یہ بھی تیری نعمت ہے۔ فرمایا: اے داؤد! اب تو نے پہچان لیا ہے۔ یہ بحث سورۂ ابراہیم میں گزر چکی ہے۔ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ منعم کی نعمت کا اعتراف کیا جائے اور اس کی طاعت میں اس کو استعمال کیا جائے اور ناشکری سے مراد اسے معصیت میں استعمال کرنا ہے۔ بہت تھوڑے لوگ ایسے ہوں گے جو ایسا کرتے ہیں، کیونکہ خیر شر سے قلیل ہے طاعت

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1602
2۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 811، حدیث نمبر 43224

معصیت سے قلیل ہے جس طرح پہلے ہی مقدر ہو چکا ہے۔

مجاہد نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا: اللہ تعالیٰ نے شکر کا ذکر کیا ہے تو میری جانب سے دن کی نماز کے لیے کافی ہو میں تیری جانب سے رات کی نماز کے لیے کافی ہو جاؤں گا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کی: میں اس پر قادر نہیں۔ فرمایا: میرے لیے کافی ہو جا۔ فریابی نے کہا: میرا خیال ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا ظہر کی نماز تک کے لیے کافی ہو جا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کی: ہاں۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام اس کے لیے کافی ہو گئے۔

زہری نے کہا: اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا یعنی الحمدللہ کہو۔ شکر امفعول ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے، یعنی ایسا عمل کرو جو شکر ہو گویا نماز، روزے اور تمام عبادات فی نفسہا شکر ہے کیونکہ یہ شکر کے قائم مقام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس کی وضاحت کرتا ہے: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِيْلٌ مَّا هُمْ (ص: 24) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ سے یہی مراد ہے۔ سفیان بن عیینہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ان اشکرلی کی تاویل میں کہا: شکر سے مراد پانچ نمازیں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو قیام فرماتے یہاں تک کہ آپ کے قدم پھٹ جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی مشقت کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی ہیں؟ فرمایا: ”کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں“۔ امام مسلم اس کو نقل کرنے میں منفرد ہیں۔ قرآن اور سنت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ شکر ابدان کے عمل سے ہوتا ہے صرف زبان کے عمل پر مقصود نہیں۔ افعال کے ساتھ شکر ارکان کا عمل ہے اور قول کے ساتھ شکر زبان کا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ یہ احتمال موجود ہے کہ خطاب آل داؤد کو ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہو۔ ابن عطیہ نے کہا: ہر صورت میں تنبیہ اور تحریض ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! مجھے قلیل میں سے بنا دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کیسی دعا ہے؟ اس نے عرض کی: میں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ارادہ کیا ہے: وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! تمام لوگ مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام خود جو کھایا کرتے تھے اپنے گھر والوں کو موٹے آٹے سے بنا کھانا کھلایا کرتے تھے اور مساکین کو باریک آٹے سے بنا کھانا کھلایا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ راکھ کھالیا کرتے تھے اور اس پر لیٹ جاتے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ راکھ کھانا نہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا آپ سے اس بارے میں عرض کی گئی تو فرمایا: میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں گا تو میں بھوکوں کو بھول جاؤں گا۔ یہ بھی شکر کی صورت ہے اور ان قلیل افراد میں سے ہونا ہے۔ اس میں غور و فکر کرو، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

''پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا نہ پتہ بتایا جنات کو آپ کی موت کا مگر زمین کی دیمک نے جو کھا تا رہا آپ کے عصا کو پس جب آپ زمین پر آ رہے تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) نہ رہتے اس رسوا کن عذاب میں''۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ جب ہم نے حضرت سلیمان علیہ اسلام پر موت کا فیصلہ کر دیا یہاں تک کہ موت ایسا امر ہو گیا جس سے فراغت ہو چکی ہوتی ہے اور اسی سے موت واقع ہو جاتی ہے۔

مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ عصا پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ منساۃ حبشہ کی زبان میں عصا کو کہتے ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ یمن کی لغت میں ہے؛ قشیری نے اسے ذکر کیا ہے۔ آپ اس طرح فوت ہو گئے اور آپ اسی طرح رہے کہ آپ کا حال مخفی رہا یہاں تک کہ مردہ کی حیثیت سے زمین پر گر گئے کیونکہ عصا ٹوٹ گیا تھا کیونکہ دیمک اسے کھا گئی تھی۔ اس طرح آپ کی موت کا علم ہوا۔ دیمک آپ کی موت پر دلالت کرنے والی تھی یعنی آپ کی موت کو ظاہر کرنے کا سبب تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ جن آپ کی موت سے آگاہ نہ ہوں یہاں تک کہ ان پر ایک سال گزر جائے۔ آپ نے یہ سوال کیوں کیا اس کے سبب میں دو قول ہیں: (۱) جو قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا ہے۔ کہا: جن علم غیب کا دعویٰ کرتے جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو گیا اور آپ کی موت ان پر مخفی ہو گئی۔

تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: آپ ایک سال تک کھڑے رہے اور جن آپ کے سامنے کام کرتے رہے یہاں تک کہ دیمک آپ کا عصا کھا گئی اور آپ گر گئے۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب آپ گر پڑے تو یہ معلوم نہ ہوا کہ آپ کب فوت ہوئے تو دیمک کو عصا پر چھوڑا گیا دیمک نے عصا کو دن رات کھایا۔ پھر انہوں نے حساب لگایا تو انہوں نے پایا کہ یہ ایک سال سے فوت ہو چکے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: جنوں کے سردار سات تھے۔ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اطاعت گزار تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام فوت ہوئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو وصیت کی کہ وہ بیت المقدس کی مسجد کو مکمل کریں حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں کو اس بارے میں حکم دیا۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو آپ نے اپنے اہل سے فرمایا: جنوں کو میری موت کی خبر نہ دینا یہاں تک کہ وہ مسجد کو مکمل کر لیں اس کے مکمل ہونے میں ایک سال لگنا تھا۔

حدیث میں یہ بھی ہے کہ ملک الموت آپ کے دوست تھے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے اپنی موت کے بارے میں پوچھا۔ ملک الموت نے کہا: تیرے سجدہ کی جگہ سے ایک درخت نکلے گا جسے خرنوبہ کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس میں صبح نہ کرتے مگر بیت المقدس میں ایک درخت اگتا حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے پوچھتے: تیرا نام کیا ہے؟ درخت کہتا: میرا نام یہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پوچھتے: تو کس کام کے لیے اگایا گیا ہے؟ وہ کہتا: فلاں فلاں

کام کے لیے۔ آپ اس کے بارے میں حکم دیتے اسے وہاں سے اکھیڑ لیا جاتا اور اپنے باغ میں لگا دیتے اور آپ اس درخت کے منافع، نقصانات اس کا نام اور طب میں جس مقصد کے لیے وہ ہوتا لکھ لینے کا حکم دیتے۔ اس اثنا میں کہ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ نے ایک درخت کو دیکھا جو آپ کے سامنے اگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے کہا: تیرا نام کیا ہے؟ اس نے عرض کی خرنوبہ۔ پوچھا: تو کس شے کے لیے اگا یا گیا ہے؟ اس نے کہا: اس مسجد کو برباد کرنے کے لیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ اسے برباد کرے جب کہ میں زندہ ہوں تو ہی وہ درخت ہے تیرے سامنے میری ہلاکت ہوگی اور بیت المقدس کی ہلاکت ہوگی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے وہاں سے اکھاڑا اور اسے اپنے باغ میں لگا دیا پھر فرمایا: اے اللہ! جنوں سے میری موت کو چھپائے رکھنا یہاں تک کہ لوگ جان لیں کہ جن غیب نہیں جانتے۔ جن انسانوں کو بتایا کرتے کہ وہ غیب میں سے کچھ چیزوں کو جانتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کل کیا ہوگا۔ پھر اپنا کفن پہنا خوشبو لگائی اور نماز پڑھنے لگے اور اپنے تخت پر عصا پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ آپ فوت ہو گئے اور جنوں کو علم نہ ہوا یہاں تک سال گزر گیا اور مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی۔

ابو جعفر نحاس نے کہا: اس آیت کے بارے میں جو قول کیا گیا ہے وہ سب سے بہترین ہے۔ اس کی صحت پر حدیث مرفوع دلالت کرتی ہے۔ ابراہیم بن طہمان، عطا بن سائب سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام جب نماز پڑھا کرتے تو اپنے سامنے ایک درخت اگتا ہوا دیکھتے آپ اس درخت سے پوچھتے: تیرا نام کیا ہے؟ اگر وہ کاشت کرنے کے لیے ہوتا تو آپ اسے کاشت کرتے اگر وہ کسی دوائی کے لیے ہوتا تو اسے لکھ لیا جاتا۔ اس اثنا میں کہ آپ ایک روز نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک درخت آپ کے سامنے اگتا ہے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: خرنوبہ۔ پوچھا: کس مقصد کے لیے تجھے اگا یا گیا ہے؟ اس نے کہا: اس بیت کو برباد کرنے کے لیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے اللہ! جنوں سے میری موت کو پوشیدہ رکھنا تا کہ لوگ جان لیں کہ جن علم غیب نہیں جانتے۔ آپ نے وہاں عصا گاڑھ لیا اور اس پر ایک سال تک ٹیک لگائی وہ نہیں جانتے تھے کہ عصا گر گیا لوگوں کو علم ہو گیا کہ جن غیب نہیں جانتے انہوں نے اس کی مقدار میں غور و فکر کیا تو اسے ایک سال پایا'' (1)۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں ہے۔ تبینت الانس ان لو کان الجن یعلمون الغیب یعقوب نے عیسی کی قراءت میں تُبُیِّنَت الجن ہے یہ فعل مجہول ہے۔ نافع اور ابن عمر نے کہا: تاکل منساتہ سین اور تاء کے درمیان الف ہے ہمزہ نہیں ہے باقی قراء نے کہا: الف کی جگہ ہمزہ مفتوحہ ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ مگر ابن ذکوان نے تخفیف کے طریقہ پر ہمزہ کو ساکن کیا ہے۔

شاعر نے ہمزہ کو ترک کرتے ہوئے کہا:

إذا دَبَبْتَ على المِنْسَاة من كِبَرٍ فقد تباعد عنك اللَّهْوُ الغَزَلُ (2)

1۔ المستدرک للحاکم، جلد 4، صفحہ 446، حدیث نمبر 8222 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 441

جب تو بڑھاپے کی وجہ سے عصا پر رینگتا ہے تحقیق لہو اور عورتوں سے باتوں کا وقت تجھ سے دور چلا گیا۔

ایک اور شاعر نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے:

ضربنا　بمِنسأة　وجهه　فصار　بذاك　مهينا　ذليلا

ہم نے ڈنڈے کے ساتھ اس کے چہرے کو پیٹا تو اس کے ساتھ وہ ذلیل و رسوا ہو گیا۔

نحاس نے کہا: اس کا اشتقاق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مہموز ہے کیونکہ یہ نسأته سے مشتق ہے میں نے اسے مؤخر کیا اور اسے دھکیلا۔ اسے منسأۃ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ کسی چیز کو دھکیلا جاتا ہے اور اسے مؤخر کیا جاتا ہے۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: اس سے مراد عصا ہے۔ پھر قراءت کی منساۃ ہمزہ کو الف سے بدل دیا۔ اگر یہ قول کیا جائے: الف سے بدلنا بہت ہی قبیح ہے یہ شعر میں جائز ہے لیکن بعید اور شاذ ہے۔ ابو عمرو بن علاء نے کہا: اس جیسے آدمی سے اس قسم کی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ خصوصاً اہل مدینہ کی یہ قراءت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عرب اس کلمہ میں بدل کو استعمال کرتے ہیں اور اسی طرح بولتے ہیں، جس طرح بدل اس کے علاوہ میں واقع ہوتا ہے۔ اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ ابو عمرو نے کہا: میں نہیں جانتا کہ یہ کس سے منقول ہے مگر یہ غیر مہموز ہے، کیونکہ جو مہموز ہوتا ہے بعض اوقات اس کا ہمزہ ترک کر دیا جاتا ہے مگر مہموز نہ ہو تو اس کو کسی صورت میں بھی ہمزہ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہوتا۔

مہدوی نے کہا: جس نے ہمزہ ساکنہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے تو وہ شاذ اور بعید ہے، کیونکہ تانیث کی ھا نہیں ہو گی مگر اس سے قبل حرف متحرک ہوتا ہے یا اس سے پہلے الف ہوتا ہے، لیکن یہ جائز ہے کہ استخفاف کے طریقہ پر مفتوح کو ساکن کیا گیا ہو۔ یہ جائز ہے کہ جس ہمزہ کو الف سے خلاف قیاس بدلا گیا ہو تو الف کو ہمزہ سے بدل دیا جائے جس طرح انہوں نے عالم اور خاتم میں بدلا ہے۔

سعید بن جبیر سے من الگ اور ساتہ مہموز اور تاء کے نیچے کسرہ کے ساتھ مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سئة القوس سے مشتق ہے یہ اس کی لغت میں ہے جس نے اسے ہمزہ دیا۔ رؤبہ سے سية القوس کو ہمزہ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے جوہری نے کہا: سية القوس سے مراد وہ ہے جس کو اس کی دونوں طرفوں کی جانب سے موڑا گیا ہو۔ اس کی جمع سیات آتی ہے، ہاء واؤ کا عوض ہے۔ اس سے اسم منسوب سیوی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: رؤبہ سية القوس کو ہمزہ دیا کرتے تھے، باقی عرب اس کو ہمزہ نہیں دیا کرتے تھے۔ دَآبَّةُ الْاَرْضِ میں دو قول ہیں: (۱) اس سے مراد دیمک ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ اسے دابة الارض راء کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یہ ارضہ کی جمع ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے (۲) یہ ایسا کیڑا ہے جو لکڑی کو کھا جاتا ہے، جوہری نے کہا: الارضه یہ چھوٹا سا کیڑا ہے جو لکڑی کو کھا جاتا ہے یہ کہا جاتا ہے: ارضت الخشبة تورض ارضا فهي ماروضة جب اسے کھا جائے۔

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ جب حضرت سلیمان علیہ السلام گر گئے تو جنوں کو ان کی موت کا علم ہوا۔ دوسرے علماء نے کہا: جنوں کا امر ظاہر ہوا یعنی مضاف محذوف ہے جس طرح وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) اصل میں واسأل اهل القرية ہے۔

صحیح سندوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک سال تک کھڑے رہے ان کی موت کا علم نہیں تھا۔ آپ اپنے عصا پر ٹیک لگائے ہوئے تھے جن ان امور میں مصروف تھے جس کا حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں حکم دیا تھا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام گرے تو لوگوں کو پتہ چلا اگر جن غیب جانتے تو وہ اس ذلیل کرنے والے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قراءت تفسیر کے طریقہ پر ہے۔

حدیث میں ہے: ''جنوں نے اس پر دیمک کا شکریہ ادا کیا وہ جہاں بھی ہوتی ہے وہ اس کے پاس پانی لے آتے ہیں''۔ سدی نے کہا: وہ مٹی بھی لاتے ہیں کیا تو اس مٹی کو نہیں دیکھتا جو لکڑی کے درمیان ہوتی ہے اسے شیاطین ہی لاتے ہیں وہ دیمک کے شکریہ کے طور پر لاتے ہیں۔ جنوں نے کہا: اگر طعام اور مشروب کھائے گی تو وہ دونوں چیزیں تیرے پاس لائیں گے۔ ان محل رفع میں ہے یہ الجن سے بدل ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: جنوں کا امر ظاہر ہو گیا، مضاف کو حذف کیا یعنی انسانوں کے لیے معاملہ واضح اور ظاہر ہو گیا۔ اور ان پر جنوں کا امر منکشف ہو گیا کہ وہ غیب نہیں جانتے۔ یہ بدل اشتمال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل نصب میں ہو، لام محذوف ہے۔

لَبِثُوْا وہ قائم رہے۔ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ سے مراد مسخر ہونا، بوجھ اٹھانا، عمارات تعمیر کرنا اور دوسرے معاملات۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ترپن سال زندہ رہے ان کی حکومت کا دورانیہ چالیس سال تھا۔ آپ اس وقت حاکم بنے جب آپ کی عمر تیرہ سال تھی۔ بیت المقدس کی تعمیر اس وقت شروع کی جب کہ ان کی عمر سترہ سال تھی۔ سدی اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر 67 سال تھی۔ آپ بادشاہ بنے جب کہ ان کی عمر سترہ سال تھی۔ آپ نے بیت المقدس کی تعمیر شروع کی جب کہ ان کی عمر بیس سال تھی ان کی بادشاہت پچاس سال رہی۔ یہ حکایت کی گئی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر شروع کی جب کہ ان کی حکومت کا چوتھا سال تھا۔ اس کی تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے بارہ ہزار بیل اور بیس ہزار بکریاں ذبح کیں۔ جس روز اس کی تعمیر سے فارغ ہوئے اس کو عید کے طور پر منایا اور صخرہ پر آپ کھڑے ہوئے جب کہ دعا کے لیے اپنے ہاتھ اپنے رب کے حضور اٹھائے ہوئے تھے اور دعا کی: اللھم انت وھبت لی ھذا السلطان وقویتنی علی بناء ھذا المسجد اللھم فاوزعنی شکرك علی ما أنعمت علیّ و توفنی علی ملتك ولا تزغ قلبی بعد اذ هَدَيْتَنِیْ اللھم انی أسالك لمن دخل ھذا المسجد خمس خصال۔

اے اللہ! تو نے مجھے یہ حکومت عطا کی، تو نے اس مسجد کی تعمیر پر مجھے قوت عطا کی۔ اے اللہ! تو نے مجھ پر جو انعام کیا ہے اس پر شکر ادا کرنے کی مجھے توفیق عطا فرما، مجھے اپنے دین پر موت عطا کر، جب تو نے مجھے ہدایت کر دی ہے تو میرے دل کو نہ پھسلا، اے اللہ! میں تیری بارگاہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اسے پانچ چیزیں عطا فرما جو بھی اس میں داخل ہو۔

کوئی گناہگار اس میں داخل نہ ہو جو توبہ کے لیے اس میں داخل ہو مگر تو اسے بخش دے اور اس پر نظر کرم فرما، کوئی خوفزدہ داخل نہ ہو مگر تو اسے امان دے، کوئی مریض داخل نہ ہو مگر تو اسے شفا عطا کرے، کوئی فقیر داخل نہ ہو مگر تو اس کو غنی کر، جو آدمی اس میں داخل ہو تو اس سے اپنی نظر کو نہ پھیرے یہاں تک کہ وہ اس سے نکلے ہاں جو آدمی اس میں الحاد یا ظلم کا ارادہ کرے۔

اے رب العالمین؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ روایت اس روایت سے زیادہ صحیح ہے جو پہلے گزر چکی ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سے فراغت نہ ہوئی مگر آپ کی موت کے ایک سال بعد۔ اس کی صحت پر دلیل وہ روایت ہے جسے امام نسائی اور دوسرے علماء نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے جو حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو سے وہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ''جب حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی تو اللہ تعالیٰ سے تین سوال کیے۔ اپنا فیصلہ جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے ساتھ موافقت رکھتا ہو تو یہ آپ کو عطا کر دیا گیا (1)۔ اللہ تعالیٰ سے ایسی بادشاہت کا سوال کیا جو ان کے بعد کسی کے لیے روا نہ ہو تو یہ بھی ان کو عطا کر دیا گیا۔ جب مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے یہ التجا کی کہ اس میں کوئی آدمی نہ آئے وہ اس میں نماز پڑھنے کے لیے ہی سفر کر رہا ہو تو وہ اپنے گناہوں سے یوں نکل جائے جس طرح وہ گناہوں سے اس وقت پاک تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا''۔ ہم نے اس حدیث کا ذکر آل عمران میں کیا ہے اور سورۂ اسراء میں اس کی تعمیر کا ذکر کیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ⑮

''قوم سبا کے لیے ان کے مسکن میں نشانی موجود تھی، (وہاں) دو باغ تھے ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور اس کا شکر ادا کرو، اتنا پاکیزہ شہر اور ایسا رب غفور!''۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ نافع اور دوسرے علماء نے سبا کو منصرف اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔ اصل میں یہ ایک آدمی کا نام تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اسی طرح واقع ہوا ہے۔ امام ترمذی نے روایت کی ابو کریب اور عبد بن حمید، ابو اسامہ سے وہ حسن بن حکم نخعی سے وہ ابو سبرہ نخعی سے وہ حضرت فروہ بن مسیک مرادی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا میں اپنی قوم کے ان لوگوں کے ساتھ جنگ نہ کروں جو پیچھے بیٹھے رہے، اپنی قوم کے ان لوگوں کو ساتھ لے کر جو ان میں سے آتے ہیں (2)؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت عطا فرمائی اور مجھے امیر بنا دیا۔ جب میں آپ کے پاس چلا آیا تو آپ نے میرے بارے میں پوچھا: غطیفی نے کیا کیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا میں روانہ ہو چکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیچھے آدمی بھیجا اور مجھے واپس لوٹایا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ صحابہ کی ایک جماعت میں تھے۔ فرمایا: ''اپنی قوم کو دعوت دو اس میں سے جو مسلمان ہو جائے تو اس کا اسلام قبول کرو اور جو اسلام نہ لائے اس کے بارے میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ میں تجھے نیا حکم نہ دوں''۔ کہا: تو سبا کے بارے میں آیات نازل ہوئیں جو نازل ہوئیں۔ ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ سبا کیا ہے یہ کوئی علاقہ ہے یا کوئی عورت ہے؟ فرمایا: ''نہ یہ علاقہ اور نہ ہی کوئی عورت ہے لیکن عربوں میں سے یہ ایسا

1۔ سنن نسائی، کتاب المساجد، فضل المسجد الاقصی الصلوٰۃ فیہ، جلد 1، صفحہ 112

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ سبا، جلد 2، صفحہ 154

آدمی تھا جس کے دس بچے ہوئے ان میں سے چھ یمن کی طرف چلے گئے اور چار شام کی طرف چلے گئے۔ جو شام کی طرف گئے وہ لخم، جذام، غسان اور عاملہ تھے اور جو یمن کی طرف گئے تو وہ ازد، اشعری، حمید، کندہ، مذحج اور انمار ہیں''۔ ایک آدمی نے کہا: انمار کون ہیں؟ فرمایا: ''جن میں سے خثعم اور بجیلہ ہیں''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی روایت نقل کی ہے۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے (1)۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے لسبا غیر منصرف پڑھا ہے۔ انہوں نے اسے قبیلہ کا نام بنایا ہے؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ انہوں نے اس چیز سے استدلال کیا ہے کہ اس کے بعد فِیْ مَسْكَنِهِمْ ہے۔ نحاس نے کہا: اگر بات اس طرح ہوتی جس طرح انہوں نے کہا ہے تو کلام یوں ہوتی فی مساکنھا۔ سورۃ النمل میں اس معنی سے زیادہ وضاحت گزر چکی ہے۔ ایک شاعر نے اس کو منصرف قرار دیتے ہوئے یوں کہا ہے:

الواردون وتَيْمٌ فی ذُری سبأ قد عض أعناقهم جِلدُ الجواميس

ایک اور شاعر نے سبا کے لفظ کو غیر منصرف پڑھا ہے:

من سَبَأَ الحاضرين مأرِبَ إذ يَبْنُون من دون سَيْلها العَرِما

سبا قبیلہ سے مآرب حاضر ہونے والے ہیں کیونکہ وہ سیلاب سے بچنے کے لیے بند بناتے ہیں۔

قنبل، ابو حیوہ اور جحدری نے لسبأ ہمزہ کے اسکان کے ساتھ قراءت کی ہے۔ فِیْ مَسْكَنِهِمْ عام قراءت جمع کے ساتھ ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ ان کے مسکن بہت زیادہ تھے کوئی ایک مسکن نہ تھا۔ ابراہیم، حمزہ اور حفص نے مسکنھم واحد کا صیغہ پڑھا ہے مگر انہوں نے کاف کو فتحہ دیا ہے۔ یحییٰ، اعمش اور کسائی نے اسی طرح اسے واحد پڑھا ہے مگر انہوں نے کاف کو کسرہ دیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس میں ساکن واضح ہے کیونکہ یہ لفظ اور معنی دونوں کو جامع ہے۔ جب تو مسکنھم کہے گا تو اس میں دو تقدیریں ہیں: (۱) یہ واحد ہو معنی جمع کا دے رہا ہو (۲) مصدر ہو جس کا نہ تثنیہ بنایا جاتا ہے اور جس کی نہ جمع بنائی جاتی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ (البقرہ: 7) سمع واحد آیا ہے اسی طرح مَقْعَدِ صِدْقٍ (القمر: 55) ہے مسکن مسجد کی طرح ہے یہ قیاس سے خارج ہے۔ اس قسم کا لفظ سماع سے ثابت ہے۔ آیۃ کان کا اسم ہے یہ ایسی علامت ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دال ہے کہ ان کا ایک خالق ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور اگر تمام مخلوق جمع ہو جائے کہ لکڑی سے پھل نکالیں تو ان کے لیے ممکن نہ ہو اور وہ پھلوں کی اجناس، ان کے انواع، ان کے ذائقوں، ان کی خوشبوؤں اور ان کی کلیوں کے اختلاف پر آگاہ نہ ہو سکیں۔ اس میں ایسی چیز ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ سب کچھ ایسی ذات سے ہو سکتا ہے جو عالم وقادر ہو۔

جَنَّتٰنِ یہ جائز ہے کہ یہ آیۃ سے بدل ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو۔ اس صورت میں آیۃ پر وقف ہوگا یہ وقف تام نہ ہوگا۔ زجاج نے کہا: کلام یوں ہے الآیۃ جنتان، جنتان کو رفع اس لیے دیا گیا کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ فراء نے کہا: یہ آیۃ کی تفسیر کی بنا پر مرفوع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ آیۃ کو نصب دی جائے کیونکہ یہ کان کی خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے

1۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ سباء، حدیث نمبر 3146، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کہ تو جنتین کو خبر کی بنا پر نصب دے جب کہ وہ قرآن کے علاوہ میں ہو۔

عبدالرحمن بن زید نے کہا: وہ آیت جو اہل سبا کی ان کے مساکن میں تھی وہ یہ تھی کہ وہ اپنے مساکن میں کبھی بھی مچھر، مکھی، پسو، جوں، بچھو، سانپ اور اس کے علاوہ کیڑے مکوڑے نہیں دیکھتے تھے (1)۔ جب کوئی قافلہ آتا ان کے کپڑے میں جوئیں وغیرہ ہوتیں جب قافلہ والے ان کے گھروں کو دیکھتے تو وہ کیڑے مکوڑے مرجاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت یہی دو باغ تھے۔ ایک عورت ان کے درمیان چلتی جب کہ اس کے سر پر ٹوکری ہوتی، اس کے ہاتھ لگائے بغیر وہ ٹوکری بھر جاتی؛ یہ قتادہ کا قول ہے (2)۔

ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ دونوں باغ یمن کے دو پہاڑوں کے درمیان تھے۔ سفیان نے کہا: ان دونوں باغوں میں دو محل تھے ان میں سے ایک پر لکھا ہوا تھا: ہم نے لگاتار ستر سالوں میں سلحین بنایا۔ دوسرے پر لکھا ہوا تھا: ہم نے اسے صرواح بنایا تھا یہ قیلولہ اور آرام کی جگہ ہے۔ ایک باغ وادی کی دائیں جانب اور دوسرا اس کی بائیں جانب تھا۔ قشیری نے کہا: جنتین سے دو باغوں کا ارادہ نہیں کیا بلکہ جنتین سے مراد دایاں اور بایاں مراد لیا ہے، یعنی ان کے شہر، باغوں، درختوں اور پھلوں والے تھے۔ لوگ ان کے سایوں سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ انہیں کہا گیا: کھاؤ۔ وہاں کوئی امر نہیں تھا بلکہ وہ ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسولوں نے ان کو کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے مباح کیا، یعنی ان نعمتوں کو تمہارے لیے مباح کیا طاعت اختیار کر کے اس کا شکر بجالاؤ۔ مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ دونوں باغوں کے پھلوں سے۔ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ۔ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ یہ نئی کلام ہے یعنی ھذہ بلدۃ طیبۃ یہ پاکیزہ شہر ہے جو بہت زیادہ پھلوں والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ شور زدہ نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پاکیزہ ہے اس میں کیڑے مکوڑے نہیں کیونکہ آب و ہوا عمدہ ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد صنعا، کا شہر ہے۔ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ جو تم پر یہ انعام فرمانے والا ہے وہ رب غفور ہے وہ تمہارے گناہوں پر پردہ ڈالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے گناہوں کی بخشش اور عمدہ شہر کے ساتھ نعمتوں کو جمع کیا تمام مخلوق کے لیے اس کا ارادہ نہیں کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مغفرت کا ذکر کیا یہ اس امر کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے کہ رزق میں بعض اوقات کوئی چیز حرام بھی ہوتی ہے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان جتلایا کہ اس نے ان کو معاف کر دیا ایسا عذاب نہ دیا جو ان کی اصل کو ختم کر دے کیونکہ انہوں نے اس طرح تکذیب کی جس طرح سابقہ انبیاء کی لوگوں نے تکذیب کی یہاں تک کہ انہوں نے اصرار پر دوام اختیار کیا اور ان کی نسل کو ہی ختم کر دیا گیا۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 443　2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 444

خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ۝

"(اہل سبا! تمہاری خوش بختی کا کیا کہنا) پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا اور ہم نے بدل دیا ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے جن کے پھل ترش اور کڑوے تھے اور ان میں جھاؤ کے بوٹے اور چند بیری کے درخت تھے"۔

انہوں نے مسلمان ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے امر اور اس کے رسولوں کی اتباع سے اعراض کیا۔ سدی اور وہب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اہل سبا کی طرف تیرہ رسول بھیجے تو اہل سبا نے ان کو جھٹلایا۔ قشیری نے کہا: ان کا ایک رئیس تھا جسے حمار کا لقب دیا جاتا۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فترت کے دور میں تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا ایک بیٹا تھا وہ مر گیا اس نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور تھوکا اور کفر کیا۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے اکفر من حمار حمار سے زیادہ کافر۔ جوہری نے کہا: ان کا قول اکفر من حمار وہ قوم عاد کا ایک آدمی تھا اس کے بچے مر گئے تو اس نے عظیم کفر کیا۔ اس کے علاقے سے کوئی آدمی نہ گزرتا مگر وہ اسے کفر کی طرف دعوت دیتا۔ اگر وہ اس کی دعوت کو قبول کرتا تو ٹھیک ورنہ وہ اسے قتل کر دیتا۔ پھر جب سیلاب ان کے باغوں کو بہا کر لے گیا تو وہ مختلف علاقوں میں بکھر گئے۔ جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔ اس وجہ سے ضرب المثل ذکر کی جاتی ہے: تفرقوا أیادی سبا☆۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اوس و خزرج بھی ان میں سے ہیں۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو مروی ہے اس میں عرم سے مراد بند ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے سیل السد العرم عطا نے کہا: عرم وادی کا نام ہے۔ قتادہ نے کہا: عرم سبا کی وادی ہے (1)۔ کئی وادیاں اس میں جمع ہوتیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سمندر سے اور یمن کی وادیوں سے۔ انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیان تین بند باندھے۔ اور اس بند سے تین دروازے بنائے جو ایک دوسرے کے اوپر تھے۔ وہ پہلے سب سے اونچے دروازے سے سیراب کرتے، پھر درمیانی سے پھر تیسرے سے جس قدر ان کی ضرورت ہوتی۔ ان کا علاقہ سرسبز و شاداب ہو گیا اور ان کے اموال بہت زیادہ ہو گئے۔ جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ نے ان پر چوہے کو مسلط کر دیا جس نے بند کو توڑ دیا۔

وہب نے کہا: وہ گمان رکھتے تھے وہ اپنے علم اور کہانت سے جانتے ہیں کہ ان کے بند کو ایک چوہا برباد کرے گا وہ دو پتھروں کے درمیان کوئی سوراخ نہیں دیکھتے تھے مگر وہاں ایک بلی باندھ دیتے تھے۔ جب وہ وقت آ گیا جس وقت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارادہ کیا تھا تو سرخ رنگ کا ایک چوہا ان بلیوں میں سے ایک بلی کے پاس آیا اس کے ساتھ سرگوشی کی تو وہ بلی اس پتھر سے پیچھے ہٹ گئی۔ پھر وہ چوہا اچھلا اور اس کے ساتھ جو تھا اس کے ساتھ اس سوراخ میں داخل ہو گیا اور اس بند میں نقب لگائی یہاں تک کہ سیلاب کے لیے اسے کمزور کر دیا جب کہ وہ نہیں جانتے تھے۔ جب وہ سیلاب آیا تو اس سوراخ میں داخل ہو گیا یہاں تک کہ اس بند تک پہنچ گیا۔ اور پانی ان کے اموال پر بہہ پڑا اور انہیں غرق کر دیا اور ان کے گھروں کو دفن کر دیا۔

زجاج نے کہا: العرم اس چوہے کا نام ہے جس نے ان پر بند میں سوراخ کیا تھا، اسے ہی خلد کہتے ہیں؛ یہ قتادہ کا بھی قول

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 238　　☆ وہ ایسے بکھرے کہ اس کے بعد جمع نہ ہو سکے۔

ہے سیلاب کو اس کی طرف منسوب کیا کیونکہ سیلاب اس کے سبب سے آیا تھا۔ ابن عربی نے بھی یہ کہا ہے: یہ العرم چوہے کا نام ہے۔ مجاہد اور ابن ابی نجیح نے کہا: العرم سرخ پانی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اس بند میں بھیجا جس نے اسے پھاڑ دیا اور اسے گرا دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: العرم سے مراد شدید بارش ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: العرم راء کے سکون کے ساتھ ہے۔ ضحاک سے مروی ہے: یہ فترت کے دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوران ہوا۔ عمرو بن شرحبیل نے کہا: عرم سے مراد سیلاب کو روکنے والا بند ہے؛ یہ جوہری کا قول ہے۔ کہا: اس کا لفظوں میں کوئی واحد نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا واحد عرمۃ ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: العرم ہر اس شے کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان آڑ ہے۔ اسی کو سکر کہتے ہیں۔ یہ عرمۃ کی جمع ہے۔ نحاس نے کہا: عرم اسے کہتے ہیں دو پہاڑوں کے درمیان جہاں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے اس کے سامنے مسناۃ ہوتا ہے اس کو ہی عرم کہتے ہیں۔ مسناۃ وہ چیز ہے جسے اہل مصر جسر کہتے ہیں۔ جب وہ چاہتے اس کو کھول لیتے جب ان کے باغ سیراب ہو جاتے تو وہ اسے بند کر دیتے۔

ہروی نے کہا: مسناۃ یعنی ضفیرہ جسے سیلاب کے لیے بنایا جاتا ہے تا کہ اسے روک دے۔ اسے مسناۃ کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں پانی کے دروازے ہوتے ہیں۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ عرم ایک بند تھا جسے ملکہ بلقیس نے بنایا تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی زوجہ تھیں۔

حمیر کی لغت میں مسناۃ ہے ملکہ بلقیس نے اسے پتھروں اور تارکول سے بنایا تھا اس نے اس کے تین دروازے بنوائے جو اوپر نیچے تھے۔ یہ عرامہ سے مشتق ہے جس کا معنی مضبوطی ہے۔ اسی سے رجل عارم ہے، یعنی مضبوط آدمی۔ عرمت العظم اعرمه و اعرمه عرما میں نے ہڈی سے گوشت اتارا۔ اسی سے عرمت الابل الشجر یعنی اونٹ نے درخت سے کھایا۔ العرام جب ضمہ کے ساتھ ہو تو ہڈی سے اور درخت سے جس کو کھا لیا گیا ہو۔ تعرمت العظم میں نے ہڈی سے گوشت کھایا۔ صبی عارم بین العرام جو بچہ بدخلق ہو۔ قد عرم یعرُم و یعرِم عَرامة والعرم العارم یہ جوہری سے مروی ہے۔

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ ابو عمرو نے اکل خمط تنوین کے بغیر مضاف کی صورت میں پڑھا ہے۔ علماء تفسیر اور خلیل نے کہا: خمط سے مراد پیلو کا درخت ہے (1)۔ جوہری نے کہا: خمط سے مراد پیلوں کی ایک قسم ہے جس کا پھل کھایا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ ایسا درخت ہے جو کانٹوں والا ہو اس میں کڑواہٹ ہو۔ زجاج نے کہا: ہر ایسی بوٹی جس میں کڑواہٹ ہو جس کا کھانا ممکن نہ ہو۔ مبرد نے کہا: خمط ہر ایسی چیز کو کہتے ہیں جو اس قدر بدل جائے جس کی خواہش نہ رہے۔ دودھ کو خمط کہتے ہیں جب وہ کھٹا ہو جائے۔ ان کے نزدیک قراءت میں اولیٰ ذواتی اکل خمط تنوین کے ساتھ ہوگی اس بنا پر کہ یہ اکل کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے کیونکہ اکل ان کے نزدیک خمط ہی ہے۔ جہاں تک اضافت کا تعلق ہے تو یہ بھی جائز ہے اس کی تقدیر کلام یہ ہوگی: ذواتی اکل حموضة او اکل مرارة۔

اخفش نے کہا: کلام عرب میں اضافت احسن ہے، جس طرح عربوں کا قول ہے: ثوب خز، خمط سے مراد کھٹا دودھ ہے۔

1۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 740

ابوعبید نے ذکر کیا کہ دودھ جب اس سے مٹھاس جاتی رہے اور اس کا ذائقہ نہ بدلے تو اسے سامط کہتے ہیں۔ جب اس میں کچھ بوسی پیدا ہو جائے تو وہ خامط اور خمیط ہوتا ہے۔ جب اس کا ذائقہ بھی بدل جائے تو اسے ممحل کہتے ہیں۔ جب اس میں مٹھاس کا ذائقہ ہو تو اسے فوھۃ کہتے ہیں☆۔ تخمّط الفحل جب نر نیچے آ گرے۔ تخمّط فلان جب وہ غصے ہو اور تکبر کرے۔ تخمّط البحر جب وہ موجزن ہو۔ خمطتُ الشاۃَ اَخمِطھا خمطا جب تو بکری کی جلد اتارے اور اس کو بھونے، تو یہ خمیط ہے۔ اگر تو اس کے بال اتارے اور اس کو بھونے تو یہ سمیط ہے۔

خمطہ اس شراب کو کہتے ہیں جب اس میں پکنے کی بو ہو جیسی سیب کی ہوتی ہے ابھی پکا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: حامصنہ کہتے ہیں، یہ جوہری کا قول ہے۔ قتبی نے ادب الکاتب میں کہا: حامضۃ کو خمطہ کہتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے: خمطہ اسے کہتے ہیں جب اس نے کچھ بوسی پکڑ لی ہو؛ اور اس شعر کو پڑھا:

عُقَارٌ كماء النِّيْ ليست بخمطة ولاخَلَّةٍ يكْوِى الشُّروبَ شِهابُها

اس شعر میں خمطہ کا لفظ اس معنی میں ہے۔

واثل، فراء نے کہا: یہ طرفاء (درخت) سے مشابہ ہوتا ہے مگر لمبائی میں اس سے بڑا ہوتا ہے اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر بنایا گیا۔ اثل کا تنا مضبوط ہوتا ہے جس سے دروازے بنائے جاتے ہیں۔ اس کے پتے طرفاء درخت کے پتوں جیسے ہوتے ہیں۔ اس کی واحد اثلہ ہے جمع اثلات ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: الاثل ایک لکڑی ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ لکڑی کی ایک قسم ہے جو طرفاء کے مشابہ ہوتی ہے، میں نے فید میں دیکھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کیکر کا درخت ہے۔ ابوعبید نے کہا: یہ نضار کا درخت ہے نضار کا معنی سونا ہے اور نضار ایسی لکڑی ہے جس سے پیالے بنائے جاتے ہیں اسی سے قدح نُضار ہے۔

وَّ شَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِیۡلٍ فراء نے کہا: اس سے مراد بول کا درخت ہے؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ازہری نے کہا: سدر ایک درخت ہے اس کی دو قسمیں ہیں: خشکی والا۔ اس سے نفع حاصل نہیں کیا جاتا اس کے پتے کسی چیز کو دھونے کے لیے استعمال نہیں ہوتے۔ اس کا کسیلا پھل ہوتا ہے جسے کھایا نہیں جاتا۔ اسی کو ہی ضال کہا جاتا ہے (۲) سدر جو پانی پر اگتا ہے اس کا پھل نبق ہے اس کے پتے کسی چیز کو دھونے کے کام آتے ہیں یہ عناب کے درخت کے مشابہ ہوتا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس اثناء میں کہ قوم کا درخت بہترین درخت تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ان کے اعمال کے باعث بدترین درخت بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پھل دار درختوں کو ہلاک کر دیا اور اس کے بدلے میں اراک، طرفاء اور سدر کو اگا دیا۔ قشیری نے کہا: جنگلوں کے درختوں کو جنت اور بستان نہیں کہتے، لیکن جب دوسرا پہلے کے مقابلہ میں آئے تو اس کے لیے بھی لفظ جنت استعمال کر دیتے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا (الشوریٰ: 40) یہ بھی احتمال ہے کہ قلیل کا لفظ ان کی طرف لوٹ رہا ہو جس کا پہلے ذکر ہوا جیسے خمط، اثل اور سدر۔

ذٰلِكَ جَزَیۡنٰہُمۡ بِمَا كَفَرُوۡا ؕ وَ ہَلۡ نُجٰزِیۡۤ اِلَّا الۡكَفُوۡرَ ۝۱۷

☆ فوھۃ، ایسا دودھ جو تھوڑا سا متغیر ہو جائے جب کہ اس میں دودھ کی حلاوت باقی ہو شاید فوھۃ تصحیف ہے۔

''یہ بدلہ دیا ہم نے انہیں بوجہ انکی احسان فراموشی کے اور بجز احسان فراموش کے ہم کسے ایسی سزا دیتے ہیں''۔

یہ تبدیلی ان کے کفر کا بدلہ تھا۔ ذٰلِكَ محل نصب میں ہے یعنی جزینا هم ذلك بکفرهم عام قراءت یجازی یاء مضموم اور زا مفتوحہ کے ساتھ ہے۔ الکفور نائب فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ یعقوب، حفص، حمزہ اور کسائی نے نون مضموم اور راء مکسور کے ساتھ اور الکفور کو نصب کے ساتھ قراءت کی ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے کہا: کیونکہ اس سے پہلے جزیناهم ہے جوز و انہیں کہا گیا۔ نحاس نے کہا: اس سے امر بڑا وسیع ہے اس میں معنی واضح ہے۔ اگر کوئی کہنے والا کہے: خلق الله تعالیٰ آدم صلی اللہ علیہ وسلم من طین اور دوسرا کہے: خلق آدم علیه السلام من طین دونوں کا معنی تو ایک ہی ہے۔

مسئلہ: اس آیت میں ایک سوال ہے اس سورت میں اس سے سخت سوال نہیں وہ یہ ہے کہ کہا جائے: اللہ تعالیٰ نے جزا کے لیے کفور کو ہی کیوں خاص کیا ہے اور اصحاب معاصی (گناہگاروں) کا ذکر نہیں کیا۔ علماء نے اس بارے میں گفتگو کی ہے۔

ایک قول کا خیال ہے: یہ جزا جس سے مراد جڑ سے اکھیڑ دینا اور ہلاک کر دینا ہے یہ صرف کافروں کے لیے ہے۔ مجاہد نے کہا: یہاں یجازی، یعاقب کے معنی میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن کی خطائیں اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے اور کافر کو ہر برے عمل کا بدلہ دیا جاتا ہے۔

مومن کے لیے یجزی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اس کے لیے یجازی کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا، کیونکہ اسے بدلہ دیا جاتا ہے۔ طاؤس نے کہا: اس سے مراد حساب میں مناقشہ ہے۔ جہاں تک مومن کا تعلق ہے اس کے حساب میں مناقشہ نہیں ہوتا۔ قطرب نے اس کے برعکس کہا ہے۔ اور اسے کفار کے علاوہ اہل معاصی کے لیے خاص کیا ہے۔ کہا: معنی ہے جس نے نعمتوں کا انکار کیا اور گناہ کبیرہ کیے۔ نحاس نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں جو سب سے عمدہ اور عظیم الشان بات کی جاتی ہے وہ وہ ہے جو اس کے بارے میں روایت کی جاتی ہے کہ حضرت حسن بصری نے کہا: مثلاً بمثل، برابر۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جس کا محاسبہ کیا گیا وہ ہلاک ہو گیا'' (1)۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿۸﴾ (الانشقاق) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ''یہ تو پیشی ہے جس کے حساب کا مناقشہ ہوا وہ ہلاک ہو گیا''۔ یہ اسناد صحیح ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ کافر کو اس کے اعمال پر بدلہ دیا جائے گا، اس کا محاسبہ ہوگا، اس نے جو بھلائی کا عمل کیا ہوگا اس کو ختم کر دیا جائے گا۔ پہلے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان واضح کرتا ہے: ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا۔ دوسرے کے بارے میں یہ قول دلالت کرتا ہے: وَ هَلْ نُجٰزِيْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ، یجازی کا معنی ہے ہر عمل پر بدلہ دیا جائے گا۔ جزیناهم کا معنی ہے ہم اسے پورا بدلہ دیں گے۔ یہ لغت میں حقیقی معنی ہے اگرچہ مجازی طور پر جازی، جزی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، من سمع شيئا لم يفقهه فراجعه، جلد 1، صفحہ 21

''اور ہم نے بسا دی تھیں ان کے درمیان اور ان شہروں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھ دی تھی کئی اور بستیاں سرِ راہ اور ہم نے منزلیں مقرر کر دی تھیں ان میں آنے جانے کی، سیر و سیاحت کرو ان میں (جب چاہو) رات یا دن کے وقت امن و امان سے''۔

وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً حضرت حسن بصری نے کہا: یعنی یمن اور شام کے درمیان بستیاں جن میں برکت رکھ دی گئی ہے جیسے شام، اردن اور فلسطین (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: برکت جن بستیوں میں رکھی گئی تھی وہ چار ہزار سات سو دیہات تھے۔ ان کے درختوں، پھلوں اور پانی میں برکت رکھ دی گئی تھی۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ کثرت تعداد کے ساتھ ہم نے ان میں برکت رکھی ہو۔ قُرًى ظَاهِرَةً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد مدینہ اور شام کا درمیانی علاقہ ہے۔ قتادہ نے کہا: ظَاهِرَةً کا معنی ہے وہ راستہ پر متصل تھیں۔ وہ صبح چلتے اور ایک بستی میں قیلولہ کرتے پچھلے پہر چلتے تو رات ایک اور بستی میں گزارتے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: میل پر بستی تھی جس میں منڈی تھی۔ یہی راستہ کے پرامن ہونے کا سبب تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: عورت اپنی سلائی کے ساتھ نکلتی اور اس کے سر پر اس کی ٹوکری ہوتی اور وہ اپنی سلائی سے بنائی کرتی رہتی وہ گھر نہ آتی مگر اس کی ٹوکری ہر قسم کے پھل سے بھر جاتی (2)۔ شام اور یمن کے درمیان بھی اسی طرح کی صورت حال تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظَاهِرَةً سے مراد بلند ہے؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں ظَاهِرَةً کہا گیا ہے کیونکہ وہ ظاہر تھے، یعنی جب تو اس سے نکلے گا تو تیرے لیے دوسرا دیہات ظاہر ہو جائے گا۔ وہ بستیاں معروف تھیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھذا امر ظاھر یعنی یہ امر معروف ہے۔

وَ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ہم نے ان کی بستیوں اور ان بستیوں جن کو ہم نے بابرکت بنا دیا تھا کے درمیان منازل مقدر کر دیں یعنی ایک منزل سے دوسری منزل اور ایک بستی سے دوسری بستی کے درمیان مسافت مقدر کر دی تھی یعنی دو بستیوں کے درمیان ہم نے نصف یوم کی مسافت مقدر کر دی یہاں تک کہ ان کا قیلولہ ایک بستی میں اور ان کی رات دوسری بستی میں ہوتی تھی۔ انسان رفتار میں تیزی دکھاتا ہے کیونکہ اس کے پاس زادِ راہ نہیں ہوتا اور نہ ہی پانی ہوتا ہے اور راستہ میں خوف بھی ہوتا ہے۔ جب زادِ راہ اور امن پایا جائے تو وہ اپنی ذات پر مشقت نہیں اٹھاتا اور جہاں ارادہ ہوتا ہے وہ فروکش ہو جاتا ہے۔ سِيْرُوْا فِيْهَا ہم نے انہیں کہا: اس مسافت میں گھومو پھرو۔ یہ امر قدرت دینے کے بارے میں ہے۔ وہ جب بھی ارادہ کرتے تو بڑے امن سے اپنے مقاصد کی طرف چلے جاتے۔ یہ امر خبر کے معنی میں ہے۔ اس میں قول مضمر ہے۔

لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا دونوں ظرفیں ہیں۔ اٰمِنِيْنَ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا نکرہ کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ ان کا سفر انتہائی مختصر تھا یعنی انہیں طویل سفر کی ضرورت نہ ہوتی کیونکہ جس چیز کی انہیں ضرورت ہوتی وہ وہاں ہی مل جاتی تھی۔ قتادہ نے کہا: وہ خوف، بھوک اور پیاس کے بغیر سفر کیا کرتے تھے (3)۔ وہ ان کے ساتھ

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 322 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 445

چار چار ماہ کا سفر کرتے وہ ایک دوسرے سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرتے اگر کوئی آدمی اپنے باپ کے قاتل کو بھی ملتا تو اسے کچھ نہ کہتا۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾

''پھر وہ بولے: اے ہمارے رب! دور دراز کر دے ہماری مسافتوں کو (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا پس ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ہم نے ان (کی جمعیت) کو پارہ پارہ کر دیا (سبا کی اس داستان) میں عبرت کی نشانیاں ہیں بہت صبر، بہت شکر کرنے والے کے لیے''۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا جب انہوں نے تکبر کیا، سرکشی کی، راحت پر اکتا گئے اور امن و عافیت پر صبر نہ کیا تو انہوں نے لمبے سفر اور معیشت میں مشقت کی آرزو کی جس طرح بنی اسرائیل کا قول ہے: فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا (البقرہ: 61) جس طرح نضر بن حارث نے کہا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (الانفال: 32) اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کر لی۔ اسے انتقام کے طور پر غزوہ بدر کے موقع پر تلوار سے قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح یہ لوگ دنیا میں بکھر گئے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان اور شام کے درمیان کئی جنگلات وسیع علاقے بنا دیئے جن میں وہ سواریوں پر سوار ہو کر جاتے اور زادِ راہ ساتھ رکھتے۔ عام قراءت ربنا نصب کے ساتھ ہے کہ یہ منادی مضاف ہے۔ یہ منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے کیونکہ اس کا معنی ہے نادیت، دعوت۔ باعد، انہوں نے اپنے سفروں میں دوری کا سوال کیا۔

ابن کثیر، ابو عمرو، ابن محیصن اور ہشام نے ابن عامر سے ربنا قراءت نقل کی ہے اسی طرح دعا کے طریقہ پر بعد قراءت کی یہ تبعید سے مشتق ہے۔ نحاس نے کہا: باعد، بعد دونوں معنی میں ایک ہی ہیں جس طرح تو کہتا ہے قارب، قرب۔ ابو صالح، محمد بن حنفیہ، ابو العالیہ، نصر بن عاصم اور یعقوب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی قراءت مروی ہے۔ ربنا مرفوع ہے باعد عین اور دال کے فتحہ کے ساتھ یہ ماضی غائب کا صیغہ ہے تقدیر کلام اس طرح ہے لقد باعد ربُنا بین اسفارنا گویا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ہم نے ان کے لیے ان کے سفروں کو قریب کر دیا تو انہوں نے تکبر کے طور پر کہا: ہم پر ہمارے سفر دور کر دیئے گئے۔ اس قراءت کو ابو حاتم نے پسند کیا ہے۔ انہوں نے سفروں کی دوری کو طلب نہیں کیا تھا انہوں نے تکبر اور اپنے کفر پر عجب کا اظہار کرتے ہوئے اس سے بھی قرب کا مطالبہ کیا۔ یحییٰ بن یعمر، عیسیٰ بن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے قراءت یہ ہے ربنا بعّد بین اسفارنا عین مشدد ہے الف نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہا: انہوں نے شکایت کی کہ ان کے رب نے ان کے سفروں کو دور کر دیا ہے۔ سعید بن ابی الحسن جو حضرت حسن بصری کے بھائی ہیں کی قراءت ہے ربنا بعد بین اسفارنا۔ ربنا یہ منادی مضاف ہے۔ اس کے بعد انہوں نے خبر دی اور کہا: بعد بین اسفارنا، بین کو فعل کے ساتھ رفع دیا تقدیر کلام یہ ہوئی بعد ما یتصل باسفارنا۔ فراء اور ابو اسحاق نے چھٹی قراءت روایت کی ہے جو اس کی مثل ہے جو اس سے قبل ہے۔ جس میں عین مضموم ہے۔ مگر تو بین کو ظرف کی

وجہ سے نصب دے گا۔ عربی زبان میں اس کی تقدیر یہ ہوگی بعدُ سیرُنا بین اسفارنا۔

نحاس نے کہا: ان قرائتوں کے معانی جب مختلف ہیں تو یہ کہنا جائز نہیں کہ ان میں سے ایک دوسری سے عمدہ ہے جس طرح اخبار احاد میں یہ نہیں کہا جاتا جب ان کے معانی مختلف ہیں، لیکن ان کے بارے میں خبر دی کہ انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ ان کے سفروں میں دوری پیدا کردے ان کی یہ دعا سرکشی اور تکبر کے طور پر تھی۔ ان کے بارے میں یہ خبر دی کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا تو اس کے بارے میں انہیں خبر دی گئی اور انہوں نے شکایت کی، جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا۔

وَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ انہوں نے کفر اختیار کرتے ہوئے اپنے اوپر ظلم کیا۔ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ ہم نے ان کو اس طرح بنا دیا کہ ان کی باتیں کی جاتی ہیں۔ عربی زبان میں اس کی تقدیر ہے ذوی احادیث۔

وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ جب انہیں لاحق ہوا جو انہیں لاحق ہوا وہ بکھر گئے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ شعبی نے کہا: انصار یثرب آگئے، غسان شام چلے گئے، اسد عمان چلے گئے، خزاعہ تہامہ چلے گئے عرب ان کے بارے میں مثال ذکر کرتے تھے اور کہتے: تفرقوا ایدی سبا و ایادی سبا یعنی وہ سبا کے مذہب اور ان کے راستوں پر بکھر گئے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ۔ صبار اسے کہتے ہیں جو معاصی سے رکتا ہے۔ یہ صابر سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس اسم کے ساتھ اس کی مدح بیان کی جاتی ہے۔ اگر تو یہ ارادہ کرے کہ اس نے معصیت سے صبر کیا ہے تو اس میں استعمال نہیں کیا جاتا مگر صبار عن کذا، شکور وہ نعمتوں پر شکر بجالانے والا ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ معنی گزر چکا ہے۔

وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

"اور بے شک سچ کر دکھایا ان (ناشکروں) پر شیطان نے اپنا گمان سو وہ اس کی تابعداری کرنے لگے بجز مومنوں کے ایک گروہ کے جو حق پر ڈٹا رہا"۔

وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ اس میں چار قرائتیں ہیں۔ ابو جعفر، شیبہ، نافع، ابو عمرو، ابن کثیر اور ابن عامر، مجاہد سے بھی یہی مروی ہے انہوں نے یہ قراءت کی ہے وَ لَقَدْ صَدَقَ عَلَیْهِمْ تخفیف کے ساتھ قراءت کی۔ ابلیس رفع کے ساتھ ظنہ نصب کے ساتھ ہے یعنی فی ظنہ۔ زجاج نے کہا: یہ مصدر کے طریقہ پر ہے، یعنی کلام یوں ہے صدق علیہم ظنا ظنہ اذ صدق فی ظنہ اسے مصدر یا ظرف کے طریقہ پر نصب دی۔ ابو علی نے کہا: ظنہ یہ منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے، یعنی شیطان نے جو گمان کیا اس کو سچ کر دکھایا جب اس نے کہا تھا: لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ (الاعراف) جب اس نے کہا: لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ (الحجر) یہ صدق فی الحدیث ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، یحییٰ بن وثاب، اعمش، عاصم، حمزہ اور کسائی نے صدق تشدید کے ساتھ اور ظنہ نصب کے ساتھ قراءت کی ہے کیونکہ اس پر فعل واقع ہوا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس نے گمان کیا تو معاملہ اس طرح ہوا جس طرح اس نے گمان کیا تو اس نے اپنے گمان کو سچ کر دکھایا۔ جعفر بن محمد اور ابو الجہاج نے صَدَقَ عَلَیْهِمْ تخفیف کے ساتھ، ابلیس کو نصب

اور ظنہ رفع کے ساتھ قراءت کی ہے۔

ابوحاتم نے کہا: میرے نزدیک اس قراءت کی کوئی توجیہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ فراء نے اس قراءت کو جائز قرار دیا ہے۔ زجاج نے اس کا ذکر کیا اور ظن کو صدق کا فاعل بنایا ہے اور ابلیس کو مفعول بہ بنایا ہے۔ معنی ہے ابلیس، اس کے لیے اس کے گمان نے کسی شے کو آراستہ کر کے پیش کیا تو اس کا گمان سچا ہو گیا۔ گویا کہا: ان پر ابلیس کا گمان سچ ہو گیا۔ علی صدق کے متعلق ہے، جس طرح تو کہتا ہے: صدقتُ علیك فیما ظننتُه بك میں نے تیرے بارے میں جو گمان کیا ہے تو نے اسے اپنے آپ پر سچ کر دکھایا۔ تو ظن کے متعلق نہ کر کیونکہ صلہ میں سے کسی چیز کو موصول پر مقدم کرنا محال ہے۔ چوتھی قراءت یہ ہے وَ لَقَدْ صَدَقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ ابلیس اور ظن دونوں مرفوع ہیں۔ صدق میں تخفیف کے ساتھ قراءت کی ہے۔ اس صورت میں ظنہ یہ ابلیس سے بدل ہے اور بدل اشتمال ہے پھر کہا گیا: یہ اہل سبا کے بارے میں ہے یعنی انہوں نے کفر کیا، تبدیلی کی اور بدل دیا بعد اس کے کہ وہ مومن تھے مگر ان میں سے ایک مومن جماعت تھی جو اپنے رسولوں پر ایمان لائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عام ہے یعنی ابلیس نے اپنا گمان تمام لوگوں پر سچ کر دکھایا مگر جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا ان کے ساتھ حضرت حوا تھیں اور ابلیس بھی نیچے اترا، تو اس نے کہا: جب میں نے والدین تک رسائی حاصل کر لی ہے تو اولاد تو بہت ہی کمزور ہے۔ یہ ابلیس کی جانب سے ظن تھا (1)۔ اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کو نازل فرمایا: وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ابلیس نے کہا: میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں اور حضرت آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں آگ ہر شے کو جلا دیتی ہے (2)۔ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا (الاسراء) شیطان نے اس پر اپنے گمان کو سچ کر دکھایا۔ زید بن اسلم نے کہا: ابلیس نے کہا: اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جن کو تو نے عزت بخشی انہیں شرف سے نوازا اور مجھ پر فضیلت دی تو ان میں سے اکثر شکر گزار نہیں پائے گا (3)۔ یہ اس کی طرف سے ظن تھا ابلیس نے ان پر اپنا ظن سچا کر دکھایا۔

قلبی نے کہا: اس نے یہ گمان کیا تھا اگر اس نے ان کو اغوا کیا تو وہ اسے جواب دیں گے۔ اگر اس نے ان کو گمراہ کیا تو وہ اس کی اطاعت کریں گے تو اس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا۔ فَاتَّبَعُوْهُ حضرت حسن بصری نے انہیں کہا: شیطان نے انہیں ڈنڈے اور عصا سے نہیں مارا اس نے جو گمان بھی دلایا اپنے وسوسہ ڈالنے کے ساتھ گمان دلایا (4)۔ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ یہ استثناء کے طور پر منصوب ہے۔ اس میں دو قول ہیں: اس سے بعض مومن مراد ہیں، کیونکہ کثیر مومن گناہ کرتے ہیں اور بعض معاصی میں ابلیس کی اقتدا کرتے ہیں یعنی مومنوں میں سے ایک جماعت کے سوا کوئی محفوظ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر: 42) سے یہی مراد ہے جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تعلق ہے۔ ان سے یہ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ سب مومن ہیں، پس من بیانیہ ہے بعضیہ نہیں ہے۔ اگر یہ

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 323
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 447
3۔ ایضاً
4۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 323

سوال کیا جائے: ابلیس کو اپنے گمان کے سچا ہونے کا کیسے پتہ چلا جب کہ وہ غیب نہیں جانتا؟ اسے کہا جائے گا: جب حضرت آدم علیہ السلام میں اس کا امر نافذ ہو گیا جو نافذ ہو گیا تو اس نے گمان کیا کہ اس کی اولاد میں بھی اس کی مثل نافذ ہو جائے گا۔ اس نے جو گمان کیا تھا وہ نافذ ہو گیا۔ ایک اور جواب بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں دیا گیا: وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ (الاسراء: 64) اللہ تعالیٰ نے اسے قوت اور استطاعت عطا فرمائی اس نے گمان کیا کہ وہ اس کے ذریعے ان سب کا مالک ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر نظر رحمت کی اور عنقریب اس کی نسل ہو گی جو جنت تک اس کی پیروی کرے گی اور کہا: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ (الحجر) اسے علم ہو گیا کہ اس کے بھی پیروکار ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کے بھی پیروکار ہیں، تو اس نے گمان کیا کہ اس کے پیروکار حضرت آدم علیہ السلام کے پیروکاروں سے زیادہ ہیں۔ کیونکہ اس کے ہاتھوں میں شہوات کی قوت رکھ دی گئی اور شہوات لوگوں کے پیٹوں میں رکھ دی گئیں۔ جب اس نے ان میں پھونکا اور ان کی نظروں میں ان شہوات کو مزین کیا اور انہیں ان خواہشات کی طرف جھوٹی آرزوں اور دھوکوں سے آمادہ کیا تو اس نے جو گمان کیا تھا وہی نکلا تو اس نے جو گمان کیا تھا اس گمان کو ان پر سچ کر دکھایا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾

''اور نہیں حاصل تھا شیطان کو ان پر ایسا قابو (کہ وہ بے بس ہوں) مگر یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ہم دکھانا چاہتے تھے کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون ان کے متعلق شک میں مبتلا ہے، اور (اے حبیب!) آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے''۔

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ابلیس نے انہیں کفر پر مجبور نہیں کیا، اس کی طرف سے تو صرف دعوت اور تزیین تھی۔ سلطان کا معنی قوت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حجت ہے، یعنی اس کے پاس کوئی ایسی حجت نہیں تھی جو ان سے مطالبہ کرے کہ وہ اس کی اتباع کریں انہوں نے اس کی پیروی شہوت، تقلید اور خواہش نفس کی بنا پر کی، صحبت اور دلیل کی بنا پر نہ کی۔

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ اس سے مراد علم شہادت ہے جس کے ساتھ ثواب اور عقاب واقع ہوتا ہے، جہاں تک علم غیب کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ فراء کا مذہب ہے کہ معنی ہو کہ ہم اسے تمہارے پاس جانیں، جس طرح فرمایا: اَيْنَ شُرَكَآءِيَ (النحل: 27) تمہارے قول اور تمہارے ہاں جو شریک ہیں وہ کہاں ہیں۔ اِلَّا لِنَعْلَمَ یہ ظاہر میں وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ کا جواب نہیں۔ یہ معنی پر محمول ہے، یعنی ہم نے اس کے لیے سلطان نہیں بنائی مگر اس لیے کہ ہم جان لیں۔
استثناء منقطع ہے یعنی اسے ان پر کوئی تسلط اور قابو نہیں تھا لیکن ہم نے انہیں اپنے وسوسہ کے ساتھ آزمایا تا کہ ہم جان لیں۔
الا یہ لکن کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ استثناء متصل ہے، معنی ہو گا اسے ان پر کوئی قابو نہ تھا سوائے اس

کے ہم نے اسے ان پر مسلط کیا تا کہ آزمائش مکمل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کان زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی مالہ علیھم من سلطان جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ (آل عمران: 110) یعنی تم بہترین امت ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اس کی ایک طرف سبا کے قصہ کے ساتھ متصل ہے تو کہا: ابلیس کو ان کفار پر کوئی سلطان نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمارے سابقہ فیصلہ کے مطابق اسے ان پر کوئی تسلط حاصل نہیں تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا لِنَعْلَمَ یہ إلا لنظهر کے معنی میں ہے۔

یہ اس طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: النار تحرق الحطب ایک اور کہتا ہے: نہیں بلکہ الحطب یحرق النار تو پہلے کہتا ہے: آؤ تا کہ ہم آگ اور حطب کا تجربہ کریں تا کہ ہم جان لیں کون کس کو جلاتا ہے یعنی ہم اسے ظاہر کریں اگر چہ انہیں یہ معلوم ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تا کہ تم جان لو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تا کہ ہمارے اولیاء اور ملائکہ اس کو جان لیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (المائدہ: 33) یہاں بھی یہ یحاربون اولیاء اللہ و رسولہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لیعلم کا معنی لیمیز ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (الانفال: 37) یہ معنی سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں گزر چکا ہے۔ زہری نے اسے لیعلم مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔

وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ وہ ہر شے کو جانتا ہے۔ وہ بندہ کے عمل کو محفوظ رکھتا ہے تا کہ اسے بدلہ عطا کرے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

"آپ فرمائیے: (اے مشرکو!) تم پکار دیکھو جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا معبود خیال کرتے ہو یہ تو ذرہ برابر کے بھی مالک نہیں ہیں نہ آسمانوں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا زمین وآسمان میں کچھ حصہ ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ان میں سے کوئی مددگار ہے"۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہ ہی وہ چیز ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور سبا کے قصہ میں میری قدرت کے آثار گزر چکے ہیں۔ اے محمد! ﷺ آپ ان مشرکوں سے کہیں: کیا تم جن کو شریک بناتے ہو انہیں بھی ان چیزوں پر قدرت حاصل ہے۔ یہ خطاب توبیخ کے لیے ہے۔ اس میں کلام مضمر ہے۔ قل ادعوا الذین زعمتم انھم آلھۃ لکم من دون اللہ یعنی انہیں بلاؤ جنہیں تم معبود گمان کرتے ہو اللہ کے سوا تا کہ تمہیں نفع دیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے بارے میں جو فیصلہ کیا ہوا ہے اس سے تم کو بچا سکیں وہ تو اس امر کے مالک نہیں۔

لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ یعنی ان میں سے کوئی بھی کسی شے کو پیدا کرنے میں مددگار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا ایجاد کرنے والا ہے وہ ایسی ذات ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے اور غیر کی عبادت محال ہے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ

قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝

''اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لیے اس نے اجازت دی ہو یہاں تک کہ جب دور کر دی جاتی ہے گھبراہٹ ان کے دلوں سے تو پوچھتے ہیں: کیا ارشاد فرمایا تمہارے رب نے؟ وہ کہتے ہیں: اس نے حق فرمایا ہے اور وہ بڑی شان والا سب سے بڑا ہے''۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ یعنی فرشتوں اور دوسرے افراد کی شفاعت نفع نہیں دیتی۔ عندہ اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ عام قراءت اذن ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ان کی شفاعت کوئی نفع نہ دے گی جن کا اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔ ابو عمرو، حمزہ اور کسائی نے اُذن ہمزہ کے ساتھ قراءت کی ہے یہ فعل مجہول ہے۔ آذِن اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، مَن کے متعلق تیرے لیے جائز ہے کہ تو اسے شفاعت کرنے والوں کی طرف لوٹا دے اور یہ بھی جائز ہے کہ تو اسے ان کی طرف لوٹا دے جن کی شفاعت کی جارہی ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: خوف ان کے دلوں سے نکل چکا ہو۔ قطرب نے کہا: ان میں جو خوف ہے اس کو نکال دیا گیا ہو(1)۔ مجاہد نے کہا: قیامت کے روز ان کے دلوں سے پردہ ہٹا دیا گیا ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کی جاتی ہے جیسے فرشتے، انبیاء اور بت (2) ان کی شفاعت نہیں ہوگی مگر اللہ تعالیٰ انبیاء اور فرشتوں کو شفاعت کا اذن دے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے حد درجہ خوفزدہ ہوں گے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ (الانبیاء) اس کا معنی ہے جب انہیں شفاعت کا اذن دیا جائے گا اور ان پر اللہ تعالیٰ کا کلام وارد ہوگا تو وہ گھبرا جائیں گے اس کی وجہ اس حالت میں ہولناک امر اور خوف کا ملنا ہے کہ کہیں انہیں جو اجازت دی گئی ہے اس میں ان سے کوئی کوتاہی واقع نہ ہو جائے جب خوف ان سے دور ہوگا تو وہ ان فرشتوں کو کہیں گے جو ان سے اوپر ہوں گے وہ اوپر والے فرشتے وہ ہوں گے جن پر اجازت والی وحی وارد ہوگی: مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ اللہ تعالیٰ نے کیا حکم دیا ہے؟ تو وہ کہیں گے: قَالُوا الْحَقَّ وہ امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مومنوں کی شفاعت کی اجازت دی ہے۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ اسے حق حاصل ہے وہ اپنے بندوں میں جس کا ارادہ کرے اس کا حکم دے، پھر یہ جائز ہے کہ یہ دنیا میں کچھ لوگوں کے حق میں شفاعت کا اذن ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اذن آخرت میں ہو۔ کلام میں اضمار ہے، یعنی اس کے ہاں کسی کو شفاعت کا حق نہیں مگر جسے وہ اجازت دے جب اس پر اذن وارد ہوگا اللہ تعالیٰ کے کلام کی ہیبت کی وجہ سے وہ گھبرا جائے گا یہاں تک کہ جب خوف ان کے دلوں سے دور ہو جائے گا تو وہ اطاعت کو بجا لائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آج یہ گھبراہٹ فرشتوں کے لیے ہر اس امر میں ہے جس کا رب العالمین حکم دیتا ہے، یعنی شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر فرشتوں کی جو آج گھبراتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں نہ کہ جمادات اور شیاطین کی شفاعت نفع دے گی۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 448

2۔ فرشتوں اور انبیاء کو بتوں کی صف میں کھڑا کرنا بڑا عجیب سا لگتا ہے حضرت مفسر نے کس مزاج میں آکر یہ جملہ لکھ دیا ہے۔

صحیح ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کے ارشاد پر عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پروں کو حرکت دیتے ہیں(1)، گویا صاف چٹان پر زنجیر ماری جائے، جب ان کے دلوں سے خوف ختم ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ فرشتے کہتے ہیں: حق فرمایا۔ وہ بلند ہے اور بڑا ہے۔ کیا شیاطین ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(2)

نواس بن سمعان نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ جب ارادہ فرماتا ہے کہ کسی امر کے بارے میں وحی کرے تو وحی سے تکلم فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے خوف کھاتے ہوئے آسمانوں کو اس وحی کی وجہ سے اضطراب اور شدید کپکپی طاری ہو جاتی ہے، جب آسمان والے اس کو سنتے ہیں تو ان پر بجلی سی گرتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر جاتے ہیں سب سے پہلے جبریل امین اپنا سر اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے کلام فرماتا ہے۔ اور جس کا ارادہ ہوتا ہے اپنے وحی سے اسے فرماتا ہے پھر جبریل امین فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں جب بھی آپ کسی آسمان سے گزرتے ہیں فرشتے ان سے پوچھتے ہیں: اے جبریل! ہمارے رب نے کیا کہا ہے؟ جبریل امین وحی کے ساتھ وہاں تک جاتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہوتا ہے''(3)۔

بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ کی تفسیر یہ نقل کی ہے۔ کہا: جنوں کی ہر جماعت کے لیے آسمان میں بیٹھنے کی جگہ ہے جہاں سے وہ وحی کو سنتے ہیں جب وحی نازل ہوتی ہے تو اس کی آواز سنی جاتی ہے جس طرح چٹیل چٹان پر کوئی زنجیر گزاری جائے آسمانوں پر وہ نازل نہیں ہوتی مگر وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں جب ان کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں: حق فرمایا وہ بلند اور بڑا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں: سال اس طرح ہوگا اور اس طرح ہوگا تو جن اسے سن لیتے ہیں اور وہ کاہنوں کو خبر دیتے ہیں کاہن لوگوں کو خبر دیتے ہیں کہتے ہیں: سال اس طرح ہوگا، سال اس طرح ہوگا تو وہ اسے اسی طرح پاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مبعوث فرمایا تو انہیں شہابیوں کے ساتھ دھتکارا گیا۔ جب جنوں نے عربوں کو کچھ نہ بتایا تو عربوں نے کہا: آسمان میں جو ہے وہ ہلاک ہو گیا تو اونٹوں والا ہر روز ایک اونٹ ذبح کرتا اور گائیوں والا ہر روز ایک گائے ذبح کرتا اور بھیڑ بکریوں والا ہر روز ایک بکری ذبح کرتا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے اموال میں جلدی کی۔ ثقیف نے کہا جو عربوں میں سے سب سے زیادہ دانش مند تھے: اے لوگو! اپنے اموال کو روک لو، کیونکہ آسمان میں جو ہے وہ مرا نہیں۔ بے شک یہ نظام کا درہم برہم ہونا نہیں۔ کیا تم ستاروں میں سے اپنی نشانیوں کو نہیں دیکھتے وہ اس طرح ہیں سورج، چاند، رات اور دن۔ ابلیس نے کہا: آج زمین میں کوئی واقعہ ہوا ہے، میرے پاس ہر علاقہ سے مٹی لاؤ تاکہ میں اس کو سونگھوں۔ وہ اس کے پاس ہر علاقہ کی مٹی لائے وہ ہر مٹی کو سونگھنے لگا۔ جب اس نے مکہ مکرمہ کی مٹی سونگھی۔ اس نے کہا: یہاں وہ واقعہ ہوا ہے، وہ خاموش ہو گئے تو

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ سبا، جلد 2، صفحہ 154
2۔ ایضاً، باب و من سورۃ سبا، حدیث نمبر 3147، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ تفسیر طبری، جز 22، صفحہ 109

کیا معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مبعوث ہو چکے تھے۔ سورۂ حجر میں یہ معنی مرفوع حدیث سے مختصر انداز میں گزر چکا ہے۔ جنوں کو شہابیوں سے مارنے اور انہیں جلانے کا واقعہ بھی گزر چکا ہے۔ سورۃ الجن میں اس کی وضاحت آئے گی۔ ان شاء اللہ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قیامت کے برپا ہونے پر خوفزدہ ہو جائیں گے۔ کلبی اور کعب نے کہا: حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہما السلام کے درمیان پانچ سو پچاس سال کا عرصہ فترت کا دور ہے اس میں رسل تشریف نہ لائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا تو اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کے ساتھ رسالت کے بارے میں کلام فرمایا۔ جب فرشتوں نے کلام کو سنا تو انہوں نے گمان کیا کہ قیامت برپا ہو گئی ہے۔ وہ وحی سن کر بے ہوش ہو گئے۔ جب حضرت جبریل امین نیچے آئے تو ہر آسمان کے پاس سے گزرتے تو ان سے پردہ کو ہٹاتے وہ اپنے سروں کو اٹھاتے اور ایک دوسرے سے کہتے: تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ نہ جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا، لیکن انہوں نے کہا: حق فرمایا وہ بلند اور بڑا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ آسمان والوں کے ہاں قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔

ضحاک نے کہا: وہ فرشتے جو اہل زمین کی طرف آگے پیچھے آتے ہیں وہ لوگوں کے اعمال لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھیجتا ہے۔ جب وہ نیچے آتے ہیں تو ان کی شدید آواز سنی جاتی ہے وہ فرشتے جو نیچے ہوتے ہیں وہ پھر گمان کرتے ہیں کہ قیامت کا حکم ہو گیا ہے، وہ سجدہ میں گر جاتے ہیں اور بے ہوش ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ انہیں علم ہو جاتا ہے کہ یہ قیامت کا امر نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تنبیہ ہے اور اس بات کی خبر دینا ہے کہ فرشتے مخلوقات میں سے چنے ہوئے ہونے کے باوجود اور مقام کی رفعت کے باوجود وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ کسی کے حق میں شفاعت کریں یہاں تک کہ انہیں اجازت دی جائے۔ جب انہیں اجازت دی جاتی ہے اور وہ سنتے ہیں تو بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کا حال ہوتا ہے تو بت کیسے شفاعت کریں گے اور تم کیسے شفاعت کی امید رکھتے ہو جب کہ تم قیامت کا اعتراف نہیں کرتے؟

حضرت حسن بصری، مجاہد اور ابن زید نے کہا: جب مشرکوں کے دلوں سے خوف ختم ہو جائے گا یہ آخرت میں موت کے نازل ہونے کے وقت ہو گا یہ اتمام حجت کے لیے ہوگا (1)۔ فرشتے انہیں کہیں گے: دنیا میں تمہارے رب نے کیا کہا؟ تو وہ کہیں گے: حق فرمایا، وہ بلند اور بڑا ہے۔ انہوں نے اس وقت اقرار کیا جب اقرار انہیں کوئی نفع نہیں دے گا، یعنی وہ کہیں گے اس نے حق فرمایا۔ عام قراءت فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا فَزَّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس کا فاعل ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسم کی طرف لوٹتی ہے۔ جس نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے تو اس صورت میں جار اور مجرور محل رفع میں ہوں گے۔ فعل معنی میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا۔ دونوں قراءتوں کی صورت میں معنی ہے گھبراہٹ ان کے دلوں سے دور کر دی جائے گی۔ جس طرح وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

اسی کی مثل اَشْكَاهُ ہے جب اس نے اس چیز کو زائل کیا جس کی وہ شکایت کرتا تھا۔ حضرت حسن بصری نے قراءت کی فُزِعَ یہ عام قراءت کی مثل ہے مگر زاء میں تخفیف کی گئی ہے۔ جار اور مجرور محل رفع میں ہے۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے:

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 324

انصرف عن کذا الی کذا، انصرف فعل کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح فزع زاء اور غین معجمہ تخفیف کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھتے ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ سے یوں مروی ہے اور ان دونوں سے فرغ راء اور غین معجمہ کے ساتھ معروف کا صیغہ بھی مروی ہے۔ معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے خوف کو دور فرما دیا۔ اسی طرف مجہول کی قراءت بھی لوٹتی ہے۔ حضرت حسن بصری سے فرغ تشدید کے ساتھ بھی قراءت مروی ہے۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى أَوْ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۲۴﴾

"آپ فرمایئے: کون روزی دیتا ہے تمہیں آسمانوں اور زمین سے، خود ہی فرمایئے: اللہ، اور ہم یا تم (دونوں میں سے ایک) ہدایت پر ہے اور (دوسرا) کھلی گمراہی میں ہے"۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ جب اس امر کا ذکر کیا کہ ان کے معبود ذرہ برابر اس چیز کے مالک نہیں جس پر رب قادر ہے اس امر کو موکد بیان کیا فرمایا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے کہو: مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ یعنی آسمان سے یعنی بارش، سورج، چاند، ستاروں اور ان سے جو رزق اور منافع حاصل ہوتے ہیں انہیں کون پیدا فرماتا ہے وَالْأَرْضِ اور وہ رزق جو زمین سے یعنی پانی اور نباتات سے نکلتے ہیں ان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ یہ کہیں: یہ ہمارے معبودوں کا فعل ہے، تو وہ کہتے ہیں: ہم نہیں جانتے، تو فرما دیجئے: اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ کرتا ہے وہ تمہارے دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے۔ اگر وہ کہیں: اللہ تعالیٰ ہمیں رزق بہم پہنچاتا ہے، تو دلیل ثابت ہوئی کہ اس ذات کی عبادت کی جانی چاہیے۔

وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى أَوْ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ یہ دلیل میں انصاف کے طریقہ پر ہے، جس طرح کوئی کہنے والا کہتا ہے: أحدنا کاذب ہم میں سے کوئی جھوٹا ہے جب کہ وہ جانتا ہے کہ وہ سچا ہے اور اس کا ساتھی جھوٹا ہے۔ معنی ہے ہم اور تم ایک امر پر نہیں بلکہ متضاد امور پر ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت ہدایت کی پابند ہے اور دوسری گمراہی پر ہے اور وہ تم ہو، تو صراحۃ جھٹلانے سے احسن انداز میں ان کو جھٹلا دیا۔ معنی ہے تم گمراہ ہو جب تم نے اس ذات کے ساتھ شرک کیا جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق بہم پہنچاتا ہے۔ أَوْ إِيَّاكُمْ یہ ان کے اسم پر معطوف ہے۔ اگر اس کا عطف اس کے محل پر ہوتا تو یہ أو انتم ہوتا لَعَلٰى هُدًى یہ اوّل کے لیے ہوگا غیر کے لیے نہیں ہوگا۔ جب تو کہے: أو ایاکم تو دوسرے کے لیے یہ اولی ہے اور اول سے حذف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ پہلے کے لیے ہو؛ یہ مبرد کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ اس کا معنی ایسے ہی ہوگا جس طرح صاحب بصیرت اپنے ساتھی کو وعید کی صحت اور واضح حجت کو ظاہر کرنے کے لیے کہتا ہے: أحدنا کاذب جب کہ معنی معروف ہے۔

جس طرح تو کہتا ہے: انا افعل کذا و تفعل أنت کذا و أحدنا مخطئ میں ایسا کرتا ہوں اور تو ایسا کرتا ہے اور ہم میں سے ایک غلطی کرنے والا ہے جب کہ یہ معروف ہے کہ وہ خطا کار ہے۔ اسی طرح یہ کلام ہے: وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى أَوْ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ، او بصریوں کے نزدیک اپنے اصلی معنی میں ہے۔ یہ شک کے لیے نہیں، لیکن یہ جس طرح عرب استعمال کرتے ہیں اس قسم کے کلام میں اس معنی میں استعمال ہوتا ہے جب مخبر یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ وضاحت کرے جب کہ وہ معنی کو جانتا ہے۔

ابو عبیدہ اور فراء نے کہا: یہ او، واؤ کے معنی میں ہے اس کی تقدیر یہ ہے انا علی ھدی وایاکم فی ضلال مبین (1) جریر نے کہا:

أثعلبة الفوارس أو رياحا عدلت بهم طهية والربابا

اس شعر میں أو ریاحا، و ریاحا کے معنی میں ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فلما اشتد أمر الحرب فينا تأملنا رياحا أو رزاما

جب جنگ کا معاملہ ہمارے درمیان سخت ہوا تو ہم نے ہواؤں اور جنگجو لوگوں کی امید کی۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَ لَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

''فرمایئے: تم سے باز پرس نہیں ہوگی ان جرموں کی جو ہم نے کیے اور نہ ہم سے باز پرس ہوگی تمہارے کرتوتوں کی''۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا یعنی جو ہم نے جرم کیے ہیں وَ لَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور جو تم کرتے رہے ان کے بارے میں ہم سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ جس امر کی طرف میں تمہیں دعوت دوں گا اس میں تمہارے بارے میں بھلائی کا ارادہ کرتا ہوں نہ کہ مجھے تمہارے کفر کا ضرر پہنچے گا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح فرمایا: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ (الکافرون) اللہ تعالیٰ سب کو بدلہ دینے والا ہے۔ یہ آیت ایک دوسرے معاملہ کو ترک کرنے اور صلح پر دال ہے۔ یہ آیت آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت آیت سیف سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ هُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ۝

''فرمایئے: ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق (وانصاف) کے ساتھ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا مراد یوم قیامت ہے۔ ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وہ فیصلہ فرمائے گا ہدایت یافتہ کو تو ثواب عطا فرمائے گا اور گمراہ کو سزا دے گا۔ وَ هُوَ الْفَتَّاحُ وہ حق کے ساتھ فیصلہ فرمانے والا ہے۔ الْعَلِيْمُ وہ مخلوق کے احوال سے آگاہ ہے۔

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

''فرمایئے: مجھے بھی دکھاؤ تو وہ شریک جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ ملا دیا ہے ہرگز ایسا نہیں، بلکہ فقط وہی اللہ ہے جو زبردست بڑا دانا ہے''۔

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ یہاں أرونی رویت قلب سے تعلق رکھتا ہے۔ شرکاء مفعول ثالث ہوگا، یعنی مجھے اصنام اور اوثان کی پہچان تو کراؤ جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہے۔ کیا وہ کسی شے کی تخلیق میں شریک ہیں پس بیان کرو وہ کیا ہیں؟ ورنہ تم کیوں ان کی عبادت کرتے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ رویت بصر سے ہو تو پھر شرکاء حال ہوگا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 449

كَلَّا معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم گمان کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: كَلَّا ان کے محذوف جواب کا رد ہے۔ گویا فرمایا: مجھے وہ دکھاؤ جن کو تم نے ان کا شریک بنایا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ اصنام ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہرگز نہیں یعنی اس کے شریک نہیں۔ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ بلکہ وہ اللہ عزیز و حکیم ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۸ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۹ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۳۰

''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر، لیکن (اس حقیقت کو) اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور وہ کہتے ہیں: کب پورا ہو گا یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ فرمایئے: (اے منکرو!) تمہارے لیے وعدہ کا دن مقرر ہے نہ تم اس سے ایک لحہ پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ (ایک لحہ) آگے بڑھ سکو گے''۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے۔ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ زجاج نے کہا: مراد ہے ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر انذار اور ابلاغ کے ساتھ تمام لوگوں کو جمع کرنے والا۔ کافۃ یہ جامع کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام لوگوں کو روکنے والا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کفر سے روکنے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اسلام کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ ہاء مبالغہ کے لیے ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے الا ذا کافۃ مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے، معنی بنتا ہے لوگوں کو اس سے روکنے والے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے دور بھاگیں یا انہیں کفر سے روکنے والے۔ اسی سے ہے: کف الثوب کیونکہ اس نے اس کی دونوں طرفوں کو ملایا۔ بَشِيْرًا جو اطاعت کرے اسے جنت کی بشارت دینے والے ہیں۔ وَّنَذِيْرًا جو کفر کرے اس کو آگ سے خبردار کرنے والے۔ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو ہے اس کو نہیں جانتے، جب کہ وہ مشرک ہیں۔ وہ اس وقت مومنوں سے تعداد میں زیادہ تھے۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ یعنی قیامت برپا ہونے کا وعدہ کب پورا ہو گا؟ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں کہیں: لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ اس کی تاخیر تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے۔ میعاد کا معنی میقات ہے۔ اس میعاد سے مراد بعث کا وقت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد موت کے حاضر ہونے کا وقت ہے، یعنی یوم قیامت سے قبل تمہارے لیے وقت معین ہے جس میں تم مر جاؤ گے تو تم میرے قول کی حقیقت جان لو گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس یوم سے مراد یوم بدر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر یہ دن ان کے عذاب کا دن تھا۔ نحویوں نے اس اعراب کو بھی جائز قرار دیا ہے مِّيْعَادُ يَوْمٍ اس تعبیر کی بنا پر کہ میعاد مبتدا ہو، یوم اس سے بدل ہو اور خبر لکم ہو۔ انہوں نے اس اعراب کو بھی جائز قرار دیا ہے میعاد یوما اس صورت میں یوما ظرف ہو گی عنہ کی ہاء ضمیر یوم کی طرف لوٹے گی۔ یہ

صحیح نہیں میعاد یوم لا تستاخرون تنوین کے بغیر ہوگی۔ یوم کا لفظ مابعد کی طرف مضاف ہوگا جب تو ہاء کو یوم کی طرف لوٹنے والا مقدر کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ شے اپنی ذات کی طرف مضاف ہوگی اس کی وجہ وہ ہاء ہے جو جملہ میں موجود ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ہاء میعاد کے لیے ہے یوم کے لیے نہیں۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ لَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ﹰالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْ لَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳۱ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۲ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۳۳

"کفار (اب تو) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہوئیں، کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کیے جائیں گے اپنے رب کے روبرو اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے، کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان دار ہوتے، جواب دیں گے متکبر، ان کمزوروں کو: کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نور ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ کہیں گے وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے: (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے مکر و فریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسفر بنا دیں، اور دل ہی دل میں پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے) کیا انہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو کیا کرتے تھے"۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مراد قریش کے کفار ہیں۔ لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ لَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے: وَ لَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ سے مراد کتب اور انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد آخرت ہے۔ ابن جریج نے کہا: یہ قول کرنے والا ابو جہل بن ہشام ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اہل کتاب نے مشرکوں سے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہماری کتابوں میں ہے پس تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو۔ جب انہوں نے سوال کیا تو اہل کتاب

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 451

نے جو کہا تھا اسی کے موافق پایا۔ مشرکوں نے کہا: ہم اس قرآن پر اور اس پر جو اس سے قبل نازل ہوا یعنی تورات اور انجیل پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ ہم سب کا انکار کرتے ہیں۔

وہ اس سے قبل اہل کتاب سے رجوع کرتے تھے اور ان کے قول سے دلیل پکڑتے تھے۔ اس سے ان کے کردار میں تضاد اور ان کے علم کی قلت ظاہر ہوگئی۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کے بارے میں خبر دی فرمایا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ وہ حساب کے میدان میں محبوس ہوں گے وہ ملامت اور عتاب کے ساتھ کلام کو ایک دوسرے کی طرف لوٹائیں گے جب کہ وہ دنیا میں دوست اور باہم مددگار رہتے تھے۔ لو کا جواب محذوف ہے جو یہ ہے لرایت امرا ھائلا فظیعا پھر یہ ذکر کیا جو ان کے درمیان گفتگو ہوئی، فرمایا: یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا کافروں میں سے جو دنیا میں کمزور تھے لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا جو قائدین اور رؤساء تھے۔ لَوْ لَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ اگر تم ہمیں گمراہ نہ کرتے۔ فصیح لغت لولا انتم ہے عربوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو لولا کم کہتے ہیں: اسے سیبویہ نے بیان کیا ہے لولا مضمر کو جر دیتا ہے اور اس کے بعد اسم ظاہر مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہوتا ہے اور اس کی خبر محذوف ہوتی ہے۔ محمد بن یزید کہتا ہے: لولا کم پڑھنا جائز نہیں کیونکہ مضمر مظہر کے پیچھے ہوتا ہے جب اسم ظاہر بالاجماع مرفوع ہے تو ضروری ہوگا کہ مضمر بھی مرفوع ہو۔

قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى یہ استفہام انکار کے معنی میں ہے یعنی ہم نے تمہیں ہدایت سے نہیں روکا اور نہ ہی تمہیں مجبور کیا۔ بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ یعنی تم مشرک اور کفر پر مصر تھے۔ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ کلام عرب میں مکر کا اصل معنی حیلہ سازی کرنا اور دھوکہ دینا ہے یہ یوں باب چلتا ہے مَكَرَ بہ یَمْكُرُ فھو مَاكِرٌ و مَكَّارٌ۔ اخفش نے کہا: کلام اس تقدیر کی بنا پر ہے ھذا مکر اللیل والنہار۔ نحاس نے کہا: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے بلکہ تمہارا دن اور رات کو مکر یعنی تمہارا ہمارے ساتھ سرگوشی کرنا اور تمہارا ہمیں کفر کی طرف دعوت دینا اس نے ہمیں اس پر برانگیختہ کیا۔ سفیان ثوری نے کہا: بلکہ تمہارا دن اور رات کا عمل (1)۔ قتادہ نے کہا: بلکہ تمہارے دن اور رات کے مکر نے ہمیں روکا۔ مکر کو ان دونوں کی طرف مضاف کیا گیا کیونکہ یہ دن اور رات میں واقع ہوتا ہے، یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ (نوح: 4) اجل کو اپنی ذات کی طرف مضاف کیا پھر فرمایا: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً (الاعراف: 34) کیونکہ اجل ان کی ہوتی ہے۔ یہ تیرے اس قول کے قبیل سے ہے: لیلہ قائم و نہارہ صائم مبرد نے کہا: بلکہ تمہارا دن رات کا مکر، جس طرح عرب کہتے ہیں: نہارہ قائم و لیلہ قائم اور جریر کا یہ شعر پڑھا:

لقد لُمتنا یا أمَّ غیلان فی السُّری ونمتِ وما لیلُ المَطِیِّ بنائم(2)

اے ام غیلان! تو نے ہمیں رات کے چلنے پر ملامت کی اور تو خود سوگئی جب کہ سواری کی رات سوتی نہیں۔

سیبویہ نے یہ شعر پڑھا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 451 2۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 247

فنام لیلی و تجلی ھمی

میری رات سوگئی اور میرا غم عیاں ہو گیا۔

جریر کے شعر میں نمتُ فیہ کلام مقدر کی جائے گی۔

اس کی مثل وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا (یونس: 67) ہے۔ قتادہ نے پڑھا: مکرٌ اللیلَ والنهارَ مکر پر تنوین ہے اور اللیل والنہار پر نصب ہے تقدیر کلام یہ ہے بل مکر کائن فی اللیل والنہار تو اس سے کائن کو حذف کر دیا گیا۔ حضرت سعید بن جبیر بل مکر کاف کے فتحہ اور راء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جو کہ در کے معنی میں ہے۔ یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور خبر محذوف ہے یہ بھی جائز ہے کہ فعل مضمر کے ساتھ مرفوع ہو جس پر اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ دلالت کرتا ہے گویا جب انہوں نے ان کو کہا: کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روکا تھا؟ انہوں نے کہا: بلکہ ہمیں رات اور دن کے مکر نے روکا تھا۔

سعید بن جبیر سے مروی ہے بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ کہا جب کہ رات اور دن کے گزرنے کی وجہ سے وہ غافل ہو گئے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا: طویل عرصہ تک امن و سلامتی نے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ (الحدید: 16) راشد نے بل مکر اللیل والنہار نصب کے ساتھ قراءت کی جس طرح تو کہتا ہے: رایتہ مقدم الحاج یہ اس صورت میں جائز ہے جو معرف باللام ہو اگر تو کہے رایتہ مقدم زید تو یہ جائز نہیں۔ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا، انداد کا معنی مشابہ، مثل اور نظیر ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: فلان ند فلان فلاں فلاں کی مثل ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: ندید۔ یہ شعر پڑھا:

أينما تجعلون إلیّ ندا وما أنتم لذی حسب نَدید

تم میرا مثل کیسے بناتے ہو جب کہ تم کسی شریف کے ہم پلہ نہیں۔

سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ انہوں نے ندامت کا اظہار کیا۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ یہ اخفاء اور ابداء کے معنی میں ہے۔ امرء القیس نے کہا:

تجاوزت أحراسا وأهوال مَعْشَرٍ علیّ حراصا لو یُسِرّون مَقْتَلی

محل استدلال لو یسرون ہے۔ اسے یشرون بھی روایت کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ ندامت ان کے چہروں کے اسرار میں واضح ہو گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ندامت ظاہر نہیں ہوئی، کیونکہ یہ دل میں ہوتی ہے۔ ندامت سے جو چیز متولد ہوتی ہے وہ ظاہر ہوتی ہے جس طرح اس کی وضاحت سورۂ یونس اور سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی ندامت کا اظہار ان کا یہ قول ہے: فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء) ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے باہم ندامت کا اظہار کیا اور اس کے بارے میں قول کو ظاہر نہ کیا جس طرح فرمایا: وَ اَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ (طہ)

وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، اغلال، غل کی جمع ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فی رقبتہ غل من حدید

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 451

اس کی گردن میں لوہے کا طوق ہے۔ اسی طرح برے اخلاق والی عورت کو کہتے ہیں: غلٌ قملٌ اصل بات یہ تھی کہ طوق چمڑے کا بنا ہوتا جس پہ بال ہوتے تو اس میں جوئیں پڑ جاتیں۔

غللتُ یدہ إلی عنقه، وقد غل فھو مغلول میں نے اس کا ہاتھ اس کی گردن میں جکڑ دیا اور وہ مغلول ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: مالہ ال وغل نہ اس کی گدی پر ضرب لگانے والا ہے اور نہ ہی گلے میں طوق ہے۔ الغل اور الغلۃ کا معنی پیاس کی گرمی ہے اسی طرح غلیل ہے، اسی سے یہ قول کیا جاتا ہے: غُلَّ الرجل یُغَلُّ غللا فھو مغلول یہ مجہول کا صیغہ ہے؛ یہ جوہری سے مروی ہے یعنی پیروی کرنے والا اور جن کی پیروی کی جاتی تھی سب کی گردنوں میں طوق ڈال دیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان دونوں فریقوں کے علاوہ کے لیے بھی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ان کی طرف لوٹ رہا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے کلام اس قول پر مکمل ہو جاتی ہے۔ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ پر کلام نئے سرے سے شروع کی اور فرمایا: وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ یعنی تمام کفار کے گردنوں میں ہم نے طوق ڈال دیے ہیں۔ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ یعنی دنیا میں وہ جو عمل کرتے رہے اس کا بدلہ ہی انہیں دیا جائے گا۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۙ وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ مَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ هُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

''اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر یہ کہ (برملا) کہہ دیا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے: ہم اس (دین) کا جو دے کر تم بھیجے گئے ہو انکار کرتے ہیں اور کہتے: (تم کون ہو ہمیں ڈرانے والے) ہمارا مال بھی (تم سے) زیادہ ہے اور اولاد بھی اور ہمیں عذاب نہیں دیا جا سکتا۔ آپ فرمایئے: بے شک میرا رب کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) لیکن اکثر لوگ (ان حکمتوں کو) نہیں جانتے اور (یاد رکھو) نہ تمہارے اموال اور نہ ہی تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں وہ تمہیں ہمارا قرب بخش دیں مگر جو ایمان اور نیک عمل کرتا رہا (اسے ہی ہمارا قرب نصیب ہوگا) پس یہ لوگ ہیں جن کے لیے دوگنا صلہ ہے ان کے عملوں کا اور وہ بالا خانوں میں امن و امان سے رہیں گے اور جو لوگ کوشاں ہیں ہماری آیتوں کی تکذیب میں تاکہ ہمیں ہرا دیں وہی لوگ عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے''۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ قتادہ نے کہا: مترفوھا سے مراد ان کے اغنیاء، ان کے رؤساء،

ان کے جابر لوگ اور شریروں کے قائدین ہیں انہوں نے رسولوں سے کہا: اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَ قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ہمیں تم پر اموال اور اولاد میں فضیلت دی گئی ہے۔ اگر تمہارا رب اس دنیا اور فضل پر راضی نہ ہوتا جس پر ہم ہیں تو وہ ہمیں ہر چیز عطا نہ کرتا۔ وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ کیونکہ جو اس کے نزدیک اچھی حالت میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو رد کر دیا اور غنا سے انہوں نے جو استدلال کیا تھا اس کو رد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا: قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ جس کے حق میں چاہتا ہے رزق کو وسیع فرما دیتا ہے۔ وَ یَقْدِرُ اور جس کے حق میں چاہتا ہے اس میں کمی کر دیتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی وہ ذات ہے جو اپنے بندوں میں رزق کے اعتبار سے فرق رکھتی ہے تا کہ ان کا امتحان لے ان میں سے کوئی بھی چیز انجام پر دلالت نہیں کرتی۔ دنیا میں رزق کی وسعت آخرت کی سعادت پر دال نہیں تم اپنے اموال اور اولاد کے بارے میں گمان نہ کرو کہ وہ کل تمہیں فائدہ دیں گے۔ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے کیونکہ وہ غور و فکر نہیں کرتے پھر تاکید کے طور پر فرمایا: وَ مَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی مجاہد نے کہا: زلفی سے مراد قربیٰ ہے (1)۔ زلفۃ سے مراد قرابت ہے۔ اخفش نے کہا: یعنی قرب عطا کر دیں، یہ اسم مصدر ہے۔ قربیٰ محل نصب میں ہے، گویا فرمایا: جو تمہیں ہمارے قریب کر دے۔ فراء نے گمان کیا ہے کہ التی حوال اور اولاد سب کے لیے ہے۔ اس کا ایک اور قول بھی ہے۔ یہ ابو اسحاق زجاج کا مذہب ہے معنی ہو گا: تمہارے اموال تمہیں ہمارے قریب نہیں کریں گے اور نہ ہی تمہاری اولادیں تمہیں قریب کریں گی پھر پہلی خبر کو حذف کر دیا گیا کیونکہ دوسری خبر اس پر دلالت کرتی ہے۔ فراء نے یہ شعر پڑھا ہے:

نحن بما عندنا وأنت بما عندك راضٍ والرأيُ مختلفُ(2)

جو کچھ ہمارے پاس ہے ہم اس پر اور جو کچھ تمہارے پاس ہے تم اس پر راضی ہو رائے مختلف ہے۔

قرآن کے علاوہ میں اللتین، اللاتی، اللواتی، الذین، الذین اولاد کے لیے خاص ہو۔ اموال ہمارے ہاں تمہارے درجے کو زائد نہ کریں گے اور تمہیں قرب عطا نہ کریں گے۔ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا سعید بن جبیر نے کہا: معنی ہے مگر جو ایمان لایا اور عمل صالح کیا تو اس کا مال اور اس کی اولاد دنیا میں اسے کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے۔ لیث نے طاؤس سے روایت نقل کی ہے وہ کہا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے ایمان اور عمل عطا فرما، مجھے مال اور اولاد سے دور رکھ، جو تم نے وحی کی ہے میں نے اسے سنا ہے: وَ مَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا۔ (3)

میں کہتا ہوں: طاؤس کے قول میں نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ معنی ہے مجھے اس مال اور اولاد سے دور کر دے جو سرکشی کرنے والے ہیں یا جن میں کوئی بھلائی نہیں جہاں تک صالح مال اور صالح اولاد کا تعلق ہے صالح آدمی کے لیے تو وہ کتنا اچھا ہے۔ یہ بحث سورۂ آل عمران، سورۂ مریم اور سورۂ فرقان میں گزر چکی ہے۔ من محل نصب میں ہے مستثنیٰ منقطع ہے۔ مگر جو ایمان لایا اور اس نے عمل صالح کیا تو اس کا ایمان اور عمل صالح اسے میرے قریب کر دے گا۔ زجاج نے گمان کیا ہے کہ یہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 453
2۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 248
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 453

استثناء کے ساتھ محل نصب میں ہے اور تُقَرِّبُكُمْ میں کم ضمیر اس سے بدل ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول غلط ہے کیونکہ کم مخاطب کے لیے ہے اس لیے بدل جائز نہیں اگر یہ جائز ہوتو یہ بھی جائز ہو رأيتك زيدا۔

ابو اسحاق کا یہ قول فراء کا قول ہے مگر فراء بدل کا ذکر نہیں کرتا کیونکہ یہ کوفیوں کا لفظ نہیں لیکن اس کا قول اس کی طرف لوٹتا ہے اس نے یہ گمان کیا ہے کہ اس کی مثل اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ (شعراء) یہ اس کے نزدیک ینفع کے ساتھ منصوب ہے۔ فراء نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ من محل رفع میں ہو، معنی ہو ما هو الا من آمن اس نے اسی طرح کیا ہے میں اس کا معنی نہیں سمجھتا۔

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا اس سے مراد یہی قول ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام: 160) ضعف کا معنی زیادتی ہے، یعنی ان کے لیے کئی گنا بدلہ ہے یہ اس باب سے ہے کہ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے کئی گنا بدلہ ہے۔ ضعف جمع کے معنی میں ہے ضعف کی نسبت جزا کی طرف اسی طرح ہے جس طرح شی کی نسبت اس کی ذات کی طرف ہوتی ہے، جس طرح حق الیقین، صلاۃ الاولی، یعنی ان کے لیے کئی گنا بدلہ ہے، ایک کے بدلہ میں دس اور اس سے زیادہ جتنا اللہ تعالیٰ ارادہ کرے۔

اس آیت سے استدلال کیا ہے اس نے جس نے غنا کو فقر پر فضیلت دی۔ محمد بن کعب نے کہا: مومن جب غنی اور متقی ہو اللہ تعالیٰ اسے اس آیت کی وجہ سے دوگنا اجر عطا فرمائے گا۔ وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ عام قراءت جزاء الضعف ہے یعنی مضاف مضاف الیہ ہے۔ زہری، یعقوب اور نصر بن عاصم نے جزاء کو منصوب منون اور الضعف کی رفع کے ساتھ قراءت کی ہے یعنی ان کے لیے کئی گنا جزا ہے۔ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ جزاءٌ الضعف یعنی انہیں کئی گنا بدلہ دیا جائے گا۔ جزاء الضعف یہ دونوں مرفوع ہیں۔ الضعف یہ جزاء سے بدل ہے۔ جمہور نے فی الغرفات جمع پڑھا ہے؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ قول ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا (العنکبوت: 58) اسے فی الغرفات راء کے ضمہ، فتحہ اور سکون کے ساتھ پڑھا گیا ہے (1)۔ اعمش، یحییٰ بن وثاب، حمزہ اور خلف نے فی الغرفة واحد کا صیغہ پڑھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ (الفرقان: 75) الغرفة سے بعض اوقات اسم جمع اور اسم جنس مراد لیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ یاقوت، زبرجد اور موتیوں کے کمرے ہیں۔ اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اٰمِنُوْنَ وہ عذاب، موت، بیماریوں اور غموں سے امن میں ہوں گے۔ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا جو ہمارے ادلہ، حجت اور ہماری کتاب کو باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مُعٰجِزِيْنَ عناد کرتے ہوئے وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہم سے اپنے آپ کو بچا لیں گے۔ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ زبانیہ انہیں جہنم میں حاضر کریں گے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 586

"آپ فرمائیے: بے شک میرا پروردگار کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو تو وہ اس کی جگہ اور دے دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے"۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ لَهٗ اسے تاکید کے لیے مقرر ذکر کیا۔ **وَ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ** اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال اور اولاد سے دھوکہ کھانے والوں کو کہیے: اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اس میں تنگی کر دیتا ہے تم اموال اور اولاد سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں اسے خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں جو بھی تم خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرماتا ہے۔ اس میں اضمار ہے، تقدیر کلام یہ ہے: فهو يخلفه عليكم یہ جملہ بولا جاتا ہے: أخلف له، أخلف عليه یعنی تمہیں اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ یہ بدل دنیا میں ہوگا یا آخرت میں ہوگا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "ہر وہ دن جس میں لوگ صبح کرتے ہیں اس میں دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما اور بخل کرنے والے کو ہلاکت عطا فرما" (1)۔

اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے مجھے ارشاد فرمایا: خرچ کرو، خرچ کرو" (2)۔ یہ اس بدلے کی طرف اشارہ ہے جو خرچ کیے ہوئے مال کے بدلہ میں دیا جاتا ہے جب خرچہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں ہو۔ بعض اوقات دنیا میں بدلہ نہیں دیا جاتا جس طرح دعا ہوتی ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ خواہ دعا قبول ہو جائے، گناہوں کا کفارہ بن جائے یا ذخیرہ کر لیا جائے۔ یہاں ذخیرہ کیا جانا اجر کی مثل ہوتا ہے۔

مسئلہ: دار قطنی، ابو احمد بن عدی نے عبد الحمید ہلالی سے وہ محمد بن منکدر سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاد فرمایا: "ہر نیکی صدقہ ہے جو آدمی اپنی ذات اور اپنے اہل پر خرچ کرتا ہے تو اس کے حق میں صدقہ لکھ لیا جاتا ہے جس کے ساتھ آدمی اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہے تو وہ بھی صدقہ ہے۔ اور جو بندہ خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کا بدل ہے، مگر وہ مال جو عمارت بنانے یا معصیت میں خرچ کیا جائے"۔ عبد الحمید نے کہا: میں نے ابن منکدر سے کہا: ما وقى الرجل عرضه سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ کسی شاعر اور زبان دراز کو مال دیتا ہے۔ عبد الحمید کو ابن معین نے ثقہ قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو اس نے معصیت میں مال خرچ کیا تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نہ اسے بدلہ دیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کا بدل دیا جاتا ہے۔ جہاں تک اس عمارت کا تعلق ہے جو ضروری تھی جس کے ساتھ انسان اپنا پردہ کرتا ہے اور اپنی حفاظت کرتا ہے تو اسے اس کا بدل بھی دیا جاتا ہے اور اس کے بنانے پر اجر بھی دیا جاتا ہے، اسی طرح جو آدمی اپنے جسم کی حفاظت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، بیان الصدقۃ یقع علی کل نوم، جلد 1، صفحہ 325

2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، الحث علی النفقۃ، جلد 1، صفحہ 322

اور ستر عورت کے لیے مال خرچ کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان چیزوں کے علاوہ بندے کا کوئی حق نہیں گھر جس میں وہ سکونت اختیار کر لے، کپڑا جس کے ساتھ وہ پردہ کا اہتمام کرے، روٹی کی کور یعنی ٹکڑا اور پانی'' (1)۔ یہ بحث سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے۔

وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ جب انسان کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ اپنے عیال کو رزق دیتا ہے اور امیر اپنے لشکر کو کھلاتا ہے۔ کہا: وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ مخلوق میں سے رزق دیتا ہے لیکن یہ ایسا مال ہوتا ہے جن کا وہ مالک ہوتا ہے پھر یہ مال ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے خزانوں سے رزق دیتا ہے جو فنا نہیں ہوتے اور ختم بھی نہیں ہوتے۔ جو کسی چیز کو عدم سے وجود کی طرف نکالے وہی حقیقت میں رازق ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ (الذاریات)

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝

''اور جس روز وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا: کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کرتے تھے؟ فرشتے عرض کریں گے: تو پاک ہے ہر شرک سے، ہمارا مالک تو ہے، ہمارا ان سے کیا واسطہ بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے''۔

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ متصل ہے: وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ (سبا: 31) یعنی اگر آپ انہیں اس حالت میں دیکھتے تو خوفناک امر دیکھتے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مراد وہ اور اس کی امت ہے۔ پھر فرمایا: کاش آپ انہیں اس دن بھی دیکھتے جس روز ہم ان تمام عبادت گزاروں اور معبودوں کو جمع کریں گے، یعنی حساب کے لیے انہیں جمع کریں گے۔ ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے: یہ استفہام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (المائدہ: 116) نحاس نے کہا: معنی ہے جب فرشتوں نے ان کی تکذیب کی تو اس میں ان کو لاجواب کرنا تھا۔ یہ استفہام عبادت کرنے والوں کی توبیخ کے لیے ہے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ تیرے لیے پاکی ہے۔ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ یہ تو ہمارا وہ رب ہے جس کو ہم اپنا ولی بناتے ہیں، ہم اس کی اطاعت کرتے ہیں، ہم اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے لیے عبادت کو خاص کرتے ہیں۔ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ وہ ابلیس اور اس کے مددگاروں کی اطاعت کرتے ہیں۔ تفاسیر میں ہے: ایک قبیلہ تھا جسے بنو ملیح کہتے ہیں یہ بنو خزاعہ کی شاخ تھی وہ جنوں کی پوجا کیا کرتے تھے وہ گمان کرتے تھے کہ جن ان کو دیکھتے ہیں اور وہ ملائکہ ہیں، وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (الصافات: 158) کا یہی معنی ہے۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الزہد، ماجاء فی الزہد فی الدنیا، جلد 2، صفحہ 57۔ حدیث نمبر 2263، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ وَ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝

''پس آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ نقصان کی، اور ہم کہیں گے جنہوں نے ظلم کیا تھا کہ چکھو آتش (جہنم) کا عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے''۔

نَفْعًا سے مراد شفاعت اور نجات ہے۔ ضَرًّا سے مراد عذاب اور ہلاکت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتے اپنی عبادت کرنے والوں سے تکلیف دور نہیں کر سکتے مضاف کو حذف کر دیا گیا، یعنی اصل میں دفع ضر تھا۔ یہ جائز ہے کہ قائل اللہ تعالیٰ کی ذات ہو یا فرشتے ہوں وہ کہیں: ذُوْقُوْا۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

''اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں انہیں ہماری آیتیں درآنحالیکہ وہ بالکل واضح ہیں کہتے ہیں: نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جس نے ارادہ کر لیا ہے کہ روک دے تمہیں ان (معبودوں) سے جن کی تمہارے باپ دادا پوجا کیا کرتے تھے نیز کہتے ہیں: نہیں ہے یہ قرآن مگر جھوٹا گھڑا ہوا اور کفار کہتے ہیں حق کے بارے میں جب وہ ان کے پاس آیا کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا کھلا''۔

اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ سے مراد قرآن حکیم ہے۔ رَجُلٌ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اٰبَآؤُكُمْ سے مراد تمہارے اسلاف ہیں یعنی تمہارے اسلاف جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ مَا هٰذَاۤ، هٰذَاۤ سے مراد قرآن حکیم ہے۔ یہ نہیں ہے مگر گھڑا ہوا جھوٹ ہے اور کبھی کہتے ہیں: یہ جادو ہے اور کبھی کہتے ہیں: یہ من گھڑت بات ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان میں سے کچھ نے کہا: یہ جادو ہے اور کچھ نے کہا: یہ من گھڑت بات ہے۔

وَ مَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَ مَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ۝ وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝

''اور نہ ہی ہم نے انہیں کوئی کتابیں دیں جن کا یہ مطالعہ کرتے ہوں اور نہ ہم نے بھیجا ان کی طرف آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا۔ اور (انبیاء کی) تکذیب کی جو ان سے پہلے گزرے اور یہ (کفار مکہ) نہیں پہنچے دسویں حصہ کو بھی جو (قوت، دبدبہ) ہم نے ان کو دیا تھا پس جب انہوں نے جھٹلایا میرے رسولوں کو کتنا ہولناک تھا میرا عذاب''۔

وَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا جو آپ پیغام حق لائے ہیں انہوں نے اس کے باطل ہونے کا اس کتاب میں نہیں پڑھا جو کتاب ان کو دی گئی اور جو رسول ان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اس سے باطل ہونے کا نہیں سنا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ (الزخرف) ان کے جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں جس سے وہ استدلال کریں اور کوئی شبہ اس سے متعلق ہے جس طرح اہل کتاب کہتے ہیں اگرچہ وہ باطل پرست ہیں: ہم اہل کتاب اور اہل شریعت ہیں۔ اللہ کے رسولوں میں سے ایک رسول کی طرف منسوب ہیں پھر اپنے حق کو ارشاد کے ساتھ ان کے جھٹلانے پر انہیں وعید سنائی: وَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے قبل اقوام نے ان کو جھٹلایا جو پکڑ میں ان سے سخت تھے، اولاد اور اموال میں ان سے بڑھ کر تھے، خوشحال تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا جس طرح قوم ثمود اور قوم عاد کو ہلاک کر دیا۔

وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ اہل مکہ ان امتوں کے دسویں حصہ تک بھی نہیں پہنچے۔ معشار اور عشر برابر ہیں۔ دونوں لغتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معشار دسویں کا دسواں حصہ ہے۔ جوہری نے کہا: معشار الشی سے مراد اس شے کا دسواں حصہ ہے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ معشار، عشر کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو ان سے پہلے تھے شکر میں اس کے دسویں حصہ تک بھی نہ پہنچے جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا، نقاش نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان سے قبل لوگوں کو اس کا دسواں حصہ عطا کیا جو انہیں علم، بیان، حجت اور برہان عطا کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کوئی امت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت سے بڑھ کر علم والی نہیں اور اس کتاب سے بڑھ کر کوئی کتاب بین نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معشار یہ عشیر کا دسواں ہے۔ عشیر یہ عشر کا دسواں حصہ ہے پس یہ ہزار کا ایک جز ہو گا۔ ماوردی نے کہا: یہ زیادہ نمایاں ہے کیونکہ قلت کا اظہار کرنے میں مبالغہ کا اظہار ہے (1)۔

فَكَذَّبُوْا رُسُلِیْ ۫ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ امتوں میں میرا عقاب کیسے تھا؟ اس میں کلام محذوف ہے اس کی تقدیر کلام یہ ہے فاھلکناھم فکیف کان نکیر۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ﴿۴۶﴾

''(اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمائیے: میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں (یہ تو مان لو) کہ تم اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ دو دو یا اکیلے اکیلے پھر خوب سوچو (تمہیں ماننا پڑے گا) تمہارے اس رفیق میں جنون کا شائبہ تک نہیں نہیں ہے وہ مگر بروقت خبردار کرنے والا تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے''۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ مشرکوں پر حجتوں کو مکمل کر دیا، یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہیں فرما دیجئے: اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ تم جس پر ہو میں اس کے برے انجام سے تمہیں نصیحت کرنے اور ڈرانے والا ہوں۔ بِوَاحِدَةٍ، واحدۃ کا موصوف کلمۃ محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے بکلمۃ واحدۃ میں تمہیں ایسی بات کی نصیحت کرنے والا ہوں جو تمام کلام کو جامع ہے، جو شرک کی نفی اور معبود

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 455

برحق کو ثابت کرتی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے(1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی کا قول ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد اللہ کی طاعت ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد قرآن ہے کیونکہ یہ تمام مواعظ کو جامع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی تقدیر کلام یہ ہے بخصلة واحدة پھر اس کے ساتھ اس کی وضاحت کی۔ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى، ان محل جر میں ہے اور یہ واحدة سے بدل ہے یا محل رفع میں ہے اور مبتدا مضمر ہے، تقدیر کلام یہ ہے ھی أن تقوموا۔ زجاج کا مذہب یہ ہے کہ یہ محل نصب میں ہے اور یہ لان تقوموا کے معنی میں ہے۔ اس قیام کا معنی حق کی طلب میں کمربستہ ہو جانا ہے اس سے مراد وہ قیام نہیں جو قعود (بیٹھنے) کی ضد ہے، یہ اسی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: قام فلان با مر کذا یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے تقرب کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ (النساء: 127) مثنی و فرادی یعنی اکیلے اکیلے اور مجتمع ہو کر؛ یہ سدی کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنی رائے میں منفرد اور غیر سے مشورہ لیتے ہوئے (2)۔ یہ ایسا قول ہے جو منقول ہے۔ قتبی نے کہا: غیر کے ساتھ بحث و تمحیص کرتے ہوئے اور اپنے دل میں سوچ و بچار کرتے ہوئے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مثنی سے مراد دن کا عمل اور فرادی سے مراد رات کا عمل ہے، کیونکہ دن میں وہ معاون ہوتا ہے اور رات میں تنہا ہوتا ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرمایا: مَثْنٰى وَ فُرَادٰى کیونکہ دین بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے یہی عقل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وافر عقل عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں وافر حصہ عطا فرمایا۔ جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو فکر ایک ہوتی ہے اور جب دو دو ہوتے ہیں تو دو ذہن بالمقابل ہوتے ہیں تو دونوں کے لیے ایسا علم ظاہر ہوتا ہے جو منفرد سے کئی گنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ابو حاتم اور ابن الانباری کے نزدیک وقف ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وقف کا محل نہیں، کیونکہ معنی ہے پھر تم غور و فکر کرو کیا تم نے اپنے صاحب کے بارے میں جھوٹ کا تجربہ کیا ہے یا تم نے اس میں جنون کے آثار دیکھے ہیں یا اس کے احوال میں فساد دیکھا ہے یا اس کے پاس آتے جاتے ہوئے دیکھا ہے جو جادو کیے جانے کا وعدہ کرتا ہو یا اس نے کسی سے قصے کہانیاں سیکھے ہوں یا کتابیں پڑھی ہوں؟ تم نے انہیں اس حال میں پہچانا ہو کہ یہ تمہارے اموال میں طمع رکھتے ہوں یا ایک سورت میں ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے ہو؟ جب تم اس فکر کے ذریعے اس کی سچائی کو پہچان چکے ہو تو اس دشمنی کا کیا مقصد؟۔

اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (الشعراء) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے یہاں تک کہ صفا کی پہاڑی پر چڑھے تو بلند آواز سے ندا کی: یا صباحاہ؟ لوگوں نے کہا: یہ کون آواز دے رہا ہے؟ دوسرے لوگوں نے بتایا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 456 2۔ ایضاً

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے بنی فلاں! اے بنی فلاں! اے بنی عبد مناف! اے بنی عبد المطلب!'' سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ فرمایا: ''مجھے بتاؤ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ ایک گھڑ سوار دستہ اس پہاڑ کے پیچھے سے نکلے گا، کیا تم میری تصدیق کرو گے؟'' سب نے کہا: ہمارا آپ کے بارے میں جھوٹ کا تجربہ نہیں۔ فرمایا: ''میں تمہیں آنے والے شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں''۔ تو ابولہب نے کہا: تیرے لیے ہلاکت ہو کیا تو نے ہمیں اس کے لیے جمع کیا تھا؟ تو یہ سورت تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝ (الہب) نازل ہوئی۔ اعمش نے آخر تک سورت کی قراءت کی۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

''فرمایئے: (لوگو!) جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا ہے وہ تم اپنے پاس رکھو میری (دلسوزیوں) کا اجر تو (میرے) اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے''۔

مِّنْ اَجْرٍ سے رسالت کی تبلیغ پر انعام (1)، یعنی اگر میں نے تم سے انعام کا مطالبہ کیا ہے تو وہ تمہارے لیے ہے۔ شَهِيْدٌ سے مراد تاڑنے والا، عالم اور حاضر ہے یعنی میرے اعمال اور تمہارے اعمال سے آگاہ ہے اس پر کوئی امر مخفی نہیں وہ سب کو بدلہ دے گا۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝

''فرمایئے: بے شک میرا رب (باطل پر) حق سے ضرب لگاتا ہے وہ سب غیبوں کو جاننے والا ہے''۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ وہ حجت کو ظاہر کرتا ہے اور بیان کرتا ہے۔ قتادہ نے کہا: بِالْحَقِّ سے مراد وحی ہے ان سے یہ بھی مروی ہے: الحق سے مراد قرآن ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عَلَّامُ الْغُيُوْبِ باطل پر حق کے ساتھ ضرب لگاتا ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے اسے پڑھا علام الغیوب کہ یہ بدل ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: قل ان ربی علام الغیوب یقذف بالحق۔ زجاج نے کہا: یہاں عَلَّامُ الْغُيُوْبِ پر رفع دو وجوہ سے ہے کیونکہ یہ رفع کا محل ہے یا يَقْذِفُ میں جو ضمیر ہے اس سے یہ بدل ہے۔ نحاس نے کہا: رفع میں دو اور وجوہ بھی ہیں۔ یہ خبر کے بعد خبر ہو۔ مبتدا مضمر ہو۔ فراء نے گمان کیا: اس جیسی صورت میں رفع کلام عرب میں اکثر ہوتا ہے جب وہ ان کی خبر کے بعد آئے، اس کی مثل یہ ہے: اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝ (ص) اسے الْغُيُوْبِ غین کی تین حرکتوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ الْغُيُوْبِ یہ البیوت کی طرح ہے۔ الغیوب یہ الصبور کی طرح ہے، اس سے مراد ایسا امر ہے جو بہت ہی زیادہ غائب اور مخفی ہو۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝

''(اے محبوب!) اعلان کر دیجئے: حق آ گیا اور باطل کی قوت کا خاتمہ ہو گیا''۔

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 251

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ الحق سے مراد قرآن ہے(1)۔ نحاس نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے جاء صاحب الحق یعنی ایسی کتاب جس میں براہین اور دلائل ہیں۔ وَ مَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ قتادہ نے کہا: اس سے مراد شیطان ہے۔ یعنی شیطان کسی چیز کو پیدا نہیں کرتا۔ وَ مَا یُعِیْدُ، ما نافیہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما استفہامیہ ہو، یہ ای شیء کے معنی میں ہوگا۔ یعنی حق آ گیا تو باطل کے لیے کیا چیز باقی رہ گئی ہے کہ وہ اسے لوٹائے اور اسے نئے سرے سے شروع کرے یعنی کوئی چیز باقی نہیں بچی، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَ اِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْۤ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ۝

"فرمائیے: (تمہارے گمان کے مطابق) اگر میں بہک گیا ہوں تو اس کا وبال میری جان پر ہوگا، اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو (محض) اس وحی کے باعث جو میرا رب میری طرف بھیجتا ہے، بے شک وہ سب کچھ سننے والا بالکل نزدیک ہے"۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار نے کہا: تو نے اپنے آباء کے دین کو ترک کر دیا ہے اور تو گمراہ ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ارشاد فرمایا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں جس طرح تم گمان کرتے ہو تو اس کا وبال میری ذات پر ہے۔ عام قراءت لام کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یحییٰ بن وثاب اور دوسرے علماء نے پڑھا: قل ان ضَلِلت یعنی لام کے نیچے کسرہ ہے اور اَضَل کے ضاد پر فتحہ دیا۔ ضلال اور ضلالت یہ ارشاد کی ضد ہے۔

قد ضللت اضل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ یہ نجد کی لغت ہے۔ یہ فصیح لغت ہے۔ اہل عالیہ کہتے ہیں: ضللت، اضل یعنی میری گمراہی کا گناہ میری ذات پر ہے۔ وَ اِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْۤ اِلَیَّ رَبِّیْ میرا رب میری طرف حکمت اور بیان کی جو وحی کرتا ہے اس وجہ سے میں ہدایت پر ہوں۔ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ جو مجھ کو بلائے میں اس کی بات سننے والا ہوں اور دعا قبول کرنے میں قریب ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نظم کلام یوں ہے کہہ دیجئے: میرا رب حق کے ساتھ باطل پر ضرب لگاتا ہے اور حجت کو واضح کرتا ہے جو آدمی گمراہ ہے اس کی گمراہی حجت کو باطل نہیں کرتی۔ اگر میں گمراہ ہوں گا تو اپنے آپ کو نقصان پہنچاؤں گا نہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حجت کو باطل کردے، جب میں ہدایت یافتہ ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کیونکہ اس نے مجھے حجت پر ثابت قدم رکھا، بے شک وہ سمیع ہے قریب ہے۔

وَ لَوْ تَرٰۤی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ۝

"کاش! تم دیکھو جب یہ گھبرائے ہوں گے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی سے پکڑ لیے جائیں گے"۔

وَ لَوْ تَرٰۤی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ کفار کے احوال ایسے وقت میں ذکر کیے جس میں وہ حق کی معرفت کے محتاج ہوں گے معنی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 457

ہے اگر آپ دنیا میں دیکھتے جب موت ان پر نازل ہوئی یا اللہ تعالیٰ کی ان پر جو پکڑ نازل ہوئی؛ یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد صیحہ کی وجہ سے ان کا قبروں میں خوفزدہ ہونا ہے (1)۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: یہ گھبراہٹ اس وقت ہوئی جب وہ قبروں سے نکلیں گے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ابن مغفل نے کہا: جب وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے عقاب کو دیکھیں گے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد غزوہ بدر کے روز ان کا ڈرنا ہے جب فرشتوں کی تلواروں سے ان کی گردنیں اڑائی گئیں تو نہ وہ بھاگ سکے اور نہ ہی توبہ کی طرف رجوع کر سکے (2)۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد وہ لشکر ہے جو بیداء کے مقام پر دھنسایا جائے گا ان میں سے ایک آدمی باقی رہ جائے گا تو وہ لوگوں کو اس کے بارے میں بتائے گا جو اس کے ساتھیوں کو مصیبت لاحق ہوئی تو وہ سب گھبرا جائیں گے (3)۔ یہی ان کی فزع ہے۔ فَلَا فَوْتَ ان کے لیے کوئی نجات نہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: ان کے بھاگنے کی کوئی جگہ نہ ہوگی۔ وَ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ، مَّكَانٍ قَرِيْبٍ سے مراد قبریں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جہاں کہیں ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوں گے وہ اس سے دور نہیں جا سکیں گے اور نہ ہی اس کو غائب پائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ ان اسی ہزار افراد کے بارے میں آیت نازل ہوئی جو کعبہ پر حملہ کریں گے تاکہ اس کو گرا دیں۔ جونہی وہ بیداء میں داخل ہوں گے انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ یہی قریب جگہ سے پکڑنا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بارے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اور ایک ایسے فتنہ کا ذکر کیا جو اہل مشرق اور اہل مغرب کے درمیان ہوگا۔ وہ اس طرح ہوں گے کہ جلد ہی خشک وادی سے ان پر سفیانی نکلے گا، یہاں تک کہ وہ دمشق میں اترے گا وہ دو لشکر روانہ کرے گا ایک لشکر مشرق کی طرف اور ایک لشکر مدینہ طیبہ کی طرف۔ لشکر مشرق کی طرف چلے گا یہاں تک کہ لشکری بابل کے علاقہ میں اتریں گے جو ملعون شہر ہے اور خبیث علاقہ ہے مراد بغداد کا علاقہ ہے۔ وہ تین ہزار سے زائد افراد کو قتل کریں گے اور سو سے زائد عورتوں تک رسائی حاصل کریں گے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے تین سو سرداروں کو قتل کریں گے پھر وہ شام کی طرف نکلیں گے۔ کوفہ سے ہدایت کا علم بلند ہوگا اور دو دنوں میں اس لشکر تک جا پہنچے گا۔ وہ ان کو قتل کریں گے۔ ان میں سے کوئی خبر دینے والا بھی نہیں بچے گا۔ ان کے ہاتھوں میں جو قیدی اور مال غنیمت ہوگا وہ اس کو اچھا خیال نہ کریں گے۔ اس کا دوسرا لشکر مدینہ طیبہ فروکش ہوگا۔ وہ تین دن اور تین راتوں تک اہل مدینہ کو ڈراتا رہے گا۔ پھر مکہ مکرمہ کے ارادہ سے وہ لشکری نکلیں گے یہاں تک کہ جب وہ بیداء کے مقام ہوں گے اللہ تعالیٰ جبریل امین کو بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے جبریل! جاؤ ان کو ہلاک کر دو۔ حضرت جبریل امین اپنے پاؤں سے انہیں ایک ٹھوکر ماریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا، اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ سے یہی مقصود ہے ان میں سے صرف دو آدمی بچیں گے۔ ان میں سے ایک خوشخبری سنانے والا اور ایک ڈرانے والا ہوگا۔ یہ دونوں جہینہ سے تعلق رکھتے

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 328　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 458　3۔ ایضاً

ہوں گے۔ اسی وجہ سے یہ قول آیا ہے: وعند جهينة الخبر اليقين جہینہ کے ہاں یقینی خبر ہے''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وَ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ یعنی ان کی روحیں وہاں ہی قبض کر لی جائیں گی اور موت سے فرار ان کے لیے ممکن نہ ہوگا۔ یہ تعبیر اس آدمی کے قول کے موافق ہے جو یہ کہتا ہے یہ گھبراہٹ نزع کے وقت ہوگی۔ یہ احتمال بھی موجود ہے یہ اس فزع سے ہو جو اجابہ (قبول کرنا) کے معنی میں ہو، یہ جملہ بولا جاتا ہے: فزع الرجل یعنی اس نے چیخنے والے کو جواب دیا جو خوف نازل ہونے کے وقت مدد کے لیے چیخ رہا تھا۔ اسی معنی میں حدیث طیبہ ہے: جب آپ نے انصار سے فرمایا: ''طمع کے وقت تم کم ہوتے ہو اور جنگ کے وقت زیادہ ہوتے ہو''۔ جس نے کہا: دنیا میں خسف اور قتل سے مراد یوم بدر ہے۔ کہا: آخرت میں پکڑ سے قبل دنیا میں پکڑ لیے گئے۔ جس نے کہا: یہ قوم قیامت کی گھبراہٹ ہے اس نے کہا: انہیں زمین کے اندر سے اس کے ظاہر کی طرف پکڑا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ سے مراد ہے انہیں جہنم سے پکڑا گیا اور اس میں پھینک دیا گیا۔

وَّ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾

''اس وقت کہیں گے: ہم ایمان لے آئے ان پر لیکن اب کیونکر پا سکتے ہیں ایمان کو اتنی دور جگہ سے''۔

وَّ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ہاء ضمیر سے مراد قرآن ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد بعث ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا: التناوش سے مراد لوٹنا ہے (2) یعنی وہ دنیا کی طرف لوٹنے کا مطالبہ کریں گے تاکہ وہ ایمان لے آئیں۔ یہ مطالبہ کتنا ہی حقیقت سے دور ہے۔ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

تمنّی أن تئوب إلیّ میّ ولیس إلی تناوشها سبیل (3)

میّ نے آرزو کی کہ میری طرف لوٹ آئے جب کہ اس کے لوٹنے کی کوئی راہ نہیں تھی۔

سدی نے کہا: اس سے مراد توبہ ہے، یعنی انہوں نے توبہ طلب کی جب کہ وہ دور ہو چکی تھی کیونکہ توبہ تو دنیا میں قبول ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: التَّنَاوُشُ سے مراد پانا اور حاصل کرنا ہے۔ ابن سکیت نے کہا: ایک آدمی جب کسی آدمی کی طرف بڑھے تاکہ اس کا سر اور اس کی داڑھی پکڑے تو اس کے لیے یہ فعل ذکر کیا جاتا ہے: ناشه، ینوشه، نوشا۔ اور یہ شعر پڑھا:

فهي تنوش الحض نَوْشًا مِن عَلَا نَوْشًا به تَقْطعُ أجوازَ الفلا (4)

یعنی وہ اونٹ حوض کے پانی کو اوپر سے پیتے ہیں اور بہت زیادہ پیتے ہیں جس کے ساتھ جنگلوں کے وسط کو طے کرتے ہیں، انہیں کسی اور پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

کہا: اسی معنی میں جنگ میں مناوشہ ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جب دونوں فریق جنگ میں قریب ہو جاتے ہیں۔

رجل نووش سخت پکڑ والا آدمی۔ التناوش کا معنی پکڑنا اور لینا ہے۔ انتیاش کا بھی یہی معنی ہوتا ہے۔ راجز نے کہا:

کانت تنوش العنق انتیاشا

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 329 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 459 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

وہ گردنوں کو پکڑتے ہیں۔

وَ اَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: آخرت میں ان کا ایمان کو پانا کیسے ممکن ہے جب کہ انہوں نے دنیا میں کفر کیا۔ ابو عمرو، کسائی، اعمش اور حمزہ نے کہا: اَنّٰی لَهُمُ التَّنَاؤُشُ یہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ نحاس نے کہا: ابو عبیدہ اس قراءت کو بعید خیال کرتے تھے، کیونکہ التناوش جب ہمزہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی بعد ہوتا ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے، بعید مکان سے ان کے لیے بعد کیسے تصور کیا جا سکتا ہے؟ ابو جعفر نے کہا: قراءت جائز اور حسن ہے۔ کلام عرب میں اس کی دو وجوہ ہیں: یہ بعیدی تاویل اس کے ساتھ نہیں کی جا سکتی۔ دونوں وجوہ میں سے ایک یہ ہے کہ اصل مہموز نہ ہو پھر واؤ کو ہمزہ بنا دیا گیا کیونکہ اس میں حرکت خفیف ہوتی ہے۔ یہ کلام عرب میں اکثر ہوتا ہے مصحف میں جسے جماعت نے جماعت سے نقل کیا ہے وہ ہے وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ (المرسلات) اصل میں یہ وقتت تھا، کیونکہ یہ وقت سے مشتق ہے۔ دار کی جمع ادؤر کہی جاتی ہے۔ ایک اور وجہ جسے ابو اسحاق نے ذکر کیا ہے یہ نئش سے مشتق ہے اس سے مراد آہستہ آہستہ حرکت ہے، یعنی ان کے لیے حرکت کہاں سے ہو گی اس چیز میں جو دور ہو چکی ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: ناشئت الشی میں نے اسے دور سے پکڑا۔ النئیش سے مراد ست شے ہے۔ جوہری نے کہا: التناوش سے مراد پیچھے ہونا اور دور ہونا ہے۔ قد ناشت الأمر أناشه ناشا فانتاش میں نے اسے مؤخر کیا اور وہ مؤخر ہو گیا۔ یہ کہا جاتا ہے: فعله نئیشا اس نے آخر میں کیا۔

شاعر نے کہا:

تمنی نئیشا أن یکون أطاعنی وقد حدثت بعد الأمور أمور

اس نے آخر میں آرزو کی کہ وہ میری اطاعت کرے جب کہ نئے نئے امور یکے بعد دیگرے واقع ہو چکے تھے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

قعدت زمانا عن طلابك للعلا وجئت نئیشا بعد مافاتك الخبر

میں ایک زمانہ تک بیٹھا رہا جب کہ تو بلندی کا طالب تھا میں اخیر میں آیا جب کہ تجھ سے خبر فوت ہو چکی تھی۔

فراء نے کہا: تناوش میں ہمزہ کو لانا اور ہمزہ کو ترک کرنا قریب قریب ہے جس طرح ذمت الرجل اور ذأمته دونوں کا معنی ہے میں نے اس پر عیب لگایا۔ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ یعنی آخرت سے۔ ابو اسحاق تمیمی سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں: وَ اَنّٰی لَهُمُ یعنی لوٹنا۔ انہوں نے لوٹنے کا سوال کیا جب کہ وہ لوٹنے کا وقت نہیں۔

وَّ قَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ يَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

''حالانکہ وہ کفر کرتے رہے ان سے اس سے پہلے اور دور سے بن دیکھے یاوہ گوئیاں کرتے رہے''۔

وَّ قَدْ كَفَرُوْا بِهٖ ہا ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ مِنْ قَبْلُ یعنی دنیا میں۔ وَ يَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ عرب ہر ایسے شخص کے بارے میں کہتے ہیں جو ایسی گفتگو کرتا ہے جو مناسب نہیں ہوتی: هو یقذف ویرجم بالغیب۔ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ جو آدمی پتھر پھینکتا ہے اور وہ صحیح جگہ نہیں پہنچتا، اس کے لیے

تمثیل کے طریقہ پر یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ ظن وتخمین کرتے ہیں اور کہتے ہیں: کوئی دوبارہ اٹھانا نہیں، کوئی نشور نہیں (1)، کوئی جنت نہیں اور کوئی دوزخ نہیں۔ وہ یہ باتیں ظن وتخمین کے طور پر کرتے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قرآن پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ جادو ہے، یہ شعر ہے اور یہ پہلے لوگوں کی قصے کہانیاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ وہ حضرت محمد علیہ التحیۃ والثناء کے بارے میں ایسی بات کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: یہ جادوگر، شاعر، کاہن اور مجنون ہیں۔

مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ اللہ تعالیٰ نے انہیں بعید کر دیا ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو جانیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دل سے دور ہونے کا ارادہ کیا ہے یعنی ان کے دلوں سے دور جگہ۔ مجاہد نے قراءت کی وَ يَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ فعل مجہول ہے۔ یعنی انہیں پھینکا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو انہیں گمراہ کرتا تھا اور بہکاتا تھا اسے ان کی طرف پھینکا جائے گا۔

وَ حِيْلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ۝

''اور رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جو وہ دل سے چاہتے ہوں گے جیسے ان کے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ پہلے کیا گیا تھا، وہ ایسے شک میں مبتلا تھے جو دوسروں کو بھی شک میں ڈالنے والا تھا''۔

وَ حِيْلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ یعنی ان کے درمیان اور ان کی نجات کے درمیان عذاب حائل ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے درمیان اور دنیا میں جو وہ اموال اور اہل کے خواہش کرتے تھے ان کے درمیان عذاب حائل ہو جائے گا۔ قتادہ کا مذہب ہے جب انہوں نے عذاب دیکھا تو اس وقت وہ خواہش رکھتے تھے کہ ان کی جانب سے یہ قبول ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس کو بجا لائیں اور باقی چیزوں سے رک جائیں، تو ان کے درمیان اور ان کی خواہش کے درمیان رکاوٹ قائم کر دی جائے گی، کیونکہ اس کا وقت دنیا تھا اور اس وقت میں یہ چیز زائل ہو چکی ہے۔ اصل حول ہے واؤ کی حرکت حاء کو دی گئی تو واؤ یاء ہو گئی۔

كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ، اشیاع یہ شیع کی جمع ہے۔ شیع یہ شیعۃ کی جمع ہے۔ من قبل اس سے مراد گزری ہوئی کافر قومیں ہیں۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ وہ رسولوں، بعثت، جنت اور دوزخ کے بارے میں شک میں مبتلا تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ دین اور توحید کے بارے میں شک میں مبتلا تھے۔ معنی ایک ہی ہے۔ مریب جس کے ساتھ شک میں پڑا جاتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اراب الرجل وہ شک والا ہو گیا۔ جس نے کہا: یہ اس ریب سے ہے جس کا معنی شک اور تہمت ہے اس نے کہا: یہ کہا جاتا ہے شک مریب جس طرح کہا جاتا ہے: عجب عجیب، شعر شاعر، یہ تاکید کے لیے ہوتا ہے۔

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 253

سورۂ فاطر

آیاتہا ۴۵ ۳۵ سورۃ فاطر مکیۃ ۴۳ رکوعاتہا ۵

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے، اس کی پینتالیس آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ مَّثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ①

سب تعریفیں اللہ کے لیے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے بنایا ہے فرشتوں کو پیغام رساں جو پردار بازوں والے ہیں کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار، وہ زیادہ کرتا ہے بناوٹ میں جو چاہتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے''۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ، فَاطِرِ میں تین وجوہ ہیں: (۱) جر یہ صفت ہونے کی بنا پر ہے (۲) رفع یہ مبتدا مضمر ہونے کی بنا پر ہے۔ (۳) نصب مدح کی بنا پر ہے۔ سیبویہ نے یہ حکایت بیان کی ہے الحمد للہ اھل الحمد مثلہ اس طرح جاعل الملائکۃ میں تین اعراب ہو سکتے ہیں۔ فاطر سے مراد خالق ہے۔ سورۂ یوسف اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ فطر سے مراد کسی شے سے کسی چیز کو پھاڑنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: فطرتہ فانفطر میں نے اسے پھاڑا تو وہ پھٹ گیا۔ اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فطر ناب البعیر اونٹ کی داڑھ ظاہر ہوئی۔ بعیر فاطر جس اونٹ کی داڑھ ظاہر ہو چکی ہو۔ تفطر الشیء شے پھٹ گئی۔ سیف فطار ایسی تلوار جس میں دندانے پڑھ چکے ہو۔ عنترہ نے کہا:

وسیفی کالعقیقۃ فھو کِمْعِی سلاحی لا أَفَلّ ولا فُطَارا

میری تلوار شعاع کی طرح ہے وہ میرا بستہ ہے میرا اسلحہ نہ کند ہوا اور نہ ہی اس میں دندانے پڑے۔

فطر کا معنی ابتدا کرنا اور ایجاد کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں یہ نہیں جانتا تھا کہ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ کا کیا معنی ہے (1) یہاں تک کہ میرے پاس دو بدو آئے جو ایک کنویں کے بارے میں جھگڑ رہے تھے ان میں سے ایک نے کہا: انا فطرتہا میں نے اسے شروع کیا تھا۔ فطر سے مراد انگشت شہادت اور انگوٹھے سے اونٹنی کو دوہنا ہے۔ آسمانوں اور زمین کے ذکر سے مراد تمام عالم ہے۔ اس استدلال کے ساتھ اس امر پر متنبہ کیا کہ جو ابتدا پر قادر ہے وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 461

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ اسم فاعل میں تنوین جائز نہیں کیونکہ یہ ماضی کے معنی میں ہے۔ رُسُلًا یہ مفعول ثانی ہے۔ یہ قول بھی کیا جاتا ہے کہ فعل مضمر کی بنا پر منصوب ہے، کیونکہ اسم فاعل کا صیغہ جب ماضی کے معنی میں ہو تو وہ کسی چیز میں عمل نہیں کرتا۔ اس کے عمل کی صورت یہ ہوگی کہ یہ مستقبل کا معنی دے اور اس سے تنوین تخفیف کے طور پر حذف ہو۔ ضحاک نے اسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فعل ماضی کا صیغہ پڑھا ہے۔ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا یہاں رسل سے مراد حضرت جبریل امین، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور ملک الموت ہیں صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ حضرت حسن بصری نے: جَاعِلُ الْمَلٰٓئِكَةِ رفع کے ساتھ قراءت کی ہے۔ خلید بن نشیط نے جعل الملائکة قراءت کی ہے، یہ سب ظاہر ہے۔

اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ یہ صفت ہے، یعنی پروں والے۔ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ یعنی دو دو، تین تین اور چار چار۔ قتادہ نے کہا: ان میں سے بعض کے دو پر ہیں، بعض کے تین پر ہیں اور بعض کے چار پر ہیں، ان کے ساتھ وہ آسمان سے زمین کی طرف اترتے ہیں اور زمین سے آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں ایک وقت میں اتنی مسافت ہوتی ہے۔ یعنی انہیں قاصد بنایا۔

یحییٰ بن سلام نے کہا: انبیاء کی جانب۔ سدی نے کہا: بندوں کی جانب رحمت اور انتقام کے ساتھ۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل امین کو دیکھا جب کہ آپ کے چھ سو پر تھے (1)۔ زہری سے مروی ہے کہ حضرت جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاش آپ حضرت اسرافیل کو دیکھتے ان کے بارہ ہزار پر ہیں ان میں سے ایک پر مشرق میں اور ایک پر مغرب میں ہے۔ عرش ان کے کندھے پر ہے بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے اتنا کمزور ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ وصع کی طرح ہو جاتا ہے، وصع ایک چھوٹی چڑیا ہے یہاں تک کہ تیرے رب کے عرش کو اس کی عظمت کے سوا کوئی چیز اٹھائے ہوئے نہیں ہوتی۔ اولو، ذو کی اسم جمع ہے۔ جس طرح ھؤلاء، ذا کی اسم جمع ہے۔ اسم معرب میں ان دونوں کی مثل مخاض اور خلفه ہے۔ مثنی، ثلاث اور رباع میں گفتگو سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔ یہ غیر منصرف ہیں۔

يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اکثر مفسرین کا قول ہے: ملائکہ کی تخلیق میں اضافہ فرماتا ہے؛ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد ہے فرشتوں کے پروں میں جتنا چاہتا ہے اضافہ فرماتا ہے (2)۔ زہری اور ابن جریج نے کہا: حسن صورت میں اضافہ فرماتا ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ ہیثم فارسی نے کہا: میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو ہیثم ہے جو اپنی آواز کے ساتھ قرآن کو خوبصورت انداز میں پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے''۔ قتادہ نے کہا: يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ سے مراد ہے وہ آنکھوں میں ملاحت، ناک میں حسن اور منہ میں مٹھاس کا اضافہ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اچھا خط۔ مہاجر کلاعی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اچھا خط کلام کی وضاحت میں اضافہ کرتا ہے'' (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد خوبصورت چہرہ ہے۔ ایک قول یہ کیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، معنی قوله تعالىٰ ولقد راٰه نزلة اخرىٰ، جلد 1، صفحہ 98

2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 331　3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 462

گیا ہے: اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت ہے: ''خوبصورت چہرہ، اچھی آواز اور اچھے بال''۔ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ نقاش نے کہا: اس سے مراد گھنگھریالے بال ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عقل اور تمیز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد علوم اور صنائع ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ کمی اور بیشی پر قادر ہے۔ زمخشری نے کہا: آیت مطلق ہے جو ہر زیادتی کو شامل ہے وہ قد و قامت کی طوالت، صورت میں اعتدال، اعضاء میں کمال، پکڑ میں قوت ہو، عقل میں پختگی ہو، رائے میں استحکام ہو، دل میں جرأت ہو، نفس میں سخاوت ہو، زبان میں روانی ہو، گفتگو میں مہارت ہو اور سرانجام دینے میں نرمی اور بہترین اسلوب ہو اور اس کے علاوہ صورتیں ہو سکتی ہیں وصف جن کا احاطہ نہیں کر سکتا (1)۔

مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَ مَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ②

''جو عطا فرمائے اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اپنی) رحمت سے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو روک دے تو اسے کوئی دینے والا نہیں اس کے روکنے کے بعد اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے''۔

مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا قرآن کے علاوہ نحویوں نے فَلَا مُمْسِكَ لَهَا جائز قرار دیا ہے وہ ما کے لفظ کا اعتبار کرتے ہیں اور لہا میں معنی کا اعتبار کرتے ہیں۔ انہوں نے و ما یمسک فلا مرسل لہا کو بھی جائز قرار دیا ہے اور انہوں نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ یعنی یفتح پر رفع کو جائز قرار دیا ہے۔ ما یہ الذی کے معنی میں ہے، یعنی رسولوں کو لوگوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی بھی ان کو بھیجنے پر راضی نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ ان پر بارش یا رزق بھیجتا ہے کوئی اسے روکنے پر قادر نہیں (2)۔ اور اس میں سے جسے روکے کوئی اس کو بھیجنے پر قادر نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد دعا ہے (3)؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد توبہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد توفیق اور ہدایت ہے۔

میں کہتا ہوں: لفظ رحمت سب کو جامع ہے کیونکہ یہ اشتراک اور ابہام کا انکار کرتی ہے، یہ بدل کے طریقہ پر ہر رحمت کو شامل ہے۔ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ ان سب کو عام ہے۔ موطا امام مالک میں ہے انہیں یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے جب وہ صبح کرتے اور لوگوں پر بارش ہوئی ہوتی؛ ہم پر نوء فتح سے بارش کی گئی، پھر اس آیت کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 596 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 462 3۔ ایضاً

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝

"اے لوگو! یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو اس نے تم پر فرمائی (بھلا یہ تو بتاؤ) کیا اللہ کے بغیر کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے، نہیں کوئی معبود بجز اس کے سو (اس سے) منہ پھیر کر کدھر جا رہے ہو؟"۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اس ذکر سے مراد شکر ہے هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ غیر کے لفظ میں رفع، نصب اور جر جائز ہیں۔ رفع دو وجوہ سے ہے: ایک صورت یہ ہے کہ کلام اس معنی میں ہے هل من خالق الله یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی خالق نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے۔ یہ خالق کی صفت ہو مگر اعراب میں خالق کے محل کا اعتبار ہے، کیونکہ معنی ہے هل خالق غیر الله، من زائدہ ہے۔ نصب استثناء کے طریقہ پر ہے۔ جر لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ہے۔ حمید طویل نے کہا: میں نے حضرت حسن بصری سے کہا: شر کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا: سبحان اللہ! کیا اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ بھی کوئی خالق ہے، اسی نے خیر اور شر کو پیدا کیا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے قراءت کی هل من خالق غیر الله باقی قراء نے رفع کے ساتھ قراءت کی ہے۔

يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ، السَّمَآءِ سے مراد بارش ہے۔ وَالْاَرْضِ سے مراد نباتات ہے(1)۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ یہ افك سے مشتق ہے جس میں ہمزہ مفتوح ہے، جس کا معنی پھیرنا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے، ما افلك عند كذا کس چیز نے تجھے اس سے پھیر دیا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ افک سے مشتق ہے، جس کا معنی جھوٹ ہے۔ یہ بحث اسی طرف لوٹ جاتی ہے جو پہلے گزر چکی ہے، کیونکہ یہ ایک قول ہے جس کو صدق اور جواب سے پھیر دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کی تکذیب تمہارے لیے کہاں واقع ہوئی؟ یہ آیت قدریہ پر حجت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے علاوہ کسی کے خالق ہونے کی نفی کی ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اوروں کو بھی خالق مانتے ہیں، جس طرح کئی مواقع پر یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

"اور اے حبیب! اگر آپ کو جھٹلا رہے ہیں (تو کوئی نئی بات نہیں) آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا اور (آخرکار) اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جاتے ہیں"۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ ضمیر مرفوع سے مراد کفار قریش ہیں۔ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دے رہا ہے اور صبر میں متقدمین کی اقتدا کا حکم دے رہا ہے۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔

حضرت حسن بصری، اعرج، یعقوب، ابن عامر، ابوحیوہ، ابن محیصن، حمید، اعمش، حمزہ، یحییٰ، کسائی اور خلف تاء پر فتحہ کے ساتھ قراءت کرتے ہیں کہ یہ معروف کا صیغہ ہے۔ ابوعبید نے اسے پسند کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ (الشوریٰ) باقی فعل مجہول کی بنا پر تُرْجَعُ قراءت کرتے ہیں۔

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 256

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٘ وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

''اے لوگو! (یاد رکھو!) یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، پس دھوکہ میں نہ ڈال دے تمہیں یہ دنیوی زندگی اور نہ فریب میں مبتلا کر دے تمہیں اللہ کے بارے میں وہ بڑا فریبی''۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ رسولوں کو جھٹلانے والوں کو وعظ کیا جا رہا ہے جب کہ پہلے قول کی صحت پر دلیل کی وضاحت کی کہ بعث، ثواب اور عقاب حق ہے۔ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا سعید بن جبیر نے کہا: دنیاوی زندگی کے غرور سے مراد ہے کہ انسان دنیا کی نعمتوں اور اس کی لذتوں میں مشغول رہے اور آخرت کے عمل سے اعراض برتے یہاں تک کہ وہ کہے: يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۝ (الفجر) ہائے کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کوئی چیز آگے بھیجی ہوتی۔

وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ابن سکیت اور ابو حاتم نے کہا: الغرور سے مراد شیطان ہے۔ غرور یہ غر کی جمع ہے غر مصدر ہے۔ ابو اسحاق کے علاوہ کے نزدیک الغرور کا مصدر ہونا بعید ہے کیونکہ غررتہ متعدی ہے۔ متعدی مصدر فعل کے وزن پر آتا ہے۔ جس طرح ضربتہ ضربا مگر چند افعال میں ایسا آتا ہے جس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے کہا: لزمتہ لزوما، نهكه نهوكا جہاں تک لفظ کے معنی کا تعلق ہے تو جو حضرت سعید بن جبیر نے کہا وہ سب سے اچھا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا ہونے کی صورت یہ ہے کہ انسان برائیوں کا عمل کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی آرزو کرے (1)۔ عام قراءت الغرور فتحہ کے ساتھ ہے اس سے مراد شیطان ہے۔ وہ تمہیں اپنے وساوس کے ساتھ دھوکہ میں نہ ڈال دے کہ اللہ تعالیٰ تم پر فضل کرتے ہوئے تم سے درگزر فرمائے گا۔ ابو حیوہ، ابو سمال عدوی اور محمد بن سمیقع نے الغرور قراءت کی ہے جس سے مراد باطل ہے۔ یعنی باطل تمہیں دھوکہ میں مبتلا کرتا ہے۔ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ غرور، غار کی جمع ہے، جس طرح قاعد کی جمع قعود ہے۔ نحاس نے کہا: یہ غر کی جمع ہے یا یہ ان کے قول کے مشابہ ہے: نهكه المرض نهوكا۔ لزمه لزوما۔ زمخشری نے کہا: یا یہ غرہ کا مصدر ہے جس طرح لزوم اور نهوك ہے (2)۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ؕ ۝ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

''یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے (اپنا) دشمن سمجھا کرو وہ فقط اس لیے (سرکشی کی) دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کو تا کہ وہ جہنمی بن جائیں۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے''۔

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 332　　2۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 599

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا پس تم بھی اس سے دشمنی کرو اور اس کی اطاعت نہ کرو اس کا تمہارے جد اعلیٰ کو جنت سے نکالنا اس کی دشمنی پر دلالت کرتا ہے اور اس کا تمہیں گمراہ کرنے کی ضمانت اٹھانا ولا ضلنهم ولا مَنِّیَنَّهُمْ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ شیطان ہمارا کھلا دشمن ہے اللہ تعالیٰ نے شیطان کا قصہ اور اس نے ہمارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کیا اس کو بیان کیا۔ شیطان نے ہمارے سے پہلے اور اس کے بعد کیسے ہماری عداوت اور دھوکہ دینے کا اطلاق کیا اور ہم اس کے باوجود اس سے دوستی کرتے ہیں اور ہم اس کی ان امور میں اطاعت کرتے ہیں جس میں وہ ہماری ہلاکت کا ارادہ کرتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض کہا کرتے تھے: اے جھوٹے انسان! اور اے افتراء باندھنے والے! اعلانیہ شیطان کو گالیاں نہ دے جب کہ تو خفیہ طریقہ سے اس کا دوست ہے۔ ابن سماک نے کہا: اس آدمی پر تعجب ہے جو احسان پہچاننے کے بعد محسن کی نافرمانی کرتا ہے اور لعین کی دشمنی پہچاننے کے بعد لعین کی اطاعت کرتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ میں یہ جائز ہے کہ وہ عدو، معاد کے معنی میں ہو تو اس صورت میں اس کا تثنیہ اور جمع اور مونث کا صیغہ بنایا جاتا ہے۔ یہ نسبت کے معنی میں ہوتا ہے تو یہ ہر حال میں واحد ہوگا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ (الشعراء: 77) مونث میں بھی یہ عدو ہوگا۔ نحاس نے کہا: بعض نحویوں کا قول کہ واؤ خفیفہ ہے وہ اسے ہاء کے ساتھ لاتے ہیں تو یہ غلط ہے بلکہ واؤ مضبوط حرف ہے۔

اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ، ما نے ان کو عمل سے روک دیا تو اس کے بعد فعل واقع ہوا۔ حزبہ اپنے حمایتیوں کو۔ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝ تاکہ وہ جہنمی ہو جائیں یہی اس کی علامت ہے۔

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ، اَلَّذِیْنَ یہ اصحاب سے بدل ہے تو یہ محل جر میں ہوگا یا یہ حزبہ سے بدل ہے تو یہ محل نصب میں ہوگا یا یہ واؤ سے بدل ہوگا تو یہ محل رفع میں واقع ہوگا۔ ایک چوتھا قول ہے اور وہ سب سے اچھا ہے کہ یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور اس کی خبر لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ہے گویا اللہ تعالیٰ نے اس کی موافقت اور مخالفت کی حالت کو بیان کیا کلام مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ پر مکمل ہو جائے گی، پھر نئی کلام شروع کی فرمایا: اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مبتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اس کی خبر لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ہے ان کے گناہوں کی بخشش اور جنت ہے۔

اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۖؗ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝

”پس کیا وہ شخص جس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے اس کا برا عمل اور وہ اس کو خوبصورت نظر آتا ہے (اس کے لیے آپ آزردہ کیوں ہوں) بے شک اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے پس نہ گھلے آپ کی جان ان کے لیے فرط غم سے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو (کرتوت) وہ کیا کرتے تھے“۔

اَفَمَنۡ زُیِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ، من محل رفع میں ہے اور مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے۔ کسائی نے کہا: اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُكَ عَلَيۡهِمۡ حَسَرٰتٍ دلالت کرتا ہے، معنی ہے جس کے لیے اس کا برا عمل مزین کیا گیا تو اس نے اسے اچھا گمان کیا اس پر حسرت کرتے ہوئے تیرا نفس نکلا جا رہا ہے؟ کہا: یہ عربی زبان کی بڑی عمدہ کلام ہے جسے چند افراد ہی جانتے ہیں، زمخشری نے اسے زجاج سے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ کہا گیا ہے کسائی نے سب سے اچھی بات کہی ہے جو اس نے محذوف پر دلالت کا ذکر کیا ہے، اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے بارے میں شدت غم کرنے اور ان کے بارے میں حزن کرنے سے منع کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ (الکہف: 6) اہل تفسیر نے کہا: باخع کا معنی قاتل ہے۔ نصر بن علی نے کہا: میں نے اصمعی سے اہل یمن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بارے میں پوچھا: هم أرق قلوبا وانجع طاعة کہ انجع کا کیا معنی ہے؟ جواب دیا: وہ زیادہ مخلص ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا: علماء تفسیر جیسے مجاہد اور دوسرے علماء اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ کے بارے میں کیا کہتے ہیں: اس کا معنی ہے اپنے نفس کو قتل کرنے والے۔ فرمایا: یہ بعینہ وہ معنی ہے، گویا ان کے زیادہ مخلص ہونے کی وجہ سے اپنے نفس کو قتل کرنے والے ہیں۔ حسین بن فضل نے کہا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کا معنی ہے کیا وہ شخص جس کا برا عمل اس کے لیے مزین کیا گیا اس نے اسے اچھا خیال کیا پس تیرا نفس ان پر حسرت کرتے ہوئے ہلاک نہ ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے اسے گمراہ کرتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب محذوف ہے۔ معنی ہے کیا وہ جس کا برا عمل اس کے لیے مزین کیا گیا وہ اس طرح ہو سکتا ہے جس کو ہدایت دی گئی۔ اس محذوف پر یہ الفاظ بھی دلالت کرتے ہیں فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِيۡ مَنۡ يَّشَآءُ۔

یزید بن قعقاع نے پڑھا: فلا تذهب نفسك۔

اَفَمَنۡ زُیِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ میں چار قول ہیں: (۱) اس سے مراد یہودی، نصرانی اور مجوسی ہیں؛ یہ ابو قلابہ کا قول ہے۔ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی ہے (۲) اس سے مراد خوارج ہیں؛ عمر بن قاسم نے اسے روایت کیا ہے سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ سے مراد تاویل میں تحریف ہے۔ (۳) اس سے مراد شیطان ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے (1)۔ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ سے مراد گمراہ کرنا ہے (۴) مراد کفار قریش ہیں؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ سے مراد شرک ہے۔ کہا: یہ آیت عاص بن وائل سہمی اور اسود بن مطلب کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ آیت ابو جہل بن ہشام کے حق میں نازل ہوئی۔ فَرَاٰهُ حَسَنًا حسن سے مراد صحیح ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد خوبصورت ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول کہ اس سے مراد کفار قریش ہیں یہ تمام اقوال سے اظہر قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰٮهُمۡ (البقرہ: 272) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا يَحۡزُنۡكَ الَّذِيۡنَ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡكُفۡرِ (آل عمران: 176) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا ۝ (الکہف) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 333

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء) اس آیت میں فرمان ہے: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ یہ ظاہر و بین ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو ان کے کفر پر تاسف کر رہے ہیں یہ کوئی نفع نہیں دے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہ کیا ہے۔

یہ آیت قدریہ کا قول جو گزر چکا ہے اس کا رد کرتی ہے، یعنی کیا جس کا برا عمل اس کے لیے مزین کیا گیا ہے وہ اسے اچھا گمان کرتا ہے تو اسے ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے تیرے سپرد نہیں، آپ کے ذمہ تو تبلیغ ہے۔ ابو جعفر، شیبہ اور ابن محیصن نے پڑھا فلا تُذهِب یعنی تاء پر ضمہ اور ہاء پر کسرہ ہے۔ نفسك مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ دونوں معنی قریب ہیں۔ حَسَرٰتٍ منصوب ہے مفعول لاجلہ ہے، یعنی حسرتوں کے لیے اپنے نفس کو نہ گھلایئے۔ عَلَيْهِمْ یہ تَذْهَبْ کا صلہ ہے، جس طرح تو کہتا ہے: هلك عليه حبا و مات عليه حزنا وہ اس کی محبت کی وجہ سے ہلاک ہو گیا اور وہ اس پر غم کرتے ہوئے ہلاک ہو گیا۔ جس پر حسرت کی جارہی ہے یہ اس کا بیان ہے۔ یہ جائز نہیں کہ یہ حَسَرٰتٍ کے متعلق ہو، کیونکہ مصدر پر اس کا صلہ متقدم نہیں ہوتا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو گویا یہ سب حسرت کی زیادتی کی وجہ سے اس پر حسرت ہو گئے۔ جس طرح جریر نے کہا:

مَشق الهواجرُ لحمهُنَّ مع السُّرى　　حتى ذهبن كلا كلا و صدورا(1)

شاعر ارادہ کرتا ہے کہ اونٹ لوٹے تو وہ صرف کلاکل اور سینے ہی رہ گئے تھے۔ کلاکل سے مراد اونٹ کے سینے کے نیچے جو گول سا نشان ہوتا ہے۔ اس معنی میں ایک دوسرے شاعر کا قول ہے:

فعلى إثرهم تساقط نفسي　　حسرات وذكرهم لي سقام

ان کے پیچھے حسرت کرتے ہوئے تیرا نفس گرتا ہے اور ان کا ذکر میرے لیے بیماری ہے۔

یا یہ مصدر ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝

”اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو وہ اٹھا لاتی ہیں بادل کو مردہ شہر کی طرف پھر ہم زندہ کر دیتے ہیں اس بادل (کے مینہ) سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد یونہی انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا“۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ، مَّيِّتٍ اور میت دونوں کا معنی ایک ہے، اسی طرح میّتة اور میتة ہے؛ یہ نحویوں میں سے ماہر لوگوں کا قول ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: یہ بصریوں کا قول ہے اس نے کسی کی استثناء نہ کی؛ اس نے اس پر دلائل قطعیہ سے استدلال کیا۔ اور یہ اشعار پڑھے:

ليس من مات فاستراح بميْت　　إنما الميْت ميّت الأحياء
إنما الميْت يعيش كئيبا　　كاسِفا باله قليل الرجاء

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 600

وہ آدمی نہیں مرا جو مرنے سے راحت پا گیا۔ مردہ تو حقیقت میں زندوں سے مرنے والا ہے۔ میت تو حقیقت میں وہ ہے جو غمگین ہو کر زندگی گزارتا ہے اس کا دل بجھا ہوا اور امید کم ہوتی ہے۔

کہا: کیا تو میت اور میت میں فرق دیکھتا ہے اور یہ شعر پڑھا:

هَيْنون لَيْنون أيسارٌ بنو يَسَرٍ سُواس مَكْرُمة أبناء أَيْسار

کہا سب نے اس پر اتفاق کیا کہ ہینون اور لینون ایک ہی چیز ہیں۔

اسی طرح میت اور میت، سید اور سید ایک ہی چیز ہیں۔ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ کے بعد فَسُقْنٰهُ فرمایا: التفات کے قاعدہ سے ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس کا طریقہ تو یہ تھا فتسوقه ہوتا کیونکہ فرمایا: فَتُثِيْرُ سَحَابًا۔ زمخشری نے کہا: اگر تو پوچھے کہ فتثیر مضارع کا صیغہ کیوں آیا ہے (1)، اس سے ماقبل اور مابعد مضارع کا صیغہ نہیں؟ میں اس کا جواب دوں گا: تاکہ اس حال کی حکایت بیان کرے جس میں ہوائیں بادلوں کو اڑاتی ہیں اور اس عمدہ صورت کو حاضر کرتی ہیں جو قدرت ربانیہ پر دلالت کرتی ہیں۔ علماء ایسے فعل کے ساتھ ایسا ہی رویہ اپناتے ہیں جس میں کسی قسم کا امتیاز ہو اور ایسے حال کی خصوصیت ہو جو عجیب و غریب ہے یا مخاطب کو اہمیت دلائے یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو؛ جس طرح تابط شرا نے کہا:

بأنی قد لقيت الغول تهوی بسَهْب كالصحيفة صحصحان

فأضربها بلا دَهَش فخرت صريعا لليدين و للجران(2)

تابط شرا ان اشعار میں اپنی قوم کے سامنے اس حالت کی تصویر کشی کرتا ہے جس میں بہادری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے وہ گمان کرتا ہے کہ وہ جہلاء پر وار کرتا ہے۔ گویا وہ اپنی قوم کے جہلاء دکھاتا ہے۔ مشاہدہ کے ساتھ اس کی حقیقت پر مطلع کرتا ہے تاکہ اس امر پر تعجب کا اظہار کیا جائے کہ وہ ہر ہولناک چیز پر حملہ کی جرأت رکھتا ہے اور یہ مصیبت میں ثابت قدم رہتا ہے۔ اسی طرح مردہ شہر کی طرف بادلوں کو ہانکنا ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی غالب قدرت پر دلائل میں سے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے فسقنا اور أحيينا غیبت کے لفظ سے اس کی طرف عدول کیا گیا ہے جس کا اختصاص میں زیادہ عمل دخل ہے اور اس پر زیادہ دال ہے۔ عام قراءت الرياح ہے۔ ابن محیصن، ابن کثیر، اعمش، یحییٰ، حمزہ اور کسائی نے الريح واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس آیت کی وضاحت اور اس کے بارے میں مفصل گفتگو گزر چکی ہے۔

كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ یعنی اس طرح تمہارے مرنے کے بعد تمہیں زندہ کیا جائے گا۔ یہ نشر الإنسان نشورا سے ماخوذ ہے۔ کاف محل رفع میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے مثل أحياء الموت، نشر الاموات۔ ابو رزین عقیلی سے مروی ہے کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے اور اس کی مخلوق میں اس کی نشانی کیا ہے؟ فرمایا: ''کیا تو ایسی وادی میں سے نہیں گزرا جو خشک سالی کی وجہ سے ہلاک کی گئی پھر تو اس کے پاس سے گزرا تو وہ سرسبز و شاداب لہرا رہی تھی'' (3)۔ میں نے عرض کی: ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اسی طرح مردوں کو زندہ کرے گا اور یہی مخلوق میں

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 601 2۔ ایضاً 3۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 257

اس کی آیت ہے''۔ ہم نے اس کی وضاحت سورۃ الاعراف وغیرہ میں کر دی ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَ الَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَ مَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ⑩

''جو عزت کا طلبگار ہو (وہ جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور نیک عمل پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے، اور جو لوگ فریب کاریاں کرتے ہیں۔ برے کاموں کے لیے ان کے لیے شدید عذاب ہے اور ان کا مکر (وفریب) تباہ ہو کر رہے گا''۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا فراء کے نزدیک اس کی تقدیر کلام یہ ہے من کان یرید علم العزۃ اسی طرح دوسرے علماء نے بھی فرمایا ہے یعنی جو عزت کے علم کا ارادہ کرتا ہے جس کے ساتھ کوئی ذلت نہیں کیونکہ وہ عزت جو ذلت کی طرف لے جائے تو یہ ذلت کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا ہے۔ وہ عزت جس کے ساتھ کوئی ذلت نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ جمیعا یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ زجاج نے اس کا یہ معنی مقدر کیا ہے جو آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے عزت کا خواہش مند ہے جب کہ عزت اللہ سبحانہ کے لیے ہے بے شک اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں عزت دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بہت اچھی تاویل ہے جس طرح روایت آئے گی اس بارے میں ایک مرفوع روایت مروی ہے۔ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ سامعین کو اس کی عزت سے مایوس کیا جائے۔ اور انہیں یہ بتانا ہے کہ جو چیز اس ذات کے لیے ثابت ہے اس میں کسی غیر کے لیے کوئی محل طمع نہیں، تو لفظ العزۃ پر جو الف لام ہے یہ عہد خارجی کے لیے ہوگا، ان لوگوں کے نزدیک جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے لیے جو ثابت ہے اسے جانتے ہیں۔ سورۂ یونس میں جو ارشاد ہے: وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ (یونس:65) اس سے یہی سمجھا جا رہا ہے۔

یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرے کہ ہمت والوں کو آگاہ کرے کہ کہاں سے عزت بحال کی جا سکتی ہے اور کہاں سے مستحق بنا جا سکتا ہے؟ پس الف لام استغراق کے لیے ہوگا۔ اس سورت کی آیات سے یہی مفہوم ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ سے عزت چاہی اور فقر اور خضوع کے ذریعے اس کی تصدیق کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو پالے گا۔ ان شاء اللہ۔ نہ اس سے روکا جائے گا اور نہ ہی اس سے حجاب میں رکھا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے اللہ تعالیٰ کے حضور تواضع کی اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتا ہے''(1) اور جس نے اسے غیر سے طلب کیا تو اللہ تعالیٰ اسے اسی کے سپرد کر دیتا ہے جس سے اس نے اسے طلب کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی جماعت کا ذکر کیا جنہوں غیر سے طلب کی فرمایا: الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (النساء) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تجھے صراحۃ آگاہ کر دیا جس میں کوئی اشکال نہیں کہ عزت اس کے لیے ہے اس ... جسے چاہتا ہے عزت دار بنا دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اسے ذلیل ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ

1۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، ما جاء فی التواضع، جلد 2، صفحہ 24

فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''جو آدمی دونوں جہانوں کی عزت کا طالب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے'' (1)۔ یہی زجاج کے قول کا معنی ہے۔ جس نے کہا کتنا اچھا کیا:

وإذا تذللت الرقاب تواضعا منا إليك فعزها في ذلها

جب ہماری گردنیں تیری بارگاہ میں عاجزی سے جھکتی ہیں تو ان کی عزت ان کی عاجزی میں ہوتی ہے۔

اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ اس پر کلام مکمل ہوئی، تو پھر شروع کرے گا۔ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند فرمائے گا یا اس کے صاحب کو رفعت عطا کرے گا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ معنی ہو عمل صالح پاکیزہ کلمات کو بلند کرے گا تو کلام متصل ہوگی جس طرح اس کی وضاحت آرہی ہے۔ صعود سے مراد بلندی کی طرف حرکت ہے اس سے مراد عروج بھی ہے۔ کلام میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ عرض ہے لیکن اس کی قبولیت کو صعود سے بیان کیا ہے کیونکہ ثواب کا محل اوپر کی جانب ہے اور عذاب کا محل نیچے کی جانب ہے۔ زجاج نے کہا: یہ جملہ کہا جاتا ہے: ارتفع الأمر إلى القاضي مراد ہے معاملہ قاضی کے علم میں آ گیا ہے۔ پس یہ علم کے معنی میں ہوگا۔ کلمہ طیب کا خصوصاً ذکر کیا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ ثواب اسی پر ہوتا ہے۔ الیہ اس سے مراد ہے الی اللہ یصعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف بلند ہوتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کے آسمان اور اس کے محل کی طرف بلند ہوتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کا حکم جاری نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کتاب جس میں بندوں کی طاعات ہوتی ہیں انہیں آسمانوں کی طرف بلند کیا جاتا ہے۔ اَلْكَلِمُ الطَّیِّبُ سے مراد توحید ہے جو پاکیزہ عقیدہ سے صادر ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تحمید اور تمجید ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر وغیرہ ہے انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

لا ترضَ من رجلٍ حلاوةَ قوله حتى يُزَيّن ما يقول فَعالُ

فإذا وزنت فعاله بمقاله فتوازنا فإخاء ذاك جَمالُ

تو کسی آدمی کی میٹھی گفتگو سے راضی نہ ہو یہاں تک کہ عمل اس کے قول کو مزین نہ کرے۔ جب تو اس کے عمل کا اس کے قول کے ساتھ موازنہ کرے اور وہ متوازن ہوں تو اس کے روپ میں جمال ہے۔

ابن مقفع نے کہا: عمل کے بغیر قول ایسا ثرید ہے جس میں گوشت کی چکنائی نہ ہو اور ایسا بادل ہے جس میں بارش نہ ہو، ایسی کمان ہے جس میں تانت نہ ہو۔ اسی کے بارے میں ایک شاعر نے کہا:

لا يكون المقال إلا بفعلٍ كلُّ قولٍ بلا فعالٍ هَبَاءُ

إنَّ قولًا بلا فعالٍ جميل ونكاحًا بلا وَلِيٍّ سواء

قول فعل کے بغیر کچھ بھی نہیں ہر قول فعل کے بغیر ہوا میں اڑنے والے ذرات کی مانند ہے، بے شک ایسا قول جو

1۔ تاریخ بغداد خطیب، جلد 4، صفحہ 80، جلد 8، صفحہ 171

خوبصورت عمل کے بغیر ہو اور جو نکاح ولی کے بغیر ہو برابر ہیں۔

ضحاک نے یصعد یاء کے ضمہ کے ساتھ قراءت کی جمہور لوگوں نے الکلم کلمۃ کی جمع قراءت کی۔ ابو عبد الرحمن نے الکلام قراءت کی۔

میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر کلام کا لفظ کبھی کلم کے معنی میں اور کبھی اس کے برعکس پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ ابو القاسم کا قول بھی اس معنی میں لیا جاتا ہے: کلام کی تین قسمیں ہیں: پس کلام کو کلم کی جگہ رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے عمل صالح پاکیزہ کلمات کو بلندی کی طرف لے جاتا ہے (1)، حدیث طیبہ میں ہے: ''اللہ تعالیٰ عمل کے ساتھ قول کو قبول کرتا ہے اور قول و عمل کو قبول نہیں کرتا مگر نیت کے ساتھ قبول کرتا ہے اور قول، عمل اور نیت کو قبول نہیں کرتا مگر سنت کو پانے کے ساتھ قبول فرماتا ہے'' (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، پاکیزہ کلمہ کہے اور فرائض ادا کرے تو اس کا قول، عمل کے ساتھ بلند ہوتا ہے۔ اور جب اس نے اچھا قول تو کیا اور اس نے فرائض ادا نہ کیے تو اس کا قول اس کے عمل کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ یہ ایسا قول ہے اہل سنت کے معتقدات جس کا رد کرتے ہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں۔ حق یہ ہے کہ نافرمان فرائض کو ترک کرنے والا جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور پاکیزہ کلام کرتا ہے تو اس کے حق میں یہ لکھا جاتا ہے اور اس سے قبول کیا جاتا ہے۔ اس کے حق میں نیکیاں ہوتی ہیں اور اس کے خلاف برائیاں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایسے شخص سے اچھا عمل قبول کرتا ہے جو شرک سے بچتا ہے، نیز پاکیزہ کلام بھی عمل صالح ہے۔ جو یہ کہتا ہے: عمل ہی کلام کو بلندی کی طرف لے جاتا ہے اس کا قول بھی درست ہو سکتا ہے کہ اس کی یوں تاویل کی جائے کہ یہ اسے مزید بلند کرتا ہے، اور اس کا موقع محل زیادہ حسین ہو جاتا ہے جب عمل قول کے ساتھ مل جائے، جس طرح نماز، روزہ وغیرہ اعمال کرنے والے کے لیے معاملہ ہوتا ہے۔ جب اعمال کے درمیان پاکیزہ کلمات آجائیں اور وہ انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو اعمال زیادہ شرف کا باعث ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ یہ نصیحت ہے، تذکرہ ہے اور اعمال پر برانگیختہ کرنا ہے۔ جہاں تک اقوال کا تعلق ہے وہ اپنی ذات میں اعمال ہیں، جس طرح توحید اور تسبیح یہ مقبول ہیں۔

ابن عربی نے کہا: انسان کا کلام جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی صورت میں ہو اگر اس کے ساتھ عمل صالح مقترن نہ ہو تو وہ کچھ نفع نہ دے گا، کیونکہ جس کا قول اس کے فعل کے خلاف ہو وہ اس کے لیے وبال ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ عمل جب قول کی قبولیت میں شرط نہ ہو تو اس کا پاکیزہ کلمہ بھی اس کے حق میں لکھا جائے گا اور اس کا برا عمل بھی لکھا جائے گا، دونوں میں موازنہ ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کامیابی، نفع اور نقصان کا فیصلہ فرمائے گا۔

میں کہتا ہوں: ابن عربی نے جو کچھ کہا ہے اس میں تحقیق کی گئی ہے ظاہر یہ ہے کہ عمل صالح پاکیزہ قول کے قبول کرنے میں شرط ہے۔ آثار میں یہ آیا ہے کہ بندہ جب یہ کہتا ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جب کہ اس کی نیت صادق ہوتی ہے تو فرشتے اس کے عمل کو

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 333　　2۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 603

دیکھتے ہیں۔ اگر عمل اس کے قول کے موافق ہو تو دونوں بلند ہو جاتے ہیں اگر عمل مخالف ہو تو اس کا قول رک جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے عمل سے توبہ کر لے۔ اس تعبیر کی بنا پر عمل صالح پاکیزہ کلمہ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند کرتا ہے۔ یَرْفَعُهٗ میں ضمیر الْكَلِمُ الطَّيِّبُ کی طرف لوٹتی ہے؛ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، شہر بن حوشب، سعید بن جبیر، مجاہد، قتادہ، ابوالعالیہ اور ضحاک کا ہے۔

اور الْكَلِمُ الطَّيِّبُ سے مراد توحید ہے (1)، یہی عمل صالح کو بلند کرتا ہے، کیونکہ عمل صالح ایمان اور توحید کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے اور عمل صالح کو پاکیزہ کلمہ بلند کرتا ہے۔ ضمیر عمل صالح کی طرف لوٹے گی؛ یہ قول شہر بن حوشب سے مروی ہے، کہا: الْكَلِمُ الطَّيِّبُ سے مراد قرآن ہے اور عمل صالح قرآن کو بلند کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ عمل صالح کو پاکیزہ کلمہ پر بلند کرتا ہے، کیونکہ عمل کلمہ کو ثابت کرتا ہے اور عامل، قائل سے زیادہ مشقت برداشت کرتا ہے، یہی کلام کی حقیقت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی رفعت عطا کرنے والی ہے اور پستی دینے والی ہے۔ دوسری اور پہلی تعبیر میں مجاز کا قاعدہ ہے لیکن وہ جائز ہے۔ نحاس نے کہا: پہلا قول زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح ہے کیونکہ جس نے کہا ہے وہ بلند رتبہ والا ہے اور وہ عربی زبان میں بھی اولیٰ ہے کیونکہ قراء العمل کو رفع دیتے ہیں۔ اگر معنی ہو عمل صالح کو اللہ تعالیٰ بلندی عطا فرماتا ہے یا عمل صالح الکلم الطیب کو رفعت عطا کرتا ہے تو پسندیدہ اعراب العمل پر نصب تھی۔ ہم کسی کو نہیں جانتے کہ اس نے العمل کو نصب دی ہو مگر جو حضرت عیسیٰ بن عمر سے مروی ہے انہوں نے کہا: کچھ لوگوں نے اسے انعمل الصالح یرفعه الله قراءت کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عمل صالح اپنے عامل کو بلندی عطا کرتا ہے۔ وہ وہی ہے جس نے عزت کا ارادہ کیا اور اس نے جانا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کی جاتی ہے (2)؛ قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ذکر کیا کہ کتا نماز کو توڑ دیتا ہے اور اس آیت کی قراءت کی۔ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ یہ سلف کے مذہب کے مطابق عمومی لفظ سے عموم کا استدلال ہے۔ جب کہ وہ نماز میں اس کی شرائط کے ساتھ داخل ہوا کوئی چیز اس پر نماز کو قطع نہ کرے گی مگر جو اس قطع کو ثابت کر دے جو قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ہو۔ جو یہ رائے رکھتا ہے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: "نماز کو عورت، گدھا اور سیاہ کتا توڑ دیتا ہے" (3)۔ میں نے پوچھا: سیاہ کتا کیوں، سفید کتا اور سرخ کتا کیوں نہیں؟ فرمایا: "سیاہ کتا شیطان ہے"۔ امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے۔

ایک ایسی روایت آئی ہے جو اس کے معارض ہے، وہ وہ روایت ہے جسے امام بخاری نے ابن شہاب کے بھتیجے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے چچا سے پوچھا کہ نماز کو کون سی چیز توڑ دیتی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اسے کوئی چیز بھی نہیں توڑتی۔ عروہ بن زبیر نے مجھے خبر دی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے رات کو نماز پڑھتے جب کہ میں، آپ اور قبلہ کے درمیان آپ کے اہل کے بستر پر دائیں بائیں لیٹی ہوتی (4)۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 464
2۔ ایضاً
3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، ما یستر المصلی، جلد 1، صفحہ 197
4۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، من قال لا یقطع الصلوٰۃ شیء، جلد 1، صفحہ 74

وَ الَّذِیْنَ یَمْكُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ طبری نے کتاب آداب النفوس میں ذکر کیا ہے یونس بن عبداللہ، سفیان سے وہ لیث بن ابی سلیم سے وہ حضرت شہر بن حوشب اشعری سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: اس سے مراد ریاکاری کرنے والے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خفیہ تدبیر کی جب وہ دار الندوہ میں جمع ہوئے۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں برے اعمال کرتے ہیں۔ مقاتل نے کہا: مراد شرک ہے السیئات اس کا مفعول ہوگا۔ یہ کہا جاتا ہے بَارَ یَبُوْرُ جب وہ ہلاک اور باطل ہو جائے۔ بَارَتِ السوق جب کساد بازاری ہو جائے۔ اسی سے یہ دعا ہے: نعوذ باللہ من بوار الایم میں بیوگی کی ہلاکت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝ (الفرقان) تم ہلاک ہونے والی قوم ہو۔ مکر سے مراد وہ عمل ہے جو حیلہ اور دھوکہ کے طریقہ پر کیا جائے۔ سورۂ سبا میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَ مَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝

"اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تمہیں مٹی سے پھر پانی کی بوند سے پھر تمہیں بنا دیا جوڑے جوڑے اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی عورت اور نہ بچہ جنتی ہے مگر اس کو اس کا علم ہوتا ہے، اور نہ لمبی زندگی دی جاتی ہے کسی طویل العمر کو اور نہ کم رکھی جاتی ہے کسی کی عمر مگر (اس کی تفصیل) کتاب میں درج ہے، بے شک یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے"۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی۔ خلق أصلکم من تراب۔

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ پھر نطفہ سے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اباء کی پشتوں سے نکالا۔ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا تم میں سے بعض کو بعض سے ملا دیا۔ مذکر مونث کا زوج (جوڑا) ہے تاکہ دنیا میں بقا مکمل ہو یہاں تک کہ اس کی مدت مکمل ہو۔ وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جوڑا جوڑا بنایا پس مذکر، مونث سے شادی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ان سے نسل جاری ہوتی ہے کوئی حمل نہیں ٹھہرتا اور نہ ہی کوئی بچہ جنم لیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے تو کوئی شے اس کی تدبیر سے خارج نہیں ہوتی۔

وَ مَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ اسے معمر نام دیا جس کی طرف وہ جانے والا ہے (1)۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے: کسی کو لمبی عمر نہیں دی جاتی مگر اس کی عمر لکھ لی جاتی ہے کہ وہ کتنے

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 603

سال ہے، کتنے مہینے ہے، کتنے دن اور کتنی ساعتیں ہیں، پھر ایک اور کتاب میں لکھا جاتا ہے: اس کی زندگی سے ایک دن کم ہو گیا ہے ایک مہینہ کم ہو گیا ہے، ایک سال کم ہو گیا ہے، یہاں تک کہ اس کی عمر پوری ہو جاتی ہے؛ یہ قول سعید بن جبیر کا بھی ہے۔ کہا: اس کی عمر سے جو وقت گزر جاتا ہے تو وہی نقصان ہے اور جو آئندہ ہے تو وہی اس کی عمر لمبی کی جاتی ہے۔ اس صورت میں ہاء ضمیر معمر کے لیے ہوگی۔

سعید سے یہ قول بھی مروی ہے: اس کی عمر اتنے اتنے سال لکھی جاتی ہے پھر اس کے نیچے لکھا جاتا ہے: ایک دن گزر گیا، دو دن گزر گئے، یہاں تک کہ اس کا آخری وقت آ جاتا ہے۔ قتادہ سے مروی ہے: معمر اسے کہتے ہیں جس کی عمر ساٹھ سال تک ہو۔ جس کی عمر میں کمی کی جاتی ہے وہ وہ ہے جس کو ساٹھ سال پہلے موت آ جائے۔ وَ مَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ کے معنی کے بارے میں فراء کا مذہب ہے جو اس کی عمر ہوتی ہے۔ وَّ لَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِہٖۤ سے مراد دوسرا معمر ہے یعنی دوسرے کی عمر میں کمی نہیں کی جاتی مگر کتاب میں۔ عمرہ کی ضمیر دوسرے کی طرف لوٹتی ہے پہلے کی طرف نہیں لوٹتی۔ اس کو ہاء ضمیر کے ساتھ کنایہ کے طور پر ذکر کیا گویا وہ پہلا ہی معمر ہے اس کی مثل تیرا یہ قول ہے: عندی درھم ونصفہ یعنی میرے پاس ایک درہم اور اس کے علاوہ ایک اور نصف ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے انسان کی عمر سو سال لکھی ہے اگر وہ اطاعت کرے اور نوے سال لکھی ہے اگر وہ نافرمانی کرے۔ وہ جس عمر تک بھی پہنچا تو وہ کتاب میں ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی طرح ہے: من احب ان یبسط لہ فی رزقہ وینسألہ فی اثرہ فلیصل رحمہ (1) جو آدمی یہ پسند کرے کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کی عمر میں تاخیر کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے، یعنی لوح محفوظ میں لکھا جاتا ہے: فلاں کی عمر اتنے سال ہے اگر اس نے صلہ رحمی کی تو اس کی عمر میں اتنے سال اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور جگہ من اللوح المحفوظ کی وضاحت کی وہ صلہ رحمی کرے گا۔ جو پہلے ارشاد پر مطلع ہوا دوسرے ارشاد پر مطلع نہ ہوا اس نے یہ گمان کیا کہ یہ زیادتی اور کمی ہے۔ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت بھی گزر چکا ہے: یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ (الرعد: 39) اس صورت میں ضمیر عمر کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وَ مَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ کا معنی ہے بوڑھا ہو جانا (2)، یعنی بڑھاپے کی عمر میں کمی نہیں کی جاتی مگر کتاب میں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے فیصلہ سے ایسا ہوتا ہے؛ اس کا معنی ضحاک سے مروی ہے اور نحاس نے اسے پسند کیا ہے۔ کہا: یہ قرآن کے ظاہر کے مشابہ ہے اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں ہاء کے بارے میں جائز ہے کہ یہ معمر کے لیے ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ غیر معمر کے لیے ہو۔

اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ اعمال اور آجال کی کتابت اس پر متعذر نہیں عام قراءت یُنقص یاء کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ایک جماعت جس میں یعقوب بھی ہے اس نے یَنقُص قراءت کی ہے۔ یاء پر فتحہ اور قاف پر ضمہ ہے یعنی اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأدب، من بسط لہ فی الرزق بصلۃ الرحم، جلد 2، صفحہ 885

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 465

کی عمر میں سے کچھ کی بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: نَقَصَ الشئُ بنفسه، نَقَصه غیرُہ زَادَ بنفسه، زَادَہ غیرُہ۔ یہ افعال متعدی اور لازم دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں اعرج اور زہری نے من عمرہ کو میم کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے اسے ضمہ دیا ہے۔ یہ سُحق اور سُحُق کی مثل دونوں لغتیں ہیں۔ یسیر یعنی طویل عمر ہو یا چھوٹی عمر ہو اس کا شمار کرنا ان پر کوئی مشکل نہیں۔ اس سے فعل یسُرہ ہے۔ اگر تو اس کے ساتھ کسی انسان کا نام رکھے تو وہ منصرف ہوگا کیونکہ یہ فعیل کا وزن ہے۔

وَ مَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫

''اور یکساں نہیں ہو سکتے پانی کے دو ذخیرے یہ (ایک میٹھا) ہے بہت شیریں اس کا پینا بڑا خوشگوار ہے اور یہ (دوسرا) سخت نمکین، کھاری، تلخ اور دونوں میں سے تم کھاتے ہو تر و تازہ گوشت اور نکالتے ہو زینت کا سامان جسے تم پہنتے ہو اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو پانی میں کہ اسے چیرتی شور مچاتی چلی جارہی ہیں تا کہ تم تلاش کرسکو اس کے فضل کو اور (یہ سب نوازشات اس لیے ہیں) تاکہ تم شکر ادا کرو''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرات کا معنی میٹھا ہے اور اجاج کا معنی کڑوا ہے۔ طلحہ نے قراءت کی هٰذَا مَلِحٌ اُجَاجٌ میم پر فتحہ اور لام کے نیچے کسرہ ہے الف نہیں ہے۔ جہاں تک مالح کا تعلق ہے وہ وہ ہوتا ہے جس میں نمک ڈالا جاتا ہے۔ عیسیٰ اور ابن ابی اسحاق نے سَيِّغٌ شرابُه قراءت کی ہے جس طرح سیّد اور میّت ہے وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ: گوشت (مچھلی) ان دونوں سے حاصل ہوتا ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورۃ النحل میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ابو اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ زیور نمکین سمندر سے نکالا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان دونوں سے نکالا جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں ملے ہوتے ہیں۔ ایک اور نے کہا: وہ سیپیاں جن میں موتی وغیرہ ہوتے ہیں وہ ایسی جگہ سے نکالے جاتے ہیں جہاں میٹھا اور کھاری پانی اکٹھا ہوتا ہے جس طرح چشمے یہ ان دونوں سے نکالا جاتا ہے، کیونکہ سمندر میں میٹھے چشمے ہوتے ہیں جب یہ ملتے ہیں تو موتی نکلتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بارش سے۔ محمد بن یزید نے چوتھا قول کیا ہے: موتی یہ صرف نمکین سمندر سے نکالے جاتے ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ ان میں سے سب سے اچھا قول ہے کیونکہ وہ دونوں سمندر ملے ہوتے ہیں، لیکن وہ جمع ہوئے پھر ان میں سے ایک کے بارے میں خبر دی، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (القصص: 73) اور جس طرح تو کہتا ہے: لو رایت الحسن والحجاج لرأیت خیرا شرا جس طرح تو کہتا ہے: لو رأیت الأصمعی و سیبویه لملأت

یدلت لغۃ و نحوا اگر تو اصمعی اور سیبویہ کو دیکھتا تو تیرا ہاتھ لغت اور نحو سے بھر جاتا۔ اس کا معنی معروف ہے۔ یہ کلام بہت ہی فصیح ہے۔ اسی طرح ہے: وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا پہلے میں دونوں اکٹھے ہیں اور دوسرے میں نمکین سمندر منفرد ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ تَلْبَسُوْنَهَا اس پر دلیل ہے کہ ہر شے کا لباس اس کے مناسب ہوتا ہے انگوٹھی انگلی میں ڈالی جاتی ہے، کنگن بازو میں ڈالا جاتا ہے، ہار گردن میں ڈالا جاتا ہے، پازیب پاؤں میں ڈالا جاتا ہے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں ابن سیرین سے مروی ہے کہ میں نے عبیدہ سے کہا: ریشم کا بستر بنانا اس کے پہننے کی طرح ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ صحاح میں حضرت انس بنائیں سے مروی ہے: فقمت علی حصیر لنا قد أسود من طول ما لبس۔(1) محل استدلال ما لبس ہے میں اپنی ایسی چٹائی پر کھڑا ہوا جو طویل وقت تک استعمال کرنے کی وجہ سے سیاہ ہو گئی تھی۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَ تَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ نحاس نے کہا: یہاں نمکین سمندر مراد ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ارشاد ہوتا: فیھا، قد مخرت السفینۃ تمخر جب وہ پانی کو پھاڑے۔ سورۃ النحل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ مجاہد نے کہا: دور دراز ملکوں کی طرف تجارت کشتیوں کے ذریعے تھوڑی مدت میں ہوتی ہے، جس طرح سورۂ بقرہ میں بحث گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فضلہ سے مراد جو زیور نکالا جاتا ہے اور جو اس کی مچھلیاں شکار کی جاتی ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں فضل سے نوازا اس پر تم شکر بجا لاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو اس نے تمہیں خوف سے نجات عطا فرمائی (2)۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ ۝

''وہ داخل کرتا ہے (کبھی) رات (کے ایک حصہ) کو دن میں اور (کبھی) داخل کرتا ہے دن (کے ایک حصہ) کو رات میں اور اس نے پابند حکم کر دیا ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک، یہ ہے اللہ جو تمہارا رب ہے اسی کی ساری بادشاہی ہے، اور وہ (بت) جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا وہ تو گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں''۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ سورۂ آل عمران اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى سورۂ لقمان میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ جس کی یہ کاریگری ہے وہی خالق ہے، مدبر ہے، قادر ہے اور مقتدر ہے اسی کی عبادت کی جاتی ہے۔ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ، مِنْ دُوْنِهٖ سے مراد بت ہیں۔ ما یملکون من قطمیر وہ اس پر اور اس کو پیدا

1۔ [illegible]، جلد 1، صفحہ 55 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 467

کرنے پر قادر نہیں۔ قطمیر سے مراد وہ رقیق سا سفید پردہ ہے جو کھجور اور گٹھلی کے درمیان ہوتا ہے؛ یہ اکثر مفسرین کی رائے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد گٹھلی کا شق ہے؛ یہ مبرد کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے اور یہ قتادہ کا قول ہے۔ قتادہ سے یہ بھی مروی ہے: قطمیر سے مراد وہ ڈنڈی ہے جو گٹھلی کے سرے پر ہوتی ہے۔ جوہری نے کہا: اس سے مراد وہ سفید نقطہ ہے جو گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے اسی سے کھجور اگتی ہے۔

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَ لَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ ۝

”اگر تم انہیں پکارو تو نہ سن سکیں گے تمہاری پکار اور اگر وہ بالفرض سن بھی لیں تو وہ تمہاری التجا قبول نہیں کر سکتے اور روز قیامت (صاف) انکار کریں گے تمہارے شرک کا اور (حقیقت حال سے) تجھے کوئی آگاہ نہیں کر سکتا خدائے خبیر کی مانند“۔

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ اگر وہ مصائب میں ان سے مدد طلب کریں تو وہ تمہاری دعا کو نہ سنیں گے کیونکہ یہ جمادات ہیں جو نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی سنتے ہیں۔ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ کیونکہ ہر سننے والا، بولنے والا نہیں ہوتا۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے اگر وہ سن بھی لیں تو تمہیں کوئی نفع نہ دیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہم ان کی عقلیں اور زندگی بنا دیں اور وہ تمہاری دعا کو سنیں تو وہ تمہاری بنسبت اللہ تعالیٰ کی اطاعت زیادہ کریں اور کفر پر ہوتے ہوئے تمہیں کوئی جواب نہ دیں۔

وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وہ انکار کر دیں گے کہ تم نے ان کی عبادت کی ہے اور وہ تم سے اپنی براءت کا اظہار کریں گے؟ پھر یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام ان معبودوں کی طرف لوٹے جو عقل رکھتے ہیں، جس طرح ملائکہ، جن، انبیاء اور شیاطین، یعنی وہ اس امر کا انکار کر دیں گے کہ تو نے جو کچھ کیا ہے وہ حق ہے اور اس سے انکار کر دیں گے کہ انہوں نے تمہیں اپنی عبادت کا حکم دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دی، مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ (المائدہ: 116) میرے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ میں ایسی بات کروں جس کا مجھے حق نہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس میں بت شامل ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں زندہ کرے گا یہاں تک کہ وہ خبر دیں گے کہ وہ عبادت کے اہل نہیں تھے۔

وَ لَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ خبیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو جاننے والا نہیں، اس کی مثل اس کے عمل یا علم کے بارے میں تجھے کوئی آگاہ کرنے والا نہیں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝ وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ۝

”اے لوگو! تم سب محتاج ہو اللہ تعالیٰ کے اور اللہ ہی غنی ہے سب خوبیوں سراہا، اگر اس کی مرضی ہو تو سب کو نابید کر دے اور لے آئے ایک نئی مخلوق اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر قطعاً دشوار نہیں“۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ تم اپنی بقا اور اپنے اصولوں میں اس کے محتاج ہو۔ زمخشری نے کہا: اگر تو کہے

الفقراء کو معرف باللام کیوں لایا گیا ہے؟ میں کہوں گا: اس سے اس امر کا قصد کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دکھائے کہ وہ اس کے شدید محتاج ہونے کی وجہ سے وہ فقراء کی جنس ہیں، اگرچہ تمام مخلوق انسان ہوں یا غیر سب اس کے محتاج ہیں، کیونکہ فقراء ان چیزوں میں سے ہے جو ضعف کے تابع ہوتا ہے جب بھی فقیر زیادہ کمزور ہوگا وہ زیادہ محتاج ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں انسان کے ضعف کی گواہی دی ہے: وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (النساء) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ (الروم: 54) اگر فقراء نکرہ ہوتا تو معنی ہوتا تم فقراء کا بعض ہو۔ اگر تو کہے: الفقراء، الغنی کے بالمقابل رکھا گیا ہے تو الحمید کا کیا معنی ہے؟ میں جواب دوں گا: جب اللہ تعالیٰ نے ان کی اپنی بارگاہ میں احتیاج کو ثابت کر دیا اور ان سے اپنی بے نیازی کو ثابت کر دیا جب کہ ہر غنی اپنی غنا کے ساتھ نفع پہنچانے والا نہیں ہوتا مگر جب وہ غنی سخی اور انعام کرنے والا ہو۔ جب وہ سخاوت کرے اور انعام کرے تو جس پر انعام کیا جا رہا ہوتا ہے تو ان پر اس کی حمد کرنا لازم ہو جاتا ہے، الحمید کا ذکر کیا تا کہ اس کے ساتھ اس امر پر دلالت کرے کہ وہ غنی ہے، اپنی غنا کے ساتھ اپنی مخلوق کو نفع پہنچانے والا ہے، وہ سخی ہے اور ان پر انعام فرمانے والا ہے۔ وہ ان پر انعام کرنے کی وجہ سے اس امر کا مستحق ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ خلیل کے نزدیک دوسرے ہمزہ کی تخفیف سب سے عمدہ صورت ہے، پہلے ہمزہ کی تخفیف، دونوں کی تخفیف اور دونوں کی تحقیق بھی جائز ہے۔

وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ، ھو زائد ہے۔ اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں ہوتا۔ یہ مبتدا ہو تو اس کا محل رفع ہوگا۔

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اس میں حذف ہے معنی ہے اگر وہ تمہیں لے جانا چاہے تو تمہیں فنا کر دے۔ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ وہ نئی مخلوق لے آئے جو تمہاری بنسبت زیادہ اطاعت گزار ہو اور تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہو۔ وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ اللہ تعالیٰ پر مشکل نہیں۔ سورۂ ابراہیم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ مَنْ تَزَكّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰی لِنَفْسِهٖ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾

"اور بوجھ نہیں اٹھائے گا کوئی گنہگار کسی دوسرے کا بوجھ اور اگر بلائے گا پشت پر بوجھ اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے تو نہ اٹھائی جا سکے گی اس کے بوجھ سے کوئی شے اگرچہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی ہو، آپ صرف ان کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز، اور جو پاکیزگی اختیار کرتا ہے سو وہ اپنی بھلائی کے لیے اختیار کرتا ہے اور (یاد رکھو آخرکار) اللہ کی طرف ہی لوٹنا ہے"۔

اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے، یہ کلام ماقبل کلام سے الگ کی گئی ہے اصل میں یہ توزر تھا، یوزر کی اتباع سے واؤ کو حذف کر دیا گیا۔ وازرۃ یہ محذوف موصوف کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہے نفس وازرۃ اسی طرح وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا ہے فراء نے کہا: نفس مثقلة أو دابة مثقلة اور کہا: یہ نفس مذکر اور مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اخفش

نے کہا: اگر تدع کا مفعول یہ انسان ہو تو مراد اس کے گناہ ہوں گے (1) اور حمل سے مراد وہ چیز ہے جو کسی کی پشت پر ہو اور حمل یہ عورت کا حمل اور کھجور کا حمل ہے۔ کسائی نے دونوں کو فتحہ کے ساتھ بیان کیا ہے کسی اور طریقہ سے بیان نہیں کیا۔ ابن سکیت نے بیان کیا کہ حمل النخلۃ کھجور کا حمل، یہ فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے۔

لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى اخفش کے قول کے مطابق تقدیر کلام یہ ہے ولو کان الإنسان المدعو ذا قربی (2)۔ فراء نے اسے بھی جائز قرار دیا ہے **وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى** سیبویہ کے نزدیک یہ جائز ہے، اس کی مثل **وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ** (البقرہ:280) ہے تو یہ کان، وقع کے معنی میں ہوگا یا خبر محذوف ہوگی۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وان کان فیمن تطالبون ذو عسرۃ سیبویہ نے حکایت بیان کی ہے الناس مجزیون بأعمالھم ان خیر فخیرلوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی اگر اعمال اچھے ہوئے تو بدلہ بھی اچھا ملے گا؛ یہ تعبیر دوسرے قول کے اعتبار سے ہے اور ان خیرا فخیر یہ؛ پہلی تعبیر کی بنا پر ہے۔

عکرمہ سے مروی ہے کہ کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہودی اور نصرانی قیامت کے روز مسلمان کو دیکھے گا وہ مسلمان کو کہے گا: کیا میں نے تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا؟ کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کیا تھا؟ مسلمان کہے گا: کیوں نہیں۔ یہودی کہے گا: مجھے کوئی نفع پہنچاؤ۔ مسلمان لگا تار اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا رہے گا یہاں تک کہ اس کے عذاب میں کمی کر دی جائے گی۔ ایک آدمی قیامت کے روز اپنے باپ کے پاس آئے گا، وہ عرض کرے گا: کیا میں تیرے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا تھا؟ تجھ پر شفقت نہیں کرتا تھا؟ تجھ پر احسان نہیں کرتا تھا؟ جب کہ تو دیکھ رہا ہے جس مصیبت میں، میں گرفتار ہوں، اپنی نیکیوں میں سے ایک نیکی مجھے عطا کر دے، ایک خطا اپنے ذمہ لے لو۔ باپ کہے گا: تو نے مجھ سے جو سوال کیا ہے وہ معمولی چیز ہے لیکن میں بھی اسی چیز سے ڈرتا ہوں جس سے تو ڈرتا ہے۔ باپ اپنے بیٹے سے اس کی مثل کہے گا، تو بیٹا بھی اپنے باپ کو اسی طرح کا جواب دے گا۔ مرد اپنی بیوی سے کہے گا: کیا میں تیرے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا تھا؟ مجھ سے ایک خطا اٹھا لو ممکن ہے میں نجات پا جاؤں بیوی کہے گی یہ معمولی چیز ہے لیکن میں اس چیز سے ڈرتی ہوں جس سے تو ڈرتا ہے پھر عکرمہ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ فضیل بن عیاض نے کہا: ہر عورت اپنے بچے سے ملے گی وہ کہے گی: اے بیٹے! کیا میرا پیٹ تیرے لیے حفاظت کرنے والا برتن نہیں تھا؟ کیا میرا پستان تیرے لیے مشکیزہ نہ تھا؟ کیا میری گود تیری آرام گاہ نہ تھی؟ وہ بچہ کہے گا: کیوں نہیں، اے میری ماں! وہ کہے گی: اے میرے بیٹے! میرے گناہ بوجھل ہو گئے ہیں مجھ سے میرے ایک گناہ کو اٹھا لے، بچہ کہے گا: اے ماں! مجھ سے دور ہو جا میں تیرے بجائے اپنے گناہوں میں مشغول ہوں۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہی تیرے ڈرانے کو قبول کرتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: **اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ** (یاسین:11)

وَ مَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ جو ہدایت پاتا ہے وہ اپنے لیے ہدایت پاتا ہے۔ اس میں ایک قراءت یہ بھی ہے ومن ازکی فإنما یزکی لنفسہ۔

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 261　　2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 522

وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ تمام مخلوقات نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَ مَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾

''اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا اور نہ (یکساں ہیں) اندھیرے اور نور اور نہ (یکساں ہے) سایہ اور تیز دھوپ اور نہ ہی ایک جیسے ہیں زندے اور مردے، بے شک اللہ تعالیٰ سنا تا ہے جس کو چاہتا ہے اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں''۔

وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ یعنی کافر اور مومن، جاہل اور عالم برابر نہیں (1)، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ (المائدہ: 100)

وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ اخفش اور سعید نے کہا: لا زائدہ ہے اس کا معنی ہے ولا الظلمات والنور ولا الظل والحرور نہ تاریکیاں اور نور اور نہ سائے اور تپش۔ اخفش نے کہا: حرور (تپش) سورج کے ساتھ ہوتی ہے اور سموم رات کے ساتھ ہوتی ہے (2)۔ ایک قول اس کے برعکس کیا گیا ہے۔ مہدوی نے حکایت بیان کی ہے، فراء نے کہا: سموم دن کے وقت ہوتی ہے اور حرور دن اور رات میں ہوتی ہے (3)۔ نحاس نے کہا: یہ قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ حرور فعول کا وزن ہے یہ حر سے مشتق ہے اس میں کثرت کا معنی پایا جاتا ہے یعنی تکلیف دہ گرمی۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جہنم نے عرض کی: اے میرے رب! میرے بعض نے بعض کو کھا لیا ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں دو سانس لے لوں ایک سانس موسم سرما میں اور ایک سانس موسم گرما میں۔ تم جو سردی یا سخت ٹھنڈک پاتے ہو تو یہ جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے اور تم جو گرمی یا شدید گرمی پاتے ہو تو یہ جہنم کی سانس کی وجہ سے ہے'' (4)۔ زہری نے سعید سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ''تم جو گرمی پاتے ہو تو یہ اس کی سموم سے ہے اور تم جو شدت کی سردی پاتے ہو تو اس کی زمہریر سے ہے'' (5)۔ یہ ان تمام اقوال کو جامع ہے۔ سموم اور حرور یہ رات اور دن کو ہوتے ہیں۔ جنت دائمی سائے والی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ وَّ ظِلُّهَا (الرعد: 35) جہنم گرمی والی ہے؛ یہ معنی سدی نے کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رات کا سایہ اور دن کے وقت سموم کی گرمی (6)۔ قطرب نے کہا: حرور سے مراد گرمی اور ظل سے مراد سردی ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 523　　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 469　　3۔ ایضاً

4۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، استحباب الابراد بالظهر، جلد 1، صفحہ 224

5۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 224　　6۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 469

وَ مَا يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَ لَا الْأَمْوَاتُ ابن قتیبہ نے کہا: احیاء سے مراد عقلاء ہیں اور اموات سے مراد جہلاء ہیں (1)۔ قتادہ نے کہا: یہ سب امثال ہیں، یعنی جس طرح یہ اشیاء برابر نہیں ہوسکتیں اسی طرح کافر اور مومن برابر نہیں ہو سکتے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ اپنے ان اولیاء کو سناتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے پیدا کیا۔ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ یعنی وہ کفار جن کے دلوں کو کفر نے مار دیا ہے۔ یعنی جس طرح جو مر چکا ہے اسے آپ نہیں سناتے اسی طرح جس کا دل مردہ ہے اسے آپ نہیں سناتے۔ حضرت حسن بصری، عیسیٰ ثقفی اور عمرو بن میمون نے بمسمع من فی القبور تنوین کو حذف کرتے ہوئے تخفیف کے ساتھ قراءت کی ہے یعنی وہ اہل قبور کے قائم مقام ہیں کہ جسے سنتے ہیں اس سے نفع نہیں اٹھاتے اور اسے قبول نہیں کرتے۔

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾

''نہیں ہیں آپ مگر بروقت ڈرانے والے''۔

یعنی آپ ڈرانے والے رسول ہیں آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے، آپ کے ذمہ ہدایت دینا نہیں، ہدایت اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضہ قدرت میں رکھی ہوئی ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ؕ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾

''ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو''۔

یعنی اہل طاعت کو جنت کی بشارت دینے والا (2) اور اہل معصیت کو جہنم سے ڈرانے والا اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ سے مراد ہے ہر امت میں نبی گزرا ہے۔ ابن جریج نے کہا: مگر عربوں میں نہیں گزرا۔

وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالزُّبُرِ وَ بِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾

''اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو (کوئی تعجب نہیں) بے شک جھٹلاتے رہے جو ان سے پہلے تھے تشریف لاتے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں، آسمانی صحیفے اور نور والی کتاب لے کر پھر (جب ان کی سرکشی کی حد ہوگئی) تو میں نے پکڑ لیا کفار کو بس (ساری دنیا جانتی ہے) میرا عذاب کیسا تھا''۔

وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ مراد قریش کے کفار ہیں یعنی اگر قریش کے کفار تمہیں جھٹلائیں۔

فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی اپنے انبیاء کو جھٹلایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تسلی دے رہا ہے۔ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ان کے پاس ان کے رسول ظاہر معجزات اور واضح شرعی احکام لائے۔ وَ

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 262
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 470

بِالزُّبُرِ سے مراد لکھی ہوئی کتب ہیں۔ وَ بِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ سے مراد واضح کتاب ہے۔ زبر اور کتاب کو مکرر ذکر کیا کیونکہ لفظ مختلف ہیں جب کہ دونوں ایک چیز ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بینات، زبر اور کتاب سب ایک معنی کی طرف راجع ہیں۔ اس سے وہ کتب مراد ہیں جو انبیاء پر نازل ہوئیں۔

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ میری ان کو سزا کیسی تھی؟ ورش نے نافع سے جو روایت نقل کی ہے اور شیبہ نے نکیری میں یاء کو ثابت رکھا ہے جب وہ وصل میں واقع ہو وقف میں اسے ثابت نہیں رکھا، یعقوب نے دونوں حالتوں میں اسے ثابت رکھا ہے۔ باقی قراء نے دونوں حالتوں میں اسے حذف کر دیا ہے۔ یہ تمام بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اتارتا ہے آسمان سے پانی پس ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے طرح طرح کے پھل جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور پہاڑوں سے بھی رنگ برنگے ٹکڑے ہیں کوئی سفید، کوئی سرخ مختلف رنگوں میں (کوئی شوخ کوئی مدہم) اور بعض حصے سخت سیاہ اور انسانوں، چار پایوں اور جانوروں کے رنگ بھی اسی طرح جدا جدا ہیں اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب بہت بخشنے والا ہے"۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً یہ رؤیت دل اور علم کی رؤیت ہے۔ کیا آپ کا علم انتہا کو نہیں پہنچا اور تیرے دل نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر رویۃ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ یہ التفات کے قاعدہ سے ہے۔

مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا، مختلفا کو نصب دی ہے کیونکہ یہ ثمرات کی صفت ہے۔ الوانہا یہ مختلفا کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ ثمرات کی صفت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے کیونکہ ذکر اسی طرف لوٹتا ہے۔ قرآن کے علاوہ میں اسے مرفوع پڑھنا جائز ہے اس کی مثل یہ جملہ ہے: رایت رجلا خارجا ابوہ۔

بہ ضمیر سے مراد پانی ہے یہ واحد ہے اور ثمرات مختلف ہیں۔ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا (فاطر: 27) جدد یہ جُدّۃ کی جمع ہے۔ یہ مختلف کیفیتوں کے راستے ہیں اگرچہ سب پتھر یا مٹی ہوتے ہیں۔ اخفش نے کہا: اگر یہ جدید کی جمع ہوتی تو ارشاد فرماتا: جُدُد۔ یعنی جیم اور دال پر ضمہ ہوتا جس طرح سریر اور سُرُر ہے۔

زہیر نے کہا:

كأنه أسفع الخدين ذو جُدُدٍ طاوٍ ويرتع بعد الصيف عُريانا(1)

محل استدلال ذو جدد ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جدد کا معنی ٹکڑے ہیں یہ جددتُ الشیء سے ماخوذ ہے جب تو اسے کاٹے(2)؛ ابن بحر نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ جوہری نے کہا: جُدّہ سے مراد وہ لکیر ہے جو گدھے کی پشت پر ہوتی ہے اور اس کے عمومی رنگ کے خلاف ہوتی ہے۔ جدہ کا معنی راستہ ہے اس کی جمع جدد ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا یعنی ایسے راستے جو پہاڑ کے رنگ کے خلاف ہوتے ہیں، اسی معنی میں ان کا قول ہے: رکب فلان جدة من الامر یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ کوئی رائے قائم کرے۔ کساء مجدد چادر میں مختلف لکیریں ہوں۔ زمخشری نے کہا: زہری نے پڑھا جُدُد، جدائد جس طرح سفينة، سُفُن اور سَفَائن۔ ابوذؤیب کے قول نے اس کی تفسیر بیان کی ہے:

جَوْنُ السَّراةِ له جدائد أربع

محل استدلال جدائد ہے۔

ان سے جَدَد دو فتحوں کے ساتھ مروی ہے، اس سے مراد واضح روشن راستہ ہے اسے طرائق اور واضح خطوط کی جگہ رکھا جو ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔

وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ اسے والدواب تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس تخفیف کی نظیر اس کی قراءت ہے جس نے پڑھا ولا الضالين کیونکہ ان میں سے ہر ایک اجتماع ساکنین سے بھاگا ہے۔ ولا الضالین میں اس نے پہلے ساکن یعنی الف کو حرکت دی اور والدواب میں اس نے دوسری باء کو حذف کر دیا(3)؛ یہ زمخشری کا قول ہے۔

وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ یعنی ان میں سرخ، سفید، سیاہ وغیرہ ہیں(4)۔ ان میں سے ہر ایک صانع پر دال ہے جو مختار ہے۔ فرمایا: مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ من کی رعایت کرتے ہوئے ضمیر کو مذکر ذکر کیا؛ یہ مورج کا قول ہے۔ ابوبکر بن عیاش نے کہا: ضمیر مذکر ذکر کی کیونکہ یہ ما مضمرہ کی طرف منسوب ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی و من الناس و من الدواب، و من الانعام ماهو مختلف ألوانه لوگوں، چوپاؤں اور جانوروں میں سے مختلف رنگوں کے ہیں، یعنی کچھ سفید، کچھ سرخ اور کچھ سیاہ۔

وَ غَرَابِیْبُ سُوْدٌ ابوعبید نے کہا: غربیب سے مراد سخت سیاہ ہے، کلام میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے پہاڑوں میں سے سخت سیاہ ہیں۔ عرب شدید سیاہ چیز جس کا رنگ کوے کے رنگ جیسا ہو(5) اس کے بارے میں کہتے ہیں: أسود غربيب۔ جوہری نے کہا: تو کہتا ہے: هذا اسود غربيب یہ سخت سیاہ ہے، جب تو کہے: غرابيب سود تو تو سود کو غرابیب سے بدل بنائے گا، کیونکہ رنگوں کی تاکید متقدم نہیں ہوتی۔ حدیث طیبہ میں ہے: ان الله يبغض الشيخ الغربيب (6) اللہ تعالیٰ اس بوڑھے کو

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 470 | 2۔ ایضاً | 3۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 610

4۔ ایضاً | 5۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 471 | 6۔ ایضاً

ناپسند کرتا ہے جو سیاہ رنگ کا خضاب لگاتا ہے۔ امرء القیس نے کہا:

العین طامحة والید سابحة والرِّجْل لافحة والوجه غرابیب(1)

نظر اٹھی ہوئی، اگلا پاؤں تیر رہا ہے اور پاؤں تیزی سے حرکت کر رہا ہے اور چہرہ سیاہ ہے۔

ایک اور شاعر کرم کی تعریف کرتا ہے:

ومن تعاجیب خلق الله غاطیةٌ یُعْصَر منها مُلاحِیٌّ و غِرابیب

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے عجوبہ روزگار وہ درخت ہے جس کی شاخیں لمبی ہیں جس سے سفید اور سیاہ رس نچوڑا جاتا ہے۔
محل استدلال غرابیب ہے۔

كَذٰلِكَ یہاں کلام مکمل ہو جاتی ہے یعنی اس طرح خشیت میں بندوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ پھر نئے سرے سے کلام کی اور فرمایا: اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ یعنی وہ علماء جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ڈرتے ہیں جس آدمی کو علم ہو کہ اللہ تعالیٰ قدیر ہے تو اسے یقین ہوگا کہ وہ معصیت پر سزا دینے پر قادر ہے(2)، جس طرح علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہاں علماء سے مراد ہے جو یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ ربیع سے انس نے کہا: جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں(3)۔ مجاہد نے کہا: بے شک عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ کی خشیت کے لیے علم کافی ہے اور دھوکہ کھانے کے لیے جہالت کافی ہے۔ سعد بن ابراہیم سے کہا گیا: اہل مدینہ میں سے کون سب سے زیادہ فقیہ ہے(4)؟ فرمایا: جو ان میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔ مجاہد سے مروی ہے: فقیہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے(5)۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حقیقی فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی رخصت نہیں دیتا، انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف نہیں کرتا اور قرآن چھوڑ کر کسی اور چیز میں رغبت نہیں کرتا۔ ایسی عبادت میں کوئی بھلائی نہیں جس میں علم نہ ہو۔ وہ علم علم نہیں جس میں فقہ نہ ہو، وہ قراءت قراءت نہیں جس میں تدبر نہ ہو(6)۔ دارمی ابو محمد نے مکحول سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عالم کی عابد پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر ہے(7)، پھر اس آیت کی تلاوت کی: اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ بے شک اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے، اہل آسمان، اہل زمین اور سمندر میں مچھلیاں ان لوگوں پر درود پڑھتے ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتے ہیں''۔ خبر مرسل ہے(8)۔

دارمی نے کہا: ابو نعمان، حماد بن زید سے وہ یزید بن حازم سے وہ اپنے چچا جریر بن زید سے وہ تبیع سے وہ حضرت کعب

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 471 2۔ ایضاً 3۔ زاد المسیر، ج6، صفحہ 263
4۔ سنن دارمی، جلد 1 صفحہ 76 5۔ ایضاً، حدیث نمبر 302 6۔ ایضاً، حدیث نمبر 303
7۔ ایضاً، صفحہ 75، حدیث نمبر 295 8۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی فضل الفقه، حدیث نمبر 2609، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سے روایت نقل کرتے ہیں میں ایسی قوم کی صفت پاتا ہوں جو عمل کے بغیر علم حاصل کرتے ہیں (1)، عبادت کے بغیر تفقہ حاصل کرتے ہیں، آخرت کے عمل کے ساتھ دنیا طلب کرتے ہیں، وہ بھیڑوں کی جلدیں پہنتے ہیں جب کہ ان کے دل مصبر سے زیادہ کڑوے ہوتے ہیں وہ میری وجہ سے دھوکہ کھاتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں، میں نے قسم اٹھا رکھی ہے میں ان کے لیے ایسا فتنہ مقدر کروں گا جو حلیم کو ان میں حیران و پریشان چھوڑے گا۔ امام ترمذی نے اسے حضرت ابودرداء سے مرفوع روایت کیا ہے ہم نے اسے کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تو کہے جو آدمی اس آیت میں لفظ اللہ پر رفع اور العلماء پر نصب پڑھتا ہے تو اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے (2)؟ وہ قراءت کرنے والے حضرت عمر بن عبد العزیز ہیں، امام ابوحنیفہ سے بھی یہ قراءت بیان کی جاتی ہے۔ میں اس کا جواب دوں گا: اس قراءت میں خشیۃ، استعارہ ہے معنی ہے اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے سامنے ان کی عزت بڑھائے گا، ان کو تعظیم عطا فرمائے گا جس طرح لوگوں میں سے اس کی عزت کی جاتی ہے جس سے ڈرا جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ یہ خشیت کے وجوب کی علت ہے، کیونکہ یہ نافرمانوں کی سزا اور ان کے قہر پر دلیل ہے۔ اور جو اہل طاعت ہیں ان کو اللہ تعالیٰ بدلہ عطا فرمائے گا، ان کو معاف کر دے گا جو سزا دے اور بدلہ دے اس کا حق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾

"بے شک جو (غور و تدبر سے) تلاوت کرتے ہیں اللہ کی کتاب کی اور نماز قائم کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے راز داری سے اور اعلانیہ وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو ہرگز نقصان والی نہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا اجر عطا فرمائے اور مزید اضافہ کرے ان کے اجر میں اپنے فضل سے، بے شک وہ بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے"۔

یہ ان قراء کے بارے میں آیت ہے جو عمل کرنے والے ہیں، عالم ہیں جو فرض اور نفل نماز کو قائم کرتے ہیں۔ یہی حکم انفاق کے بارے میں ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں وہ بحث گزر چکی ہے قاری کو جن چیزوں سے آراستہ ہونا چاہیے۔ احمد بن یحییٰ نے کہا: يَرْجُوْنَ اپنے متعلقات سے مل کر ان کی خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زیادت سے مراد آخرت میں شفاعت ہے، یہ دوسری آیت کی طرح ہے رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ

1۔ سنن دارمی، صفحہ 77، حدیث نمبر 305
2۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 611

(النور: 37) سورہ نساء کے آخر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ (آیت، 173) وہاں ہم نے ان کی وضاحت کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشنے والا ہے، وہ عمل خالص میں سے قلیل کو قبول کرتا ہے اور بہت بڑا ثواب عطا فرماتا ہے۔

وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۳۱﴾

''اور جو کتاب بذریعہ وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے سراسر حق ہے وہ تصدیق کرتی ہے پہلی کتابوں کی، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سارے احوال سے باخبر ہے اور دیکھنے والا ہے''۔

کتاب سے مراد قرآن ہے لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ سے مراد کتب ہیں۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۳۳﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿۳۴﴾ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

''پھر ہم نے وارث بنایا اس کتاب کا ان کو جنہیں ہم نے چن لیا تھا اپنے بندوں سے، بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ رو ہیں اور بعض سبقت لے جانے والے ہیں نیکیوں میں اللہ کی توفیق سے، یہی (اللہ تعالیٰ کا) بہت بڑا فضل (وکرم) ہے۔ سدا بہار باغات، یہ ان میں داخل ہوں گے پہنائے جائیں گے انہیں وہاں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوں گی۔ (شکر نعمت کے طور پر) کہیں گے: سب ستائش اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے دور کر دیا ہم سے غم (واندوہ)، یقیناً ہمارا رب بخشنے والا بڑا قدر دان ہے، جس نے ہمیں بسایا ہے ابدی ٹھکانے پر اپنے فضل (واحسان) سے نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تکلیف اور نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تھکن''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یہ آیت مشکل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا پھر فرمایا: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ اس میں علماء جو صحابہ، تابعین اور ان کے بعد سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے گفتگو کی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ سے مراد کافر ہے؛ اسے ابن عیینہ نے عمرو بن دینار سے وہ عطا سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ

مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ کہا: دو فرقے نجات پا گئے عربی میں تقدیر کلام یہ ہوگی فمنهم من عبادنا ظالم لنفسه یہاں ظالم سے مراد کافر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد فاسق ہے۔

يَدْخُلُوْنَهَا میں جو ضمیر ہے وہ مقتصد اور سابق کی طرف لوٹے گی ظالم کی طرف نہیں لوٹے گی۔ عکرمہ، قتادہ، ضحاک اور فراء نے کہا کہ مقتصد سے مراد مومن نافرمان ہے۔ اور سابق سے مراد مطلق متقی ہے۔ علماء نے کہا: یہ آیت سورۂ واقعہ کی آیت کی مثل ہے وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۞ علماء نے کہا: یہ بعید ہے کہ ظالم کو چنا جائے؛ اسے مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مجاہد نے کہا: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ سے مراد اصحاب مشامہ ہیں۔

وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ سے مراد اصحاب میمنہ ہیں۔ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ تمام لوگوں سے سبقت لے جانے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَدْخُلُوْنَهَا میں ضمیر تین اصناف کی طرف لوٹتی ہے، اس شرط پر کہ یہاں ظالم سے مراد کافر اور فاسق نہیں۔ جن سے یہ قول مروی ہے وہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابو درداء، حضرت ابن مسعود، حضرت عقبہ بن عمرو اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس قول کی بنا پر تقدیر کلام یہ ہوگی کہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا وہ ہے جو چھوٹے گناہ کرتا ہے۔ مُّقْتَصِدٌ محمد بن یزید نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جو دنیا کو اپنا حق دیتا ہے اور آخرت کو اس کا حق دیتا ہے۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا اس مضاف کی صورت میں ضمیر تمام کی طرف لوٹے گی؛ یہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

کعب الاحبار نے کہا: کعبہ کے رب کی قسم! وہ سب ہم مرتبہ ہیں اور انہوں نے اپنے اعمال کے ساتھ باہم فضیلت حاصل کی (1)۔ ابو اسحاق سبیعی نے کہا: جو میں نے ساٹھ سال سے سنا ہے یہ ہے کہ ''وہ سب نجات پانے والے ہیں'' (2)۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا پھر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہم میں سے سبقت لے جانے والا سبقت لے جانے والا ہے، ہم میں سے میانہ روی اختیار کرنے والا نجات پانے والا ہے اور ہمارا ظالم بخشا ہوا ہے'' (3)۔ اس قول کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا میں اِصطفینا کا مفعول مقدر ہوگا جو مضاف ہوگا اس کو اسی طرح حذف کر دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ (یوسف:82) میں مضاف مقدر ہے یعنی اصطفینا دینهم مضاف کے حذف کے بعد اصطفیناهم باقی بچا پھر ضمیر عائد کو حذف کر دیا جو اسم موصول کی طرف لوٹ رہی تھی جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْۤ اَعْيُنُكُمْ (ہود:31) میں حذف ہے یہ اصل میں تزدريهم تھا پس اصطفاء کو ان کے دین کی طرف پھیرا گیا ہے جس طرح فرمایا گیا: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ (البقرہ:132)

نحاس نے کہا: ایک تیسرا قول بھی ہے کہ ظالم سے مراد کبیرہ گناہ کرنے والا ہو اور مقتصد وہ ہو جو برائیوں پر زیادہ نیکیوں کے ساتھ جنت کا مستحق نہ ہوا۔ اور جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا یہ خوشخبری صرف ان لوگوں کے لیے ہو جو بھلائی میں سبقت لے گئے یہ کسی اور کے لیے نہ ہو؛ یہ قول اہل نظر کی ایک جماعت کا ہے کیونکہ نظر و فکر کے اعتبار سے ضمیر کو قریب ترین مرجع کی طرف لوٹانا زیادہ مناسب ہے۔

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 266　2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 155　3۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 613

میں کہتا ہوں: درمیانہ قول زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح ہے ان شاء اللہ، کیونکہ کافر اور منافق اللہ تعالیٰ کی تعریف کے لیے چنے ہوئے نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے دین کو چنا؛ یہ چھ صحابہ کا قول ہے اور تیرے لیے یہی کافی ہے۔ ہم باقی ماندہ آیت میں اس کی مزید وضاحت کریں گے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ یعنی ہم نے کتاب عطا کی۔ میراث عطا ہی ہوتی ہے حقیقۃً ہو یا مجازاً ہو(1)، کیونکہ یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ چیز ایک انسان کی موت کے بعد دوسرے کے لیے ہو اور یہاں الکتاب سے مراد کتاب کے معانی، اس کا علم، اس کے احکام اور اس کے عقائد ہیں گویا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو قرآن عطا فرمایا جبکہ وہ نازل کردہ کتابوں کے معانی کو اپنے ضمن میں لیے ہوتے ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اسی کتاب کا وارث بنایا جو ہم سے قبل امتوں میں سے تھا(2)۔

اصْطَفَيْنَا ہم نے انہیں چن لیا۔ یہ صفو سے مشتق ہے اس سے مراد ہے آلودگیوں سے پاک ہونا۔ یہ اصل میں اصتفونا تھا تاء کو طاء سے اور واؤ کو یاء سے بدل دیا۔

مِنْ عِبَادِنَا ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے(3)۔ یہ لفظ ہر امت کے مومنوں کا احتمال رکھتا ہے مگر کتاب کا وارث بنانے کی وضاحت صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے ہے جب کہ پہلی امتیں وارث نہ ہوئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جن کو چنا گیا ہے وہ انبیاء ہیں(4)۔ وہ کتاب کے وارث بنے اس کا معنی ہوگا یہ امر بعض سے بعض کی طرف منتقل ہوا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (النمل: 16) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ (مریم: 6) جب یہ جائز ہے کہ نبوت موروثی ہو تو کتاب بھی اسی طرح ہوئی۔

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو گناہ صغیرہ میں واقع ہوئے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ قول کئی وجوہ سے مروی ہے۔ ضحاک نے کہا: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ یعنی ان کی ذریت میں ایسا شخص ہوگا جو اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوگا۔ وہ مشرک ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ان کی امتوں میں سے کچھ ظالم ہوں گے، جس طرح ظالم کے بارے میں اختلاف پہلے گزر چکا ہے۔

یہ آیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بارے میں ہے۔ صاحب دل لوگوں کی عبارات، ظالم، مقتصد اور سابق کے بارے میں مختلف ہیں۔ حضرت سہیل بن عبداللہ نے کہا: سابق سے مراد عالم ہے(5)، مقتصد سے مراد دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہے اور سابق سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے۔ انطاکی نے کہا: ظالم جو اقوال والا ہے، مقتصد جو افعال والا ہے اور سابق جو احوال والا ہے۔ ابن عطا نے کہا: ظالم وہ ہے جو دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، مقتصد وہ ہے جو

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 264 — 2۔ ایضاً — 3۔ ایضاً

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 473 — 5۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 527

آخرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو حق کی مراد کے ساتھ اپنی مراد ساقط کر دیتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم سے مراد وہ ہے جو جہنم کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، مقتصد وہ ہے جو جنت کی طمع میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو محض اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے کسی اور سبب سے اس کی عبادت نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم وہ ہے جو دنیا میں زہد اختیار کرتا ہے کیونکہ اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اس کے حصہ کو ترک کر دیا وہ معرفت اور محبت ہے، مقتصد سے مراد عارف ہے اور سابق سے مراد محب ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم سے مراد وہ ہے جو آزمائش کے وقت جزع فزع کرتا ہے، مقتصد وہ ہے جو آزمائش پر صبر کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو آزمائش سے لذت حاصل کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم وہ ہے جو غفلت اور عادت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، مقتصد وہ ہے جو رغبت اور خوف کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو اس کی ہیبت کی بنا پر عبادت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم وہ ہے جسے عطا کیا گیا تو اس نے مال روک لیا، مقتصد وہ ہے جس کو مال عطا کیا گیا تو اس نے خرچ کیا اور سابق وہ ہے جس سے مال روکا گیا تو اس نے شکر کیا اور دوسروں کو ترجیح دی۔

یہ روایت کی جاتی ہے کہ دو عبادت گزار آپس میں ملے ایک نے پوچھا: بصرہ میں تمہارے بھائیوں کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: اچھا حال ہے۔ اگر انہیں عطا کیا جائے تو شکر کرتے ہیں اگر انہیں کوئی چیز نہ ملے تو صبر کرتے ہیں تو پہلے نے کہا: ہمارے ہاں بلخ میں یہ کتوں کی حالت ہے۔ ہمارے دوستوں کو اگر کچھ نہ ملے تو شکر کرتے ہیں اگر انہیں کچھ عطا کیا جائے تو دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم وہ ہے جو اپنے مال کے ساتھ غنی ہو اور مقتصد وہ ہے جو اپنے دین کے ساتھ غنی ہو اور سابق وہ ہے جو اپنے رب کے ساتھ غنی ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم سے مراد وہ ہے جو قرآن کی تلاوت کرے اور اس پر عمل نہ کرے (1) اور مقتصد وہ ہے جو قرآن کی تلاوت کرے اور اس پر عمل کرے اور سابق ایسا قاری ہے جو قرآن پر عمل کرے اور اس کا علم بھی حاصل کرے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: سابق وہ ہے جو موذن کی آذان سے پہلے مسجد میں داخل ہوا اور مقتصد وہ ہے جو مسجد میں اس وقت داخل ہو جب آذان ہو چکی ہو اور ظالم وہ ہے جو مسجد میں اس وقت داخل ہو جب اقامت کہی جا چکی ہو، کیونکہ اس نے اجر میں کمی کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اس نے اپنے نفس کو وہ چیز نہ دی جو غیر نے اپنے نفس کو دی تھی۔ بعض علماء نے اس بارے میں کہا: بلکہ سابق وہ ہے جو وقت اور جماعت دونوں پائے اور دونوں فضیلتیں حاصل کرے اور مقتصد وہ ہے اگر اس سے جماعت فوت ہو جائے تو وقت کو فوت نہ کرے اور ظالم وہ ہے جو نماز سے غافل ہو یہاں تک کہ وقت اور جماعت دونوں فوت ہو جائیں تو یہ ظالم کہلانے کا زیادہ مستحق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم وہ ہے جو اپنی ذات سے محبت کرتا ہو، مقتصد وہ ہے جو اپنے دین سے محبت کرتا ہو اور سابق وہ ہے جو اپنے رب سے محبت کرتا ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم وہ ہے جو انصاف چاہتا ہے اور وہ خود انصاف نہیں کرتا، مقتصد وہ ہے جو انصاف چاہتا ہے

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 527

اور انصاف کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو انصاف کرتا ہے اور اس سے انصاف نہیں کیا جاتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے: سابق وہ ہے جس نے ہجرت سے قبل اسلام قبول کیا، مقتصد وہ ہے جس نے ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا اور ظالم وہ ہے جس نے تلوار کی وجہ سے اسلام قبول کیا یعنی مسلمانوں کے غلبہ کی وجہ سے اسلام قبول کیا، یہ سب مغفور ہیں۔

میں کہتا ہوں: ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ان اقوال کو اور کچھ زائد اقوال کو ذکر کیا، خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ دونوں طرفیں اور واسطہ ہے مقتصد وہ ہے جو میانہ روی کو لازم پکڑتا ہے اس سے مراد کسی جانب مائل ہونے کو ترک کرنا ہے اس معنی میں جابر بن حنی تغلبی کا قول ہے:

نعاطی الملوك السّلم ما قصدوا لنا	ولیس علینا قتلهم بمحرّم

مراد ہے جو ہمارے ساتھ میانہ روی کرے یعنی ہم پر ظلم نہ کرے تو ہم ان کے ساتھ صلح کرتے ہیں اگر وہ ظلم کریں تو ان کو قتل کرنا ہم پر حرام نہیں۔

اسی وجہ سے مقتصد دونوں منزلوں کے درمیان منزل ہے، یہ اپنی جان پر ظلم کرنے والے سے اوپر اور خیرات کی طرف سبقت لے جانے والے سے نیچے ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ یعنی انہیں ہماری جانب سے کتاب کا دیا جانا بڑا فضل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے عیوب جاننے کے باوجود انہیں منتخب کرنا بڑا فضل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان تینوں طبقات کے ساتھ جنت کا وعدہ کرنا بڑا فضل ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ظالم کو مقتصد اور سابق پر کیوں مقدم کیا گیا اس میں علماء نے گفتگو کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذکر میں مقدم ہونا یہ شرف کا تقاضا نہیں کرتا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ (الحشر: 20) آیت میں اصحاب النار کو مقدم کیا گیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم کو مقدم اس لیے کیا گیا کیونکہ اکثر فاسق ان میں سے ہوتے ہیں اور ان کا غلبہ ہوتا ہے اور مقتصد ان کے مقابلہ میں تھوڑے ہوتے ہیں اور سابقین تو بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں (1)؛ اسے زمخشری نے ذکر کیا ہے کیونکہ اس کے حق میں رجا مقدم ہے کیونکہ کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس پر بھروسہ کیا جائے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ہی بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ مقتصد حسن ظن پر اعتماد کرتا ہے اور سابق طاعت پر اعتماد کرتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظالم کو مقدم کیا گیا ہے تاکہ اس کے حق میں امید کو مؤکد کیا جائے کیونکہ اس کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں جس پر وہ اعتماد کرے صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسی چیز ہے جس پر وہ اعتماد کر سکتا ہے۔ سابق کو مؤخر کیا تاکہ وہ اپنے عمل پر عجب کا اظہار نہ کرے۔

جعفر بن محمد بن علی صادق رضی اللہ عنہم نے کہا: ظالم کو متقدم کیا تاکہ اس بات کی خبر دے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتا

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 613

مگر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم سے قرب حاصل کر سکتا ہے، کیونکہ جہاں عنایت ہو وہاں ظلم انتخاب میں موثر نہیں ہو سکتا پھر دوسرے نمبر پر مقتصدین کا ذکر کیا کیونکہ وہ خوف و رجاء کے درمیان ہیں پھر سابقین پر کلام کو ختم کیا تا کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہ ہو۔ یہ سب کلمہ اخلاص کی حرمت کے باعث جنت میں ہیں، کلمہ اخلاص یہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

محمد بن علی ترمذی نے کہا: اصطفاء میں سب کو جمع کیا مقصود عطا سے جور کا وٹیں ہیں ان کو زائل کرنا ہے کیونکہ اصطفاء یہ ارث کو ثابت کرتا ہے، ارث، اصطفاء کو ثابت نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے حکمت میں کہا: نسبت کو ثابت کر پھر میراث میں دعوی کر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سابق کو موخر کیا تا کہ وہ جنات اور ثواب کے زیادہ قریب ہو، جس طرح صوامع اور بیع کو سورۂ حج میں مساجد پر مقدم کیا تا کہ صوامع گرانے اور برباد کیے جانے کے زیادہ قریب ہو جائیں اور مساجد اللہ کے ذکر کے زیادہ قریب ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بادشاہوں کا طریقہ یہ ہے جب وہ چند چیزوں کو اکٹھا ذکر کرنا چاہتے ہیں تو وہ ادنی کو پہلے لاتے ہیں جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ (الانعام) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ۝ (الشوری) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ (الحشر: 20)

میں کہتا ہوں جس نے کہا کتنا اچھا کہا:

وغاية الجود أنت وإنما يوافى إلى الغايات فى آخر الأمر

اس سخاوت کی انتہاء تو ہے بے شک امر کے آخر میں ہی غایات تک پہنچا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا جنت میں داخل ہونے کے امر میں سب کو جمع کیا کیونکہ یہ میراث ہے نافرمان اور اطاعت گزار میراث میں برابر ہوتے ہیں جب وہ نسب کا اعتراف کریں نافرمان اور اطاعت گزار رب کا اقرار کرتے ہیں۔ اسے جنة عدن بھی پڑھا گیا ہے(1) گویا وہ ایسی جنت ہے جو سابقین کے لیے خاص ہے کیونکہ وہ تعداد میں تھوڑے ہیں، جس طرح پہلے گزرا ہے۔ اسے جنات عدن بھی پڑھا گیا ہے(2) فعل مضمر ہے جس کی تفسیر ظاہر فعل کرتا ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی ید خلون جنات عدن ید خلونها یاء کے ضمہ اور خاء کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے، اس نے یہ قول یحلون کی وجہ سے کیا ہے سورۂ حج میں اس بارے میں کلام گزر چکی ہے۔ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ۝ (الحج: 23)

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ابو ثابت نے کہا: ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا تو اس نے یوں دعا کی! اے اللہ! میری مسافرت پر رحم فرما، میری تنہائی میں مجھ پر مہربانی کر اور مجھے صالح ساتھی عطا فرما۔ حضرت ابو درداء نے ارشاد

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 613 2۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 614

فرمایا: اگر تو سچا ہے تو میں اس کے ساتھ تیری بنسبت زیادہ سعادت مند ہوں (1)، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ کہا: وہ سبقت لے جانے والا آئے گا وہ حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا۔ جہاں تک مقتصد کا تعلق ہے تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور جہاں تک اپنی جان پر ظلم کرنے والے کا تعلق ہے تو اسے اس کی جگہ محبوس رکھا جائے گا، اسے شرمندہ کیا جائے گا، اسے تنبیہ کی جائے گی پھر وہ جنت میں داخل کیا جائے گا، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ''۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ''جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا انہیں میدان محشر میں طویل عرصہ تک محبوس رکھا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنی آغوش رحمت میں لے لے گا تو یہی وہ لوگ ہیں جو کہیں گے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۙ الَّذِيْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ''

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہی وہ شخص ہے جس کو اسی جگہ پکڑ لیا جائے گا یہاں تک کہ جو اسے غم اور حزن پہنچے گا اس کے ساتھ اس کا کفارہ ادا ہوگا اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (النساء: 123) یعنی دنیا میں اسے بدلہ دے دیا جائے گا۔ ثعلبی نے کہا: یہ تاویل ظاہر کے زیادہ مشابہ ہے۔ کیونکہ ارشاد فرمایا: جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا اور ارشاد فرمایا الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا کافر اور منافق کو نہیں چنا گیا۔

میں کہتا ہوں: یہی صحیح ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحانہ کی مثل ہے جس کی خوشبو عمدہ ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے'' (2)۔ خبر دی کہ منافق اسے پڑھے گا اور حق تعالیٰ نے یہ بھی خبر دی کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوگا۔ کفار، یہودیوں اور نصاریٰ میں سے کثیر لوگ ہمارے زمانے میں اسے پڑھتے ہیں۔ امام مالک نے کہا: بعض اوقات قرآن ایسا شخص پڑھتا ہے جس میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ نصب کا معنی تھکاوٹ ہے لغوب کا معنی تھکا دینا ہے (3)۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَ هُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾

''اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے دوزخ کی آگ (تیار) ہے نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکر گزار کو۔ اور وہ اس میں چیختے چلاتے ہوں گے (فریاد کریں گے) اے ہمارے رب! (ایک بار) ہمیں یہاں سے نکال ہم بڑے نیک کام کریں گے ایسے

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 526 2۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، جلد 2، صفحہ 757 3۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 267

نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں (بآسانی) نصیحت قبول کرسکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تشریف لے آیا تھا تمہارے پاس ڈرانے والا (تم نے اس کی بات نہ مانی)، پس اب (اپنے کیے کا) مزا چکھو ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں''۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ جب اہل جنت، ان کے احوال اور ان کے قول کا ذکر کیا تو اہل نار، ان کے احوال اور ان کے قول کا ذکر کیا۔ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا یہ اسی طرح ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے: لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ (طہ)

وَ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا یہ اسی کی مثل ہے جس طرح فرمایا: كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ (النساء: 56) كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ یعنی الله اور اس کے رسول کا انکار کرنے والا۔ حضرت حسن بصری نے فیموتون نون کے ساتھ قراءت کی ہے اس وقت یہ نفی کا جواب نہیں ہوگا اور فیموتون، یقضی پر معطوف ہوگا اس کی تقدیر یہ ہوگی لا یقضی علیھم ولا یموتون(1) جس طرح الله تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝ (المرسلات) کسائی نے کہا: ولا یوذن لھم فیعتذرون مصحف میں نون کے ساتھ ہے کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے۔ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا یہ آیت کا سرا نہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک میں وہ صورت جائز ہے جو دوسری میں جائز ہے۔ وَ هُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا وہ جہنم میں بلند آواز سے چیخیں گے۔ صراح سے مراد بلند آواز ہے صارخ سے مراد مدد طلب کرنے والا اور مصرخ سے مراد مدد کرنے والا ہے۔ شاعر نے کہا:

كنا إذا ما أتانا صارخ فَزِعٌ كان الصراخُ له قرع الظّنابيب

جب کوئی خوفزدہ مدد کا طالب ہمارے پاس آتا ہے تو اس کی چیخ کیل کا ٹھوکنا ہوتی ہے۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں جہنم سے نکال دو اور ہمیں دنیا کی طرف لوٹا دو۔ نَعْمَلْ صَالِحًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ نقل کیا گیا ہے عمل صالح سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ جو ہم شرک کرتے تھے اس کے برعکس ہے، یہی ان کے قول کا معنی ہے، یعنی ہم کفر کی بجائے ایمان لاتے ہیں، معصیت کی بجائے اطاعت کرتے ہیں اور رسولوں کی اطاعت کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ یہ ان کی دعا کا جواب ہے، یعنی انہیں کہا جائے گا پس قول مضمر ہے۔ امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: باب من بلغ ستین سنة فقد اعذر الله الیه فی العمر لقوله عزوجل، اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ، یہاں نذیر سے مراد بڑھاپا ہے۔ عبد السلام، عمر بن علی سے وہ معن بن محمد غفاری سے وہ سعید بن ابی سعید سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ''الله تعالیٰ نے اس آدمی کے لیے کوئی عذر نہیں چھوڑا جس کی عمر کو لمبا کیا یہاں تک کہ اسے ساٹھ سال کر دیا(2)۔ خطابی نے کہا: اعذر الیہ اسے آخری عذر تک پہنچا دیا۔ اسی معنی میں ان کا قول ہے: قد اعذر من انذر جس کو خبردار کیا جائے اس

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 615 2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، من بلغ ستین سنة فقد أعذر الله، جلد 2، صفحہ 950

کے لیے کوئی عذر نہ چھوڑا۔

اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ساٹھ سال کی عمر عطا کی اس کے لیے کوئی عذر نہیں چھوڑا، کیونکہ ساٹھ سال کی عمر موتوں کا معرکہ ہے، یہ لوٹنے، عاجزی کا اظہار کرنے، موت کی تاڑ میں رہنے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی عمر ہے اس میں ایک عذر کے اختتام کے بعد دوسرے عذر کا اختتام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''موت چالیس اور ساٹھ سال کی عمر کے درمیان ہے''۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ کی تاویل میں کہا: اس سے مراد ساٹھ سال ہیں (1)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نصیحت میں ارشاد فرمایا: ''جس ذات نے خبردار کیا اس نے کوئی عذر نہیں چھوڑا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک منادی کرنے والا ساٹھ سال کی عمر کے لوگوں کو ندا کرتا ہے: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ'' حکیم ترمذی، عطا بن ابی رباح کی حدیث سے نقل کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب قیامت کا روز ہوگا تو ساٹھ سال کے عمر کے لوگوں کو ندا کی جائے گی یہی وہ عمر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ'' (2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس سے مراد چالیس سال ہیں۔

حضرت حسن بصری اور مسروق سے اسی کی مثل مروی ہے۔ اسی قول کی وجہ سے بھی وہ صحیح ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً (الاحقاف: 15) چالیس سال کی عمر میں عقل مکمل ہو جاتی ہے اس سے قبل اور اس کے بعد اس میں کمی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ امام مالک نے کہا: میں نے اپنے شہر کے علماء کو پایا کہ وہ دنیا اور علم کے طالب ہوتے اور لوگوں سے میل جول رکھتے یہاں تک کہ ان میں سے کسی کی عمر چالیس سال ہو جاتی۔ جب اس کی عمر چالیس سال کی ہو جاتی تو وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو جاتا اور قیامت کی تیاری میں مشغول ہو جاتا یہاں تک کہ اسے موت آ جاتی۔ سورۂ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری امت کی عمر ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوگی جو لوگ اس عمر سے تجاوز کریں گے وہ بہت تھوڑے ہوں گے'' (3)۔

وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ اسے جاء تکم النذر بھی پڑھا گیا ہے اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: النذیر سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول ہے؛ یہ زید بن علی اور ابن زید نے کہا (4)۔ حضرت ابن عباس، عکرمہ، سفیان، وکیع، حسین بن فضل، فراء اور طبری نے کہا: اس سے مراد بڑھاپا ہے (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نذیر سے مراد بخار ہے (6)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اہل اور قریبی رشتہ داروں کی موت (7)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کمال عقل۔ اور نذیر انذار کے معنی میں ہے (8)۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 476　2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 339

3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 529۔ سنن ابن ماجہ، باب الأمل والأجل، حدیث نمبر 4225، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 476　5۔ ایضاً　6۔ ایضاً　7۔ ایضاً　8۔ ایضاً

میں کہتا ہوں: بڑھاپا، بخار اور اہل کی موت سب موت سے خبر دار کرنے والے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بخار موت کی تلاش کرنے والا ہے'' (1)۔ ازہری نے کہا: اس کا معنی ہے بخار موت کا پیغام لانے والا ہے، گویا یہ بخار موت کے آنے کا شعور دلانے والا اور اس کے آنے سے خبر دار کرنے والا ہے۔ بڑھاپا (بالوں کا سفید ہونا) بھی نذیر ہے یہ پختگی کی عمر میں آتا ہے یہ بچپنے کی عمر کی جدا ہونے کی علامت ہے جو عمر لہو و لعب کی عمر تھی۔ شاعر نے کہا:

رأیت الشیب من نُذُرِ المنایا　　لصاحبه و حَسْبُك من نذیر

میں نے بالوں کی سفیدی کو سفید بالوں والے کے لیے موتوں سے خبر دار کرنے والا خیال کیا تیرے لیے خبر دار کرنے والا کافی ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فقلت لها المشیبُ نذیرُ عمری　　ولست مسودا وجه النذیر

میں نے اسے کہا: بالوں کی سفیدی خبر دار کرنے والی ہے، میں خبر دار کرنے والے کا چہرہ سیاہ کرنے والا نہیں۔

جہاں تک اہل، قریبی رشتہ داروں، اصحاب اور بھائیوں کی موت کا تعلق ہے تو یہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں کوچ کے بارے میں خبر دار کرنے والا امر ہے۔

شاعر نے کہا:

وأراك تحملهم ولستَ تردهم　　فكأنني بك قد حُملت فلم تُردَّ

میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو انہیں اٹھاتا ہے اور تو انہیں واپس نہیں لاتا گویا مجھے تیرے ہاتھوں اٹھایا گیا تجھے واپس نہیں کیا گیا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

الموت فی کل حین ینشر الکفنا　　ونحن فی غفلة عما یُرادُ بنا

موت ہر لحہ کفن کو کھولتی ہے اور ہمارے بارے میں جو ارادہ کیا جاتا ہے ہم اس سے غفلت میں ہیں۔

جہاں تک کمال عقل کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ ہی امور کے حقائق کو پہچانا جاتا ہے اور نیکیوں اور برائیوں میں فرق کیا جاتا ہے عاقل آخرت کے لیے عمل کرتا ہے اور اس کے رب کے ہاں جو کچھ ہوتا ہے اس میں رغبت رکھتا ہے تو پس عقل خبر دار کرنے والا ہے۔ جہاں تک حضرت محمد مصطفی علیہ التحیۃ والثناء کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بندوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے مقصود ان کی حجتوں کو ختم کرنا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء: 165) اور فرمایا: وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ (الاسراء)

فَذُوْقُوْا مراد جہنم کا عذاب ہے کیونکہ تم نے نہ عبرت حاصل کی اور نہ ہی تم نے نصیحت حاصل کی۔ فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ظالموں کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 477

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

''بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین میں ہر چھپی ہوئی چیز کو، یقیناً وہ جانتا ہے دلوں کے رازوں کو''۔

اس کی وضاحت کئی مواقع پر گزر چکی ہے معنی ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اگر وہ تمہیں دنیا کی طرف لوٹائے تو تم اچھے اعمال نہیں کرو گے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام:28) عالم، اسم فاعل کا صیغہ جب تنوین کے ساتھ نہ ہو تو یہ زمانہ ماضی اور زمانہ مستقبل کا معنی دیتا ہے اور جب تنوین کے ساتھ ہو تو صرف زمانہ ماضی کے لیے ہوگا۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝

''وہی ہے جس نے تمہیں (گزشتہ قوموں کا) جانشین بنایا زمین میں، پس جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال بھی اسی پر ہوگا، اور نہیں اضافہ کرے گا کفار کے لیے ان کا کفر اللہ کی جناب میں بجز ناراضگی کے اور نہ اضافہ کرے گا کفار کے لیے ان کا کفر بجز گھاٹے (اور خسران) کے''۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ قتادہ نے کہا: نائب کے بعد نائب، قوم کے بعد قوم۔ خلف سے مراد متقدم کے بعد آنے والا ہوتا ہے، اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: اے اللہ کے خلیفہ! فرمایا: میں تو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ نہیں بلکہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں اور میں اس پر راضی ہوں (1)۔

فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ یعنی اس پر کفر کی جزا ہے اس سے مراد عقاب اور عذاب ہے۔ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا، مقت سے مراد بغض اور غضب ہے۔ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا، خسارا سے مراد ہلاکت اور گمراہی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝

''آپ فرمایئے: کیا تم نے دیکھے ہیں اپنے شریک جنہیں تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا، مجھے بھی تو دکھاؤ زمین کا وہ گوشہ جو انہوں نے بنایا ہے یا ان کی کوئی شراکت ہو آسمانوں (کی تخلیق) میں یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہو اور وہ اس کے روشن دلائل پر عمل پیرا ہوں (کچھ بھی نہیں) بلکہ یہ ظالم محض ایک دوسرے ساتھ جھوٹے (دلفریب) وعدے کرتے رہتے ہیں''۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 477

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ، شرکاءکم فعل رویۃ کی وجہ سے منصوب ہے اس پر رفع دینا جائز نہیں۔ سیبویہ کے نزدیک رفع دینا جائز ہے ان کا قول ہے: قد علمت زیدا ابومن هو؟ زید مستفهم عنه کے معنی میں ہے اگر تو کہے: أریت زیدا أبومن هو؟ اس صورت میں زید پر رفع دینا جائز نہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے اس کا معنی ہے مجھے اس کے بارے میں بتائیے اسی طرح اس آیت کا معنی ہے: مجھے اپنے شریکوں کے بارے میں بتاؤ جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو کیا تم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہو کیونکہ ان کا آسمانوں کی تخلیق میں کوئی حصہ ہے یا انہوں نے زمین کی کسی چیز کو پیدا کیا ہے؟

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا یا ان کے پاس کوئی کتاب ہے جسے ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے جس میں شرکت کا ذکر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی کی عبادت کرتا ہے اس کا اس میں رد ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کو نہیں پاتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہو کہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے۔

فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ابن کثیر، ابوعمرو، حمزہ اور حفص نے عاصم سے علی بينة واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ دونوں معانی قریب قریب ہیں مگر جمع کی قراءت زیادہ بہتر ہے، کیونکہ جس نے بينة قراءت کی وہ اس امر سے خالی نہیں کہ اس نے سواد اعظم کی مخالفت کی یا وہ اس آدمی کی لغت میں اسے لایا جو یہ کہتا ہے: جاءنی طلحت اور تاء پر وقف کرتا ہے، یہ لغت شاذ اور قلیل ہے؛ یہ نحاس کا قول ہے۔ ابوحاتم اور ابوعبید نے کہا: جمع کا صیغہ ذکر کرنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ خط کے موافق ہے کیونکہ مصحف عثمانی میں یہ بینات الف تاء کے ساتھ ہے۔

بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا یعنی ایسی باطل چیزوں کا وعدہ کرتے جو سراسر دھوکہ دینے والی تھیں۔ یہ سرداروں کا نچلے درجے کے لوگوں کے لیے قول تھا کہ یہ معبود تمہیں نفع پہنچائیں گے اور تمہیں قرب عطا کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شیطان مشرکوں سے یہ وعدہ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان سے وعدہ کیا کہ ان کی مدد کی جائے گی (1)۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

”بے شک اللہ تعالیٰ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو تا کہ وہ اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں اور اگر وہ سرکنے لگیں تو کوئی نہیں روک سکتا انہیں اللہ تعالیٰ کے بعد، بے شک وہ بڑا حلیم (اور) بخشنے والا ہے“۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا جب اس امر کو واضح کیا کہ ان کے معبود آسمانوں اور زمین کی کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہیں تو اس امر کو بیان کیا کہ ان کا خالق اور ان کو ان کی جگہ روکنے والا اللہ تعالیٰ ہے کوئی حادث چیز پیدا نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ہی اسے پیدا فرماتا ہے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی مگر اس کی بقا کے ساتھ باقی رہتی ہے۔ ان محل نصب میں ہے اور اس معنی میں ہے کراهة أن تزولا یا لئلا تزولا یا اس معنی پر محمول ہوگا کیونکہ معنی ہے اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو سرکنے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 478

سے روکتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اضمار کی کوئی ضرورت نہیں؛ یہ زجاج کا قول ہے۔

وَ لَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ فراء نے کہا: یعنی اگر دونوں اپنی جگہ سے زائل ہو جائیں تو کوئی انہیں روکنے والا نہیں (1)۔ ان، ما کے معنی میں ہے۔ فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثل ہے: وَ لَئِنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ (الروم) ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد قیامت کے روز دونوں کا اپنی جگہ سے زائل ہو جانا ہے۔ ابراہیم سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک شاگرد کعب الاحبار کے پاس گیا تا کہ اس سے علم سیکھے جب وہ واپس آیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: تو نے کعب الاحبار سے کیا سیکھا؟ اس نے عرض کی: میں نے کعب کو کہتے ہوئے سنا: آسمان قطب پر گھوم رہا ہے جس طرح چکی کا قطب ہوتا ہے جو اس ستون میں ہے جو ایک فرشتے کے کندھے پر ہے (2)۔ حضرت عبداللہ نے اسے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ تو اپنی سواری اور اس کے کجاوے کو لٹا دے کعب نے جھوٹ بولا اس نے اپنی یہودیت کو ترک نہیں کیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا آسمان نہیں گھومتے اگر گھومتے ہوتے تو اپنی جگہ سے زائل ہو جاتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اس کی مثل مروی ہے آپ نے شام سے آنے والے ایک آدمی سے فرمایا: تو وہاں کس سے ملا؟ اس نے عرض کی: کعب سے۔ پوچھا: تو نے اسے کیا کہتے ہوئے سنا؟ اس نے عرض کی: میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: آسمان فرشتے کے کندھے پر ہیں۔ فرمایا: کعب نے جھوٹ بولا ہے۔ کیا اس نے ابھی تک یہودیت کو ترک نہیں کیا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا آسمان سات ہیں اور زمینیں سات ہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ ان دونوں کا ذکر فرماتا ہے تو ان کو دو چیزوں کی حیثیت سے ذکر فرماتا ہے تو پس ضمیر ان دونوں کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (الانبیاء: 30) پھر آیت کو اس ارشاد پر ختم کیا: اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا کیونکہ وہ معنی جسے بعض اہل تاویل نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے اللہ تعالیٰ زمین اور آسمان کو اس سے روکتا ہے کہ وہ کافروں کے کفر اور ان کے قول کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے کی وجہ سے زائل ہی نہ ہو جائیں۔ کلبی نے کہا: جب یہودیوں نے کہا: حضرت عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ نصاریٰ نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں تو قریب تھا کہ آسمان اور زمین اپنی جگہ سے ہل جائیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روک لیا (3)، اور اس بارے میں اس آیت کو نازل فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ (مریم)

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ لَّیَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَكْرَ السَّیِّئِ ؕ وَ لَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ ۚ

1۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 269 | 2۔ تفسیر طبری، جز 22، صفحہ 170 | 3۔ زاد المسیر، جز 6، صفحہ 269

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝

''اور (کفار مکہ) اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ زیادہ ہدایت قبول کریں گے پہلی امتوں سے پس جب آ گیا ان کے پاس ڈرانے والا تو ان کی (حق سے) نفرت اور بڑھ گئی وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے زمین میں اور گھناؤنی سازشیں کرنے لگے، اور نہیں گھیرتی گھناؤنی سازش بجز سازشیوں کے، پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو پہلے (نافرمانوں) کے ساتھ کیا گیا تھا (اگر یہ بات ہے) تو آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی اور آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تغیر''۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ قسم اٹھانے والوں سے مراد قریش ہیں (1) اس سے قبل کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمائے قریش نے یہ قسم اٹھائی تھی جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ اہل کتاب نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا قریش نے ان لوگوں پر لعنت کی جنہوں نے اپنے نبی کو جھٹلایا تھا اور اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائی تھی کہ اگر ان کے پاس نبی آیا۔

لَيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ یعنی اہل کتاب میں سے جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ وہ ان سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔ عرب یہ آرزو کرتے تھے کہ کاش ان میں سے بھی کوئی رسول ہوتا جس طرح بنی اسرائیل میں سے رسول تھے۔ جب انہیں میں سے نذیر آ گیا جس کی انہوں نے تمنا کی تھی تو انہوں نے اس سے نفرت کی اور اس پر ایمان نہ لائے۔ استکبارا یعنی ایمان سے سرکشی کرتے ہوئے ایمان نہ لاتے۔

وَ مَكْرَ السَّيِّئِ برے عمل کا مکر۔ اس سے مراد کفر اور کمزور لوگوں کو دھوکہ دینا ہے اور ان کا ایمان سے لوگوں کو روکنا ہے تاکہ ان کے پیروکار زیادہ ہوں۔ أمة کے مونث ہونے کی وجہ سے من إحدى الأمم کو مونث ذکر کیا؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ حمزہ اور اخفش نے ومکر السیئ ولا یحیق المکر السیئ پڑھا یعنی پہلے مکر سے اعراب کو حذف کیا اور دوسرے میں اسے ثابت رکھا۔ زجاج نے کہا: یہ لحن ہے، یہ لحن اس لیے ہوا کیونکہ اس سے اعراب کو حذف کیا گیا ہے۔ مبرد نے گمان کیا ہے: یہ انداز کلام اور شعر میں جائز نہیں کیونکہ اعراب کی حرکات کو حذف کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ حرکات معانی میں فرق کرنے کے لیے داخل ہوئیں۔ بعض نحویوں نے اس امر کو بڑا عظیم جانا کہ اعمش اپنی حالت اور قیام و مرتبہ کے باوجود یہ اس طرح قراءت کرتا ہے کہا: اعمش اس پر وقف کرتا، جس نے اس کی طرف سے یہ تعبیر کی ہے اس نے غلطی کی۔ کہا: اس پر دلیل یہ ہے کہ اس پر کلام مکمل ہوتی ہے اور دوسرے پر کلام مکمل نہیں ہوتی تو بالاتفاق اس پر اعراب دیا جائے گا۔ دوسرے میں السیئ میں حرکت پہلے السیئ کی بنسبت زیادہ ثقیل ہے، کیونکہ یہ دو کسروں کے درمیان ضمہ ہے۔ بعض نحویوں نے اس بارے میں سیبویہ کے قول سے استدلال کیا ہے۔ اس نے اور دوسروں نے یہ مصرعہ پڑھا:

إذا اعوججن قلتُ صاحِبْ قَوِّمْ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 476

جب ان میں کجی واقع ہوگئی تو میں نے کہا: اے ساتھی! انہیں سیدھا کر۔ محل استدلال صاحب ہے۔
ایک اور شاعر نے کہا:

فالیوم أشرَبْ غیرَ مُستَحْقِبٍ　　إثما من الله ولا واغِلِ(1)

آج میں پیوں گا میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوں گا اور نہ ہی دعوت کے بغیر داخل ہونے والا ہوں گا۔ محل استدلال اشرب ہے۔

اس میں کوئی حجت نہیں، کیونکہ سیبویہ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا۔ اس نے اسے بعض نحویوں سے حکایت کیا ہے۔ جب کوئی بات ایسی ہو جس میں علماء کا اعتراض ہو تو وہ حجت نہیں ہوتی تو یہ کیسے حجت ہو سکتی ہے جب وہ شاذ کے طور پر اور ضرورت شعری کے طور پر واقع ہو؟ زجاج نے یہ گمان کیا ہے کہ ابو العباس نے یوں پڑھا۔　إذا أعوجَجْنَ قُلْتُ صاحِ قوِّمِ۔

اور اس نے پڑھا:　　فالیومَ فاشرَبْ غیرَ مُستحقِبِ

نحاس نے ان سب چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ زمخشری نے کہا: حمزہ نے ومکر السیئ ہمزہ کے سکون کے ساتھ قراءت کی ہے (2)۔ اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ اس پر حرکات ثقیل ہوتی ہیں۔ ممکن ہے اس نے اختلاس کا قاعدہ جاری کیا ہو تو اسے سکون گمان کیا گیا یا خفیف سا وقف کیا پھر ابتدا کی ولا یحیق۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ومکرا سیئا قراءت کی۔ مہدوی نے کہا: جس نے ومکر السیئ میں ہمزہ کو سکون دیا تو وہ وقف کے طریقہ پر ہے پھر وقف کے طریق پر وصل کو جاری کیا یا ہمزہ کو ساکن کیا کیونکہ کسرے پے در پے اور یاء پے در پے ہیں۔ جس طرح کہا:

فالیوم اشرب غیر مستحقب

قشیری نے کہا: حمزہ نے ومکر السیئ ہمزہ کے سکون کے ساتھ قراءت کی۔ لوگوں نے اس کی اس قراءت کو غلط قرار دیا ہے ایک قوم نے کہا: ممکن ہے اس نے اس پر وقف کیا ہو کیونکہ کلام اس پر مکمل ہوتی ہے۔ تو راوی نے غلطی کی۔ یہ امر ان سے ادراج میں روایت کیا گیا۔ اس کی مثل میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

ہم نے کہا: جو امر خبر مستفیض اور خبر متواتر سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پڑھا تو یہ جائز ہے۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ لحن ہے۔ جس نے اس قراءت کو خطا پر محمول کیا ہے شاید اس کی مراد یہ ہو کہ دوسری قراءت افصح ہے اگرچہ یہ بھی فصیح ہے۔ وَ لَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ السَّیِّیُٔ اِلَّا بِاَہۡلِہٖ یعنی جس نے شرک کیا اس پر شرک کا عقاب نازل ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد غزوۂ بدر میں ان کا قتل ہے۔ شاعر نے کہا:

وقد دفعوا المنیةَ فاستقلتْ　　ذراعاً بعد ما کانت تحیق(3)

اس شعر میں تحیق، تنزل کے معنی میں ہے؛ یہ قطرب کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: یحیق، یحیط کے معنی میں ہے (4)۔ حوق کا معنی احاطہ کرنا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: حاق بہ کذا یعنی اس کا احاطہ کر لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 443　2۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 619　3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 479　4۔ ایضاً

کعب الاحبار نے حضرت ابن عباس سے کہا: میں تورات میں پاتا ہوں جس نے اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودا وہ خود اس میں گر گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں یہ چیز قرآن میں تجھے دکھا سکتا ہوں۔ کعب الاحبار نے پوچھا: وہ کہاں ہے؟ فرمایا: پڑھو وَ لَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ امثال عرب میں ہے: مَنْ حفر لاخیه جُبا وقع فیه منکبا(1) جو آدمی اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے تو اس میں منہ کے بل گرتا ہے۔ زہری نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نہ مکر کرو اور نہ ہی مکر کرنے والے کی مدد کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ لَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ نہ خود بغاوت کرو نہ ہی باغی کی مدد کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ (الفتح: 10) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ (یونس: 23) ایک حکیم نے کہا:

یأیها الظالم فی فعله والظلم مردود علی من ظلم

إلی متی أنت وحتی متی تُحصی المصائب وتَنسی النِّعم

اے اپنے افعال میں ظلم برتنے والے جب کہ ظلم ظالم کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے: تو کب تک مصائب کا شمار کرتا رہے گا اور کب تک نعمتوں کو بھلائے رکھے گا۔

حدیث میں ہے: المکر والخدیعة فی النار مکر اور دھوکہ آگ میں ہیں۔ فی النار سے مراد ہے یعنی آخرت میں مکر اور دھوکہ کرنے والے جہنم میں ہوں گے، کیونکہ یہ کفار کے اخلاق میں سے ہے نیک مومنوں کے اخلاق میں سے نہیں اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے سیاق میں فرمایا: ولیس من اخلاق المومن المکر والخدیعة والخیانة مکر، دھوکہ اور خیانت مومن کے اخلاق میں سے نہیں۔ اس حدیث میں ایسے مذموم اخلاق کو اپنانے اور ایمان کے کریمانہ اخلاق کو چھوڑنے پر بلیغ ترین تحذیر ہے۔

فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ وہ اس عذاب کا انتظار کر رہے ہیں جو پہلے کفار پر نازل ہوا۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا اللہ تعالیٰ نے کفار پر عذاب کو جاری فرمایا اور کفار کے بارے میں اسی کو سنت بنائے گا جو اس عذاب کا مستحق بنے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کی مثل عذاب دے گا۔ سنة کا معنی طریقہ ہے اس کی جمع سنن ہے۔ آل عمران میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا: سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا (الاسراء: 77) قوم کی طرف مضاف کیا کیونکہ ایسا امر ہے جو جانبین سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ اجل کی طرح ہے کبھی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کیا جاتا ہے اور کبھی قوم کی طرف اسے مضاف کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ (العنکبوت: 5) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ (الاعراف: 34)

اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ ؕ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 443

اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝

"کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ دیکھ لیتے کہ کتنا (دردناک) انجام ہوا ان (سرکشوں) کا جو ان سے پہلے گزر چکے حالانکہ وہ قوت (وطاقت) میں ان سے (کئی گنا) زیادہ تھے، اور سنو اللہ تعالیٰ ایسا (کمزور) نہیں ہے کہ اسے آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز نیچا دکھا سکے وہ ہر بات جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے"۔

جس صفت کا ذکر کیا تھا اس کو بیان کیا کیا انہوں نے نہیں دیکھا جو ہم نے قوم عاد، قوم ثمود، مدین اور ان جیسی قوموں پر اسے نازل کیا؟ جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اگر انہوں نے دیکھا ہے تو وہ ان کے مسکنوں اور گھروں کو دیکھ کر تدبر کرتے اور ان پر جو عذاب نازل ہوا اس کو تواتر سے سن کر غور و فکر کرتے کیا اس میں ان کے لیے عبرت اور ان کے لیے بیان نہیں یہ لوگ ان سے بہتر اور قوی نہیں بلکہ وہ زیادہ قوی تھے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر عذاب کا ارادہ کر لیتا ہے تو اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا وہ علم اور قدرت رکھنے والا ہے۔

وَ لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِیْرًا ۝

"اور اگر اللہ تعالیٰ (فوراً) پکڑ لیا کرتا لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو لیکن (اس کی سنت یہ ہے) وہ ڈھیل دیتا رہتا ہے انہیں ایک مقررہ میعاد تک پس جب ان کی میعاد آ جائے گی تو بے شک اللہ کے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں"۔

وَ لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا، ما کسبوا سے مراد گناہ ہیں (1)۔ مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: مراد تمام حیوانات ہیں جو رینگ کر چلتے تھے یا کسی اور صورت میں چلتے تھے (2)۔ قتادہ نے کہا: یہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا۔ کلبی نے کہا: دابہ سے مراد جن اور انسان ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں، کیونکہ دونوں عقل ہونے کی وجہ سے مکلف ہیں (3)۔ ابن جریر، اخفش اور حسین بن فضل نے کہا: یہاں دابہ سے مراد صرف لوگ ہیں کوئی اور نہیں۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ وہ ایک جلیل القدر صحابی سے مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قریب ہے کہ سیاہ بھنورے کو اس کی بل میں انسان کے گناہ کی وجہ سے عذاب دیا جائے (4)۔ یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا: ایک آدمی نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا۔ ایک آدمی نے اسے کہا: اپنا خیال کرو، کیونکہ ظالم اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو نے جھوٹ بولا؟ واللہ الذی لا الہ الا ھو پھر کہا والذی نفسی بیدہ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بے شک سرخاب ظالم کے ظلم کی وجہ سے اپنے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 479 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 444 3۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 619 4۔ ایضاً

گھونسلہ میں کمزوری کی وجہ سے مرجاتا ہے☆۔ ثمالی اور یحییٰ بن سلام نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ بارش روک لیتا ہے اور ہر چیز ہلاک ہو جاتی ہے۔ سورۂ بقرہ میں آیت وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ۝ کی تفسیر میں عکرمہ اور مجاہد سے اس کی مثل روایت گزر چکی ہے کہ وہ حشرات اور چوپائے ہیں جنہیں ان علماء سو کے گناہوں کی وجہ سے خشک سالی آلیتی ہے جو حق کو چھپاتے ہیں تو یہ چیزیں ان پر لعنت کرتی ہیں۔ ہم نے وہاں حضرت براء بن عازب سے دوسری روایت نقل کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ۝ کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''مراد زمین کے جانور ہیں''(1)۔

وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى مقاتل نے کہا: اجل مسمی سے مراد وہ اجل ہے(2) لوح محفوظ میں جس کا وعدہ کیا گیا۔ یحییٰ نے کہا: اس سے مراد یوم قیامت ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا یعنی بندوں میں سے جو عذاب کے مستحق ہوتے ہیں ان کو دیکھنے والا ہے۔ اذا میں لفظ بصیر کو عامل بنانا جائز نہیں جس طرح اس مثال میں خارج کو الیوم میں عامل بنانا جائز نہیں الیوم ان زیدا خارج لیکن اس میں عامل جاء ہے کیونکہ اذا ایسے حروف مجازات اور اسماء مجازات کے مشابہ ہے جن کا مابعد ان میں عمل کرتا ہے۔ سیبویہ اذا کے ساتھ مجازات کو درست نہیں سمجھتے تھے مگر شعر میں مجازات جائز سمجھتے تھے، جس طرح کہا:

إذا قصُرت أسيافنا كان وصلها خُطانا إلى أعدائنا فنضاربِ

محل استدلال فنضارب ہے جو اذا کی جزا ہے۔

الحمد للہ اولاً و آخراً

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے حبیب کریم علیہ الف الف صلاۃ وتسلیم کے طفیل تفسیر قرطبی کے ترجمہ کو مکمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائی۔ ناچیز کے حصہ میں آخری چار جلدیں آئیں ان چار جلدوں میں سے آخری جلد کا ترجمہ پہلے ہوا اور ساتویں جلد کا ترجمہ آخر میں ہوا۔ آج مورخہ 19 ستمبر 2008 بروز جمعۃ المبارک بمطابق 18 رمضان شریف طلوع فجر کے بعد اختتامی الفاظ لکھنے نصیب ہوئے۔

میں احکم الحاکمین جو ہم سب کا خالق و مالک ہے اور اس کی بارگاہ میں سب نے حاضر ہونا ہے، کی بارگاہ عالی میں عرض گزار ہوں کہ میری اس کاوش کو میرے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ حضور ضیاء الامت کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے اور میرے والدین، میرے اساتذہ اور دوستوں اور تمام مومنین کی مغفرت فرمائے اس ترجمہ کو لوگوں کے لیے نفع مند بنائے۔ اسی کے فضل و کرم کا سہارا ہے اور بس۔

محمد بوستان

مدرس دار العلوم محمدیہ غوثیہ

بھیرہ شریف ضلع سرگودھا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب العقوبات، صفحہ 300

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 480

☆ تفسیر قرطبی نے اس کی مثل روایت نقل کی ہے۔